اسلامک اکیڈمی مانچسٹر کی لاجواب نادر علمی پیش کش

آثار التنزیل

جلد اوّل

چیدہ مضامین

ضرورۃ القرآن	خصوصیات القرآن	صداقت القرآن	فضائل القرآن	نزول القرآن
جمع القرآن	کتابت القرآن	ترتیب القرآن	احرف القرآن	حفاظت القرآن
حفظ القرآن	لسان القرآن	ترجمۃ القرآن	تجوید القرآن	قرأت القرآن
اسلوب القرآن	شعریت القرآن	ایمان القرآن	مقام القرآن	علوم القرآن
حقوق القرآن	تلاوت القرآن	اعجاز القرآن	نسخ فی القرآن	تاثیر القرآن

مؤلف

ڈاکٹر علامہ خالد محمود

ڈائریکٹر اسلامک اکیڈمی مانچسٹر

دار المعارف

الفضل مارکیٹ، اردو بازار، لاہور

اسلامک اکیڈمی مانچسٹر کی لاجواب نادر علمی پیش کش

آثار التنزیل

جلد اوّل

پچیس مضامین

ضرورۃ القرآن	خصوصیات القرآن	صداقت القرآن	فضائل القرآن	نزول القرآن
جمع القرآن	کتابت القرآن	ترتیب القرآن	احرف القرآن	حفاظت القرآن
حفظ القرآن	لسان القرآن	ترجمۃ القرآن	تجوید القرآن	قرات القرآن
اسلوب القرآن	سور القرآن	ایمان القرآن	مقام القرآن	علوم القرآن
حقائق القرآن	تلاوت القرآن	اعجاز القرآن	نسخ فی القرآن	تاثیر القرآن

تالیف

ڈاکٹر علامہ خالد محمود

ڈائریکٹر اسلامک اکیڈمی مانچسٹر

دار المعارف

الفضل مارکیٹ، اردو بازار، لاہور

نام کتاب ــــــــــــــ آثار التنزیل جلد اوّل
مصنف ــــــــــــــ ڈاکٹر علامہ خالد محمود
کتابت ــــــــــــــ محمد حنیف الحق صدیقی خانیوال
ناشر ــــــــــــــ دار المعارف لاہور
صفحات ــــــــــــــ
تعداد ــــــــــــــ
قیمت ــــــــــــــ
ممالک یورپ ــــــــــــــ

ملنے کے پتے

دفتر دار المعارف ۴/۱ دیو سماج روڈ سنت نگر لاہور
جامعہ ملیہ اسلامیہ توحید پارک نزد امامیہ کالونی لاہور
پتہ انگلینڈ : اسلامک اکیڈیمی آف مانچسٹر

حکیم الاسلام حضرت مولانا القاری محمد طیب مہتمم دار العلوم دیوبند کی چھتیس ۳۶ سال پہلے کی ایک تحریر

نمبر ۷۵۸

دفتر دار العلوم دیوبند ضلع سہارنپور

مورخہ ۹-۴-۱۹۸۴ء

آثار التنزیل مولفہ مولانا خالد محمود صاحب کیسی کتاب ہے؟

اس سوال کا پہلا جواب یہ ہے کہ وہ مولانا خالد محمود صاحب کی تالیف ہے جو تصنیف و تالیف کی لائن کے معروف اور علمی دُنیا کے جانے پہچانے مُصنّف ہیں قدر الشہادۃ قدر الشہود کے اصول پر مُصنف کی علمی قدر و منزلت تصنیف کی قدر و منزلت کا کھلا نشان ہے۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ کتاب کے عنوانات کو پڑھ لیا جائے عنوان مضمون مضمون کا ترجمہ ہوتا ہے اور ترجمہ اور عنوان ہی سے صاحب مضمون کی فقاہت و ذکاوت واضح ہو جاتی ہے علماء کا مسلمہ مقولہ ہے فقہ البخاری فی تراجمہ بخاری کا تفقہ اور علمی عمق ان کے ابواب و تراجم اور عنوانات میں مخفی ہے جو اُنہوں نے احادیث پر قائم کئے ہیں اور حدیث کا عطر نکال کر

ترجمہ میں پیش کرنا ہے۔

جس کتاب کے تراجم وعنوانات ضرورۃ القرآن نزول القرآن تدوین القرآن ارض القرآن سُوَرِ القرآن لسان القرآن اسلوب القرآن ترتیب القرآن اورحفاظت القرآن وغیرہ ہوں اس سے اندازہ کرلیا جائے کہ قرآنی علوم کے مختلف پہلوؤں پر مصنف کی کتنی گہری نظر ہے۔ بہرحال یہ ابواب اور مصنف دونوں اس زیرِنظر کتاب کی قدرومنزلت کے گواہ ہیں اس لئے مُستفیدین کے حق میں آثارالتنزیل سے استفادہ اوراس کے شوق ورغبت کے دروازے کھل جانے چاہئیں اورانہیں علوم قرآن کے ان جامع اور گہرے پہلوؤں کو سامنے لانے کے لئے اس موقر کتاب کا مُطالعہ کرنا چاہیئے تاکہ کتاب کی وہ قدروقیمت جو اس کے مصنف اور تصنیفی عنوانات سے اجمالاً سامنے آئی تھی۔ مطالعہ کے بعد تفصیل اوربصیرت کے ساتھ سامنے آجائے۔

علماء کرام اور مدارس کے منتہی طلبہ کے لئے اوریونیورسٹیوں کے جدید تعلیم یافتہ حضرات کے لئے اس کتاب کا مُطالعہ بہت مُفید ہوگا۔ دُعا ہے کہ حق تعالیٰ اس کتاب کونافع اورمقبول فرمائے۔

محمّد طیّب

مہتمم دارالعلوم دیوبند

۶ — ۴ — ۱۳۸۴ھ

فہرست مضامین

جمع القرآن

کتابتِ قرآن ۱۶۳

حفظُ القرآن

لسانُ القرآن

ترجمۃ القرآن

تجوید القرآن

قراءتِ قرآن

اسلوبُ القرآن

سور القرآن

ایمان القرآن

مقامِ قرآن

علوم القرآن

عالمی حقائق قرآن کی روشنی میں

تلاوتِ قرآن

اعجاز القرآن

نسخ فی القرآن

تاثیر القرآن

آثار التنزیل جلد دوم کے ابواب

ایک قرآن ـــ آداب القرآن ـــ ارض القرآن ـــ امثال القرآن

اصطلاحات القرآن ـــ اصحاب القرآن ـــ قصص القرآن ـــ تراجم القرآن

تفسیر القرآن ـــ علاج بالقرآن ـــ لغات القرآن ـــ مضامین القرآن

ربط آیات القرآن ـــ چند غیر مسلم مستشرقین کی آراء

فہرست

ارض القرآن

قصص القرآن

امثال القرآن

مختلف تراجم قرآن

تفسیر القرآن

علاج بالقرآن

مضامین القرآن

انبیاء بنی اسرائیل

حضرت خاتم النبیین علیہ الصلوٰۃ والسلام

لغات القرآن

مقدمہ

الحمد للہ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ اما بعد :

چالیس سال پہلے کی بات ہے جب مرے کالج سیالکوٹ میں مسلمان طلبہ کا احتجاج شدت اختیار کر گیا کہ پنجاب یونیورسٹی میں جب ایک نئے مضمون کا اجرا عمل میں آچکا ہے تو اسے یہاں بھی لایا جائے۔ یہ مضمون اسلامیات کا تھا جسے بعد میں کا نام دیا گیا۔ پنجاب یونیورسٹی میں اس شعبہ کے سربراہ علامہ علاؤ الدین صدیقی تھے۔

کالج کی مسیحی انتظامیہ کو طلبہ کا یہ جائز مطالبہ تسلیم کرنا پڑا اور ۱۹۵۰ء میں پہلی مرتبہ اس قدیم مسیحی ادارے میں اسلام بطور ایک مضمون کے داخل ہوا اور قرعہ فال اس عاجز کے نام پڑا کہ اسلامیات یہاں ایک آپشنل مضمون کی حیثیت سے پڑھائے۔ ڈگری کلاس کے آپشنل نصاب میں قرآن کا تعارف نکتہ اول تھا اور ازاں بعد حضور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی سُنّت اور سیرت سے مسلمان طلبہ کو متعارف کرانا تھا۔

کالج کے طلبہ نے کالج کے اوقاتِ تعلیم میں اس مضمون کی تدریس پر اکتفا نہ کی بلکہ خارجی اوقات میں قرآن کریم کے تعارف پر ہفتہ وار لیکچرز کا اہتمام کیا جس میں وہ طلبہ بھی بآسانی شریک ہو سکتے تھے جن کا یہ مضمون نہ ہوا اور پھر یہ بھی ان کی خواہش تھی کہ ان لیکچرز کو صرف آپشنل حدود میں نہ رکھا جائے۔ قرآن کریم کا یہ تعارف کے درجے میں ہو۔ یہ ہفتہ وار پروگرام مرتب کیا گیا اور بیانات کا یہ سلسلہ آٹھ ماہ تک چلتا رہا۔ کئی طلبہ اسے قلمبند بھی کرتے رہے اور کئی پہلوؤں سے سوال و جواب بھی ہوتے رہے۔ آثار التنزیل انہی لیکچرز کی ایک تحریری دستاویز ہے جو ترمیم و اضافہ کی راہوں سے گزر کر مرتب ہوئی ہے۔ عام ضرورت کے پیشِ نظر اسے ایک مختصر صورت میں پہلے شائع کر دیا گیا اور اب یہ تاریخی دستاویز اپنے تمام اطراف و جوانب کو سمیٹتی ہوئی ایک مفصل صورت میں آپ کے سامنے ہے۔

پہلے چار اڈیشنوں تک نسخ فی القرآن۔ احرف القرآن۔ علوم القرآن اور ربط آیات کے عنوان اس میں نہ تھے۔ اور احقر ہر دفعہ ارادہ کرتا رہا کہ اس اڈیشن میں انہیں ضرور لایا

لایا جائے۔ تاہم راقم الحروف کو وہ فرصت میسر نہ آسکی جو اس کام کی متقاضی تھی، ہر کام اپنے ایک وقت کا رہین ہے اور وہ گھڑی یہ تھی کہ چالیس سال کے بعد آثار التنزیل اپنی مکمل صورت میں جلوہ گر ہو

اس طویل خاموشی کی وجہ احقر کا ۱۹۶۶ء میں انگلینڈ چلا جانا رہا۔ احقر نے وہاں ۱۹۷۴ء میں اسلامک اکیڈمی آف مانچسٹر کے نام سے ایک تعلیمی اور تصنیفی ادارہ قائم کیا۔ وہیں اس ادارہ نے نظرثانی کی جلا پائی۔ الحمد للہ کہ اب قرآن کی یہ خدمت اپنی تفصیلی صورت میں آپ کے سامنے ہے۔ اہل علم حضرات سے درخواست ہے کہ اگر اس میں کوئی فروگذاشت پائیں یا کسی حوالے میں پوری بات نہ دی گئی ہو یا کہیں کاتب کی جولانی قلم کام کر گئی ہو تو احقر کو اس سے ضرور مطلع فرمائیں تاکہ اگلے اڈیشن میں ان مقامات میں اصلاح کی جا سکے۔

ان لیکچرز میں احقر کی یہی کوشش رہی کہ قرآن کے تعارف میں طلبہ کے ذہن کو ان تعبیرات سے پاک رکھا جائے جو اسلام کے چودہ سو سالہ سرمایہ علم میں نہیں ملتیں، ہر نئی چیز میں ایک لذت اور دلچسپی تو مل جاتی ہے لیکن ان جدید تعبیرات کو ایک سلسلہ نہیں کہہ سکتے۔ سلسلہ وہی ہے جو مسلسل چلا آئے۔ اسلام ایک پرانا دین ہے جو زندگی کے تمام جدید تقاضوں میں بھی راہنمائی کرتا ہے لیکن ہم تاویلات جدیدہ سے اسے اپنے ماضی سے کاٹ نہیں سکتے۔ اسلام کی جدید تعبیرات صحیح بھی ہوں تو صرف جزئیات کا حکم رکھتی ہیں، کلیات میں صرف وہی امور ہیں جنہیں امت چودہ سو سال سے لے کر چلی ہے۔ علماء امت اسلام پر اتنا کام کر چکے ہیں کہ ان سے ملحد متنورین کے بغیر کوئی مستغنی نہیں رہ سکتا۔ ان کی کوششیں صحیح تھیں اور خدا نے ان کوششوں کو شرف قبولیت بخشا ہے اس کا ظہور آج بھی ہمارے سامنے ہے کہ لاکھوں نہیں کروڑوں مسلمان ان اعیانِ امت اور اکابر اسلام پر جان دیتے ہیں۔

ہم ایک بحر بے پایاں کے کنارے کھڑے ہیں جس طرح پانی کا فوارہ آفتاب کی کرنوں سے مختلف رنگ پیدا کرتا ہے لیکن دیکھنے والوں کی اپنی اپنی جہت ہوتی ہے اسی طرح آسمانی تجلّیات قلب رسالت پر ہمیشہ نئے نئے رنگ میں اُترتی رہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ایسی جماعت تیار کی جنہیں آپ نے اپنے فیضانِ تربیت سے اس فوارہ

کی طرح اُچھلتا کیا جس میں آفتاب کی کرنیں مختلف جہات سے اُتر رہی ہوں اللہ تعالیٰ نے حضورؐ کے عہد کے لوگوں کو اس امت کا خیر امّت کہا اور فرمایا کہ اب تمہیں دنیا کی قوموں کے لیے بطور پیشوا آگے کیے گئے ہو جو تم کہو معروف ہے اور جس سے تم روکو وہ منکر ہے اور تمہیں یہ مقام ایمان باللہ کے صدقہ سے ملا ہے۔

کنتم خیر امۃ اخرجت للناس تأمرون بالمعروف وتنھون عن المنکر وتؤمنون باللہ۔ (پ آل عمران ۱۱۰)

ترجمہ۔ تم بہترین امت ہو جو لوگوں کے لیے سامنے لائے گئے تمہارا امر معروف اور تمہاری روک منکر سے ہے اور تم اللہ پر ایمان لائے ہوئے ہو۔

قرآن کریم کا تعارف اور اس کا فہم و ادراک عقل و فلسفہ سے نہیں لفظوں کے زیر و بم سے نہیں اپنے آسمانی دعووں سے نہیں ذات رسالت اور خیر امت سے وابستہ ہے اور اور اس کے لیے ان دلوں کی ضرورت ہے جو تقوے و طہارت کی راہ سے علم کی جلا پائے ہوئے ہوں اور ان کی روحانی پاکیزگی نفس کی اُنا اور کج فہمی کے زنگ کو دھو چکی ہو۔ فہم قرآن کا یہ درجہ نہ صرف ایک اثر بخشتا ہے بلکہ اس سے ایک لذت بھی ملتی ہے یہ لذت بھی دراصل روح القدس کا پرتو ہے جس سے ضمیر روشن ہو جاتا ہے اور علم ترقی کرتا ہے۔

قرآن کریم محض ایک ضابطہ حیات ہوتا تو قانونی جزئیات اور ان کی منطقی تنقیحات زندگی کے مختلف گوشوں کو اُجاگر کرنے کے لیے کافی تھیں اور اگر یہ صرف ضابطۂ اخلاق ہوتا تو انسان کا نفسیاتی تجزیہ زندگی کے تاریک خاکوں میں بے شک رنگ بھر دیتا۔ لیکن قرآن کریم کا موضوع انسان ہے اور وہ بھی بایں طور کہ یہ اللہ رب العزت کی عبدیت کا مظہر کامل ہے۔ یہ عبدیت نظامِ حیات اور دار آخرت دونوں کو شامل ہے اور حاوی ہے۔ اسلامی اخلاق معاملات اور نظامِ حیات کو بہتر بناتے ہیں اور عقائد و اعمال آخرت کو سنوارتے ہیں۔ یہ صحیح ہے کہ عقائد و اعمال کا اثر انسان کے معاملات پر بھی پڑتا ہے۔ یہ صحت عقائد اور حسنِ اعمال کا وہ دینی ثمرہ ہے جو انسان کو آخرت سے پہلے یہیں مل جاتا ہے۔

قرآن کریم کی روشنی میں نظامِ حیات اعمالِ آخرت کے تابع نظر آتا ہے مگر جو لوگ اسلام

کو فلسفہ زندگی سمجھتے ہیں اور اسے اپنی عقل (گو وہ نارسا ہی کیوں نہ ہو) اور تجربہ کی راہنمائی میں سوچتے ہیں وہ اعمالِ آخرت کو نظامِ حیات کے تابع سمجھتے ہیں۔ حالانکہ اسلام محض ایک نظام نہیں ایک دین ہے جو علو چاہتا ہے۔ کسی دوسرے نظریہ اور تجربہ کی ماتحتی قبول نہیں کرتا۔ اخر نے اسی ذہن و فکر سے مرے کالج کے طلبہ کے سامنے قرآن کے مختلف پہلوؤں پر لیکچرز دیئے اور طلبہ کے سامنے اسلام کو اس طرح پیش کیا گویا یہ محض ایک ضابطہ عمل نہیں ایک عملی راہ ہے۔ ایک حرکت ہے جو تقریباً چودہ سو سال پہلے خیرامت سے شروع ہوئی تھی۔ قرآن کریم متعدد مقامات پر اسلام کو ایک راہ کہتا ہے۔ صراطِ مستقیم ایک راہ ہی تو ہے جو پہلے انعام یافتہ لوگ چل چکے۔ قرآن کریم اسے سبیل المومنین بھی کہتا ہے۔ یہ وہ راہ ہے جس پر دورِ اوّل کے مومن چلے اور ان کی راہ کو چھوڑ کر چلنا اپنے آپ کو وہاں لے جاتا ہے جو ایک بڑا بُرا ٹھکانہ ہے۔

کیا قرآن امت میں ایک تسلسل سے چلا ہے؟

قرآن پاک کا اس کتاب میں تعارف مختلف جہات سے کرایا گیا ہے۔ یہ مضامین پاک و ہند کے مختلف جرائد میں بھی اپنے اپنے طور پر کئی دفعہ چھپے ہیں۔ قارئین ان میں ایک بات بڑے اعتنا سے محسوس کریں گے کہ ان میں قرآن کریم کا کسی پہلو سے اس طرح تعارف نہیں کرایا گیا کہ ہم نے اس کے خارجی اثرات سے یکسر آنکھیں بند کر لی ہوں اور صرف اس کے کسی داخلی مضمون میں گم ہو کر کوئی بات کہیں قرآن پاک کے کسی حصہ کو اپنے خیالات کی روشنی میں نکھار کر سامنے لانا اور بات ہے اور یہ سمجھنا کہ قرآن کے اس حصہ کو اب تک چودہ سو سال میں امت نہ سمجھ پائی تھی یہ بالکل ایک دوسری سمت ہے۔ اس میں قرآن پاک ایک تسلسل سے چلتا آپ کو کہیں نظر نہ آئے گا۔ یہ نظریہ اسے ایک تسلسل سے چلا آنے والا ماخذ علم تسلیم کرنے میں ایک سنگ گراں ہے۔

اس زمانے میں کئی عاشقانِ قرآن ایسے بھی اُٹھے جو قرآنی مطالب کو سرے سے ایک نئی تفہیم مہیا کرنے میں بڑے جوش سے آگے بڑھے ہیں اور وہ بر ملا کہتے ہیں کہ اب تک قرآن اپنے صحیح معانی و مفاہیم میں صحیح نہیں سمجھا گیا۔ تہذیب جدید کے متوالے ان کے گرد حبِ علی کے

جذبہ سے نہیں بغضِ معاویہؓ کے جوش میں جمع ہو جاتے ہیں۔ یہ اس طبقے کی علماء کے خلاف ایک اپنی تربیت ہے جو تاریخ کے مختلف موڑوں میں مختلف ناموں سے ظہور میں آتی رہی ہے۔

راقم الحروف کا تعلق بھی زیادہ جدید تعلیم یافتہ نوجوانوں اور یونیورسٹی طلبہ سے رہا ہے ان کے ذہن کو پڑھتے ہوئے راقم الحروف نے سمجھا کہ اگر ہم قرآن کو امت کے ساتھ ایک تسلسل سے چلنے والے ماخذ علم کی حیثیت سے پیش نہ کر سکیں تو امتِ مسلمہ قرآن سے یکسر بے گانہ ہو کر رہ جائے گی کہ یہ محض ایک علمی خزانہ ہے جب کوئی چاہے اس کی چمک دیکھ لے۔ یہ ہرگز ایک راہ نہیں جسے سبیل المومنین کہا جائے اور وہ امت میں چودہ سو سال سے ایک تسلسل سے چلی آرہی ہو اور وہ ان تمام لوگوں کے لیے راہِ ہدایت رہی جو اس سے ڈرنے والے رہے۔ اور یہ قرآن کے منطوق کے خلاف ہے جو اپنے کو ھدی للمتقین کہتا ہے کہ یہ ایک راہ ہے جس پر خدا سے ڈرنے والے ہمیشہ سے چلتے آرہے ہیں۔

آثار التنزیل میں طلبہ کو قرآن کے داخلی اور خارجی مباحث میں اتنا علمی مواد ملے گا کہ اس مبحث میں وہ پھر کوئی تشنگی محسوس نہ کریں گے۔ بشرطیکہ اسے وہ ایک طالبعلمانہ نظر سے پڑھیں اور بار بار پڑھیں، ایک ترتیب سے چلیں اور پورے موضوع کا مطالعہ فرمائیں۔ ان فی ذالك لذکری لمن کان له قلب او القی السمع وھو شہید۔

ایک گذارش

ہم نے اس کتاب میں احادیث و آیات اور عربی عبارات کے ترجموں میں آزاد ترجمے کو جگہ دی ہے اور اس میں لفظی اور فنی رعایت نہیں رکھی ہم نے ان عبارات کا مفہوم اور حاصل زیادہ ملحوظ رکھا ہے۔ یہ ترجمے آج کل اس جہت سے زیادہ سہل سمجھے جاتے ہیں اور طلبہ انہیں پسند کرتے ہیں۔

مقدمہ

الحمد لله وسلام على عباده الذين اصطفى اما بعد

اللہ رب العزت کا دل کی گہرائیوں سے شکر گزار ہوں جس نے آثار التنزیل کی دوسری جلد مکمل کرنے کی توفیق عطا فرمائی۔ طلبہ اور علماء کو مدت سے اسکا انتظار تھا۔ ہر کام اپنے وقت کا رہین ہے اور اس خدمت کیلئے اللہ کے ہاں یہی وقت مقدر تھا۔ وكان امر الله قدرا مقدورا۔

طلبہ علوم اسلامی کو قرآن کے جس قدر قریب ہونا چاہیئے ہم انہیں حفظ و قرات کے سوا کسی دوسرے باب میں اس میں گہرا اترا نہیں دیکھتے قرآن کریم کے تاریخی پس منظر اور اسکے اصول کلیہ پر ہر طالب علم کی بالغ نظر ہونی چاہیئے مگر افسوس کہ قرآن کا یہ درک واستحضار بہت کم طلبہ کو نصیب ہوا ہے۔

قرآن کریم جس جس طرح اسلام کا پہلا ماخذ علم ہے طلبہ کا اس میں انہماک وادراک اسی درجہ میں ہونا چاہیئے مگر افسوس کہ آج طلبہ حدیث وفقہ کی بحثوں میں تو پھر بھی کچھ دلچسپی لے لیتے ہیں مگر قرآن کریم کے حوالوں سے بات چیت کرتے آپ انہیں بہت کم دیکھیں گے

راقم الحروف نے طلبہ کیلئے قرآن کریم کے بارے میں چالیس مختلف عنوان اختیار کئے ہیں اور طلبہ مدارس عربیہ کے ہوں یا کالجوں اور یونیورسٹیوں کے۔ ان کو ان مختلف راہوں سے قرآن کریم کے چشمہ صافی کے گرد لا بٹھانے کی کوشش کی ہے انکے عنوان بہت آسان ہیں تاہم انکی تفہیم بہت زیادہ توجہ۔ غور وخوض اور بار بار کے مطالعہ کی مقتضی ہے

قرآن کریم کے تعارف میں بہت سی کتابیں پہلے سے بھی موجود ہیں علوم قرآن پر بھی بہت کچھ لکھا گیا ہے لیکن طلبہ کو ترجمہ قرآن کے قریب کرنے کیلئے کسی ایسی کتاب میں کوئی کوشش نہیں ملتی۔ طلبہ قرآن کے بارے میں تو بہت کچھ جان لیتے ہیں لیکن قرآن کو وہ بہت کم جان پاتے ہیں

راقم الحروف نے اس جلد میں لغات القرآن کے نام سے عربی الفاظ کا ایک مختصر کشکول پیش کیا ہے جسے بار بار دیکھنے اور پڑھنے سے طلبہ میں آسانی سے ترجمہ قرآن کی استعداد پیدا ہو سکتی ہے میں نے اس میں کچھ عربی الفاظ اسماء میں سے بھی اور افعال میں سے بھی اس طرح متفرق جمع کئے ہیں کہ ان میں واحد و جمع مؤنث و مذکر ماضی و مضارع اور امر و نہی کی تلاش خود طلبہ کے ذمہ لگائی ہے یہ کوشش ان میں ایک ایسا

ذوق پیدا کر دے گی کہ انکے لئے پھر پورے قرآن کا ترجمہ کرنا بہت آسان ہو جائے گا۔

طلبہ کی مدد کیلیے راقم الحروف نے بیشتر وہ آیتیں بھی دے دی ہیں جہاں ان الفاظ کا استعمال ہوا ہے وہاں انکا ترجمہ بآسانی دیکھا جاسکتا ہے۔ قرآن کے تعارف میں لکھی گئی پہلی کتابوں میں طلبہ کو ترجمہ قرآن کریم کے قریب کرنے کی یہ کوشش اور کہیں نہ ملے گی

میں پروفیسر ڈاکٹر محمد سلیم صاحب کا تہہ دل سے ممنون ہوں جنہوں نے اپنے مانچسٹر کے قیام کے دوران ان الفاظ کو اس ترتیب سے جمع کیا۔ یہاں بہت سے طلبہ ان الفاظ کی مشق سے ترجمہ قرآن کی استعداد پاگئے اور اسی احساس سے راقم نے اسے آثار التنزیل میں جگہ دی ہے

مضامین قرآن کی بست بالی فہرست اس جلد کا شاہ پارہ ہے اس میں ان مضامین پر کہیں بحث نہیں کی گئی۔ قرآن کریم سے ان مقامات کی نشاندہی کی گئی ہے جہاں یہ مباحث موجود ہیں یہ اسلئے کہ طلبہ میں قرآن کی طرف مراجعت کرنے کی عادت پیدا کی جائے اور انہیں خود انکے تراجم کی ضرورت پڑے۔ اس سے ان میں تفسیر دیکھنے کی عادت بھی پیدا ہو جائے گی۔ یہ ایک ریفرنس بک کی طرح ہے جس کے حوالے آپ کو دیگر علمی کتابوں کی طرف رجوع کرنے میں مدد دے سکتے ہیں

میرے پاس وہ الفاظ نہیں جن سے اللہ رب العزت کے حضور کوئی کلمہ شکر کہہ سکوں جس نے اس ناکارہ کو اس کام کی توفیق بخشی اور قرآن کریم کو چالیس مختلف عنوانوں سے طلبہ کے سامنے لانے کی سعادت عطا فرمائی ۔ اختلافی مسائل میں راقم نے حقائق کی بجائے طلبہ کے عام مزاج کو سامنے رکھا ہے جس سے ہر مکتب فکر کا طالب علم اس کتاب سے برابر کا فائدہ اٹھا سکے گا۔ یہ کتاب اسی لئے بعض یونیورسٹیوں میں برائے مطالعہ منظور کی گئی ہے۔

۷ اکتوبر ۱۹۹۷ء مؤلف عفا الله عنه

ایک معذرت

قرآن کریم کے یہ مختلف مباحث جو آپ کو آثار التنزیل میں ملیں گے یہ ایک کتاب کے مختلف پیرے اور فصلیں نہیں ہیں بلکہ یہ عناوین مستقل مضامین ہیں جو ایک پورے موضوع کے طور پر طلبہ کے سامنے لائے گئے ہیں. انہیں ایک موضوع کے تحت ایک جامعیت دینے کے لیے ضرورت تھی کہ ان میں بعض وہ باتیں بھی آسکیں جو کسی دوسرے عنوان کے تحت بھی دی جا چکی ہیں یہ تکرار ذہنوں پر بار نہ گزرے۔ قرآن کریم میں بھی بعض مضمون کئی کئی شکلوں میں سامنے لائے گئے ہیں. قرآن کریم نے ولقد صرفنا فی ھذا القرآن للناس من کل مثل میں اسی بار بار دہرانے کی نشاندہی کی ہے. پھر صحیح بخاری کو دیکھیے کئی احادیث کئی ابواب میں بہ تکرار لائی گئی ہیں اور وہ وہاں اپنے موضوع کو مکمل کرتی ہیں، سو تکرار ہر جگہ عیب نہیں ہوتا.

قرآن کریم کے اس تعارف کے ساتھ ہمیں حدیث اور سنت کی بھی پہچان چاہیئے راقم الحروف نے اس کے لیے آثار الحدیث دو جلدوں میں شائع کی ہے. حدیث اور سنت میں تقریباً وہی فرق ہے جو سننے اور سمجھنے میں ہے. مجتہدین امت نے کتاب و سنت کی روشنی میں اسلام کی قانون سازی کی ہے اور اس طرح اسلام کا فقہ مرتب ہوا ہے. اس موضوع پر احقر آثار التشریع کے نام سے ایک فکری دستاویز پیش کر چکا ہے. یہ آثار التنزیل. آثار الحدیث اور آثار التشریع ایک ہی سلسلہ کی مختلف کڑیاں ہیں، اللہ رب العزت توفیق عطا فرمائیں تو احسان کے موضوع پر بھی آثار الاحسان کے نام سے ایک کتاب سامنے لائی جا سکے.

یہ بات محض اس لیے گذارش کی ہے کہ طلبہ یہ نہ سمجھیں کہ اسلام کے تعارف کے لیے فقط قرآن کافی ہے. ایسا نہیں اسلام زندگی کی ایک پوری راہ ہے جو سنت کے بغیر اور کتاب و سنت میں اجتہاد و تشریع کے بغیر اور پھر اس اسلام کو دل میں اتارے بغیر کسی رہرو کے آگے نہیں کھلتی. اللہ رب العزت کے حضور میں دعا ہے کہ وہ آثار التنزیل کو اور قبولیت بخشے اور اس خدمت کو ان تمام حضرات کے باقیات صالحات میں جگہ دے جن کی ہمت اور اعانت سے یہ نادر علمی تحفہ اب آپ کے سامنے ہے.

خالد محمود عفا اللہ عنہ

پرتوِ حسنت نگنجد در زمین و آسماں   در حریمِ سینہ حیرانم کہ چوں جا کردہ ای

تعارفِ قرآن

وَ اِنَّهٗ لَتَنْزِيْلُ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِيْنُ ۝
عَلٰى قَلْبِكَ لِتَكُوْنَ مِنَ الْمُنْذِرِيْنَ ۝ بِلِسَانٍ عَرَبِيٍّ مُّبِيْنٍ ۝
وَ اِنَّهٗ لَفِيْ زُبُرِ الْاَوَّلِيْنَ ۝

یہ قرآن ہے اُتارا ہُوا پروردگارِ عالم کا۔ اسے بروح الامین لے کر اُترے ہیں
آپ کے دل پر تاکہ آپ ڈر سنانیوالوں میں سے ہوں۔ یہ عربی مُبین میں ہے
اور یہ ہے (اصولاً) پہلی کتابوں میں بھی ۔ (پ ۱۹ : الشعراء : ع ۱۱)

"یہ کتاب اللہ مضبوط حُجت اور دائمی معجزہ ہے جس میں تمام حکمتیں بھری ہوئی ہیں پوشیدہ بھی ظاہر بھی، کُلّی بھی جُزئی بھی۔ کسی پہچاننے والے نے ان کو پہچان لیا تو اسے اپنے رب کی بڑی بڑی نشانیاں نظر آنے لگیں۔

اس میں اللہ کے جمال و کمال کے لشکر گھوم رہے ہیں۔ اللہ کے عُلوم و اسرار کے سمندر موجیں مار رہے ہیں اور اللہ کے جلال و عظمت کی تلواریں کام کر رہی ہیں۔"

(سید احمد کبیر رفاعیؒ)

ضرورت القرآن

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ اما بعد:

ضرورت مند کون ہے جس کو قرآن کی ضرورت ہے؟ اس کی ضرورت انسان کو ہے جو اشرف المخلوقات ہے اور ہدایت فطرت، ہدایت حواس اور ہدایت عقل کی منزلوں سے گزرتے ہوئے اپنی ضرورات میں اب کسی آسمانی ہدایت کا منتظر کھڑا ہے اس کے پاس پہلے کیا ہے جسے وہ پائے ہوتے ہے اور اب وہ کسی چیز کا ضرورت مند ہے جہاں تک اس کی عقل کی پرواز نہیں آج کے موضوع میں اسی ضرورت کا بیان ہے۔

اللہ رب العزت نے جس طرح ہر چیز کو وجود بخشا اس کی شان ربوبیت نے اسی طرح اس پر زندگی کی راہیں کھول دیں۔ بچہ پیدا ہوتے ہی ماں کا دودھ پینے لگتا ہے اور پرندوں کے بچے انڈے سے نکلتے ہی اُڑنے کی کوشش کرتے ہیں۔ طبع حیوانی کا یہ فطری اقتضار زندگی کی ہر حرکت میں اپنا کام کرتا ہے اور یہی وہ فطری ہدایت ہے جو ہر شئے کے لیے وجدان بنتی ہے۔

ربنا الذی اعطی کل شیء خلقه ثم هدی. (پ ۱۶ طہ ۵۰ ع ۲)

ترجمہ۔ ہمارا پروردگار ہے جس نے ہر چیز کو وجود بخشا اور پھر اس پر زندگی کی راہیں کھول دیں۔

زندگی کی اس "ابتدائی ہدایت" میں انسان اور حیوان سب برابر ہیں" ہدایت حواس" تک بھی حیوان نے انسان کا ساتھ دیا اور ہر ذی روح نے زندگی کے استفادہ میں اپنی استعداد کے مطابق حواس خمسہ سے کام لیا۔ لیکن اس کے بعد جب "ہدایت عقل" کی منزل آئی تو اس میدان میں انسان اکیلا رہ گیا۔ اس ہدایت نے انسان کو باقی حیوانات پر امتیاز بخشا اور اس کے سامنے فکر و نظر کی راہیں پوری وسعتوں کے ساتھ کھول دیں۔ یہ وہ جوہر عقل ہے جو دنیا کے ہر معاملہ میں امتیاز پیدا کرتا ہے اور یہ انسان کے اندر کی وہ Search light

ہے جو زندگی کی ہر ضرورت میں اسے شعور بخشتی ہے اور اسی کی بدولت انسان ہر شعبہ حیات میں "اشرف المخلوقات" کہلاتا ہے۔

سوال پیدا ہوتا ہے کہ ہدایتِ فطرت، ہدایتِ حواس اور ہدایتِ عقل کے بعد انسانی ارتقاء کے لیے کیا کوئی اور چوتھا درجہ بھی ہے یا انسان کی ساری زندگی اس تیسرے درجہ ہدایت میں ہی محدود و مصروف رہ جائے گی؟ دیکھنا یہ ہے کہ شرفِ انسانی کی آخری منزل محض تجربات اور تخمینات ہی ہیں یا انسان کو انسانیت کی تکمیل کے لیے کوئی نقطہ یقین بھی ملے گا۔ قرآن کی ضرورت کیا ہے؟ اس کا جواب اس پہلے سوال کے سمجھنے پر موقوف ہے یہی احساسِ ضرورت کبھی ضرورتِ دین کے نام سے، کبھی ضرورتِ وحی کے عنوان سے اور کبھی احتیاجِ رسالت کے الفاظ سے سامنے آتا ہے اسی حقیقت کو ہم یہاں ضرورت القرآن سے پیش کر رہے ہیں۔

جہاں تک اس چوتھے درجے کی ضرورت کا تعلق ہے اس کی تائید تمام ادیان و مذاہب نے یک زبان ہو کر کی ہے اور اس آسمانی ہدایت کی ضرورت پر دنیا کی تمام ملتیں بلا اختلاف متفق ہیں۔ دنیا کے ستانوے فیصدی انسان کسی نہ کسی عقیدے یا مذہب سے ضرور وابستہ ہیں۔ یہ اس حقیقت کی مشترکہ شہادت ہے کہ انسانی وجدان نے محض عقل کی پرواز کو ناکافی سمجھ کر ہمیشہ آسمانی راہنمائی کی تلاش کی ہے۔

زندگی کی پابندیاں اسی جوہرِ عقل کے باعث ہیں

ہمیں اس سے انکار نہیں کہ انسان "جوہرِ عقل" کی وجہ سے ہی مکلف ہوا ہے اور مجنون یا فاتر العقل سے تکلیفاتِ شرعیہ کا کوئی مطالبہ نہیں ہے لیکن دیکھنا ہے عقل خود کیا ہے؟ یہ تاریخی تجربات کا وہ خلاصہ ہے جس نے ہر نئے انکشاف پر ہمیشہ ایک نئی کروٹ لی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس کی پرواز محسوسات سے ماوراء اور ظن و تخمین کے دائرے سے آگے کبھی بڑھنے نہیں پائی۔ حالات کے تغیرات اور انسانی تجربات کا یہ ارتقاء کائنات کے علم میں اضافہ تو کر سکتا ہے لیکن اس سے نوعِ انسانی کو کوئی نقطۂ یقین میسر نہیں آ سکتا۔ سینکڑوں

فلسفی حیرت کی اسی دلدل میں سرگرداں رہے لیکن اطمینان کی دولت آسمانی ہدایت کے سوا کہیں سے میسر نہ آئی:۔

الا بذکر اللہ تطمئن القلوب۔ (پ۱۳ الرعد ۲۸)

ترجمہ۔ آگاہ رہو کہ دل اللہ تعالیٰ کے ذکر ہی سے مطمئن ہوتے ہیں۔

حاصل کلام اینکہ اگر اس چوتھے درجہ ہدایت کا وجود تسلیم نہ کیا جائے تو انسانیت بالکل ناقص رہ جاتی ہے اور دائرہ کائنات کو نقطۂ یقین کبھی میسر نہیں آ سکتا عقل ہر لحظہ تغیر پذیر ہے اور یہ صرف ایمان کی دولت ہی ہے۔ جو انسانیت کو شرفِ تکمیل بخشتی ہے امامِ ربانی شیخ احمد سرہندیؒ لکھتے ہیں:۔

مقصود آنست کہ بہ نسبت معتقدات یقینی و اطمینانی حاصل کنند کہ ہرگز بہ تشکیک زائل نہ گردد بایراد شبہ باطل نہ شود چہ پائے استدلال بے تمکین بود "الا بذکر اللہ تطمئن القلوب"۔ [1]

ترجمہ۔ مقصد یہ ہے کہ لوگوں کو اپنے عقائد میں یقین اور اطمینان کا ایسا درجہ حاصل ہو جائے کہ کوئی شک ڈالنے والا اس میں تزلزل پیدا نہ کر سکے اور نہ کسی شبہ پیدا کرنے سے اس کی عمارت گر پڑے۔ استدلال محض کے پاؤں بہت کمزور ہوتے ہیں اور استدلال کا عادی کسی بات پر ٹھہر نہیں سکتا۔ یہ محض اللہ کا ذکر ہے جس سے دلوں کو اطمینان ملتا ہے۔

اس یقین یابی کے لیے مذہب کی ضرورت انتہائی شدید ہے اور ظاہر ہے کہ اس سرچشمہ ہدایت کے طور پر قرآن کے آبِ زلال سے زیادہ نتھرا ہوا پانی اور کسی گھاٹ پر میسر نہیں آتا ـــ پس کائنات کو قرآن کی اشد ضرورت ہے اور یہی وہ نور ہے جس کی روشنی میں زندگی کی راہیں معین ہو سکتی ہیں۔

(۲) عقل کی ساری جولانیاں محسوسات کے ادراک اور انہی سے نئے نئے نتائج اخذ کرنے تک محدود ہیں۔ ہم اپنے گرد و پیش جو کچھ دیکھتے یا سنتے ہیں عقل اسی میں اپنا تصرف

---

[1] مکتوبات جلد ۱ ص ۳۴۳

کرتی ہے اور اسی سے احکام حاصل کرتی ہے۔ یہ امر کہ محسوسات کی سرحد سے آگے آگے کیا ہے؟ عقل کے پاس اس کا کوئی جواب نہیں۔ یہ وہ مقام ہے جہاں آ کر تمام فلسفیوں کے پاؤں لڑکھڑا گئے اور عقل عاجز ہو کر رہ گئی۔ الّا یہ کہ حقائق کو محسوسات میں ہی منحصر سمجھ لیا جائے اور ظاہر ہے کہ کوئی صاحبِ دانش اتنی بڑی غلطی کے ارتکاب کے لیے تیار نہ ہوگا۔ پس اس سے چارہ نہیں کہ ہم اس چوتھے درجہ ہدایت کا تجسس کریں اور ایک آسمانی نظامِ ہدایت کا واضح الفاظ میں اقرار کرلیں۔ امام ربانی حضرت مجدد الف ثانیؒ فرماتے ہیں:-

چنانچہ طورِ عقل ورائے طورِ حس است کہ آنچہ بحس مدرک نہ شود عقل ادراک آں می نماید ہم چنیں طورِ نبوت ورائے طورِ عقل است آنچہ بعقل مدرک نشود بتوسّل نبوت درک مے آید۔[1]

ترجمہ: جس طرح ہدایتِ حس کے آگے آگے ہدایتِ عقل کا درجہ ہے کہ جن چیزوں کا ادراک حواس نہیں کر سکتے عقل انہیں بھی پالیتی ہے (گویہ محسوسات میں ہی تصرف کرنے سے ہوتا ہے) اسی طرح ہدایتِ عقل کے آگے ہدایتِ نبوت کا درجہ ہے کہ جس بات کو ہم عقل سے دریافت نہیں کر سکتے، اُسے نُورِ نبوت کے ذریعہ معلوم کر سکتے ہیں۔

حاصل اینکہ عقل کا دائرہ اپنی پُوری وسعتوں کے باوجود پھر بھی محدُود ہے اور انسانی ارتقاء کی سرحدیں معین نہیں پس اس ارتقاء کے لیے ہدایتِ عقل سے آگے ایک اور چوتھے درجے کی ضرورت ہے۔ اندریں صورت ضرورتِ وحی سے چارہ نہیں اور اسی کی بدولت انسانی ارتقاء لازوال ہے۔ روحانیت کے چشمے خشک ہو جائیں تو عقل کے باغیچوں میں خاک اُڑنے لگتی ہے۔

(۳) مادی علوم اور تجرباتی نظر و فکر اس کارگاہِ کائنات کا مادہ ہیں۔ پس جس طرح مادہ کی زندگی روح سے وابستہ ہے اس "مادہ کائنات" کے لیے بھی "روحِ کائنات" لازمی ہے۔ روحانی علوم کے چشمے ہی کائناتی ارتقاء کو زندگی بخشتے ہیں اور مادہ کائنات اسی

---

[1] مکتوبات جلد ۳ صفحہ ۴۴

سے اپنی زندگی پاتا ہے۔

انسانی زندگی کا قیام غذا سے ہے

عالم اکبر (کائنات) کی طرح عالم اصغر (انسان) کی زندگی بھی کھانے کی غذا پر قائم ہے جس کے لیے وہ اپنی بساط کے مطابق پوری احتیاط برتتا ہے بایں ہمہ کبھی کبھی بے اعتدالی ہو جاتی ہے اور پھر دوا کی ضرورت لاحق ہوتی ہے۔ پس غذا اور دوا دونوں اپنی اپنی جگہ ضروری ہیں۔ پھر بسا اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ فساد مزاج کی اس حالت میں غذا ضرر دینے لگے غذا اور دوا کے اس تصادم میں زیادہ احترام پھر دوا کا ہوتا ہے اور ایک ماہر معالج یہی تجویز کرتا ہے کہ غذا میں پرہیز کی جائے۔

مادی علوم کی بے اعتدالی میں اصلاح کا قدم

ٹھیک اسی طرح مادی اور روحانی علوم کا حال ہے۔ مادی علوم بمنزلہ غذا اور روحانی علوم بمنزلہ دوا ہیں۔ جس طرح غذا کے باوجود دوا کی ضرورت بھی پڑتی ہے۔ تجرباتی علوم کے ساتھ روحانی علوم کی بھی اشد ضرورت ہے۔ اس ضرورت کے وقت مادی دائرہ حیات کا استغراق اور ضرر پہنچاتا ہے پس مصلحت اس میں ہے کہ مادی علوم اور روحانی علوم کے تصادم میں وہی طریق کار اختیار کیا جائے جو ہم نے غذا اور دوا کے تصادم میں اختیار کیا تھا۔ ظاہر ہے کہ آخری فتح روحانی علوم کی ہی ہوگی اور اس آسمانی ہدایت کا حق ہے کہ سب مادی اور تجرباتی علوم اس کے خادم ہو کر رہیں۔ حجۃ الاسلام حضرت امام غزالیؒ (۵۰۵ھ) احیاء العلوم کی تیسری جلد میں لکھتے ہیں:۔

ان العلوم العقلیة کالاغذیة والعلوم الشرعیة کالادویة و
الشخص المریض یستضر بالغذاء متی فاته الدواء فکذلك
امراض القلوب لا یمکن علاجها الا بالادویة المستفادة من
الشریعة وهی وظائف العبادات والاعمال التی رکبها الانبیاء

صلوات اللہ علیہم لاصلاح القلوب فمن لا یداوی قلبہ المریض بمعالجات العبادۃ الشرعیہ واکتفی بالعلوم العقلیۃ استضربھا کما یستضر المریض بالغذاء [1]

ترجمہ۔ تجرباتی علوم بمنزلہ غذا اور روحانی علوم بمنزلہ دوا ہیں جو شخص مریض ہو اگر اسے دوا نہ ملے تو غذا سے اسے اور بھی تکلیف ہوتی ہے یہی حال دل کے امراض کا ہے کہ ان کا علاج شریعت کی تجویز کردہ دواؤں کے سوا کسی طرح ممکن نہیں۔ شریعت کی دوائیں عبادات و اعمال کے وہ وظائف ہیں جنہوں نے انبیاء کرام کے ہاتھوں سے ترکیب پائی ہے پس جو شخص دل کا مریض ہے اور طب شرعی کے مطابق اس کا علاج نہیں کرتا اور تجرباتی علوم کو ہی اپنے حق میں کافی سمجھتا ہے وہ اسی طرح ہلاک ہوگا جس طرح کہ مریض (دوا نہ ملنے کی صورت میں) غذا سے اور تکلیف اُٹھاتا ہے۔

علومِ عقلیہ اور علومِ شرعیہ میں کوئی تعارض نہیں

شاید یہاں کسی کے ذہن میں یہ خطرہ گزرے کہ علومِ عقلیہ اور علومِ شرعیہ میں کوئی حقیقی تعارض ہے جو علومِ شرعیہ کو ترجیح دینے کا سوال پیدا ہو رہا ہے ایسا نہیں ہے ہماری یہ مراد ہرگز نہیں۔ علومِ شرعیہ سب فطرت کے مطابق ہیں اور ان کا کوئی پہلو بھی عقلِ سلیم سے تصادم نہیں رکھتا لیکن تجرباتی علوم چونکہ خود تغیر پذیر ہیں اس لیے بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ ہماری عقل کسی ایسی حقیقت تک پہنچنے سے قاصر رہے جس کی خبر ایسے ذرائع نے دی ہو کہ جھوٹ یا غلط فہمی کو ان میں کوئی دخل نہیں۔ اس صورت میں یا تو یہ ہوتا ہے کہ وہ حقیقت ہماری عام عقلوں سے بالاتر ہوتی ہے کیونکہ کسی بات کا "خلافِ عقل" ہونا اور بات ہے اور بالائے عقل ہونا اور بات ہے، یہ ہماری اپنی غلطی ہے کہ بالائے عقل کو خلافِ عقل

---

[1] احیاء العلوم جلد ۳ ص

سمجھ لیں. حقیقت یہ ہے کہ نقل صحیح اور عقل سلیم میں کوئی تصادم نہیں. بشرطیکہ نقل صحیح کا مبدا شریعت نبوت اور کوئی آسمانی ہدایت ہو۔

حجۃ الاسلام امام غزالیؒ مذکورہ بالا عبارت کے متصل بعد لکھتے ہیں :۔

وظن من يظن ان العلوم العقلية مناقضه للعلوم الشرعيّة وان الجمع بينهما غير ممكن ظن صادر عن عمى فى عين البصيرة نعوذ بالله منه.[1]

ترجمہ. جو لوگ یہ گمان کرتے ہیں کہ علوم عقلیہ اور علوم شرعیہ میں کوئی تصادم ہے اور یہ کہ دونوں میں تطبیق ممکن نہیں ان کا یہ گمان محض اس وجہ سے ہے کہ ان کی بصیرت کی آنکھیں اندھی ہیں. ہم اس سے اللہ کی پناہ میں آتے ہیں۔

تجرباتی معلومات کی زمین میں بارانِ وحی کی پیاس

حاصل اینکہ جس طرح غذا کے ساتھ دوا کی ضرورت لاحق ہوتی ہے اس طرح دُنیا کے تجرباتی معلومات کی زمین آسمانی باران ہدایت کی شدید محتاج ہے. تجرباتی علوم مادہ کائنات ہیں تو علوم شریعت روحِ کائنات کا حکم رکھتے ہیں. قرآنِ عزیز یہی روح کائنات ہے جو زندگی کی تاریکیوں کو روشنی بخشتا ہے اور ہمیں اس کی اشد ضرورت ہے۔

وكذلك اوحينا اليك روحًا من امرنا. (پ۲۵ شوریٰ ۵۲)

ترجمہ. اور اسی طرح (اے محمدؐ!) ہم نے تمہاری طرف اپنے حکم سے روح کو نازل کیا۔

(۴) کائنات کا ادراک ہم اپنے حواس سے کرتے ہیں. چھوٹے اور بڑے یا شیریں اور تلخ کا امتیاز ان حواس سے ہی ہوتا ہے. لیکن بعض اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ حواس ادراک میں غلطی کرنے لگتے ہیں. طویل فاصلے سے بڑی چیزیں بھی چھوٹی دکھائی دیتی ہیں اور صفراوی مزاج

---

[1] احیاء العلوم جلد ۳ صد

شیریں کو بھی تلخ بتاتا ہے۔ اس صورت میں ہدایت عقل اور تجرباتی علوم ہماری راہنمائی کرتے ہیں اور حواس کی غلطیوں سے ہمیں باخبر رکھتے ہیں پھر کبھی ایسا وقت بھی آتا ہے کہ یہ حواس شدت کے عالم میں جذبات کی شکل اختیار کر لیں۔ اس صورت میں عقل کی راہنمائی بھی مؤثر نہیں رہتی اور عقل اور جذبات کی کشمکش میں فتح ہمیشہ جذبات کی ہوتی ہے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ جو ہر عقل مغلوب ہو جاتا ہے۔ یہ وہ وقت ہے جب انسان کو کوئی سہارا چاہیئے۔

یہ واقعات زبانِ حال سے پکارتے ہیں کہ ہدایت عقل سے آگے ایک اور راہنمائی کی بھی ضرورت ہے جو اسی طرح "ایمانی جذبات" کی تربیت کرے جس طرح حواس "طبعی جذبات کی پرورش کرتے ہیں تاکہ جب عقل اور جذبات کے درمیان مذکورہ بالا کشمکش ہو تو عقل کی درماندگی کے وقت انسان ان ایمانی جذبات کا سہارا لے سکے جو طبعی جذبات کو فوراً کچل کر رکھ دیتے ہیں۔ تاریخ ادیانِ عالم اس امر کی قوی شہادت ہے کہ پھر آخری فتح ایمانی جذبات کی ہی ہوتی ہے۔

بے خطر کُود پڑا آتشِ نمرُود میں عشق
عقل ہے محوِ تماشائے لبِ بام ابھی

کائنات کا ارتقاء اپنے سے اعلیٰ کی تلاش میں

حاصل اینکہ "ہدایت عقل" کے آگے انسان ایک آسمانی روشنی کی تلاش میں ہے۔ اور اس کی اسے ضرورت ہے اور حقیقت میں یہی ربانی ہدایت ہے کہ اس کے بعد اور کسی ہدایت کی ضرورت باقی نہیں رہ جاتی۔

قل انّ ھدی اللہ ھو الھدیٰ و امرنا لنسلم لربّ العالمین۔

(پ الانعام ۷۱)

ترجمہ۔ کہہ دیجئے کہ ربانی ہدایت ہی حقیقی ہدایت ہے اور ہم مامور ہیں کہ اس ذات کے سامنے سر جھکا دیں جو تمام کائنات کی پرورش کرنیوالا ہے۔

(۵) کائنات کی ہر چیز اپنے موجود رہنے کی کوئی نہ کوئی حکمت ضرور رکھتی ہے۔ اس قانون

فطرت پر جب ہم غور کرتے ہیں تو یہ حقیقت کھل کر سامنے آتی ہے کہ ہر ادنیٰ چیز محض اس لیے ہے کہ اپنے سے اعلیٰ چیز پر قربان ہو جائے۔ جمادات میں عمارت اینٹ سے بالا درجہ رکھتی ہے اب اس اعلیٰ چیز کو تکمیل بخشنے میں اینٹ کی شکل وصورت خواہ کتنی ہی تبدیل کرنی پڑے یہ سب مراحل اینٹ کے بکار آنے کی شہادت دیں گے کوئی اسے بے کار جانا تصور نہیں کرے گا کیونکہ ادنیٰ اپنے سے اعلیٰ پر قربان ہو رہا ہے۔ لہلہاتے ہوئے کھیت اور پکے ہوئے پھل اگر انسان کے کام آ جائیں تو سب کہتے ہیں کہ بکار آئے اور اگر وہیں کھڑے کھڑے سوکھ جائیں تو ہر شخص انہیں ضائع شمار کرے گا۔ حیواناتِ عامہ بھی اسی طرح اپنے سے اعلیٰ مخلوق "انسان" کے کام آ رہے ہیں اور ہر ادنیٰ اعلیٰ پر قربان ہو کر اپنے مقصدِ وجود کو پورا کر رہا ہے۔ جمادات۔ نباتات اور حیوانات اگر اپنی اپنی جگہ موجود نہ ہوں تو انسان کا نظامِ حیات نہیں چل سکتا لیکن اگر انسان نہ ہو تو ان چیزوں کی زندگی برابر چلتی رہے گی۔ کائنات کی یہ رفتار صاف بتلاتی ہے کہ یہاں سب کچھ انسان کے لیے ہے مگر انسان ان میں سے کسی کے لیے نہیں بس اس کا وجود کسی اور ذات کے لیے ہو گا جو اس سے بھی اعلیٰ اور ہر اعلیٰ سے اعلیٰ ذات ہے۔

فذالکم اللہ ربکم فاعبدوہ۔ (پ۱۱ یونس ۳۲)

ترجمہ۔ پس اللہ تمہارا پروردگار ہے سو تم اس کی عبادت کرو۔

حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم ؒ فرماتے ہیں:۔

"زمین سے لے کر آسمان تک جس چیز پر سوائے انسان کے نظر پڑتی ہے وہ انسان کے کار آمد نظر آتی ہے پر انسان ان میں سے کسی کے کام نہیں آتا دیکھئے زمین، پانی، ہوا، آگ، چاند، سورج، ستارے اگر نہ ہوں تو ہمارا جینا محال یا دشوار ہو جائے اور ہم نہ ہوں تو اشیائے مذکورہ میں سے کسی کا کچھ نقصان نہیں۔ علیٰ ہذا القیاس درخت، جانور وغیرہ مخلوقات اگر نہ ہوتے تو ہمارا کچھ نہ کچھ حرج ضرور ہوتا کیونکہ کچھ نہیں تو اشیاء کبھی کسی مرض ہی کی دوا ہو جاتے ہیں پر ہم کو دیکھئے کہ ہم ان کے حق میں کسی مرض کی دوا نہیں مگر جب ہم مخلوقات میں سے کسی کے کام کے نہیں تو بالضرور اپنے خالق

کے کام کے ہوں گے۔ [1]

پس جب انسان کا مقصدِ وجود ہی اپنے خالق کے کام آنا ہے تو اس رستے کی تلاش از بس ضروری ہوئی اس رستے کا نام قرآن اور قانونِ اسلام ہے اور اسی ضرورت کو "ضرورت القرآن" سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

اوحی الیّ ھٰذا القراٰن لانذرکم بہ ومن بلغ۔ (پ الانعام ۱۹)

ترجمہ۔ یہ قرآن مجید اس لیے اُتارا گیا ہے کہ تمہیں اور ان تمام کو جن تک یہ پہنچے (بے کار زندگی گزارنے سے) ڈراؤں۔

حاصل اینکہ اگر قرآن نہ ہو تو انسانیت کا رُخ اپنے "مافوق" کی بجائے "ماتحت" کی طرف مُڑ جاتا ہے اور یہ وہ طریقِ زندگی ہے جو قانونِ فطرت اور "بقاء انفع" کے فطری اصُولوں سے صریح طور پر متصادم ہے پس قرآن کا انکار دوسرے لفظوں میں فطرت سے ٹکر لینا ہے اور اس کی ضرورت کا احساس دینِ فطرت کی صحیح ترجمانی ہے۔

ان مراتبِ خمسہ سے یہ حقیقت پُوری طرح واضح ہے کہ انسان عقل سلیم اور سلامت فکری کے باوجود ایک وسیع تر نظامِ ہدایت کا شدید محتاج ہے لیکن یہاں اس امر کی وضاحت نہیں ہو سکی کہ کیا ضروری ہے کہ وہ وسیع تر نظامِ ہدایت قرآن ہی ہو اور اس کے دلائل کیا ہیں کہ قرآن کے سوا کسی اور آسمانی راہنمائی میں انسانیت کی نجات نہیں؟ یہ مضمون ان مراتبِ خمسہ میں ضمنی طور پر لپٹا ہوا ہے۔ لیکن یہ بھی ضروری ہے کہ اصالتًا اس کے کچھ شواہد ہمارے سامنے ہوں۔

(۱) جتنی کتابیں "آسمانی نظامِ ہدایت" کی ترجمان بیان کی جاتی ہیں ان میں صرف قرآن ہی ہے جس کا اپنے متعلق یہ دعوےٰ ہے کہ وہ ہر زمانے کی دست بُرد سے پُوری طرح محفوظ ہے قرآن کے سوا اور کوئی "آسمانی کتاب" اپنے متعلق یہ دعوےٰ نہیں کرتی۔ یہ دعوےٰ واقعات کے ساتھ کہاں تک ہم آہنگ ہے؟ یہ اس کی تفصیل کا موقع نہیں۔ ہم صرف یہ بتا رہے ہیں کہ واقعات کی شہادت تو در کنار اور کوئی کتاب سرے سے اس ابدی تحفظ کا

---

[1] حجۃ الاسلام ص۴۲ طبع دہلی

دعوےٰ ہی نہیں کرتی۔ پس جو کتابیں اپنے وجود کو بقا نہیں بخش سکیں وہ مُردہ قوموں کو ہمیشہ کی زندگی کس طرح دے سکیں گی۔ کائنات اس "آسمانی نظام حیات" کے لیے ایک ایسے سرچشمہ علم کی محتاج ہے جو ہر فتنے سے محفوظ اور زمانے کی ہر دستبرد سے مامون ہو ظاہر ہے کہ اس باب میں کوئی کتاب قرآن پاک کی شریک وسہیم نہیں۔

(۲) الہامی کتابوں میں صرف قرآن پاک ہی ایک ایسی کتاب ہے جس کی ابتدائی صورت اس کی سینکڑوں سال بعد کی صورت کے ساتھ پُوری طرح مطابق ہے اور تورات اور انجیل کے اب بھی ایسے نسخے ملتے ہیں جو ایک دوسرے سے ہم آہنگ نہیں ہوتے۔ ان کتابوں کے چہرے مسخ کیے جا چکے ہیں اور آج ان میں وہ نُور نہیں ملتا جو کسی تاریک زاویہ حیات کو روشن کر سکے ہم یہاں صرف یہ کہنا چاہتے ہیں کہ ان کتابوں کا اگر یہ دعوےٰ بھی ہوتا کہ وہ اَبدی طور پر محفوظ ہیں تو بھی بعد کے واقعات اس کی تائید ہرگز نہ کرتے اور تحریف انجیل پر تو مسیحی شہادتیں بھی اس کثرت سے ملتی ہیں کہ کوئی انصاف پسند ان کا انکار نہیں کر سکتا۔

(۳) قرآن کے سوا اور جتنی کتابیں اس مطلوبہ آسمانی نظام ہدایت کی ترجمان کہی جاتی ہیں جیسے ویَد (ہندوؤں کی کتابیں) اوستا (پارسیوں کی کتاب) تورَات (یہودیوں کی کتاب) اور انجیل (عیسائیوں کی کتاب) وغیرہ۔ یہ سب "زمانہ قبل از تاریخ" کے پردوں میں مستور ہیں یعنی ان کی ابتداء ایسے زمانے سے تعلق رکھتی ہے جب سرمایۂ علم کے لکھنے اور واقعات کو محفوظ رکھنے کا کوئی طریق موجود نہ تھا اور تاریخ نے ابھی جمع تدوین کے پہلے زینے پر بھی قدم نہیں رکھا تھا۔ الہامی کتابوں میں صرف قرآن پاک ہی ایک ایسی کتاب ہے جو زمانۂ تاریخ سے تعلق رکھتی ہے اور جو اپنے داعی سے لے کر اب تک سند متصل متواتر سے منقول ہوتی چلی آ رہی ہے ویدوں کے متعلق تو یہ بھی واضح طور پر معلوم نہیں کہ یہ کن کن بزرگوں پر اُترے اور یہ کہ اُن کا زمانہ کون کون سا تھا۔ اوستا معدوم ہونے کے مدتوں بعد ایک شخص ورگ دراز کے خواب کی زبانی یادداشت بتائی جاتی ہے اور الواح تورات کے تحفظ پر بھی تاریخ کی کوئی قطعی شہادتیں ہمیں میسر نہیں آئیں۔ انجیل مقدس کے متعلق بھی یہی بتایا جاتا ہے کہ وہ اپنے پہلے دور میں ہی حضرت مسیح علیہ السلام کے الفاظ میں جمع نہیں ہو سکی۔ اور ایک واضح صورت میں ڈھلنے کی بجائے

چار اور شخصوں کی عبارات میں منتقل ہوئی جن میں سے دو صحابی بیان کیے جاتے ہیں اور باقی دو کو تو صحابی بھی تسلیم نہیں کیا جاتا۔

حضرت مسیح کے بعد ابتدائی تین صدیوں میں ایک سو سے زائد انجیلیں پائی جاتی تھیں ان میں سے چار کو لے لیا گیا اور باقی چھوڑ دی گئیں۔ پھر ان چار میں بھی ترمیم کا سلسلہ مدتوں چلتا رہا۔ ان چار میں سے وہ کون سی ہے جس کی آواز حضرت عیسیٰ لگاتے تھے تو ان پادری صاحبان کے پاس اس کا کوئی جواب نہیں۔

موجودہ چار انجیلوں میں سے دو انجیل متی اور انجیل یوحنا حضرت عیسیٰ کے صحابہ متی اور یوحنا نے ترتیب دیں۔ مشہور عیسائی عالم جرجیس البنانی نے لکھا ہے کہ متی نے اپنی انجیل بیت المقدس ۳۹ء میں بیٹھ کر ترتیب دی تھی۔ انجیل یوحنا کی تالیف ۶۵ء میں بیان کی جاتی ہے۔ یوحنا حضرت مسیح کا شاگرد تھا۔ انجیل مرقس اور لوقا تابعین کی تالیف ہیں۔ مرقس اور لوقا نے حضرت مسیح کا زمانہ نہیں پایا مرقس پطرس صحابی کے شاگرد تھے لیکن مرقس نے اپنی انجیل میں اس حصہ کو نہیں لیا جس میں حضرت مسیح کے نام سے پطرس کی تعریف وضع کی گئی ہے۔ لوقا انطاکیہ کے طبیب تھے انہوں نے مسیحیت کا سبق پولوس سے لیا تھا اور پھر پولوس کے زیر اثر اپنی انجیل ترتیب دی تھی۔ الوہیت مسیح تثلیث اور کفارہ کی بدعت کا اصل موجد یہی پولوس Paul تھا۔ لوقا کی انجیل میں بیس سے زیادہ مقامات کا انجیل متی پر اضافہ ہے۔

انجیل یوحنا گو حضرت یوحنا حواری کے نام سے مرتب ہے مگر یہ دراصل مدرسہ اسکندریہ کے ایک طالب علم کی تالیف ہے اسے یوحنا کی طرف نسبت کر لے کا مقصد الوہیت مسیح کے عقیدے کو حضرت مسیح کے زمانے سے متصل کرنا تھا۔

اس بات کے کھل جانے پر کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی انجیل ہمارے پاس موجود نہیں جس سے ہم ہدایت عقل کی درماندگی کے بعد کچھ آسمانی روشنی لے سکیں اور یہ جو چار انجیلیں ہمارے پاس موجود ہیں وہ ان مصنفین کی اپنی تصنیفات ہیں جن کے ناموں سے ان اناجیل نے شہرت پائی ہے۔ ہم اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ اس وقت مختلف مذاہب نے جن جن کتابوں کو خدا کے نام سے پھیلا رکھا ہے ان میں صرف قرآن ہے جو عہد حاضر سے چودہ سو سال پیچھے تک لائق اعتماد متصل سند

سے جارہا ہے اور حقیقت میں اس وقت یہی ایک کتاب ہے جس کو بلا تردد اور بلا تامل وقت کی آسمانی آواز کہا جاسکتا ہے۔

نامناسب نہ ہوگا کہ ہم یہاں کچھ وہ خصوصیات بھی نقل کردیں جو قرآن کریم کی ہیں اور کوئی اور دوسری کتاب اس میں قرآن کے ساتھ لگا نہیں کھاتی۔

خصوصیات القرآن

الحمد للہ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ اما بعد :

(۱) یہ کتاب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر تدریجاً اُتری اور نہ کوئی آسمانی کتاب تدریجاً نہیں آئی ــــ یہ کیوں ؟ یہ اس لیے کہ حسبِ ضرورت اور حسبِ موقع پر وہ آیات اُتریں اس کے پیشِ نظر ان کا سمجھنا اور عمل میں لانا آسان ہو جائے ــــ جونہی آپ پہلی وحی کے بعد غارِ حرا سے نکلے آپ کی حیاتِ طیبہ اور قرآن کی آیاتِ نازلہ ساتھ ساتھ چلتی رہیں اور دونوں کی منزل ایک ہی وقت میں جا کر رُکی۔ اب قرآن سمجھنے میں کسی قسم کا کوئی ابہام نہ رہے گا اور اس کے علمی نشان کے ساتھ ہی اس کا عملی نقش ساتھ اُبھرے گا۔

(۲) یہ کتاب مفصّل ہے :۔

وھو الذی انزل الیکم الکتاب مفصّلا۔ (پ الانعام آیت ۱۱۴)

ہر مفصّل کو مفصِّل کی ضرورت ہوتی ہے اس کتاب مفصّل کا مفصِّل ساتھ ساتھ رہا۔ خود قرآن کریم میں اس مفصِّل کا ذکر ہے کہ وہ اللہ کا رسول ہے جو ان ایمان لانے والوں کو خدا کی کتاب پڑھائے گا۔

یعلمھم الکتاب والحکمۃ (پ آل عمران ۱۶۴)

(۳) قرآن کریم کی ایک اپنی سرکاری زبان ہے اور وہ عربی ہے۔ یہ کسی دوسری زبان کا لباس نہیں پہن سکتا کیونکہ یہ لفظاً بھی معجزہ ہے اور ترجمے کے الفاظ ظاہر ہے کہ خدا کے نہ ہوں گے عام انسانوں کے ہوں گے۔ ہاں اس کا ترجمہ کرنا جائز ہے آپ اسے علماً دیکھ سکتے ہیں مگر عبادۃً اسے عربی میں ہی پڑھا جائے گا۔

(۴) بنی نوعِ انسان کی دینی راہنمائی کے لیے ہر بات اس میں موجود ہے :۔

ما فرّطنا فی الکتاب من شیٔ (پ الانعام ۳۸)

اہل کتاب قرآن کے اس دعوے کو رد کرنے کے لیے نئے مسائل کی ایک لمبی فہرست سامنے رکھ دیتے ہیں کہ بتاؤ ان کا جواب قرآن میں کہاں ہے؟ ہم کہتے ہیں انہیں قرآن کی کلیدی آیات میں دیکھو جن سے علم کا نیا باب کھلتا ہے قرآن کریم کی ان کلیدی آیات کو ساتھ لے کر ہم کہہ سکتے ہیں کہ اس کتاب میں اللہ رب العزت نے اس کتاب میں کوئی کمی نہیں چھوڑی۔ یہاں جو بھی اجمال ہے آپ کی سنت میں اس کی پوری تفصیل ہے۔

(۵) یہ واحد کتاب ہے جس میں دوسرے منابع علم کی کلید موجود ہے:۔

۱۔ انفس و آفاق میں غور کرنے انسان پکار اُٹھتا ہے:

ربنا ما خلقت هذا باطلاً۔ (پ آل عمران ۱۹۱)

انسان کو کائنات کا جو علم حاصل ہوگا اس کے لیے یہ آیت کلید ہے۔

۲۔ فاصبر کما صبر اولوا العزم من الرسل (پ۲۶ الاحقاف ۳۵) میں آنحضرتؐ کو تمام اولوالعزم پیغمبروں کے مجموعی موقفِ صبر پر عمل کرنے کا حکم دیا گیا اور پیغمبروں کا یہ مجموعی موقف قرآن پاک میں کہیں یک جا مذکور نہیں۔ اس میں آنحضرتؐ استقراء فرمائیں گے۔ اولئك الذين هدى الله فبهداهم اقتده (پ الانعام ۹۰) میں بھی استقراء کی کلید ہاتھ میں نہیں ہوگی۔

۳۔ اس امت کے لیے ما اٰتاکم الرسول فخذوه وما نهٰكم عنه فانتهوا بھی ایک کلیدی آیت ہے۔ اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول بھی کلیدی آیات میں سے ہے۔

(۶) اور کوئی آسمانی کتاب نہیں جو اپنا تعلق پہلی کتابوں سے جوڑے۔ قرآن کریم پہلی کتابوں کی اصولاً تصدیق کرتا ہے۔ (مصدقا لما بين يديه) اور ان کے باقی رہنے والے مسائل کو اپنے دامن میں لیتا ہے (ومهيمناً عليه) اور انہیں بطور کتاب منسوخ قرار دیتا ہے۔

۱ے مثلاً زکوٰۃ کا نصاب کیا ہے کہ اتنا مال ہو تو زکوٰۃ لازم آئے گی۔ نیز شرح زکوٰۃ کیا ہے۔ قرآن کریم نے جان کی دیت بتلا دی اعضاء کی دیت نہیں بتلائی۔ نماز کا حکم تو دیا مگر یہ نہ بتلایا کہ فلاں نماز کی فرض رکعات کتنی ہیں۔ حج کا حکم دیا مگر یہ نہ بتایا کہ ایک طواف کے کتنے چکر ہوں گے۔

(۷) بنی نوعِ انسان کے جملہ اختلافات میں قرآن کریم ایک قول فیصل ہے۔
انہ لقول فصل وما ھو بالھزل۔ (پ۳۰ الطارق ۱۴)
اس کی بات دوطرفہ نہیں ہوتی اس میں ایک واضح درجے کا فیصلہ ملے گا۔

(۸) یہ کتاب ایک ابدی کتاب ہے جسے آئندہ کوئی کتاب منسوخ نہ کرسکے گی۔ انسانی ہاتھ اس میں اپنی طرف سے کوئی تبدیلی نہ کرسکیں گے اور محنت سے یاد کرنے والوں کے سینوں اور دل و دماغ میں یہ کتاب کلی طور پر محفوظ ہوسکے گی۔

(۹) اس کتاب کے مضامین اور پیرایہ بیان سے پریشان اور آزردہ دل لوگوں کو سکون و اطمینان اور دکھی دلوں کو شفا ملتی ہے:
یاایھا النّاس قد جاء تکم موعظۃ من ربّکم وشفاء لما فی الصّدور (پ۱۱ یونس ۵۷)

(۱۰) یہ کتاب نصیحت پکڑنے والوں اور آخرت کی فکر پیدا کرنے کے لیے تو بیشک آسان ہے
ولقد یسّرنا القراٰن للذّکر فھل من مدّکر۔ (پ۲۷ القمر ۱۷)
لیکن اس کے کلیات اور امثال وعبر کو عالموں کے سوا اور کوئی نہیں سمجھ پاتا۔
وتلک الامثال نضربھا للنّاس وما یعقلھا الّا العالمون۔ (پ۲۰ العنکبوت ۴۳)

سوال:

اب غیر عالم ان ابواب قرآن میں کیا کریں۔ وما یعقلھا سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ عوام علماء کے سمجھانے سے بھی ان کو سمجھ نہیں پاتے؟

جواب:

وہ بے شک نہ سمجھ پائیں ان کا انہیں جاننا ضروری نہیں لیکن ان پر ان کا عمل ضرور مطلوب ہے۔ سو وہ ان میں عالموں کی تقلید کریں اور ان کے بتلانے سے ان پر عمل کریں۔

سوال:

عالموں کے کئی درجے ہیں۔ یرفع اللہ الّذین اٰمنوا منکم والذین اوتوا العلم درجٰت۔ (پ۲۸ المجادلہ ۱۱) سو کس درجے کے عالموں کے فیصلے پر اعتماد کیا جاسکتا ہے؟

جواب:

وہ راسخون فی العلم ہیں جن کے قول کو اللہ تعالیٰ نے سراہا ہے:-

والرّاسخون فی العلم یقولون اٰمنّا بہ کل من عند ربّنا. (پ۳ آل عمران۷)

امّت میں پیروی صرف مجتہدین کی ہو سکتی ہے ہر عام عالم اس درجے میں نہیں کہ قرآن کریم کا لفظ الّا العالمون اس پہ صادق آ سکے۔

سوال:

قرآن کریم اپنے لانے والے سے صرف اسے لینے کا حکم دیتا ہے کہ اس پر ایمان لاؤ۔ اور اس سے یہ کتاب لے لو یا اس پیغمبر کی اپنی راہ کو بھی دوسروں کے لیے لائق پیروی قرار دیتا ہے؟

جواب:

ہاں! قرآن سبیل رسول کو اپنانے کا حکم بھی دیتا ہے:۔

قل ھٰذہ سبیلی ادعوکم الی اللہ انا ومن اتّبعنی۔ (پ۱۳ یوسف ۱۰۸)

ترجمہ۔ آپ کہہ دیں یہ میری راہ ہے تمہیں اللہ کی طرف دعوت دے رہا ہوں میں اور جو میرے پیرو ہیں۔

وانّ ھٰذا صراطی مستقیمًا فاتّبعوہ ولا تتّبعوا السبل فتفرق بکم عن سبیلہ۔ (پ۸ الانعام ۱۵۳)

ترجمہ۔ اور یہ راہ ہے میری سیدھی سو اس پہ چلو اور مت چلو اور رستوں پر کہ وہ تم کو اللہ کی راہ سے جدا کر دیں گے۔

ان آیات کی رو سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی سے ہی اطاعتِ خداوندی کا تقاضا پورا ہوتا ہے۔

سوال:

قرآن پاک پر عمل کرتے ہوئے کیا پیغمبر اسلام کی پیروی کافی نہیں۔ قل ھٰذہ سبیلی میں تو صرف حضورؐ کی راہ پہ چلنا بتایا گیا ہے۔ کیا سبیلِ رسُول کے ساتھ کسی اور سبیل کی پیروی بھی ضروری ہے؟

جواب:

ہاں! قرآن پاک میں سبیل رسول کے ساتھ اس دورِ اوّل کے مومنین (صحابہ) کو بھی

واجب الاتباع ٹھہرایا گیا ہے اور سبیل رسول کے ساتھ سبیل المؤمنین کی پیروی کو ہی اسلام بتایا گیا ہے:۔

ومن یشاقق الرّسول من بعد ما تبیّن له الھدٰی ویتّبع غیر سبیل المؤمنین نولّه ما تولّٰی ونصله جھنم وساءت مصیرًا۔ (پ۵ النساء ۱۱۵)

ترجمہ۔ اور جو مخالفت کرے اللہ کے رسول کی بعد اس کے کہ ہدایت اس کے سامنے کھل چکی اور وہ سبیل مومنین کے خلاف چلے ہم اسے پھیر دیں گے جدھر وہ پھرا اور اسے جہنم رسید کریں گے اور وہ بہت برا ٹھکانہ ہے۔

اس سے پتہ چلا کہ سبیل رسول کے ساتھ سبیل مومنین کی پیروی بھی ضروری ہے اور اسی سے قرآنی تعلیمات کا عملی نقشہ قائم ہوتا ہے۔

سبیلِ رسُول اور سبیلِ اُمت ساتھ ساتھ چلے

علم اسی وقت پیچیدہ مخدوش اور منجمد ہوتا ہے جب کوئی عمل اس کے ساتھ ساتھ نہ چلے۔ قرآن کریم اپنے آغاز سے ہی عمل رسالت کے پہلو بہ پہلو چلا اور امت بھی عمل رسالت کے ساتھ ساتھ اس طرح باعمل چلی کہ آئندہ آنے والے مسلمانوں کے لیے سبیل رسول اور سبیل المؤمنین ایک ایسا معیار قائم ہوا کہ آئندہ آنے والے اسلام کے قافلے سب اسی راہ پر چلنے کے پابند ٹھہرائے گئے۔

ظاہر ہے کہ سبیل رسول اور سبیل المؤمنین کے تسلسل عمل سے قرآن کریم کا کوئی گوشہ کسی معرض خفا میں نہ رہے گا۔ سو یہ کتاب کسی پہلو سے ایک پیچیدہ اور منجمد کتاب نہ رہی یہ کہنا بھی صحیح نہ رہا کہ اسلام میں علم کا ماخذ صرف کتاب اللہ اور سبیل رسول ہی سبیل المؤمنین کو بھی ساتھ رکھا گیا۔

حافظ ابن عبدالبر مالکی (۴۶۳ھ) لکھتے ہیں:۔

ویتبع غیر سبیل المؤمنین نولّه ما تولّی ونصله جھنم وساءت مصیرا وھکذا اجماع الامة اذا اجمعت علی شیٔ فھو الحق الذی لاشك فیه لانھا لا تجتمع علی ضلالة۔ [۱]

---

[۱] کتاب التمہید جلد ۴ صفحہ ۲۶۷

ترجمہ۔ اور وہ چلے سبیل المؤمنین کے خلاف ہم پھیر دیں گے اسے جدھر وہ پھرا اور پہنچائیں گے اسے جہنم میں اور وہ بُرا ٹھکانہ ہے اور اسی طرح اجماعِ امّت ہے امت جب کسی بات پر جمع ہو جائے تو وہ الیسا حق صریح ہے جس میں کوئی شک نہیں کیا جا سکتا کیونکہ یہ امّت کبھی گمراہی پر جمع نہ ہو سکے گی۔

جس طرح خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی بات برحق ہے ناممکن ہے کہ اس میں کوئی غلطی راہ پائے سبیل المؤمنین بھی ایک برابر کی راہنمائی ہے اور اس کے ساتھ ساتھ چلنا امت پر فرض ٹھہرتا ہے۔ اجماعِ امّت کبھی باطل پر نہیں ہو سکتا جیسے کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں:۔

آیة محکمة وسنة قائمة وفریضة عادلة[1]

یہ فریضہ عادلہ مسلمانوں کے لیے اسی درجہ میں لازم ٹھہرا جس درجہ میں وہ دو پہلے سو علم تین ہیں:۔

۱۔ آیت محکمہ ۲۔ سنّت قائمہ اور ۳۔ فریضہ عادلہ

آنحضرت ﷺ نے جب فرمایا کہ میں تم میں دو چیزیں چھوڑ رہا ہوں تو اسے لفظ فیکم (تم میں) سے واضح فرمایا۔ سو صحابہؓ جو اس وقت کے مومنین تھے اور ان کی یہی راہ سبیل المؤمنین تھی وہ کتاب وسنّت کے امین ٹھہرائے گئے۔ سو یہ امین وہ طبقہ ہیں جن کو ساتھ لے کر چلنا علم کا تیسرا ماخذ ٹھہرا۔ اسے ہی فریضہ عادلہ کہا گیا ہے۔

---

[1] کتاب التمہید جلد ۴ صہ ۲۶۶ وسنن ابن ماجہ صہ

صداقت القرآن

الحمد للّٰہ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ امابعد :

قرآن کریم کو نازل ہوئے چودہ سو سال سے زیادہ عرصہ ہو چکا مگر آج بھی اس میں وہی تازگی ہے جو آج سے صدیوں پہلے دنیا کی قوموں نے اس میں محسوس کی تھی اس کے خارجی تعارف میں ہم صداقتِ رسالت کی روشنی میں چلے اس کے داخلی تعارف میں ہم نے اس کی معجزانہ شان دیکھی. اب آئیے اس میں بھی ذرا غور کریں کہ اس کی صداقت کے نقش اس کے اندر سے کس طرح دکھائی دیتے ہیں. ہو سکتا ہے کہ یہ دوسری قوموں کے لیے بھی ایک سامان دعوت اور اپنوں کے لیے مزید طمانیت کا موجب ہو.

آسمانی کتاب الٰہی صفات کی آئینہ دار ہونی چاہیئے

ہر کتاب میں مصنف کے نظریات اور تجربات کی جھلک ہوتی ہے آسمانی کتاب میں علاقائی خدوخال نہیں الٰہی علم کی آفاقی جھلک ہونی چاہیئے. قرآن کریم گو عرب میں اُترا ایک عربی پیغمبر پر اُترا عربی زبان میں اُترا لیکن اس میں ہر باب زندگی میں الٰہی علم کی آفاقی جھلک موجود ہے. قرآن کریم میں کہیں علاقائی رنگ نہیں ملتا. علاقائی لحاظ کے باوجود اس میں ہر جگہ آفاقی رنگ غالب نظر آتا ہے.

علمِ الٰہی میں اس کا کوئی شریک نہیں

علم الٰہی کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے اس میں کوئی اس کا شریک نہیں ذاتی اور عطائی کے فرق سے بھی، خالق اور مخلوق کے علم میں کہیں برابری نہیں ہو سکتی. خدا کی سی وسعتِ علمی اگر حضرت خاتم النبیین ؐ میں بھی مانی جائے تو یہ شبہ جھٹ کھٹکے گا کہ قرآن کریم آپ کی اپنی تخلیق نہ ہو —— اس کا آفاقی پیرایہ بیان کبھی اس کے آسمانی کتاب ہونے کی دلیل نہ بن سکے گا. اللہ رب العزت کی وسعتِ علمی اس ایک کے سوا کسی میں نہیں. وہی ہے جو دلوں کے وسوسوں اور دلوں کی دھڑکنوں کو بغیر اس کے کہ ان کا کوئی اظہار کرے اندر سے جانتا اور پہچانتا ہے اب کتاب پاک میں جو غیبی خبر ملے گی وہ اس کے کتاب الٰہی ہونے کی دلیل ہوگی. کیونکہ آنحضرت ؐ کا کہیں یہ دعوےٰ نہ تھا کہ میں غیب جانتا ہوں.

اس کے برعکس آپؐ اس اعلان کے مکلف ٹھہرائے گئے :-

قل لا یعلم من فی السموات والارض الغیب الا اللہ وما یشعرون ایان یبعثون۔

(پ۲۰ النمل ۶۵)

ترجمہ: آپ اعلان کر دیں کہ جو بھی آسمانوں اور زمین میں ہے وہ غیب کو نہیں جانتا ماسوائے اللہ کے اور وہ نہیں جانتے کہ کب اٹھائے جائیں گے۔

قرآن کریم کی اخبار غیبیہ

علم الٰہی کا ظہور قرآن کریم میں مختلف صورتوں میں ہوا ہے :-

① مشرکین کہیں آپس میں بیٹھ کر مسلمانوں کے خلاف کوئی تدبیر کرتے اور قرآن کریم اُسے بھی ظاہر کر دیتا۔

② منافقین اندر کفر چھپا کر اوپر سے اظہار اسلام کرتے اور اللہ تعالیٰ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس پر مطلع فرما دیتے۔

③ مسلمانوں کے اپنے دائرہ میں اگر کہیں کبھی راز کی بات ہوتی تو اللہ تعالیٰ اس کو ظاہر کر دیتے۔

④ جو امور اس وقت کے نہیں آئندہ کسی دور میں کھلنے والے تھے قرآن میں مذکور ہوئے اور جب ان کا وقت آیا تو وہ اسی طرح ظاہر ہوئے جیسا کہ پہلے سے کہا گیا تھا۔

⑤ کافروں کے کچھ ایسے حالات کی خبر دی جن کا خلاف بظاہر وہ کر سکتے تھے لیکن انہوں نے نہ کیا اور ہوا وہی جو قرآن کریم میں پہلے سے کہا گیا تھا۔

قرآن کی ان اخبار غیبیہ کا اب تک کوئی انکار نہیں کر سکتا یہ اس کی صداقت کی ایک اندر کی شہادت ہے۔

ایک ناتواں اور بے سہارا انسان کا عروج

مکہ میں ایک شخص نہایت گمنامی میں پیدا ہوا۔ پیدا ہونے سے پہلے وہ یتیم ہو چکا تھا۔ ماں بھی اسے زیادہ پیار نہ دے سکی، کوئی خاندانی جاگیر یا جائداد نہ تھی جو اسے کچھ آگے لا سکے عمر پچاس سے زائد تھی جب اسے اپنا شہر چھوڑنا پڑا۔ رات کا مسافر غاروں میں رکتا چھپتا۔ صرف ایک ساتھی کو ساتھ

لیے مدینہ پہنچتا ہے اور پھر گنتی کے چند سالوں میں اس عروج پر آجاتا ہے کہ ان مکہ والوں کو اس کے سامنے ہتھیار ڈالنے پڑتے ہیں. ان تمام حالات اور ایک ناتواں و بے سہارا انسان کے اس طرح عروج پہ آنے کی بات اگر قرآن کریم میں پہلے سے کہی گئی تو کیا یہ قرآن کریم میں علم الٰہی کی جھلک نہیں اپنی طرف سے کوئی شخص ان حالات میں ایسی بات پہلے سے کہہ سکتا ہے؟

صداقت قرآن کی اس بحث میں ہم قرآن پاک کی یہاں چند خبریں عرض کیے دیتے ہیں:۔

(۱) مکہ والوں کو قرآن کریم کی آیتوں کو جھٹلانے کے خطرناک انجام سے اس طرح مطلع کیا گیا اور پھر ویسا ہی ہوا جیسا کہ کہا گیا تھا. آپ مکہ میں تھے جب یہ آیت اتری اور کفار کو متنبہ کیا گیا تھا:۔

ولقد اھلکنا القرون من قبلکم لما ظلموا وجاءتھم رسلھم بالبیّنٰت وما کانوا لیؤمنوا کذٰلک نجزی القوم المجرمین. (پ۱۱ یونس ۱۳)

ترجمہ. اور بے شک ہم ہلاک کر چکے بہت سی قوموں کو تم سے پہلے جب وہ ظلم پر آگئے اور آئے تھے ان کے پاس ان کے رسول کھلی نشانیاں لے کر. اور وہ ہرگز ایمان لانے میں نہ تھے ہم اسی طرح سزا دیتے ہیں گنہگار قوموں کو.

غلبہ رسالت کا دوسرا اعلان

آپ مکہ میں اپنی مشکلات میں تھے کہ وحی اتری اور آپ کو بتایا گیا:۔

کتب اللہ لاغلبنّ انا ورسلی. (پ۲۸ المجادلہ ۲۱)

ترجمہ. اللہ نے یہ بات لکھ دی ہے کہ میں اور میرے رسول غالب آکر رہیں گے.

غلبہ رسالت کا تیسرا اعلان

ولقد سبقت کلمتنا لعبادنا المرسلین ○ انھم لھم المنصورون ○ وانّ جندنا لھم الغالبون○ (پ۲۳ الصافات ۱۷۱ تا ۱۷۳)

ترجمہ. اور بے شک ہماری بات اپنے بندوں کے بارے میں جو رسول ہوئے ہو چکی ہے کہ بے شک وہ منصور ہونے ہیں اور ہمارا یہ لشکر غالب آکر رہتا ہے.

آخری فتح اور کامیابی مخلص بندوں ہی کے لیے ہے باعتبار حجت و برہان کے بھی ــــ اور باعتبار ظاہری تسلط اور غلبہ کے بھی ــــ ہاں شرط یہ ہے کہ جند (فوج) فی الواقع جند اللہ ہو ــــ ابھی چند روز انہیں کچھ نہ کہیں صبر کے ساتھ ــــ آپ ان کا حال دیکھتے رہیں۔

(علامہ عثمانیؒ)

آنحضرتؐ کو خبر کہ یہ تجھے مکّہ سے نکال دیں گے

وان کادوا لیستفزونك من الارض لیخرجوك منها واذًا لا یلبثون خلفك الا قلیلًا۔ (پ۱۵ بنو اسرائیل ۷۶)

ترجمہ۔ اور وہ تو چاہتے تھے کہ تجھے اس زمین سے نکال باہر کریں پھر وہ بھی تیرے پیچھے نہ ٹھہر سکیں گے مگر ایک قلیل مدت۔

سرداران مکّہ نے آپ کو مکّہ سے نکالنے کا ارادہ نہ کیا تھا قتل کرنے کا فیصلہ کیا تھا آپ کو پہلے سے بتلایا گیا کہ وہ تجھے قتل نہ کر سکیں گے تجھے نکلنا ہوگا وہ تجھے نکالنے پر لے آئیں گے ــــ اس کی خبر خود نکالنے والوں کو بھی نہ تھی ــــ مگر اس کے باوجود حضورؐ وہاں سے نکلے اور ان سب دشمنوں کی آنکھوں میں خاک ڈالتے ہوئے نکل گئے ــــ قرآن کریم نے اس سب عمل کی خبر پہلے سے آپ کو دے رکھی تھی ــــ کیا یہ قرآن کے خدائی کلام ہونے کا نشان نہیں؟

② جنگِ بدر کی فتح کی پیشگوئی

غزوۂ بدر مسلمانوں کی پہلی جنگ ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نئے نئے مدینہ آئے تھے اور سلطنت اسلامی بالکل ابتدائی دور میں تھی۔ اللہ تعالیٰ نے فرعون کی ناکامی اور اس کی آسمانی پکڑ کا ذکر کیا کہ کیا تمہارے کفار ان سے بڑھ کر ہیں کہ ان پر کوئی اُفتاد نہ آئے گی ــــ اور ساتھ ہی بتلادیا کہ کافروں کی جمعیت ٹوٹے گی اور یہ اُلٹے پاؤں واپس ہوں گے۔

ولقد جاء اٰل فرعون النذر ہ کذبوا باٰیاتنا کلها فاخذناهم اخذ عزیز مقتدر ہ اکفارکم خیر من اولٰئکم ام لکم براءة فی الزبر ہ

ام یقولون نحن جمیع منتصر ٥ سیهزم الجمع ویولون الدبر ٥

(پ ۲۷ القمر ۴۵)

ترجمہ۔ اور بے شک فرعون والوں کے پاس ڈرانے والے آئے انہوں نے ہماری سب آیات کو جھٹلا دیا، پھر ہم نے پکڑا جیسے کوئی زبردست پکڑتا ہے۔ اب جو تمہارے منکر ہیں کیا وہ ان (پہلے کافروں) سے بہتر ہیں؟ یا تمہارے لیے کتابوں میں کوئی گارنٹی آئی ہے؟ — اب شکست کھائے گا یہ ان کا لاؤ لشکر اور بھاگیں گے یہ پیٹھ پھیر کر۔

حضرت عمرؓ کہتے ہیں کہ مجھے بہت تعجب ہوا کہ یہ کمزور اور مٹھی بھر مسلمان اتنے زبردست دشمن کا کیسے مقابلہ کرلیں گے۔ پھر جب میں نے بدر کے دن حضورؐ کو یہ آیت پڑھتے ہوئے سنا تو میں نے محسوس کیا کہ آج وہ دن آگیا ہے جب یہ پیشگوئی اپنے مورد پر کھلے گی۔ پھر سورۃ الدخان میں یہ پیشگوئی دوسرے الفاظ میں اتری اور اس کا مصداق بھی ظاہر ہوا:۔

یوم نبطش البطشۃ الکبریٰ انا منتقمون۔ (پ ۲۵ الدخان ۱۶)

ترجمہ۔ جس دن ہم پکڑیں گے بڑی پکڑ بے شک ہم بدلہ لینے والے ہیں۔

فلما اصابتھم الرفاھیۃ عادوا الی حالھم حین اصابتھم الرفاھیۃ فانزل اللّٰہ تعالیٰ یوم نبطش البطشۃ الکبریٰ انا منتقمون۔ قال یعنی بدر۔[1]

ان لوگوں سے یہ انتقام اللہ تعالیٰ کب لیں گے؟ فرمایا بدر کے دن۔

یہ آیات مکہ میں نازل ہو چکی تھیں مگر صحابہؓ کو اس بات کی خبر کہ عنقریب تمہارے ہاتھوں مکہ کے بڑے بڑے سردار مارے جائیں گے حضورؐ نے مدینہ منورہ آکر دی۔ اب ان پیشگوئیوں کے ظاہر ہونے کا وقت آگیا تھا۔ آپؐ نے بدر کی لڑائی شروع ہونے سے پہلے بتا دیا تھا کہ فلاں فلاں سردار فلاں فلاں جگہ قتل ہوگا اور کل ابوجہل کی لاش فلاں جگہ پڑی ملے گی۔

پھر وقت آیا کہ دنیا نے دیکھا کہ جو کچھ قرآن کریم نے کہا تھا وہ حرف بحرف پورا ہوا اور

---

[1] صحیح بخاری جلد ۲ صفحہ ۷۱۴

مکہ کے بڑے بڑے سردار مسلمانوں کے ہاتھوں مارے گئے۔

کیا یہ قرآن کی کھلی صداقت نہیں کہ نئی بستی بسانے والے مٹھی بھر مسلمانوں نے عرب میں یہ انقلاب آفرین جنگ لڑی اور بتادیا کہ وہ اللہ کے وعدے پر کھڑے ہیں اور یہ کہ اللہ اپنے وعدے کو کبھی بلا اسباب بھی پورا کرتا ہے اسباب اس کے ماتحت ہیں وہ اسباب کے ماتحت نہیں ہے۔

③ نکلتے وقت پھر آنے کا اعلان پہلے کر دیا گیا

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب مکہ سے نکلے تو اس سے پہلے آپ کو پھر آنے کا یقین پہلے دلایا جا چکا تھا آپ کی واپسی پھر سے آنا پہلے مذکور ہوا اور نکلنا بعد میں — یہ اس یقین کا ترجمان ہے کہ آخری فتح پھر آپ کی ہوگی۔

وقل رب ادخلنی مدخل صدقٍ واخرجنی مدخل صدقٍ واجعل لی من لدنك سلطانًا نصيرًا وقل جاء الحق وزهق الباطل ان الباطل كان زهوقًا۔ (پ۱۵ بنو اسرائیل ۸۰)

ترجمہ۔ اور آپ کہیں اے رب مجھے داخل کر سچا داخل کرنا اور نکال مجھ کو سچا نکالنا اور عطا کر دے مجھ کو اپنے پاس سے حکومت کی سی مدد — اور آپ کہہ دیں آیا ہے حق اور نکل بھاگا جھوٹ — بے شک جھوٹ ہے ہی بھاگنے والا۔

بعض مفسرین نے اسے اس طرح بیان کیا ہے کہ یہاں داخلے سے مراد مدینہ منورہ میں داخلہ ہے کہ اے اللہ جہاں مجھے پہنچانا ہے نہایت آبرو خوبی اور خوش اسلوبی سے پہنچا اور مجھے یہاں مکہ سے نکلنا بھی آبرو و خوبی اور خوش اسلوبی سے میسر آئے اس صورت میں بھی داخلہ مدینہ پہلے مذکور ہے اور مکہ سے نکلنا بعد میں — سو بایں طور بھی یہ اس بات کی خبر ہے کہ آپ کے لیے ہر نئی منزل پہلے سے بہتر ہوگی اور یہ بات پہلے سے قرآن کریم میں کہہ دی گئی تھی۔

ما ودعك ربك وما قلىٰ ٥ وللاٰخرة خيرٌ لك من الاولىٰ۔ (پ۳۰ الضحیٰ)

ترجمہ۔ تجھے تیرے رب نے چھوڑ نہیں دیا نہ وہ تجھ سے بیزار ہوا اور تیرے لیے ہر بعد کی گھڑی پہلے سے بہتر ہوگی۔

مکہ کی زندگی میں جب مسلمان نہایت بے کسی اور ناتوانی کی حالت میں تھے اس وقت اس فتح و کامرانی اور شاندار مستقبل کی خبر دینا اور اس کا کھلا بیان کیا صداقتِ قرآن پر ایک کھلی دلیل نہیں؟

④ مکہ کے بعد مدینہ کے مخالفین کی پسپائی

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ آئے تو وہاں دو اسماعیلی قبائل اوس اور خزرج اور اسرائیلی قبائل بنو قینقاع بنو نضیر اور بنو قریظہ آباد تھے۔ اوس اور خزرج دونوں مسلمان ہو گئے اور اسرائیلیوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ امن سے رہنے کا معاہدہ کر لیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو بھی تبلیغ جاری رکھی اور انہیں آخرت کی پکڑ سے برابر ڈراتے رہے۔ ایک دن آپ نے بنو قینقاع کے بازار میں ایک جلسہ کیا اور سچے دین کی دعوت دی اور فرمایا اگر تم نے سچ قبول نہ کیا تو تم بھی مکہ والوں کی طرح تباہی اور ہلاکت میں گرو گے[1]

اس وعظ نے یہودیوں میں جلتی پر تیل کا کام دیا وہ پہلے سے مسلمانوں کی اس بہار پر سخت نالاں اور پریشان تھے۔ اب انہیں حضورؐ سے کھلے بندوں تو تو اور میں میں کا موقع مل گیا یہودیوں اور مسلمانوں کے اس اٹھتے تنازعہ میں قرآن کریم نے خبر دی۔

قل للذین کفروا ستغلبون وتحشرون الی جھنم وبئس المھاد۔

(پ۳ آل عمران ۱۲)

ترجمہ: آپ کافروں سے کہہ دیں عنقریب تم مغلوب کیے جاؤ گے اور تم جہنم لے جائے جاؤ گے اور وہ بہت برا ٹھکانہ ہے۔

اس آیت میں مسلمانوں کو خبر دی گئی کہ تم ان یہودیوں کے مقابلہ میں بھی جیتو گے اور وہ عنقریب مغلوب کیے جائیں گے۔

عنقریب سے مراد کیا ہے؟ بہت جلدی — ابھی اس جلسے کو زیادہ دن نہ گزرے تھے کہ یہودیوں نے اپنے بازار میں ایک غریب مسلمان کو قتل کر دیا اور معاہدہ کی کوئی پروا نہ کی۔ بس پھر کیا تھا رہ معاہدہ ٹوٹ گیا اور اس کے ٹوٹنے کا وبال بھی انہی کے سر آیا۔

---

[1] رواہ ابن کثیر عن ابن عباس رضی اللہ عنہ (تفسیر ابن کثیر جلد ص

مسلمان بنو قینقاع کے محلے میں گئے تو یہ لوگ اپنے گھروں میں محصور ہو گئے اور جو قلعے انہوں نے بنا رکھے تھے ان میں مورچہ بند ہو گئے۔ یہ واقعہ بقول علامہ ابن خلدون جنگِ بدر سے صرف دو تین ماہ بعد کا ہے۔

مسلمانوں نے پندرہ روز تک محاصرہ قائم رکھا اور سولہویں دن یہودیوں نے اپنے قلعوں کے دروازے کھول دیئے اور وہ پیشگوئی جو قرآن کریم میں ان کے مغلوب ہونے کی کی گئی تھی وہ حرف بحرف پوری ہوئی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سرداروں کو سزائے موت نہ دی لیکن مدینہ سے نکل جانے کا حکم دیا اور وہ خیبر جا کر آباد ہوئے اب ان کی تمام قوت خیبر میں جمع ہوئی۔

قرآن پاک کی مذکورہ بالا خبر کا اتنا جلد پورا ہونا صداقتِ قرآن کا ایک کھلا نشان ہے کہ جو کچھ کہا ہو کر رہا۔

قرآن کریم کا غیر معمولی جذب و عمل

قرآن کریم باوجودیکہ ایک کتاب ہے اور الٰہی کلام ہے جو انسانی زبان پر دن رات اُترتا ہے مگر اس میں ایک عجیب جذب و عمل ہے جس کو مجذوب بھی نہ پا سکے اور معمول بھی نہ سمجھے اور یہ اس کی ایک غیر شعوری انجذابی تاثیر ہے۔

اس کے پہلے مجذوب وہ حفاظ کرام ہیں جو اس کی چند سطروں پر پہرہ دینے کے لیے بیٹھے مگر پھر پوری کتاب یاد کر کے دم لیا۔ دیکھنے کی بات یہ ہے کہ یہ عمل مشقت آخر کس لیے ہے:۔

(۱) کیا دینی نقطہ نگاہ سے اسے یاد کرنا فرضِ عین ہے؟ نہیں۔

(۲) غیر عرب مسلمانوں کے لیے جو اس کی زبان نہ سمجھیں اسے لفظاً لفظاً یاد کرنا کیا کوئی آسان کام ہے؟ نہیں۔

(۳) جس کتاب میں بہت سے متشابہ ہوں جس کے الفاظ ملتے جلتے ہوں اسے یاد کرنا کیا کوئی آسان کام ہے؟ نہیں۔

(۴) کیا حافظ کے لیے اس منزل کے تمام ہونے پر دنیا میں کوئی قومی انعام یا اعزاز موعود ہے؟ نہیں۔

⑤ حفظ مکمل ہونے پر کیا اس کی روز روز کی مشقت ختم ہو جاتی ہے؟ نہیں ساری عمر اسے دور باقی رکھنا ہوتا ہے۔

اتنی محنت اگر وہ کسی اور کاروبار پر لگائے یا دنیوی علوم پر لگائے تو کیا کچھ نہیں کما سکتا اور اور کون سا احساس پا نہیں سکتا — ان تمام حالات پر نظر رکھنے کے باوجود والدین جو بچے حفظِ قرآن کے لیے مدارس میں داخل کراتے ہیں ان کی تعداد ہر بڑے شہر میں سینکڑوں سے متجاوز ہے — ہر مدرسہ میں سب سے زیادہ تعداد انہی مجذوبین کی ہوتی ہے جنہیں قرآن اپنے غیر معمولی جذب و عمل سے اپنی طرف کھینچتا ہے۔

اس کے پیچھے کوئی دنیوی غرض نہیں یہ قرآن کریم کی ایسی کشش ہے کہ لاکھوں انسان یہاں مستقبل میں کوئی روشنی دیکھے بغیر اس کی طرف کھچے چلے آتے ہیں اور دن بدن ان کی تعداد میں اضافہ ہو رہا ہے — کیا یہ قرآن پاک کی صداقت کا کھلا نشان نہیں؟ — فاعتبروا یا اولی الابصار۔

عرب کے اُمّی کی پیشکش

کتاب لکھنا اور پھر ایک نظریاتی کتاب لکھنا کوئی ایسا کام نہیں جو ہر نو آموز ادیب لوگ ادا کر سکے اس کے لیے سالوں کا تجربہ اور ایک پورا سازگار ماحول درکار ہوتا ہے جن لوگوں کو کبھی کسی موضوع پر قلم اٹھانا پڑا، وہ جانتے ہیں کہ پہلے بمشکل مسودہ تیار ہوتا ہے پھر اسے صاف لکھ کر مبیضہ بناتے ہیں، پھر لکھنے والے کے اپنے بدلتے خیالات اسے حک و اضافہ، اور تبدیل و ترمیم کے بہت ... کل گذار رستوں میں لے جاتے ہیں تب کہیں جا کر کسی کتاب کے نقوش چمکتے ہیں — ظاہر ہے کہ ان تمام راہوں سے کوئی امّی نہیں گزر سکتا۔ خصوصًا جب کہ اس کی عمر نصف صدی کے قریب ... پہلے سے پہنچ چکی ہو۔

لکھنا پڑھنا ہمیشہ پڑھے لکھے لوگوں کا کام ہوتا ہے اور وہی ہیں جو اپنے قلم و کاغذ کو سنبھال سکتے ہیں۔ آنحضرتؐ اگر کسی درسگاہ میں لکھنا پڑھنا سیکھے ہوتے پھر بھی ان مخالفین کے لیے ... اس حک و اضافہ اور تبدیل و ترمیم کے مراحل دیکھنے کے یہ دیکھنے کا یارا نہ تھا کہ آپ اسے

(اس کلام کو) خود ترتیب دے رہے ہیں چہ جائیکہ آپ امی ہو کر ایک ایسا کلام لکھوا رہے ہیں جس میں کوئی سطر حک و اضافہ کی منزل سے نہیں گزرتی۔

ماکنت تدری ما الکتاب ولا الایمان ولکن جعلناہ نورًا نھدی بہ من نشاء من عبادنا۔ (پ۲۵ شوری ۵۲)

ترجمہ۔ اور آپ نہ جانتے تھے کہ کیا ہے کتاب اور کیا ہے ایمان۔ لیکن کیا ہے ہم نے اسے ایک روشنی۔ راہ بتلاتے ہیں ہم اسے جسے چاہیں اپنے بندوں میں سے۔

وماکنت تتلوا من قبلہ من کتابٍ ولا تخطّہ بیمینک اذًا لارتاب المبطلون ۰ بل ھو اٰیات بیّنٰت فی صدور الّذین اوتوا العلم۔ (پ۲۱ العنکبوت ۴۸)

ترجمہ۔ اور آپ اس سے پہلے کوئی لکھا نہ پڑھ سکتے تھے اور نہ اپنے دائیں ہاتھ سے کچھ لکھ سکتے تھے ایسا ہوتا تو یہ جھٹلانے پر شک میں پڑ سکتے تھے بلکہ یہ تو آیتیں ہیں صاف صاف ان لوگوں کے سینہ میں جو علم دیئے گئے۔

پھر یہ کتاب ایک ایسے اسلوب style میں پیش ہوئی کہ اس اسلوب کی کوئی کتاب پہلے کہیں دیکھی نہ گئی تھی۔ یہ اس سٹائل کی پہلی اور آخری کتاب ہے۔ بصورت ظہور کیا خود اس کتاب کے الہامی ہونے کا نشان نہیں۔ قرآن کریم کی صداقت کا اس سے بڑا نشان اور کیا ہوگا؟ فاعتبروا یا اولی الابصار۔

آنحضرتؐ پر قرآن کا حسی اثر

اپنے ترتیب دیئے ہوئے کلام کا اپنے اوپر کبھی کوئی حسی اثر نہیں ہوتا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں جب قرآن پڑھتے تو آپ پر خود اس کلام کا وہ اثر ہوتا کہ دیکھنے والے ایک لمحہ کے لیے اس تصور کو راہ نہ دے سکتے تھے کہ یہ کلام آپ کا اپنا بنایا ہوا ہوگا ایک پوری کی پوری رات آپؐ نے ایک آیت پر اسے بار بار پڑھتے گزار دی:۔

ان تعذّبھم فانّھم عبادك وان تغفرلھم فانّك انت العزیز الحکیم۔[۱] (پ المائدہ ۱۱۸)

ترجمہ۔ اگر تو انہیں عذاب دے تو تیرے بندے ہیں اور اگر تو انہیں بخش دے تو تو قوت رکھنے والا ہے اور حکمت والا۔

(۱) ایک دفعہ آپؐ نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کو فرمایا مجھے قرآن سناؤ آپ نے سورۃ نساء پڑھنی شروع کی۔ جب حضرت عبداللہؓ اس آیت پر پہنچے :۔

فکیف اذا جئنا من کلّ امّۃ بشھید وجئنا بك علی ھٰؤلاء شھیدًا۔

(پ۵ النساء ۴۱)

ترجمہ۔ پھر کیا حال ہوگا جب بلائیں گے ہم ہر امت میں سے ایک گواہ اور بلائیں گے آپ کو ان لوگوں پر گواہ۔

تو آپؐ نے فرمایا بس رک جاؤ ۔ اور آپ کے آنسو جاری تھے :۔

فاذا عیناہ تذرفان۔[۲]

ترجمہ۔ اور آپ کی دونوں آنکھیں آنسو گرا رہی تھیں۔

(۲) تہجد کے وقت آپ اکیلے سوتے تھے عام طور پر پاس کوئی نہ ہوتا تھا۔ ایک دفعہ رات کے وقت حضرت مطرف بن عبداللہ بن الشخیرؓ آپ کے پاس سے گزرے۔ آپؓ کیا دیکھتے ہیں کہ آپؐ کا سینہ رونے کے باعث جوش مار رہا ہے جیسے دیگچی میں پانی ابلتا ہو :۔

کان یصلّی ولجوفہ ازیر کازیر المرجل من البکاء۔[۳]

ترجمہ۔ آپ نماز پڑھ رہے تھے اور آپ کے رونے سے آپ کے سینہ سے ایسے آواز آرہی تھی جیسے ہنڈیا ابل رہی ہو۔

(۳) ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کہتی ہیں ایک رات آپؐ اٹھے وضو فرمایا اور نماز کے لیے کھڑے ہوگئے۔ آپ کہتی ہیں :۔

فلم یزل یبکی حتی بلّ حجرہ ۔ وکان جالسًا فلم یزل یبکی حتّی بلّ لحیتہ ۔ ثم بکی حتی بلّ الارض[۴]

---

[۱] رواہ النسائی مشکوٰۃ صد ۱۰۷ [۲] صحیح بخاری جلد ۶ صد ۶۵۹ [۳] رواہ ابوداؤد جلد صد [۴] ترغیب جلد ۲ صد ۳۷۲

قیام میں اس قدر روئے کہ آپ کے آنسو سینہ مبارک پر بہہ گئے جلسہ فرمایا تو اس میں بھی روئے پھر سجدہ فرمایا تو سجدہ میں بھی اسی قدر روئے پھر سر اٹھایا اور مسلسل روتے رہے یہاں تک کہ صبح ہو گئی حضرت بلال حبشیؓ آئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز کے لیے بلایا آپؓ نے دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آنسو جاری ہیں عرض کی یا رسول اللہ! آپ کیوں رو رہے ہیں اللہ تعالیٰ آپ کی مغفرت فرما چکا آپؐ نے فرمایا کیا میں اللہ تعالیٰ کا شکر گزار بندہ نہ ہوں۔ آج کی رات مجھ پر یہ آیۃ اُتری ہے:۔

ان فی خلق السموات والارض واختلاف اللیل والنہار الآیۃ (پ۴ آل عمران ۱۹۰)

آپ نے فرمایا اس شخص کا کیسے بھلا ہو گا جس نے اس آیت کو پڑھا اور اس میں غور و فکر نہ کر سکا۔[1]

کلام الٰہی کا آپ پر حسًا یہ اثر ہو رہا ہے کہ یہ کلام اللہ کا ہے آپ کا اپنا بنایا ہوا نہیں۔ اپنے تالیف کردہ کلمات کبھی اپنے آپ پر یہ اثر نہیں چھوڑتے خصوصًا جب کہ اس کے پیچھے جھوٹ کا مجرمانہ احساس ہو۔ کیا اس قسم کے واقعات صداقتِ قرآن کے کھلے نقوش نہیں؟ —— آنکھوں والو عبرت حاصل کرو۔

وحی اُترتے وقت سردی میں پسینہ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر کبھی مجمع عام میں بھی وحی آجاتی ــ سخت سردی کا موسم ہوتا تو اس میں آپ کے رخسار پر پسینے کے قطرے نظر آنے لگتے۔ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کہتی ہیں:۔

لقد رایتہ ینزل علیہ الوحی فی الیوم الشدید البرد فیفصم عنہ و ان جبینہ لیتفصد عرقًا[2]

ترجمہ میں نے آپ کو سخت سردی کے دن میں وحی اُترنے کی حالت میں دیکھا۔ وحی کی حالت جاتی تو آپ کی پیشانی سے پسینہ بہہ رہا ہوتا۔

---

[1] رواہ ابن حبان فی صحیحہ [2] صحیح البخاری جلد ص

کیا یہ صداقتِ قرآن حقانیتِ وحی اور صدقِ رسُول کے کھُلے نشانات نہیں؟ پسینے کی آمد غیر اختیاری ہوتی ہے خصوصًا جب کہ گرمی کا موسم نہ ہو۔ تصنع اور بناوٹ سے تو پسینہ نہیں اُتارا جا سکتا۔

وحی اُترتے وقت کلام کا ثقل اور بوجھ

کلام کا ثقل و بوجھ خود آپ کے بدن مبارک کو متاثر کرتا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے پہلے آپ کو تیار کر رکھا تھا انا سنلقی علیك قولًا ثقیلًا اور وحی سے آپ کا وزن اس قدر بڑھ جاتا گویا یہ بدن پہاڑ ہو۔ ایک دفعہ آپ کا سر مبارک حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کی ران پر تھا کہ وحی آنا شروع ہو گئی۔ حضرت زید رضی اللہ عنہ کہتے ہیں:۔

کادت فخذی ان ترض۔[1]

ترجمہ۔ قریب تھا کہ میری ران بوجھ کے دباؤ سے ٹوٹ جاتی۔

حضرت ام المومنین رضی اللہ عنہا کہتی ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اُونٹنی پر جا رہے تھے کہ وحی نازل ہونا شروع ہو گئی اُونٹنی بوجھ تلے دب کر بیٹھ گئی اور اسے کئی لوگوں نے دیکھا۔[2]

وحی اُترتے وقت چہرے کی رنگت

صفوان بن یعلیٰ بیان کرتے ہیں کہ ان کے والد یعلیٰ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے عرض کی کہ جب کبھی آنحضرت پر وحی آئے مجھے بھی وہ موقع دکھلا دیں۔ پھر ایسا اتفاق ہوا آپ مقام جعرانہ میں تھے کہ آپ پر وحی نازل ہونے لگی حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک کپڑے سے آپ کے چہرے کو ڈھانپ دیا اور یعلیٰ کو اشارہ کیا آگے آؤ ـــــ وہ آگے نکلے اور انہوں نے اپنا سر اس چادر میں داخل کیا جو حضورؐ کے چہرے پر تھی۔ آپ کہتے ہیں:

فاذا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم محمر الوجه وھو یغط ثم سری عنه۔[1]

ترجمہ۔ کیا دیکھتے ہیں کہ حضورؐ کا چہرہ سُرخ ہو رہا ہے اور آپ خراٹے لے رہے ہیں پھر یہ کیفیت آپ سے جاتی رہی۔

---

[1] رواہ البخاری [2] رواہ البخاری دیکھئے معارف القرآن جلد ۸ صفحہ ۵۸۶

حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی لکھتے ہیں:

جب وحی کا نزول شروع ہوتا تھا تو پہلے ایک آواز گھنٹی کی سی آپ سنتے تھے پھر اسی آواز میں بدوں اعتماد خارج کے حرف اور کلمے خارج ہونے لگتے تھے اور وہ آواز تیز اور تند اس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم میں تاثیر کرتی تھی کہ آپ کے حواس ظاہری اور باطنی بالکل اس عالم سے منقطع ہو کے اس عالم کی طرف متوجہ ہو جاتے تھے اور ایسی حالت آپ پر ظاہر ہو جاتی تھی جس طرح روح بدن سے کھینچتی ہے اور بدن کے تمام اعضاء کی روحیں کھنچ کے دماغ کی طرف جو فہم اور حافظہ کی قوت کا محل ہے چڑھ جاتی تھیں.... آپ کو پیشانی مبارک پر پسینہ آجاتا تھا اور آپ بے ہوش ہو جاتے تھے..... وحی نازل ہونے کے وقت اگر آپ اونٹ یا گھوڑے یا کسی اور جانور پر سوار ہوتے تھے تو وہ جانور گر پڑتا تھا مگر ایک اونٹنی خاص آنحضرتؐ کی جس کا نام عضباء اور قصواء تھا وہ گرتی نہ تھی لیکن اپنے پاؤں کو ٹیڑھا کر کے زمین پر ٹیک دیتی تھی اور گرتی نہ تھی .... اور اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم وحی آنے کے وقت کسی کی ران پر تکیہ دیئے ہوتے تھے تو اس ران کے ٹوٹنے کا خوف ہوتا تھا اور آپ کا چہرہ مبارک سُرخ ہو جاتا تھا اور دم چڑھنے لگتا تھا اس طرح سے اس کی آواز معلوم ہوتی تھی۔[2]

---

[1] صحیح بخاری جلد ا صفحہ ۲۰۸ جلد ۲ صفحہ ۵۴۷ [2] تفسیر فتح العزیز صفحہ ۳۱۸

قرآن کا سریعُ الاثر انقلاب

درخت اپنے پھل سے پہچانا جاتا ہے۔ قرآن کریم کے انقلابی اثر کو دیکھنے کے لیے ملک عرب کے دو پہلے اور پچھلے دوروں پر نظر کریں۔

① عرب قبل القرآن اور

② عرب بعد القرآن

یہ بعد کی دنیا اگر واقعی ایک نئی دنیا ہے تو یہ قرآن کے سریع الاثر انقلاب کے باعث ہے

عرب قبل القرآن

عرب میں کوئی ملکی نظام نہ تھا۔ ملک میں ایک نظام باہمی ربط و اتحاد کے بغیر کبھی عمل میں نہیں آسکتا۔ عرب باہمی اختلافات اور باہمی تفوق کے احساس میں اتنے گھرے ہوئے تھے کہ وہ اپنے ہاں کوئی نظام قائم نہ کر سکتے تھے۔ قبائل کے اپنے اپنے حلقے اور ان کے اپنے اپنے سردار تھے عرب ایک محدود سا ملک تھا اس کے اردگرد کے عرب ممالک اردن عراق مصر شام فلسطین اور امارات ان دنوں عرب ممالک نہ تھے ابھی وسیع عرب دُنیا نہ بنی تھی۔

عرب میں کوئی ایک تعلیمی نظام نہ تھا۔ آس پاس کے علاقوں میں یہ لوگ اُمیّین (اَن پڑھ) کے نام سے مشہور تھے۔ مدینہ منورہ میں آباد یہودی قبائل انہیں اُمیّین کہہ کر ذکر کرتے تھے اور خود یہ اہلِ کتاب (پڑھے لکھے) سمجھے جاتے تھے۔

نہ واں مصر کی روشنی جلوہ گر تھی نہ یُونان کے علم و فن کی خبر تھی

پھر یہ کوئی زراعتی ملک نہ تھا۔ ایک وادِ غیر ذی زرع ریگستان تھا نہ کوئی معدنی دولت تھی بنجر زمین تھی بڑے بڑے صحرا تھے جن میں بادِ سموم چلتی تھی جس میں اُونٹ تک اپنے نتھنے ریت میں چھپا لیتے تھے۔ اس وقت کسی کو علم نہ تھا کہ آئندہ یہ زمین کتنی معدنی دولت اُگلے گی اور کس طرح یہاں پٹرول کی نہریں دریافت ہوں گی۔

ان کے پاس صرف ریگستان کا جہاز (اُونٹ) تھا جن سے آبادیاں اِدھر اُدھر منتقل ہوتیں

اور کہیں تاجر سفر کرتے۔

بات بات میں یہ لڑ پڑتے اور سالہا سالہا ان کی جنگیں رہتیں۔ مدینہ کے دو بڑے قبیلے اوس اور خزرج تھے اور دونوں ایک دوسرے کے سخت دشمن تھے ان کے آپس میں قریب ہونے کا تصور تک پیدا نہ ہو سکتا تھا۔

اعتقادی جہالت اس درجہ بڑھی کہ پتھر کے بتوں کی پرستش کرتے مختلف تھانوں پر ان کے نام کی قربانیاں کرتے۔

جانوروں کو بتوں کے نام پر چھوڑتے اور اُڑتے پرندوں سے شگون لیتے تھے۔

اذا کان الغراب دلیل قوم سیہد یھم طریق الھالکین

معاشرت اس قدر تباہ تھی کہ کئی لوگ اپنی بیٹیوں کو زندہ دفن کر دیتے۔ عورت کا معاشرے میں کوئی مقام نہ تھا نہ وہ اپنے باپ کی وارث ہو سکتی تھی نہ خاوند کی۔ اسے ہمیشہ دوسرے درجہ کا شہری سمجھا جاتا تھا۔

بس ایک زبان تھی جس پر انہیں ناز تھا۔ اپنے سوا باقی ساری دنیا کو وہ عجمی کہتے تھے۔ شعر ان کا فکری شعور تھا اور حافظہ ان کا بلا کا ہوتا تھا۔ شراب ان کا نشہ تھا اور اسی حالت میں ہی وہ دُھت رہتے تھے۔

عرب بعد القرآن

اب عرب بعد القرآن کا جلوہ بھی دیکھیئے:۔

عرب جو اپنی پوری تاریخ میں اتحاد ناآشنا تھے اب ایک قوم ہو گئے۔ جو آپس میں دشمن تھے مدینہ سے لے کر مکہ تک سب ایک جان ہو گئے۔ قرآن کریم نے عرب کی اس بدلی حالت کا یہ نقشہ کھینچا ہے:۔

واذکروا نعمۃ اللہ علیکم اذ کنتم اعداءً فالّف بین قلوبکم
فاصبحتم بنعمتہ اخواناً وکنتم علیٰ شفا حفرۃٍ من النار فانقذکم
منھا۔ (پ۴ آل عمران ۱۰۳)

ترجمہ۔ اور تم نعمتِ الٰہی یاد کرو جو تم پر ہوئی تم پہلے آپس میں دشمن تھے اللہ تعالیٰ
نے تمہارے دل جوڑ دیئے تو اس نعمتِ الٰہی سے تم بھائی بھائی بن گئے تم جہنم
کے گڑھے کے کنارے پر کھڑے تھے اس نے تمہیں وہاں سے پیچھے نکالا۔

قرآن کریم سے ان کو علم کی وہ دولت ملی کہ انہوں نے عرب کے پورے مضافات کو اپنی
لپیٹ میں لے لیا۔ وہاں باقاعدہ علمی ادارے قائم ہوگئے اور افراد اور قوموں میں انصاف کرنے
کے لیے عدالتیں قائم ہوئیں، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ ان دونوں دوروں کا مقابلہ کرتے ہیں۔

قد اتیٰ علینا زمان لسنا نقضی و لسنا هنالك ثم ان الله عزوجل قدر علینا
ان بلغنا ما ترون فمن عرض له منکم قضاء فلیقض بما فی کتاب الله[1]

ترجمہ۔ ہم پر ایک ایسا زمانہ گزرا ہے کہ ہم عدالتیں قائم نہ کرتے تھے اور نہ ہم
اس کے اہل تھے پھر اللہ تعالیٰ نے ہماری قسمت بدلی ہم اس مقام پر آئے کہ
تم دیکھ رہے ہو سو جب کبھی تمہارے پاس کوئی مقدمہ آئے تو فیصلہ قرآن
کریم سے کرنا.... الحدیث۔

غور کیجئے جنہوں نے کبھی کوئی سلطنت نہ کی تھی وہ جہاں بان اور جہاں آرا ہوئے۔

غرض میں کیا کہوں تم سے کہ وہ صحرا نشیں کیا تھے
جہاں دار و جہاں گیر و جہاں بان و جہاں آرا

جہاں بیٹیاں زندہ درگور کی جاتی تھیں وہاں بیٹی گھر کی عزت بنی۔ باپ کی شفقت ٹھہری
اللہ تعالیٰ نے خود حضرت خاتم النبیینؐ کی نسل کو بیٹی سے باقی رکھا۔ عورت کو معاشرے میں ایک مقام
ملا اسے پردے کی عزت دی گئی جس سے اشراف کی عورتیں پہچانی جاتی ہیں اسے باپ کی جائداد
میں وارث قرار دیا گیا۔ آئندہ اس پر اپنے نان و نفقہ کی ذمہ داری نہ ہوتی تھی۔ اس لیے اسے
لڑکے سے نصف حصہ دیا گیا۔ یہ وہ فطری رعایات تھیں جن کی طرف قلوب و اذہان بڑی جلدی سے
کھچے چلے آتے۔ اخلاق سوز چیزیں شراب اور جوئے کو یکسر حرام ٹھہرایا گیا۔ مال و جان اور عزت
ایک دوسرے کے لیے لائق تکریم ٹھہرائے گئے۔ حضرت خاتم النبیینؐ نے کھلا اعلان فرمایا کہ میری

---

[1] سنن نسائی جلد ۲ ص ۳۰۵

بعثت اخلاقی بزرگیوں کی تکمیل کے لیے ہوئی ہے۔

بعثت لاتمم مکارم الاخلاق۔

اور یہ بھی فرمایا میں معلم بنا کر بھیجا گیا ہوں۔

قرآن کریم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذمہ داریاں بیان کرتے ہوئے جہاں یہ ذمہ داری بیان کی کہ آپ ان لوگوں پر قرآن کی آیتیں پڑھیں وہاں یہ ذمہ داری بھی آپ کے سپرد ہوئی کہ ایک ایسی قوم بنائیں جن کے دل پاک ہو چکے ہوئے ہوں ــــ ایسا کیوں؟ یہ اس لیے کہ قرآن بے شک ایک عظیم کتاب ہے وحی الہٰی ہے مگر اس کے ساتھ اٹھنے والی ایک قوم چاہیئے جو اسے لے کر دنیا میں قرآنی انقلاب قائم کرے یہ عرب بعد القرآن کی حالت ہے۔ اب ذرا آگے چلیں اور دیکھیں کہ اس قوم نے کس وسعت جرأت اور ہمت سے اس دنیا کی جغرافیائی سرحدیں عبور کیں اور دنیا میں ایک خلافت کا نظام قائم کیا۔

قرآن کا پوری کائنات کو ایک نظام میں لانا

قرآن کریم نے بنی نوع انسان کی غایت آفرینش خلافتِ ارضی بیان کی ہے۔

واذ قال ربك للملٰئكة انى جاعل فى الارض خليفه۔ (پ البقرہ)

ترجمہ۔ اور جب کہا تیرے رب نے فرشتوں کو میں زمین میں ایک خلیفہ بناؤں گا۔

اس زمین پر جہاں جہاں خدا کی خدائی کا چرچا ہے ضروری ہے کہ انسان خدا کی نیابت میں (جو خلافت کا حاصل ہے) وہاں قرآنی معاشرہ قائم کرے۔ پوری دنیا کو ایک نظام میں لانے کا تصور یہی قرآن کا نظریۂ خلافت ہے یہ تصور اس وقت دیا گیا جب دنیا قبائل علاقوں اور ریاستوں میں بٹی ہوئی تھی۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب عرب میں ایک ایسی قوم تیار کر لی جو علم کا نور اور تزکیۂ قلب کی دولت رکھتی تھی تو اس قوم نے (مذہب کی اشاعت کے لیے نہیں) دنیا سے ظلم کا خاتمہ کرنے اور داور ایک اللہ کی حکمرانی قائم کرنے کے لیے) انسانوں کی حکمرانی توڑنے کے جغرافیائی سرحدوں کو عبور کرنا چاہا اور بڑی ہمت اور استقامت سے وہ اس دشوار گزار گھاٹی کو عبور کر گئے۔

عرب کی یہ نوزائیدہ سلطنت دنیا کی دو عظیم متمدن سلطنتوں روم اور ایران سے بیک وقت ٹکرائی اور قیصر و کسریٰ کی یہ دو عظیم سلطنتیں اس نئی قوم کے آگے سرنگوں ہو گئیں۔ دیکھتے دیکھتے مسلمان یمن فلسطین عراق اور مصر و شام پر اپنا پرچم لہرانے کے لیے ان ممالک میں جا پہنچے اور خلافت کی وسعت سپین سے آگے جنوبی فرانس تک جا پہنچی۔ پھر ان ممالک میں مسلمانوں نے بادشاہی نہیں کی خدا کی نیابت میں خلافت کے ماتحت ممالک کو غلام ہونے کا تصور نہیں دیا امت مسلمہ کے ممبر ہونے کا یقین دلایا۔ خلافت کی بناء پر مسلمانوں کا عقیدہ مملکت یہ تھا۔

ہر ملک ملکِ ما است ۔۔۔ کہ ملک خدائے ما است

مسلمان دنیا میں پہلی قوم ہے جس نے پوری دنیا کو ایک نظام میں لانے کا پروگرام پیش کیا یہ نظامِ عمل Code of life دنیا کو کس نے دیا؟ قرآن نے

صداقتِ قرآن کی اس سے زیادہ روشن دلیل اور کیا ہو گی کہ اس نے پوری دنیا کو ایک وحدت کا شعور دیا انسان کو زندگی کا شعور دیا اور مذہب کو صرف آخرت کی نجات کے لیے نہیں دنیا میں بھی اسے ایک باعزت اور باآبرو زندگی کا درجہ دیا اسے زندگی کا سبق (درسِ حیات) اور لائحہ عمل کہا — قرآن نے اس تصور کو ختم کرنے کے لیے کہ جو خدا کا ہے وہ خدا کر دے اور جو بادشاہ کا ہے وہ بادشاہ کر دے ۔۔۔ ایک عہد ساز کام کیا

پہلی کتابوں میں قرآن کی صداقت کے نشان

قرآن کریم میں پہلی کتابوں کے حوالہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کے نشانات میں ایک نشان یہ دیا گیا تھا۔

يضع عنهم اصرهم والاغلال التي كانت عليهم (پ الاعراف ۱۵۷ کا جزو)

ترجمہ۔ وہ پیغمبر قوموں کے بوجھ اتارے گا اور وہ طوق (غلامی کے) جو ان پر ڈالے گئے انہیں اتارے گا۔

قوموں کے بوجھ اتارنا اور انسانی غلامی کے طوق جو اُن کے گلے میں پڑے ہوئے تھے۔ انہیں کھولنا اسی پیغمبر کا کام ہو سکتا ہے جس کی رسالت بین الاقوامی ہو۔ پوری زمین پر اس کی عدالتیں

قائم ہوں اس کی آواز ممالک کے صرف اندر تک نہیں جزیروں تک پہنچے اور اس کے پاس ایک شریعت ہو جسے وہ نافذ کرے۔

تاریخ گواہ ہے کہ اس بین الاقوامی شان کے پیغمبر حضرت خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہوئے ہیں جن کا دعوے ہے کہ آپ عرب وعجم اور ہر کالے گورے، اسود و احمر کی طرف بھیجے گئے ہیں اور دللعالمین نذیراً. آپ سب جہانوں کے لیے نذیر بن کر آئے

موجودہ بائبل جس شکل میں بھی ہے اس میں حضور کی رسالت کے یہ جلی نقوش جلی طور پر لکھے ہیں:-

دیکھو! میرا خادم جس کو میں سنبھالتا ہوں، میرا برگزیدہ جس سے میرا دل خوش ہے میں نے اس پر اپنی روح ڈالی وہ قوموں میں عدالت جاری کرے گا وہ نہ چلائے گا اور نہ شور کرے گا اور نہ بازاروں میں اس کی آواز سنائی دے گی وہ مسلے ہوئے سرکنڈے کو نہ توڑے گا اور ٹمٹماتی بتی کو نہ بجھائے گا وہ راستی سے عدالت کرے گا اور ماندہ نہ ہوگا اور ہمت نہ ہارے گا جب تک عدالت کو زمین پر قائم نہ کر لے جزیرے اس کی شریعت کا انتظار کریں گے۔

اندھوں کی آنکھ کھولے اور اسیروں کو قید سے چھڑائے اور ان کو جو اندھیرے میں بیٹھے ہیں قید خانے سے چھڑائے۔

اے سمندر پر گزرنے والو اور اس میں بسنے والو! اے جزیرو اور ان کے باشندو خداوند کے لیے نیا گیت گاؤ. زمین پر سرتا سر اسی کی ستائش کرو. بیابان اور اس کی بستیاں قیدار کے آباد گاؤں اپنی آوازیں بلند کریں سلع کے بسنے والے گیت گائیں پہاڑوں کی چوٹیوں پر سے للکاریں وہ خدا کا جلال ظاہر کریں اور جزیروں میں اس کی ثنا خوانی کریں [1]

اس پیشگوئی میں یہ امور ملحوظ رکھیں:-

---

[1] یسعیاہ باب ۴۲ ورس ۱۰

① قیدار کا لفظ یہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کے صاحبزادے کا نام ہے۔
(پرانا عہد نامہ تواریخ ۱-۳)

اب آپ خود فیصلہ کریں قیدار کے آباد گاؤں شام میں ہو سکتے ہیں یا عرب میں جو حضرت اسماعیل علیہ السلام کا مسکن بنا تھا۔

② سلع بھی مدینہ منورہ میں معروف پہاڑ ہے۔
③ عدالت کو پوری زمین پر قائم کرنا یہ وہ تصور خلافت ہے جو اسلام نے دیا۔

یہ ایک بین الاقوامی نبوت کی خبر ہے۔ سمندروں پہ سے گزرنا اور جزیروں کو آواز دینا کسی ایسے نبی کا کام نہیں ہو سکتا جو کسی ایک قوم یا کسی ایک نسل کے لیے بھیجا گیا ہو۔

پرانا عہد نامہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بین الاقوامی نبوت کی اور عرب کے صحرا زادوں کی بنو قیدار کی بستیوں کی، سلع پہاڑی کی، روئے زمین کی عدالتوں کی اور بستے جزیروں کی خبر دیتا ہے اور قرآن بتاتا ہے کہ قوموں کے بوجھ حضور خاتم النبیینؐ نے ہلکے کیے اور غلامی کے طوق اُن کے گلوں سے آپ نے اُتارے ایک بین الاقوامی دعوت دی اور تاریخ نے اس کی حرف بحرف تصدیق کی۔ کیا یہ قرآن کریم کی صداقت کے کھلے نشانات نہیں؟ فاعتبروا یا اولی الابصار۔

یہ پہلی قوموں کی رو سے صداقت قرآن اور صدق رسالت کی خبریں ہیں۔ لیکن کن کے لیے جن کا دل ہو اور وہ ادھر کان لگا دے اور وہ خود اس پر گواہ ہو۔

صرف قرآن پیرایہ فطرت میں آسمانی آواز ہے

اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر بڑا مہربان ہے اور اس نے کائنات کو جو فطرت بخشی اس کے مطابق وہ یہاں اپنے بندوں کی زندگی چاہتا ہے۔ سو آسمانی کتاب وہی ہونی چاہیئے جو فطرت کے ان تقاضوں کے مطابق ہو۔ ہم یہاں ان کا ایک مختصر خاکہ ہدیۂ قارئین کرتے ہیں۔

① اس کی تعلیم ممکن العمل ہو امکانِ بشری سے باہر نہ ہو۔
② اس کی تعلیم قانونِ فطرت کے مطابق ہو خلاف فطرت نہ ہو۔
③ اس کی تعلیم عقل انسانی سے ہم آہنگ ہو خلاف عقل نہ ہو۔

(۴) اس کے داعی اور اس کے ساتھیوں کا خود اس تعلیم پر پُورا عمل ہو۔
(۵) اس کا داعی جو لوگوں کو گناہوں سے بچنے کو کہے خود معصوم ہو۔
(۶) اس کی دعوت اور عمل میں قول و فعل کا تضاد نہ ہو۔
(۷) اس کا داعی خصائلِ حمیدہ اور صفاتِ پسندیدہ کا حامل ہو۔
(۸) فضائل چہار گانہ حکمت عدالت شجاعت اور عفت رکھتا ہو۔
(۹) اس کے داعی کا علم فراست کو اور عمل سخاوت کو پہنچا ہوا ہو۔
(۱۰) جتنا عروج ملتا جائے اتنا اور خدا کے آگے جھک جائے۔

یہ دس فطری تقاضے ہیں جو بنی نوعِ انسان کو قرآن کے گرد جمع کر رہے ہیں۔ پہلے ہندوستان کی پوری آبادی ہندو تھی۔ جب اسلام یہاں آیا اور یہاں کے لوگوں نے پیرایۂ فطرت میں یہ آسمانی آواز سُنی تو وہ بلا تردّد ادھر کھنچے چلے آئے —— یہ کیوں؟ یہ اس لیے کہ ویدوں کی تعلیم فطرت کے تقاضوں کے مطابق نہ تھی ان کا فلسفہ مذہب لوگوں کو نفس کشی اور سادھوؤں کی سی زندگی پر لانا تھا۔ بدھوؤں کا مذہب بھی لوگوں کو بدھو بنانا تھا۔ عیسائیوں کی مذہبی تعلیم بھی رہبانیت (ترک دنیا) پر مبنی تھی۔

مذاہب کی اس کشمکش میں قرآن کی فطری دعوت کو دیکھیے کس طرح امارت کو فقیری کے پیرہن میں جگہ دی ہے ؎

کلیسا کی بنیاد رہبانیت تھی — سماتی کہاں اس فقیری میں میری
یہ اعجاز ہے اک صحرا نشین کا — بشیری ہو آئینہ دار نذیری

اب آپ دیکھیں کہ موجودہ انجیل کیا انسان کو وہ زندگی مہیا کرتی ہے جو فطرت کے ان تقاضوں کے مطابق ہو اور کیا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی حیاتِ طیبہ جو یہاں گزری اپنے پیرایۂ عمل میں انسانوں کو کھینچتی ہے یا انہیں اپنے گھروں سے نکالتی ہے۔

ہماری بیان کردہ شرائط مذکورہ بالا میں پہلی شرط کو پھر سے دیکھیں اور پھر انجیل متی کی پانچویں اور چھٹے باب سے ان آیتوں کو پڑھیں:-

پس اگر تیری داہنی آنکھ تجھے ٹھوکر کھلائے تو اسے نکال کر اپنے پاس سے پھینک دے۔ (باب۵ آیت ۲۹)

میں تم سے یہ کہتا ہوں کہ شریر کا مقابلہ نہ کرنا بلکہ جو کوئی تیرے دہنے گال پر طمانچہ مارے دوسرا بھی اس کی طرف پھیر دے۔ (باب آیت ۳۹)

اپنی جان کی فکر نہ کرنا کہ ہم کیا کھائیں گے یا کیا پیئیں گے اور نہ اپنے بدن کا کہ کیا پہنیں گے۔ (باب ۶ آیت ۲۵)

اب آپ ہی سوچیں کیا یہ آسمانی آوازیں فطرت کے اس نظام کے مطابق ہیں جس پر خدا نے دنیا کو وجود بخشا۔ عیسائی پادری صلیبی جنگوں میں ان آیتوں کو چھپاتے پھرتے تھے اور کہتے تھے ان پر عمل کر کے کوئی کہاں زندہ رہ سکے گا۔ یہ صرف قرآن ہے جو انسان کو زندگی کا حق دیتا ہے۔ اور ایک باآبرو زندگی کا درس دیتا ہے۔

کھلے تضاد کی ایک مثال

یہ نہ سمجھو کہ میں زمین پر صلح کرانے آیا ہوں نہیں بلکہ میں تلوار چلانے آیا ہوں۔ (انجیل متی باب ۱۰ آیت ۳۴)

یسوع نے اس سے کہا اپنی تلوار کو میان میں کر لے کیونکہ جو تلوار کو کھینچتے ہیں سب تلوار سے ہلاک کیے جائیں گے۔ (باب ۲۶ آیت ۵۲)

موسیٰ علیہ السلام کی شریعت میں زنا کی سزا رجم تھی اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کہہ چکے تھے:۔

یہ نہ سمجھو کہ میں توریت یا نبیوں کی کتابوں کو منسوخ کرنے آیا ہوں منسوخ کرنے نہیں بلکہ پورا کرنے آیا ہوں..... پس جو کوئی ان میں سے چھوٹے سے چھوٹے حکموں میں سے بھی کسی کو توڑے گا...... وہ آسمان کی بادشاہت میں سب سے چھوٹا کہلائے گا۔ (انجیل متی باب ۵ آیت ۱۷-۱۸)

پھر جب خود آپ کے پاس حد مارنے کا ایک کیس لایا گیا تو دیکھئے آپ نے کس طرح اس عمل سے پہلوتہی کی :۔

فقیہ اور فریسی ایک عورت کو لائے جو زنا میں پکڑی گئی تھی .... یسوع نے کہا جو تم میں سے بے گناہ ہو وہی اس کے پہلے پتھر مارے..... ایک ایک کر کے

نکل گئے اور یسوع اکیلا رہ گیا اور عورت وہیں بیچ میں رہ گئی..... یسوع نے
کہا میں بھی تجھ پر (تورات کا) حکم نہیں لگاتا پھر گناہ نہ کرنا۔

(انجیل یوحنا باب ۸ آیت ۳ـ۱۲)

کچھ اندازہ کریں کیا اس کتاب میں قول و فعل کا کھلا تضاد نہیں ؟

یہ صرف قرآن کریم ہے کہ اس کے جملہ احکام لائق عمل ہیں اور جس پر یہ کلام مقدس نازل ہوا وہ سب سے بڑھ کر اس پر عمل کرنے والا تھا بلکہ بقول حضرت ام المومنینؓ آپؐ کی زندگی ہی قرآن تھی۔ یاد رکھیئے یہ صرف قرآن ہے جو فطرت کے مطابق ایک آسمانی آواز ہے اور ایک لائق عمل

قرآن دین و دُنیا کی تقسیم نہیں بتاتا

قرآن یہ نہیں کہتا کہ جو خدا کا ہے وہ خدا کو دو اور جو قیصر کا ہے وہ قیصر کو دو یہ دین و دنیا کی تقسیم ہے اور بادشاہت خدا کے بالمقابل ہے یہ کھلا شرک ہے۔

اسلام دنیا کا مقابلہ دین سے نہیں آخرت سے کرتا ہے دین دُنیا سے جُدا نہ رہنا چاہیئے دُنیا اور آخرت دو جہاں ہیں اور دین دونوں پر حاوی اور دونوں کو شامل ہے جب دُنیا کے سلطنتی امور دین سے خالی رہ جائیں تو اس سے بڑی بربریت اور کیا ہوگی۔

؎ جدا ہو دیں سیاست سے تو رہ جاتی ہے چنگیزی

قرآن کریم نے انسانوں کو دُنیا اور آخرت دونوں میں اچھائی کا طالب بتایا۔

ربنا اٰتنا فی الدّنیا حسنة وفی الاٰخرة حسنة وقنا عذاب النّار۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم طواف کعبہ میں ہر شوط (چکر) کے آخر یہ دعا مانگتے۔ حجر اسود کے سامنے آتے یہ مومن کی دُعا کا نقطہ عروج ہے۔

قرآن کی صداقت کا یہ نہایت روشن پہلو ہے کہ اس نے دنیا کی زندگی کو بھی ایک آبرو بخشی اور موت کو انسانی زندگی کی انتہا نہیں بتلایا یہیں سے آخرت میں بہتر انجام پانے کی نیکیوں کی راہ بتلائی۔۔۔۔ اس سے زیادہ ہم صداقتِ قرآن پر اور کیا کہہ سکتے ہیں۔ فضائل قرآن کو بھی ساتھ ملالیں تو قرآن کی روشنی اور چمکے گی۔

فضائل القرآن

الحمد للہ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ اما بعد :۔

یہی تو ایک چیز ہے جو ہمارے سامنے ہے ہمارے کان اسے سنتے ہیں اور ہماری ایمانی نبضیں اس کے ساتھ چلتی ہیں اور وہ مخلوق نہیں اور جو کچھ ہمارے اردگرد ہے وہ مادہ ہو یا روح زمان ہو یا مکان جواہر ہوں یا اعراض وزن ہو یا حجم نبات ہوں یا جماد رنگ ہوں یا ڈھنگ پھول ہوں یا پھل ستارے ہوں یا سیارے زمین ہو یا آسمان سب مخلوقات ہیں۔ صرف قرآن کریم جسے ہم دیکھتے بھی ہیں مگر وہ مخلوق نہیں سنتے بھی ہیں مگر وہ مخلوق نہیں خالق کے کن کہنے سے یہ سب کائنات بنی سو اس کا کلمہ کن خود کیسے مخلوق ہو سکتا ہے کائنات تو اس کن کہنے کا نتیجہ ہے سبب cause اور نتیجہ effect میں فرق سامنے رکھیے۔

انما امرہ اذا اراد شیئاً ان یقول لہ کن فیکون۔

اللہ تعالیٰ اپنی ذات میں مخلوق سے پردے میں ہے نہ عام کان اسے سن سکتے ہیں نہ یہاں کی آنکھیں اسے دیکھ پاتی ہیں نہ ہمارے حواس اس کا ادراک کرتے ہیں۔ وہ جہاں بھی نظر آتا ہے اپنی صفات کے جلووں میں اور جہاں بھی پہچانا جاتا ہے اپنی قدرت کے پردوں میں ــــ حضرت علی المرتضیٰؓ نے سچ فرمایا۔

عرفت ربی ــــ بفسخ العزائم۔

انسان کو جو کچھ اس دنیا میں نظر آتا ہے یا سنائی دیتا ہے یا انسان اسے محسوس کرتا ہے سب مخلوق ہے صرف ایک چیز ہے جو مخلوق نہیں۔ وہ ہمارے سننے میں آتا ہے دل کی دھڑکنیں اسے محسوس کرتی ہیں مگر وہ مخلوق نہیں وہ اللہ کا کلام ہے۔

قیامت کا زلزلہ دنیا کی ہمہ گیر تباہی ہے یہ صرف مخلوقات پر آئے گی قرآن اس کی زد میں نہ ہوگا قرآن کے الفاظ پہلے اٹھا لیے جائیں گے اوراق خالی رہ جائیں گے اور ان میں کچھ نظر نہ آئے گا ــــ آج ہم اس کے اختصاصات فضائل اور کمالات و اثرات کا کچھ ذکر کرنے کے لیے جمع ہیں

اور مخلوق سے قرآن کا حق بیان ہی کیا ہو سکتا ہے۔

عمرم تمام گشت و بپا پایاں رسید عمر
ما ہمچنیں در اوّل وصف تو ماندہ ایم

① انسانوں اور خدا تعالیٰ کے مابین وصل و ربط

اللہ تعالیٰ کی ذات باقی اور ہمیشہ رہنے والی ہے اور انسان فانی اور ہر دم تغیر پذیر ہے اللہ تعالیٰ غنی اور مالک و مختار ہے اور انسان ہمہ تن محتاج۔ وہ ذات قدیم ہے اور یہ حادث ——— اب باقی و فانی میں جوڑ لگے تو کیسے غنی و محتاج میں ربط آئے تو کیسے ——— دیوار بھی اشتہار قبول نہیں کرتی جب تک درمیان میں کوئی چیز اسے جوڑنے والی نہ ہو حالانکہ دونوں جسمانی چیزیں ہیں اور دونوں ٹھوس۔

باقی و فانی اور غنی و محتاج میں تو نسبت تباین ہے اس خلیج کو کون پاٹ سکتا ہے؟ اللہ رب العزت نے خود اس کا انتظام فرمایا ہے۔ اپنے بندے پر اپنا کلام اُتارا ——— اس کے منہ میں اپنا بول ڈالا ——— وہ قرآن ہے جو مخلوق کو خالق سے جوڑ سکتا ہے اور انسانوں کو خدا سے ملاتا ہے اور اسے اس سے ملنے کی خبر دیتا ہے۔ باقی و فانی میں یہی ایک جوڑ ہے۔

② واحد الہامی کتاب جس کی زبان زندہ ہے

اس وقت جو الہامی کتابیں مختلف مذاہب میں الہامی مانی جاتی ہیں ان میں قرآن کریم واحد کتاب ہے جس کی زبان زندہ ہے۔ تورات کی زبان عبرانی تھی Hebrew عبرانی دنیا کے کسی حصے میں نہیں بولی جاتی۔ انجیل کی زبان یونانی تھی اب وہ بھی دنیا کے کسی حصے میں نہیں بولی جاتی۔ جو بولی کسی کو سمجھ میں نہ آئے اسے dead language کہتے ہیں۔ اوستا Avesta ایک مردہ زبان ہے دنیا میں کہیں بولی نہیں جاتی۔ زبور سریانی ۔ ب ی ں ی وہ بی ہیں بوی نہیں جا رہی۔ ویدوں کی زبان سنسکرت بھی دنیا کے کسی حصہ میں بولی نہیں جا رہی۔ پہلے بھی یہ صرف سنتوں saints کی بولی تھی اسے دوسرے بول نہ سکتے تھے۔ کرت بولی کو کہتے ہیں سنس کرت

کا معنی ہے سُننوں کی زبان۔ وید سنسکرت میں ہیں انہیں صرف برہمن ہی پڑھ سکتے تھے۔

قرآن واحد الہامی کتاب ہے جس کی زبان دنیا میں ایک زندہ زبان ہے اور وہ ایک ملک میں نہیں دنیا کے کئی ملکوں میں بولی جاتی ہے۔

③ واحد الہامی کتاب جو ایک کتاب کہلاسکتی ہے

یہودیوں کے پاس ایک تورات نہیں پرانا عہدنامہ Old testament. ہے جس میں تورات کے ساتھ اور بیسیوں صحیفے موجود ہیں وہ ایک کتاب کے پیرو نہ رہے۔ عیسائیوں کے پاس ایک انجیل نہیں New Testament ہے جس میں چار انجیلیں اور کئی خطوط ہیں۔ جب عیسائیوں کو کہا جاتا ہے کہ وہ انجیل پیش کرو جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام پڑھتے تھے وہ اپنی ایک کتاب پیش نہیں کر سکتے۔ متی مرقس لوقا اور یوحنا نے حضرت مسیح کے جو حالات اور کلمات جمع کیے وہ حضرت مسیح علیہ السلام کی حدیثیں ہیں۔ یہ ان کی صحاح اربعہ اپنی مرکزی آسمانی کتاب انجیل مسیح کے بغیر ہیں جس طرح مسلمانوں کے پاس صحاح ستہ کے علاوہ قرآن مجید ہے ان کے پاس صحاح اربعہ کے ساتھ کوئی ایک آسمانی کتاب نہیں۔

ہندوؤں کے پاس بھی چار وید ہیں۔ رگ وید۔ رام وید۔ یجروید۔ اتھر وید — یہ چار کتابیں ہیں ایک کتاب نہیں کتنی تعجب خیز یہ بات ہے کہ ایک امت اور ایک قوم کے پاس ایک آسمانی کتاب نہ ہو۔ نہ ان کے مذہبی اعمال کسی ایک آسمانی رہنما کے گرد جمع ہوں۔ قرآن کریم واحد الہامی کتاب ہے جو ایک پیغمبر پر اُتری ایک کتاب کہلاسکتی ہے اور ایک امت بنا سکتی ہے۔

④ واحد الہامی کتاب جو ہر ملک میں اصل زبان میں پڑھی جاتی ہے

قرآن کریم واحد الہامی کتاب ہے جو دنیا کے ہر ملک اور ہر خطے میں، عربی جاننے والوں میں اور نہ جاننے والوں میں اپنی اصل زبان میں برابر پڑھی جا رہی ہے۔ مسلمان جہاں بھی ہیں وہ نماز عربی زبان میں پڑھتے ہیں۔ ان کی اذانیں عربی میں ہوتی ہے۔ اسلام میں داخلہ عربی کلمے کے ذریعہ ہوتا ہے انگلینڈ اور امریکہ میں اناجیل انگریزی میں پڑھائی جاتی ہیں۔ یہ اپنی عبادتگاہوں churches میں

انگریزی میں عبادت کرتے ہیں۔ انجیل ان کے ہاں اپنی اصلیت کھو چکی ہے۔ ہندو پرارتھنا ویدوں کی اصل زبان میں نہیں۔ ہندی میں ہوتی ہے۔ مسلمان قرآن کریم کے تراجم کو translation of the Quran کہنے ہیں قرآن نہیں سمجھتے۔ قرآن صرف وہی ہے جس کا لفظ لفظ وحی ہے اور وہ عربی میں ہے۔

⑤ واحد الہامی کتاب جو لاکھوں انسانوں کو یاد ہے

ہر قوم کو اپنی مذہبی کتاب سے بہت عقیدت ہوتی ہے۔ مسلمانوں کو جو عقیدت قرآن کریم سے ہے وہی عقیدت عیسائیوں کو اناجیل سے ہوگی، ہندوؤں کو اپنے ویدوں سے ہوگی۔ پھر کیا وجہ ہے کہ دنیا میں کوئی ایسا ہندو نہ ملے گا جسے کوئی ایک وید زبانی یاد ہو، کوئی ایسا سکھ نہ ملے گا جسے کوئی حصہ گرنتھ زبانی یاد ہو، کوئی ایسا عیسائی نہ ملے گا جسے کوئی ایک انجیل زبانی حفظ ہو۔ اس کے برعکس دنیا کے ہر خطے میں سینکڑوں مسلمان ایسے ہیں جو قرآن مجید عربی زبان میں پورا یاد کیے ہوئے ہیں۔ اور اسلامی ممالک میں تو ایسے لوگ لاکھوں پائے جاتے ہیں جو قرآن کریم کے حافظ ہوں۔

پھر مسلمانوں میں ایک ایسا مہینہ آتا ہے جس میں ان حفاظ کرام کا عملی امتحان ہوتا ہے۔ جب وہ پورا رمضان تراویح میں اپنے اس حفظ کا مظاہرہ کرتے ہیں اور پیچھے کھڑے ہونے والوں میں بھی حفاظ ہوتے ہیں جو اس کی کسی بھول پر اسے روکتے ہیں ـــ سو قرآن پاک واحد الہامی کتاب ہے جو اپنی اصل زبان میں لاکھوں انسانوں کو حفظ ہے۔ گو وہ عربی زبان والے نہ ہوں۔

⑥ واحد الہامی کتاب جس میں ایک جملہ انسانی کلام کا نہیں

جس طرح اناجیل اربعہ میں مؤلف اناجیل اپنی زبان میں بات کرتے ہیں اور حضرت مسیح علیہ کی تعلیمات اور ان کے حالات احادیث کی صورت میں بیان کرتے ہیں تورات پرانے عہد نامے کی پہلی پانچ کتابوں کو کہتے ہیں ان کا مصنف حضرت موسیٰ کو بتایا جاتا ہے ان میں بار بار آتا ہے موسیٰ نے کہا۔ یہ اسی طرح ہے جس طرح پرانے مصنفین اپنے نام سے کتاب کو شروع کرتے تھے اس کے برعکس قرآن پاک میں ایک جملہ انسانی کلام کا نہیں پایا جاتا۔ یہ سارے کا سارا کلام الٰہی ہے بے شک یہ سورتوں

یں منقسم ہے مگر ہر سورت کلامِ الٰہی ہے۔ پارہ نمبر اوپر علیحدہ لکھا جاتا ہے اور رکوع کے نشانات حاشیے پر ہوتے ہیں۔ یہ بے شک کلامِ الٰہی نہیں مگر چوکھٹے کے اندر جو عبارت ہے وہ ہمہ تن کلامِ الٰہی ہے۔

⑦ واحد الہامی کتاب جو پیش کرنیوالے سے متواتر منقول ہے

قرآن کریم کو دنیا میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے پیش کیا اور آپ سے سینکڑوں لوگوں نے اسے پڑھا اور سُنا پھر ان سینکڑوں سے لاکھوں انسانوں نے اسے پڑھا اور سُنا اور اس وقت سے لے اب تک کہ چودھویں صدی کا اختتام ہے ہر دور میں اتنے لوگوں نے اسے اتصال سے پڑھا اور سُنا کہ کسی مستشرق اور غیر مسلم کو بھی اس سے انکار نہیں کہ یہ وہی کتاب ہے جسے اس پیغمبر عرب نے روشناس کرایا تھا۔

اس کے برعکس موجودہ اناجیل اپنے مصنفین سے تواتر کے ساتھ منقول نہیں۔ وید اپنے دیوتاؤں سے تواتر کے ساتھ منقول نہیں۔ اوستا زرتشت سے تواتر کے ساتھ منقول نہیں تورات پر کیسے خمولی کے دور گزرے یہ کسی صاحبِ علم سے پوشیدہ نہیں۔ دنیا میں واحد الہامی کتاب جو اپنے پیش کرنے والے سے متصل اور متواتر طور پر منقول چلی آ رہی ہے صرف قرآن ہے۔

⑧ واحد الہامی کتاب جس کی نظیر لانے سے دُنیا عاجز ہے

نزولِ قرآن کے وقت سے ہی قرآن کا یہ دعوےٰ چلا آ رہا ہے کہ اگر یہ کلام انسانی اختراع ہے تو تم ایک ایسی سُورت بنا لاؤ۔ تاریخ گواہ ہے کہ کوئی اس کی مثل کلام نہ لا سکا، ورنہ مسلمانوں کے مخالف کسی حلقہ مشرکین میں اس کی شہرت ہوتی۔ قریش مکہ سب عرب عربا تھے اور اس زمین میں بڑے بڑے شعرا تھے۔ اپنے ادب و بلاغت پر انہیں ناز تھا۔ بایں ہمہ سب کے سب قرآن کریم کی نظیر لانے سے عاجز رہے۔

اور تو اور خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا پیرایہ بیان بھی قرآن کریم کے سٹائل کا نہ تھا جس نے مسلمانوں کے حدیث لٹریچر پر نظر کی اور پھر اس نے قرآن کریم کو بھی دیکھا۔ اس نے خود اعتمادی سے

کہا کہ یہ دو پیرائے کسی ایک زبان سے نکلے نہیں ہو سکتے۔ آگے چل کر اعجاز القرآن میں ہم اس پر ادر بحث کریں گے۔

⑨ واحد الہامی کتاب جو عبادت اور سیاست کی جامع رہی

دیگر الہامی کتابیں اپنے پیش کرنے والوں کے نزدیک صرف الہٰی ربط کا سامان ہیں جو بندے کو خدا کے ساتھ ہوتا ہے یہ تعلق عبادت ہے اور اسی پر یہ مضمون مرتب ہوتا ہے کہ جو خدا کا ہے وہ خدا کو دے اور جو بادشاہ کا ہے وہ بادشاہ کو دے دو۔ دین و دنیا کی یہ تقسیم اسلام کے سوا ہر مذہب میں موجود ہے۔

اس کے برعکس قرآن کریم جس بندے کو عبدیت کی دہلیز پر لاتا ہے اسے خدا کے آگے جھکاتا ہے اسی طرح وہ بندہ کی تدبیر منزل اور مدنی سیاست اور دائرہ معاشرت میں انسان کی راہنمائی کرتا ہے۔ خلافت اور ریاست کے پورے آداب بتلاتا ہے۔ عبادت اور سیاست میں خطِ متارکہ کا قائل نہیں۔

مستشرق نکلسن لکھتا ہے :۔

Islam allows no distinction between church and state; it is impossible to treat with the politics apart from religion.

The literary history of Arabs.

ترجمہ۔ اسلام عبادت گاہ کو سیاست سے فاصلے پر رکھنے کی اجازت نہیں دیتا۔

⑩ واحد الہامی کتاب جو تاریخ میں انقلاب آفرین رہی

حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا عہد نبوت کن حالات میں ختم ہوا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی وفات وادیٔ تیہ میں ہوئی جہاں ان کی قوم اپنے چالیس سالہ دور حرمان کو پورا کر رہی تھی۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے خلاف انہیں سولی کی سزا دینے کے لیے مقدمہ چل رہا تھا کہ ان کا عہد نبوت ختم ہو گیا۔ یہ حالات کس قدر انقلاب آفرین ہوں گے یہ آپ خود اندازہ کر لیں لیکن قرآن کریم نے اپنی دعوتِ انقلاب سے چند گنتی کے سالوں میں عرب کی کایا پلٹ کر رکھ دی اور خلافتِ راشدہ

میں دیکھتے دیکھتے تمام قریب کے ممالک میں اسلام کا جھنڈا لہرایا گیا۔۔۔۔ سو یہ واحد الہامی کتاب ہے جو ایک قلیل امت میں سحر انگیز حد تک انقلاب آفریں رہی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اس کتاب کے بارے میں فرمایا:-

ان اللہ یرفع بھذا الکتاب اقواماً ویضع بہ آخرین۔[1]

ترجمہ۔ بے شک اللہ تعالیٰ اس کتاب کے ذریعے قوموں کو اٹھاتا ہے اور کچھ قوموں کو بٹھاتا ہے۔

(۱۱) واحد الہامی کتاب جس نے پہلی کتابوں کو منسوخ کیا

وانزلنا الیک الکتاب بالحق مصدقاً لمابین یدیہ من الکتاب و مھیمناً علیہ۔

(پ۶ المائدہ ۴۸)

ترجمہ۔ اور ہم نے اتاری آپ کی طرف کتاب سچائی کے ساتھ یہ تصدیق کرتی ہے ان کتابوں کی جو اس سے پہلے تھیں اور ان کی یہ نگہبان ہے۔

اس کتاب کو پہلی کتابوں کا مصدق بتلا کر اسے ان کا نگہبان ٹھہرایا جس کا مطلب یہ ہے کہ ان کتابوں کے اب وہی مضامین باقی رہنے والے ہیں جن کا تکفل یہ کتاب کرلے باقی سب منسوخ۔ فرماتے ہیں ہم جو چاہیں منسوخ کریں اور جو چاہیں بھلا دیں۔ اب پہلے لوگوں کے پاس اصل کتابیں نہیں رہیں:-

یکتبون الکتاب بایدیھم ثم یقولون ھٰذا من عند اللہ فویل لھم مما کتبت ایدیھم وویل لھم مما یکسبون۔ (پ۱ البقرہ ۷۹)

ترجمہ۔ وہ اپنے ہاتھوں کتابیں لکھ لیتے ہیں اور پھر یہ کہتے ہیں یہ اللہ تعالےٰ کی طرف سے ہے۔

ماننسخ من آیۃٍ او ننسھا نأت بخیر منھا۔ (پ۱ البقرہ ۱۰۶)

ترجمہ۔ جو آیت ہم منسوخ کردیں یا اسے بھلا دیں ہم اس کے بدلے اس سے بہتر لے آتے ہیں۔

---

[1] رواہ مسلم عن عمر بن الخطابؓ عن النبیؐ

حضرت یوسف علیہ السلام خدا کے پیغمبر ہیں حضورؐ کی رسالت کے دور میں ان کی بھی پیروی نہیں چل سکتی حضرت موسےٰ علیہ السلام اپنے وقت کے پیغمبر برحق ہیں مگر اس دور میں ان کی پیروی کی بھی اجازت نہیں وہ خود بھی اگر تشریف لے آتے تو انہیں حضورؐ کی پیروی پہ چلنا پڑتا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :۔

والذی نفسی بیدہ لو اتاکم یوسف وانا فیکم فاتبعتموہ وترکتمونی لضللتم۔ [1]

ترجمہ۔ اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے اگر تمہارے پاس یوسف علیہ السلام آجائیں اور میں تم میں موجود ہوں تم ان کی پیروی کرو اور مجھے چھوڑ دو تو تم گمراہ ہو جاؤ گے۔

ایک دفعہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ تورات کا مطالعہ کر رہے تھے حضورؐ نے دیکھا تو سخت ناراض ہوئے اور فرمایا :۔

لوکان موسیٰ حیا ما وسعہ الا اتباعی رواہ احمد والبیھقی عن جابرؓ [2]

ترجمہ۔ اگر موسیٰ بھی (اس دنیا میں) زندہ ہوتے تو انہیں میری پیروی سے چارہ نہ تھا۔

لو بدا لکم موسیٰ فاتبعتموہ وترکتمونی لضللتم عن سواء السبیل ولو کان حیا و ادرک نبوتی لاتبعنی [3]

ترجمہ۔ اگر موسیٰ تمہارے پاس آجائیں اور تم مجھے چھوڑ کر ان کی پیروی کرنے لگو تو تم سیدھی راہ سے بھٹک گئے۔ وہ خود بھی (یہاں) زندہ ہوتے اور میرا دورِ نبوت پالیتے تو میری پیروی کرتے۔

اس کے آگے ہے :۔

انتم حظی من الامم وانا حظکم من النبیین [4]

ترجمہ۔ امتوں میں میرے حصے میں تم آئے ہو اور نبیوں میں تمہارے حصے میں میں آیا ہوں۔

---

[1] المصنف لعبد الرزاق جلد ۶ صـ ۱۱۴ [2] مشکوٰۃ صـ ۳۰ [3] رواہ الدارمی مشکوٰۃ صـ ۳۲ [4] المصنف لعبد الرزاق جلد ۶ صـ ۱۱۳

⑫ واحد الہامی کتاب جس کا اپنا تعارف اس میں پورا ہے

۱۔ بھیجنے والے کا نام؟

وانزل اللہ علیک الکتاب۔ (پ۵ النساء ۱۱۳)

تنزیل الکتاب من اللہ العزیز العلیم۔ (پ۲۴ المؤمن ۱)

من اللہ العزیز الحکیم۔ (پ۲۳ الزمر ۱)

من الرحمٰن الرحیم۔ (پ۲۴ حم سجدہ)

ان سب آیات کا حاصل ہے کہ اس کا بھیجنے والا اللہ ہے جو عزیز ہے علیم ہے حکیم ہے اور رحیم ہے۔

۲۔ اسے آپ پر کون لایا؟

نزل بہ الروح الامین علیٰ قلبک لتکون من المنذرین۔ (پ۱۹ الشعراء ۱۹۳)

نزلہ روح القدس من ربک بالحق۔ (پ۱۴ النحل ۱۰۲)

نزلہ علیٰ قلبک باذن اللہ۔ (پ۱ البقرہ ۹۸)

اسے لانے والا روح القدس فرشتہ ہے وہ اپنے طور پر نہیں اللہ تعالیٰ کے حکم سے لے کر آتا ہے۔

۳۔ یہ کتاب کس زبان میں ہے؟

بلسانٍ عربیٍ مبین۔ (پ۱۹ الشعراء ۱۹۵)

کتاب مصدق لساناً عربیاً۔ (پ۲۶ الاحقاف ۱۲)

اس کی زبان ایک ہے اور وہ عربی مبین ہے۔ یہ کتاب کئی زبانوں میں نہیں۔

۴۔ یہ کتاب کس پر اُتاری گئی؟

نزّل علیٰ محمّد وھو الحق من ربّھم۔ (پ۲۶ محمد ۱)

یہ کتاب حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر اُتاری گئی ہے اور وہ حق ہے اپنے رب کی طرف سے۔

۵۔ جس پر اُتاری گئی ہے اس کا منصب ؟

انک لمن المرسلین علیٰ صراطٍ مستقیم۔ (پ۲۲ یٰسین ۳)

آپ رسولوں میں سے ہیں کوئی جدی نوع نہیں جو اور رسولوں سے مختلف ہو۔

۶۔ کتاب کی حدودِ دعوت کہاں تک ؟

نزل الفرقان علیٰ عبدہ لیکون للعالمین نذیرًا۔ (پ۱۸ الفرقان ۱)

اس کتاب کی دعوت پوری دنیا کو شامل ہے۔ جب تک یہ جہان ہیں۔

۷۔ یہ کب اُترا ہے ؟

شہر رمضان الذی انزل فیہ القرآن۔ (پ۲ البقرہ)

رمضان کا مہینہ تھا جس میں وہ اتارا گیا۔

۸۔ کتاب انسانی دستبرد سے محفوظ رہے گی ؟

لا یاتیہ الباطل من بین یدیہ ولا من خلفہ تنزیل من حکیم حمید۔

(پ۲۴ حم سجدہ ۴۲)

انا نحن نزلنا الذکر وانا لہ لحافظون۔ (پ۱۴ النحل ۹)

ہم نے ہی یہ ذکر نازل کیا ہے اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔

اس کتاب کے نام کیا کیا ہیں ؟

۹۔ قرآن فرقان النور الذکر الکتاب الیقین

سب سے زیادہ مشہور نام قرآن ہے۔

ان ھٰذا القرآن یھدی للتی ھی اقوم۔ (پ۱۵ بنواسرائیل ۹)

نوٹ : دوسری کسی الہامی کتاب میں اس کا اپنا تعارف اس تفصیل سے موجود نہیں ہے نہ ویدوں میں ان کا اپنا تعارف، نہ بائبل میں، نہ اوستا میں اور نہ کسی دوسری کتاب میں۔

ؔ لاکھ ستارے اک طرف ظلمت شب جہاں جہاں

اک طلوع آفتاب کوہ و دمن سحر سحر

⑬ واحد الہامی کتاب جس کی تعریف غیر مسلموں نے بھی کی

اپنی کتاب کی تعریف تو سبھی کرتے ہیں لطف یہ ہے کہ دوسرے اپنی کتاب کی تعریف کریں۔

الفضل ما شهدت به الاعداء۔

ہم آگے جا کر مستشرقین یورپ کے چند اقوال قرآن کریم کے بارے میں پیش کریں گے۔

مدعی لاکھ یہ بھاری ہے گواہی تیری — یہاں ہم صرف چند نام دیئے دیتے ہیں۔

⑭ واحد الہامی کتاب جو دورِ تاریخ سے تعلق رکھتی ہے

دیگر الہامی کتابیں زمانہ قبل از تاریخ سے تعلق رکھتی ہیں ان ادوار میں لکھنے پڑھنے کا شوق نہ تھا نہ ابھی کاغذ تیار ہوا تھا۔ ویدوں کا دور کئی ہزار سال پہلے کا بتایا جاتا ہے۔ تورات کی تختیاں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو پتھروں پر لکھی ہوئی ملی تھیں آپ پڑھ تو سکتے تھے لکھ نہ سکتے تھے۔ ابھی ثقافت نے ترقی نہ کی تھی۔ تاریخ اس وقت ایک تاریک دور سے گزر رہی تھی۔

جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو زمانہ تمدن کی ایک کروٹ لے چکا تھا۔ یہ دور تاریخ کا آغاز ہے اور کاغذ گو کمیاب تھا مگر وجود میں آچکا تھا۔ حضرت زرتشت کی اوستا بھی زمانہ قبل از تاریخ سے تعلق ہے۔ قرآن کریم واحد الہامی کتاب ہے جو دورِ تاریخ سے تعلق رکھتی ہے۔

⑮ واحد الہامی کتاب جس نے پہلے مذہبی پیشواؤں کو عزت بخشی

قرآن کریم میں سورۃ الانعام میں حضرت ابراہیم حضرت اسحٰق حضرت یعقوب — پھر حضرت داؤد حضرت سلیمان حضرت ایوب حضرت یوسف — اور پھر حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون — پھر حضرت زکریا و حضرت یحییٰ — اور حضرت عیسیٰ اور حضرت الیاس — اور پھر حضرت اسماعیل حضرت الیسع حضرت یونس اور

حضرت لوط علیہم السلام کا ذکر آیت ۸۳ سے ۸۶ تک مسلسل آتا ہے۔

اور پھر فرمایا ان کے آبا، ان کی اولاد اور ان کے بھائیوں سے بھی ہم نے اپنے بندے چُنے انہیں صراطِ مستقیم کی راہ دکھائی اور انہیں کتاب و حکم اور نبوّت سے سرفراز فرمایا۔

پھر آخر میں فرمایا :-

اولٰئِکَ الذین ھدی اللہ فبھداھم اقتد ہ۔ (پ الانعام ۹۰)

ترجمہ۔ یہ وہ لوگ ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے راہ پر لگایا آپ بھی انہی کے رستے پر لگے رہیں۔

قرآن کریم نے جس شاندار پیرائے میں حضورؐ سے پہلے کے مذہبی پیشواؤں کو تکریم بخشی ہے اس قسم کا کوئی تسلسل ہمیں دوسری الہامی کتابوں میں نظر نہیں آتا۔ بائبل میں پہلے انبیاء کا ذکر جس دلآزار پیرائے میں کیا گیا ہے اسے نقل کرتے ہوئے طبیعت پر بہت بوجھ آتا ہے مثلاً :-

(۱) کنعان کے باپ حام نے اپنے باپ (حضرت نوح) کو برہنہ دیکھا اور اپنے دونوں بھائیوں کو باہر آکر خبر دی۔[۱]

(۲) کتاب پیدائش میں یہ بھی ہے :-

انہوں نے رات اپنے باپ کو مے پلائی اور پہلوٹھی اندر گئی اور اپنے باپ (حضرت لوط علیہ السلام) سے ہم آغوش ہوئی اس پر اس نے نہ جانا کہ وہ کب لیٹی اور کب اٹھ گئی اور دوسرے روز یوں ہوا کہ پہلوٹھی نے چھوٹی سے کہا۔۔۔ سو لوط کی دونوں بیٹیاں اپنے باپ سے حاملہ ہوئیں۔[۲]

(۳) حضرت یعقوب علیہ السلام کو کہا گیا :-

تیرا نام آگے کو یعقوب نہیں بلکہ اسرائیل ہوگا کیونکہ تُو نے خدا اور آدمیوں کے ساتھ زور آزمائی کی۔[۳]

بھلا کوئی خدا سے زور آزمائی کر سکتا ہے؟ اور پھر نبی یہ آپ سوچیں۔

(۴) اور داؤد نے لوگ بھیج کر اسے بُلایا وہ اس کے پاس آئی اور اُس نے اس سے

---

[۱] کتاب پیدائش باب ۹ ورسز ۲۰-۲۲ [۲] ایضاً باب ۱۹ ورسز ۳۰-۳۵ [۳] ایضاً باب ۳۲ ورسز ۲۴-۲۹

صحبت کی ... پھر وہ اپنے گھر کو چلی گئی اور وہ عورت حاملہ ہوگئی ۔ سو اس نے داؤد کے پاس خبر بھیجی کہ میں حاملہ ہوں[1]

ہم ان چار حوالوں پر اکتفا کرتے ہیں ۔ ہمارے قارئین جان چکے ہیں کہ بائبل اپنے سے پہلے مذہبی پیشواؤں کا کس طرح ذکر کرتی ہے اور قرآن کریم اپنے سے پہلے انبیاء کا کس اکرام سے ذکر کرتا ہے اب آیئے اس پہلو سے ذرا مقدس ویدوں پر بھی نظر ڈالیں ۔

ہندو اپنے دین کا بڑا پیشوا برہما کو سمجھتے ہیں ۔ ان کا عقیدہ ہے کہ چاروں وید پرمیشر کا کلام ہیں اور وہ عالم ظاہر میں برہما کی زبان سے ظاہر ہوئے ہیں ۔ شاستر ان ویدوں سے ماخوذ ہیں ۔ ہندو دھرم میں مذہبی پیشواؤں کا مقام کیا ہے اسے ان کے لٹریچر میں دیکھیئے :

مہابھارت کے پہلے باب میں ہے :-

"برہما سارے دیوتاؤں کا استاد ہے ۔ مہادیو (بڑا دیوتا) برہما کے دونوں ابرؤوں سے پیدا ہوا ۔ برہما نے ہی کام دیو کو بنایا ۔ کام دیو کا ظہور شہوت کی صورت میں ہوا اور محل شہوت (عورت) بھی برہما نے بنایا ۔ کام دیو نے برہما سے بخشش مانگی کہ وہ جس کے دل میں جا گھسے اس کی عقل ماری جائے ۔ کام دیو کو یہ مقام دے دیا گیا ۔"

بھگوت گیتا میں ہے :-

"پہلے برہما نے سارستی اپنی بیٹی بنائی اور کام دیو کو بھی بنایا ... کام دیو برہما کے دل میں جا گھسا اور برہما کی عقل ماری گئی اور شہوت غالب ہوئی یہاں تک کہ خود اپنی بیٹی سے جماع کا قصد کیا ۔ سارستی شرم و حیا کی وجہ سے ایک طرف کو پھر گئی ۔ اس طرف برہما کی صورت میں ایک اور منہ ظاہر ہو گیا اور نظر بد کرنے لگا ۔ سارستی پیچھے کو ہو گئی اس طرف برہما کا ایک اور منہ ظاہر ہو گیا اور وہ سارستی کو اس منہ سے سے گھورنے لگا ... برہما کے چار منہ اس وقت سے ہیں اور اسی وجہ سے برہما کو چتر مکھ کہا جاتا ہے ۔"

---

[1] سموئیل ۲ باب ۱۱ ورسز ۲-۵

سارستی زمین غائب ہو کر بھاگنے لگی جب باہر نکل کر دوڑی برہما بھی اس کے پیچھے بھاگا۔۔۔ جب دیوتاؤں میں اس کے چرچے ہوئے تو مہادیو نے اس گناہ کے بدلے برہما کا ایک سر اوپر کا کاٹ دیا۔ اس گناہ کی شامت سے برہما کی پوجا موقوف ہوئی اور دوسرے دیوتا پوجے جانے لگے پر برہما کو پوجا نہیں جاتا۔

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ایک بار برہما نے پاربتی سے جو مہادیو کی بیوی تھی آشنائی کی تھی۔۔۔ سارستی نے پاربتی کی صورت اختیار کر لی (جو کبھی ظاہر ہوتی اور کبھی غائب ہو جاتی ہے)۔

اور میتہ پران میں ہے :۔

برہما نے اپنی بیٹی کو جورو بنا کر ستر برس تک رکھا۔

مذہبی پیشواؤں کا یہ لغتہ عمل جو ویدوں میں ملتا ہے انتہائی حیا سوز ہے۔ دُنیا میں ندیاں زمین پر ہی اُبھرتی ہیں اور پھر کچھ فاصلوں پر زمین میں ہی جذب ہو جاتی ہیں۔ ہندو عقیدے کے مطابق یہ برہما کی بیٹی سارستی ہے جس نے ندی کا روپ دھار لیا تھا اور کہیں چھپی اور کہیں ظاہر ہوئی تھی۔ اب اس کی تو پُوجا ہوئی لیکن برہما کی پوجا نہیں کیونکہ وہ کام دیو کے گناہ کا شکار ہو گیا تھا۔

ہندوؤں کے بامن پران کی یہ عبارت بھی دیکھیں :۔

برہما نے مہادیو کے ذکر کی انتہا نہ پائی اور جھوٹ کہہ دیا کہ میں نے مہادیو کے لنگ کی مقدار دریافت کر لی ہے اس وجہ سے اس کی عبادت موقوف ہوئی [1]

گویا پُوجا جانے کے لائق وہی ہے جو مہادیو کے لنگ کی انتہا کو پا چکا ہو۔ ہندوو! خدا کی خدائی معلوم کرنے کے لیے کیا یہی تمہارا پیمانہ فکر ہے؟

ہندوؤں نے یہ بھی لکھا ہے کہ :۔

برہما شراب پیتا تھا ایک رات اپنے۔۔۔ کو ناپنے لگا اور جب اس کی انتہا نہ پائی تو برہما نے جان لیا کہ یہی میرا مالک اور خالق ہے جس کی انتہا نہیں اور اس کی پُوجا شروع کر دی۔

---

[1] ماخوذ از تحفۃ الہند صں ۹۰

قارئین! یاد رکھیئے کہ ہندوؤں میں لنگ پوجا یہیں سے شروع ہوئی تھی۔ اس قسم کی باتیں جب مسلمان ان کی کتابوں سے پکڑتے ہیں تو بسا اوقات ہندو پنڈت کہتے ہیں کہ برہما سامرتھی تھا اور سامرتھی کو گناہ نقصان دہ نہیں ہوتا۔ سامرتھی کا معنی انتہائی بلند و بالا ذات کے ہیں جو بڑا قدرت والا ہو اور کسی کے سامنے جواب دہ نہ ہو۔

اس پر ہم ان پنڈتوں سے پوچھنے کا یہ حق رکھتے ہیں کہ اگر برہما واقعی سامرتھی تھا اور اپنی بیٹی سے زنا کرنے میں واقعی قصوروار نہ تھا تو پھر مہادیو نے اس کا ایک سر کیوں کاٹ دیا تھا اور پھر اُس کی پوجا کیوں موقوف کر دی گئی تھی۔

اس وقت ہمارا موضوع ویدوں، شاستروں اور پُرانوں کی تنقیح نہیں۔ ہم یہاں صرف یہ کہنا چاہتے ہیں کہ جن کتابوں میں خدا کے فرستادہ رشیوں کا یہ تعارف ہو، کیا وہ کتابیں آسمانی کتابیں سمجھی جا سکتی ہیں۔ وہ لوگ جنہیں اللہ تعالیٰ نے عقل سلیم دی ہے کبھی اس بات کو باور نہیں کر سکتے کہ برہما بڑا دینی پیشوا بھی ہو اور اپنی بیٹی کے بارے میں اس کے دل میں کام دیو گھسا ہوا ہو اور وہ رات سوتے اپنے . . . کی پیمائش کرتا رہتا ہو۔

یہ صرف قرآن کریم ہے جس میں انبیاء کرام اور خدا کے بھیجے رہنماؤں کا ذکر پُوری پاکیزگی سے ملتا ہے گناہ سے نہایت نیچے کا ایک لفظ خطا ہے یہ اس صورتِ گناہ کا نام ہے جس میں نیت شامل نہ ہو۔ اسلام میں پیغمبروں سے کوئی خطا ظاہر ہو تو وہ اس پر بھی باقی نہیں رکھے جاتے عصمت نبوت انہیں اس سے بھی پاک کر دیتی ہے وہ حضرات خود گنہگار کیسے ہو سکتے ہیں جن کے ذریعہ اللہ تعالیٰ خود بنی نوعِ انسان میں اخلاقی بزرگیوں کی تکمیل چاہتے ہوں اور حضور پیغمبر اسلام تو صاحب شفاعتِ کبریٰ ہیں۔ دوسروں کی شفاعت وہی کر سکتا ہے جو خود گناہگار نہ ہو۔ سو عقیدہ شفاعت کو عقیدہ عصمت نبوت لازم ہے۔ یہ اسلام میں نبوت کا مقام ہے۔

فضائل قرآن قرآن کی روشنی میں

(۱) الٓمّٓ ۔ ذٰلکَ الکتاب لاریب فیہ ھدًی للمتّقین۔ (پ۱ البقرہ ۱)

ترجمہ۔ اس کتاب میں کچھ شک نہیں، راہ بتاتی ہے ڈرنے والوں کو۔

(۲) انّ ھٰذا القراٰن یھدی للتی ھی اقوم ویبشّر المؤمنین الذین یعملون الصّٰلحٰت ان لھم اجرًا کبیرا۔ (پ۱۵ بنواسرائیل ۹)

ترجمہ۔ یہ قرآن بتلاتا ہے وہ راہ جو سب سے سیدھی ہے اور خوشخبری سناتا ہے ایمان والوں کو جو عمل کرتے ہیں اچھے کہ ان کے لیے ثواب ہے بڑا۔

(۳) ھدًی للنّاس وبیّنٰت من الھدٰی والفرقان۔ (پ۲ البقرہ ۱۸۵)

ترجمہ۔ قرآن ہدایت ہے واسطے لوگوں کے اور دلیلیں روشن راہ پانے کی اور حق کو باطل سے جدا کرنے کی۔

(۴) وننزّل من القراٰن ماھو شفاء ورحمة للمؤمنین۔ (پ۱۵ بنی اسرائیل ۸۲)

ترجمہ۔ اور ہم اتارتے ہیں قرآن میں جس سے بیماریاں دور ہوں اور رحمت ہو ایمان والوں کے لیے۔

(۵) واذا سمعوا ما انزل الی الرسول تریٰ اعینھم تفیض من الدمع ممّا عرفوا من الحق۔ (پ۷ المائدہ ۸۳)

ترجمہ۔ اور جب وہ سنتے ہیں اس کو جو اترا رسول پر تو دیکھے گا ان کی آنکھوں کو آنسوؤں سے ابلتی اس لیے کہ انہوں نے حق کو پہچان لیا۔

(۶) قل ھو للّذین اٰمنوا ھدًی وشفاء۔ (پ۲۴ حٰم سجدہ ۴۴)

ترجمہ آپ کہہ دیں کہ یہ ہدایت ہے ایمان والوں کے لیے اور ہے بیماریوں کو دور کرنیوالی۔

القراٰن ھو الدّواء۔ (الجامع الصغیر صـ) یہ دوا امراضِ روحانیہ اور جسمانیہ دونوں پر اثر کرتی ہے۔ (فیض القدیر جلد ۴ صـ۵۶۳)

(۷) قد جاءکم من اللہ نور و کتاب مبین یھدی بہ اللہ من اتبع رضوانہ۔

(پ۶ المائدہ ۱۶)

ترجمہ۔ بیشک تمہارے پاس آئی ہے اللہ کی طرف سے روشنی اور کھلی کتاب اس ایک سے اللہ ہدایت کرتا ہے اسے جو تابع ہوا اس کی رضا کے۔

(۸) ھو الذی ینزل علی عبدہ ایٰت بیّنٰت لیخرجکم من الظلمٰت الی النور۔

(پ۲۷ الحدید ۹)

ترجمہ۔ وہ اتارتا ہے اپنے بندے پر آیتیں صاف صاف کہ وہ نکال لائے تمہیں اندھیروں سے اُجالے میں۔

(۹) لو انزلنا ھٰذا القراٰن علی جبل لرایتہ خاشعاً متصدّعاً من خشیۃ اللہ۔

(پ۲۸ الحشر ۲۱)

ترجمہ۔ اگر ہم اس قرآن کو کسی پہاڑ پر اتارتے تو آپ دیکھتے وہ دب جاتا اللہ کے خوف سے پھٹ جاتا۔

(۱۰) کلّا انّھا تذکرہ فمن شاء ذکرہ۔ فی صحف مکرّمۃ مرفوعۃ مطھّرۃ بایدی سفرہ کرام بررہ۔ (پ۳۰ عبس ۱۲)

ترجمہ۔ یُوں نہیں یہ تو نصیحت ہے پھر جو کوئی چاہے اسے یاد کرے۔ لکھا ہے عزت کے ورقوں میں۔ اونچے رکھے ہوئے صاف سُتھرے۔ ان لکھنے والوں کے ہاتھوں میں جو بڑے درجے کے نیکو کار ہیں۔

(۱۱) رسولٌ من اللہ یتلوا صحفاً مطھّرۃ فیھا کتب قیّمہ۔ (پ۳۰ البینہ ۲)

ترجمہ۔ ایک رسول ہے اللہ کا جو پڑھتا ہے ورق پاک لکھی ہیں اس میں کتابیں محفوظ۔

(۱۲) الم یأن للذین اٰمنوا ان تخشع قلوبھم لذکر اللہ وما نزل من الحق۔ (پ۲۷ الحدید ۱۶)

ترجمہ۔ کیا وقت نہیں آیا ایمان والوں پر کہ گڑ گڑا پڑیں ان کے دل اللہ کی یاد سے اور اس سے جو اترا سچا دین۔

فضائل قرآن احادیث کی روشنی میں

(۱) حضرت ابو سعید الخدریؓ کہتے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

فضل کلام اللّٰہ علیٰ سائر الکلام کفضل اللّٰہ علیٰ خلقہ۔ [۱]

ترجمہ۔ اللہ کا کلام دوسرے ہر کلام پر وہی فضیلت رکھتا ہے جو اللہ کی فضیلت اس کی ساری مخلوق پر ہے۔

اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ قرآن کریم مخلوق نہیں یہ اللہ کی صفت کلام کا ظہور ہے۔

(۲) سیدنا حضرت عثمانؓ کہتے ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

خیرکم من تعلّم القراٰن و علّمہ۔ [۲]

ترجمہ۔ تم میں سے بہتر وہ ہے جو قرآن کی تعلیم حاصل کرے اور وہ جو قرآن پڑھائے۔

صحابہ کرامؓ نے اپنے اگلوں کو قرآن پڑھایا وہ خیر امّت ہو گئے خیر القرون کہلائے اور پھر جوں جوں خیر آگے بڑھا لوگ تدریجاً خیر القرون بنتے رہے۔

(۳) ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کہتی ہیں آنحضرتؐ نے فرمایا:۔

ان لکل شیءٍ شرفًا یتباھون بہ وانّ بہاء امّتی و شرفہا القراٰن۔ [۳]

ترجمہ۔ بے شک ہر چیز کا ایک شرف ہوتا ہے جس پر اس کے رکھنے والے فخر کرتے ہیں اور میری امت کی رونق اور اس کا شرف قرآن میں ہے۔

(۴) حضرت جابرؓ کہتے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

القراٰن شافع ومشفع وماحل مصدق من جعلہ امامہ قادہ الی الجنّۃ ومن جعلہ خلف ظھرہ ساقطہ الی النار۔ [۴]

ترجمہ۔ قرآن وہ شفاعت کرنے والا ہے جس کی شفاعت سُنی جائے وہ مناظر ہے جس کی بات مانی جائے جو اسے آگے رکھے گا اسے یہ جنّت میں لے جائے گا

---

[۱] رواہ الدارمی والترمذی [۲] رواہ البخاری والدارمی [۳] رواہ ابو نعیم فی الحلیۃ [۴] رواہ ابن حبان

اور جو اسے پشت پیچھے رکھے اسے اتنا ہی وہ آگ میں گرائے گا۔

حضرت امام ابوحنیفہؒ تو یہاں تک آگے گئے ہیں کہ پشت پیچھے (مقتدی) کسی کو قرآن نہ پڑھنے دو اس کو آگے رکھو۔ یہ صرف امام کا مقام ہے کہ وہ قرآن پڑھے مظروف ظرف کے تابع ہے مقتدی کا قرآن پڑھنا قرآن کو مقتدی کرے گا۔۔۔ اس کتاب کی شان ہے کہ یہ امام رہے مقتدی نہ بنے۔ موسیٰ علیہ السلام کی کتاب اپنے وقت میں امام تھی۔ ومن قبله كتاب موسىٰ اماماً و رحمة اور قرآن ہمیشہ کے لیے امام ہے۔

(۵) حضرت ابوذر غفاریؓ کہتے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

انكم لا ترجعون الى الله بشىء افضل بماخرج منه يعنى القرآن۔[1]

ترجمہ۔ تم اللہ کے حضور اس سے بہتر کوئی چیز نہیں لے جا سکتے سوا اس کے جو اس سے صادر ہوئی اور وہ قرآن ہے۔

(۶) حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

ما اجتمع قوم فى بيت من بيوت الله يتلون كتاب الله ويتدارسونه بينهم الا نزلت عليهم السكينة وغشيتهم الرحمة وحفتهم الملئكة و ذكرهم الله فيمن عنده۔[2]

ترجمہ۔ مسجدوں میں سے کسی مسجد میں جب بھی لوگ قرآن پڑھنے کے لیے اکٹھے ہوئے اور اس کے سبق پڑھے تو ان پر اللہ کی طرف سے سکینہ اترا۔ رحمتِ الٰہی نے انہیں ڈھانپ لیا اور فرشتے انہیں اپنے دامن میں لے لیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ ان کے پاس ان کا ذکر کرتے ہیں جو اس وقت اس کے حضور حاضر ہوں۔

قرآن پاک کی تلاوت بندے کو اس مقام پر لے آتی ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کا فرشتوں میں ذکر فرماتے ہیں:۔

(۷) حضرت علی المرتضیٰؓ کہتے ہیں آنحضرت نے فرمایا:۔

كتاب الله فيه نباء ما قبلكم وخبر ما بعدكم وحكم ما بينكم هو الفصل ليس بالهزل

---

[1] رواہ الحاکم وابوداؤد فی مراسیلہ [2] رواہ مسلم

من ترکه من جبار قصمه الله ومن ابتغی الهدیٰ فی غیره اضلّه الله وهو حبل الله المتین وهو الذکر الحکیم وهو الصراط المستقیم هو الذی لا تزیغ به الاهواء ولا تلتبس به الالسنة ولا یشبع منه العلماء ولا یخلق عن کثرة الرد ولا ینقضی عجائبه ۔[1]

ترجمہ۔ اللہ کی کتاب اس میں پہلوں کی خبریں اور آئندہ آنے والوں کے حالات ہیں۔ جو بات تم میں اختلاف میں ہو اس کا اس میں حکم موجود ہے یہ فیصلہ کرنے والی کتاب ہے یونہی نہیں جو زیادتی کرنے والا اسے چھوڑے گا اللہ اسے توڑے گا اور جس نے اس کے سوا کہیں اور ہدایت ڈھونڈی اللہ تعالیٰ اسے رستے سے بھٹکا دیں گے یہ اللہ کی مضبوط رسی ہے اور پختہ ذکر ہے یہ سیدھی راہ ہے خواہشات اس سے ٹیڑھی نہیں ہوتیں اور زبانیں اس سے کسی التباس میں نہیں پڑتیں علماء اس سے سیر نہیں ہوتے اور یہ بار بار پڑھنے سے پرانی نہیں ہوتی اور اس کے عجائب کبھی ختم نہیں ہوپاتے۔

(۸) حضرت ابوہریرۃؓ کہتے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

واعملوا بالمحکم وامنوا بالمتشابه واعتبروا بالامثال ۔[2]

ترجمہ۔ اس کی محکم باتوں پر عمل کرو اور متشابہات پر صرف ایمان رکھو (کہ یہ اللہ کی نازل کردہ ہیں) اور اس کی امثال سے زندگی کے سبق پاؤ۔

(۹) حضرت انسؓ کہتے ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

ان لله اهلین من الناس (قالوا من هم یا رسول الله قال) اهل القرآن اهل الله وخاصته ۔[3]

ترجمہ۔ لوگوں میں بے شک وہ بھی ہیں جو اللہ والے ہیں وہ کون ہیں؟ اہل القرآن۔ اللہ والے اور اس کے مقبولین۔

(۱۰)

---

[1] مشکوٰۃ صہ ۱۸۶ [2] ایضاً صہ ۳۱ [3] رواہ النسائی

فضائل قرآن صحابہ کرامؓ کی نظر میں

① یہ پہلا ماخذ علم ہے امت کے فیصلے پہلے اس سے ہونے چاہئیں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں:۔

فمن عرض له منكم قضاء بعد اليوم فليقض بما في كتب الله [1]

ترجمہ تم میں سے جسے کوئی مقدمہ پیش آئے اسے چاہیئے کہ (پہلے) اللہ کی کتاب سے فیصلہ لے۔

حضرت معاذ بن جبلؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور کہا اور آپ نے اسے منظور فرمایا۔

اقضی بکتاب الله. [2]

میں پہلے فیصلہ کتاب اللہ سے لیا کروں گا۔

② احادیث کی پرکھ کی کسوٹی

حضرت عمرؓ نے حدیث بیان فرمائی اطلبوا الفضل بالباء۔ اللہ کا فضل نکاح کی راہ سے طلب کرو۔ آپ نے اس پر قرآن کریم کی یہ آیت پڑھی ۔

ان يكونوا فقراء يغنهم الله من فضله. [3]

ترجمہ۔ اگر وہ تنگدست ہوں گے اللہ انہیں اپنے فضل سے غنی کر دے گا۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کہتے ہیں :۔

ليُنتزعن هٰذا القرآن من بين اظهركم يسرى عليه في ليلة فلا يبقى في قلب عبد منه ولا مصحف منه شيء و يصبح الناس فقراء كالبهائم [4]

ترجمہ۔ یہ قرآن تم سے لے لیا جائے گا تم پر ایک رات آئے گی کہ کسی بندے کے دل میں اس کی یادداشت نہ رہے گی اور نہ کسی تحریر میں اس کا نشان رہے گا اور لوگ چٹیل میدان ہو کر رہ جائیں گے جیسے چوپائے گھومتے ہیں۔

---

[1] سنن نسائی جلد ۲ صفحہ ۳۰۵ [2] رواہ الترمذی و ابو داؤد و [3] رواہ عبدالرزاق فی مصنفہ [4] المصنف جلد ۳ صفحہ ۲۶۲

اس پر آپ نے یہ آیت پڑھی :-

ولئن شئنا لنذھبن بالذی اوحینا الیك ثم لا تجد به علینا وکیلا۔

(پ۵ بنو اسرائیل ۸۶)

ترجمہ۔ اور اگر ہم چاہیں تو لے جائیں وہ جو ہم نے آپ کی طرف وحی بھیجی اور پھر آپ کسی کو ہم پر کام کرنے والا نہ پائیں۔

آپ نے ایک دفعہ یہ حدیث پڑھی :۔

عدلت شہادۃ الزور بالشرك باللہ۔[1]

ترجمہ۔ جھوٹی گواہی شرک کے برابر شمار کی گئی ہے۔

اور اس پر یہ آیت پڑھی :-

فاجتنبوا الرجس من الاوثان واجتنبوا قول الزور۔ (پ۱۷ الحج ۳۰)

ترجمہ۔ سو بچو تم بتوں کی نجاست سے اور بچو جھوٹی بات کہنے سے۔

(۳) غیبی خبروں کا مخزن

حضرت عمرؓ نے فرمایا :-

ان اناسا کانوا یوخذون بالوحی فی عہد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وان الوحی قد انقطع وانما ناخذکم الآن بما ظہر لنا من اعمالکم۔[2]

ترجمہ حضورؐ کے زمانے میں لوگ وحی کے ذریعہ بھی پکڑے جاتے تھے لیکن اب وحی کا سلسلہ منقطع ہے اور اب ہم تمہیں تمہارے ظاہری اعمال سے پکڑیں گے جو ہمیں معلوم ہوں۔

اس سے پتہ چلتا ہے کہ صحابہ کرامؓ قرآن کریم کو اور آپ پر آنے والی وحی غیر متلو دونوں کو غیبی خبروں کا مخزن سمجھتے تھے اور جو بات ان ذرائع سے معلوم ہو اس پر فیصلے بھی ہو جاتے تھے کیونکہ حضورؐ جس بات کی خبر دیں اس علم میں قطعیت ہے۔

---

[1] المصنف جلد ۲ صفحہ ۹۳ [2] صحیح بخاری جلد ا صفحہ ۳۶۱

④ دِلوں کو نرم کرنے کا سبب

أَلَمْ يَأْنِ لِلَّذِينَ آمَنُوا أَنْ تَخْشَعَ قُلُوبُهُمْ لِذِكْرِ اللهِ وَمَا نَزَلَ مِنَ الْحَقِّ۔

(پ ۲۸ الحدید ۱۶)

ترجمہ۔ کیا ابھی ایمان لانے والوں کے لیے وہ وقت نہیں آیا کہ ان کے دل اللہ کے کلام کے آگے جھک جائیں اور جو اترا ہے اللہ کی طرف سے اس کے آگے۔

حضرت جعفر طیارؓ نے شاہِ حبش کے دربار میں سورۂ مریم کی چند آیات پڑھیں۔ تاریخ گواہ ہے کہ بادشاہ کی آنکھوں سے آنسوؤں کی لڑی بندھ گئی۔

حضرت عمرؓ نے حالتِ کفر میں اپنی بہن سے سورۃ الحدید کچھ آیات سُنیں تو آپ پر رقت طاری ہوگئی۔ جب بہن آیت آمنوا باللہ ورسولہ پر پہنچیں تو آپ بے اختیار پکار اُٹھے۔ اشہد ان لا الٰہ الا اللہ و اشہد ان محمداً رسول اللہ۔

⑤ زہر کا اثر دُور کرنے کا ذریعہ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

القرآن هو الدواء۔ [۱]

فیض القدیر شرح جامع صغیر جلد ۳ ص۵۶۳ میں ہے کہ قرآن امراضِ روحانیہ اور امراضِ جسمانیہ دونوں کے لیے نسخہ شفا ہے۔

حضرت اُبو سعید الخدریؓ کہیں تشریف فرما تھے قریب کی بستی میں کسی شخص کو سانپ نے ڈسا۔ وہ لوگ حضرت ابو سعیدؓ کے پاس آئے۔ آپ نے سورۂ فاتحہ پڑھ کر دَم کیا۔ صحیح بخاری میں ہے فَبَرَأَ [۲] وہ شفایاب ہو گیا۔

---

[۱] الجامع الصغیر ص [۲] صحیح بخاری جلد ۲ ص۸۵۴

⑥ جادو کا اثر دور ہونا

لبید بن اعصم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر جادو کیا اور ایک تانت کے تار میں گیارہ گرہیں لگا کر اسے ایک کنویں میں ایک پتھر کے نیچے دبا دیا۔ حضرت مفتی محمد شفیع صاحب لکھتے ہیں:۔

اللہ تعالیٰ نے دو سورتیں نازل فرمائیں جن میں گیارہ آیتیں ہیں۔ آپ ہر ایک گرہ پر ایک آیت پڑھ کر ایک ایک کو کھولتے رہے یہاں تک کہ سب گرہیں کھل گئیں اور آپ سے اچانک ایک بوجھ اُتر گیا (یہ سب روایتیں تفسیر ابن کثیر سے لی گئی ہیں)[1]

زہر انسان میں مادی ضرر پیدا کرتا ہے اور جادو ایک غیر مرئی چیز ہے وہ سحر زدہ میں اپنا اثر دکھاتی ہے۔ قرآن کریم بطور شفا ان دونوں کی کاٹ ہے۔ مادی مرض ہو یا روحانی قرآن کریم کے اثر سے جادو بھی ٹوٹتا ہے اور سانپ کا زہر بھی مرتا ہے۔ ۵ اور ۶ میں یہ دونوں باتیں آپ کے سامنے آچکیں اس پر ہم آئندہ انشاء اللہ العزیز علاج بالقرآن کے عنوان سے مستقل تبصرہ کریں گے۔

واللہ ھو الموفق لما یحبہ ویرضیٰ بہ۔

فضائل قرآن محدثین کی نظر میں

امام محمدؒ (۱۸۹ھ) نے موطا میں کتاب التفسیر درج کیا ہے۔ امام شافعیؒ (۲۰۴ھ) نے فضائل القرآن لکھی ہے۔ امام بخاریؒ (۲۵۶ھ) نے صحیح میں کتاب فضائل القرآن لکھی ہے[2] اور اس میں ایک پورا باب کتاب التفسیر درج کیا ہے۔

صحیح مسلم جلد اول میں دیکھیے ایک مستقل کتاب کتاب فضائل القرآن وما یتعلق بہ کے نام سے ملے گی[3]

جامع ترمذی میں دیکھیں ابواب فضائل القرآن سترہ ابواب پر مشتمل ملے گا[4]

سنن دارمی میں بھی دوسری جلد صفحہ ۵۲۱ پر آپ کو کتاب فضائل القرآن ملے گی۔

ابو عبد القاسم بن السلام الجمحی (۲۲۴ھ) نے بھی ایک کتاب فضائل القرآن لکھی۔

---

[1] معارف القرآن جلد ۸ صفحہ ۸۴۳ [2] صحیح بخاری جلد ۲ صفحہ ۷۴۴ [3] صحیح مسلم جلد ۱ صفحہ ۲۶۷ [4] جامع ترمذی جلد ۲ صفحہ ۱۱۱

سنن ابن ماجہ میں فضل من تعلم القرآن وعلمہ صد۱۹ دیکھیں. ان حضرات نے قرآن کریم کو ہمیشہ اپنے مقام پر رکھا ہے اور حدیث کو اس کے تابع کیا ہے.

ابو العباس جعفر بن محمد مستغفری النسفی (۴۳۲ھ) نے کتاب فضائل القرآن لکھی. اسی دور میں عبد بن احمد الہروی (۴۳۴ھ) نے کتاب فضائل القرآن لکھی. ابو الحسن علی بن احمد الواحدی (۴۶۸ھ) نے بھی فضائل القرآن پر ایک مستقل کتاب لکھی.

حافظ ضیاء الدین المقدسی (۶۴۲ھ) نے فضائلِ اعمالِ صالحہ میں ایک مستقل رسالہ فضائل القرآن درج کیا ہے. علامہ منذری (۶۵۶ھ) نے الترغیب والترہیب میں کتاب قراۃ القرآن میں فضائل قرآن کی کتنی روایتیں بیان کی ہیں. علامہ نووی (۶۷۶ھ) ریاض الصالحین میں کتاب الفضائل کے تحت باب فضل قراۃ القرآن[1] میں کتنی روایات لائے ہیں.

اس وقت سے لے کر اب تک یہ سلسلہ بیان برابر جاری ہے. اس آخر دور میں شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا سہارنپوری ثم مدنی کی کتاب فضائل القرآن آج تقریباً ہر مسجد میں پڑھی اور سنی جا رہی ہے. یہ مقبولیتِ قرآن قبولیتِ الٰہی کا ایک کھلا نشان ہے.

الفاظ قرآن سب مقدس ہیں. ان میں تاثیر اللہ رب العزت کی نسبت سے قائم ہے. یہ خدا کا کلام ہے اس کی مخلوق نہیں. تکلیف کے وقت کسی مخلوق سے نسبت قائم کرنا اس سے بہت مختلف ہے. جو بندہ اللہ رب العزت کی طرف رجوع بجا لائے کلماتِ الٰہیہ سے نسبت خدا سے ہی نسبت ہے اور ان میں اثر اسی کے حکم سے آتا ہے ان الفاظ کا زبان پر لانا بھی عبادت ہے اور ان پر عمل کرنا عین مقامِ عبدیت ہے.

کسی مخلوق کا کلام زبان پر لانا علم و معرفت تو ہو سکتا ہے عبادت نہیں. جن علماء نے کہا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کی تلاوت بھی عبادت ہے وہ غلطی پر ہیں جس طرح کوئی مخلوق لائق عبادت نہیں مخلوق کی صفت کی بھی عبادت نہیں کی جا سکتی.

افسوس کہ بعض اہلحدیث علماء حدیث کی تلاوت کو بھی عبادت سمجھتے ہیں. ان کے ایک مولوی اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں:۔

---

[1] ریاض الصالحین صد۴۱۳

آپ نے چونکہ اس قول سے اختلاف نہیں کیا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس میں مخلوق کی عبادت کی بھی کوئی راہ کھل سکتی ہے۔

سوال بعض بزرگوں سے مصائب کے وقت صحیح بخاری کا ختم کرنا منقول ہے کیا یہ کلام مخلوق کی تعبدی شان کا اقرار نہیں کیا کسی مخلوق کا کلام درجے میں آسکتے ہیں؟

جواب: ایسے موقعوں پر صحیح بخاری کا ختم برکت کے لیے کیا جاتا ہے عبادت کے طور پر نہیں۔ برکت بے شک مخلوق میں آسکتی ہے۔ بیت المقدس کے گرد برکتیں ہی برکتیں اتری ہیں قرآن کریم میں ہے۔ بارکنا حوله. حضرت عیسیٰ علیہ السلام کہتے ہیں کہ اللہ نے مجھے مبارک کیا ہے جعلنی مبارکًا این ما کنت (پ) مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ حضرت عیسیٰ معاذ اللہ عبادت کے لائق ہو گئے تھے۔

محدثین نے حدیث کی کتابوں میں کتنے مقامات پہ حدیثوں پر قرآنی آیات سے باب باندھے ہیں، امام نسائی اپنی سنن میں جہاں یہ حدیث لائے ہیں کہ امام کے پیچھے قرآن پڑھا جائے مقتدی قرأت خلف الامام نہ کرے تو آپ نے اس حدیث پر اس آیت سے باب باندھا ہے۔

واذا قرئ القرآن فاستمعوا وانصتوا لعلکم ترحمون۔ (پ۹ الاعراف)

اس سے پتہ چلا کہ محدثین ہمیشہ قرآن کو ساتھ لے کر چلے ہیں اور منکرین حدیث جو یہ کہتے ہیں کہ جمع حدیث قرآن کے خلاف ایک عجمی سازش تھی یہ بالکل غلط ہے۔ اگر حدیث امت کو قرآن سے دور کرنے کی ایک سازش ہوتی تو محدثین اس طرح ساتھ ساتھ قرآن لے کر نہ چلتے۔ منکرین حدیث کی یہ چال خود قرآن کے خلاف ایک سازش ہے کہ اسے حدیث سے جدا کر کے ایک بے معنی کتاب بنا کر رکھ دو۔ استغفر اللہ العظیم

نزولِ قرآن

الحمد للہ وسلامٌ علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ امّا بعد:

قرآن کریم کی پہلی منزل لوحِ محفوظ تھی۔ کلام باری کے پہلے نقوش اسی ام الکتاب میں ابھرے
ام الکتاب عالمِ وجود کی سب سے پہلی لوح ہے جس میں قرآن کے نقوش اُبھرے:۔

حٰمٓ۔ والکتاب المبین۔ انّا جعلناہ قرآناً عربیًّا لعلکم تعقلون۔ وانّہ فی ام الکتاب لدینا لعلیّ حکیم۔ (پ۲۵ الزخرف)

ترجمہ۔ قسم ہے واضح کتاب کی ہم نے کیا ہے اسے قرآن عربی تاکہ تم سمجھ سکو اور بے شک یہ لوح میں ہمارے پاس ہے برتر اور محکم۔

انّہ لقرآن کریم۔ فی کتاب مکنون۔ لا یمسّہ الّا المطھّرون۔

(پ۲۷ الواقعہ ۷۷)

ترجمہ۔ بے شک یہ ہے قرآن کریم ایک پوشیدہ کتاب میں لکھا ہوا اس کو بغیر پاکوں کے اور کوئی ہاتھ نہیں لگاتا۔

بل ھو قرآن مجیدٌ۔ فی لوحٍ محفوظ۔ (پ۳۰ البروج ۲۱)

ترجمہ۔ یہ قرآن مجید ہے لوحِ محفوظ میں لکھا ہوا۔

ایک مبارک رات تھی۔ بڑی مبارک رات۔ جب رب العزت نے اس کا نزول مبارک کیا اس رات تقدیروں کے فیصلے صادر ہوتے ہیں یہ غالباً شعبان کی پندرہویں رات تھی۔

حٰمٓ۔ والکتاب المبین۔ انّا انزلناہ فی لیلۃٍ مبارکۃٍ۔ (پ۲۵ الدخان)

ترجمہ۔ قسم ہے اس واضح کتاب کی۔ ہم نے اسے ایک مبارک رات میں نازل فرمایا (اس کا نزول مقدر فرمایا)۔

ؔ قال اتدری ما ام الکتاب قلت اللہ ورسولہ اعلم قال فانہ کتاب کتبہ اللہ قبل ان یخلق السماء وقبل ان یخلق الارض۔ (جامع ترمذی ابواب القدر جلد ۲ صـ۹۳ لکھنؤ)

رمضان کا مہینہ اور قدر کی رات تھی ہزاروں مہینوں سے بہتر رات تھی جب قرآن مجید پورے کا پورا[1] لوح محفوظ سے پہلے آسمان پر نازل ہوا۔ یہ پہلا نزول اور قرآن پاک کی دوسری منزل تھی:

شھر رمضان الّذی انزل فیه القرآن۔ (پ۲ البقرہ ۱۸۵)

ترجمہ۔ رمضان کا مہینہ تھا جس میں کہ قرآن اُتارا گیا۔

انّا انزلناه فی لیلة القدر۔ (پ۳۰ القدر)

ترجمہ۔ بے شک ہم نے اسے لیلۃ القدر میں اُتارا ہے۔

قرآن پاک تقدیرًا لیلہ مبارکہ میں اور عملًا لیلۃ القدر میں پہلے آسمان پر نازل ہوا۔ اب یہ پہلے آسمان پر ایک مخفی خزانہ تھا اور اس ترتیب سے تھا جس شکل میں آج ہم اسے دیکھ رہے ہیں۔ سورتوں کے فواتح و مقاطع اور پہلی سورت کے آخر کا دوسری سورت کے اول سے لطیف ربط اس ترتیب کے سماوی ہونے کی ایک شہادت ہے۔

اب اس وحیِ الٰہی کے چشمے ایک پُر نور سینہ بشری سے پھوٹتے ہیں اور قرآن پاک اس مجلّٰی و مُصفّٰی آئینہ قلب میں اُترتا ہے جیسے فیضانِ الٰہی سے اس کے تحمل کی استعداد مل چکی ہے۔ یہ قرآن پاک کا دوسرا نزول اور اس کی تیسری منزل تھی۔ یہ نزولی ترتیب وقتی ضرورات ہنگامی حالات اور عصری مناسبات کے مطابق تھی جسے لینے کے بعد باعلامِ الٰہی اسے اصل ترتیب پر لوٹا دیا جاتا۔ اور اسی حقیقی ترتیب پر قرآن مجید لکھا جاتا۔ یہ نزول تھوڑا تھوڑا اور تدریجًا عمل میں آتا رہا۔ یہ دوسرا نزول تقریبًا تئیس سال میں اتمام پذیر ہوا۔

وقرانًا فرقنٰه لتقرأه علی الناس علٰی مکثٍ ونزلنٰه تنزیلًا۔

(پ۱۵ بنی اسرائیل ۱۰۶)

---

[1] انزل القرآن اوّلًا جملة واحدة من اللوح المحفوظ الی السماء الدنیا ثم نزل علی حسب المصالح قاله الطیبی کمان فی الاتقان ص۱۴۶ عن ابن عباس قال انزل الله القرآن الی السماء الدنیا فی لیلة القدر (المستدرک للحاکم)

ترجمہ۔ اور ہم نے قرآن کو جدا جدا کر کے رکھا تاکہ آپ اسے لوگوں کے سامنے ٹھہر ٹھہر کر پڑھ سکیں اور ہم نے اسے اتارتے اتارتے اتارا۔

انا نحن نزلنا علیک القرآن تنزیلاً۔ (پ ۲۹)

ترجمہ۔ بے شک ہم نے آپ پر قرآن تھوڑا تھوڑا کر کے اتارا ہے۔

وقال الذین کفروا لولا نزّل علیہ القرآن جملۃ واحدۃ کذٰلک لنثبّت بہ فؤادک ورتّلنٰہ ترتیلاً۔ (پ ۱۹ فرقان ۳۲)

ترجمہ۔ کافروں نے کہا کہ سارا قرآن اکٹھا کیوں نہ اتارا گیا۔ اسی طرح اتارا تاکہ ہم اس سے آپ کا دل ثابت رکھیں اور ہم نے اسے سنایا ٹھہر ٹھہر کر۔

قرآن پاک کے لیے عموماً تنزیل کا ذکر ہے انزال کی تعبیر کہیں کہیں ہے۔ تنزیل بتدریج اتارے کو کہتے ہیں اور انزال اکٹھا اور یکجا اتارنا ہے قرآن پاک کا پہلا نزول جو لوحِ محفوظ سے آسمانِ دنیا پر تھا وہ بے شک اکٹھا اور یکجا تھا۔ انا انزلناہ فی لیلۃ القدر لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ تدریجاً نازل ہوا۔ ہاں پہلی امتوں کے لیے سابقہ کتابیں یکجا صورت میں ملی تھیں۔

نزّل علیک الکتاب بالحق مصدّقاً لما بین یدیہ وانزل التوراۃ والانجیل من قبل ھدًی للناس۔ (پ ۳ آل عمران)

ترجمہ۔ تھوڑا تھوڑا کر کے اتاری آپ پر کتاب سچی۔ تصدیق کرنے والی پہلی کتابوں کی۔ اور اکٹھا اتارا تورات اور انجیل کو اس سے پہلے اس وقت کے لوگوں کی ہدایت کے لیے۔

قاضی بیضاویؒ یہاں نزّل کے معنی نجماً علیحدہ علیحدہ اور تھوڑا تھوڑا نازل کرنے کے اور انزل کے معنی جملۃً اکٹھا اور یکجا کرنے کے کرتے ہیں۔ یہی ان الفاظ کے حقیقی معنی ہیں اس کے خلاف تعبیر مجاز پر محمول ہے۔

وحی الٰہی کا تحمل

وحیِ الٰہی کے تحمل کے لیے پروردگارِ عالم جسے چاہیں اس کی دُعا و رغبت اور ریاضت و محنت کے بغیر[1] اسے خود انتخاب فرماتے ہیں۔ ہاں شرفِ ہمکلامی سے پیشتر اس میں تحمل وحی کے مناسب ہر طرح کی استعداد اور صلاحیت پیدا کر دی جاتی ہے۔

اللہ اعلم حیث یجعل رسالتہ ۔ (پ۸ الانعام ۱۲۴)

ترجمہ۔ اللہ ہی جانتا ہے کہاں وہ اپنی رسالت رکھے

واللہ یختص برحمتہ من یشاء ۔ (پ۱ البقرہ ۱۰۵)

ترجمہ۔ اور اللہ جسے چاہے اپنی رحمت سے خاص کر دے۔

ربُّ العزت نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو فطرتِ سلیم اور طبعِ مستقیم عطا فرمائی تھی۔ آپ کا مزاج سلامتی اور اعتدال کے سانچے میں اس طرح ڈھلا تھا کہ آپ کی عفت و امانت اور عدالت و دیانت کو ہمہ گیر شہرت حاصل تھی۔ جوں جوں عطائے وحی کا زمانہ قریب آتا گیا رب العزت کا آپ کی یہ خصوصی تربیت فرمانا اور رنگ لاتا رہا۔ یہاں تک کہ آپ کی پوری پہلی

---

[1] قال ابن حبان من ذھب الی النبوۃ مکتسبۃ لاتنقطع او الی ان الولی افضل من النبی فھو زندیق یجب قتلہ لتکذیب القران وخاتم النبیین۔ زرقانی ۶ ص۱۸۸ (من اخر النوع الثالث من المقصد السادس) اوجوّز اکتسابھا والبلوغ بصفاء القلب الی مرتبتھا کالفلاسفۃ وغلاۃ المتصوفۃ وکذلک من ادعی منھم انہ یوحی الیہ وان لم یدع النبوۃ فھؤلاء المذکورون کلھم کفار محکوم بکفرھم (ملخصًا من شرح الشفاء للعلامۃ الخفاجی ۴ ص۵۰۸ ومثلہ فی شرح الملا علی قاری) فلا یبلغھا احد بعلمہ ولا یستحقھا بکسبہ ولا ینالھا عن استعداد و ولایتہ بل یخص بھا من یشاء ومن زعم انھا مکتسبۃ فھو زندیق (شرح عقیدۃ السفارینی ص۲۵۷) وھاتان المسئلتان من جملۃ ما کفروا بہ بتجویز النبوۃ بعد النبی الذی اخبر تعالیٰ انہ خاتم النبیین وتوھم انھا تنال بالکسب (صبح الاعشیٰ ۱۳ ص۲۳۵) پس یہ کہنا کہ انسان خدا اور اس کے رسول اکرم کی اطاعت سے مرتبِ نبوت پا سکتا ہے یا یہ کہ حضرت مسیح علیہ السلام کو نبوت حضرت موسیٰ علیہ السلام کی پیروی سے ملی تھی اور انہوں نے اپنی اس محنت سے مرتبہ نبوت پایا تھا ایک کھلا الحاد اور کفر ہے۔

زندگی آئندہ کی زندگی کے لیے صحت و سلامتی کی ایک مستقل دلیل بن گئی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود بھی ارشاد فرمایا:۔

قد لبثتُ فیکم عمرًا من قبلہ افلا تعقلون ۔ (پ۱۱ یونس ۱۶)

ترجمہ: میں نزول قرآن سے پہلے بھی مدتوں تمہارے درمیان رہ چکا ہوں کیا تم اتنا بھی نہیں سوچتے۔

غور کیجیے کہ اس ذات قدسی صفات کی وہ زندگی جو وصول وحی سے پہلے کی تھی قرآن اسے کس طرح حجت اور سند کے طور پر پیش کر رہا ہے۔ اب بھلا وہ زندگی جو فیضانِ وحی سے برابر بہرہ ور رہی کیسے حجت اور سند نہ ہوگی؟

اعلانِ نبوت کے بعد جب آپ کو قوم کی بے لوث راہنمائی کا صلہ "ساحرِ مبین" کے الفاظ میں دیا گیا تو نضر بن حارث نے اسی تمہیدِ نبوت ـــــ آپ کی پہلی زندگی ـــــ کو ان الفاظ میں پیش کیا جن کی تازگی آج بھی بعینہٖ محسوس ہو رہی ہے۔

قد کان محمد فیکم غلامًا حدثًا ارضاکم فیکم واصدقکم حدیثًا واعظمکم امانۃً حتی اذا رأیتم فی صدغیہ الشیب قلتم ساحر واللہ ما ھو بساحر۔[1]

ترجمہ: جب محمدؐ تم میں نوخیز تھے تو اے قریشِ مکہ تمہارے نزدیک سب سے پسندیدہ تھے سب سے زیادہ سچے اور تم میں سب سے بڑے امین تھے (بے پروائی کے) اس زمانہ میں تو حال یہ تھا اور اب جب کہ ان کے بال سفیدی لا رہے ہیں اور وہ تمہارے پاس خدائی پیغام لے کر آئے ہیں تم نے انہیں جادوگر کہہ دیا۔ بخدا وہ جادوگر نہیں ہیں۔

جب تربیت پذیری کے جوہر صداقت و امانت میں اعتراف عام بن گئے تو آپ کا

---

[1] محاضرات جلد ۱ صفحہ ۱۵

طبعی میلان تجرد وخلوت[1] کی طرف ہو گیا۔ یکسوئی کی رغبت جذب الی اللہ اور شفقت علی خلق اللہ کی تکمیل کرنے لگی۔ نوع بشریت میں نور ملکیت ودیعت ہوا وہ وقت آگیا جو عطائے وحی کے لیے علم الٰہی میں مقرر تھا۔ آپ کی عمر شریف قمری حساب سے چالیس سال سات ماہ اور شمسی حساب سے اڑتالیس سال تین ماہ اور سولہ دن کی منزل سے گزر رہی تھی اور آپ غارِ حرا میں تھے کہ اچانک[2] وحیِ الٰہی سے سرفراز ہوئے۔ بخاری شریف میں ہے:۔

حتّٰی فجئہ الحق وھو بغار حرا۔

آپ غارِ حرا میں تھے کہ اچانک بغیر کسی توقع کے وحیِ الٰہی آپہنچی۔

؎ اُتر کر حرا سے سوئے قوم آیا
اور اک نسخۂ کیمیا ساتھ لایا

مکہ سے منیٰ کو جاتے ہوئے بائیں ہاتھ تین میل کے فاصلہ پر ایک پہاڑ ہے جس کو فاران کہتے ہیں اس میں ایک غار غارِ حرا کے نام سے موسوم ہے آپ اس غار میں تشریف فرما تھے کہ جبریل امین اترے اور آپ سے کہا:۔

اقراء (پڑھیئے)

آپ نے کہا۔ ما انا بقارئٍ۔ (میں پڑھا ہوا نہیں)

حضور اکرمؐ پڑھنے سے انکار نہیں فرما رہے اپنی حالت کا اظہار فرما رہے ہیں کہ میں پڑھا ہوا نہیں ہوں۔ ابھی یہ حقیقت نہ کھلی تھی کہ جو کچھ پڑھنا ہے وہ بھی حضرت جبریل ہی بتائیں

---

[1] حافظ ابن کثیر اس تجرد اور خلوت کی وجہ یہ لکھتے ہیں۔ لما یراھم علیہ من الضلال المبین من عبادۃ الاوثان والسجود للاصنام کہ آپ قوم کی کھلی گمراہی کو دیکھ کر کہ وہ بت پرستی میں مبتلا ہے اور بتوں کے سامنے سجدہ گزار ہیں بہت کڑھتے تھے اس لیے قوم سے علیحدگی میں یہ وقت گزارتے تھے (البدایہ والنہایہ جلد ۳ ص۳) پس یہ سمجھنا کہ آپ حصولِ نبوت کے لیے ریاضت کرتے تھے یہ درست نہیں۔

[2] حافظ ابن کثیر فجئہ کا معنی لکھتے ہیں۔ جاء بغتۃً علی غیر موعد (البدایہ والنہایہ جلد ۳ ص۶) امام احمد کی ایک روایت میں فجاءہ الوحی کے الفاظ ہیں۔ پس اس جگہ حق سے مراد وحی ہے (تفسیر ابن کثیر جلد ۱۰ ص۲۵۴ بحاشیہ فتح البیان)

گے. پھر حضرت جبریل نے آپ کو زور سے دبایا اور سینے سے لگا کر بھینچا اور چھوڑ دیا. پھر کہا اقرأ (پڑھیے) آپ نے پھر وہی جواب دیا. حضرت جبریل آنحضرتؐ کو بار بار گلے لگا رہے تھے. تا کہ شانِ ملکی اور طبع بشری میں ایک مناسبت پیدا ہو جائے اور حضورؐ فرشتے کی وساطت سے وحیِ الٰہی کی تلقی کر سکیں اور باری تعالیٰ کے کلام کو وصول فرما سکیں ایسا تین دفعہ ہوا اور تیسری دفعہ جبریل علیہ السلام نے آپ کے سامنے وہ وحی پیش کی جس کے پڑھنے کے لیے آپ کہہ رہے تھے یہ سب سے پہلی وحی تھی. جب حضرت جبریل نے سورۃ اقراء کی پانچ آیتیں حضورؐ تک پہنچا دیں تو گھر واپس ہوئے. آپ کے دلِ مبارک پر اس واقعہ کا بڑا اثر تھا. آپ نے حضرت خدیجہؓ سے کہا کہ مجھے کمبل اوڑھا دو. جب کچھ سکون ہوا تو آپ نے تمام واقعہ حضرت خدیجہؓ سے بیان کیا حضرت خدیجہؓ آپ کو اپنے چچیرے بھائی جناب ورقہ بن نوفل کے پاس لے گئیں وہ اہلِ کتاب کے بڑے جیّد عالم تھے. انہوں نے بتایا کہ یہ وہی ناموس (رازدارِ رسالت) ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس آیا کرتا تھا.

حضورِ اکرمؐ نے حضرت خدیجہؓ کو صرف واقعہ بتایا تھا ان سے اس واقعہ کی حقیقت معلوم کرنا نہ چاہتے تھے اور نہ ان سے آپ نے یہ کہا تھا کہ ورقہ بن نوفل کے پاس چلیں یہ سب حضرت خدیجہؓ کا اپنا اقدام اور اپنی شفقت کا ایک اظہار تھا اور نہ اس وقت حضورِ اکرمؐ کو وحیِ الٰہی میں تردد ایک لمحے کے لیے بھی نہیں ہوا تھا. اور نہ آپ کو اس میں کسی قسم کا شک تھا پہلے کی کیفیت اس عجیب واقعہ کے محض طبعی اثرات تھے اور آپ کا حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ ورقہ بن نوفل کے پاس چلے آنا اور ان سے یہ سننا کہ یہی ناموس حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس بھی آیا کرتا تھا محض ایک تسکینِ قلب کا سامان ہے اور یہ اس طرح ہے جس طرح اللہ رب العزت بعد میں بھی انبیاءِ گذشتہ کے واقعات بیان فرما کر حضورِ اکرمؐ کی تالیفِ قلب فرماتے رہے. یہ بات بالکل صحیح ہے کہ وحیِ الٰہی میں حضورِ اکرمؐ کو ایک لمحہ کے لیے بھی تردد نہیں ہوا.

ورقہ بن نوفل نے حضورِ اکرمؐ سے یہ واقعہ سننے کے بعد یہ کہا :-

یالیتنی فیہا جذعًا یالیتنی اکون حیًّا اذ یخرجك قومك فقال

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم او مخرجی هم قال نعم لم یات رجل قط بمثل ما جئت به الا عودی۔[1]

ترجمہ: کاش کہ میں اس وقت تک جوان رہ سکتا جب آپ کو آپ کی قوم مکہ سے نکال دے گی۔ آپ نے تعجب سے پوچھا کہ کیا یہ بھی ہو گا کہ وہ مجھے نکال دیں انہوں نے جواب دیا کہ آپ جو کچھ لے آئے ہیں وہ جو کوئی بھی لے کر آیا اس کے ساتھ یہی ہوا کہ عداوت کی گئی۔

اس کے بعد تقریباً تین سال تک کوئی وحی نہ آئی۔ پھر آپ کو وہی فرشتہ نظر آیا اور آپ پر پھر ہیبت طاری ہو گئی۔ اس وقت سورۃ مُدّثّر کی ابتدائی آیات نازل ہوئیں۔ اس کے بعد وحی کا سلسلہ باقاعدہ شروع ہو گیا۔

وحی کا نزول اکثر کسی خاص واقعہ اور ضرورت کے پیش آنے پر ہوتا تھا عام طور پر تین تین چار چار آیتیں اُترتیں لیکن کبھی کبھی ایک لمبی مقدار بھی آپ پر نازل ہوتی۔ آپ کاتبوں کو بلا کر ہر وحی کو اس کی متعلقہ سورت میں لکھوا دیتے۔ بعض اوقات کئی کئی سورتیں بیک وقت زیرِ تدوین رہتیں اور بعض اوقات پہلی سُورتوں کے دورانِ تکمیل ہی نئی سُورتوں کا آغاز ہو جاتا اور آپ انہیں علیحدہ لکھنے کا حکم دیتے۔

کیفیّتِ نزولِ وحی

کوئی بشر اپنی عنصری ساخت اور موجودہ قویٰ کے اعتبار سے یہ طاقت نہیں رکھتا کہ رب العزت مشافہۃً (اس کے سامنے سے ہو کر) اس سے کلام فرمائے اور وہ تحمل کر پائے اس لیے کسی انسان سے ہمکلام ہونے کی یہ تین صورتیں ہی ہو سکتی ہیں۔

(۱) اللہ تعالیٰ فرشتے کے واسطے سے کلام فرمائے مگر فرشتہ متجسد ہو کر آنکھوں کے سامنے نہ آئے بلکہ براہِ راست نبی کے دل پر نزول کرے اور نبی کو دل سے ہی فرشتہ اور

---

[1] وفی بعض الروایات الا اوذی فتح الملہم جلد ۱ ص ۲۱۴

[2] عینی شرح بخاری جلد ۱ ص ۴۳، فتح الملہم جلد ۱ ص ۲۱۵

اس کی آواز کا ادراک ہو اس طریقِ نزول میں آپ کو پہلے ایک گھنٹی کی سی آواز سنائی دیتی اور پھر حضرت جبریل امین وحیِ الٰہی کے ساتھ آپ کے قلب مبارک پر نزول فرماتے۔

قال اللہ تعالیٰ:

نزل به الروح الامین علیٰ قلبك باذن اللہ۔ (پ۱۹ الشعراء ۱۹۴)

ترجمہ۔ اس کو لے کر اترا ہے ایک معتبر فرشتہ آپ کے قلب مبارک پر۔

فانه نزله علیٰ قلبك باذن اللہ۔ (پ۱ البقرہ ۹۷)

ترجمہ۔ بے شک جبریل نے اتارا ہے یہ کلام آپ کے قلب مبارک پر اللہ کے حکم سے۔

قلبك کے لفظ سے پتہ چلتا ہے کہ یہ معاملہ بالکل پوشیدہ اور اندر ہی اندر وجود پذیر ہوتا۔ پیغمبر کے وجود کے باہر خارجی طور پر کوئی ہستی نظر نہ آتی۔ لغت میں وحی کا لفظ اخفاء اور اشارہ سریعہ پر دلالت کرتا ہے۔ لفظ وحی کا حقیقی مصداق نزولِ وحی کا یہی پیرایۂ اخفاء ہے چنانچہ نزولِ وحی کی مختلف کیفیات میں اس کیفیتِ اخفاء کو خصوصیت سے وحی (اشارہ سریعہ) سے تعبیر کرتے ہیں۔

یہ اندازِ اخفاء حضور پیغمبر خاتم کے احساس پر شدید گذرتا تھا اور بیشتر وحی قرآنی غالباً اسی صورت میں آتی رہی۔ اس احساس شدت کی وجہ محققین یہ لکھتے ہیں کہ اس حالت حضور پیغمبر خاتم کو بشریت سے نکل کر ملکیت کی طرف جانا پڑتا۔ گویا اس وقت آلاتِ جسدِ عنصری کو بالکل ایک طرف کر کے صرف روحی قوتوں اور قلبی حواس سے کام لیتے تھے دل کے کانوں سے وحی کی آواز سنتے اور دل کی آنکھوں سے ہی فرشتے کو دیکھتے تھے۔ دل کی الٰہی قوتوں سے ہی ان علوم کی تلقی فرماتے اور یہ کیفیت اندر ہی اندر پوری ہو جاتی۔ بشریت سے ملکیت کی طرف آنے میں احساس پر گذرتی۔ ہاں تیسری صورت وحی میں جب آپ کو نہیں بلکہ فرشتے کو ملکیت سے بشریت کی طرف آنا پڑتا اور حضرت جبریل خود انسانی شکل میں ظاہر ہوتے تو اس میں آنحضرت کے لیے کوئی وجہ شدت نہ تھی۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی فرماتے کہ انسان میں دو قوتیں ہیں۔ ایک قوتِ بشریہ

اور دوسری قوتِ ملکیہ۔ ملائکہ کرام جب ان نفوسِ قدسیہ پر نازل ہوتے ہیں جو فائز نبوت ہوں تو انہیں ظلمت بشری سے نکل کر عالمِ نور میں آنے کی وجہ سے ایک احساس شدت کا سامنا کرنا پڑتا ہے اور اس میں ان کے حواس بہت متاثر ہوتے ہیں۔

اما الصلصلة فحقيقتها ان الحواس اذا اصادمها تاثير قوى تشوشت فتشويش قوة البصران يرىٰ الوانًا الحمرة والصفرة و الخضرة ونحو ذالك وتشويش قوة السمع ان يسمع اصواتًا مبهمةً كالطنين والصلصلة والهمهمة فاذا انتم الاثر حصل العلم[1]

ترجمہ: رہا صلصلہ (یعنی دو سخت چیزوں کا ٹکراؤ اور گھنٹی کی سی آواز) سو اس کی حقیقت یہ ہے کہ حواس سے جب کوئی قوی تاثیر ٹکراتی ہے تو ان میں تشویش و اضطراب پیدا ہوتا ہے۔ قوتِ باصرہ کی تشویش یہ ہے کہ مختلف قسم کے رنگ دکھائی دینے لگیں اور قوتِ سامعہ کی تشویش یہ ہے کہ مبہم قسم کی آوازیں سنائی دینے لگیں جیسے طنطناہٹ اور گھنٹی کی آواز اور ہمہمہ وغیرہ جب یہ اثر تمام پذیر ہوتا ہے تو پھر علم کا تحقق ہو جاتا ہے۔

حضرت شاہ صاحبؒ اس کیفیت کو باب الایمان بصفات اللہ میں انقہار حواس (حواس کا مغلوب ہو جانا) سے تعبیر فرماتے ہیں۔[2]

جہتِ بشری اور جہتِ ملکی کا یہ تصادم حواس ظاہری میں تو تشویش پیدا کرتا تھا۔ لیکن آپ کی روحی قوتیں اور باطنی احساسات اس قدر قوی ہو جاتے تھے کہ آپ وہ کچھ سنتے جو دوسرے ہرگز نہ سن سکتے اور حقائق و معارف کا وہ ادراک ہوتا کہ طائر قوتِ بشریہ کی پرواز وہاں تک ممکن نہ تھی۔

اس طنطناہٹ یا گھنٹی کی آواز کا کوئی مبداء یا منقطع محسوس نہیں ہوتا اور اس اعتبار سے یہ آواز مرکب نہیں بلکہ بسیط ہوتی تھی۔ شیخ اکبر علامہ ابن العربی اس انداز وحی کی وجہ

---

[1] حجۃ اللہ البالغہ جلد ۲ صد ۱۸۹ مصر

[2] حجۃ اللہ جلد ۱ صد ۶۴

شبہ یہ بیان کرتے ہیں کہ جس طرح گھنٹی کی آواز اور جھنجھناہٹ کے لیے کوئی خاص جہت معین نہیں ہوتی بلکہ وہ تمام اطراف و جوانب سے سنائی دے رہی ہوتی ہے اسی طرح وحی کی آواز کے لیے بھی کوئی خاص جانب یا جہت معین نہ ہوتی تھی یہ وجہ تشبیہ بہت لطیف ہے۔

② نزولِ وحی کی دوسری کیفیت

اللہ تعالیٰ بلا واسطہ کسی نورانی پردے کے پیچھے سے کلام فرمائے نبی کی قوتِ سامعہ استماعِ کلام سے براہِ راست لذت اندوز ہو لیکن آنکھوں کے آگے تجلیات حائل رہیں حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کوہِ طور پر اسی انداز کی وحی میں کلام ہوا اور حضور خاتم ؐ کے ساتھ بھی معراج کی رات اسی انداز میں کلام ہوا بلکہ آپ کے سامنے نور کے جلوے کے سوا اور کوئی پردہ دامن پھیلائے نہ تھا۔ واللہ اعلم بالصواب۔

③ نزولِ وحی کی تیسری کیفیت

کلام الٰہی کے نزول کی تیسری صورت یہ ہے کہ فرشتہ متجسد ہو کر نبی کے سامنے آجائے اور اس طرح خدا تعالیٰ کا کلام اور پیغام پہنچائے جیسے ایک آدمی دوسرے سے خطاب کرتا ہے اس صورت میں آنکھیں فرشتے کو اس کی ظاہری صورت میں دیکھتی تھیں اور کان اس کی آواز سنتے تھے بلکہ پاس بیٹھنے والے بھی گفتگو سن لیتے اور بات کو سمجھ سکتے تھے۔

کسی انسان کے رب العزت سے ہمکلام ہونے کا عام ضابطہ یہی ہے اور اسی پیرایہ میں آنحضرتؐ پر بیشتر قرآن پاک نازل ہوا۔ قرآن پاک خود کہتا ہے :-

وما کان لبشرٍ ان یکلمه الله الا وحیًا او من ورآءِ حجاب او یرسل
رسولًا فیوحی باذنه ما یشآء انه علیٌ حکیم. و کذٰلك
اوحینآ الیك روحًا من امرنا ما کنت تدری ما الکتاب ولا الایمان
ولکن جعلناه نورًا نهدی به من نشآء من عبادنا و انك
لتهدی الی صراطٍ مستقیم۔ (پ۲۵ الشوریٰ ۵۲)

ترجمہ۔ اور کسی انسان کو طاقت نہیں کہ اللہ تعالیٰ اس سے ہمکلام ہو مگر اشارے ہی اشارے میں (نزول علی القلب) یا پردے کے پیچھے سے یا بھیجدے اللہ تعالیٰ کسی پیغام لانے والے (فرشتہ) کو پھر اس کی طرف جو چاہے ایحاء فرمائے بے شک اللہ تعالیٰ سب سے بلند حکمتوں والا ہے اور اسی (ضابطہ) کے مطابق ہم نے قرآن پاک آپ کی طرف بھیجا ہے آپ تو جانتے ہی نہ تھے کہ کیا ہے کتاب اور کیا ہیں تفاصیلِ ایمان لیکن ہم نے ہی اسے نور بنا لیا ہے اور ہم ہی اپنے بندوں میں سے جسے چاہتے ہدایت دیتے ہیں اور آپ بیشک صراطِ مستقیم کی طرف راہنمائی فرما رہے ہیں۔

نزولِ قرآن کی ان کیفیاتِ ثلثہ میں سے دوسری صورت بالکل نادر رہی لیلۃ المعراج میں یہی منہاجِ وحی تھا۔ یہ صورتِ وحی دستورِ عام نہ بن سکی اور بیشتر قرآن پاک پہلی اور تیسری کیفیت کے مطابق ہی نازل ہوتا رہا۔ پہلی کیفیت کو وحی اور تیسری کیفیت کو ایحاء سے تعبیر فرمایا گیا ہے۔ یہ وحی اور ایحاء کا تقابل ہے کسی چیز کو اپنی قسم کو اس کا قسیم نہیں بنایا جا رہا اور نہ کسی چیز کا اپنے آپ سے مقابلہ ہے وحی بلا واسطہ ہے اور ایحاء بالواسطہ۔[1]

پہلا بلا واسطہ سے مراد یہی ہے کہ پیغمبر کے وجود کے باہر کوئی ہستی دکھائی نہ دے اور عالم بیداری یا نیند میں قلب پر ہی القاء ہو رہا ہو ورنہ صحیح بخاری[2] میں اس صورت میں بھی فرشتے کے آنے کی تصریح موجود ہے ہاں فرشتہ متجسد ہو کر سامنے نہ آتا بلکہ ایک اشارے ہی اشارے میں اس کا آپ کے قلب مبارک پر نزول ہو جاتا۔ اسی القاء فی القلب اور نفث فی الروع کو اس مقام پر وحی (اشارہ شرعیہ) کہا گیا ہے۔ ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کی روایت میں جب آپ سے کیفیت نزولِ وحی کے بارے میں پوچھا گیا تو حضور اکرمؐ نے نادر الوجود انداز ہمکلامی (کیفیاتِ ثلثہ میں سے دوسری کیفیت) کو دستور عام نہ ہونے کی وجہ سے ذکر نہ فرمایا اور یہی ارشاد فرمایا:۔

---

[1] مشکلات القرآن للعلامۃ الانورؒ ص۲۳۳
[2] دیکھیے صحیح بخاری جلد ا ص۴۵۷۔ بدء الخلق۔ فوائد القرآن للعلامۃ العثمانیؒ ص۶۴۴

احیاناً یاتینی الوحی مثل صلصلۃ الجرس وھو اشدّہ علیّ فیفصمُ عنّی وقد وَعیتُ عنہ ماقال واحیاناً یتمثل لی الملکُ رجلاً فیکلمنی فاعی مایقول ۔[1]

ترجمہ: کبھی تو وحی میرے پاس اس طرح آتی ہے کہ ایک گھنٹی کی سی آواز سُنائی دیتی ہے اس کا احساس مجھ پر شدید گزرتا ہے ۔ پھر یہ دباؤ مجھ سے اٹھ جاتا ہے اور جو کچھ فرشتے نے کہا ہوتا ہے میں محفوظ رکھ لیتا ہوں اور کبھی فرشتہ متجسد ہو کر انسانی شکل میں مجھ سے ہمکلام ہوتا ہے میں اسے محفوظ کر لیتا ہوں ۔

حضرت ام المومنینؓ کہتی ہیں کہ میں نے کئی دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر نہایت سردی کے دن وحی اُترتی محسوس کی اس طرح کہ اس کا دباؤ آپؐ سے اُترتا اور آپ کی پیشانی مبارک سے پسینہ ٹپک رہا ہوتا ۔ (رواہ البخاری)

ٹیلی گراف کے سلسلہ تار میں ٹن ٹن کی آواز بغیر اس کے کہ کسی بولنے والے کی صورت نظر آئے ایک پورے سلسلہ کلام کو ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کر دیتی ہے ۔ گھنٹی کی آواز اس روایت میں ادائے رسالت کے لیے ٹیلی گراف سے نقرات[2] ہیں ۔ صلصلۃ اصل میں اس آواز کو کہتے ہیں جو لوہے کے ایک ٹکڑے کو دوسرے پر مارنے سے پیدا ہوتی ہے ۔ پھر اس کا اطلاق اس آواز پر ہونے لگا جس میں طنطناہٹ اور نقرات ہوں ۔ اس انداز وحی میں الفاظ کا پورا تعین اور امتیاز ہوتا گو تلفظ کی منزل انہیں بعد میں ملتی پس اس کلام کو revealed کہنا زیادہ صحیح ہوگا ۔

ابتداء وحی کے زمانہ فترت[3] کے تین سال چھوڑ کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر تقریباً بیس سال قرآن اُترتا رہا ۔ دس سال مکہ معظمہ اور دس سال مدینہ منورہ کے اس وحی الٰہی کی تکمیل میں صرف ہوئے اس کے بعد ہمیشہ تک کے لیے وحی الٰہی کا سلسلہ منقطع ہو گیا اب محال ہے ۔

---

[1] بخاری جلد صـ

[2] صلصلۃ الجرس ھھنا کنقرات التلغرات للاداء الرسالۃ ۔ (مشکلات القرآن للشیخ الانورؒ صـ ۲۳۴)

[3] فترت کے معنی رکنے کے ہیں ان تین سالوں میں وحی کا سلسلہ رُک گیا تھا یہ زمانہ فترت وحی کا زمانہ کہلاتا ہے ۔

کہ حضرت جبریل بہ پیرایہ وحی رسالت زمین پر کبھی نزول فرمائیں. حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اعلان فرمادیا :۔

قد انقطع الوحی وتمّ الدین.[1]

ترجمہ: وحی منقطع ہوچکی ہے اور دین مکمل ہوگیا ہے۔

حضرت فاروقِ اعظم رضؓ نے بھی یہی اعلان فرمایا :۔

ان الوحی قد انقطع.[2]

ترجمہ: بے شک وحی کا سلسلہ منقطع ہوچکا ہے۔

شیخین کریمین کے سامنے انقطاعِ وحی کی یہ تقریر بھی ہوئی :۔

ان الوحی قد انقطع.[3]

وحی کی حقیقت

وحی کے لغوی معنی دوسروں سے چھپا کر[4] چپکے چپکے بات کرنے کے ہیں لیکن شریعت اسلام میں وحی خاص اس ذریعہ غیبی کو کہتے ہیں جس میں کسی انسان کو کسی قسم کی نظر و فکر اور محنت و اکتساب کے بغیر محض فضلِ ربانی اور لطفِ رحمانی سے کسی بات کا کوقطعی اور یقینی علم حاصل ہوجائے یہ علم خواہ احکام سے متعلق ہویا حقائق و معارف پر مشتمل ہو. پھر وہ احکام خواہ جدید ہوں یا ان میں پہلے احکام کا ہی ابقاء و اجراء ہو یہ سارا علم وحیِ شریعت ہے اور شریعت اسلام میں اسے قطعیت اور یقین کا قانونی درجہ حاصل ہے. یہ وحی شریعت حضور پیغمبر خاتم ؐ کے بعد منقطع ہے. وحی کا لفظ اب شریعت سے اتنا خاص ہوچکا ہے کہ اب اسے

---

[1] مشکوٰة صـ۲۵۶

[2] بخاری جلد ا صـ۳۶

[3] ابن ماجہ صـ۱۱۹

[4] ابو ذویب کہتا ہے. فقال لھا وقد اوحت الیہ. الا للہ انک ما تحف. ابو اسحٰق کہتا ہے. اعلام فی خفاءٍ. کسائی کہتا ہے. ھو ان تکلم بکلام تخفیہ من غیرہ .

حضور خاتم النبیینؐ کے بعد اپنے کسی لغوی معنی میں استعمال کرنا جائز نہیں. قرینہ کی موجودگی کے سوا جہاں بھی وحی کا لفظ استعمال ہوگا وہاں وحی شریعت کے اصطلاحی معنی ہی مراد ہوں گے۔

وحی اور الہام کا فرق

وحی اور الہام میں یہ بات تو مشترک ہے کہ دونوں حصولِ علم کا ایک غیبی ذریعہ ہیں. لیکن دونوں میں مبداء علم کا انداز مختلف ہے وحی میں اس علم کا مبداء یقینی طور پر معلوم ہوتا ہے لیکن الہام میں تعین نہیں ہوتا کہ اس کا مبداء کیا ہے؟ (۲) الہام صاحبِ الہام کو ایک وجدان کی طرح محسوس ہوتا ہے مگر وحی صاحبِ وحی کے لیے ایک روشن برہان کی حیثیت رکھتی ہے. (۳) الہامی علوم ظنیہ[1] کے درجہ میں ہوتے ہیں لیکن علوم وحی قطع و یقین کا درجہ رکھتے ہیں (۴) الہام نبی اور غیر نبی کے لیے عام ہے لیکن وحی صرف انبیاء کے لیے خاص ہے. پیغمبر کے سوا کسی کو علم کا یہ ذریعہ غیبی حاصل نہیں ہوتا. ہاں انبیاء کرامؑ کی لوحِ صدر چونکہ ہر طرح کے دخل شیطانی سے پاک اور معصوم ہوتی ہے. اس لیے ان کا الہام بھی بجز صواب کے اور کسی بات کا احتمال نہیں رکھتا. صاحبِ نورالانوار لکھتے ہیں:۔

> یشترک فیہ الاولیاء ایضاً وان کان الہامہم یحتمل الخطاء والصواب والہامہ لا یحتمل الا الصواب[2]

> ترجمہ. الہام میں اولیاء بھی شریک ہیں اگرچہ ان کے الہام میں خطا اور صواب دونوں کا کھٹکا رہتا ہے لیکن نبی کا الہام بجز صواب کے اور کسی بات کا احتمال نہیں رکھتا۔

---

[1] بل ظنیۃ لعدم القطع فلا یجب علینا اتباعہ (حاشیہ نورالانوار لمولانا عبدالحلیم لکھنوی) اولیاء اللہ کے وہ بلند پایہ افراد جو محدث کے مقام پر فائز ہوتے ہیں ان کے بھی الہام قطعیت کا درجہ نہیں رکھتے. حافظ عسقلانیؒ لکھتے ہیں حتی ان المحدث منہم اذا تحقق وجودہ لا یحکم بما وقع عندہ بل لا بد لہ من عرض علی القرآن (فتح الباری جلد ۷ ص ۳۱) امام ربانی سیدنا مجدد الف ثانیؒ فرماتے ہیں "الہام و کشف بر غیر حجت نیست" (مکتوبات دفتر اول ص ۸۶) [2] نورالانوار ص ۲۱۴ مجتبائی

علامہ محمد بن عمر حسام الدین پیغمبر کے الہام کے بارے میں لکھتے ہیں:۔

فانه حجة قاطعة فی حقه وان لم یکن فی حق غیره بهٰذه الصفة۔[۱]

ترجمہ۔ وہ اس کے حق میں ایک قطعی حجت ہے گو دوسروں کے لیے وہ اس طرح حجت نہ ہو سکے۔

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ وحی میں ایک تحدی ہوتی ہے اور الہام جب کہ وہ غیر پیغمبر کا ہو دوسرے کے سامنے حجت اور سند نہیں ہو گا۔ نبوت کے باطنی قویٰ اس قدر مضبوط ہوتے ہیں کہ علم کا تحقق پہلے ان میں ہوتا ہے عالم حس اس کا مظہر بعد میں بنتا ہے۔ کلیات ابی البقا میں شیخ بو علی سینا سے منقول ہے:۔

نحن نری الاشیاء بواسطة الحس والنبی یری الاشیاء بواسطة القویٰ الباطنة ونحن نری ثم نعلم والنبی یعلم ثم یریٰ۔

ترجمہ۔ ہم چیزوں کو حواس ظاہرہ کے ذریعہ سے دیکھتے ہیں اور نبی ان چیزوں کو باطنی قوتوں کے ذریعہ سے دیکھتا ہے۔ ہم پہلے دیکھتے ہیں اور پھر جانتے ہیں اور نبی پہلے جانتا ہے اور پھر دیکھتا ہے۔

یہ باطنی قوتیں علوم نبوت کا ادراک کرتی ہیں۔ ہاں دنیوی امور میں پیغمبر کی زندگی دائرہ اسباب سے وابستہ ہوتی ہے۔

وحی کے وجود پر ایک عقلی اعتراض اور مشاہدہ عیانی سے رفع استبعاد

انبیاء علیہم السلام روزمرہ کی زندگی اور نفس انسانیت میں باقی بنی آدم کے ساتھ شریک ہیں اور ان کا بیٹھنا اسی طبقہ انسانی سے مربوط ہے جو عالم اسباب سے وابستہ ہے پیغمبروں پر جب وحی آتی ہے تو پاس بیٹھنے والوں کو بھی ہرگز محسوس نہیں ہوتا کہ کوئی چیز خارج سے ان کے قلب پر اتر رہی ہے۔ پس جب صاحب وحی اس کے خارج سے آنے کا دعوے کرتا ہے تو عقل تقاضا کرتی ہے کہ ہم اسے آتے جاتے کسی نہ کسی صورت میں کیوں نہ محسوس کریں۔

---

[۱] حسامی صد ۹۱ لکھنؤ

الجواب:

روزمرہ کا مشاہدہ ہے کہ آفتاب کی کرنیں مٹی پتھر اور لوہے غرضیکہ ہر چیز پر برابر پڑتی ہیں مگر یہ اجسام آفتاب کے اس فیض کو اپنی اپنی استعداد کے مطابق قبول کرتے ہیں یہ زیادتی اور کمی ان اجسام سے خارج ہمیں کسی طرح آتی یا جاتی محسوس نہیں ہوتی۔ بایں ہمہ مشاہدہ عیانی اس حقیقت کی منہ بولتی شہادت ہے کہ آفتاب عالمتاب کا جو فیض آئینہ قلعی دار اور ایک آتشی شیشے کو حاصل ہے وہ باقی اجسام کو نہیں۔

دوپہر کا وقت ہے آفتاب ٹھیک نصف النہار پر ہے۔ کنکریاں سنگریزے۔ درخت کی شاخیں۔ زمین کی ریت۔ سمندر کا پانی اور لوہے کے کالے کالے ٹکڑے۔ غرض دنیا کی سینکڑوں۔ ہزاروں چیزیں اس کے سامنے پڑی ہوئی ہیں۔ سورج کی روشنی میں ہر ایک شئے ان میں سے الگ الگ دکھائی دیتی ہے اور ہر ایک میں دھوپ کی کچھ نہ کچھ گرمی بھی محسوس ہو رہی ہے لیکن ان ہی مختلف الانواع اشیاء کے بیچ میں اور ان ہی کالے سیاہ آہن پاروں کے قریب ایک شخص بیٹھا ہے جس کے ہاتھ میں آتشی شیشہ اور دوسرے میں کوئی سیاہ یا سبز چادر ہے اور جب وہ اپنے شیشے کو سورج کے روبرو کر کے چادر کو اس کے مقابلہ پر لاتا ہے تو اسی وقت چادر میں آگ سلگ کر دھواں اٹھنے لگتا ہے اور جب شیشے کو سورج کے یا چادر کو شیشے کے سامنے سے سرکا دیتا ہے تو وہ تاثیر آتشیں باقی نہیں رہتی۔

یہ سارا تعجب انگیز ماجریٰ جب ہم ایک انتہائی درجے جاہل اور متعصب آدمی سے بیان کرتے ہیں تو بغیر کسی استعجاب کے اس کو تسلیم کرنے لگتا ہے لیکن باوجود اس کے وہ بہت افسوسناک بے باکی کے ساتھ محال سمجھ کر تمسخر اڑانے کو جائز رکھتا ہے جب ہم اس سے یہ کہتے ہیں کہ:

ایک خشک اور بے آب و گیاہ ریگستان میں جہاں بہت سے ایسے مختلف المذاہب مختلف الطبائع اور مختلف الالوان لوگ جمع تھے جن کے پتھریلے معبودوں کی مانند سخت اور سیاہ دلوں پر آفتاب کمالات کی شعائیں بھی اپنا گہرا اثر نہ ڈالتی تھیں جن کے تہ بہ تہ مادی کثافتوں کے نیچے اُن کی لطیفۂ روحانیت نے اپنے کو چھپا رکھا تھا اور جہالت آمیز حرکتوں

اور غافلانہ بدمستیوں سے دنیا کے اخلاقی مرقع کی اصلی صورت ایسی بگڑ گئی تھی کہ پہچانی نہ جا سکتی تھی۔

وہاں پر ایک ایسا صفاکیش اور روشن ضمیر انسان ظاہر ہوا جس کے قلب میں فطری طور پر کمالاتِ الٰہی سے استفادہ کرنے کی پوری استعداد ودیعت کی گئی تھی اور جس نے ہوش سنبھالتے ہی بغیر کسی ظاہری معلم کے تمام گرد و پیش کے خیالات سے علیحدہ ہو کر ایسی روش اختیار کی جو سیدھی معبودِ حقیقی تک پہنچانے والی تھی۔ اس پاکیزہ سرشت انسان کو اپنے جبلی اخلاق اور برگزیدہ ملکات کی بدولت جو وہ بطنِ مادر سے اپنے ساتھ لایا تھا اس منبع الکمالات خالق سے ایک خاص الخاص نزدیکی اور مناسبت قائم ہو گئی اور جس وقت وہ خدا کا پاک طینت بندہ تمام فانی تعلقات کو فراموش کیے ہوئے دل سے توجہ صادق کے ساتھ خدائے ذوالجلال کے جناب میں متوجہ ہو کر بیٹھا تو نہ معلوم کس غیر محسوس راستے سے ایک ایسی گرم روشنی اس کے قلب کی تہ میں اُتری کہ پھر جو دل بھی سامنے آیا اس نے اسکی ساری کدورتوں اور آلائشوں کو جلا کر کندن بنا دیا۔

کیا کوئی عقل و انصاف کا حامی ان دونوں واقعوں میں جو ہم نے ذکر کیے مادیت اور روحانیت کے فرق کے سوا اور کوئی فرق ہم کو ایسا بتلا سکتا ہے جس سے ایک واقعہ تو ہمارے احمق مخاطب کے نزدیک قابلِ تسلیم ٹھہرا اور دوسرے کی محال اور ناممکن سمجھ کر ہنسی اُڑائی گئی۔[1]

بایں ہمہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر جب وحی نازل ہوتی تو صحابہ کرامؓ اس کے کچھ نہ کچھ آثار ضرور مشاہدہ کر لیتے۔ حضرت عبادہ بن صامتؓ کا بیان ہے کہ:۔

جب آنحضرتؐ پر وحی نازل ہوتی تو آپ کی طبیعت میں کچھ اضطراب سا پیدا ہو جاتا رُخِ انور میں ایک واضح تبدیلی آجاتی اور آپ اسی وقت سر مبارک جھکا لیتے۔ آپ کے صحابہؓ جو اس وقت پاس ہوتے سب کے سب اپنے سر نیچے کر لیتے اور وحی کے تمام ہونے پر آپ پھر سر مبارک اُٹھا لیتے۔

---

[1] العقل والنقل لشیخ الاسلام العلامۃ العثمانی قدس سرہ العزیز

صفوان بن یعلیٰ کہتے ہیں کہ حضرت یعلیٰؓ کی خواہش تھی کہ وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس حالت میں دیکھ سکیں حضورؐ ایک دفعہ موضع جعرانہ[1] میں تھے کہ ایسا موقع پیدا ہو گیا آنحضرتؐ پر وحی نازل ہونا شروع ہوئی حضرت یعلیٰؓ کو پتہ لگا۔ حضرت یعلیٰؓ کہتے ہیں کہ :-

فاذا ھو محمر الوجه یغط کذلك ساعة ثم سرّی عنه.[2]

ترجمہ۔ حضورؐ کا چہرہ مبارک سُرخ تھا اور سانس بھی تیز تھا کچھ وقت تک یہی حالت رہی پھر یہ کیفیت دُور ہو گئی۔

حضرت امام غزالیؒ مقاصد المراصد میں لکھتے ہیں :-

اما الوحی والالھام فالنفس الناطقة اذا کانت قویة بحیث لم یکن اشتغالھا بالبدن مانعًا من الاتصال بالمبادی القدسیه وکانت المتخیّلة قویة بحیث تقوی علی استخلاص الحس المشترك عن الحواس الظاھرة اتصلت حالة الیقظة بالعقول المجردة و النفوس السماویة وحصّل لھا ادراك المغیبات علی وجه کلی ثم المتخیّلة تحاکیھا بصورة جزئیة مناسبة لھا وتنزل الی الحس المشترك فتصیر مشاھدة محسوسة.[3]

ترجمہ۔ وحی اور الہام کی حقیقت یہ ہے کہ نفس ناطقہ جب اس قدر قدرت حاصل کر لے کہ بدن سے مشتغل رہنے کے باوجود وہ مبادی قدسیہ سے اتصال پیدا کر سکے اور قوت متخیلہ اس قدر قوی ہو جائے کہ حسِ مشترک کو حواس ظاہری سے نجات دے سکے تو نفس ناطقہ بیداری کی حالت میں بھی عقول مجردہ اور نفوس سماویہ سے متصل ہو جاتا ہے اور اسے غیب کی باتوں کا ادراک بطور امر کلی حاصل ہو جاتا ہے۔[4] پھر قوت متخیلہ ایک جزئی

---

[1] مکہ سے دس میل کے فاصلہ پر ایک موضع ہے۔ [2] بخاری جلد ۲ صفحہ ۴۵۔

[3] مقاصد المراصد جلد صفحہ

[4] ایک ایک جزئی کا ادراک ضروری نہیں امر کلی کے طور پر ایک پورا نقشہ کھچ جاتا ہے۔

کی صورت جو اس کے مناسب ہو پیدا کر لیتی ہے اور یہ صورت حسِ مشترک میں اُتر کر مشاہدہ محسوس ہونے لگتی ہے۔

ہم اس تفصیل سے پُورے متفق نہیں تاہم اس سے یہ بات کھل کر سامنے آگئی ہے کہ وحی کا وجود کوئی ایسا امر محال ہرگز نہیں کہ عقل اس کی کوئی صورت تجویز ہی نہ کر سکے۔ متکلمین اسلام نے عقل کے پرستاروں کی تقریب ذہنی کے لیے ایسی کئی تعبیرات اختیار کی ہیں۔ صحیح یہ ہے کہ یہ معاملہ ہرگز خلافِ عقل نہیں گو بالائے عقل ہے ہمارا طائرِ فکر وحی کی بلندیوں تک پرواز نہیں کر سکتا۔ ہم وحی کی ان صفات پر جو کتاب و سنت میں منقول ہیں ایمان لاتے ہیں اور باقی تفصیلات خدا کے سپرد کرتے ہیں۔ واللہ علی ما نقول شہید۔

وحی کی آواز

آنحضرتؐ پر جب قرآن نازل ہوتا تو آپ ایک گھنٹی کی سی آواز سُنتے۔ اس کی تفصیل پہلے ہو چکی ہے۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ کس کی آواز تھی۔ جبریل امین کی آواز تھی یا خود رب العزت کی آواز تھی یا یہ کہ یہ وحی کی اپنی آواز تھی۔

حضرت امام بخاری نے فرقہ جہمیہ کی تردید میں خود رب العزت کے لیے بھی آواز کا ثبوت بہم پہنچایا ہے اس صورت میں تشریح یہ ہوگی کہ جس طرح رب العزت کی ذات بے چون و مثل ہے۔ اسی طرح اس کی آواز بھی بے چون و مثل ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں:۔

اذا تکلم اللہ بالوحی سمع اھل السمٰوات شیاءً فاذا فزّع عن قلوبھم وسکن الصوت عرفوا انه الحق.[1]

ترجمہ۔ اللہ تعالیٰ جب وحی کے لیے کلام فرماتے ہیں تو اسے آسمانوں والے کچھ سُن لیتے ہیں جب ان سے خوف و ہراس دُور ہو جاتا ہے اور آواز ٹھہر جاتی ہے تو وہ پہچان لیتے ہیں کہ وہ حق ہے۔

سمع اھل السّماء للسّماء صلصلة.[2]

---

[1] بخاری جلد ۲ صد ۱۱۱۴ [2] صحیح ابن حبان جلد ا صد ۳٦ مصر

ترجمہ آسمان والے آسمان میں ایک گھنٹی کی سی آواز سنتے ہیں۔

امام بخاریؒ کے نزدیک وہ آواز جو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے وادیٔ سینا میں سُنی تھی وہ بھی رب العزت کی ہی آواز تھی۔ یہ حضرت امام بخاریؒ کا مسلک ہے جو اصولِ توحید سے ہرگز متصادم نہیں لیکن جمہور اہلِ اسلام اس بات کے قائل ہیں کہ یہ آواز فرشتہ وحی کے پَروں[1] کی تھی یا یہ فرشتے کی زبانی وحی کی آواز تھی۔ واللہ اعلم بحقیقۃ الحال۔

ایک لطیف واقعہ

حضرت شاہ نظام الدین اولیاءؒ فرماتے ہیں کہ عالمِ ارواح میں اُن کی روح عہدِ الست لیے جانے کے لیے ایک مثالی جسم میں داخل کی گئی اس وقت روح کو جسم میں داخل ہونے کا جو حکم ہوا اس کلامِ الٰہی کو خود اُن کی روح نے سنا تھا۔ حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ مجھے حق تعالیٰ کے کلام کا لہجہ تک یاد ہے۔ روح اسی لذت میں مست ہو کر جسم میں داخل ہو گئی تھی۔ اس واقعہ پر عارف شہیر شیخ فریدالدین عطارؒ کے کلام سے ایک اشکال پیدا ہوتا ہے۔ آپ فرماتے ہیں۔

ع قول او را لحن نے آواز نے

ترجمہ۔ اس کے قول کا نہ لہجہ ہے نہ آواز۔

حکیم الامت شیخ تھانویؒ اس کے جواب میں فرماتے ہیں:۔

اس اشکال کا جواب یہ ہے کہ اس وقت حق تعالیٰ کے کلام کی تجلّی مثالی ہوئی تھی اس تجلی مثالی میں کلام الٰہی صوت سے مقترن تھا اور یہ ایسی ہی تجلی تھی جیسے شجرہ طور پر تجلی مثالی ہوئی تھی جس کی وجہ سے درخت سے آواز آنے لگی وہ صوت بھی کلام الٰہی کی نہ تھی بلکہ کلام الٰہی کی تجلی مثالی کا اثر تھا کہ شجرہ میں آواز پیدا ہو گئی مگر ظاہر ہے کہ گو تجلی مثالی عین صفت

---

[1] قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم اذا قضی اللہ الامر فی السماء ضربت الملٰئکۃ باجنحتھا خضعانًا لقولہ کانہ سلسلۃ علیٰ صفوان حتّٰی اذا فزع عن قلوبھم الحدیث۔

(صحیح ابن حبان جلد ۱ ص ۳۵)

نہیں مگر اس کو صفتِ الٰہی سے بہ نسبت دوسرے حوادثات کے ایک خاص تعلق ضرور ہے تو اس کو مجازاً کلام الٰہی کہنا صحیح ہے اور اس میں بہت سے آثار حقیقی کلام الٰہی کے موجود ہوتے ہیں۔ منجملہ ان کے یہ اثر بھی ہے کہ اس میں لذت بے حد ہوتی ہے کیونکہ اس کو کلام الٰہی حقیقی سے غایت درجہ قرب ہے۔[1]

وحی رسالت اور وحی قرآن میں فرق

وحی رسالت اور وحی قرآن میں عموم خصوص کی نسبت ہے۔ ہر وحی قرآن وحی رسالت ہے لیکن ضروری نہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر وحی "وحی قرآن" ہی ہو۔ حضور اکرمؐ پر قرآن کے علاوہ بھی وحی کا نزول ہوتا رہا۔ وحی کی اس قسم کو وحی غیر متلو کہتے ہیں۔ اسی صنف وحی میں آنحضرتؐ پر معانی اترتے تھے۔ الفاظ اس میں حضورؐ کے اپنے ہوتے ہیں۔ کلام اللہ کا عنوان بے شک قرآن کے لیے ہی زیبا ہے لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ اللہ رب العزت نے قرآن کے علاوہ بھی آنحضرتؐ کو شرفِ وحی سے نوازا ہے۔ آپ قطعی انداز میں جو بات بھی کہہ دیں سب خدا کی وحی ہے۔

وما ینطق عن الھویٰ ان ھو الا وحیٌ یوحیٰ۔ (پ۲۷ النجم)

وحی رسالت، وحی قرآن سے عام ہے اور قرآن کے علاوہ اور بھی کئی مواقع کی وحی کو مشتمل ہے اس کے شواہد قرآن کریم میں بھی موجود ہیں گو وہ اصل وحی وہاں مذکور نہیں۔ قرآن پاک ایک خبر ربانی کی حکایت کرتا ہے اور وہ اصل خبر ربانی (محکی عنہ) قرآن پاک میں موجود نہیں اصل وحی کا مذکور نہ ہونا اور اس کی حکایت کا موجود ہونا ایک قرآنی شہادت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی قرآن کے علاوہ بھی وحی آتی رہی اور یہ کہ وحی رسالت ہر دو قسم کی وحی کو شامل ہے۔

---

[1] سلسلہ البلاغ کا دسواں وعظ مسمیٰ بہ "ہم الآخرۃ"، ص۲ مطبع تھانہ بھون

وحی رسالت کے عام ہونے پر قرآن کی پہلی شہادت

ایک دفعہ آنحضرتؐ نے ام المومنین حضرت حفصہؓ سے چپکے سے ایک بات کی حضرت حفصہؓ نے اسے حضرت عائشہ صدیقہؓ سے ذکر دیا۔ اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر کر دی کہ آپ کی ایک بیوی نے اس بات کو دوسری پر ظاہر کر دیا ہے۔ اس پر آپؐ نے اس بیوی کو اس خبر کا کچھ حصہ جتلایا اور کچھ حصے سے درگزر کی۔ وہ حیران ہو کر کہنے لگیں کہ آپ کو کیسے پتہ چل گیا کہ میں نے حضرت عائشہؓ سے یہ بات کر دی ہے؟ آپ نے جواب دیا کہ مجھے اس کی اطلاع اللہ تعالیٰ نے دی ہے۔

قرآن پاک میں اس خبر ربانی اور وحی خداوندی کی حکایت تو موجود ہے کہ واقعی ایسی وحی حضور اکرمؐ پر آئی تھی لیکن وہ اصل وحی قرآن کریم میں کہیں موجود نہیں حکایت تو موجود ہے۔ لیکن محکی عنہ کہیں مذکور نہیں۔ یہ بات ظاہر ہے کہ حکایت اور محکی عنہ دو علیحدہ علیحدہ حقیقتیں ہیں اور ان میں تغائر ضروری ہے۔ حکایت عن نفسہ اصولاً محال ہے۔ قرآن کریم میں ہے:۔

واذا سرّ النّبی الیٰ بعض ازواجہ حدیثاً فلمّا نبّأت بہ واظہرہ اللہ علیہ عرّف بعضہ واعرض عن بعض ؕ فلمّا نبّاءھا بہ قالت من انباءک ھٰذا قال نبّانی العلیم الخبیر (پ۲۸ التحریم ۳)

ترجمہ۔ اور جب نبی نے اپنی ایک بیوی سے ایک بات علیحدگی میں کی پھر جب اس نے خبر کر دی اور اللہ تعالیٰ نے اسے اپنے نبی پر ظاہر کر دیا تو نبی نے کچھ بات جتلا دی اور کچھ ٹلا دی پھر جب اس نے اپنی بیوی کو یہ بات جتلائی تو اس نے پوچھا آپ کو کس نے بتایا؟ آپ نے فرمایا مجھے اس ذات نے خبر دی ہے جو علیم و خبیر ہے۔

سوال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آنحضرتؐ کو جو خبر دی تھی جس کی یہاں حکایت کی جا رہی ہے وہ اصل خبر کہاں ہے قرآن کریم میں تو وہ موجود نہیں ہے پس اس یقین سے چارہ نہیں کہ قرآن کریم کے علاوہ بھی آنحضرتؐ پر وحی ہوئی۔ سو وحی رسالت وحی قرآن اور وحی غیر متلو دونوں کو

شامل ہے۔

وحی رسالت کے عام ہونے پر قرآن کریم کی دوسری شہادت

ایک دفعہ آنحضرتؐ نے قلعہ بند یہود کے متعلق اجازت فرمائی کہ ان کے کچھ درخت کاٹ دیئے جائیں اور باغ برباد کر دیئے جائیں تاکہ اس درد میں وہ باہر نکل پڑیں۔ نیز کھلی جنگ کے وقت درختوں کی کوئی رکاوٹ باقی نہ رہے۔ چنانچہ کچھ درخت کاٹ دیئے گئے۔

قرآن کریم میں ہے:۔

ما قطعتم من لینةٍ او ترکتموھا قائمة علیٰ اصولھا فباذن اللہ۔

(پ ۲۸ الحشر ۵)

ترجمہ۔ کھجور کے درخت جو تم نے کاٹ ڈالے تھے یا انہیں اپنی جڑوں پر کھڑا رہنے دیا تھا یہ سب اللہ کے حکم سے تھا۔

سوال یہ ہے کہ وہ حکمِ الٰہی کہاں ہے کہ یہ درخت کاٹ ڈالو اور یہ اپنی جگہ رہنے دو قرآن میں تو یہ حکم کہیں موجود نہیں۔ ہاں اس حکم کی خبر اور اس اذن باری تعالیٰ کی حکایت پوری طرح سے موجود ہے۔

جواب یہ ہے کہ آنحضرتؐ کو درخت کاٹ دینے کی یہ اجازت وحی غیر متلو سے ملی تھی۔ جو وحی قرآن کے علاوہ ایک دوسری قسم کی وحی ہے۔ پس اس یقین سے چارہ نہیں کہ وحی رسالت وحی قرآن سے عام ہے اور وحی غیر متلو کو بھی شامل ہے۔

وحی رسالت کے عام ہونے کی ایک اور شہادت

واذ قلنا لک ان ربک احاط بالنّاس۔ (پ ۱۵ بنی اسرائیل ۶۰)

ترجمہ۔ اور جب ہم نے کہہ دیا تھا تجھے کہ تیرے رب نے گھیر لیا ہے لوگوں کو۔

قرآن کریم کی اس آیت میں ایک وحی کی حکایت ہے کسی وقت اللہ تعالیٰ نے کہا تھا۔ کہ بے شک تیرے رب نے لوگوں کو اپنے احاطہ میں لے رکھا ہے وہ اصل وحی قرآن کریم میں نہیں

ملتی وہ ایک وحی غیر متلو تھی جس کی یہاں حکایت کی جا رہی ہے۔ رب العزت یہاں سابق کہی گئی بات کو یاد دلا رہے ہیں وہ سابق کہی گئی بات بے شک وحی رسالت ہے مگر یہ حقیقت ہے۔ کہ وہ وحی رسالت یقینی طور پر وحی قرآن نہیں ہاں اگر ماضی ماضی کے معنی میں نہ ہو بلکہ تحقیق وقوع کے لیے مبالغہ ہو تو یہ امر دیگر ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

وحی رسالت کے عام ہونے پر قرآن کریم کی ایک اور شہادت

آنحضرتؐ پر معراج کی رات بہت سے رموز و اسرار منکشف ہوئے اور اللہ رب العزت نے آپ کو اس قدر حقائق و معارف وحی فرمائے کہ کلام کی بلاغت تفصیل کرنے سے اپنا دامن سمیٹتی ہے۔ قرآن کریم میں اس کا ذکر اس طرح ملتا ہے:۔

فاوحیٰ الیٰ عبدہ ما اوحیٰ۔ (پ۲۷ النجم ۱۰)

یہ اختصار و اجمال اس بات کی ایک قوی شہادت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے معراج کی رات آپ پر وحی قرآن کے علاوہ اور بھی کئی اسرار وحی فرمائے۔ آنحضرتؐ کو اس رات جو پانچ نمازوں کا حکم ملا تھا وہ بھی وحی قرآن کے علاوہ رہا اور یہ وحی غیر متلو تھی۔ واللہ اعلم بحقیقۃ الحال۔

قرآن کریم میں اور بھی کئی مثالیں ملیں گی کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنی کسی سابق کہی گئی بات کی طرف توجہ دلائی اور وہ اصل وحی قرآن پاک میں نہ پائی گئی یہ ایک اشارہ ہے جو قرآن پاک میں پایا گیا سو اس یقین سے چارہ نہیں کہ آپ کی وحی رسالت قرآن پاک میں محدود نہیں قرآن کریم کے علاوہ بھی اللہ تعالیٰ نے وحی غیر متلو سے آپ سے کلام فرمایا۔ گویا وہ کتنا ہی لطیف اشارہ کیوں نہ ہو۔

جمع القرآن

الحمد للہ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ اما بعد :

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر چالیس برس کی عمر میں جب آپ مکہ میں مقیم تھے قرآن پاک نازل ہونا شروع ہوا۔ پہلی وحی غار حرا میں آئی۔ طریق نزول یہ تھا کہ حضرت جبریل امین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب پر نزول فرماتے یا انسانی شکل میں متجسد ہو کر سامنے حاضر ہوتے اور حضورؐ کو آیاتِ قرآنی پڑھ کر سُناتے آنحضرت سُنتے جاتے اور آپ کو وہ یاد ہوتا چلا جاتا تھا۔

نزولِ وحی کے پہلے دنوں میں حضرت جبریل کے پڑھنے کے ساتھ ساتھ آنحضرتؐ بھی آہستگی سے پڑھتے رہتے تاکہ اسے جلدی لے لیں مبادا جبریل چلے جائیں اور وحی قرآن اچھی طرح محفوظ نہ ہو سکے اور بعد میں اسے لکھوانے اور جمع کرنے میں کوئی دقت پیش ہو۔ اس میں آنحضرتؐ کو کافی مشقت اور دقّت کا سامنا ہوتا۔ قرأتِ قرآن کے آداب بھی جلدی کے حق میں نہ تھے اس پر اللہ رب العزت کا ارشاد ہوا :-

لا تحرّكْ به لسانك لتعجل به ۔ ان علينا جمعه وقرانه ۔ فاذا قرأناه فاتّبع قرانه ثم ان علينا بيانه ۔ (پ۲۹ القيامه)

ترجمہ: قرآن پاک پڑھے جانے پر آپ اپنی زبان مبارک کو بالکل حرکت نہ دیں کہ آپ اسے جلدی سے لے لیں، اس کا جمع کرنا اور اس کا آپ کی زبان پر جاری کرنا یہ بے شک ہمارے ذمہ ہے۔ پس جب ہم (فرشتہ کی زبان سے) قرآن پڑھ رہے ہوں تو آپ اسی قرأت کے تابع رہیں پھر اس قرآن کو کھول کر بیان کرنا بھی یقیناً ہمارے ذمہ ہے۔

رب العزت نے آنحضرت کو تسلی دی کہ قرآن پاک کا حرف حرف آپ کے قلب مبارک میں جمع کرنا اور پھر اسے آپ کی زبان مبارک سے پڑھوانا یہ سب ہمارے ذمہ ہے آپ اس کی فکر بالکل نہ کریں جس وقت جبریل امین قرآن پڑھ رہے ہوں تو ہمہ تن گوش رہیں اور خاموشی

سے سُنتے جائیں پھر اس کا یاد کرانا، اس کے علوم و معارف کا آپ پر کھول دینا اور پھر آپ کی زبان مبارک سے اسے جاری کرا دینا۔ ان سب امور کے ہم ذمہ دار ہیں۔

اس حکم ایزدی نے ہمیں آداب قرآن کے ایک نہایت اہم پہلو کی طرف بھی متوجہ کیا ہے کہ جب قرآن کریم پڑھا جا رہا ہو تو اس کی عظمت و رفعت کا تقاضا ہے کہ جنہیں سُنایا جا رہا ہے وہ ہمہ تن گوش بنے رہیں۔ ترجمان القرآن حضرت ابن عباسؓ اس آیت کی تفہیم میں ارشاد فرماتے ہیں:-

فاستمع له وانصت۔[1]

ترجمہ۔ آپ قرآن کو سنتے رہیں اور خود بالکل خاموش رہیں۔

فکان رسول اللهؐ بعد ذٰلك اذا اتاه جبريل استمع فاذا انطلق جبريل قرأه النبيؐ كما قرأه۔[2]

ترجمہ۔ اس کے بعد جب بھی آپ کے پاس حضرت جبریل آتے آپ ان کی طرف کان لگا کر سنتے۔ جب جبریل چلے جاتے تو آپ اسے اسی طرح پڑھ دیتے جس طرح کہ جبریل نے آپ کے پاس پڑھا تھا۔

اللہ تعالیٰ نے اس ادب قرآن کو ایک مستقل حکم بھی قرار دیا۔ فرمایا:-

واذا قرئ القرآن فاستمعوا له وانصتوا لعلكم ترحمون۔ (پ۹ الاعراف)

آنحضرتؐ کا یہ بھی ایک معجزہ ہوا کہ ساری وحی سنتے رہے اس وقت زبان سے ایک حرف بھی نہ دُہرایا لیکن فرشتے کے جانے کے بعد پوری وحی لفظ بہ لفظ کامل ترتیب کے ساتھ بدون ایک زیر و زبر کی تبدیلی کے فرفر سُنا دی۔[3]

اس بات کی وضاحت کے بعد کہ قرآن پاک کا جمع کرنا رب العزت نے اپنے ذمہ لے رکھا تھا جسے اس نے اپنے پیغمبر برحق کے ذریعے شان تکمیل بخشی یہ امر بھی ذہن نشین ہونا چاہیئے کہ یہ جمع و تدوین صرف زبانی حفظ کی شکل میں ہی نہ تھی بلکہ اسے ساتھ ساتھ تحریر بھی کر لیا جاتا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں ہی کئی مقامات پر تصریح کی ہے کہ میرا کلام کتابی شکل

---

[1] صحیح بخاری جلد ۱ صد ۳ [2] ایضاً [3] فوائد القرآن للعلامۃ العثمانی صد ۷۵

میں ہی نہ تھی بلکہ اسے ساتھ ساتھ تحریر بھی کر لیا جاتا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں ہی کئی مقامات پر تصریح کی ہے کہ میرا کلام کتابی شکل میں پیش کیا جا رہا ہے۔ یہ تصریح مکی اور مدنی دونوں قسم کی آیات میں ملتی ہے۔ قال اللہ تعالیٰ:

(۱) الٓرٰ۔ کتاب احکمت آیاته ثم فصّلت من لّدن حکیم خبیر۔ (پ۱۱ ہود مکی ۱)

ترجمہ۔ یہ کتاب ہے جس کی آیات نہایت مضبوط[۱] و محکم ہیں اور پھر انہیں خوب کھول کھول کر سمجھایا گیا ہے ایک حکیم و خبیر ذات کی طرف سے۔

(۲) الٓمٓصٓ۔ کتاب انزل الیك۔ (پ۸ الاعراف مکی ۱)

ترجمہ۔ یہ کتاب آپ پر اُتاری گئی ہے۔

(۳) الحمد لله الذی انزل علی عبده الکتاب ولم یجعل له عوجًا۔ (پ۱۵ الکہف مدنی ۱)

ترجمہ۔ سب تعریف اللہ کے لیے ہے جس نے اُتاری اپنے بندے پر کتاب اور نہ رکھی اس میں کسی قسم کی کجی۔

(۴) قالوا اساطیر الاولین اکتتبها۔ (پ۱۸ فرقان مکی ۵)

ترجمہ۔ کافروں نے کہا کہ یہ قرآن پچھلے لوگوں کی کہانیاں ہیں جنہیں اس پیغمبر نے از خود لکھ دیا ہے۔

---

[۱] یعنی قرآن کریم وہ عظیم الشان اور جلیل القدر کتاب ہے جس کی آیتیں لفظی اور معنوی ہر حیثیت سے نہایت جچی تُلی ہیں نہ ان میں تناقض ہے نہ کوئی مضمون حکمت یا واقعہ کے خلاف ہے نہ باعتبار معجزانہ فصاحت و بلاغت کے کسی ایک حرف پر نکتہ چینی ہو سکتی ہے۔ جس مضمون کو جس عبارت میں ادا کیا محال ہے کہ اس سے بہتر تعبیر ہو سکے۔ الفاظ کی قبا معانی کی قامت پر نہ ذرا ڈھیلی ہے نہ تنگ۔ قرآنی حقائق و دلائل ایسے مضبوط و مستحکم ہیں کہ زمانہ کتنی ہی پلٹیاں کھائے ان کے بدلنے یا غلط ہونے کا کوئی امکان نہیں ان تمام حکیمانہ خوبیوں کے باوجود معاش و معاد کی تمام مہمات کو خوب کھول کر سمجھایا ہے یہ نہیں کہ اجمال و ابہام سے اصل کتاب معمہ بن کر رہ جائے۔ یہ کتاب ابتدا نزول سے ہی عمل کے پیرائے میں اُترتی رہی اور کبھی اس میں عملاً کسی کو کوئی دقت محسوس نہیں ہوئی۔

⑤ الٓمٓ. ذٰلِكَ الكتٰبُ لَارَيْبَ فيه. (پ البقرہ ۱)
ترجمہ۔ اس کتاب میں کوئی شک نہیں۔

⑥ نزّل عليك الكتٰبَ مصدّقًا لما بين يديه۔ (پ۳ آل عمران مکی ۳)
ترجمہ۔ اللہ تعالیٰ نے اُتاری ہے آپ پر کتاب سچی۔ تصدیق کرنے والی اگلی کتابوں کی۔

⑦ رسول من الله يتلوا صحفًا مطهّرة۔ (پ۳۰ البینہ مدنی)
ترجمہ۔ اللہ کا رسول ہے پڑھتا ہوا پاک اوراق جس میں لکھی ہیں مضبوط تحریریں[1]

قرآن پاک کے ابتداء سے ہی کتابی شکل میں ہونے کی یہ سات مکّی اور مدنی قرآنی شہادتیں ہم نے پیش کردی ہیں۔ قرآن پاک اگر حضرتؐ کے عہد مبارک میں صرف زبانی حفظ کی شکل میں ہی ہوتا تو قرآن پاک بار بار اپنے آپ کو کتابی شکل میں پیش نہ کرتا حقیقت یہ ہے کہ حضورؐ نے قرآن لکھوانے کا بالکل ابتداء سے ہی التزام کرلیا تھا۔ حضرت خالد بن سعیدؓ کی بیٹی حضرت ام خالدؓ کہتی ہیں:۔

سب سے پہلے بسم اللہ میرے باپ نے لکھی تھی[2]

پیش نظر رہے کہ حضرت خالد بن سعیدؓ پانچویں مسلمان تھے اور اس وقت آپ کا قرآن لکھانے کا پورا اہتمام تھا۔ ارشاداتِ نبوت میں بھی کئی جگہ قرآن پاک کے کتابی شکل میں ہونے کا تذکرہ ملتا ہے۔

آنحضرتؐ نے مختلف مواقع پر قرآن پاک کا اس طرح ذکر کیا گویا کہ یہ ایک تحریری سرمایہ ہے۔ آپ نے ارشاد فرمایا:۔

ان مما يلحق المؤمن من عمله وحسناته بعد موته علمًا علّمه و نشره وولدًا صالحًا تركه ومصحفًا ورّثه او مسجدًا بناه.... الحديث[3]

---

[1] ہر سورت گویا مستقل کتاب ہے یا یہ مطلب ہے کہ جو عمدہ کتابیں آچکی ہیں ان سب کے ضروری خلاصے اس کتاب میں درج ہیں۔ (فوائد القرآن)

[2] استیعاب جلد ۱ صـ۱۵۵ [3] سنن ابن ماجہ صـ۲۲ عن ابی ہریرۃؓ

ترجمہ: مومن کو اپنی موت کے بعد جن اعمال اور نیکیوں سے حصہ ملتا رہتا ہے وہ یہ ہیں۔ ۱۔ علم جو اس نے سکھلایا اور پھیلایا۔ ۲۔ جو نیک اولاد چھوڑی۔ ۳۔ لکھا ہوا قرآن جو اس کی وراثت میں کسی کو ملا۔ ۴۔ مسجد جو اُس نے بنائی۔ ۵۔ کوئی نہر جو اس نے جاری کی۔ ۷۔ وہ صدقہ جاریہ جو اس نے اپنی صحت اور زندگی میں دیا۔

اگر قرآن پاک آنحضرتؐ کے سامنے کتابی شکل میں نہ ہوتا تو آپ تیسرے نمبر پر مصحف کی وراثت کا ذکر نہ فرماتے۔ یہ روایت سنن بیہقی میں بھی موجود ہے۔ کنز العمال میں ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا:۔

قرأتك نظرا تضاعف على قرأتك ظاهرًا لفضل المكتوبة على النافلة۔

ترجمہ: تمہارا قرآن دیکھ کر پڑھنا، یاد پڑھنے سے اسی طرح فضیلت رکھتا ہے جیسے فرض نماز نفل پر فائق ہے۔

آنحضرتؐ نے ایک دفعہ قرآن پاک کی تحریریں کسی جگہ لٹکتی ہوئی دیکھیں تو فرمایا:۔

لا تغرّنكم هٰذه المصاحف المعلّقة۔ [۱]

ترجمہ: اے لوگو! یہ لٹکائے ہوئے مصاحف تمہیں دھوکہ میں نہ ڈال دیں (کہ تم سمجھو ان کا یہی احترام کافی ہے اصل مقصد ان پر عمل ہے)

سیدنا حضرت عبداللہ بن عمرؓ کہتے ہیں:۔

نهى ان يسافر بالقرآن الى ارض العدوّ مخافة ان يناله العدوّ۔ [۲]

ترجمہ: آنحضرتؐ نے منع فرمایا ہے کہ قرآن پاک لے کر دشمن کی سرزمین میں جائیں اندیشہ ہے کہ وہ دشمن کے ہاتھ نہ لگ جائے۔

آنحضرتؐ نے مولودِ کعبہ سیدنا حکیم بن حزامؓ کو جب یمن کی طرف بھیجا تو نصیحت فرمائی:۔

لا تمسّ القرآن الّا وانت طاهر۔ [۳]

ترجمہ: قرآن کو ہاتھ مت لگانا مگر اس حال میں کہ تم باطہارت ہو۔

---

[۱] کنز العمال جلد ۱ صفحہ ۱۳۴ مصر [۲] ابن ماجہ صفحہ ۲۱۲، بخاری جلد ۱ صفحہ ۴۲ [۳] مستدرک جلد ۳ صفحہ ۴۸۵

اس سے معلوم ہوا کہ قرآن پاک واقعی کسی کتابی صورت میں ان دنوں لوگوں کے پاس موجود تھا تبھی تو حکم ہوا کہ اسے بغیر وضو نہ چھوؤ۔

حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ آنحضرتؐ نے ارشاد فرمایا:۔

تربوا صحفکم انجح لها ان التراب مبارک۔[1]

ترجمہ۔ لکھے ہوئے قرآن (کی سیاہی خشک کرنے کے لیے) اس پر مٹی ڈال لیا کرو۔ کیونکہ مٹی پاک اور مبارک ہے۔

ان روایات سے واضح ہوتا ہے کہ قرآن پاک آنحضرتؐ کی حیاتِ طیّبہ میں ہی کتابی صورت اختیار کر چکا تھا۔ کفار کے سامنے بھی اس کی کتابی صورت ظاہر تھی۔ قرآن پاک نازل ہونے سے پہلے بھی لوحِ محفوظ میں لکھا تھا۔ پہلے آسمان پر بھی مکتوبی صورت میں اُترا تھا۔ آنحضرتؐ پر وحی اُترتی تو آپ بھی اسے باقاعدگی سے تحریر کرا دیتے۔ اس وقت سے کر آج تک یہ کتابی شکل میں منتقل ہوتا چلا آ رہا ہے۔ گو ہر دور میں لاکھوں سینے بھی اسے محفوظ رکھتے چلے آئے لیکن ماسوائے لمحات نزول کے کبھی اس سے کتابی صورت جدا نہیں ہوئی۔

نزولی ترتیب لوحِ محفوظ کی اصولی ترتیب سے مختلف تھی اس کی وجہ یہ تھی کہ قرآن پاک روزمرہ کے کسی باقاعدہ نظامِ نزول کی بجائے مختلف ضرورتوں اور مختلف موقعوں کے حسبِ حال نازل ہوتا تھا اس کا خاص فائدہ یہ تھا کہ فہمِ قرآن میں کسی قسم کی دقت پیش نہ آتی تھی۔ تاہم جب یہ نازل ہو جاتا تو آنحضرتؐ اسے نزولی ترتیب کی بجائے اسی اصولی ترتیب پر لکھواتے جس ترتیب سے کہ یہ لوحِ محفوظ میں لکھا ہوا تھا۔ آپ کاتبوں کو ہدایت فرما دیتے کہ یہ آیت فلاں سورت[2] میں فلاں مقام پر لکھ لی جائے۔ علامہ طیبی فرماتے ہیں:۔

انزل القرآن اولاً جملة واحدة من اللوح المحفوظ الى السماء الدنيا ثم نزل على حسب المصالح ثم اثبت فى المصاحف على التاليف والنظم المثبت فى اللوح المحفوظ۔[3]

---

[1] سنن ابن ماجہ ص۲۷۶ [2] دیکھیئے جامع ترمذی جلد ۲ ص۱۳۴ دہلی ص۳۶۸ لکھنؤ
[3] الاتقان ص۱۴۶ مصر

ترجمہ۔ قرآن پاک پہلے اکٹھا لوح محفوظ سے نچلے آسمان پر نازل ہوا پھر ضرورت کے مطابق نازل ہوتا رہا پھر اسی ترتیب کے مطابق مصاحف میں لکھا جاتا رہا جو ترتیب لوحِ محفوظ میں موجود تھی۔

حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ جب آیت واتقوا یوماً فیہ ترجعون الی اللہ نازل ہوئی تو حضرت جبریل علیہ السلام نے آنحضرت کی خدمت میں عرض کی کہ اس آیت کو البقرہ کی دوسو اسی آیتوں کے بعد لکھائیں۔[۱]

اس سے پتہ چلتا ہے کہ ترتیب نزولی کے بعد ترتیب اصولی کی طرف رجوع یہ بھی اعلام الٰہی سے تھا اور یہ کہ موجودہ نظم آیات و سور توقیفی ہے۔

کاتبین وحی

آپ نے قرآن پاک لکھنے کے لیے بعض خاص صحابہؓ کو منتخب کر رکھا تھا مکہ میں حضرت صدیق اکبرؓ، فاروق اعظمؓ، عثمان غنیؓ، علی المرتضیٰؓ، عبداللہ بن مسعودؓ اور عبداللہ بن عمرؓ وغیرہ کاتبینِ وحی تھے۔ مدینہ منورہ میں حضرت زید بن ثابتؓ، ابی ابن کعبؓ، معاذ بن جبلؓ، ابوالدرداءؓ، ابو زیدؓ، ابوایوب انصاریؓ، عبداللہ بن عمرؓ، عبادہ بن صامتؓ، تمیم داریؓ، سالم مولیٰ ابی حذیفہؓ، امیر معاویہؓ، عقبہ بن عامر الجہنیؓ، سعد بن عبیدؓ، عبداللہ بن ارقمؓ، حضرت عبداللہ بن رواحہؓ اور دوسرے کئی صحابہؓ اس خدمت کو انجام دیتے تھے۔ مشہور محدث ابن سید الناس (المتوفی ۷۳۴ھ) نے اڑتیس ۳۸ صحابہ کی فہرست پیش کی ہے۔[۲] السیرت الحلبیہ میں بیس ۲۰ کاتبانِ وحی کا انتخاب درج ہے۔[۳]

حافظ ابن حزم اندلسی (۴۵۷ھ) لکھتے ہیں کہ کاتبین وحی میں حضرت زید بن ثابتؓ کے بعد دوسرا نمبر حضرت امیر معاویہؓ کا ہے۔ آپ کی یہ منزلت فتح مکہ کے بعد قائم ہوئی فتح مکہ کے بعد ان دونوں حضرات کا کتابتِ وحی اور اس کے علاوہ حضورؐ کی اور کتابت کے سوا اور کوئی کام نہ تھا۔

---

[۱] دیکھئے تفسیر خازن جلد ص [۲] عیون الاثر جلد ۲ ص ۳۱۵، ۳۱۶ [۳] السیرت الحلبیہ جلد ۲ ص ۳۲۲

کان زید بن ثابت من الزم الناس لذلك ثم تلاہ معاویة بعد الفتح فکان ملازمین لکتابة بین یدیه صلی اللہ علیه وسلم فی الوحی وغیر ذلك لا عمل لهم غیر ذلك۔[1]

ترجمہ: زید بن ثابتؓ اس پر سب سے زیادہ پابند تھے پھر فتح مکہ کے بعد ثانی معاویہؓ ہیں۔ یہ دونوں حضرات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے وحی اور آپ کے دوسرے خطوط وغیرہ کی کتابت کے لیے ملازم تھے ان دونوں کا اس کے سوا کوئی کام نہ تھا۔

پھر خطیب تبریزی (۷۴۳ھ) صاحب مشکوٰۃ اپنی کتاب الاکمال میں حضرت امیر معاویہؓ کے ذکر میں لکھتے ہیں:۔

وھو احد الذین کتبوا الرسول صلی اللہ علیه وسلم الوحی۔[2]

ترجمہ: آپ ان لوگوں میں سے ایک تھے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کاتبینِ وحی تھے۔

حافظ ابن کثیرؒ (۷۷۴ھ) بھی لکھتے ہیں:۔

ان معاویة کان من جملة الکتاب بین یدی رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم الذین یکتبون الوحی۔[3]

ترجمہ: معاویہؓ ان لوگوں میں سے ہیں جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے وحی لکھتے تھے۔

جن حضرات نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں پورا قرآن جمع کر لیا تھا (گو وہ مختلف تحریرات میں کیوں نہ ہو) وہ دس تھے[4] مہاجرین میں حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سرفہرست ہیں۔

---

[1] جوامع السیر ص۲۷ [2] الاکمال ص۶۱۷ [3] البدایہ والنہایہ جلد ۸ ص۱۱۹

[4] طبقات ابن سعد جلد ۲ ص۱۱۲

عہدِ نبوی میں قرآن پاک کے مُرتّب نسخے

مہاجرین میں سے ان صحابہ کرامؓ نے عہدِ نبوی میں ہی پُورا قرآن جمع کرلیا تھا۔

کان ممن جمع القرآن علی عہد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وھو حی عثمان بن عفانؓ، علی بن ابی طالبؓ، عبد اللہ بن مسعودؓ من المھاجرین۔[۱]

ترجمہ: جن لوگوں نے عہدِ نبوی میں ہی قرآن جمع کرلیا ان میں حضرت عثمانؓ، حضرت علی اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہم مہاجرین میں سے تھے۔

انصارِ مدینہ میں سے جن صحابہ کرامؓ نے پُورا قرآن جمع کرلیا تھا ان میں سے پانچ کے نام صحیح بخاری[۲] میں ملتے ہیں۔

۱۔ ابی ابن کعبؓ (۱۹ھ) ۲۔ معاذ بن جبلؓ (۱۸ھ) ۳۔ زید بن ثابتؓ (۴۵ھ)

۴۔ ابوزیدؓ (ھ)۔ ۵۔ ابوالدرداءؓ (۳۲ھ)

حضرت عقبہ بن عامر الجہنیؓ اور حضرت سعد بن عبیدؓ کے لکھے ہوئے دو نسخوں کا پتہ حافظ ابن حجر عسقلانی اور حافظ ابن عبدالبر کے بیانات سے ملتا ہے۔[۳]

ابن ندیم[۴] لکھتے ہیں کہ میں نے ابویعلیٰ حمزہ کے پاس ایک قرآن دیکھا تھا جو ان کے خاندان میں متوارث چلا آرہا تھا۔ یہ نسخہ حضرت علیؓ کے ہاتھ کا لکھا ہُوا تھا۔

پیشِ نظر رہے کہ ابن ندیم کا زمانہ چوتھی صدی کا ہے۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ چوتھی صدی تک وہ نسخہ موجود تھا۔ مشہد کے کتب خانہ رضوی میں حضرت علیؓ کے ہاتھ کا لکھا ہوا ایک اور نسخہ سورۃ ہود سے آخر سورۃ کہف تک اب بھی صحیح سالم موجود ہے۔[۵] چمڑے پر خطِ کوفی میں لکھا ہوا ہے اور موجودہ ترتیب کے بالکل مطابق ہے آخری صفحے پر لکھا ہے۔

۱؎ الاستیعاب جلد ۲ صـ ۳۸۵ وکذلک فی ازالۃ الخفاء جلد ۲ صـ ۲۷۳ ۲؎ جامع بخاری جلد ۲ صـ ۷۴۸ دہلی

۳؎ تہذیب التہذیب جلد ۷ صـ ۲۴۳، الاستیعاب جلد ۲ صـ ۵۶۵ ۴؎ الفہرست صـ ۲۸ ۵؎ مشاہدہ ڈاکٹر اقبال مندرجہ اورینٹل کالج میگزین ۱۹۳۵ء

كتبه علي ابن ابي طالب

حضرت عبادہ بن صامتؓ، ابوایوب انصاریؓ، تمیم داریؓ اور عبداللہ بن عمروؓ کے لکھے ہوئے نسخوں کا ذکر بھی سیر[1] کی کتابوں میں ملتا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمروؓ اپنے قرآن پاک جمع کرنے کا ذکر خود کرتے ہیں:۔

جمعت القرآن وقرأت به كل ليلة فبلغ النبى فقال اقرأه في شهر[2]

ترجمہ: میں نے قرآن کریم پورا جمع کر لیا ہوا تھا اور اسے ہر رات ختم کرتا تھا حضورؐ کو اطلاع ہوئی تو آپ نے فرمایا قرآن پاک کو ایک مہینہ میں ختم کیا کرو۔

ایک دوسری روایت میں ہے کہ بعد میں حضور اکرمؐ نے انہیں ان کی مزید عرض پر پانچ دن میں ختم کرنے کی اجازت بھی دے دی تھی[3]

حضرت عبداللہ بن عمروؓ (۶۷ھ) اپنے کاتب وحی ہونے کی خود شہادت دیتے ہیں:۔

عن عبد الله بن عمرو اذ نحن عند رسول الله صلى الله عليه وسلم نكتب..... الخ (سنن دارمی ص۶۸)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمروؓ کہتے ہیں اس حالت میں کہ ہم (کاتبین وحی) حضورؐ کے پاس کتابت میں مصروف تھے۔ (الحدیث)

عرب کے مشہور شاعر حضرت لبیدؓ جب مسلمان ہوئے تو انہوں نے بھی قرآن لکھنے کو اختیار فرمایا[4]

حضرت امیر معاویہؓ کے کاتب ہونے کا ذکر حدیث[5] و سیر کی کتابوں میں کثرت سے پایا جاتا ہے۔ حضرت زید بن ثابتؓ سے قرآن لکھانے کا یہاں تک اہتمام تھا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان سے پھر لکھا ہوا بھی سنتے تھے اگر کہیں ان سے فروگذاشت ہوتی تو اُسے درست

---

[1] طبقات ابن سعد جلد ۲ ص۱۱۲ [2] رواہ النسائی بسند صحیح کما فی الاتقان ص۱۷۲ ونحوہ فی سنن ابی داؤد جلد ۱ ص۱۹۷ وراجع لہ من حواشی البخاری جلد ۲ ص۴۸ ، ص۷۵۶ [3] جامع ترمذی جلد ۲ ص۱۱۸ لکھنؤ [4] جمہرۃ العرب ص۳۱ [5] صحیح مسلم جلد ۲ ص۳۰۴ مجمع الزوائد جلد ۱ ص۶۰ کشف الاستار ص۱۰۲

کر دیتے۔ زید بن ثابتؓ کہتے ہیں :۔

فاذا فرغت قال اقرء فاقرء ہ فان کان فیہ سقط اقامہ۔[1]

ترجمہ۔ جب میں لکھ چکتا تو آنحضرتؐ فرماتے اب پڑھو پس میں پڑھتا اگر کہیں غلطی ہوتی تو آپ اسے درست فرما دیتے۔

سارا قرآن متفرق اوراق میں لکھانے کے باوجود اُسے یکجا نہ کرنے کی وجہ

علامہ خطابی (۳۸۸ھ) لکھتے ہیں :۔

انما لم یجمع القرآن صلی اللہ علیہ وسلم فی المصحف لما کان یترقبہ من ورود ناسخ بعض احکامہ وتلاوتہ۔[2]

ترجمہ۔ آنحضرتؐ نے قرآن پاک کو ایک ہی مصحف میں یکجا اس لیے نہیں کیا کہ کسی حکم یا آیت کے منسوخ ہونے کا احتمال آخر وحی میں موجود تھا۔

علامہ خطابی کی اس توجیہ کو نقل کرنے کے بعد شیخ الاسلام علامہ عینیؒ (۸۵۵ھ) لکھتے ہیں :۔

فلما انقض نزولہ بوفاتہ صلی اللہ علیہ وسلم الھم اللہ الخلفاء الراسخین ذٰلک وفاءً لوعدہ الصادق لضمان حفظہ علیٰ ھٰذہ الامۃ المحمدیۃ فکان ابتداء ذالک علی ید الصدیق بمشورۃ عمر۔[3]

ترجمہ۔ جب آپؐ کی وفات پر قرآن کا نزول ختم ہوگیا تو اللہ تعالیٰ نے خلفاء راشدینؓ کے دل میں یہ بات ڈال دی تاکہ اس کا وہ سچا وعدہ جو اس امت محمدیہ کے لیے قرآن پاک کو محفوظ رکھنے کا تھا پورا ہو۔ حفاظت قرآن کے وعدہ کو پورا کرنے کی یہ ابتداء حضرت صدیق اکبرؓ کے ہاتھوں حضرت عمرؓ کے مشورہ سے ہوئی۔

---

[1] مجمع الزوائد جلد ۲۰ حضرت زیدؓ کے کاتب وحی ہونے کا بیان بخاری جلد ۲ ص ۶۶۰/۶۶۱، ص ۷۴۵، ترمذی جلد ۲ ص ۱۵۹ لکھنؤ میں دیکھیے [2] اتقان ص ۸۵ [3] عمدۃ القاری جلد ص

قرآن پاک کے عہدِ نبوی کے متعدد مصاحف کی خدمت عہدِ خلافت میں

یکجا ہونے کی خدمت عہدِ خلافت میں

قرآن پاک آنحضرتؐ کے عہدِ مبارک میں پورے کا پورا ضبطِ تحریر میں آچکا تھا اور اکثر صحابہ کرام کے پاس اس کی متعدد نقلیں موجود تھیں۔ تاہم ہر ایک نسخہ متعدد مصاحف پر مشتمل تھا اور آنحضرتؐ کی وفاتِ شریفہ تک قرآن پاک نے ایک شیرازے کی صورت اختیار نہ کی تھی۔ آنحضرتؐ نے یہی پاک صحیفے جن کی ہر سورت گویا ایک مستقل کتاب تھی امت کے سامنے پیش فرمائے

رسول من اللہ یتلوا صحفاً مطھرۃ فیھا کتب قیمۃ (پ۳۰ البینۃ)

ترجمہ۔ خدا کا یہ پیغمبر وہ پاک صحیفے پڑھ رہا ہے جن میں مضبوط تحریریں پائی جاتی ہیں۔

یہ متعدد مصاحف جن کا مجموعی نام قرآن تھا کس کس چیز پہ لکھے گئے؟ اس کے لیے دیکھنا چاہیئے کہ ان دنوں کس چیز سے کاغذ کا کام لیا جاتا تھا:۔

① ادیم (چمڑا)

تحریر کے لیے چمڑے کا استعمال عہدِ جاہلیت سے چلا آتا تھا چمڑے پر قلم کے نقوش دیرپا ہوتے تھے۔[1]

② عسیب (شاخِ خُرما)

کھجور کی ان شاخوں کو جن پر ابھی پتے نہ آئے ہوں گوند وغیرہ سے چکنا بنا کر لکھنے کے قابل بنا لیا جاتا تھا۔

③ لخفہ (سنگِ سفید)

سفید پتھر کی پتلی تختیاں۔ یہ اہم تحریروں اور قانونی وثائق کے لیے عرب میں استعمال ہوتی تھیں۔

---

[1] مرقش اکبر کہتا ہے — الدار قفر والرسوم۔ رقش فی ظھر الادیم قلم۔ محبوب کا مکان اگرچہ ویران ہو چکا ہے تاہم نشانات ایسے موجود ہیں جیسے چمڑے پر قلم کے نقوش ہوں۔

④ کتف

اُونٹ یا بکری کی چوڑی ہڈیاں جو لکھنے کے لیے صاف کر لی جاتی تھیں۔

⑤ قتب (پالان کی لکڑی)

بعض اوقات ان پر یادداشتیں لکھ لی جاتی تھیں۔

⑥ کاغذ

کاغذ کمیاب تھا مگر کہیں کہیں استعمال ضرور ہوتا تھا۔ اہم تحریروں کے لیے اس کی ضرورت محسوس ہوتی تھی۔ اس عہد میں کاغذ کے استعمال پر خود قرآن کریم کی یہ شہادت موجود ہے۔

ولو نزّلنا علیك کتابًا فی قرطاسٍ فلمسوہ بایدیھم لقال الّذین کفروا ان ھٰذا الّا سحرٌ مبین۔ (پ الانعام ۷)

ترجمہ: اگر ہم آپ پر کاغذ میں لکھی لکھائی کتاب اُتار دیتے کہ لوگ اسے اپنے ہاتھوں سے چھو لیں تو پھر بھی کافر یہی کہتے کہ یہ تو کھُلا ہوا جادو ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے آخری وقت میں حضرت علی المرتضیٰ رضؓ کو کاغذ لانے کے لیے کہا تھا تاکہ کچھ وصیت فرما دیں اسے حدیثِ قرطاس کہا جاتا ہے۔ اس روایت سے بھی اس دور میں کاغذ کی دستیابی کا پتہ چلتا ہے۔

قرآن پاک کاغذ کے علاوہ بعض دوسری چیزوں پر بھی لکھا جاتا رہا۔ یہ قرآنی مصاحف آنحضرتؐ کے عہد تک ایک شیرازے میں یک جا نہ ہوئے تھے گو پڑھنے کے اعتبار سے سارا قرآن مرتب تھا مگر ابھی تک اس نے یک جا ہونے کی کتابی صورت نہ پائی تھی۔ آپؐ کے بعد حضرت صدیق اکبرؓ نے حضرت فاروق اعظمؓ کی تحریک اور کاتبین وحی کے تعاون سے اسے ایک شیرازے میں جمع کیا۔ تمام قرآنی رسالے یکجا ہو کر ایک کتابی صورت میں آ گئے۔ حضرت زید بن ثابتؓ جو کاتبانِ وحی میں ممتاز مقام رکھتے تھے خلافت کی طرف سے اس خدمت کے لیے مامور کیے گئے اور قرآن پاک کے جمع و تدوین کی یہ دوسری منزل پوری ہوئی۔ قرآن پاک عہدِ صدیقیؓ میں ایک شیرازے میں جمع ہوا۔ حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں :۔

قد اعلم اللہ تعالیٰ فی القرآن بانہ مجموع فی الصحف فی قولہ تعالیٰ
یتلو صحفاً مطھرۃ الآیۃ وکان القرآن مکتوباً فی الصحف لکن کانت
مفرقۃ فجمعھا ابوبکر ثم کانت بعدہ محفوظۃ الیٰ ان امر عثمان
بالنسخ منھا فنسخ منھا عدۃ مصاحف وارسل بھا الی الامصار۔[1]

ترجمہ۔ بے شک اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں بتلایا ہے کہ قرآن مجید پاک صحیفوں میں جمع ہے اور یہ قرآن ان صحیفوں میں لکھا ہوا تھا لیکن یہ سب صحیفے متفرق اور علیحدہ علیحدہ تھے۔ پس حضرت ابوبکرؓ نے انہیں جمع کر دیا ان کے بعد یہ نسخہ برابر محفوظ رہا۔ یہاں تک کہ حضرت عثمانؓ نے اس کی متعدد نقلیں کرا کر مختلف علاقوں میں بھجوا دیں۔

مشہور مستشرق ولیم میور لکھتے ہیں :۔

لیکن اس بات کے ماننے کی زبردست وجوہ موجود ہیں کہ رسولؐ کی زندگی میں متفرق طور پر لکھے ہوئے قرآن کے نسخے صحابہؓ کے پاس موجود تھے اور یہ کہ حضورؐ کے دعوئے نبوت سے بہت پہلے مکہ میں فنِ تحریر باقاعدہ رائج ہو چکا تھا اور مدینہ جا کر پیغمبر اسلام نے مراسلات کے لیے کئی صحابہؓ کو مقرر کیا ہوا تھا اور ایک قرآن لکھا ہوا موجود تھا اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ جو لوگ جنگِ بدر میں گرفتار ہوئے ان سے اس شرط پر آزاد کرنے کا عہد کیا گیا کہ وہ بعض مدنی آدمیوں کو لکھنا سکھا دیں۔[2]

یہ مختلف صحیفے جن سے حضرت صدیق اکبرؓ نے قرآن کریم کو ایک شیرازے میں جمع کیا ایک ہی سلسلہ کتاب کے متفرق اجزاء تھے جن کی تقدیم و تاخیر اور ایک دوسرے سے نسق و ربط کوئی ڈھکی چھپی بات نہ تھی کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ میں ہی قرآن پاک کے متعدد نسخے تیار ہو چکے تھے۔ اگر ایک نسخے کا ایک حصہ ایک تختی پر اور دوسرا کسی دوسری چیز پر لکھا ہوا ہوتا تھا تو ضروری نہ تھا کہ دوسرے نسخے کے اجزاء بھی

---

[1] فتح الباری جلد ۹ صـ۱۲ [2] دیباچہ لائف آف محمد صـ

انہی مقداروں میں علیحدہ علیحدہ لکھے ہوں ایک نسخے کے دو مختلف اجزاء کا دوسرے نسخے میں یک جا ہوجانا اور پھر اس دوسرے نسخے کی عبارت جہاں ختم ہوتی ہو پہلے نسخے کے آئندہ جزو میں اس عبارت کا اپنے مابعد سے متصل ہوجانا ان سارے اجزائے متفرقہ کے ایک سلسلہ کتاب ہونے کی کافی شہادت تھے۔ پھر حضرت جبریل جب آنحضرتؐ سے ہر سال قرآن پاک کا دور کرتے اور پھر آنحضرتؐ نمازوں میں قرآن پاک کو متواتر پڑھتے تو اس سے قرآن پاک واضح طور پر ایک مربوط سلسلہ کتاب کی صورت میں پیش ہوتا تھا۔

آنحضرتؐ کے عہد مبارک کے صحیفے اگر ایک ہی نسخہ قرآن پر مشتمل ہوتے تو پھر ہوسکتا تھا کہ ان سب اجزاء کا ایک سلسلہ کتاب ہونا موجب دقت ہوتا یا اس کے لیے کسی خارجی شہادت کی ضرورت پڑتی لیکن قرآن پاک عہد نبوت میں جب متعدد نسخوں میں لکھا جاچکا تھا اور ہر ایک کے اجزائے متفرقہ مختلف مقداروں میں مختلف چیزوں پر لکھے ہوئے ملتے تھے تو یہ صورت واقعہ اس امر کی کافی ضمانت ہے کہ قرآن پاک عہد نبوت میں ہی ہر اعتبار سے جمع تھا صرف یکجائی نہ تھی جو عہد خلافت میں پوری ہوئی۔

پھر مختلف تحریروں منتشر رقعوں اور علیحدہ علیحدہ ٹکڑوں کو یک جا کرنے کی کوششیں بھی آنحضرتؐ کے عہد مبارک سے ہی شروع ہوگئی تھیں۔ تاہم کامل یکجائی حضرت صدیق اکبرؓ کے عہد میں عمل میں آئی۔ حاکم نے حضرت زید بن ثابتؓ سے نقل کیا ہے اور اس کی سند کو بخاری و مسلم کی شرطوں پر صحیح بتایا ہے:۔

كنا عند رسول الله نؤلف القرآن من الرقاع۔

ترجمہ۔ ہم لوگ حضورؐ کے سامنے ہی قرآن کو مختلف ٹکڑوں سے لے کر یکجا کیا کرتے تھے[1]

یہ کوشش بجائے خود بڑی مفید رہی لیکن ان کا انفرادی پہلو اور پھر خود تسلسل نزول وحی ان صحیفوں کو ایک کامل یکجا صورت میں نہ لاسکا اور یہ کامل یکسوئی پوری احتیاطی تدابیر اجتماعی کوششوں اور سرکاری اہتمام سے عہد خلافت میں ہی عمل میں آئی۔ حضرت صدیق اکبرؓ

---

[1] فتح الباری پ۲ ص۲۲ دہلی

نے جب حضرت زید بن ثابتؓ کو اس کام کے لیے مامور فرمایا تو حضرت زیدؓ کہتے ہیں:۔

فتتبعتُ القرآن اجمعه من العُسُب واللخاف وصدور الرجال الحديث۔[1]

ترجمہ: میں نے قرآن پاک کو کھجور کی شاخوں، پتھر کی تختیوں اور حافظوں کے سینوں سے جمع کرنا شروع کیا۔

حضرت زیدؓ تالیف قرآن کے لیے اس کے اجزاء کا صرف لکھا ہوا ہونا ہی کافی نہ ضروری سمجھتے کہ ہر تحریر پر دو گواہ شہادت پیش کریں کہ واقعی یہ آنحضرتؐ کے سامنے ہی لکھی گئی تھی۔ پھر اس حصہ قرآن کے آنحضرتؐ کی زبان مبارک سے سُنے ہوتے ہونے پر شہادت لی جاتی تھی اور یہ تمام کوششیں اس حقیقت پر مستزاد ہیں کہ حضرت زیدؓ خود حافظ قرآن تھے۔ آنحضرتؐ کے مقرر کردہ کاتبِ وحی تھے اور خود عہدِ نبوت میں تالیف قرآن کے لیے جدوجہد کرتے رہے تھے۔

حضرت زیدؓ اس کام کی اہمیت کے پیشِ نظر کام کی عظمت اور دِقّت اور محنت کو ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں:۔

فواللّٰه لو كلّفونی نقل جبل من الجبال ما كان اثقل علیّ ممّا امرنی به من جمع القرآن۔[2]

ترجمہ: خدا کی قسم اگر حضرت ابو بکرؓ اور صحابہ کرامؓ مجھے کسی پہاڑ کے اپنی جگہ سے سرکانے کا حکم دیتے تو یہ مجھ پر اتنا گراں نہ ہوتا جتنا وہ حکم تھا جو حضرت ابو بکرؓ نے قرآن یکجا کرنے کا مجھے دیا۔

بہر حال قرآن پاک پورے اہتمام سے ایک شیرازے میں جمع ہوا۔ حضرت صدیق اکبرؓ نے اپنے آخر وقت میں قرآن پاک کا یہ نسخہ حضرت فاروق اعظمؓ کے سپرد کیا اور انہوں نے اپنے آخری وقت میں بدیں وجہ کہ اس وقت تک خلیفہ ثالث کا انتخاب عمل میں نہ آیا تھا، سے اپنی صاحبزادی ام المومنین حضرت حفصہؓ کی تحویل میں دے دیا۔

---

[1] بخاری جلد ۲ صفحہ ۷۴۵ [2] ایضاً

اس وقت تک کل قلمرو اسلامیہ میں قرآن پاک کے لیے صحابہؓ و تابعین کی سینہ بہ سینہ نقل ہی کافی سمجھی جاتی تھی۔ حضرت فاروق اعظمؓ نے اپنے زمانہ خلافت میں قرآن پاک کی حفظ و اشاعت کا نہایت اہتمام کیا اور مختلف دیار و امصار میں آپ نے قرآن کو خوب پھیلایا۔

خلافت فاروقی میں قرآن کریم کی اشاعت

حضرت فاروق اعظمؓ نے صحابہ کرامؓ میں سے حضرت معاذ بن جبلؓ، عبادہ بن صامتؓ، ابوالدرداءؓ، ابی بن کعبؓ اور حضرت ابوایوب انصاریؓ کو بلا کر حکم دیا کہ شام کے علاقہ میں تعلیم قرآن کے لیے نکل جائیں۔ آخرالذکر دونوں بزرگوں نے کچھ اپنی مجبوریاں پیش کیں اور پہلے تین بزرگ اس عظیم القدر مہم پر نکلے پہلے یہ حضرات حمص پہنچے۔ حضرت عبادہؓ وہیں ٹھہر گئے اور قرآن پاک کی تعلیم جاری کی۔ حضرت ابوالدرداءؓ دمشق کو اور حضرت معاذ بن جبلؓ بیت المقدس کی طرف[1] نکل گئے۔ حضرت ابوالدرداءؓ کا طریق تعلیم[2] یہ تھا کہ صبح کی نماز کے بعد مسجد میں بیٹھ جاتے اور قرآن پڑھنے والے سب وہیں بیٹھ جاتے انہیں دس دس کی ٹکڑیوں میں تقسیم کر دیا جاتا اور ہر ایک ٹکڑی پر حضرت ابوالدرداءؓ کا کوئی ایک خاص شاگرد مقرر ہو جاتا تھا۔ ایک دن حلقہ درس میں شامل ہونے والوں کی تعداد معلوم کی گئی تو پتہ چلا کہ سولہ سو طالب علم اس حلقہ درس میں شامل ہیں۔

حضرت فاروق اعظمؓ نے ایسے معلمین بھی مقرر کیے ہوئے تھے جو خانہ بدوش بدویوں میں پھر کر انہیں قرآن پاک کی جبری تعلیم دیتے۔ بدویوں کو بیدار کرنے کے لیے یہ انداز ضروری تھا پھر امتحان کے لیے کسی دوسرے استاد کو بھیجا جاتا تھا جسے قرآن پاک کی کوئی آیت یاد نہ ہوتی اسے حکومت کی طرف سے سزا ملتی تھی۔[3] عمال کو ہدایت تھی کہ معلموں اور قاریوں کی تنخواہیں[4] مقرر کی جائیں۔ حضرت فاروق اعظمؓ نے جب فوجی افسروں کو لکھا کہ اپنے حلقہ کے حفاظ قرآن کو یہاں بھیج دو تاکہ انہیں تعلیم قرآن کے لیے مختلف دیار و امصار میں بھیج دیا جائے تو صرف حضرت سعد بن

---

[1] طبقات ابن سعد، کنزالعمال جلد ۱ ص ۲۸۱ [2] طبقات القراء للذہبی [3] اغانی جلد ۶ ص ۱۵۸
[4] سیرت العمرین لابن الجوزیؒ

ابی وقاصؓ کی فوج میں سے ہی تین سو حفاظ قرآن نکلے۔[1]

اشاعتِ قرآن کے اس اہتمام کے باوجود قرآن پاک کے عام تحریری نسخے ایک ہمہ گیر اصلاح کے محتاج تھے انہیں عہد صدیقی کے مرکزی نسخے سے منطبق رکھنا ضروری تھا سینہ بہ سینہ حفظ و اشاعت زیادہ دیر تک تحریری مصاحف کے لیے قوتِ حاکمہ نہ رہ سکتی تھی ضروراتِ وقت نے سیدنا حضرت عثمانؓ بن عفان کو عہد صدیقی کے مرکزی ٹکسالی نسخے کی باضابطہ نقل و اشاعت کی طرف متوجہ کیا اور غیر محتاط تحریری مسودے سب ناپید ہو گئے حفاظت قرآن کے وعدہ الٰہی کی تکمیل حضرت عثمانؓ کے ہاتھوں انجام پذیر ہوئی اور یہ سعادت فیصلہ ازل میں جن کے نام تھی انہی کے نام سے منصّۂ شہود پر آئی۔

عرب میں مختلف قبائل آباد تھے زبان بے شک سب کی عربی تھی مگر بولیاں مختلف تھیں۔ سب سے زیادہ اختلافات حجازی، نجدی اور یمنی بولیوں dialects میں تھا ہر علاقہ اور ہر قبیلہ کے اپنے محاورات تھے۔ الفاظ کے علاوہ مخارجِ حروف، اعراب، لہجات اوزان میں کافی اختلافات تھے۔ ایک قبیلہ حتّٰی کا تلفظ عتّٰی کرتا تھا اور بنو تمیم میں علامتِ مضارع فتحہ کی بجائے کسرہ سے پڑھی جاتی تھی وہ اِیَّاکَ نَعۡبُدُ کو اِیَّاکَ نِعۡبُدُ پڑھنے میں مجبور تھے۔

عربوں کا سب سے بڑا ادبی، تجارتی اور قومی اجتماع سوق عکاظ مکہ کے پاس ہی منعقد ہوتا تھا۔ یہاں تمام قرب و جوار کے اہل کمال، شعراء اور خطباء اپنے اپنے کمالات دکھلاتے اور اس سالانہ مرکزی اجتماع کے باعث قریش کی زبان خوب منجھتی چلی جاتی۔ قریش خانہ کعبہ کے متولی تھے اور ان کی زبان ارتقائی منازل سے گزر کر عین نقطہ کمال پر پہنچ چکی تھی یہ نزول قرآن کا زمانہ تھا اور یہ عرب کے نامور شہرہ آفاق فصحاء و بلغاء ہی تھے۔ جنہیں قرآن کریم کی ایک سورت کی نظیر لانے کے لیے دعوتِ مبارزت دی گئی تھی۔ مگر تاریخ گواہ ہے کہ قرآن کی مثل لانے سے سب کے سب عاجز رہے اور خدائی کلام اپنی پوری شان کے ساتھ انسانی کلام سے ممتاز رہا۔

قرآن پاک لغتِ قریش میں نازل ہوا لیکن دوسرے قبیلوں کو بھی اپنے اپنے

---

[1] کنز العمال جلد ۱ صفحہ ۲۱۷

لب ولہجہ اور اپنے اپنے اعراب میں پڑھنے کی اجازت تھی اور یہ وسعت خود شارح علیہ السلام کی طرف سے واضح کر دی گئی تھی :-

ان ھٰذا القرآن انزل علیٰ سبعۃ احرف۔[1]

ترجمہ۔ بے شک یہ قرآن سات مختلف حرفوں پر نازل ہوا ہے۔

سات سے عدد معین مراد نہیں کثرت مراد ہے یہ محاورہ ہے۔ پھر حروفِ سبعہ سے یہ مراد نہیں کہ ہر لفظ میں سات لغات یا اعراب ہیں بلکہ مراد یہ ہے کہ ایک لفظ میں زیادہ سے زیادہ سات کے قریب لغات یا اعراب ہو سکتے ہیں۔

حافظ ابن حجر عسقلانی نے اس قسم کے تمام اختلافات کا استقصاء کیا ہے۔ زیادہ تر اختلافات اعراب یا لغات کے ہیں مترادف الفاظ کا اختلاف شاذ و نادر ہے۔ کسی کسی عبارت میں دوسری قرأت زیادہ الفاظ پیش کرتی ہے۔ ان اختلافات سے نہ مفہوم کلام بدلتا ہے اور نہ اسے انسانی زیادتی کہہ سکتے ہیں :-

عن ابن عباس قال ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال اقرأنی جبریل علیٰ حرفٍ فراجعتہ فلم ازل استزیدہ ویزیدنی حتیٰ انتھٰی الی سبعۃ احرف قال ابن شھاب بلغنی ان تلک السبعۃ الاحرف انما ھی فی الامر تکون واحداً لا یختلف فی حلال وحرام متفق علیہ۔[2]

ترجمہ۔ حضور اکرمؐ نے فرمایا کہ جبریل نے مجھے قرآن ایک ہی حرف پر پڑھایا۔ میں اس کی طرف متوجہ ہوا اور برابر طلب زیادت کرتا رہا اور وہ بھی ایک حرف سے زائد پڑھتے رہے یہاں تک کہ یہ وسعتِ قرأت سات تک پہنچی۔ امام زہری کہتے ہیں کہ یہ سات طرز لغت یا اعراب دین میں ایک ہیں حلال وحرام میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔

صحابہ کرامؓ میں بڑے بڑے حافظ اور قاری جو عامۃ الناس کے اختلافات درست

---

[1] صحیح بخاری جلد ۲ صہ [2] مشکوٰۃ باب فضائل القرآن ص۱۹۲ دہلی

کرتے اور ان مشکلات میں ان کی طرف رجوع کیا جاتا۔ یہ سات بزرگ تھے:۔

حضرت عثمان، حضرت علی، حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت زید بن ثابت، حضرت ابوالدرداء، حضرت ابوموسےٰ اشعری، حضرت ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین۔ علاوہ ازیں حضرت معاذ بن جبلؓ، حضرت ابن عباسؓ، اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے بھی عام استفادہ کیا جاتا تھا۔ حضرت ابن عباسؓ نے حضرت ابی ابن کعبؓ اور حضرت زید بن ثابتؓ سے بھی اکتسابِ علم کیا تھا۔[1] مکہ، مدینہ، بصرہ، کوفہ، دمشق اور پوری اسلامی دنیا میں جن لوگوں نے قرآن پڑھایا اور سکھایا اور وہ سب انہی دس بزرگوں کے شاگرد اور شاگرد در شاگرد تھے اور آج قرآن کا سلسلہ اسناد انہی حضرات پر منتہی ہوتا ہے۔

حضرت عثمانؓ جامع آیات القرآن

اسلام کی دعوت جب عجمی ممالک میں پہنچی اور ملتِ اسلامیہ کا دائرہ وسیع تر ہو گیا تو ضرورت محسوس ہوئی کہ قرآن پاک کو اس پہلی ایک ہی قرأت "لغتِ قریش" میں پھیلایا جائے اور سرکاری طور پر اہتمام کیا جائے کہ اختلاف قرأت کہیں اختلافِ قرآن کی شکل اختیار نہ کر جائے پوری کوشش کی جائے کہ قرآن پاک کے نام سے کوئی غیر محتاط تحریر شائع نہ ہونے پائے۔

قرآن پاک کی اس خدمت کی سعادت حضرت عثمانؓ کے نام لکھی تھی۔ آپ نے قرآن پاک کو اسی ایک لغتِ قریش میں جمع کر دیا جو اس کی سب سے پہلی منزل تھی اور جس کے مطابق حضرت صدیق اکبرؓ نے اپنے عہدِ خلافت میں قرآن کا مرکزی نسخہ لکھوایا تھا۔ حضرت عثمانؓ نے سورتوں کو بھی کامل طور پر مرتب کیا جو عہدِ صدیقی کے مرکزی ٹکسالی نسخے میں مختلف رسائل کی صورت میں جمع تھیں۔

حضرت عثمانؓ جب آذربائیجان اور آرمینیہ کی فتح میں مشغول تھے تو حضرت حذیفہؓ جو آنے والے واقعات اور اخبار فتن پر امتیازی نظر رکھتے تھے آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اختلاف قرأت سے اندیشناک ہو کر بارگاہِ خلافت میں عرض کی:۔

---

[1] الاتقان جلد ۱ صد ۲۰۷

يا امير المؤمنين ادرك هذه الامّة قبل ان يختلفوا فى الكتاب اختلاف اليهود والنصارىٰ۔[1]

ترجمہ۔ اے امیر المومنین! اس امت کو سنبھال لیجئے پیشتر اس کے کہ وہ قرآن پاک میں اسی طرح کا اختلاف کرنے لگیں جیسا کہ یہود و نصاریٰ نے کیا تھا۔

اس پر حضرت عثمانؓ نے ام المومنین حضرت حفصہؓ سے عہد صدیقی کا مرکزی نسخہ منگوا کر حضرت زید بن ثابتؓ کو جو عہدِ نبوت اور عہد صدیقی میں قرآن کی جمع و تدوین میں کام کر چکے تھے اور جمع قرآن کی پہلی دو منزلوں میں معتمد علیہ رہ چکے تھے حکم دیا کہ اس کی متعدد نقلیں کی جائیں حضرت عبداللہ بن زبیرؓ، سعد بن عاصؓ اور عبدالرحمن بن حارثؓ حضرت زیدؓ کے معاون مقرر ہوئے۔ حضرت زیدؓ چونکہ قریش میں سے نہ تھے اس لیے حضرت عثمانؓ نے حکم دیا کہ جب تمہارا اور زید بن ثابتؓ کا کسی بات میں اختلاف ہو تو اسے قریش کی زبان میں لکھو۔ کیوں کہ قرآن کی پہلی تنزیل لسانِ قریش تھی اور وہ سب سے پہلے قریش کی زبان میں ہی نازل ہوا تھا۔

حضرت عثمانؓ کے قرآن پاک کو قریش کی ایک قرأت پر جمع کرنے کے بعد وہ قرآت جو آنحضرتؐ سے ثابت اور بعض صحابہؓ کی معمول و مختار تھیں صرف بطور روایت باقی رہیں اور پوری امتِ اسلامیہ میں اس کا التزام ہو گیا کہ قرآن کا ٹکسالی نسخہ صرف ایک رہے اور اسی کی نقلیں سارے بلادِ اسلامیہ میں رائج ہوں۔ حضرت امیر المومنینؓ کے حکم سے مکہ، یمن، بحرین، کوفہ، مصر اور شام وغیرہ میں اسی مرکزی نسخہ کی سرکاری نقول بھجوادی گئیں۔ مدینہ منورہ کا مرکزی نسخہ امام کہلاتا تھا۔

احوال مصاحفِ عثمانیہ

ساتویں صدی ہجری کے مشہور مؤرخ علامہ ابوالقاسم تجیبی کہتے ہیں کہ حضرت عثمانؓ نے قرآن پاک کی جو نقل شام بھجوائی تھی میں نے ۶۵۷ھ میں اس کی زیارت کی۔ شام کا یہ مصحف دمشق کی جامع مسجد کے ایک محراب میں رکھا تھا۔[2] مکہ معظمہ کے مصحف عثمانی کو میں نے

---

[1] بخاری جلد ۲ ص۷۴۶ [2] مولانا شبلیؒ لکھتے ہیں کہ میرے سفر قسطنطنیہ کے زمانے تک دمشق میں یہ مصحف موجود تھا۔ (مقالات شبلی ص۲۳)

قلمرو اندلس میں دیکھا تھا اہل اندلس اس مصحف کی نسبت یہ عقیدہ رکھتے تھے کہ یہ وہی مصحف ہے جس پر شہید ہوتے وقت حضرت عثمانؓ کا خون گرا تھا. اس میں آیت فسیکفیکھم اللہ پر خون کے نشانات موجود تھے۔

علامہ مقریزی کتاب الخطط میں اس سے متفق نہیں کرتے وہ کہتے ہیں کہ قرآن پاک کے جس نسخہ پر خونِ شہید کے قطرے گرے تھے وہ مدینہ منورہ کا مرکزی نسخہ تھا مکہ معظمہ والا نسخہ نہ تھا. مصحفِ امام جو بوقت شہادت حضرت امیر المؤمنین کے پاس تھا مدینہ منورہ والا مرکزی نسخہ تھا.

معلوم ہوتا ہے کہ اہلِ مکہ نے اپنے مصحف کو مصحفِ امام سے مشابہ کرنے کے لیے آیت مذکورہ پر خوشبو کے خون کے سے نشانات بنا لیے ہوں گے اور زمانے کے انقلاب کے ساتھ یہی قرآنی نسخہ پھر کسی طرح اندلس پہنچ گیا ہوگا. مسلمانوں کا پرانا رواج ہے کہ آثارِ سلف کی یادیں نہایت عقیدت سے محفوظ رکھتے ہیں ہو سکتا ہے انہوں نے اس عقیدت سے یہ نشانات لگا لیے ہوں.

آٹھویں صدی کے مؤرخ عبدالملک کہتے ہیں کہ میں نے مکہ، مدینہ اور دمشق والے مصاحفِ عثمانی کی ۷۳۵ھ میں زیارت کی تھی ان مصاحف میں سے ایک مصحف خدا جانے کیوں کر اندلس پہنچ گیا. قرطبہ کی جامع مسجد میں ایک مدت تک یہ مصحف احترام و تکریم سے دیکھا جاتا رہا ہے.

مشہور سیاح ابن بطوطہ لکھتا ہے کہ وہی امام نامی مصحف جس پر خونِ شہید کے نشانات تھے میں نے بصرہ کی جامع مسجد میں دیکھا تھا.

بعض حضرات کی رائے ہے کہ اب وہ مصحف روس کے قدیمی مرکز میں موجود ہے واللہ اعلم بالصواب.

ان تاریخی حوالوں سے ہمیں یہ ظاہر کرنا ہے کہ حضرت عثمانؓ نے قرآن پاک کی جو ٹکسالی نقول مختلف بلاد میں بھجوائی تھیں مؤرخین ان قدیم نسخوں کی صدیوں تک نشاندہی کرتے رہے ہیں مرزا احمد سلطان گورگانی نے تصحیف الکاتبین[1] کے شروع میں علامہ سمہودی کی کتاب وفاء الوفاء

---

[1] تفصیل کے لیے نفح الطیب جلد ۱ ص ۲۸۳ مطبوعہ مصر [illegible] مطبوعہ مطبع یوسفی دہلی ۱۹۱۸ء

کے حوالے سے یہ دعویٰ کیا ہے کہ مصحف امام حضرت امیرالمؤمنینؓ کی شہادت کے دن ہی ضائع ہوگیا تھا۔ راقم الحروف کے نزدیک خاور گورگانی کا یہ خیال صحیح نہیں اور وہ ان کے اختلافِ عقیدہ پر مبنی ہے۔ خاور صاحب کا استدلال اس روایت سے ہے :۔

"حجاج بن یوسف نے قرآن پر اعراب لگوا کر اس کے نسخے بلادِ اسلامیہ میں بھجوائے تو حضرت عثمانؓ کی اولاد کو یہ امر ناگوار گزرا ان سے یہ کہا گیا مصحف امام نکالو جو حضرت عثمانؓ پڑھا کرتے تھے تو انہوں نے جواب دیا کہ وہ مصحف تو بروز شہادت امیرالمؤمنین ہی ضائع ہوگیا تھا۔"

ہمارے نزدیک اولادِ عثمان کا یہ جواب اس مصحف امام کو حجاج کے حوالے کرنے سے بچنے کے لیے ہوسکتا ہے وہ اسے بغیر اعراب یادگارِ سلف کے طور پر اپنے خاندان میں رکھنا چاہتے ہوں گے۔ نیز اس روایت سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ وہ مصحف امام اس دن غائب ہونے کے بعد پھر کسی اور موقعہ پر بھی ظاہر نہ ہوا ہوگا۔ علامہ سمہودیؒ دوسرے مقام پر لکھتے ہیں :۔

"ابن قتیبہ (متوفی ۲۷۶ھ) کا بیان ہے کہ وہ قرآن پاک جو بوقت شہادت حضرت عثمانؓ کے پاس تھا ان کے بیٹے خالد کے پاس موجود تھا پھر اس کی اولاد میں رہا۔۔۔۔۔ اب شام کے بعض مشائخ نے بتایا ہے کہ وہ سرزمین طوس میں موجود ہے۔"

پھر علامہ ابوعبید القاسم بن سلام (متوفی ۲۲۴ھ) کی کتاب القرآآت سے نقل کرتے ہیں کہ :۔

"میں نے حضرت عثمانؓ کا مصحف خود دیکھا ہے اسے امام کہتے ہیں وہ بعض امراء کے خزائن میں محفوظ تھا جو مجھے دکھانے کے لیے لایا گیا میں نے اس پر امیرالمؤمنین کے خون کے نشانات دیکھے ہیں۔"

ان روایات سے پتہ چلتا ہے کہ مصحف امام حضرت امیرالمؤمنینؓ کی شہادت کے

---

[1] وفاء الوفاء جلد ۱ صفحہ ۴۸۲

دن ضائع نہیں ہوا تھا اور مصاحف عثمانی کے تاریخی نسخے آٹھویں صدی ہجری تک عام دیکھے جاتے رہے ہیں۔

اجتماع العوام علی مصحف الامام

جن لوگوں نے آنحضرتؐ کی حیاتِ اولیٰ میں قرآن پاک کی متفرق نقلیں لے رکھی تھیں، انہوں نے ان میں لسانِ قریش کا التزام نہ کیا تھا اور مختلف جگہوں پر مختلف قرآآت بھی درج تھیں اسی طرح عہدِ صدیقی میں قرآن پاک کی یکجائی کے باوجود عوامی نسخے مختلف قرآآت پر مشتمل تھے بعض بزرگوں نے کچھ تفصیلی نوٹ بھی ساتھ لکھ رکھے تھے۔ قرنِ اوّل کے لوگ اس میں اشتباہ کا شکار نہ ہوتے تھے لیکن آنے والے دور میں اختلافات قرآآت اور تفسیری نوٹوں سے وحدت ملی اور اعتقادی اسلامیت کے نذر انتشار ہونے کا بہت اندیشہ تھا۔ بالخصوص جبکہ عجمی لوگ جوق در جوق اسلام میں داخل ہو رہے تھے اور وہ متن اور شرح میں فرق کرنے پر ہرگز قادر نہ تھے۔ ان حالات میں صحابہ کرامؓ کی نظر بصیرت اس فیصلے پر پہنچی کہ پورے بلادِ اسلامیہ میں ایک بھی مصحف ایسا نہ رہے جو مدینہ منورہ کے ٹکسالی نسخے اور مصحف امام سے مختلف ہو جس جس نسخے پر تشریحی نوٹ یا اختلافاتِ قرآآت منسوخ التلاوت آیات درج ہوں ان سب کو مرکزی معیاری نسخے سے ہم آہنگ کیا جائے اور مواقع اختلاف کو محو کر دیا جائے یا کھرچ دیا جائے یا دھو دیا جائے تاکہ قرآن اور غیر قرآن میں کوئی اشتباہ پیدا نہ ہو اور نہ اختلافِ لغات و اعراب ملت میں کسی انتشار کا سامان بنے۔

اس طرح تمام قلمرو اسلامیہ کے عوام ایک مصحف امام پر جمع ہو گئے عوام کو محفوظ رکھنے کے لیے خواص کو بھی ان اختلافات کے باقی رکھنے کی اجازت نہ دی گئی مصحف امام (مدینہ منورہ کے مرکزی نسخہ قرآن) کی پشت پر یہ عبارت لکھی ہوئی تھی:-

هذا ما اجمع علیه جماعة من اصحاب رسول الله صلی الله علیه وسلم
من زید بن ثابتؓ وعبد الله بن الزبیرؓ وسعید بن العاصؓ۔

(اس کے بعد کچھ اور صحابہؓ کے نام بھی اس میں تھے۔

مصحف امام جیسے صحیح اور غیر مشتبہ نسخوں کے سوا دوسرے مصاحف میں جو کچھ تفسیری نوٹ، اختلافِ قرأت اور منسوخ التلاوت آیات وغیرہا کے اندراجات تھے ان سب کے متعلق حکم صادر ہوا کہ ایسی تمام عبارات کو ہر صحیفہ اور مصحف میں سے کھُرچ دیا جائے تاکہ مظنہ اشتباہ باقی نہ رہے۔

امر بما سواہ من القرآن فی کل صحیفة او مصحف ان یحرق۔ [1]

ترجمہ۔ حضرت عثمانؓ نے حکم دیا کہ ہر صحیفہ یا مصحف میں سے جو کچھ قرآن کے ماسوا لکھا ہے اسے چھیل [3] دیا جائے۔

ایک غلط فہمی کا ازالہ

یُحْرَقُ کے دو معنی ہو سکتے ہیں۔ ۱۔ اسے اِحراق (باب افعال) سے مانا جائے اور اس کے معنی جلانے کے کیے جائیں۔ ۲۔ اسے ثلاثی مجرد حَرَقَ یُحْرُقُ سے لیا جاتے اور اس کے معنی کسی آلہ سے رگڑ کر چھیل ڈالنے اور کھُرچ دینے کے کیے جائیں کلامِ عرب میں اس لفظ کے یہ معنی بھی عام ملتے ہیں۔ حدیث میں ہے:۔

یحرقون انیا بھم غیظاً وخنقاً۔ [2]

ترجمہ۔ اہلِ جہنم غصّے اور گھٹن سے اپنے دانتوں کو رگڑتے ہوں گے۔

---

[1] بخاری جلد ۲ ص ۷۴۶ [2] مجمع البحار ص ۲۵۶

[3] تاج العروس شرح قاموس میں ہے حَرَقَهٗ (ای الحدید بالمبرد) یحرقه حرقاً من حد نصر بردہ وحك بعضه ببعض (تاج العروس جلد ۶ ص ۳۱۱ مصر) لسان العرب میں ہے۔ حرق نابه یحرقه ای سحقه حتی سمع له صریف (لسان العرب جلد ۱ ص ۴۴) مجمع البحار میں ہے۔ انه نھیٰ عن حرق النواة ھو بردھا بالمبرد (مجمع البحار ص ۲۵۶) قاضی بیضاوی سورۂ طٰہٰ کی تفسیر میں لنحرّقنّه کی بحث میں لکھتے ہیں۔ او بالمبرد علیٰ انه مبالغه فی حرق اذا برد بالمبرد (بیضاوی ص ۳۱۹ مصر) لسان العرب میں ہے۔ قرء علی کرم اللہ وجهه لنحرّقنّه ای لنبرّدنّه۔ (لسان العرب جلد ۱۰ ص ۴۵ مطبوعہ مصر)

لسان العرب میں اس حدیث کے معنی یہ ہیں :۔

وفی الحدیث یَحرُقُونَ انیا بھم غیظاً وحنقاً ای یحکّون بعضہا ببعض[1]

صحیح بخاری کی اس روایت میں ان یحرق کے الفاظ بصیغہ مجہول ملیں اور مجہول کا یہ صیغہ باب افعال اور ثلاثی مجرد دونوں سے آسکتا ہے۔ اب دیکھنا چاہیئے کہ امیر المومنین کے حکم میں اصل مراد کیا تھی؟ وہ یہی تو تھی کہ قرآن کے سوا جو کچھ لکھا ہے اسے مٹا دیا جائے۔

مجمع البحار میں ہے :۔

لان المحرق ھو القرآن المنسوخ او المختلط بغیرہ من التفسیر او بلغة غیر[ع] قریش او القرأت الشاذة۔[2]

ترجمہ۔ جو عبارات چھیلی گئی تھیں وہ وہی تھیں جو منسوخ التلاوت آیات تھیں یا تفسیری نوٹوں سے مخلوط ہو گئی تھیں یا غیر قریش کی لغات تھیں یا شاذ قرأتوں پر مشتمل تھیں۔

محروق ثلاثی مجرد کے باب سے ہے باب افعال سے مفعول مُحرَقٌ آتا ہے پس جلانے کی معنی صحیح نہیں جلانے کا معنی کرنے میں سب سے بڑی دقت یہ ہے کہ کسی کتاب سے غیر مطلوب عبارتوں کو چھیل ڈالنا ممکن ہے لیکن کتاب کو باقی رکھتے ہوئے بعض عبارتوں کو جلانا کسی طرح ممکن نہیں اس طرح تو ساری کتاب جل جائے گی۔

یہ تو ظاہر ہے کہ حضرت عثمانؓ کا یہ حکم قرآن کے ماسوا منسوخ التلاوت آیات یا تفسیری نوٹوں وغیرہ ہی پر مشتمل تھا قرآن کے پورے نسخے سے متعلق ہرگز نہ تھا اب یہ تو ممکن ہے کہ غیر مطلوب عبارات کو کھرچ کر اصل کتاب کو محفوظ کر لیا جائے لیکن یہ کسی طرح ممکن نہیں کہ بعض عبارات کو جلا کر باقی کتاب کو بچایا جا سکے تعجب ہے کہ بعض لوگوں نے اس کے معنی جلانے کے کیسے کر دیئے یہ تو کسی طرح تصور میں نہیں آسکتا۔ غالباً یہی وجہ ہے کہ اس روایت کے کسی صحیح طریق میں اَن یُحرقَ کے ساتھ بالنار وغیرہ کے الفاظ نہیں ملتے۔

---

[1] لسان العرب جلد ۱۰ صفحہ ۴۴ [ع] اصل عبارت میں کاتب کی غلطی سے "غیر" کا لفظ رہ گیا تھا اسے ہم نے صحیح بخاری جلد ۲ صفحہ ۷۴۶ کے حواشی سے درست کر دیا ہے [2] مجمع البحار صفحہ ۲۵۶

امام الائمہ حضرت امام محمدؒ کی بلند پایہ کتاب "سیر کبیر" امام سرخسی کی شرح کے ساتھ چار جلدوں میں حیدر آباد دکن سے شائع ہوئی ہے۔ اس میں اس مسئلے کے ضمن میں کہ جب مسلمانوں کو مالِ غنیمت میں کوئی مصحف ملے اور یہ پتہ نہ چلے کہ اس میں کیا لکھا ہے کہیں تورات و زبور تو نہیں اس کی بیع اور تقسیم بین الغانمین جائز نہیں۔ حضرت امام محمدؒ لکھتے ہیں:-

ولا ینبغی له ان یحرق بالنار ذلك ایضًا لانّه من الجائز ان یکون فیه شیءٌ من ذکر الله تعالیٰ او مما هو کلام الله تعالیٰ ففی احراقه بالنار من الاستخفاف مالا یخفی والذی یروی عن عثمان انه فعل ذٰلك بالمصاحف المختلفة حین ارادجمع الناس علی مصحف واحد لایکاد یصح فالذی ظهر منه من تعظیم الحرمة لکتاب الله تعالیٰ والمداومة علیٰ تلاوته آناء اللیل والنهار دلیل علیٰ انه لا اصل لذلك الحدیث۔[1]

ترجمہ۔ امیرِ لشکر کے لیے جائز نہیں کہ اس مصحف کو آگ میں ڈالے کیوں کہ ہو سکتا ہے کہ اس میں ذکرِ الٰہی یا کلامِ الٰہی میں سے کچھ ہو پس اسے آگ میں جلانے سے اس کی بے حرمتی ہے جو ظاہر ہے اور وہ جو حضرت عثمانؓ کی نسبت کہا جاتا ہے کہ جب انہوں نے لوگوں کو ایک مصحف پر جمع کرنا چاہا تھا تو مصاحف مختلفہ جلا دیئے تھے سو یہ روایت صحیح نہیں۔ حضرت عثمانؓ سے کتاب اللہ کی جو تعظیم و حرمت اور رات دن اس کی تلاوت اور اس پر مداومت منقول ہے وہ اس بات کی دلیل ہے کہ ان کے متعلق قرآن جلانے کی روایت بالکل بے بنیاد ہے

حضرت امام محمدؒ کے اس فیصلے کی روشنی میں ہم صحیح بخاری کی روایت میں ان یحرق کے معنی کھرچنے اور رگڑنے کے ہی کریں گے جلانے کے معنی ہوں تو پھر اس روایت کی صحت تسلیم نہ ہوگی۔ حالانکہ یہ صحیح بخاری کی روایت ہے اور اسناداً بالکل صحیح ہے جلانے کے معنی

---

[1] سیر کبیر جلد ۲ ص ۲۷۷

کی صورت میں اس کا حضرت امام محمدؒ کے فیصلے سے کھلا تصادم ہوگا۔ پس ترجیح سے تطبیق اولیٰ ہے اور جلانے وغیرہ کے معنی یہاں ہرگز نہیں لیے جا سکتے۔

حضرت عثمانؓ کی یہ کاوش صرف اس لیے تھی کہ قرآن کریم کو غیر قرآنی اختلاط سے محفوظ کر لیا جائے نہ کہ قرآن کے سب سے پرانے نسخے ہی ضائع کر دیئے جائیں اس تحریک کا مقصد قرآن کی تجرید اور تحفظ کے سوا اور کچھ نہ تھا محدث عبدالرزاق اپنے "مصنف" میں ابواب صوم کے آخر میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا:-

جردوا القرآن لا تلحقوا به ماليس منه۔[1]

ترجمہ۔ قرآن پاک کو غیر قرآنی عبارات سے جدا رکھو اس میں ان ان جملوں کو نہ ملاؤ جو قرآن میں سے نہیں۔

ابراہیم حربی "غریب الحدیث" میں لکھتے ہیں کہ اس حکم تجرید میں دو احتمال ہیں۔ ۱۔ تجرید فی التلاوۃ۔ ۲۔ تجرید فی الخط۔ مشہور محدث حافظ زیلعیؒ فرماتے ہیں کہ یہاں دوسرے معنی مراد ہیں۔[2]

رفع اختلاف کا ایک اور انداز

صحیح بخاری کی روایت میں اَنْ یُحْرَقَ کے الفاظ مختلف فیہ ہیں بعض نسخوں میں اَنْ یُحرَق کے الفاظ ہیں اور بعض نسخوں میں ان کی بجائے ان یُخْرَقَ کے الفاظ ملتے ہیں۔ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ بڑے وثوق سے لکھتے ہیں:-

فی روایۃ الاکثر ان یخرق بالخاء المعجمۃ وھو اثبت۔[3]

ترجمہ۔ صحیح بخاری کے اکثر نسخوں میں یحرق کی بجائے یخرق ہے اور یہی باعتبار ثبوت پختہ ہے۔

یخرق کے معنی چھیل دینے اور الفاظ کو توڑ دینے کے ہیں یہ معنی یحرق کے ان معنی

---

[1] المصنف لعبدالرزاق جلد صـ [2] نصب الرایہ فصل فی البیع جلد ۳ صـ ۲۹۹ مطبوعہ مصر الثانی اولیٰ
[3] فتح الباری جلد ۹ صـ ۱۶

کے بھی بہت قریب ہیں جو ہم نے پہلے بیان کیے ہیں اختلاف نسخہ کا قرینہ بتا رہا ہے کہ یحرق کے معنی بھی جلانے کی بجائے چھیل ڈالنے کے ہی کیے جائیں محدث شہیر ملا علی قاری مشکوۃ کی شرح میں لکھتے ہیں :۔

قد یروی بالمعجمة ای ینقض و یقطع ذکره الطیبی وقال العسقلانی فی روایة الاکثر ان یخرق ۔[1]

ترجمہ. بخاری کی یہ روایت ان یخرق کے طور پر بھی مروی ہے اس کے معنی الفاظ کو توڑ دینے کے ہیں اکثر نسخوں میں اسی طرح ہیں۔

حضرت امام جعفر صادق سے بھی منقول ہے :۔

لا تحرقوا القراطیس ولکن امحوها وخرقوها ۔[2]

ترجمہ. پاک کاغذوں کو جلایا نہ کرو الفاظ کو محو کر دیا کرو اور انہیں کاٹ چھیل دیا کرو۔

پیش نظر رہے کہ مصاحف مقدسہ کو پہلے دھو ڈالنا اور پھر جلانا ہرگز موجب استخفاف نہیں حضرت امام محمد جس جلانے کو بے ادبی اور توہین قرار دے رہے ہیں وہ دھونے کے بغیر ہے۔ قاضی عیاض بڑے وثوق سے کہتے ہیں کہ صحابہ نے بھی مصاحف مختلفہ کو پہلے پانی سے صاف کر لیا تھا اس صورت میں اَنْ یُحَرِّقَ کے معنی جلانے کے بھی کر لیے جائیں تو بخاری کی روایت حضرت امام محمد کے فیصلے سے نہیں ٹکراتی۔

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں :۔

جزم عیاض بانهم غسلوها بالماء ثم احرقوها مبالغة فی اذهابها ۔[3]

ترجمہ. قاضی عیاض بڑے وثوق سے کہتے ہیں کہ پہلے انہوں نے تحریرات کو پانی سے صاف کر لیا تھا اور پھر انہیں جلایا تھا۔

ملا محمد بن یعقوب الکلینی حضرت امام موسیٰ کاظم سے روایت کرتے ہیں :۔

هل تحرق بالنار شیء من ذکر الله عزوجل قال « لا » تغتسل بالماء اولا قبل[4]

---

[1] مرقات جلد ۵ صـ [2] اصول کافی جلد ۲ صـ ۶۷۳ [3] فتح الباری جلد ۹ صـ ۱۵ [4] اصول کافی جلد ۲ صـ ۶۷۳

ترجمہ: کیا وہ کاغذات جلائے جا سکتے ہیں جن میں اللہ کا ذکر ہو۔ آپ نے فرمایا البتہ جلانے سے پہلے دھولیا جائے۔

معلوم ہوا کہ دھو کر جلانا موجبِ اعتراض نہیں۔ پس دھونے کی روایت کو ان تمام روایات میں محذوف مانا جائے گا جو اس سے خالی ہیں قاضی عیاض کو اس پر بڑا وثوق ہے۔

تحقیق یہ ہے کہ بخاری کی روایات میں ان یحرق کے معنی جلانے کے نہیں اور بخاری کی اصل روایت ان یحرق کے الفاظ سے بھی نہیں۔ علی سبیل التنزل دھونے کی قید بھی موجود ہے جو ہر روایت میں ملحوظ ہو گی پس حضرت عثمانؓ کے اس عمل میں کوئی پہلو محلِ اعتراض نہیں ہے۔

یاد رہے کہ حضرت عثمانؓ نے قرآن پاک کو فتنۂ اختلاف سے بچانے کے لیے جو کچھ کیا سب اکابر صحابہؓ اس میں شریک تھے۔ حضرت علی المرتضیٰؓ ارشاد فرماتے ہیں۔

لا تقولوا فی عثمان الا خیرًا فواللہ ما فعل الذی فعل بالمصاحف الا عن ملأ منا۔[1]

ترجمہ: حضرت عثمانؓ کے حق میں سوائے نیکی کے کچھ نہ کہو خدا کی قسم جو کچھ انہوں نے مصاحف کے ساتھ کیا وہ ہم سب صحابہؓ کی موجودگی میں کیا (یعنی ان کی رضامندی سے کیا)۔

بلکہ فرماتے ہیں:۔

لو ولیت لعملت بالمصحف الذی عملہ عثمان[2]

ترجمہ: اگر میں والی بنا دیا جاتا تو میں بھی قرآن پاک کے ساتھ وہی معاملہ کرتا جو حضرت عثمانؓ نے کیا تھا۔

اب جو قرآن پاک ہمارے سامنے ہے وہ مصحف امام کے بالکل مطابق ہے مصحف امام کی اصل مصحفِ صدیقی تھی اور مصحف صدیقی ہو بہو بلا ایک حرف کی کمی بیشی کے وہی تھا جو آنحضرتؐ نے اپنے سامنے مختلف چیزوں پر لکھوایا ہوا تھا اور جیسے کہ آپ اور آپ کے اصحاب شب و روز اپنی قرأت اور تلاوت میں محفوظ رکھتے تھے۔

---

[1] فتح الباری جلد ۹ صفحہ ۱۵ [2] روح المعانی صفحہ ۲۳

سوید بن غفلہ کہتے ہیں میں نے حضرت علی المرتضیٰؓ کو کہتے ہوئے سُنا:۔

یاایھا الناس لا تغلوا فی عثمان ولا تقولوا له الا خیرًا فی المصاحف احراق المصاحف فواللہ ما فعل الذی فعل فی المصاحف الا عن ملاء منا جمیعًا۔[1]

ترجمہ: اے لوگو! حضرت عثمانؓ کے بارے میں کوئی زیادتی نہ کرو اور آپ کے بارے بسلسلہ مصاحف اور احراق مصاحف کلمہ خیر کے سوا اور کچھ نہ کہو خدا کی قسم آپ نے مصاحف کے بارے میں جو کچھ کیا ہم سب کے مشورہ سے کیا تھا۔

اور فرمایا:۔

رحم اللہ عثمان لو ولیته لفعلت ما فعل فی المصاحف۔[2]

ترجمہ: اللہ تعالیٰ حضرت عثمانؓ پر رحم فرمائے اگر میں بھی والی بنایا گیا ہوتا تو مصاحف کے بارے میں وہی کچھ کرتا جو آپ نے کیا ہے۔

اب پانچویں صدی کی ایک اجماعی شہادت حافظ ابن عبدالبر مالکی (۴۶۳ھ) سے بھی لے لیں آپ لکھتے ہیں:۔

واجمع العلماء ان ما فی مصحف عثمان بن عفانؓ وھو الذی بایدی المسلمین فی اقطار الارض حیث کانوا ھو القرآن المحفوظ الذی یجوز لاحد ان یتجاوزہ ولا تحل الصلوٰۃ لمسلم الا بما فیه۔[3]

ترجمہ: اور اس پر سب علماء کا اجماع ہو چکا ہے کہ مصحف عثمان جو آج ساری دنیا میں مسلمانوں کے ہاتھوں میں ہے وہ جہاں کہیں بھی ہوں وہی قرآن محفوظ ہے کسی کے لیے یہ نہیں کہ اس سے تجاوز کرے۔ اور مسلمان کی نماز اسی سے ہو سکتی ہے جو اس میں ہے۔

ایک کتاب التمہید محمد بن یحییٰ بن ابی بکر الاشعری کی بھی ہے اس کا پورا نام کتاب التمہید الایمان فی مقتل الشہید عثمانؓ ہے۔ اس میں یہ بھی ہے:۔

---

[1] کتاب المصاحف لابی داؤد السجستانی صفحہ ۲۲ [2] ایضاً صفحہ ۲۳ تفسیر البرہان فی علوم القرآن جلد ۱ صفحہ ۲۴۰
[3] کتاب التمہید لما فی الموطا من المعانی والمسانید جلد ۴ صفحہ ۲۷۸

فعل ذٰلک عثمان ولو کان منکراً لکان علیٰ غیرہ لما صار الامر الیہ فلما لم یغیرہ علیٰ ان عثمان کان مصیباً فی ما فعل۔[1]

ترجمہ عثمانؓ نے ایسا کیا کہ اگر یہ بات غلط ہوتی تو حضرت علیؓ جب خلیفہ ہوئے تو اسے ضرور بدل دیتے جب آپ نے اس ترتیب میں تبدیلی نہ کی تو معلوم ہوا کہ عثمانؓ اپنے عمل میں راستی پر تھے۔

اگر یہ کہا جائے کہ یہ صحیح ہے کہ حضرت علی المرتضیٰؓ نے آپ کی مخالفت نہ کی لیکن حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے تو آپ کی مخالفت کی تھی اور آپ کا علمی مقام کسی صورت میں کسی دوسرے صحابی سے کم نہ تھا۔

ہم جواباً کہیں گے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے اپنے اس اختلاف سے رجوع کر لیا تھا اور آپ صحابہؓ کے اس اجماع میں شامل ہو گئے تھے۔ حافظ ابن کثیرؒ (۷۷۴ھ) لکھتے ہیں :-

فکتب الیہ عثمان یدعوہ الی اتباع الصحابۃ فیما اجمعوا علیہ من المصلحۃ فی ذلک وجمع الکلمۃ وعدم الاختلاف فاناب واجاب الی المتابعۃ و ترک المخالفۃ رضی اللہ عنہم اجمعین۔[2]

ترجمہ حضرت عثمانؓ نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کو لکھا کہ وہ بھی صحابہؓ کے ساتھ چلیں اس میں جس کے درست ہونے پر سب کا اجماع ہو چکا۔ اتحاد میں شامل رہیں اور اختلاف نہ کریں۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اس پر جھک گئے اور صحابہؓ کی پیروی مان لی مخالفت چھوڑ دی۔ اللہ تعالیٰ ان سب پر راضی ہو۔

افسوس کہ بعض لوگ حضرت عثمانؓ اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے اس اتفاق سے بہت پریشان ہیں اور انہوں نے ان دونوں میں عداوت ظاہر کرنے کی ایسی روایات گھڑ رکھی ہیں کہ الامان والحفیظ۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی وفات کے بارے میں یہ روایت قطعاً جھوٹ ہے کہ حضرت عثمانؓ کے غلام نے آپ کو زدوکوب کیا تھا یہ ان لوگوں کا یہ بہتان ہے جو مسلمانوں میں اتحاد نہیں چاہتے۔

---

[1] البدایہ والنہایہ جلد ۷ ص ۲۱۷

حافظ ذہبی (۷۴۸ھ) لکھتے ہیں :-

فہذا من اسمج الکذب المعلوم [1]

ترجمہ۔ یہ خود تراشیدہ کھلا جھوٹ ہے۔

فکلہ بہتان واختلاق لا یصح منہ شئی ء۔ [2]

ترجمہ۔ یہ سب کا سب بہتان اور من گھڑت ہے اس میں کوئی بات صحت تک نہیں پہنچتی۔

یہودیوں کے جو ایجنٹ مسلمان راویوں میں داخل ہوئے انہوں نے پوری کوشش کی کہ وہ قرآن کو مسلمانوں میں ایک اختلافی کتاب بنا کر رکھ دیں لیکن وہ یہ نہ سمجھ پائے کہ اس کتاب کا محافظ اللہ ہے۔ یہ کتاب لاریب اپنے تحفظ میں انسانی ہاتھوں کی محتاج نہیں۔

جمع شدہ قرآن

قرآن پاک ایک سو چودہ (۱۱۴) سورتوں میں منقسم ہے۔ سورتوں کے نام بیشتر مرکزی مضمون کے اعتبار سے اور کہیں کہیں اوّل کلمے یا اہم ترین کلمے کے نام سے آنحضرتؐ کے سامنے ہی معروف ہو چکے تھے۔ ہر سورت بجائے خود ایک مستقل فصل ہے۔ صحابہ کرامؓ نے اپنی تلاوت میں اسے سات منزلوں میں تقسیم کر رکھا تھا۔ منزلوں کے یہ نشان حاشیے پر واضح ہیں۔ ان سات منزلوں کی تقسیم آنحضرتؐ سے ثابت ہے۔[3] تیس پاروں کی تقسیم آنحضرتؐ سے منقول نہیں۔ یہ برابر کے چھوٹے اجزاء میں بعد کا ایک اقدام ہے۔ ہر پارے کا پہلا لفظ جو ذرا جلی لکھا ہوتا ہے اس پارے کی علامت ہے اس کا نام نہیں اس کے جلی لکھنے کا مطلب محض یہ ہے کہ پڑھنے والے کو پتہ چل جائے کہ یہاں سے دوسرا جزو شروع ہو رہا ہے۔ حجاج بن یوسف کے زمانے میں اجزاء کی تقسیم عمل میں آئی تھی۔ یہ حضورؐ کے اس ارشاد کی طرف ایک عملی قدم تھا :-

اقرؤا القرآن فی شہر [4]

ترجمہ۔ قرآن پاک کو ایک مہینے میں ختم کیا کرو۔

---

[1] المنتقی للذہبی ص۲۹۴ [2] تاریخ خمیس جلد ۲ ص۲۷۰

[3] شرح احیاء العلوم جلد ۳ ص۵۴۳ حضورؐ نے قیس بن صعصعہؓ سے بھی فرمایا تھا کہ سات دن میں ختم کر لیا کرو استیعاب جلد ا ص۵۴۲ [4] بخاری جلد ۲ ص۷۵۶

ایک ماہ میں ختم کرنے کی یہ تیس پاروں کی تقسیم ایک مصلحت ہے شریعت نہیں اگر یہ کوئی مسئلہ ہوتا تو صحابہؓ کے ہاتھوں عمل میں آتا۔ امت کے لیے وہ حضرات شریعت کے امین تھے تیس پاروں کی اس تقسیم کو اگر شریعت سمجھا جائے تو پھر یہ ایک بدعت ہوگی حجاج بن یوسف کا قصد شریعت میں کوئی اضافہ نہ تھا ایک انتظامی مصلحت تھی جو وجود میں آئی اس وقت بڑے بڑے تابعین موجود تھے ان میں سے کسی نے اس پر نکیر نہ کی اگر اسے شریعت سمجھا گیا ہوتا تو وہ اکابر ضرور اس پر نکیر کرتے۔

اسی طرح قرآن کریم پر لگے اعراب بھی پڑھنے والوں کے لیے ایک مدد اور نشان تلاوت ہیں عجمی لوگ لگے اعراب کے بغیر قرآن کریم پڑھ نہیں سکتے

اس سے یہ پتہ چلا کہ جو لوگ اہل علم نہیں قرآن کریم کو بغیر اعراب پڑھ نہیں سکتے ان سے بھی دین کا تقاضا ہے کہ وہ قرآن پڑھیں۔ ایسا نہ ہوتا تو قرآن کریم پر اعراب لگانے کی کوئی ضرورت نہ تھی معلوم ہوا کہ ابتدائی دور میں ہی اسے سمجھے بغیر اور اس کا علم حاصل کیے بغیر اس کا پڑھنا ہمیشہ ایک عبادت سمجھا گیا ہے

اعراب اور رکوع و آیات کی تقسیم اور علامات وصل و وقف کے مباحث آپ کو کتابت قرآن کے عنوان میں ملیں گے۔

یہ آسمانی آواز اپنی اصل زبان میں ہی سنائی دے رہی ہے اور اس کے ماننے والے گو دنیا کے کسی ملک میں کیوں نہ ہوں اسے اس کی اصل زبان میں پڑھتے ہیں۔

اور پھر یہ کتاب صرف کاغذوں میں نہیں اس کے کلمات سینوں میں بھی اسی طرح محفوظ ہیں جس طرح یہ دولت سفینوں میں ملتی ہے اس کے سوا یہاں جن کتابوں کو آسمانی کہا جاتا ہے ان میں کہیں ان صفات کا دعوے موجود نہیں دلائل تو پھر اس سے آگے کی منزل ہے۔

کتابتِ قرآن

الحمدللہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ اما بعد ؛ فاعوذ باللہ من
الشیطٰن الرجیم بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ نٓ والقلم و مایسطرون ؁
ماانت بنعمۃ ربک بمجنون ۝ وان لک لاجرا غیر ممنون ۝
وقال فی مقام اٰخر فی صحف مکرمۃ مرفوعۃ مطھرۃ ۝ بایدی سفرۃ
کرام بررۃ ۝ (پ۳۰ عبس ۱۰)

قرآن کریم بے شک ایک الہامی کتاب ہے اس کی مکتوبیت لوحِ محفوظ سے قائم ہوئی ہے
بل ھو قرآن مجید فی لوح محفوظ۔ (پ۳۰ البروج)
ترجمہ۔ وہ قرآن مجید ہے جو آسمانی نوشت میں محفوظ لکھا گیا ہے۔

یہ پہلی مکتوبیت وہاں کی ہے جہاں کسی قسم کا تغیر و تبدل راہ نہیں پاتا۔ پھر آسمان دنیا سے یہ نہایت حفاظت اور اہتمام کے ساتھ صاحب وحی کے پاس پہنچایا گیا۔ یہ آپ کو اس طرح پہنچا کہ اس کے آگے اور پیچھے چوکیدار تھے تا آپ جانیں کہ انہوں نے اپنے رب کے پیغامات پہنچا دیے ہیں اور یہ زبردست انتظامات اس لیے کیے جاتے رہے کہ اس پر شہادت رہے کہ فرشتوں نے آپ کو اور آپ نے دوسروں کو اس کے پیغامات ٹھیک ٹھاک بلاکم و کاست پہنچائے ہیں :-

فانہ یسلک من بین یدیہ ومن خلفہ رصدًا۔ (پ۲۹ الجن)
ترجمہ۔ سو وہ چلاتا ہے اس کے آگے اور اس کے پیچھے پہرہ دینے والے۔

یہ قرآن لکھا ہے عزت کے ورقوں پر اور اسے احتراماً اونچا رکھا جاتا ہے اس کی کتابت ان لکھنے والوں سے نہایت پاکیزگی سے ہوئی جو بڑے درجے کے نیکوکار رہے ہے۔ اس کا معرض تحریر میں آنا شروع سے ہی نہایت شان عزت اور طہارت سے رہا ہے۔ اب اگر اسے حضورؐ ترتیب نزول سے نہیں لکھوا رہے تو آپ معاذاللہ کوئی دیوانے نہیں ہیں کہ کوئی آیت کہیں ڈال دی اور کوئی کہیں — اللہ تعالیٰ نے آپ کے قلبِ منور میں لوحِ محفوظ کی ترتیب ڈال دی ہے اور اب آپ کے حضورؐ

اس کی وہی ترتیب ہو گی اور چلے گی جو وہاں کی ہے۔

قرآن کریم صرف ایک پیغام نہیں بلکہ ایک پورا کلام ہے. پیغام کبھی اشاروں میں بھی ادا ہو جاتا ہے مگر کلام با معنی الفاظ کا ایک مجموعہ ہے اس کے حروف بھی اشارات ہیں:۔

وان لك لاجرًا غير ممنون ۔ (پ ۲۹ القلم ۳)

ترجمہ۔ اور بیشک آپ کے لیے ایک اجر ہے جس کا سلسلہ کبھی نہ ٹوٹے گا۔

اس میں جس طرح الفاظ ایک خاص ترکیب میں ملتے ہیں اس کے الفاظ بھی حرفوں کی ایک خاص ترتیب میں واقع ہیں۔ قرآن کریم اس خاص کلام کا نام ہے جو لوحِ محفوظ میں الفاظ کی ایک خاص ادا سے مرقوم ہے. یہاں قرآن پاک الفاظ کی اسی ادا سے لکھا جائے گا جو لوح محفوظ کی ہے سو قرآن کریم کی کتابت توقیفی ٹھہرے گی اور اگر کتابت میں صرف قرآت سے مطابقت رکھنی ہو تو یہ محض لکھنا ہے لیکن یہ قرآن کے رسم الخط کی پابندی نہیں۔

مثلاً رب العالمین اس طرح بھی لکھا جا سکتا ہے کہ عین کے بعد الف ہو اور رب العٰلمین کے طور پر بھی۔ اس میں عین کے بعد بڑا الف نہیں ہے۔ پڑھنے میں دونوں ایک جیسے ہیں اسی طرح الرحمان اس طرح بھی لکھا جا سکتا ہے اور اس طرح بھی الرحمٰن — اس میں میم کے بعد بڑا الف نہیں ہے پڑھنے میں دونوں ایک جیسے ہیں۔

حضرت عثمانؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کاتبِ وحی بھی رہے اور پھر آپ منصبِ خلافت پر بھی آئے۔ آپ نے اپنے دور میں قرآن کریم کو جو پانچ مصاحف میں لکھوایا اور آئندہ پورے قلمرو اسلامی میں اس رسم الخط کی پابندی لازم کی۔ اس پر تمام صحابہ کرامؓ کا اجماع ہو گیا۔ اَب قرآن کریم کو صرف بطور خط نہیں بطور رسم الخط بھی دیکھا جائے گا اور ضروری ہے کہ یہ حضرت عثمانؓ کے رسم الخط کے مطابق ہو اس کی مخالفت حرام ہے۔ تجوید اور رسم الخط کے امام جلیل علامہ برہان الدین ابو اسحٰق الجعبری (۷۳۲ھ) لکھتے ہیں:۔

رسم المصحف توقيفًا هو مذهب الائمة الاربعة۔

ترجمہ۔ قرآن کریم کا رسم الخط وہی ہو جو اُدھر سے چلا آیا ہے یہ چاروں اماموں کا مذہب ہے۔

حافظ ابن ہمام الاسکندری (۸۶۱ھ) لکھتے ہیں :۔

قد انعقد اجماع سائرالائمۃ من الصحابۃ وغیرھم علی تلک الرسوم وانہ لایجوز بحال من الاحوال العدول عن کتابۃ القران الکریم ولانشرہ بصورۃ تخالف رسم المصاحف العثمانیۃ۔[1]

ترجمہ: صحابہ کرامؓ اور دوسرے ائمہ کا اس رسم الخط پر اجماع ہوچکا ہے کسی حال میں قرآن کریم کی اس کتابت سے عدول جائز نہیں اور نہ قرآن کریم کی کسی ایسی صورت میں اشاعت کی اجازت دی جاسکتی ہے جس میں مصاحف عثمانی کا رسم الخط نہ ہو۔

یہ موضوع کوئی نیا نہیں پہلے دور میں یہ سارے مباحث سامنے آچکے ہیں۔ شام کے علامہ عبداللہ بن عامر الیحصبی (۱۱۸ھ) نے اس پر اختلاف مصاحف الشام والحجاز والعراق اور فی مقطوع القرآن وموصولہ دو کتابیں لکھیں۔ پھر آپ کے شاگرد یحییٰ بن الحارث الذماری (۱۴۵ھ) نے ہجاء المصاحف کے نام سے اس پر ایک کتاب لکھی۔ کوفہ کے امام کسائی (۱۸۹ھ) اور امام فراء (۲۰۷ھ) نے بھی اس پر بحث کی۔ علماء کا رسم المصاحف میں سب سے زیادہ اعتماد امام مالکؒ (۱۷۹ھ) کے استاد امام نافع (۱۶۹ھ) پر رہا ہے۔ ان کے پاس حضرت عثمانؓ کا ارسال کردہ مصحف تھا۔

امام ابوبکر محمد بن قاسم الانباری البغدادی (۳۲۸ھ) نے کتاب الرد علی من خالف مصحف عثمان لکھ کر اس پر مہر کر دی ہے کہ قرآن پاک لکھنے میں آئندہ کوئی رسم الخط مصحف عثمان کے خلاف قبول نہ کیا جائے۔ خط بدل سکتا ہے کہ آپ اسے خط کوفی کی بجائے نسخ میں لکھ لیں لیکن اس رسم الخط کو نہیں بدلا جاسکتا۔ قرآن لکھنے میں مصحف عثمان کی پابندی ضروری ہے۔ حروف تہجی عربی ہوں گے تو رسم الخط یہی رہے گا۔ حروف تہجی رومن ہوں تو وہاں صورت بالکل بدل جائے گی۔ یہی وجہ ہے کہ مسلمان دنیا میں جہاں گئے عربی زبان کو ساتھ لے کر گئے اور جہاں بھی رہے قرآن عربی میں ہی پڑھتے اور لکھتے رہے۔ دوسرے حروف تہجی اختیار کرنا اور اسے پڑھنا ایک وقتی رعایت ہے قرآن حقیقت میں وہی ہے جو لوح محفوظ میں ہے اور یہ اسی رسم الخط میں ہے جو یہاں مصحف عثمان میں پایا گیا ہے۔

---

[1] فتح القدیر جلد ۱ صفحہ ۲۰۱

لوحِ محفوظ کی کتابت کے ساتھ بنی نوعِ انسان کی عملی رعایت

لوحِ محفوظ میں قرآن بے شک ایک صفت میں مکتوب ہے اسے پڑھنے میں انسانوں میں کچھ اختلافات نے راہ پائی۔ بنو ہذیل حتّٰی کو اس طرح پڑھتے جیسے ہم عتّٰی پڑھتے ہیں تو یہ اختلاف صرف پڑھنے میں ہوا لکھنے میں نہیں — کچھ عرصے تک قرآن کریم ایک ہی حرف میں چلتا رہا پھر آنحضرتؐ نے اللہ تعالیٰ سے بنی نوعِ انسان کے لیے عملی رعایت چاہی، آپ بار بار اللہ تعالیٰ سے سوال کرتے رہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کی دعا قبول فرمائی اور آپ کی امت کو قرآن کریم سات حروف پر پڑھنے کی رعایت دے دی گئی۔ قرآن کریم میں ایسے مقامات بھی آئے جہاں قرآن کریم کئی اور حروف میں بھی پڑھا گیا۔ قرآن پڑھنے کی یہ وسعت سات حروف تک جا پہنچی۔ یوں سمجھیئے کہ قرآن کریم سات دروازوں سے سات حروف پر نازل ہوا۔

بنی نوعِ انسان کو قرآن کریم پڑھنے میں یہ عملی رعایت کچھ دیر بعد ملی جس طرح قرآن کریم کا لوحِ محفوظ سے اُترنا متواتر ہے یہ سات حرفوں میں پڑھا جانا بھی امت میں تواتر کے درجے میں رہا۔ اس میں حکمت کیا تھی؟ اس کی تفصیلی بحث قرآءتِ قرآن میں ملے گی۔

کاتبینِ وحی کے مختلف پیرائے

کاتبینِ وحی کے دو درجے تھے :۔

(۱) وہ جن کو حضورؐ خود لکھواتے۔

(۲) دوسرے وہ جو ان صحابہؓ کے لکھے ہوئے نوشتوں سے آگے لکھ لیتے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن لکھنے پر کوئی پابندی نہ لگائی تھی — پھر صحابہؓ جو لکھتے اس میں اگر کسی مقام پر آنحضرتؐ سے اس کی کچھ شرح سنتے تو اسے بھی کبھی ساتھ ہی کسی طرف نوٹ کر لیتے وہ سمجھتے تھے کہ ان کا مصحف (لکھا قرآن) بس انہی کے استعمال کے لیے ہے یہ عوامی اشاعت کے لیے نہیں ہے۔

جو صحابہؓ حضورؐ کی نگرانی میں قرآن لکھتے آپ ان سے کبھی سنتے بھی تھے اور وہ صحابہؓ حضورؐ

سے نمازوں میں بھی یہ مختلف حصہ قرآن سنتے اور اس طرح انہیں اپنے لکھے قرآن پر پورا تثبت ہوتا اور ان کے اپنے حفظ میں بھی مزید قوت آتی۔

مختلف لغات بولنے والے قبائل آپس میں شیر وشکر ہوئے اور عربوں کے باہمی عام اختلاط سے عرب ایک قوم ہوئے اور پھر عالم اسلام میں متعدد دوسرے ممالک بھی آشامل ہوئے تو حضرت عثمانؓ نے قرآن پاک کے چند نسخے اپنی نگرانی میں کتابت کرائے اور ان کے ماسوا تمام پہلے لکھے مصاحف کو اپنے قبضے میں لے لیا تاکہ امت میں بسلسلہ قرآن آئندہ کوئی اختلاف راہ نہ پا سکے۔

قرآن کریم مختلف قرآت میں پڑھا تو جاتا رہا لیکن لکھی ہوئی صورت میں قرآن کریم پوری امت میں ایک ہی چلا آیا ہے۔

جن حضرات نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے براہِ راست قرآن کریم لکھا انہوں نے قرآن کریم کے ہر حذف و اثبات اور ہر حرکت وسکون اور ہر وقف و وصل کو آپ سے پورا ضبط کیا اور اگر کہیں دونوں طریق بتائے تو یہ اختلاف احرف کی وجہ سے ہوا جن سات حرفوں میں قرآن اترا تھا۔

صحابہ کرامؓ کے لکھے قرآنوں میں نقطے اور اعراب نہ تھے اسی صورت میں یہ نوشتے مختلف قرآت کے حامل ہو سکتے ہیں اور یہ کتابت متعدد قرآت کو شامل ہو سکتی ہے لیکن عجمیوں کے لیے اس کتابت سے قرآن پڑھنا مشکل تھا اس لیے پھر ان پر نقطے اور اعراب لگانے کی ضرورت بھی محسوس ہوئی اور بالآخر اسے پورا کیا گیا۔

قرآن کریم کی اوّلین کتابت خط کوفی میں ہوئی

ڈاکٹر محمد اقبال پرنسپل اورینٹل کالج لاہور نے اپنے دورۂ ایران میں مشہد کے کتبخانہ رضوی میں حضرت علی المرتضیٰؓ کے ہاتھ کا لکھا ہوا قرآن دیکھا تھا۔ آپ نے ہندوستان آکر کالج کے میگزین میں ۱۹۲۵ء میں اپنے اس سفر کی پوری رپورٹ شائع کی۔ آپ کا بیان ہے کہ یہ حصہ قرآن سورۂ ہود سے آخر سورۂ کہف تک لکھا ہوا ہے اور خط کوفی میں ہے اور یہ وہی ترتیب ہے

جو موجودہ قرآن میں پائی جاتی ہے۔

تاریخ اسلام کے اس ابتدائی دور میں بھی کوفہ کی ایک علمی شہرت تھی اور اس سے یہ خط منسوب تھا۔ گو باقاعدہ اسے حضرت عمرؓ نے آباد کیا تھا۔ تاہم اس کے ابتدائی علمی آثار پہلے سے موجود ہیں۔ بعد کے قراء سبعہ میں سے تین امام (۱) عاصم (۲) حمزہ اور (۳) کسائی کوفی تھے۔ پھر ان سات میں سے جس کی قرأت عالم اسلام میں مرکزی درجہ لے گئی وہ امام عاصم کوفی کی قرأت ہے جو اُن کے شاگرد امام حفص سے آگے چلی۔ سعودی حکومت میں اب بھی قرآن کریم کی کتابت اور ضبط اسی قرأت پر چلا آرہا ہے اور یہی سند ساتھ لکھی جاتی ہے۔ اس سے کوفہ کی علمی منزلت اور اس کی عالمِ اسلام میں ایک مرکزی حیثیت کا پتہ چلتا ہے۔

امام نووی (۶۷۶ھ) شرح صحیح مسلم میں لکھتے ہیں:۔

دار العلم ومحل الفضلاء بناها عمر بن الخطاب۔

حجاج کرام کو سعودی حکومت کی طرف سے ہر سال جو مصحفِ کریم تحفے میں ملتا ہے اس کے آخر میں یہ لکھا ملے گا:۔

کُتب هٰذا المصحف وضبط علی ما یوافق روایة حفص بن سلیمان بن المغیرہ الاسدی الکوفی لقراءة عاصم بن ابی النجود الکوفی التابعی عن أبی عبد الرحمٰن عبد الله بن حبیب السلمی عن عثمان بن عفان و علی بن ابی طالب و زید بن ثابت و ابی بن کعب عن النبی صلی الله علیه وسلم۔

اس سے واضح ہوتا ہے کہ قرآنی علوم میں حتیٰ کہ اس کے پڑھنے میں بھی کوفہ کس طرح عالم اسلام پر چھایا ہوا تھا۔ اس سے یہ بھی پتہ چلا کہ سعودی حکومت کو عراق سے کوئی علمی تعصب نہیں ہے یہ صرف چند سرپھرے خطیب ہیں جو مدینہ یونیورسٹی سے انتساب کا غلط فائدہ اٹھاتے ہیں اور کوفہ اور امام ابوحنیفہؒ کے خلاف تعصب اور نفرت کا لاوا اُگلتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ انہیں حسب لباس کچھ علمی حیا عطا فرمائے۔

مذکورہ بالا عبارت سے یہ بھی پتہ چلا کہ قرآن کریم کے پہلے چار گواہ جو اسے حضورؐ سے

نقل کرتے ہیں ان میں حضرت علی المرتضیٰؓ بھی ہیں اور آپ کا قرآن کریم کے بارے میں حضرت عثمان غنیؓ اور حضرت زید بن ثابتؓ سے کوئی اختلاف نہ تھا اور حضرت ابی بن کعبؓ جو بنصِ نبوت پوری ملت اسلامی میں سب سے زیادہ قرآن پڑھنے والے بتلائے گئے وہ ان حضرات کے ساتھ تھے اور یہ کہ امام عاصم کوفی کی قرأت ان چار سے نقل ہوئی ہے۔

علاماتِ وقف وضبط

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہؓ کو قرآن کریم جس طرح سکھایا اور نمازوں میں انہیں سنایا۔ اس میں وقف و وصل اور مد و شد کے سارے فاصلے قائم تھے اور صحابہ کرامؓ نے بھی آپ سے جس طرح قرآن کریم سیکھا اسے آگے سکھایا۔ تاہم کتابت میں یہ سارے فاصلے اور علاماتِ ضبط بعد میں لگائی گئیں اس میں بنیادی کام امام خلیل بن احمد اور ان کے شاگردوں نے کیا۔ مشرق میں یہی علاماتِ ضبط پھیلیں اور مغربی ممالک میں علماء اُندلس نے اپنے طور پر قرآن کریم کو صحیح پڑھنے کے اس تقاضا کو پورا کیا اور مصاحف پر علمی فاصلوں کے نشان لگائے۔ امام تنسی کی کتاب الطراز علی ضبط الخراز اس موضوع پر ایک علمی دستاویز ہے۔

آیات گننے میں بھی عالم اسلام میں زیادہ کوفی طریقے ہی کی پیروی کی گئی ہے۔ امام شاطبی نے ناظمۃ الزہر میں قرآن کریم کی آیات ۶۲۳۶ لکھی ہیں۔ بعض فقرے ایک آیت ہیں یا دو اس میں جو اختلاف ہوئے ان کے باعث آیات کی گنتی مختلف ہے لیکن اس سے یہ نہ سمجھا جائے کہ قرآن کریم کے بعض حصوں کے بارے میں قرآن ہونے یا قرآن نہ ہونے کا اختلاف ہے ایسا ہرگز نہیں یہ ایک کتاب ہے جس میں کوئی شک نہیں۔ ذٰلکَ الکتاب لاریب فیہ۔

تیس پاروں میں تقسیم اور ربع و نصف کے نشان

علامہ قرطبی احکام القرآن میں لکھتے ہیں کہ قرآن کریم کی تیس پاروں میں تقسیم اموی خلافت میں ہوئی۔ حجاج بن یوسف نے واسط میں سیاسیات سے فارغ ہو کر یہ علمی کام کیا۔ سو حجاج سے سیاسی اختلاف کی بنا پر اس کے علمی کام کو رد نہیں کیا جاسکتا۔ پھر یہ تقسیم برابر کے حصوں میں تقسیم، شاید حضورؐ

صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد پر عمل کر لے کے لیے ہو۔

اقرؤا القرآن فی شہر[1]

ترجمہ: قرآن کریم کو ایک مہینہ میں ختم کیا کرو۔

اس میں یہ حکمت ہے کہ قرآن کریم ہر روز برابر برابر جاری رہے یہ نہیں کہ اس سے کم دنوں میں اسے ختم کرنا جائز نہ ہو۔

یہ محض ایک انتظامی درجے کی بات ہے اس کی شرعی پابندی نہیں مختلف حالات میں قرآن کریم تلاوت کرلے کی منزل کم وبیش بھی جاری رکھی جا سکتی ہے۔ علامہ سفاقسی نے غیث النفع میں، علامہ شاطبی نے ناظمۃ الزہر میں، شیخ محمد متولی نے تحقیق البیان میں، علامہ قرطبی نے احکام القرآن میں اور علامہ ابوعید رضوان المخللاتی نے ارشاد القراء والکاتبین میں، علامہ سیوطی نے الاتقان میں قرآن کریم کے تیس پاروں ساٹھ حزبوں اور نصف وربع کی تقسیم پر تفصیل سے بحث کی ہے۔

قرآن کریم میں رکوع کی بحث کیسے آئی؟

رکوع کا لفظ نماز کے اوضاع میں سے ہے قرأت کی صفات میں سے نہیں۔ قرآن کریم رکوعوں میں کیسے تقسیم ہوا۔ حضرت عثمان غنیؓ نماز میں جب تسلسل سے قرآن پڑھتے تو جہاں مضمون بدلے وہاں آپ رکوع کر لیتے تھے اس سے رکوعوں کے نشان مقتدیوں کے ذہن میں مرتسم ہوئے بعد کے علماء نے حضرت عثمانؓ کی اسی ادا پر مصحف میں رکوع کے نشانات لگائے۔ حضرت عثمان غنیؓ کی ان نمازوں نے اللہ رب العزت کے ہاں اتنی قبولیت پائی کہ اب قرآن کریم باعتبار مضامین ان حصوں میں تقسیم ہوگیا جن پر آپ نے رکوع کیا۔ قرآن کریم میں سجدات (تلاوت) تو تھے ہی اب رکوع بھی قائم ہو گئے۔ قرآن کریم کے کل رکوعات ۵۴۰ بتلائے گئے ہیں۔ رکوع کے نشانات کا لگانا علماء اعلام کے فیصلے سے تھا۔ رسالہ وقف میں ہے:۔

ہر جا کہ آخر قصہ است یا سخن تمام شدہ امیر المومنین عثمانؓ در آنجا رسیدہ برکوع رفتہ است ایں شکل (ع) نوشتہ اند[2]

---

[1] صحیح بخاری جلد ۲ صفحہ ۷۵۶   [2] دیکھیے شرح مبسوط للسرخسی جلد ۲ صفحہ ۱۴۶

بعض علماء رکوع کی اس حد بندی کو حضرت حذیفہؓ کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ بعض نے عبدالرحمٰن سلمی کی طرف اور بعض نے امام حسن بصری کی طرف۔ لیکن صحیح یہ ہے کہ یہ حد بندی کرنا حضرت عثمانؓ کے رکوع کرنے سے عمل میں آئی۔

قرآن کریم میں پہلے نقطے نہیں تھے

یحییٰ بن ابی کثیر (ھ) کہتے ہیں پہلے مصحف کریم میں نقطے نہ تھے۔ عرب ان کے بغیر اس کا خط کوفی پڑھ لیتے تھے۔ علامہ زبیدی کتاب الطبقات میں لکھتے ہیں سب سے پہلے قرآن کریم پر نقطے ابوالاسود الدئلی نے لگائے یہ حضرت علی المرتضیٰؓ کا شاگرد تھا اور اس نے یہ فن حضرت علی المرتضیٰؓ سے پڑھا تھا۔ پھر اُموی دور میں خلیفہ عبدالملک نے حضرت امام حسن بصری اور یحییٰ بن یعمر کو اس خدمت پر مامور کیا۔ علمائے وقت نے اس کام سے اتفاق کیا۔ ختم آیات پر بھی پہلے نقطے لگاتے گئے جنہیں بعد ازاں گول دائروں سے بدل لیا گیا۔

یہ نقطوں کی محنت اور آیات کے فاصلے صرف اس لیے ہیں کہ قرآن کریم اچھی طرح پڑھا جا سکے اور اس میں کوئی غلطی راہ نہ پا سکے اس سے شریعت میں کسی اور عمل کو ثابت کرنا نہ تھا۔ یہ کام بدعت تب ہوتا جب اسے شریعت کے کسی عمل کے طور پر اختیار کیا جاتا یہ احداث للدین ہے احداث فی الدین نہیں۔ دین کے لیے کوئی نئی چیز ایجاد کرنا اور بات ہے اور دین میں کوئی نئی چیز لانا یہ امر دیگر ہے۔

اعراب اور علامات

جب تک قلمرو اسلامی میں عرب غالب رہے قرآن پاک پر اعراب و حرکات لگانے کی ضرورت نہ تھی لیکن جوں جوں تمدّن ترقی کرتا گیا اور ثقافت میں وسعت ہوتی گئی عجمی قوموں کے لیے قرآن کے اعراب لگانے ضروری ہو گئے ان کے ساتھ ساتھ ہی نقطوں منزلوں اور علاماتِ رکوع کے نشانات لگائے گئے اور یہ سب کچھ علماء کے اتفاق سے ہوا۔ قرآن کریم کی سات منزلوں میں تقسیم آنحضرتؐ

سے منقول ہے۔[1]

علامات اور قرآءت میں فرق

پاروں احزاب نشان رکوع اور نصف و ربع کی تو بے شک کوئی شرعی حیثیت نہیں لیکن اختلاف قرآءت کی ایک شرعی حیثیت ہے اس کی بحث انشاءاللہ العزیز قرآءت القرآن کے تحت آئے گی۔ یہاں اتنا جان لینا کافی ہے کہ سیدنا حضرت عثمان غنیؓ نے جو مصاحف اپنی نگرانی میں لکھوائے تھے ان میں ساتوں حروف کی رعایت تھی جن میں قرآن کریم نازل ہوا ہے اور امت کے لیے جائز نہیں کہ ان میں سے کسی ایک کا انکار کر دے۔

اس کا یہ مطلب نہیں کہ ایک ایک آیت میں یہ سات پیرائے پائے گئے یہ ہرگز نہیں ہاں جہاں بھی کوئی دوسرا پیرایہ پایا گیا ایسے پیرائے اپنی ذات میں سات تک پہنچتے ہیں۔

آیات کی گنتی کی علامات

آیات کی گنتی بعض مصاحف میں متن میں ملتی ہے بعض میں نہیں اور حاشیہ پر آیات کی گنتی سورت، اور پارہ دونوں اعتبارات سے لکھی ہوئی ہے۔ آیات کے فاصلوں میں اگر کہیں کوئی اختلاف ملتا ہے تو یہ آیات میں اختلاف نہیں ہے۔ اسی طرح کسی جملہ کے پہلے جملہ کے ساتھ ہونے یا اگلے جملہ کے ساتھ ہونے میں تو اختلاف ملتا ہے لیکن یہ بھی آیات کا اختلاف نہیں ہے تعلق کا اختلاف ہے۔

مثلاً سورۃ البقرہ کے شروع میں لفظ فیه کو لیجیے یہ ذٰلك الكتاب لاريب فيه میں بھی پڑھا جا سکتا ہے اور اگلے حصہ کے ساتھ بھی یوں پڑھا جا سکتا ہے فيه هدى للمتقين (اس میں ہدایت ہے واسطے پرہیزگاروں کے) اس کو معانقہ کہتے ہیں کہ پہلا حصہ اسے اپنے ساتھ کھینچ رہا ہے اور دوسرے اسے اپنے ساتھ لے رہے یہ اس کا دونوں طرف کا ربط ہے مگر

---

[1] دیکھیے شرح احیاء العلوم جلد ۳ صفحہ ۵۴۳ آنحضرتؐ نے قیس بن صعصعہؓ سے فرمایا تھا قرآن سات دن میں ختم کر کیا کرو۔ (الاستیعاب جلد ۱ صفحہ ۲۴۵)

یاد رہے کہ بیک وقت ایک ہی ربط لیا جا سکے گا۔

علامات وقف و وصل

اعراب نقطے اور علامات منزل و رکوع کو پڑھنے والے کی سہولت کے لیے قرآن میں ساتھ ساتھ لکھنا اس کی کوئی شرعی حیثیت نہیں لیکن متن قرآن میں علامات وقف و وصل کو ساتھ ساتھ لکھنا اور ان کے مطابق قرآن پڑھنا اس کی ایک شرعی حیثیت ہے۔ وقف و وصل میں ہم صحابہ کرامؓ اور قراء کرام کے ماتحت ہیں اور اس کی ایک شرعی حیثیت ہے۔ امام ابوعبداللہ سجاوندی نے یہ نشان لگائے۔ دہلی میں مولانا نذیر حسین صاحب اور مولوی حفیظ الدین صاحب نے ان کے مطابق وقف و وصل کو بدعت کہا۔ اس پر علماء اہل سنت نے جن میں پیش پیش حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رہے۔ ان پر (علمائے اہلحدیث باصطلاح جدید) کڑی تنقید کی۔ حضرت گنگوہی (۱۳۲۳ھ) نے اس پر ایک رسالہ لکھا جس کا نام آپ نے رد الطغیان فی اوقاف القرآن رکھا۔ ماہرین فن نے اس میں حضرات علماء اہلسنت کا ساتھ دیا۔ علمائے اہلحدیث کی موافقت نہیں کی۔ ان علامات وقف و وصل کا متن قرآن میں ساتھ لکھا جانا اس بات کی دلیل ہے کہ یہ حق ہیں ورنہ باطل تو قرآن مجید میں آگے سے ہو یا پیچھے سے کسی طرف سے راہ نہیں پا سکتا۔

اس پر ہم کتابت قرآن کی اس بحث کو ختم کرتے ہیں۔ واللہ ولی امرہ وھو المستعان وعلیہ التکلان۔

ترتیبُ القرآن

الحمد للہ وسلامٌ علی عبادہ الذین اصطفی امابعد :

قرآن پاک شروع سے ہی اپنے آپ کو کتابی صورت میں پیش کر رہا ہے اور اس کی کتابی صورت ماسوائے چند لمحاتِ نزول کے کبھی اس سے جدا نہیں ہوئی۔ ظاہر ہے کہ اس کی ایک اپنی ترتیب ہوگی اور وہ ترتیب اسی ذات کی طرف سے ہوگی جس نے ہمیں اس کتاب سے مشرف کیا۔ ترتیب جمع وتدوین کا خود ایک حصہ ہے کوئی جمع وتالیف کسی ترتیب کے بغیر عمل میں نہیں آسکتی پس جب قرآن پاک کا جمع کرانا خود رب العزت نے اپنے ذمہ لے لیا تو ظاہر ہے کہ اس کی ترتیب پروردگار عالم کے ہاں طے ہے جسے اس نے اپنے پیغمبر خاتم کے واسطہ سے تکمیل بخشی۔ ابتداء وحی میں ہی اللہ تعالیٰ نے اس کا حضورؐ سے وعدہ فرمالیا تھا۔

انّ علینا جمعہ وقرآنہ۔ (پ۲۹ القیامہ ۱۷)

ترجمہ: قرآن پاک کا جمع کرنا اور اس کا آپ کی زبان پر جاری کرنا ہمارے ذمہ ہے۔

قرآن پاک کا نزول مختلف ضروراتِ جزئیہ کے مطابق ہوتا رہا جب کوئی ضرورت پیش آئی وحی ربانی راہنمائی فرمادیتی۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ نزولِ قرآن کے واقعات عالم میں ان دنوں جس ترتیب سے ظہور میں آتے رہے اور ضرورتیں جس رفتار سے پیدا ہوتی رہیں کیا احوالِ کائنات ہمیشہ اسی ترتیب سے وقوع پذیر ہوا کریں گے؟ ہرگز نہیں یہ کرۂ کائنات ہمیشہ اپنی بوقلمونی ظاہر کرتا رہا ہے اور ہر قرن کے واقعات اپنی داخلی ترتیب اور خارجی ربط میں کسی ایک ضابطے اور رفتار کے تحت تکون پذیر نہیں ہوتے۔

قرآن پاک کو آنحضرتؐ اگر نزولی ترتیب سے جمع فرماتے اور یہ آسمانی دستورِ حیات اس ایک وقتی ترتیب سے مرتب ہوتا تو دنیا پکار اٹھتی کہ بدلی ہوئی رفتار کائنات اس گزری ہوئی رفتارِ حیات پر منطبق نہیں ہوتی اور ہماری موجودہ ضرورات اپنی ترتیب میں قرآنی ہدایات

کی ترتیب سے ہم آہنگ نہیں ہوتیں۔

اس صورت میں ہمارا جواب یہی ہوتا ہے کہ تم قرآنی دستورِ حیات کو اصولی پیرایہ میں لو اسے عہدِ نزول کے واقعات کی ترتیب سے اپنی زندگی میں ترتیب نہ دو۔ اس ضابطۂ حیات کو اصولی درجے میں اپناؤ گزری ہوئی ترتیب واقعات کا پابند نہ کرو۔

رب العزت کی حکمت مقتضی ہوئی کہ اس لاتبدیل قانون اور دستورِ اَبدی کو عہد نزول کی ترتیب واقعات سے بے نیاز کر کے اسی اصولی ترتیب سے جمع کرایا جائے جس کے مطابق یہ لوح میں موجود ہے۔ چنانچہ آنحضرتؐ اسے نزول کے ساتھ ساتھ ہی ایک دوسری ترتیب پر لکھواتے، پڑھاتے اور مرتب فرماتے رہے۔ اس اصولی ترتیب سے یہ کتاب ایک زمانے سے خاص نہ رہی اور ایک ایسی ترتیب پا کر جو اس کرۂ کائنات کے کسی ایک دور کے واقعات کی ترتیب ہرگز نہیں اس آسمانی قانونِ محکم نے اَبدی حیات پائی۔ قرآن پاک کی ترتیب نزولی نے ترتیب رسُولی کے قالب میں آکر لوحِ محفوظ کی اصولی ترتیب کا پتہ دیا اور یہ حقیقت بے غبار کر دی کہ یہ آسمانی دستور کسی ایک زمانے کی ضرورت کے لیے ہی سامانِ ہدایت نہیں بلکہ یہ ایک اَبدی ضابطۂ حیات ہے جو کسی ایک زمانے سے خاص نہیں۔

علامہ زرکشی لکھتے ہیں:-

> عہدِ رسالت میں قرآن کو ایک مصحف میں اس لیے نہ لکھا گیا کہ اسے بار بار تبدیل کرنے کی نوبت نہ آئے قرآن کی یکجا کتابت اس وقت تک ملتوی رہی جب تک کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے نزول قرآن کی تکمیل نہ ہو گئی۔ [1]

قرآن پاک اپنی حقیقی ترتیب سے (جو ترتیب نزولی سے مختلف تھی) مختلف جگہوں میں تو لکھا موجود تھا اور آنحضرتؐ اور صحابہ کرامؓ کی زبانوں پر بھی مقرر تھا لیکن ان تمام تحریروں نے یکجا ہو کر ابھی ایک کتاب کی صورت نہ پائی تھی ان لکھے ہوئے حصوں میں بھی آیات کی ترتیب بدلتی رہتی۔ جب حضورؐ فرماتے کہ ان آیات کو فلاں سورت کے فلاں مقام پر لکھو تو ظاہر ہے

---

[1] البرہان جلد ۱ صـ۲۳

ہر سورت درپے تکمیل رہتی یہاں تک کہ نزولِ قرآن کا دور مکمل ہو جائے اس صورت عمل کا تقاضا تھا کہ قرآن کریم ایک کتابی شکل میں نزول قرآن کی تکمیل کے بعد آئے۔

دوسری حکمت اس میں یہ تھی کہ آئندہ امت کا صحابہ کرامؓ پر ناقابلِ تنقید اعتماد قائم ہو قرآن جو اس کی اساس ہے جب اس کی جمع وتدوین بھی انہی کے ہاتھوں پوری ہوگی تو ظاہر ہے کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جانشین مانے جائیں گے جن کے ہاتھوں نبوت کے کام مکمل ہوئے۔ قرآن جن کے ہاتھوں مکمل ہو وہ لازماً دین کے اجزاء سمجھے جائیں گے۔

جن صحابہؓ کے ہاتھوں قرآن پاک کی یہ منزل انجام کو پہنچے ان کی الٰہی سعادت پر یہ عمل ایک مہر تصدیق ہوگا کہ یہ جمع قرآن اصل میں اللہ رب العزت کے ذمہ تھا۔ ان علینا جمعه وقرآنه خود قرآن کے الفاظ تھے۔ سو کس قدر سعادت مند وہ لوگ ہوں گے جن کے ہاتھوں یہ ارادہ الٰہی پورا ہوا۔ اب اس کی ترتیب یہی ترتیب ہے نزولی ترتیب محض ایک وقتی بات تھی

حضرت امام مالکؒ فرماتے ہیں:۔

صحابہؓ نے جس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو قرآن پڑھتے سُنا تھا اسی طرح اس کو مرتب کیا۔[۱]

کیا جامعین قرآن کو اس میں کوئی تبدیلی کرنے کا حق تھا؟

حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کہتے ہیں میں نے حضرت عثمانؓ سے عرض کی کہ آیت قرآنی والذین یتوفون منکم ویذرون ازواجا (پ البقرہ ۲۳۴) کو دوسری آیت نے منسوخ کر دیا ہے تو آپ نے اسے اس جمع شدہ قرآن میں کیوں باقی رکھا ہے تو آپ نے فرمایا میں قرآن میں کوئی تبدیلی نہیں کرسکتا۔

معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عثمانؓ کو یہ بات معلوم تھی کہ اللہ تعالیٰ نے حضورؐ کو قرآن کریم کے بارے میں جس ترتیب پر لگایا اس میں اب کوئی شخص کسی قسم کی تبدیلی کرنے کا مجاز نہیں ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کاتبین وحی کو اس آسمانی ترتیب سے آگاہ کر دیا تھا۔

---

[۱] البرہان للزرکشی جلد ۱ صـ ۲۵۷

صحابہؓ تو اپنی جگہ رہے خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی قرآن کریم میں کسی تبدیلی کرنے کا اختیار نہ تھا۔ مشرکین نے جب حضورؐ سے کچھ تبدیلی کرانا چاہی تو آپ نے انہیں یہ حکم الٰہی سنایا:۔

قل مایکون لی ان ابدّلہ من تلقاء نفسی ان اتبع الا ما یوحیٰ الیّ۔

(پ۱۱ یونس ۱۵)

ترجمہ: آپ کہہ دیں کہ مجھے اس میں اپنی طرف سے کسی قسم کی تبدیلی کا اختیار نہیں، میں تو وہی کچھ کرتا ہوں جو وہ بتلائے۔

امام ابن سیرینؒ (۱۱۰ھ) فرماتے ہیں کہ یہ بات انسانوں اور جنوں کی مجموعی طاقت سے باہر ہے کہ قرآن پاک کو اس کی ترتیب نزولی کے ساتھ جمع کر سکیں[1] تجربہ شاہد ہے کہ امام ابن سیرینؒ کا ارشاد بالکل بجا ہے اہل یورپ نے بڑی کوشش کی قرآن پاک کو ایک تاریخی ترتیب دے سکیں مگر سب ناکام رہے۔

ترتیب آیات

آیات کی ترتیب توقیفی ہے اور آنحضرتؐ کے واسطہ سے خود رب العزت کی ہی قائم کردہ ہے اس میں کسی انسان کی رائے کا دخل نہیں جس ذات جل وعلا نے اس کے جمع کرانے کی ذمہ داری لی تھی اس نے اسے ایک ترتیب سے جمع کرایا یہی ترتیب توقیفی ہے۔ اور اللہ رب العزت کی طرف سے ہے یہی ترتیب ترتیب اصولی ہے اور یہی آنحضرتؐ کی اختیار کردہ ترتیب رسولی ہے آنحضرتؐ نزول کے فوراً بعد قرآن پاک کو اسی ترتیب سے لکھوا دیتے تھے جس ترتیب کے ساتھ یہ لوح قدسی میں محفوظ تھا۔ امام احمدؒ حضرت عثمان بن ابی العاصؓ سے سند حسن سے روایت کرتے ہیں:۔

میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھا تھا کہ آپ نے اپنی آنکھیں ایک طرف مشخص کرلیں اور پھر نظر پھیر لی پھر آپ نے فرمایا کہ میرے پاس جبریل آئے تھے اور مجھے کہا تھا کہ میں اس آیت کو فلاں سورت کے فلاں مقام پر رکھ لوں[2]۔

---

[1] الاتقان جلد ۱ ص۵۸ [2] مسند احمد جلد ص

آیت ان اللہ یامر بالعدل والاحسان وایتاء ذی القربیٰ کو فلاں سورت میں فلاں مقام پر رکھ لوں۔

کتبِ حدیث میں متعدد روایات ایسی موجود ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ آپ کاتبینِ وحی کو وحی لکھواتے وقت ساتھ ہدایات بھی دیتے تھے کہ یہ روایات اپنی ترتیب میں کہاں ہیں اور صحابہؓ پھر اسی کے مطابق لکھتے تھے [۱]

حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ جب آیت واتقوا یوماً ترجعون فیہ الی اللہ نازل ہوئی تو حضرت جبریل نے آنحضرتؐ کو بتایا کہ اس آیت کو البقرہ کی ۲۸۰ آیتوں کے بعد لکھوائیں [۲]

ان روایات سے ترتیب آیات کا اللہ تعالیٰ کی طرف سے توقیفی ہونا پوری طرح واضح ہو رہا ہے۔ آنحضرتؐ جب کاتبین وحی کو قرآن لکھنے کا حکم فرماتے تو یہ بھی نشاندہی کرتے کہ یہ آیت کہاں لکھنی ہے امیر المؤمنین سیدنا حضرت عثمانؓ روایت کرتے ہیں:

كان رسول الله صلى الله عليه وسلم مما ياتی عليه الزمان وهو ينزل عليه السور ذوات العدد فكان اذا نزل عليه الشئ دعا بعض من يكتب فيقول ضعوا هؤلاء الآيات فی السورة التی يذكر فيها كذا وكذا فاذا انزلت عليه الآية فيقول ضعوا هذه الآ فی السورة التی يذكر فيها كذا وكذا [۳]

ترجمہ: حضور اکرمؐ پر بہت زمانہ گزرتا اور اس حال میں آپؐ پر کئی کئی سورتیں نازل ہوتی رہتیں پس جب آپ پر نزول ہوجاتا تو آپ کاتبینِ وحی کو بلا کر حکم دیتے کہ ان آیتوں کو اس سورت میں جس میں ایسا ایسا ذکر ہے لکھ دو اور جب آپ پر کوئی آیت اُترتی تو بھی آپ فرما دیتے کہ اس آیت کو فلاں سورت میں جس میں ان باتوں کا ذکر ہے رکھ دو۔

---

[۱] دیکھئے صحیح بخاری جلد۲ باب ۔ کتاب التفسیر باب ۔ کتاب الاحکام باب
نذ احمد جلد۳ ص ۔ جلد۴ ص۱۸۱ [۲] خازن جلد۱ ص ۔ [۳] جامع ترمذی جلد۲ ص۲۶۸ لکھنؤ

پھر مختلف موقعوں پر آنحضرتؐ کی طرف سے مختلف آیات کے مقامات کی نشاندہی اس امر کی قوی شہادت ہے کہ آیات کی باہمی ترتیب کا مسئلہ حضور اکرمؐ کے سامنے ہی حل ہو چکا تھا اور آیات کی ترتیب حضور انورؐ کے عہد میں طے ہو چکی تھی۔

(۱) حضرت فاروق اعظمؓ کہتے ہیں کہ جتنا میں نے آنحضرتؐ سے مسئلہ کلالہ کے متعلق پوچھا کسی اور مسئلے کے بارے میں نہیں پوچھا یہاں تک کہ آپ نے ارشاد فرمایا:۔

الا تکفیك ایة الصیف التی فی اخر سورة النساء۔[1]

ترجمہ۔ کیا تمہیں وہ آیت کافی نہیں جو موسم گرما میں اتری تھی جو سورۃ النساء کے آخر میں ہے۔

(۲) اسی طرح حضور اکرمؐ نے ارشاد فرمایا:۔

من قال حین یصبح ثلث مرات اعوذ باللہ السمیع العلیم من الشیطٰن الرجیم وقرأ ثلث ایات من اخر سورة الحشر وکل اللہ به سبعین الف ملك یصلون علیه حتی یمسی۔۔۔ الحدیث[2]

ترجمہ۔ جو شخص صبح اٹھتے وقت تین دفعہ اعوذ باللہ السمیع العلیم من الشیطٰن الرجیم اور سورۃ الحشر کی آخری تین آیتیں پڑھ لے اللہ تعالیٰ اس کے لیے ستر ہزار فرشتوں کو مقرر فرما دیتے ہیں جو شام تک اس کے لیے رحمت کی دعائیں مانگتے رہتے ہیں۔

(۳) اسی طرح حضور اکرمؐ ارشاد فرماتے ہیں:۔

من حفظ عشر ایات من اول سورة الکهف عصم من فتنة الدجال۔[3]

ترجمہ۔ جو شخص سورت کہف کی پہلی دس آیات یاد کر لے رب العزت اسے فتنہ دجال سے محفوظ رکھیں گے۔

(۴) حضورؐ نے یہ بھی فرمایا:۔

من قرأ سورة الکهف فی یوم الجمعة اضاء له النور ما بین الجمعتین۔[4]

---

[1] صحیح مسلم کتاب الفرائض جلد ۲ ص ۳۵ [2] جامع ترمذی جلد ۲ ص ۱۱۳ [3] صحیح مسلم جلد ۱ ص ۲۷۱ [4] رواہ البیہقی فی الدعوات الکبیر

ترجمہ۔ جو شخص ہر جمعہ کو سورۃ کہف پڑھے اس کے لیے ہر دو جمعوں کے مابین نور روشن رہے گا۔

⑤ حضورؐ نے فرمایا:۔

من قرأ یٰسین فی صدر النھار قضیت حاجتہ۔[۱]

ترجمہ۔ جو شخص علی الصبح سورت یٰسین پڑھے اللہ تعالیٰ اس کی تمام حاجتیں پوری فرمائیں گے۔

⑥ پھر آنحضرتؐ نے یہ بھی فرمایا:۔

من قرأ الآیتین من اخر سورۃ البقرۃ فی لیلۃٍ کفتاہ۔[۲]

ترجمہ۔ جو شخص ہر شب کو سورۂ بقرہ کی آخری دو آیتیں پڑھ کر سوئے تو وہ دو آیتیں اسے ساری رات کے لیے کافی ہیں۔

⑦ پھر ایک اور موقعہ پر آنحضرتؐ ارشاد فرماتے ہیں:۔

ان سورۃ من القرآن ثلاثون آیۃ شفعت لرجلٍ حتی غفرلہ و ھی تبارک الذی بیدہ الملک[۳]

ترجمہ۔ قرآن پاک میں ایک سورۃ ہے جس کی تیس آیتیں ہیں وہ اپنے پڑھنے والے کی سفارش کریں گی یہاں تک کہ وہ بخشا جائے۔ وہ سورت سورۃ الملک ہے۔

جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سورتوں کی آیتوں تک کو شمار فرما رہے ہیں مختلف سورتوں میں محل آیات کی نشاندہی فرما رہے ہیں۔ سورتوں کے نام اور آیات کے اعداد و شمار تک پیش نظر ہیں تو پھر اس میں کسی شبہ کی گنجائش نہیں کہ آیتوں کے ارتباط اور سورتوں کے مرتب ہونے کا مسئلہ خود آنحضرتؐ کے سامنے ہی طے ہوا تھا۔

آیات کی ترتیب توقیفی ہے خدا کی طرف سے ہے انسانوں کی اپنی اختیار کردہ نہیں یہ بات احادیث کی روشنی میں تواتر کے درجے کو پہنچی ہوئی ہے۔[۳]

---

[۱] سنن ابی داؤد جلد ۱ صفحہ ۱۹۸ [۲] جامع ترمذی جلد ۲ صفحہ ۲۰۳ [۳] ابوداؤد جلد ۱ صفحہ ۱۱۹ [۳] الاتقان جلد ۱ صفحہ ۱۰۵

آیات و سُور کا نظم و تعارف

اگر سورتوں کا تقدم اور ان کا نظم آپ کے سامنے طے شدہ نہ ہوتا تو آپ نمازوں میں مستقل سورتوں کی تلاوت کیسے کر سکتے تھے۔ آپ کا مختلف موقعوں پر مختلف سورتوں کا پڑھنا اور ان کے پڑھنے کی ترغیب دلانا یہ مفہوم آخر کس طرح ادا ہوتا ہوگا۔ ابو داؤد کتاب العلم میں ہے کہ حضور اکرمؐ نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کو فرمایا:۔

اقرأ علی سورة النساء۔[۱]

ترجمہ۔ مجھے سورۃ النساء پڑھ کر سناؤ۔

عبداللہ بن مغفلؓ کہتے ہیں کہ فتح مکہ کے دن حضور اکرمؐ اپنی اونٹنی پر سوار تھے اور سورۃ فتح پڑھ رہے[۲] تھے۔ اگر سورتوں کا مسئلہ طے نہ ہوتا تو ان اطلاقات کا محل آخر کیا تھا۔ حضور اکرمؐ نے یہ بھی ارشاد فرمایا:۔

من قرء سورة الواقعة فی کل لیلة لم تصبه فاقة ابدا۔[۳]

ترجمہ۔ جو شخص ہر رات کو سورۃ واقعہ پڑھ لیا کرے اسے فاقہ کی تکلیف کبھی نہ ہوگی۔

پھر اگر پورے قرآن نے کوئی ترتیبی صورت نہیں پائی تھی تو صحابہ کرامؓ قرآن پاک کو آخر کس طرح ختم کیا کرتے تھے اور خود آنحضرتؐ اس کے لیے کس صورت میں ترغیب فرماتے رہے اور ختم کے لیے وقت کی حد بندی اور اصلاح کرتے رہے۔

عن عثمان بن عفانؓ انه کان یقرأ القرآن فی رکعة یوتر بها۔[۴]

ترجمہ۔ حضرت عثمانؓ نماز کو وتر بنانے والی ایک رکعت میں قرآن ختم کرتے تھے۔ آپ قرآن کو اس نماز میں ختم کرتے جسے ایک رکعت ملا کر وتر کر لیتے۔

حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ ایک شخص نے حضورؐ سے ایسا عمل پوچھا جو رب العزت کو

---

[۱] ابوداؤد ص ۵۱۲ [۲] ایضاً ص ۲۰۷ [۳] مشکوٰۃ ص ۔ ویؤیدہ ما رواہ مسلم عن النواس بن لسمعان قال سمعت النبی صلی اللہ علیہ وسلم یقول یؤتی بالقرآن یوم القیامة واهله الذین کانوا یعملون به تقدمه سورة البقرة وآل عمران کانهما غمامتان [۴] ترمذی جلد ۲ ص ۳۲ استیعاب جلد ۲ ص ۴۴۹

سب سے زیادہ محبوب ہو تو آپ نے فرمایا:۔

الحال المرتحل۔ [۱]

ترجمہ۔ قرآن پاک کو اس طرح ختم کرتا ہے کہ ساتھ ہی پھر شروع ہو تا ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے الحال المرتحل کا مفہوم پوچھا گیا۔ آپ نے فرمایا:۔

صاحب القرآن یقراء عن اول القرآن الیٰ اٰخرہ ومن اٰخرہ الیٰ اوّلہ کلما حل ارتحل۔ [۲]

ترجمہ۔ قرآن پڑھنے والا اوّل سے لے کر آخر تک پڑھتا ہے اور آخر سے پھر اوّل پر لوٹ آئے جب منزل پر اُترے تو دم لیتا ہی چل پڑے۔

پس اس امر میں کوئی شک نہیں کہ قرآن پاک کی تمام سورتیں آنحضرتؐ کے سامنے مرتب تھیں پڑھی جاتی تھیں اور پڑھائی جاتی تھیں اور ان کی آیات کی ترتیب نزول کے مطابق نہیں بلکہ "ترتیب رسُولی" تھی جو ہو بہو لوحِ محفوظ کی اصولی ترتیب تھی۔

ترتیب نزولی اور ترتیب رسولی کا یہ اختلاف ایک ہی سُورت کی مختلف آیات میں تو بہت کم ہے لیکن مختلف سورتوں کی باہمی آیات میں کچھ زیادہ ہے اس کی وجہ یہ تھی کہ بعض اوقات کئی کئی سُورتیں ایک ہی دور میں نازل ہونا شروع ہو جاتیں اور مدت تک زیر تکمیل رہتیں کبھی کسی سُورت کی آیتیں نازل ہو جاتیں اور ابھی وہ سورت مکمل نہ ہوتی کہ دوسری سورت کی بعض آیات نازل ہو جاتیں مگر اس طریق نزول سے قرآن کی جمع و ترتیب پر ہرگز کوئی خلاف اثر نہیں پڑتا تھا۔ اس کی مثال یُوں سمجھیئے:۔

ایک شخص بہت سے علوم جانتا ہے اور بیک وقت ہر ایک موضوع پر مختلف کتابیں لکھنی شروع کر دیتا ہے جس موضوع کے معلومات اس کے سامنے آئیں گے وہ انہیں ان کے متعلقہ عنوانوں کے تحت لکھتا جائے گا یہ نہیں کہ ایک کتاب کو پہلے مکمل کرلے اور پھر دوسری کی تکمیل کرلے۔

---

[۱] جامع ترمذی جلد ۲ ص ۱۳۲ [۲] دارمی ص ۴۴۲ نیز اصول کافی میں ہے دما الحال المرتحل قال فتح القرآن دختمہ وکلما جاء باوّلہ ارتحل فی اٰخرہ۔ (اصول کافی جلد ۲ ص ۶۰۵ ایران)

اسی طرح مسئلہ ترتیب سُور کو لیجئے قرآن کی مختلف سورتیں مستقل رسالوں اور مستقل ابواب یا تالیفات کی حیثیت رکھتی ہیں۔ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر الگ الگ رسالوں کے مضامین بلا ترتیب (بدوں اس التزام کے کہ پہلے ایک سورت مکمل ہو تب دوسری نازل ہونی شروع ہو) نازل ہوتے رہے اور آپ ہر مضمون کی آیات اس کے متعلقہ رسالہ میں لکھوا کر ان کی ترتیب معین فرما دیتے تھے ترتیب آیات کا مسئلہ ساتھ ہی طے ہو جاتا۔ ہاں ترتیبِ سُور کا مسئلہ ایک بعد کی منزل رہی۔

ترتیبِ سُور

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں سارا قرآن مختلف تقطیع کی مختلف چیزوں پر لکھا تھا اور اس نے یکجا جمع ہو کر ایک شیرازے کی شکل نہ پائی تھی۔ بنابریں اس باب میں اختلاف ہے کہ سورتوں کی یہ ترتیب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ہے یا یہ ایک بعد کی ترتیب ہے اس اختلاف کا کوئی بنیادی اثر نہیں۔ جب قرآن پاک کی ہر سورت ایک مستقل کتاب یا رسالے کی حیثیت رکھتی ہے تو ظاہر ہے کہ ایک مصنف کی متعدد کتابوں کو اگر ایک جگہ جمع کر دیا جائے اور باہمی فصل بھی قائم رہے تو اس میں تقدیم و تاخیر کا کیا اثر پڑ سکتا ہے۔ جب اس سے معانی و مطالب متاثر نہیں ہوتے تو سُورتوں کی آپس میں ترتیب اگر توقیفی نہ بھی ہو تو بھی ترتیب قرآنی پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ ہاں اگر ایک ہی کتاب یا رسالے کے بعض اجزاء میں یا ایک ہی سُورت کی آیات میں عوامی ہاتھوں سے تقدیم و تاخیر مان لی جائے تو کتاب یا رسالے کی ساری غایت اور مضمون کی ساری مراد مشتبہ ہو کر رہ جائے گی۔ یہی وجہ ہے کہ ترتیب آیات میں امت کے ہاتھوں تقدیم و تاخیر کا احتمال پیدا کرنا موجبِ کُفر ہے لیکن ترتیبِ سُور میں یہ اختلاف اس حد تک نہیں۔

پیش نظر رہے کہ یہ رعایت اختلاف صرف احتمال کی حد تک ہے حق یہی ہے کہ سورتوں کی موجودہ ترتیب بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہی طرف سے ہے جسے آپ نے باعلامِ الٰہی اختیار فرمایا تھا۔ علامہ کرمانی سے منقول ہے :-

ترتیب السور ھکذا عند اللہ فی اللوح المحفوظ۔

ترجمہ۔ سورتوں کی یہ ترتیب وہی ہے جو لوحِ محفوظ میں خدا کے ہاں ہے

امام ابوبکر انباری فرماتے ہیں:۔

یوقف جبریل النبیؐ علی موضع الآیۃ والسورۃ فاتساق السور کاتساق الآیات والحروف کلہ من النبیؐ فمن قدم سورۃ او اخرھا فقد افسد نظم القرآن[1]

ترجمہ۔ جبریل علیہ السلام آنحضرتؐ کو آیتوں اور سورتوں کے مواقع بتادیتے تھے سورتوں کی باہمی ترتیب ایسی ہی ہے جیسے آیات اور حروف کی باہمی ترتیب۔ یہ سب ترتیبات حضورؐ ہی کی طرف سے ہیں جو کوئی ان میں تقدیم و تاخیر پیدا کرے وہ نظمِ قرآنی میں فساد کرنے کا موجب ہے۔

صاحب تفسیر خازن لکھتے ہیں:۔

کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یلقن اصحابہ ویعلمھم ما ینزل علیہ من القرآن علی الترتیب الذی ھو الآن فی مصاحفنا بتوقیف جبریل علیہ السلام[2]

ترجمہ۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہؓ کو قرآن پاک اسی ترتیب کے ساتھ تلقین اور تعلیم فرماتے جس ترتیب کے ساتھ اب یہ ہمارے پاس موجود ہے اور یہ سب ترتیب حضرت جبریل کے بتانے سے ہی عمل میں آتی۔

آنحضرتؐ پر جتنا قرآن نازل ہو چکا ہوتا حضرت جبریل ہر رمضان میں اس کا آنحضرتؐ کے ساتھ دور کرتے آخری رمضان میں یہ دور دو دفعہ کیا ظاہر ہے کہ اس دورِ قرآنی میں سورتوں کی بھی کوئی ترتیب ضرور ہوگی اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ختمِ قرآن کے لیے اس کی سورتوں کو کسی نہ کسی ترتیب سے ہی پڑھتے ہوں گے۔ یہ ترتیب نزولی تو ہو نہیں سکتی کیونکہ حضور اکرمؐ نزولِ وحی کے بعد مختلف آیات علیحدہ علیحدہ مقامات پر لکھاتے تھے پس اس یقین سے چارہ نہیں

---

[1] الاتقان، صہ [2] تفسیر خازن جلد ا صہ

کہ پُورے قرآن کی تلاوت کے وقت حضور اکرمؐ کے سامنے سورتوں کی کوئی اور ترتیب تھی جو ترتیبِ نزول سے مختلف تھی۔

یہی وہ ترتیب ہے جس کے مطابق صحابہ کرامؓ نے قرآن کریم کو ایک شیرازے میں جمع کیا اور اسی ترتیب کو امت ترتیب رسولی سے یاد کرتی ہے۔ سورۃ توبہ سے پہلے بسم اللہ اس لیے نہیں کہ حضرت جبریل علیہ السلام اُس کے ساتھ بسم اللہ نہیں لائے تھے۔ ؎

پہلی سبع طُوَل اور حوامیم مفصّل اپنی ترتیب میں

قاضی ابن عطیہؒ کہتے ہیں کہ سبع طول، حوامیم اور مفصل سورتوں کی ترتیب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں اچھی خاصی معروف تھی۔ احمد بن ابراہیم ابوجعفر بن زبیر اندلسی (۸۰۷ھ) کہتے ہیں کہ آثار وشواہد سے معلوم ہوتا ہے کہ حضورؐ کے زمانہ میں اس سے بھی زیادہ سورتیں اپنے نام اور اپنے مقام سے شہرت پا چکی تھیں۔ سو راجح اور صحیح بات یہ ہے کہ سورتوں کی باہمی ترتیب توقیفی ہے اور یہ انسانی اختراع نہیں۔

یہ اختلاف تو ہو سکتا ہے کہ یہ دو متصل سورتیں ایک ہیں یا دو لیکن ترتیب ان کی بھی مجمع علیہ ہے ایسا مقام پُورے قرآن میں ایک ہی سامنے آیا کہ صحابہؓ فیصلہ نہ کر سکے کہ یہ ایک سُورت ہے یا دو۔ اس لیے انہوں نے ان کے مابین بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ادباً نہ لکھی مضمون دونوں کے ملتے جلتے ہیں جن سے متبادر ہوتا ہے کہ وہ ایک سورت ہیں اور اگر موقع نزول پر نظر رکھی جائے تو یہ دو سورتیں ہیں۔ پہلی مدینہ منورہ میں آغاز ہجرت میں نازل ہوئی اور دوسری آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری دور میں اُتری۔ یہ سورتیں الانفال اور براۃ (توبہ) ہیں ایک ہوں یا دو۔

نوٹ: قرآن کریم کی ہر سورت سے پہلے جو بسم اللہ ہے وہ سورت کا جزو ہے یا دو سورتوں کا باہمی فاصلہ ہے اس میں علماء کا اختلاف ہے۔ سو یہ شبہ اور اختلاف اس کی قرآنیت میں نہیں اس کے حکم میں ہے کہ سورت کا جزو ہے یا اگلی سورت کا اعلان ہے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کی قرآنیت ہر شبہے سے بالا ہے جو اسے شبہ فی القرآن کی دلیل بناتے ہیں غلطی پر ہیں قرآن کریم میں کوئی شبہ نہیں۔ ذٰلک الکتاب لا ریب فیہ۔

قرآن پاک کی پہلی سات سُورتوں کی ترتیب

سورۃ فاتحہ میں اللہ تعالیٰ کی صفت وثنا اس کی ربوبیت اور یقین آخرت، بندے کی نیاز وعبودیت اور سیدھی راہ کی طلب، انبیاء وصالحین کی پیروی اور گمراہ قوموں سے ہٹ کر رہنا یہ وہ بنیادی نقوش ہیں جن پر اسلام کی بنیاد قائم ہوتی ہے یہ سب مضامین سورۃ فاتحہ میں آگئے۔ آگے پورا قرآن اسی کی شرح اور اسی اجمال کی تفصیل ہے۔

سات لمبی سورتوں میں پہلی سورۃ البقرہ ہے۔ بقرہ کے معنی گائے کے ہیں یہاں گائے کا لفظ کسی جانور کی تعظیم کے لیے وارد نہیں ہند و خواہ مخواہ خوش ہوتے ہیں کہ لو قرآن کا آغاز بھی گائے سے ہی ہو رہا ہے پرانے لوگ یہ بھی کہتے سُنے گئے کہ پوری زمین کو ایک گائے نے ایک سینگ پر اُٹھا رکھا ہے جب وہ سینگ بدلتی ہے تو زلزلہ آتا ہے اس لیے گائے سے قرآن کا آغاز اصولی ہے۔

ایسی کوئی بات نہیں اس سورت میں ذبح بقرہ کا اعلان ہے۔ رہی سورۃ البقرہ تو یہ اس قوم کے عروج وزوال کا ایک تذکرہ ہے جس کی تاریخ گائے کے گرد گھومتی ہے۔ حضرت موسےٰ علیہ السلام کے طور پر تشریف لے جانے پر یہ لوگ کس طرح بچھڑے کے آگے جھکے اور کس طرح آج تک یہ قوم سونے کے بچھڑے کی پجاری چلی آرہی ہے۔ اس سورۃ میں زیادہ انہی لوگوں کا تذکرہ ہے ــــ مسلمانوں کو شروع قرآن میں تعلیم دی گئی کہ پہلے اپنے دشمنوں کو پہچانو جو قوم اپنے مخالفوں کو نہیں سمجھتی وہ بالآخر مار کھا جاتی ہے پہلے یہود ونصاریٰ کو سمجھو۔

مسلمانوں کو دو قوموں کے بارے میں بیدار کرنا ضروری تھا وہ دو قومیں کون ہیں۔

۱۔ یہود اور ۲۔ نصاریٰ۔ تاریخ یہود کے لیے البقرہ اور تاریخ نصاریٰ کے لیے آل عمران کا فکری مطالعہ درکار ہے۔ عمران حضرت مسیح کے نانا کا نام تھا جو حضرت مریم کے والد تھے اس سورت کا موضوع انہی کا خاندان ہے۔ تمام اعتقادی اور نظریاتی فتنے ان دو قوموں کے گرد گھومتے ہیں اور ہم کو قرآن کریم نے پہلے انہی دو کو جاننے پر مامور کیا ہے۔

من تعلم لسان قوم فقد امن شرهم۔

ترجمہ: جو کسی قوم کی زبان جان لے وہ اس کے شر سے محفوظ ہو جاتا ہے۔

ہندو گائے پرستی میں یہودیوں کا ہی ایک حصہ ہیں اور یہ بھی اسی طرح دولت کے پرستار ہیں جس طرح یہود۔ لتجدن اشد الناس عداوۃ للذین اٰمنوا الیھود والذین اشرکوا۔

سورۃ فاتحہ کے آخر میں ہم نے دو قوموں کے طریقے سے بچنے کی دعا کی تھی ایک وہ جن پر خدا کا غضب اُترا اور دوسرے وہ جو فرطِ محبت میں گمراہ ہوئے۔ پس ضروری تھا کہ آگے دو قوموں کا تذکرہ ہو پہلے اُن کا جن پر غضب اُترا (یہود) اور دوسرے ان کا جو حضرت مسیح علیہ السلام کے بارے میں صحیح پٹڑی سے اُتر گئے۔ سورۃ البقرہ اور سورۃ آلِ عمران کا یہ سورۃ فاتحہ سے ربط ہے۔

بنی نوعِ انسان کے لیے دو طرح کے فتنے

انسان اس دنیا میں یا اعتقادی اور نظریاتی فتنوں میں گھرا ہے یا تہذیبی اور معاشرتی فتنوں میں — اعتقادی فتنے یہود و نصاریٰ کے گرد گھومتے ہیں اور معاشرتی فتنوں کا موضوع عورت اور دولت ہے۔ عدالتوں میں جہاں دیکھیں زیادہ مقدمے عورت اور دولت کے باعث عدالتوں میں آتے ہیں۔ اعتقادی فتنوں کی اصلاح البقرہ اور آل عمران کے مطالعہ سے ہو گی — عورت کے مقام اور کام کا پتہ سورۃ النساء میں ملے گا اور دولت و جائداد کے عنوان آپ کو سورۃ مائدہ اور الانعام میں ملیں گے۔ جو لوگ دسترخوان پر چائے کی پیالی پر ایمان چھوڑ دیتے ہیں اور جس کا کھاتے ہیں پھر اسی کا گاتے ہیں ان کی اصلاح سورۃ المائدہ کے مطالعہ سے ہو گی اور آپ عربوں کی دولت اور ان کے مال کو الانعام میں دیکھ کر دولت کی حقیقت پر مطلع ہو سکیں گے۔

اللہ کی راہ سیکھنے والا سالک جب تک البقرہ آل عمران النساء المائدہ اور الانعام سے آگے نہ بڑھے وہ میدان میں قدم رکھنے کے لائق نہیں ہوتا۔ سورۃ الانفال لوگوں کو میدانِ عمل میں لاتی ہے اور سورۃ توبہ کفار و مشرکین کی پابندیوں سے چھڑاتی ہے۔

پہلی پانچ سورتوں اور ان سورتوں کے مابین الاعراف ہے۔ اس میں کچھ اُوپر کے حقائق اور تکوین کے مسائل ہیں۔ مومنین کو الانفال اور البرأۃ کے میدانوں میں آنے کے لیے پہلے اعراف

سے گزرنا ضروری ہے۔

قرآنی سُورتوں کی موجُودہ ترتیب حضورؐ کی اختیار کردہ ہے

اِس تحقیق کے نقلی دلائل

(۱) عربی کتاب کے دیباچے (چہرے) یا مقدمے کو فاتحۃ الکتاب کہتے ہیں کتاب کی ابتداء یا پہلا باب اس کا فاتحہ کہلاتا ہے۔ ایک بزرگ نے وصیت کرتے ہوئے کہا کہ جب میں مر جاؤں اور مجھے دفن کر چکو تو ؎۱

اقرأ عند رأسی بفاتحۃ البقرۃ وخاتمتها فانی سمعت ابن عمر یقول ذٰلك

ترجمہ: میرے سر کی طرف ہو کر فاتحۃ البقرہ (سورۃ بقرہ کی ابتدائی آیات) اور پھر اس کی آخری آیات پڑھنا کیونکہ میں نے حضرت ابن عمرؓ کو ایسا ہی کہتے سُنا ہے۔

جب فاتحہ دیباچے یا ابتداء کو کہا جاتا ہے اور قرآن پاک کی موجودہ ترتیب سُورمیں سب سے پہلی سورت الحمد ہے جو خود لسانِ پیغمبر سے فاتحۃ الکتابؐ کا اعزاز حاصل کر چکی ہے تو اس یقین سے چارہ نہیں کہ قرآن کی موجودہ ترتیب خود آنحضرتؐ کی ہی اختیار کردہ ہے۔ اگر آنحضرتؐ کے نزدیک سورتوں کے باہمی ربط میں ترتیب نزول کا اعتبار ہوتا تو آپ سورۃ فاتحہ کا نام سُورۃ اقرأ یا سُورۃ علق کو دیتے جو ترتیب نزول میں سب سے پہلی سورت تھی۔ آپ سورۃ الحمد کو فاتحۃ الکتاب ہرگز نہ فرماتے۔

(۲) موجودہ ترتیب قرآن میں پہلے سات لمبی سورتیں ہیں جنہیں السبع الطوال کہا جاتا ہے پھر مئین یعنی کم و بیش سو سو آیتوں کی سورتیں ہیں یہ سورۃ یونس سے سورۃ فاطر تک ہیں ان کے

؎ کتاب الروح لابن القیم ص۱۱ فاتحۃ البقرہ کے معنی اول البقرہ کرنے کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ امام بیہقی نے اس حدیث کو اپنے اسناد سے روایت کرتے ہوئے فاتحۃ البقرہ کی روایت اوّل البقرہ کے الفاظ میں پیش کی ہے (سنن کبریٰ جلد ۴ ص۵۲ مطبوعہ حیدر آباد دکن) فتح القرآن وختم قرآن ابتداء اور انتہا ہی ہے (اصول کافی جلد ۲ ص۶۰۵ مطبوعہ ایران) ؎ قال النبی لاصلوٰۃ لمن لم یقرأ بفاتحۃ الکتاب۔

بعد مثانی ہیں جن میں مضامین دُہرا دُہرا کر بیان کیے گئے ہیں اور آخر میں مفصل (علیحدہ علیحدہ قطعات) ہیں یہ سورۃ ق سے سورۃ الناس تک ہیں. یہی ترتیب آنحضرتؐ نے ایک حدیث میں ذکر فرمائی ہے جس سے واضح ہوتا ہے کہ یہ ترتیب خود آنحضرتؐ کی ہی اختیار فرمودہ ہے. اس میں امت کے ہاتھوں کا کوئی دخل نہیں. حضور اکرمؐ نے ارشاد فرمایا:-

مجھے تورات کے بدلے السبع الطوال، زبور کے بدلے مئین اور انجیل کی جگہ مثانی عطا کی گئی ہیں اور جو مجھے بطور فضیلت ملا وہ مفصل ہیں[1]

(۳) حضرت حذیفہؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک رات آنحضرتؐ نے ایک بہت لمبی نماز نہایت خشوع و خضوع سے ادا فرمائی:-

فصلّی اربع رکعات فقرأ فیھن البقرۃ وآل عمران والنساء والمائدہ[2]

ترجمہ: آپ نے چار رکعتیں پڑھائیں اور اُن میں سورۃ البقرہ، آل عمران، النساء اور المائدہ پڑھیں۔

یہ چاروں سورتیں قرآن پاک میں اسی ترتیب سے ہیں جس طرح کہ انہیں حضور اکرمؐ نے پڑھا. اس سے صاف پتہ چلتا ہے کہ موجودہ ترتیب سُوَر خود آنحضرتؐ کی ہی اختیار کردہ ہے جسے آپ نے باعلام الہٰی اختیار فرمایا ہوا تھا.

(۴) قرآن پاک کو اوّل سے لے کر آخر تک ایک جامع نظر سے دیکھئے تمام سورتیں ایک لڑی میں پروتے ہوئے موتیوں کی طرح ایک دوسرے سے متّسق نظر آئیں گی.

پہلی سورۃ فاتحہ ہے اس میں اھدنا الصراط المستقیم کے الفاظ میں ہدایت کی درخواست ہے تو اگلی سورۃ البقرہ میں ذٰلک الکتاب لاریب فیه ھدی ــــ للمتقین کے الفاظ میں اس ہدایت کی عطا ہے. دونوں سورتیں اپنے نزول کے لحاظ سے بالکل علیحدہ علیحدہ تھیں ان میں یہ باہمی تناسب اور ربط خود اس امر کا پتہ دیتا ہے کہ قرآن پاک کی ترتیب نزولی اس کی حقیقی ترتیب ہرگز نہ تھی اصل ترتیب وہی ہے جو ترتیب رسولی ہے، ورنہ دعائے ہدایت اور عطائے ہدایت اس طرح متّسق اور متناسق نہ ہوتیں۔

---

[1] مسند احمد جلد ۴ ص ۱۰۷ ، اتقان جلد ۱ ص ۵۵ [2] سنن ابی داؤد جلد ۱ ص ۱۲۷ باب مایقول فی رکوعه وسجوده

ہدایت موصول ہونے کے بعد اسے سمجھنے میں غلط فہمی کا اندیشہ تھا سورۃ آل عمران نے آیات کی تقسیم محکمات اور متشابہات میں کر کے ہر طریق الحاد کی جڑ کاٹ دی بلکہ اہل کتاب جو ہدایت موصول ہونے کے باوجود گمراہ ہو گئے تھے ان کی پوری تاریخ بیان کر دی تھی اس قصور عقل کی مناسبت سے آگے اس طبقے کا ذکر فرمایا جو فطرۃً اس باب میں کمزور تھا اگلی سورت کا نام نساء ہے۔

قرآنی سورتوں کی دوسری منزل (مئین)

قرآنی سورتوں کی دوسری منزل مئین کی ہے یہ وہ سورتیں ہیں جن کی آیات سوسو کے قریب ہیں اس منزل میں چار پیغمبروں کا مسلسل ذکر ہے۔ ۱۔ حضرت یونس علیہ السلام۔ ۲۔ حضرت ہود علیہ السلام۔ ۳۔ حضرت یوسف علیہ السلام۔ ۴۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام ــــ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ذکر سے پہلے سورۃ رعد کا فصل موجود ہے اور آگے سات سورتیں سورۃ الحجر (آیات ۹۹) سورۃ النحل (آیات ۱۲۸) سورۃ بنی اسرائیل (آیات ۱۱۱) سورۃ کہف (آیات ۱۱۰) سورۃ مریم (آیات ۹۸) سورۃ مریم (آیات ۱۳۵) سورۃ طٰہٰ (آیات ۱۳۵) سورۃ انبیاء (آیات ۱۱۲) ہیں پھر سورۃ حج (آیات ۷۸) المومنون (آیات ۱۱۸) النور (آیات ۶۴) الفرقان (آیات ۷۷) الشعراء (آیات ۲۲۷) النمل (آیات ۹۳) القصص (آیات ۸۸) العنکبوت (آیات ۶۹) اور سورۃ روم (آیات ۶۰) ہیں جن میں سے صرف المومنون اور الشعراء مئین میں سے ہیں۔

قرآن کریم میں جن پیغمبروں کا تذکرہ ہے وہ سب راہِ ہدایت پر تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی اسی راہ پہ چلنے کا حکم ہے۔ اولٰئِكَ الذین هدی اللہ فبهدا هم اقتده۔ (پ الانعام ۶) صرف یونس علیہ السلام کے بارے میں کہا کہ ان کی طرح جلدی نہ کرنا۔ ولا تکن کصاحب الحوت (پ ۲۹ القلم ۴۸) اس اعتبار سے ان کی شخصیت دوسرے انبیاء سے ایک طرف رہتی ہے۔ قرآن کریم نے سات سورتیں پیغمبروں کے نام سے اتاریں جیسے حضرت ہود، حضرت یوسف، حضرت ابراہیم، حضرت لقمان، حضرت محمد، حضرت نوح ــــ ان میں پہلے سورۃ یونس کو رکھا۔ ان کی ایک منفرد حیثیت تھی۔

یہ اسی طرح ہے جس طرح اہل کتاب یہود اور نصاریٰ حضرت ہود کو پیغمبر نہیں مانتے وہ نہ قوم عاد کے قائل ہیں نہ حضرت ہود علیہ علیہ السلام کے یہ عرب میں ہوئے ہیں۔

انہیں اس امتیاز پر شروع ہی میں ذکر کر دیا۔ سورۃ یونس کے بعد سورۃ ہود گزری آگے حضرت یوسف اور حضرت ابراہیم کے نام کی سورتیں ہیں۔

یہ دونوں پیغمبر جغرافیائی پس منظر میں بہت اہمیت رکھتے ہیں۔ حضرت یعقوب علیہ السلام کا وطن کنعان ملک شام تھا یہیں سے بنی اسرائیل چلے۔ اسرائیلی پیغمبر حضرت موسیٰ علیہ السلام مصر میں ہوئے۔ بنو اسرائیل وہاں کیسے پہنچ گئے ان جغرافیائی سرحدوں کو جوڑنے والی شخصیت حضرت یوسف کی ہے وہ کس طرح کنعان سے ایک حیلے سے نکالے گئے اور کس طرح مصر پہنچے اور پھر پورا خاندان یعقوب وہاں منتقل ہو گیا۔ قرآن کریم میں حضرت یوسف علیہ السلام کی داستان نہ ہوتی تو یہ دو سرحدیں (شام اور مصر) بنو اسرائیل کے دائیں بائیں نہ ہوتیں۔

یہ اسی طرح ہے جس طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام کے نام پر بنو اسرائیل اور بنو اسمٰعیل مل جاتے ہیں گو وطن دونوں کے علیحدہ علیحدہ رہے۔ ملک شام اور ملک عرب۔ قرآن کریم ایک عالمگیر اور آفاقی دعوت ہے اس کے لیے مناسب تھا کہ وہ پیغمبر جن پر ملکوں کی جغرافیائی سرحدیں ملیں اور جن پر دو متوازی سلسلے ایک ہوں انہیں حضرت یونس اور حضرت ہود علیہما السلام کے امتیازی خطوط کے بعد متصلاً ذکر کر دیا جائے۔

سورۂ ترتیب اس طرح چلی سورۃ یونس۔ سورۃ ہود۔ سورۃ یوسف۔ سورۃ رعد اور سورۃ ابراہیم ——— سبع طول میں جس طرح سورۃ اعراف کچھ اوپر کے خاص مضامین پر مشتمل ہے مئین میں سورۃ رعد میں یہ اوپر کی بجلی چمکی ہے۔

سبع طول میں البقرہ اور آل عمران میں بالترتیب یہود و نصاریٰ کی ہدایت یابی اور ہدایت تلفی کی تاریخ گزری ہے تو مئین سورتوں میں سورۃ بنی اسرائیل اور سورۃ مریم میں بنو اسرائیل اور مریم و مسیح کے تذکرے ملیں گے۔ پھر سورۃ طٰہٰ اور سورۃ انبیاء۔ دونوں انبیا کے تذکروں سے بھری ہیں۔ سورۂ انبیاء پر آ کر سمجھیں کہ اب اس صف کی تکمیل ہو گئی اور آپ کا حج ہو گیا۔ انبیاء کے بعد ان کی امتیں مومنین کے ملتے ہیں پھر قرآن کا پیغام لیں جس میں نور ہے اور ہدایت ہے

اور یہ حق و باطل کو نکھارنے میں فرقان ہے جن کی بات صاف اور واضح نہیں ہوتی اور وہ حقیقت و مجاز کے چکر سے نہیں نکلتے وہ شعراء ہیں ان سے محظوظ بے شک ہوں پر ان کی پیروی میں نہیں چلنا۔ چیونٹی اور مکڑی کے مساکن کس طرح اوھن البیوت کمزور ترین گھر ہیں ۔ یاد رکھنا اپنے قلعوں اور اپنی فوجوں پہ ناز کرنے والے رومی عنقریب پاس کے ملک میں مغلوب ہو کر رہ جائیں گے۔ یہ تمہاری فکری اور عملی زندگی کی سیر گاہ ہے ان عناوین کے تحت آپ کو بے شمار حکمت، عبرت اور موعظت کے سبق ملیں گے۔

قرآنی سُورتوں کی تیسری منزل

وہ سُورتیں جن میں سو سے کم آیتیں ہیں اور پر مذکور سورتوں میں الحج، النور، الفرقان، العنکبوت اور الروم مثانی میں سے ہیں۔ سورۃ روم سے سورۃ ق (آیات ۴۵) تک قرآن پاک کی کل ۵۰ سورتیں ہوتی ہیں۔

پھر آگے سورۃ ق سے آخر تک مفصل سورتیں ہیں یہ ۶۴ ہیں اور پہلی ۵۰ کے ساتھ مل کر کل ۱۱۴ سورتیں ہیں۔ المفصل کی تقسیم پھر تین حصوں میں ہے:

(۱) طوال مفصل : یہ الحجرات سے بروج تک

(۲) اوساط مفصل : سورۃ البروج سے البیّنہ تک۔

(۳) قصار مفصل : البیّنہ سے والناس تک۔

(۱) بعض سورتوں میں اختلاف ہے کہ وہ مئین میں ہیں یا المثانی میں — ہم نے عام تعارف کے لیے یہ نقشہ دے دیا ہے۔ وللتحقیق مقام آخر۔

(۲) مئین اور مثانی میں کچھ سورتیں باہم مختلط ہیں ان کی تعداد آیات سے پتہ چلے گا کہ وہ کن میں سے ہیں۔

(۳) مئین اور مثانی کی تقسیم اندازے سے ہے ان کے نام اور عنوان تو روایات میں ملتے ہیں مگر یہ کن کن کو شامل ہے اس میں مختلف آراء پائی جاتی ہیں۔

آخری سورتوں کے التساق کی ایک جھلک

اسی طرح قرآن پاک کی آخری سورتیں بھی نہایت لطیف ترتیب سے متناسب و مرتبط ہیں:۔

(۱) قل یاایھا الکافرون۔

ایک طرح سے اعلانِ جنگ ہے پورے عنوان سے کفر و اسلام کی دو ٹوک جدائی ہے لکم دینکم ولی دین دو علیحدہ علیحدہ راہوں کا اعلان ہے اعلانِ جنگ کے بعد فتح ہوتی ہے یا شکست، یہاں فرمادیا:۔

(۲) اذا جاء نصر اللہ والفتح۔

کہ یہاں فتح ہی فتح ہے شکست کا تصور بھی نہیں۔ فتح کے بعد دشمن سرنگوں ہوتے ہیں۔ فرمایا:۔

(۳) تبت یدا ابی لھب وتب۔

یہ دشمنوں کی رسوائی اور بدنامی کا بیان ہے جب اللہ کے دشمن سرنگوں ہوں تو اللہ کا نام سربلند ہوتا ہے توحید کی شان ظاہر ہوتی ہے۔ چنانچہ فرمایا:۔

(۴) قل ھو اللہ احد۔ اللہ الصمد۔

اللہ کا نام توحیدِ خالص کے ساتھ سربلند ہوا اسلام کا مقصد پورا ہوا۔ اب دعا کیجئے کہ یہ شجرِ اسلام ہر طرح کی نظرِ بد اور آسمانی اور زمینی آفتوں سے محفوظ رہے۔

(۵) قل اعوذ برب الفلق اور اس کے بعد قل اعوذ برب الناس۔

یہ معوذتین ہیں یہ خدا کی اس آخری کتاب کی منزل اختتام ہے۔

مخالفین کو چیلنج

اگر تمہیں یہ خیال ہے کہ یہ کلام بشری ہے تو تم بھی ایک ایسی سورت بنالاؤ:۔

وان کنتم فی ریب مما نزلنا علی عبدنا فاتوا بسورۃ من مثلہ۔

(پ۱ البقرہ ۲۳)

ترجمہ. اگر تم اس کلام کے بارے میں جو ہم نے اپنے بندے پر اتارا ہے شک میں ہو تو تم بھی ایک ایسی سورت بنا لاؤ.

یہ چیلنج قرآن پاک کی دوسری سورت میں ہے اس میں اس جیسی ایک سورت لانے کا مطالبہ کیا جا رہا ہے. جب ہم نے غور کیا تو اس چیلنج سے پہلے واقعی قرآن کی صرف ایک ہی سورت موجود ہے جو سورۃ فاتحہ ہے اس کی مثل لانے کا چیلنج واقعی دوسری میں ہی مناسب تھا. پھر سورۃ ہود میں چیلنج دیا گیا کہ :-

قل فاتوا بعشر سور مثله مفتريات. (پ۱۲ ہود ۱۳)

ترجمہ. آپ کہہ دیجئے کہ (اگر یہ قرآن میرا اپنا گھڑا ہوا ہے تو) تم بھی ایسی دس سورتیں بنا کر لاؤ.

جب ہم نے غور کیا تو اس سے پہلے واقعی دس سورتیں ہی موجود ہیں. قرآن پاک کی یہ ترتیب اگر حقیقی نہ ہوتی تو یہ دس سورتیں لانے کا چیلنج گیارہویں سورت میں ہی ہوتا؟ جس سے پہلے صرف دس سورتیں ہی واقعتاً موجود ہیں یہ قرآن پاک کی اندرونی شہادت ہے کہ اس کی حقیقی ترتیب وہی ہے جس میں آج یہ ہمارے سامنے موجود ہے.

قرآن کریم کی دوسری شہادت

سورۃ الانعام جو واقعی مکی ہے اس میں ارشاد ہے :-

وما لكم الا تاكلوا مما ذكر اسم الله عليه وقد فصل لكم ما حرم عليكم الا ما اضطررتم اليه. (پ۸ الانعام ٦)

ترجمہ. اور کیا وجہ کہ تم اس جانوروں سے بھی نہیں کھاتے جس پر اللہ کا نام لیا گیا ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ مفصل طور پر بیان کر چکے ہیں کہ تم پر حرام کیا گیا ہے ہاں یہ اور بات ہے کہ تم مجبور کر دیے جاؤ اس کے لیے.

اس آیت میں بتایا گیا ہے کہ وہ جانور جو حرام ہیں اس سے پہلے مفصل طور پر بیان ہو چکے ہیں. یہ تفصیل کہاں ہے؟ یہ سورت المائدہ (پ۶ ع۱) میں بیان ہوئی ہے جو بالاتفاق مدنی

سُورت ہے اور سورۃ الانعام کے بعد نازل ہوئی ہے۔ سورۃ البقرہ میں بھی محرمات کا کچھ بیان ہے مگر وہ بھی مختصر ہے۔ مفصل بیان المائدہ میں ہی ہے۔

پس اگر ترتیب نزدلی کا اعتبار کیا جائے تو سورۃ الانعام کا یہ دعوے کہ وہ تفصیل پہلے بیان ہو چکی ہے درست نہیں رہتا اور اگر موجودہ ترتیب کو دیکھا جائے سورۃ الانعام سے پہلے واقعی سورۃ المائدہ میں یہ تفصیل موجود ہے۔

خلاصہ اینکہ قرآن کریم کی حقیقی ترتیب یہی ہے جو اس وقت ہمارے سامنے موجود ہے بعض ملحدین نے حضرت علی المرتضیٰؓ کی طرف یہ بات منسوب کی ہے کہ آپ نے قرآن پاک کو رسولی ترتیب کی بجائے نزدلی ترتیب پر جمع کیا تھا ایسی روایات صحیح نہیں حضرت علی المرتضیٰؓ کی جلالت قدر اور عظمت شان کے پیش نظر ہم باور نہیں کر سکتے کہ انہوں نے آنحضرتؐ کی اختیار کردہ ترتیب چھوڑ کر اپنے لیے کوئی راستہ نکالا ہو۔ محققین کے نزدیک ایسی روایات اسناداً ضعیف اور اصولاً قابل اعتماد نہیں۔

حضرت صدیق اکبرؓ نے جس ترتیب سے قرآن پاک کو ایک شیرازے میں جمع کیا تھا۔ ظاہر ہے کہ وہ اسی ترتیب سے قرآن پاک کی تلاوت اور قرأت کرتے ہوں گے۔ جب حضرت علی المرتضیٰؓ حضرت صدیق اکبرؓ کے پیچھے نمازیں پڑھتے تھے اور ان کی سب نمازیں باجماعت ہوتی تھیں، تو ترتیبِ قرآن میں ان دونوں بزرگوں میں کیسے اختلاف رہ سکتا تھا ان میں اگر کچھ بھی اختلاف ہوتا تو وہ یقینی طور پر حضرت امیر المومنینؓ کی امامت اور حضرت علی المرتضیٰؓ کی اقتداء پر اثر انداز ہوتا۔ ایسے واقعات اس یقین تک پہنچنے کے لیے کافی ہیں کہ حضرت علی المرتضیٰؓ کی طرف ترتیبِ نزدلی کی نسبت درست نہیں

مشہد کے کتب خانہ رضوی میں حضرت علی المرتضیٰؓ کے ہاتھ کا لکھا ہوا قرآن پاک سورہ ہود سے لے کر آخر سورۂ کہف تک اب بھی صحیح سالم موجود ہے چمڑے پر خطِ کوفی میں لکھا ہوا ہے اور موجودہ ترتیب کے بالکل مطابق ہے۔ اور آخری صفحے کی پشت پر یہ لکھا ہوا ہے:

کتبہ علی ابن ابی طالب

ایک اور کامل نسخہ حضرت امام حسنؓ کے دست مبارک سے لکھا ہوا بھی موجود ہے۔ یہ

بھی ہو بہو موجودہ ترتیب پر ہے چمڑے پر لکھا ہے اور خط اس کا بھی کوفی ہے۔ آخر میں لکھا ہوا ہے اسے حسن نے ۴۱ھ میں لکھا ہے۔[۱]

(کتبہ حسن بن علی بن ابی طالب فی سنہ احدیٰ واربعین)

قرآن مجید اپنی موجودہ ترتیب میں عہد رسالت سے ہی متواتر چلا آرہا ہے۔ عہد صدیقی میں اسی ترتیب نے ایک شیرازے کی شکل پائی تھی جو عہدِ رسالت سے تلاوت و قرأت میں متواتر چلا آتا تھا اسی کی نشر و اشاعت عہد عثمانی میں ہوئی تھی۔ پس اس تواتر طبقہ کے خلاف ان اخبار احاد کا کوئی اعتبار نہیں جن میں کسی بزرگ سے اس کی کوئی اور ترتیب منقول ہو، تحقیق کی جائے تو وہ روایت ہی غلط ہوگی۔ ظنیات کی پیروی میں قطعیات کو چھوڑ دینا بڑی نادانی ہے۔ وہ لوگ جن کے نزدیک اہل تواتر کا امر خلاف واقع پر اجماع کر لینا محال نہ ہو اور وہ امت کے اجماع کو حجت نہ سمجھتے ہوں وہ اگر تواتر طبقاتی کا احترام نہ کریں تو تعجب کی بات نہیں لیکن ہمارے نزدیک تواتر طبقہ بلکہ تواتر تعامل بھی یقین کی ایک قابل اعتماد بنیاد ہے۔

فقہائے کرام نے نماز میں سورتوں کی ترتیب موجودہ ترتیب کے ساتھ ضروری بتائی ہے یہ جائز نہیں کہ پہلی رکعت میں کوئی اگلی سورت پڑھ لے اور دوسری رکعت میں اس سے پہلی کسی سورت کو پڑھ لے۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ ان بزرگوں نے سورتوں کی باہمی ترتیب کو محض ایک تالیفی درجہ نہیں دیا۔ بلکہ اسے شرعی درجے میں ایک سماوی بات سمجھتے رہے ہیں۔

محقق ابن ہمامؒ کہتے ہیں:۔

وان قرأفی رکعة سورة وفی الثانیة ما فوقها او فعل ذلک فی رکعة فهو مکروه۔[۲]

ترجمہ۔ اور اگر ایک رکعت میں ایک سورت پڑھی اور دوسری رکعت میں اس سے پہلے کوئی پڑھی یا ایک ہی رکعت میں سورتوں کو اس ترتیب سے پڑھ لیا تو یہ مکروہ ہے۔

---

[۱] پروفیسر ڈاکٹر اقبال مرحوم نے اپنے سفر ایران میں ان دونوں قرآنی نسخوں کو دیکھا تھا ان کے کوائف وہی ہیں جو ہم نے ذکر کیے ہیں۔ (دیکھئے اورینٹل کالج میگزین ۳۵ء صفحہ ۱۰۲) [۲] فتح القدیر جلد ا صفحہ ۲۴۳

احرف القرآن

قرآن کا سبعہ احرف میں اُترنا

الحمد للہ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ امابعد :

قرآن کریم عرب کے لغت میں نازل ہوا اور عرب قبائل باہم ایک متمدن قوم نہ ہونے کے باعث اپنی لغات میں ایک دوسرے سے کچھ جدا تھے ایک لغت اور حرف والے کو دوسروں کے لغت اور حرف میں مناسبت نہ ہوتی تھی قرآن کریم ان امیین میں ایک ہی لغت اور حرف میں اُترا اور اس کی دعوتِ ابتداء میں مکہ اور اس کے قریب کے گرد د نواح کے لیے تھی ۔

لتنذر ام القریٰ ومن حولھا ۔ (پ الانعام ۹۲)

ترجمہ: تاکہ آپ ڈرائیں مکہ والوں کو اور جو اس کے اردگرد ہیں ۔

سو اس صورت حال میں سب عربوں کا قرآن پاک کو ایک ہی پیرائے میں پڑھنا خاصہ مشکل اور پھر عورتوں اور بوڑھوں میں جو دوسرے قبائل کی لغات سے مانوس نہ تھے قرآن کی تلاوت کا جاری ہونا کوئی آسان بات نہ تھی ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس عوامی ضرورت سے پوری طرح باخبر تھے ۔ آپ نے اس باب میں اللہ تعالیٰ سے درخواست کی کہ میری امت کے لیے کچھ آسانی پیدا کر دیں اور آپ بار بار اللہ تعالیٰ سے یہ گذارش کرتے رہے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے قرآن کے سات پیرائے ٹھہرے انہیں ہی سبعہ احرف کہا جاتا ہے اسے یوں کہیئے کہ قرآن کریم سبعہ احرف میں نازل ہوا اور یہ اس کی مختلف قراآت ہیں ۔

سبعہ احرف کے ساتھ قرآن اب صرف ایک قبیلے کی آواز نہیں پورے عرب کی دستاویز بنا مسلمان کسی بھی قبیلہ سے ہوں سب اس میں برابر کی دلچسپی لینے لگے اور اس کی بلاغت اور شانِ اعجاز سب عربوں کو ایک فکر پہ لے آئی کہ پوری سرزمین عرب میں کوئی قبیلہ اور کوئی بطن اس شان کی فصاحت اور بلاغت اپنے کلام میں نہیں لا سکتے ۔ پھر جب ان لوگوں سے کہا گیا کہ اگر یہ کلام واقعی کوئی انسانی کلام ہے کوئی وحیِ الٰہی نہیں تو تم بھی ایسا کلام بنا لاؤ، تو یہ چیلنج اُسی

صورت میں کارگر ہو سکتا ہے کہ تمام عرب قرآن کریم کے پڑھنے اور سننے میں کوئی اجنبیت محسوس نہ کریں ـــ اور کوئی طبقہ یہ نہ کہہ سکے کہ قرآن اگر ہماری بولی میں اُترتا تو ہم ضرور اس جیسا کلام لے آتے یہ تو ہمارے لہجہ میں ہی نہیں۔ سو حکمتِ خداوندی کا تقاضا ہوا کہ قرآن کریم سات حرفوں میں ڈھلے اور عرب قوم کا ہر طبقہ اسے اپنی کتاب سمجھے۔

حافظ ابو محمد عبداللہ بن قتیبہ لکھتے ہیں:۔

حق تعالیٰ نے آسانی عطا کرنے کے لیے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا کہ اپنی امت کو ان کی زبان اور عادت کے مطابق الفاظ میں قرآن پڑھائیں۔ ہذیل حتّٰی کی بجائے عتّٰی بولتے تھے اور اسدی لوگ تعلمون اور تعلم اور تسودّ وجوہٌ اور الم اعھد الیکم میں علامت مضارع کو کسرہ سے ادا کرتے اور بنو تمیم یِئلمون۔ شئت اور یومنون میں ہمزہ پڑھتے تھے اور قریش ابدال کرتے تھے اور بعض قیل لھم اور غیض الماء میں اشمام کرتے تھے اور مالک لا تأمنا میں ادغام اور ضمہ کا اشمام کرتے تھے اور بعض علیھم اور منھم کو علیھمو اور منھمو پڑھتے تھے اور بعض قد افلح۔ قل اوحی اور خلوا الی میں کرتے تھے اور بعض موسٰی عیسٰی اور دنیا کو امالے سے اور بعض تقلیل (تھوڑے امالے) سے اور بعض خبیرًا اور بصیرًا کو ترقیق سے اور بعض الصلوٰۃ اور الطلاق کو لام کی تفخیم سے پڑھتے تھے۔[1]

پس حق سبحانہ وتعالیٰ نے جس طرح امت کو دین میں آسانی دی تھی اسی طرح اپنے لطف وکرم سے قرآن کے لغات اور حرکات میں بھی وسعت عطا کر دی اور آسانی کے علاوہ اس میں ایک حکمت یہ بھی تھی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے آیت قل لئن اجتمعت الانس والجن (پ۱۵ بنی اسرائیل) پیش کر کے تمام مخلوق کو چیلنج دیا تھا کہ قرآن جیسی کوئی کتاب بنا لائیں پس اگر قرآن

---

[1] عنایاتِ رحمانی شرح شاطبیہ جلد اص ۲۷ مقدمہ

ایک ہی لغت میں نازل ہوتا تو دوسرے لغت والوں کو یہ کہنے کی گنجائش رہتی کہ اگر قرآن ہمارے لغت میں ہوتا تو ہم اس کا مثل لاتے۔[۱]

حدیث سبعة احرف اور اس کی شرح

سیدنا حضرت عمرؓ کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا :۔

ان هٰذا القراٰن انزل علی سبعة احرف فاقرءوا ما تیسّر منه۔[۲]

ترجمہ۔ بے شک یہ قرآن سات قراآت میں اُتارا گیا ہے ان میں جو آسان لگے تم اسے اس میں پڑھو۔

ان القراٰن انزل علیٰ سبعة احرف كلها شاف كاف۔[۳]

ترجمہ۔ بے شک قرآن سات حرفوں میں اُتارا گیا ہے ان میں سے ہر پیرایہ شفا دینے والا اور کفایت کرنے والا ہے۔

حضرت ابی بن کعبؓ کہتے ہیں آنحضرتؐ کے پاس حضرت جبرئیلؑ آئے اور کہا :۔

ان الله يأمرك ان تقرأ امتك علیٰ حرف فقال اسأل الله معافاته ومغفرته وان امتی لا تطيق ذلك ثم اتاه الثانية.... ثم جاء الثالثة .... ثم جاءه الرابعة فقال ان الله يأمرك ان تقرأ امتك القراٰن علیٰ سبعة احرف فاي حرف قرأوا عليه فقد اصابوا۔[۴]

ترجمہ۔ اللہ تعالیٰ آپ کو حکم دیتے ہیں کہ اپنی امت کو ایک ہی پیرایہ میں قرآن پڑھائیں۔ آپ نے کہا میں اللہ تعالیٰ سے اس کی معافی اور مغفرت مانگتا ہوں میری امت ایک پیرایہ میں پڑھنے کی طاقت نہیں رکھتی۔ پھر اللہ تعالیٰ نے دو پیرایوں میں پڑھنے کا کہا.... پھر تین پیرایوں میں پڑھنے کا کہا... پھر چار پیرایوں میں پڑھنے کا کہا... پھر اللہ تعالیٰ نے کہا آپ اپنی امت کو سات

---

[۱] عنایات رحمانی شرح شاطبیہ جلد ۱ صـ۲۸ مقدمہ [۲] صحیح بخاری جلد ۲ صـ۷۴۷ [۳] مسند ابی یعلی جلد
[۴] صحیح مسلم جلد ۱ صـ۲۷۳

حروف پر پڑھنے کا کہیں وہ جس پیرایہ میں بھی پڑھیں وہ راستی پر ہوں گے۔

یہ حدیث مختلف الفاظ سے حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت ابی بن کعبؓ، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ، حضرت معاذ بن جبلؓ، حضرت ہشام بن حکیم ابن حزامؓ، حضرت عبداللہ بن عباسؓ، حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ، حضرت ابوسعید الخدریؓ، حضرت ابوہریرہؓ، حضرت حذیفہ بن الیمانؓ حضرت زید بن ارقمؓ، حضرت انس بن مالکؓ، حضرت سمرہ بن جندبؓ، حضرت ابوایوب انصاریؓ، اور دوسرے کئی صحابہؓ کرام سے مروی ہے اور یہ حدیث درجہ متواتر کو پہنچی ہوئی ہے۔ حضرت عثمانؓ نے اسے مسجد میں مجمع عام میں پڑھا اور سامعین سے اس کی تصدیق مانگی۔ اتنے لوگ کھڑے ہوئے کہ ان کی گنتی نہ ہو سکتی تھی۔ یہ تصدیق اس بات کی تھی کہ ان سب نے اسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنا ہے۔

اس حدیث کی شرح میں مختلف باتیں کہی گئی ہیں :۔

① سات حروف سے سات لغات مراد ہیں۔ وہ لغات۔ ۱۔ قریش۔ ۲۔ ہذیل۔ ۳۔ ثقیف۔ ۴۔ ہوازن۔ ۵۔ کنانہ۔ ۶۔ تمیم اور ۷۔ یمن کے حروف ہیں۔ ان سات قبائل میں لغات میں بہت کچھ اشتراک بھی تھا لیکن وحی کا نزول ان ساتوں کے اختلاف لغات میں بھی رہا۔ گو ایک لغت قریش اس کی مرکزی لغات رہی۔

② سات حروف سے سات طرح کے مضامین مراد لیے گئے ہیں۔ ۱۔ حلال۔ ۲۔ حرام۔ ۳۔ محکم۔ ۴۔ متشابہ۔ ۵۔ امثال۔ ۶۔ اخبار اور ۷۔ انشاء۔ قرآن کریم کے مضامین بس انہی سات میں دائر ہیں۔ بعض حضرات نے سات سے مراد آیات کے سات درجے لیے ہیں۔ ۱۔ ناسخ ۲۔ منسوخ۔ ۳۔ عام ۴۔ خاص۔ ۵۔ مجمل۔ ۶۔ مبین اور ۷۔ مفسر ہیں۔ اور بعض نے اس کے مضامین کو۔ ۱۔ امر ۲۔ نہی، ۳۔ طلب، ۴۔ دعا۔ ۵۔ خبر ۶۔ استخبار اور ۷۔ زجر پر شامل بتلایا ہے۔

یہ دوسری تقسیم معانی اور درجات احکام کی ہے الفاظ و حروف کی نہیں۔ سباق حدیث میں بات حروف و الفاظ کی چلی آرہی ہے سو اس سے مراد لغات ہی لی جائیں گی اور ان کا آپس میں اختلاف مناقضہ و تضاد کا نہیں جمع و طباق کا لیا جائے گا۔

ان هٰذه الاحرف تختلف معانيها تارة والفاظها اخرىٰ وليست متضادة ولا متنافية۔[1]

ترجمہ۔ بے شک یہ حروف ایسے ہیں کہ کبھی ان کے معانی میں اختلاف ہوا اور کبھی الفاظ میں اور ان کا اختلاف آپس میں تضاد اور تنافی کا نہیں۔

عربی میں حرف کے معنی

اہلِ لُغت کے ہاں حرف ان معنوں میں آتا ہے۔ ۱۔ حافہ ۲۔ ناحیہ ۳۔ وجہ ۴۔ طرف ۵۔ حدبندی ۶۔ ٹکڑا۔ یہاں ان میں تیسرے معنی مراد ہیں (یعنی وجہ) اور یہ اس پیرایہ کو کہتے ہیں جس میں بات کہی گئی اور اس پیرائے کو مجازاً قرأت سے بھی تعبیر کیا جا سکتا ہے۔ یہ لفظ قرآن کریم میں کنارے کے معنی میں بھی وارد ہے:۔

ومن الناس من يعبد الله على حرف فان اصابه خيرٌ اطمأن به وان اصابته فتنة انقلب على وجهه۔ (پ۱۷ الحج ۱۱)

ترجمہ۔ اور لوگوں میں ایسا بھی ہے جو اللہ کی بندگی کنارے پر آکر کرتا ہے کہ اگر اس کو بھلائی پہنچے تو مطمئن رہے اور اگر اسے آزمائش نے آلیا تو پھر وہ اُلٹے منہ پھر گیا (وہ ہر حال میں اپنے آپ کو بندگی میں رکھنے کے لیے تیار نہیں۔

حضرت ہشام بن حکیم بن حزامؓ کی روایت میں لفظ حروف الفاظ کے معنی میں وارد ہے:۔

عن عبدالرحمٰن بن عبدالقاری قال سمعت عمر بن الخطاب يقول سمعت هشام بن حكيم بن حزام يقرأ سورة الفرقان على حروف كثيرة لم يقرءنيها رسول الله صلى الله عليه وسلم۔

ترجمہ۔ عبدالرحمٰن کہتے ہیں میں نے حضرت عمرؓ سے سُنا آپ کہہ رہے تھے میں نے ہشام بن حکیم کو سورۃ فرقان بہت سے ان الفاظ میں پڑھتے سُنا جو مجھے رسول اللہؐ نے نہ پڑھائے تھے آپ انہیں پکڑنے لگے مگر پھر آپ نے انہیں ڈھیل

---

[1] نووی شرح مسلم جلد ۱ صـ۲۷۲

دی اور یہ سارا ماجرا حضورؐ کی خدمت میں پیش کیا۔ آپ نے فرمایا کہ قرآن کریم مجھ پہ (الفاظ کے) سات پیرایوں میں اُتارا گیا ہے۔

یہ اختلاف حروف و الفاظ میں تھا آپ نے اس پر یہ حدیث پڑھی سو یہاں احرف کے معنی ماقبل کے حروف پر منطبق ہو گئے۔ یہاں اگر احرف سے مراد وہ معانی اور مضامین لیے جائیں جو ہم شرح حدیث میں ۲ کے ذکر کر آتے ہیں تو پھر حدیث کے اس ٹکڑے پر کبھی عمل نہ ہو سکے گا کہ جو آسان ہو لے لو۔ کیونکہ وہ مضامین اور پیرائے تو سارے کے سارے واجب القبول ہوں گے۔ اور ان میں سے کسی کو چھوڑا نہ جا سکے گا اور یہاں حدیث میں واضح الفاظ میں بعض کے چھوڑنے کی اجازت ہے۔ حضورؐ نے فرمایا:-

فاقرءوا ما تیسر منه [1]

ترجمہ: تم ان میں سے وہ حروف پڑھ لیا کرو جو تمہیں آسان لگیں۔

سات حروف کا مورد و مصداق

قرآن کریم کے کسی ایک کلمہ میں یہ سات پیرایہ بیان ملیں ایسا نہیں ہے بلکہ یہ پیرائے پورے قرآن میں کہیں کہیں پھیلے ہوئے ہیں اور پورے قرآن کے یہ مختلف پیرایہ ہائے بیان سات طرح کے اختلاف تک پہنچے ہیں۔ امام نووی (۶۷۶ھ) لکھتے ہیں:-

ھی متفرقة فی القرآن غیر مجتمعة فی کلمة واحدة وقیل بل ھی مجتمعه فی بعض الکلمات کقوله تعالیٰ وعبد الطاغوت وترتع ونلعب وباعد بین اسفارنا وبعذاب بئیس وغیر ذٰلک [2]

ترجمہ: یہ اختلاف حروف پورے قرآن میں پھیلے ہوئے ہیں ہاں بعض کلمات میں یہ کئی کئی پیرائے جمع ہیں جیسے عبد الطاغوت ترتع ونلعب اس طرح بھی پڑھے گئے ہیں اور باعد بین اسفارنا اور بعذاب بئیس اس طرح بھی پڑھے گئے ہیں۔

---

[1] صحیح مسلم جلد ۱ صہ ۲۷۲ [2] شرح مسلم جلد ۱ صہ ۲۷۲

یہ احرف سبعہ کی وسعت کیا ہمیشہ کے لیے ہے

ابتدائے اسلام میں عرب ایک متحد اور منضبط ملک نہ تھا نہ وہاں کوئی ایک حکومت تھی۔ سب قبائل اپنی اپنی حدود میں حکمران تھے اور ان کی آپس میں لغات بھی مختلف تھیں لیکن وہاں جوں جوں ایک تمدن قائم ہوا سب عرب ایک دوسرے کے قریب ہو گئے۔ پھر یہ اَحرف سبعہ محض روایات میں رہ گئے عملاً سارا عالم اسلام ایک لغات اور ایک قرأت پر آگیا۔ پہلے قرآنی صحیفے احرف سبعہ کے اختلاف پر لکھے جاتے تھے اب سیدنا حضرت عثمانؓ نے انہیں ایک لغت اپر لوٹا دیا۔ کیونکہ احرف سبعہ کی جو ضرورت تھی وہ اب پوری ہو چکی۔ امام ابوجعفر الطحاوی (۳۲۱ھ) لکھتے ہیں :-

ان القرأۃ بالاحرف السبعۃ کانت فی اول الامر خاصۃً للضرورۃ لاختلاف لغۃ العرب ومشقۃ اخذ جمیع الطوائف لغۃ فلما کثر الناس والکتاب وارتفعت الضرورۃ عادت الی قرأۃ واحدۃ۔[1]

ترجمہ۔ یہ سات حرفوں میں پڑھنے کی صورت پہلے دور میں ضرورت کے لیے تھی کیونکہ عربوں کے لغات مختلف تھے اور سب قبائل ایک ہی لغات سے تمسک کریں یہ عملاً مشکل تھا جب لوگ زیادہ ہو گئے اور لکھنے والے بھی پیدا ہو گئے اور یہ ضرورت اُٹھ گئی تو سب لغات ایک لغت پر لوٹ آئے سات حروف ایک حرف پر آگئے۔

اب ایک ہی قرأت قرآن

قرآن پاک کی موجودہ صورت ہمارے سامنے ہے اور بے شک ایک قرأت ہے اس پر اب ساری امت جمع ہے ہم عجمی لوگوں کے لیے اس میں بے شک اب بھی وہی جذبہ اور اثر ہے جو پہلے عرب کے مختلف قبائل اسے اپنے اپنے لہجے میں پڑھتے ہوئے محسوس کرتے تھے

---

[1] شرح مسلم للنووی جلد ۱ صد ۲۷۲

یہاں اب آپ کو جو مختلف قاری اسے مختلف قرأتوں میں تلاوت کرتے ہوئے ملیں گے تو یہ قراء سبعہ کے فن کا نکھار اور اس کا صوتی حسن ہے جو آپ کو متاثر کر رہا ہے یہ سبعہ قرأت وہ احرف سبعہ نہیں جو سبعہ کی مختلف قراآت تھیں۔

صحابہ کا اختلاف قراآت سبعہ قراآت نہیں

صحابہؓ میں قرآن کریم جن احرف سبعہ میں پڑھا گیا ان میں سے کسی ایک قرأت کو بھی قراء سبعہ کی قراآت میں پڑھا جاسکتا ہے۔ احرف سبعہ کی قراآت اور ہیں اور قراء کی قراآت اور ہیں احرف سبعہ قرأت کے مختلف پیرائے ہیں۔ مخارج اور مدّ و شد کے لحاظات نہیں۔ قراء سبعہ مخارج وقف و وصل مد و شد اور اخفاء و اظہار میں اپنی روایات رکھتے ہیں اور احرف سبعہ کی کسی ایک قرأت کو بھی قاری صاحبان اپنی مختلف قراآت میں پیش کر سکتے ہیں۔ اس کی بحث آپ کو تجوید القرآن میں ملے گی۔

برصغیر کے امام القراء ابومحمد محی الاسلام عثمانی پانی پتی (۱۳۷۲ھ) لکھتے ہیں:۔

اکثر پڑھے لکھے کہا کرتے ہیں کہ احرف سبعہ سے مراد قراء سبعہ کی قراآت ہیں یہ وہم ہے قراء سبعہ کا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں وجود ہی نہ تھا.... صحابہ کرامؓ اور تابعین کے عصر میں ان کی قراآت موجود نہ تھیں۔[1]

حضرت مولانا قاری فتح محمد صاحب (۱۴۰۷ھ) بھی لکھتے ہیں:۔

اکثر پڑھے لکھے لوگ کہا کرتے ہیں کہ حدیث میں جو سبعہ احرف ہے اس سے قراء سبعہ کی سات قرأتیں مراد ہیں لیکن یہ ان کا وہم ہے.... امام اسماعیل بن ابراہیم بن محمد القراب شافی کہتے ہیں حروف سبعہ کی حدیث سے یہ وہم نہ ہونا چاہیئے کہ اس میں ان قراء سبعہ کی طرف اشارہ جو تابعین کے بعد پیدا ہوئے کیونکہ اس صورت میں حدیث اس وقت تک بے فائدہ ہو جاتی ہے جب تک یہ قراء سبعہ پیدا ہو کر تعلیم نہ پائیں اور یہ قراآت اختیار نہ کریں اور ان

---

[1] شرح سبعہ قراآت جلد ۱ ص۱۱

سے نقل نہ کی جائیں. نیز لازم آئے گا کہ صحابہؓ وغیرہ کو اس وقت تک قرآن پڑھنا جائز نہ ہو جب تک وہ یہ نہ معلوم کر لیں کہ یہ قراء فلاں فلاں قرأت اختیار کریں گے یہ عین جہالت ہے۔[1]

اُمت میں قرأت قرآن کیسے جاری ہوئی؟

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور کئی دوسرے صحابہ کرامؓ نے قرآن پڑھا. حضرت ابن عباسؓ کے شاگرد امام ابوجعفر سادات تابعین میں سے ہیں اور امام نافعؒ (۰۷ھ) کے استاد ہیں. امام ابوجعفر اور امام نافع دونوں مدینہ کے رہنے والے تھے.

حافظ ابوحیان اندلسی لکھتے ہیں ناممکن ہے کہ اس مرتبے کے اشخاص کتاب اللہ میں کوئی ایسی چیز پڑھ جائیں جو کتاب اللہ میں سے نہ ہو.

عہد تابعین میں روزانہ مساجد میں نمازیں پڑھی جاتیں اور قرآن پڑھا جاتا تھا. سو قرآن اس امت میں تواتر طبقاتی سے چلا ہے صحابہؓ اس کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرنے والے ہیں. پھر تابعین کرام اس کے وارث ہوئے اور اسے ایک طبقے نے ایک طبقے سے لیا.

علامہ ذہبی (۸۴۸ھ) لکھتے ہیں:۔

علماء و محدثین سلف و خلف میں سے کسی نے امام ابوجعفر اور یعقوب کی قرآت کا انکار نہیں کیا.[2]

دسویں صدی کے مجدد ملا علی قاری (۱۰۱۴ھ) بھی لکھتے ہیں:۔

علماء اعلام کا اس پر اتفاق ہے کہ شاطبیہ جن وجوہ پر متضمن ہے وہ بطریق یقینی متواتر مصاحف عثمانیہ کی رسم کے موافق اور قواعد عربیت کے مطابق ہیں.[3]

مصاحفِ عثمانیہ سے پہلے تلاوتِ قرآن کس پیرایہ میں تھی

مصاحفِ عثمانیہ سے پہلے صحابہؓ جن جن پیرایوں میں قرآن پڑھتے وہ سب وجوہ صحیح اور منزل

---

[1] شرح شاطبیہ جلد اوّل ص۳۷، ص۳۸ [2] شرح سبعہ قرآت جلد ۱ ص۱۲۲ [3] ایضاً ص۱۲۱

من اللہ تھیں۔ ہر صحابی نے جو پیرایہ آنحضرتؐ سے سیکھا وہ اس کے لیے کسی اور شہادت اور تائید کا محتاج نہ تھا۔ اب ان کی اسناد میں اگر بعد میں کوئی ضعف آگیا ہو یا لوگوں کے لیے وہ وجہِ قرأت متواتر نہ رہی ہو تو پھر مصاحفِ عثمانیہ کی پابندی کی جائے گی۔ مصاحفِ عثمانیہ پر سب صحابہ کرامؓ کا اجماع ہوا ہے سو اب امت کے لیے اس اجماع کی پابندی لازمی ٹھہرتی ہے اور دوسری وجوہِ قرأت جو پہلے کبھی متواتر تھیں جب ان کا تواتر آگے نہ چلا تو وہ اخبار احاد کے درجہ میں آگئیں اب ان سے مسائل تو لیے جا سکتے ہیں لیکن انہیں نماز میں نہ پڑھا جائے گا۔

ہاں مصاحفِ عثمانیہ میں جن اختلافات کی رعایت رکھ لی گئی ان پر آئندہ قاریوں نے اپنی اپنی پسند کی قرأت جاری کی اور اس طرح قراءِ سبعہ کی قراآت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تک متصل اور متواتر ٹھہریں اب ان میں سے کسی کا انکار حضورؐ سے ثابت ہونے والے امرِ متواتر کا انکار ہوگا۔

قراءِ سبعہ نے قرآن پڑھنے میں اپنے اپنے حسنِ فن اور کمال کا اظہار کیا اس کے صوتی نکھار اور خطابی حسن نے تاریخِ اسلام میں بڑے بڑے معرکے سر کیے تاہم اسکے احرف سبعہ کی تاریخی حیثیت بھی آج تک اس کے بعض علمی اور فقہی پہلوؤں پر اثر انداز رہی ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ قرآن کریم کے اس دور کے خطابی اثرات میں اس کی مختلف قرأتوں کو واقعی بہت دخل رہا ہے تاہم اسے ایک قانون کی کتاب سمجھتے ہوئے اور فقہ کا علمی ماخذ مانتے ہوئے اگر ہم اس ایک قرأت پر بھی اکتفا کریں تو ہمارے لیے یہ بے مثل کتاب کافی ہے۔ عمل رسالت اس کے آگے ایک شرح کے درجے میں سمجھا جائے گا۔

اختلاف قرأت سے قرآن کی قطعیت کہیں خطرے میں نہیں پڑتی بشرطیکہ یہ دو باتیں ساتھ ساتھ ملحوظ رہیں :-

① یہ اختلاف تواتر کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہو کہ حضورؐ نے اسے اس طرح بھی پڑھا ہے تاکہ اس میں کوئی شک راہ نہ پا سکے۔

② اس اختلاف سے نہ اصل بات اُلٹے نہ معنی پلٹے ــ نہ پڑھنے والا اصل مقصد قرآن سے کہیں دُور چلا جائے یہ اختلافات آپس میں مختلف معنی تو بے شک دیں لیکن ان میں تضاد اور تنافی کی نسبت نہ ہو۔

شیعہ مذہب کی دلالتیں جیسا کہ ڈاکٹر آر بری نے لکھا ہے زیادہ ترعجمی ہیں اس لیے وہ اختلاف قرأت کے قائل نہیں ہیں. لیکن جمہور اہل اسلام کے ہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہر قسم کے شبہ سے بالا اور تواتر کی شان کا حامل ہے اور قرآن کریم کی چودہ سو سالہ تاریخ اس کی گواہ ہے. حضرت عمرؓ کہتے ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا :-

ان ھٰذا القرآن انزل علی سبعة احرف فاقرءوا ماتیسّر منه .[۱]

ترجمہ. بے شک یہ قرآن سبعہ احرف پر اُتارا گیا ہے لیکن تم اس میں سے جو حرف آسان ہو اس کے مطابق پڑھو.

ضروری نہیں کہ ہر مضمون اور آیت میں سات طرح کا اختلافِ حرف ہو. ہاں کل اختلافات کا استقصاء کریں تو وہ سات طرح کے اختلاف ہی نکلتے ہیں. اختلاف قرأت ان سات سے باہر نہیں :-

(۱) تغیر کلمہ کا ــــ اختلافِ قرأت صرف حرکات و اعراب میں ہو بغیر اس کے کہ معنی میں اور لفظ کی شکل میں کوئی فرق آئے جیسے حَجُّ البیت اور حِجُّ البیت یا جیسے احسن القَصَص اور احسن القِصص ــــ یا جیسے خاتَم النّبیین اور خاتِم النّبیین ــــ ویضیقُ صدری کو ویضیقَ صدری بھی پڑھا گیا ہے.

(۲) اعراب کے تغیر سے مفہوم بدل جائے مگر لفظ کی شکل اور مراد متکلم نہ بدلے جیسے فتلقّٰی ادم من ربه کلماتٍ میں کلماتٌ کی قرأت فَتَلَقّٰی ادم من ربه کلماتٌ یا اذ تَلَقَّونه اور تُلْقُونه .

(۳) کلمہ کے حروف میں بھی تبدیلی اور معنی اور مفہوم میں بھی تبدیلی آئے ــــ مگر لفظ کی شکل اور مراد متکلم نہ بدلے جیسے یعلمون اور تعلمون میں اختلاف قرأت ہو ــــ کیف ننشزھا الحما اور کیف ننشرھا الحما دونوں طرح پڑھا جائے ــــ فتبیّنوا کو فتثبتوا پڑھا جائے.

(۴) لفظ کی شکل میں تبدیلی آجائے مگر معنی میں کوئی تغیر نہ ہو پائے. مثلاً الصراط کو السراط ــــ السراط ــــ اور انکانت الاصیحةً کو ان کانت الا صیحةٌ پڑھیں ــــ

ام هم المصیطرون کی جگہ المصیطرون پڑھنا ــــ والذین ہم لاماناتھم وعهدهم راعون کو امانات کے صیغہ واحد سے والذین ہم لامانتھم وعهدهم راعون ــــ یا عهدهم راعون کو وعهودهم راعون پڑھنا۔

(۵) لفظ کی شکل اور معنی دونوں میں تغیر ہو مگر مراد متکلم نہ بدلے ۔

جیسے فاسعوا کی جگہ فامضوا الی ذکر اللّٰہ پڑھنا ــــ واذامرّوا کی بجائے واذا مشوا باللغو پڑھنا ــــ کالعهن المنفوش کو کالصوف المنفوش پڑھنا ــــ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فاقطعوا ایدیهما ــ فاقطعوا ایمانهما بھی پڑھتے تھے ــــ بعض صحابہؓ طلح منضود کو طلع منضود پڑھتے تھے۔

(۶) کلمات میں تقدیم وتاخیر کا تغیر ہو مگر معنی مراد نہ بدلے ۔

جیسے وجاءت سکرۃ الموت بالحق ــــ وجاءت سکرۃ الحق بالموت۔

(۷) حرفوں کی زیادتی اور کمی ہو مگر معنی ومفہوم میں کوئی تغیر نہ ہو ۔

جیسے مالکِ یوم الدین اور مَلِکِ یوم الدّین ــــ (مُلکُ یوم الدین اور مالکُ یوم الدین کا اختلاف ہو تو وہ دوسری قسم کی مثال ہوگا) یا جیسے انجینا اور نجّینا ــــ یا جیسے وصّٰی اور اوصٰی ــــ وماعملت ایدیهم اور وماعملته ایدیهم ــــ سورت سبا میں ہے ربّنا باعِدْ بین اسفارنا اسے اس طرح پڑھنا ربّنا باعَدَ بین اسفارنا بھی ایک قرأت ہے

اختلاف قرأت کی یہ صورتیں ہرگز قرآن میں تبدیلی نہیں نہ انہیں تحریف کہا جاسکتا ہے بیان کے یہ مختلف انداز ہیں جو عہدِ اوّل سے تواتر کے ساتھ منقول چلے آرہے ہیں ۔

ان البقر تَشَابَه علینا کو ان البقر تشابَهُ علینا بھی پڑھا گیا ہے اس صورت میں یہ اصلاً تتشابَهُ علینا ہوگا ۔

. عرب کبھی حرف جارہ اور واؤ عاطفہ کو حذف بھی کر دیتے تھے ۔

جنّٰتٍ تجری من تحتها الانهار کو تجری تحتها الانهار بھی پڑھ لیتے تھے ۔

کیا کبھی قرات میں الفاظ کی کمی بیشی بھی ہوئی ؟

(۱) وماخلق الذکر والانثیٰ میں ایک قرأت والذکر والانثیٰ بھی ہے اس میں وماخلق حذف ہے۔

(۲) وازواجه امهٰتهم کو حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اس طرح پڑھتے تھے وازواجه امهٰتهم وهواب لهم۔

(۳) حضرت ابن عباسؓ سورۃ کہف کی آیت یاخذ کل سفينة غصبا کو یاخذ کل سفينة صالحة غصبا پڑھتے۔

یہ قرأت خبر واحد سے منقول ہے اس لیے اسے قرآن نہیں تفسیری جملہ کہنا زیادہ مناسب ہو گا۔

(۴) حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کہتے ہیں مجھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سورۃ ذاریات کی آیت ان الله هوالرزاق ذوالقوة المتين (پ۲۷ الذاریات ۵۸) یوں پڑھائی۔ انی انا الرزاق ذو القوة المتين۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی اس روایت کی سند قوی ہے۔[1]

نیز یہ تغیر الفاظ تواتر کے درجے میں نہیں اس لیے ہم اس کی تلاوت کی جرأت نہیں کر سکتے لیکن اس روایت کے قابلِ اعتماد ہونے کی وجہ سے اس کی نفی بھی نہیں کر سکتے۔ صحابہ کرامؓ میں یہ قرأت موجود رہی ہے۔ ہاں اس وقت تلاوت اسی کی جائز ہے جو مصحف امام میں ہے۔

اس وقت کی کسی قرأت کے بارے میں ہو سکتا ہے کہ وہ تواتر سے ہم تک نہ پہنچی ہو لیکن یہ اصولی بات کہ قرآن کریم احرف سبعہ پر اتارا گیا یہ تواتر سے ثابت ہے سو جو قرآت اور ان کے اختلافات تواتر سے منقول ہوں ان سے ہمیں کسی طرح انکار نہ ہونا چاہیئے۔

حدیث احرف سبعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اکیس[21] صحابہؓ سے مروی ہے علامہ سیوطیؒ نے ابوعبید قاسم بن سلام (ھ) سے نقل کیا ہے کہ یہ حدیث متواتر ہے۔ ایک دفعہ حضرت عثمانؓ

---

[1] تذکرۃ الحفاظ جلد ا صـ اردو صـ ۲۹۷

نے منبر پر یہ حدیث پڑھی اور سامعین سے اس کی تصدیق طلب کی کسی نے اس پر اختلاف کا اظہار نہ کیا۔ آپ نے فرمایا :-

ترجمہ جس شخص نے آنحضرتؐ سے یہ حدیث سُنی ہو کہ قرآن سات حروف پر اتارا گیا ہے میں قسم دیتا ہوں کہ وہ کھڑا ہو کر اس کی شہادت دے اس پر بیشمار صحابہؓ کھڑے ہو گئے۔ آپ نے فرمایا میں بھی ان کے ساتھ اس بات کی شہادت دیتا ہوں۔

جو چیز اس تواتر سے منقول رہی مصاحف عثمانیہ میں اس کے نشانات تھے اور ان کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہونے میں کسی کو کسی قسم کا کوئی شبہ نہ تھا۔

قاضی ابوبکر بن الباقلانی (۴۰۳ھ) فرماتے ہیں :-

قال القاضی ابوبکر الباقلانی ان ھٰذہ الاحرف السبعة ظهرت واستفاضت عن رسول الله صلی الله علیه وسلم وضبطها عنه الامة واثبتها عثمانؓ و الجماعة فی المصحف واخبروا بصحتها وانما حذفوا عنها مالم یثبت متواترًا وان ھٰذہ الاحرف تختلف معانیها تارةً والفاظها اخریٰ ولیست متضادة ولا متنافیة۔[۲]

ترجمہ۔ یہ احرف سبعہ آنحضرتؐ سے استفاضہ کے طور پر منقول ہوئے ہیں اور پوری امت نے انہیں آگے ضبط کیا ہے اور حضرت عثمانؓ اور صحابہؓ کی ایک جماعت نے انہیں مصحف میں جگہ دی ہے اور ان کے صحیح ہونے کی خبر دی ہے اور صرف انہی احرف کو حذف کیا ہے جو تواتر سے ثابت نہیں ہو سکے اور ان احرف سبعہ کے کہیں لفظوں میں اختلاف ہوا کہیں معنوں میں اور یہ اختلاف تضاد اور تنافی کے نہیں دیئے آپس میں جمع بھی ہو سکتے ہیں)۔

---

[۱] مسند ابی یعلیٰ جلد ص [۲] نووی شرح صحیح مسلم جلد ا ص ۲۷۲

آگے امام طحاوی کا یہ قول نقل کیا ہے :-

وذکر الطحاوی ان القرأۃ بالاحرف السبعۃ کانت فی اول الامر خاصۃ للضرورۃ لاختلاف لغۃ العرب ومشقۃ اخذ جمیع الطوائف بلغۃ فلما کثر الناس والکتاب وارتفعت الضرورۃ عادت الی قرأۃ واحدۃ۔[1]

ترجمہ۔ امام طحاوی کہتے ہیں کہ قرأت احرفِ سبعہ میں صرف پہلے دور میں تھی اور وہ اس ضرورت کے طور پر تھی کہ لغت عرب میں لہجوں کا اختلاف تھا اور سب قبائل کا ایسے ایک لغت میں پڑھنا مشقت کا موجب تھا جب آبادی بڑھ گئی اور لکھنے والے زیادہ ہوئے اور وہ ضرورت بھی اٹھ گئی تو معاملہ پھر ایک قرأۃ پر آگیا۔

امام ترمذیؒ نے حضرت ابی بن کعبؓ سے یہ حدیث بھی نقل کی ہے۔ آپ نے فرمایا :-

انی بعثت الی امۃ امیین منھم العجوز والشیخ الکبیر والغلام والجاریۃ والذی لم یقرأ کتاباً قط۔[2]

ترجمہ۔ میں اُن لوگوں کی طرف مبعوث ہوا جو اُمیین تھے ان میں بڑھیا عورتیں بھی تھیں بوڑھے بھی تھے اور باندیاں بھی تھیں اور وہ لوگ بھی تھے جو قطعاً کوئی لکھی بات نہ پڑھ سکتے تھے۔

اس حدیث سے پتہ چلتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ سے وسعت قرأت کی رخصت ایک اَن پڑھ قوم کے ان حالات کے پیش نظر لی تھی۔ اس کے ساتھ قبائل کا لہجوں اور لغات کا اختلاف بھی جمع ہو سکتا ہے۔ یہ اعتراض وقیع نہیں کہ قبائل تو سات نہ تھے زیادہ تھے کیونکہ بڑے بڑے قبائل پندرہ بیس بھی ہوں تو ضروری نہیں کہ ان کے اختلافات بھی اتنے ہی ہوں ہو سکتا ہے ان کے اختلافات پانچ چھ اور سات سے متجاوز نہ ہوں اور چھوٹے قبائل بڑوں کے ساتھ شمار ہو جائیں ___ ان حالات میں حدیث مذکور الصدر کہ قرآن سبعہ احرف میں پڑھا جا سکتا ہے کا محمل وہ ٹھہرایا جا سکتا ہے جو امام طحاویؒ نے مراد لیا ہے۔

---

[1] نووی شرح صحیح مسلم جلد ۱ صد ۲۷۲ [2] جامع ترمذی جلد ۲ صد ۱۳۸

سبعہ احرف کے جو اختلافات ہم پہلے لکھ آئے ہیں ان کی انواع سات سے زیادہ نہیں ہوں گی سات حروف کے اختلاف سے مراد اختلافِ قرآت کی یہ سات قسمیں ہیں، علامہ نظام الدین قمی غرائب القرآن میں لکھتے ہیں کہ امام مالک کے نزدیک احرف سبعہ کے اختلاف سے مراد قرآت کے سات انواع کے اختلافات ہیں حافظ ابن حجر عسقلانی نے ابن قتیبہ، ابوالفضل الرازی، قاضی ابوبکر الباقلانی اور محمد بن الجزری سے بھی ان کا یہی قول نقل کیا ہے۔[۱]

امام طحاویؒ کا موقف

امام طحاوی کا موقف یہ ہے کہ قرآن پہلے ایک حرف پر اُترا تھا اور وہ لغت قریش تھی پھر آنحضرتؐ نے امت کی سہولت کے لیے اس میں وسعت مانگی اس پر اللہ تعالیٰ نے احرف سبعہ پر پڑھنے کی اجازت دی اور یہ احرف سبعہ اولاً آپ کی زبان مبارک سے ادا ہوئے اور صحابہؓ و تابعین میں تواتر کے ساتھ پڑھے اور سُنے گئے۔

محقق محمد بن الجزری (۸۳۳ھ) لکھتے ہیں:۔

قرآن کریم کے سات حروف پر وارد ہونے کا مقصد یہ تھا کہ امت کے تخفیف اور سہولت رہے۔ یہ آسانی اور سہولت اس عظمت اور فضیلت کی وجہ سے دی گئی جو خاص طور پر اس امت کو حاصل ہے اور اس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دُعا کی قبولیت کا بھی اثر تھا۔ قبائل کی یہ حالت تھی کہ وہ سکھانے سے بھی دوسروں کی زبان نہ سیکھ سکتے تھے۔[۲]

آسمانی کتابیں حرفِ واحد پر ہی تھیں

پہلی آسمانی کتابیں عالمی اور آفاقی درجے کی نہ تھیں نہ ان کی لفظی حفاظت کا اہتمام تھا نہ ان میں آفاقی دعوت تھی اس لیے ان کا نزول حرفِ واحد میں ہوا ہے۔ یہ ایک سے زیادہ پیرایوں

---

[۱] فتح الباری جلد ۹ ص ۲۵ ص ۲۵ [۲] مناہل العرفان جلد ۱ ص ۱۳۶

میں نہ تھا نہ ان پیغمبروں نے کہیں دعوےٰ کیا کہ ان پر کلامِ الٰہی مختلف پیرایوں میں نازل ہوا ہے یہ دعوےٰ صرف حضرت خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھ پر قرآن سبعہ احرف میں اُترا ہے۔ پس پادری صاحبان اس قسم کے اختلافات سے اناجیلِ اربعہ کو کوئی تحفظ نہیں دے سکتے نہ ان کے پاس کوئی ایک انجیل ہے جسے وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر اُتری کتاب کہہ سکیں نہ وہ ان اناجیل کو ایک انجیل کی مختلف قراآت کہہ سکتے ہیں۔

قرآن پاک کا یہ اختلافِ قرأت قرآن پاک کے کسی ایک باب میں نہیں اختلافِ قرأت تقریباً ہر طرح کی آیات میں ملے گا۔ امام طحاوی اور امام بیہقی حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

کان الکتاب الاول ینزل من باب واحد علیٰ حرف واحد و نزل القراٰن من سبعة ابواب علیٰ سبعة احرف ۔۱۔ زاجر ۔۲۔ وأمر ۔۳۔ وحلال ۔۴۔ وحرام ۔۵۔ ومحکم ۔۶۔ ومتشابه ۔۷۔ وامثال[1]

ترجمہ: پہلے کتاب ایک موضوع میں ایک ایک ہی پیرایہ میں اُترتی تھی قرآن کریم سات ابواب سے سات حرفوں میں اُترا ہے اس کے سات ابواب یہ ہیں۔ زجر، امر، حلال و حرام، محکم و متشابہ اور امثال وغیرہ۔

قرآن پاک کے یہ آٹھ ابواب آیات ہیں نواہی امر کے ذیل میں آئیں گے اور قصص امثال کے ذیل میں، عقائد محکمات کے ذیل میں ہیں اور فضائل زجر و امثال کے تحت آتے ہیں۔ یہ احرف سبعہ نہیں نہ ان کی یہ تفصیل ہے۔

نوٹ: جو پادری اختلافِ قرأت کے پہلو سے قرآن کریم میں شک پیدا کرنا چاہتے ہیں انھیں سر ولیم میور کا یہ تبصرہ زیرِ نظر رکھنا چاہیئے:۔

دنیا میں کوئی کتاب ایسی نہیں دکھائی دیتی جو بارہ سو برس سے یکساں بلا تغیر و تبدل چلی آرہی ہو اختلافِ قرأت نہایت کم تعداد میں ہے اور وہ بھی حروف علت اور ہمیزہ نشانیوں میں محدود سمجھنا چاہیئے لیکن یہ علامتیں (اور اعراب)

---

[1] ابوسلمہ راوی کی حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے ملاقات ثابت نہیں۔ مشکل الآثار للطحاوی جلد ۴ صفحہ ۱۸۵

بعد کی ایجاد کی ہوئی ہیں۔ ابتدائی نسخوں میں ان کا بھی پتہ نہیں ملتا اور مشکل سے کہا جا سکتا ہے کہ مصحفِ عثمانی میں یہ علامتیں موجود ہوں[۱]

کیا احرف سبعہ نے آیندہ قرآت پر بھی کچھ اثر ڈالا؟

یہ صحیح ہے کہ سبعہ یا عشرہ قرآت کا فن دوسری صدی ہجری میں مرتب ہوا اور قراء کرام نے قرآن کی ترتیل کو اتنا نکھارا اور سنوارا کہ علم قرآت علوم اسلامی کا ایک نہایت اہم موضوع بن گیا لیکن سوال پیدا ہوتا ہے کہ ان قاری صاحبان نے شد و مد اور وقف و اتصال کی مختلف راہیں ابتداءً کہاں سے پائیں؟ انہی احرف سبعہ سے اور یہی وہ راہ ہے جس سے یہ سبعہ یا عشرہ قرآت خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچتی ہیں۔

احرف سبعہ سے قرآت سبعہ کی راہیں نکلیں

یہ احرفِ سبعہ جب تواتر سے منقول ہیں تو ان کی کوئی ہیئت ادا بھی ہوگی الفاظ اپنی ہیئت سے اُٹھائے جاتے ہیں اور وہی ہیئت قرأت کی شکل اختیار کر لیتی ہے۔

علامہ سیوطی لکھتے ہیں:-

وقد نص علی تواتر ذلك كله ائمة الاصول كقاضی ابی بكر وغيره وهو الصواب لانه اذا ثبت تواتر اللفظ ثبت علی تواتر هيئة ادائه لان اللفظ لا يقوم الا به ولا يصح الا بوجوده۔[۲]

ترجمہ۔ ان کے متواتر ہونے پر قاضی ابوبکر جیسے ائمہ اصول نے نص فرمائی ہے اور یہ درست ہے جب الفاظ کا تواتر ثابت ہو جائے تو ان کی ہیئتِ ادا بھی اسی تواتر سے ثابت سمجھی جائے گی کیونکہ لفظ کسی ہیئت ادا کے بغیر قائم نہیں ہو پاتا اور کسی ہیئت ادا کے ساتھ ہی وہ کوئی وجود پا سکتا ہے۔

اس بیان کی روشنی میں احرفِ سبعہ قرآتِ سبعہ سے زیادہ دور نہیں رہے۔ روایات میں اس

---

[۱] William Muir [۲] الاتقان جلد ۱ صفحہ ۸۰

اختلاف قرأت پر بھی سبعہ احرف کا اطلاق ملتا ہے۔ حضرت ابی بن کعبؓ کہتے ہیں ایک شخص نے قرأ قرأة انکر تھا ایسی قرأت کی جو مجھے اجنبی معلوم ہوئی۔ ایک اور نے ایک اور طرح کی قرأت کی ہم یہ سارا قضیہ لے کر حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوتے تو آپ نے اسے سبعہ احرف کا اختلاف بتلایا اور فرمایا مجھے جبریل نے کہا ہے :۔

اقرأه علیٰ سبعة احرف۔[1]

ترجمہ: آپ اسے سات پیرایوں میں پڑھ سکتے ہیں۔

یہ صحیح ہے کہ یہ سبعہ احرف کا اختلاف بعینہ موجودہ قرأتوں کا اختلاف نہیں ہے لیکن اس سے بھی انکار نہیں کیا جاسکتا کہ یہ اختلاف قرأت انہی سبعہ احرف کے اختلاف سے پیدا ہوا ہے اور یہ مد و ادغام اور حدر و تدویر کے اختلافات قرأت کے اپنے اختلاف ہیں حروف کے نہیں۔ یُوں سمجھیے دونوں میں عموم و خصوص من وجہ ہے۔ حروف کا اختلاف سات انواع سے متجاوز نہیں اور قرأت سات میں منحصر نہیں۔ سبعہ احرف کو بعینہا سات قرأتوں کا اختلاف قرار دینا ایک جلی غلطی ہے قرأت سبعہ نہیں عشرہ بھی ہیں۔

یہ سات یا دس قرأت تو امت میں بلا اختلاف جاری ہیں لیکن اب یہ سبعہ احرف کا اختلاف نہیں ہے اس میں علماء میں بہت اختلاف پایا جاتا ہے۔ علامہ عینیؒ شرح بخاری میں لکھتے ہیں :۔

واختلف الاصولیون هل یقرأ الیوم علیٰ سبعة احرف فمنعه الطبری وقال انما یجوز بحرف واحد و هو حرف زید ونحی الیه القاضی ابوبکر وقال ابو الاشعری اجمع المسلمون علیٰ انه لا یجوز خطر ما وسعه الله تعالیٰ من القرأة بالاحرف التی انزلها الله تعالیٰ ولا یسوغ للامة ان تمنع مایطلقه الله تعالیٰ۔[2]

ترجمہ: علمائے اصول نے اس میں اختلاف کیا ہے کہ کیا آج بھی سبعہ احرف میں قرآن پڑھا جاسکتا ہے حافظ ابن جریر (۳۱۰ھ) نے اس سے منع کیا ہے اور

---

[1] صحیح مسلم جلد ۱ صفحہ ۲۷۳ [2] عینی جلد ۲ صفحہ ۲۵۸

کہا ہے کہ آج ایک ہی قرآت میں پڑھیں اور وہ قرآت حضرت زید بن ثابتؓ کی ہے اور اسی طرف قاضی ابو بکر الباقلانی گئے ہیں اور امام ابو الحسن الاشعری (د ھ) نے کہا ہے کہ اس پر مسلمانوں کا اجماع ہے کہ جس چیز میں اللہ تعالیٰ نے وسعت رکھی ہے اس میں کسی چیز کو اللہ تعالیٰ نے روکا نہیں اللہ تعالیٰ نے احرف سبعہ میں پڑھنے کی وسعت رکھی اور قرآن کو سبعہ احرف میں اتارا۔ اب امت کے لیے روا نہیں کہ جس چیز کو اللہ تعالیٰ نے مطلق رکھا اس میں اپنی طرف سے منع لائے۔

حضرت عثمان غنیؓ نے جو مصاحف تیار کروا کر اطراف بلاد میں بھجوائے تھے وہ قرآت کے جمیع وجوہ پر مشتمل تھے یا اس میں وہی رسم الخط تھا جو حضور کے دورہ اخیرہ (جو آپ نے حضرت جبریل کے ساتھ کیا) کی قرآت کے مطابق تھا اور اس میں جتنے وجوہ سما سکتے تھے وہی اس رسم الخط میں لکھے گئے۔ علم قرآت کے مشہور امام حافظ محمد بن الجزری (۸۳۳ھ) لکھتے ہیں :-

اما کون المصاحف العثمانیہ مشتملة علی جمیع الاحرف السبعة فان هٰذا مسئلة کبیرة اختلف العلماء فیها.... وذهب جماهیر العلماء من السلف والخلف و ائمة المسلمین الیٰ ان هٰذا المصاحف العثمانیة مشتملة علیٰ ما یحتمله رسمها فقط جامعة للعرضة الاخیرة التی عرضها النبی صلی الله علیه وسلم علیٰ جبریل علیه السلام لم تترك حرفًا منها.. قلت وهٰذا القول هو الّذی یظهر صوابه۔ [1]

ترجمہ: مصاحف عثمانیہ کیا ان تمام احرف سبعہ پر مشتمل ہیں یہ ایک بڑا مسئلہ ہے اس میں علماء کا اختلاف رہا ہے اور سلف و خلف کے جمہور علماء اور ائمہ اسلام اس طرف گئے ہیں کہ مصاحف عثمانیہ ان احرف سبعہ میں سے ان تمام کو شامل ہیں جنہیں عثمانی رسم الخط اپنے اندر اٹھا سکا اور یہ اس دورہ اخیرہ کے مطابق رہے جنہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جبریل کے سامنے پڑھا ان

---

[1] النشر فی القرآت العشر جلد ۱ ص۳۱

میں سے ایک حرف بھی ان مصاحف نے نظر انداز نہیں کیا میں کہتا ہوں کہ یہ قول ہی درست معلوم ہوتا ہے
سوحق یہ ہے کہ احرف سبعہ کے ان اختلافات کے سوا جن میں الفاظ کی کمی اور زیادتی کی وسعت تھی دیگر اختلافات قرأت سب ان مصاحف عثمانیہ میں سموئے ہوئے ہیں اور یہ پیرایہ وحی ان مصاحف عثمانیہ کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ واللہ اعلم وعلمہ اتم واحکم۔

علمائے دیوبند کا موقف

رئیس المحدثین حضرت علامہ انور شاہ کشمیری حروف سبعہ اور قرأت مختلفہ میں نہ پورے انطباق کے قائل ہیں نہ کلی افتراق کے قائل، آپ دونوں کے بین بین چلے ہیں۔ ارشاد فرماتے ہیں :-

ثم اعلم ان بعضهم فهم ان بين تلك الاحرف تغايرًا من كل وجه بحيث لا ربط بينها وليس كذلك بل قد يكون الفرق بالمجرد والمزيد واخرى بالابواب ومرة باعتبار الصيغ من الغائب والحاضر وطورًا بتحقيق الهمزة وتسهيلها فكل هذه التغييرات يسيرة او كانت كثيرة حرف برأسه ـ وغلط من فهم ان هذه الاحرف متغائرة كلها بحيث يتعذر اجتماعها اما انه كيف عدد السبعة فتوجه اليه ابن الجزري وحقق ان التصرفات كلها ترجع الى السبعة. بقي الكلام في ان تلك الاحرف كلها موجودة او رفع بعضها وبقي البعض فاعلم انما قرءه جبريل عليه السلام في العرضة الاخيرة على النبي صلى الله عليه وسلم كله ثابت في مصحف عثمان ولما يتعين معنى الاحرف عند ابن جرير ذهب اليه رفع الاحرف الست منها وبقي واحد فقط۔[1]

ترجمہ: پھر جانو کہ بعض حضرات یوں سمجھے کہ ان احرف سبعہ میں ایک دوسرے سے تغایر کلی ہے بایں طور کہ ان میں کوئی ربط نہیں، بات اس طرح نہیں ہے بلکہ

---

[1] فیض الباری جلد ۳ ص ۳۲۳

یہ فرق اس طرح کے ہیں ① جیسے مجرد اور مزید فیہ یا دوسرے ابواب کے۔ اسمی فرق ہیں یا ② یہ اختلافات بصورت صیغہ ہیں غائب اور حاضر وغیرہ کے اور ③ کبھی ہمزہ کے لکھے جانے کے یا اس کی تسہیل کے۔ سو کل ایسے اختلاف تھوڑے ہوں یا زیادہ، یہ ایک ایک حروف ہیں اور جس نے یہ سمجھا ہے کہ یہ سب حروف آپس میں بالکل ایک دوسرے سے جدا ہیں کہ یہ کبھی ایک ہو ہی نہیں سکتے اس نے غلطی کی ہے۔ پھر یہ سات کیسے ہوئے۔ ابن جزری نے اس طرف توجہ کی ہے اور پوری تحقیق سے کہا ہے کہ یہ سب فروق سات تک ہی پہنچتے ہیں۔

اس میں کلام رہا کہ وہ احرف سبعہ سب موجود رہے یا سب اٹھا لیے گئے سو معلوم رہے کہ حضرت جبریل نے اپنے آخری دور میں نبی پاک پر جو قرآن پیش کیا وہ پُورے کا پُورا مصحف عثمان میں موجود ہے اور ابن جریر کے ہاں احرف کے معنی ہی متعین نہیں ہو سکے وہ اس بات کے قائل ہیں کہ احرف سبعہ میں سے چھ اُٹھ چکے اور اب قرآن کریم ایک ہی حرف میں باقی ہے۔

مسئلہ کچھ اس طرح پیچیدہ ہے کہ عامۃ الناس ایک بات پر جمع نہیں کیے جا سکتے بجز اس کے کہ:

① ہمارے پاس جو قرآن مجید موجود ہے اسی ایک کو کتاب الٰہی سمجھیں۔

② قاری صاحبان جو مختلف قراآت کرتے ہیں ان قرأتوں کو احرف سبعہ نہ سمجھیں اور ان قرأتوں میں سے بھی کسی کے متواتر ہونے کا انکار نہ کریں قراء سبعہ کی قراآت وہ سبعہ ہوں یا عشرہ یہ اور ہیں۔

③ خود اسی ایک نسخہ قرآن کے مطابق پڑھیں اور اس اختلافِ قرأت میں نہ اُلجھیں۔

④ موجودہ نسخوں میں جو بعض حروف کے اختلاف اُوپر ظاہر کیے گئے اور حاشیہ میں دیئے گئے ہیں انہیں بھی متواتر سمجھیں تاکہ قرآن کریم میں کوئی حرف اور لفظ غیر یقینی نہ آنے پائے۔

⑤ جن علماء کا یہ قول ہے کہ یہ احرف سبعہ صرف تسہیل امت کے لیے اترے تھے اب ان میں صرف وہی حرف اختیار کیا جائے جو حضرت عثمانؓ نے اپنے مصحف میں رکھا۔ جیسا کہ امام طحاویؒ کی رائے ہے تو ان دوسرے وجوہ کے ترک کو صرف ترکِ عملی سمجھا جائے نہ کہ ترکِ اعتقادی۔

⑥ اور اگر عوام الناس میں یہ وجوہ احرف سبعہ مستفیض درجے میں معروف نہ ہوں تو انہیں اُن

کے تسلیم کرنے پر مجبور نہ کیا جائے اور جنہیں ان کی تاریخ معلوم ہو جائے انہیں چاہیئے کہ ان کا انکار نہ کریں۔

(۷) غیر مسلموں سے اس موضوع پر بحث ہو تو ان کے سامنے امام طحاوی کا موقف رکھا جائے سواد اعظم اہل سنت میں ۸۰ فیصد اہل علم امام طحاوی کے مسلک کے ہیں۔

اختلافِ قرات میں شیعہ نُقطہ نظر

شیعہ کتبِ حدیث جمہور مسلمانوں کی کتبِ حدیث سے مختلف ہیں۔ ان کے محدثین کے ہاں عامہ اور خاصہ کی اصطلاحات ہیں جو ہر مکاتبِ فکر کی ترجمان ہیں۔ شیعہ کے ہاں اختلافِ قرات پر دونوں طرح کی روایات پائی جاتی ہیں ان میں اختلافِ قرات کے قائلین بھی پائے جاتے ہیں اور منکرین بھی یہاں ہم ان کی تردید کے درپے نہیں۔ طلبہ کو اُن کے موقف پر بھی اطلاع ہونی چاہیئے۔ اس سے اگلے کئی اور مسائل کو سمجھنے میں مدد ملے گی۔

(۱) حضرت امام محمد باقرؒ (۱۱۴ھ) نے فرمایا:۔

ان القرآن واحد نزل من عند واحد ولکن الاختلاف یجیٔ من قبل الرواۃ[1]

ترجمہ بے شک قرآن ایک ہے اور ایک ہی کی طرف سے اُترا ہے اور جو اختلاف پائے جاتے ہیں وہ قرآن کے راویوں کی طرف سے ہیں۔

اس میں قرآن کو ایک مختلف فیہ چیز بتلانے کی کوشش کی گئی ہے۔ راویوں کا اختلاف اخبار احاد میں مؤثر ہوتا ہے اخبار متواترہ میں نہیں۔ قرآن حضورؐ سے امت تک بطریق تواتر پہنچا ہے اس میں راویوں کا اختلاف کیسے راہ پکڑ سکتا ہے۔

یہ بات علامہ کلینی (۳۲۸ھ) کی تو ہو سکتی ہے حضرت امام محمد باقرؒ کی نہیں وہ تو قرآن کریم کو ایک مختلف فیہ کتاب سمجھتے ہیں اور اگر یہاں اختلاف قرأت کی طرف اشارہ ہے تو معلوم رہے کہ یہ اختلافِ قرأت راویوں کی پیداوار نہیں۔ اختلاف قرأت کی سہولت تو خود اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ ہے اور اس کی حکمت اور ضرورت پر ہم پہلے بحث کر آئے ہیں اس سے پتہ چلتا ہے کہ امامی شیعہ قرآن پاک میں

---

[1] اصول کافی جلد ۲ صـ

اختلاف قرأت کے قائل نہیں ہیں۔

(۲) حضرت امام جعفر صادقؒ (۱۴۸ھ) کے نام پر بھی کلینی لکھتا ہے:۔

ان الناس یقولون ان القرآن نزل علیٰ سبعة احرف (فقال) کذبوا اعداء الله و لکنه نزل علیٰ حرف واحد من عند الواحد۔[1]

ترجمہ۔ لوگ (اہلسنت) کہتے ہیں قرآن سبعہ احرف پر اُترا ہے اللہ کے دشمن جھوٹ بولتے ہیں یہ ایک ہی حرف پر اُترا ہے اور ایک ہی کی طرف سے ہے۔

اختلاف قرأت تسلیم کرنے کی روایات

(۱) حضرت امام جعفر صادقؒ روایت کرتے ہیں:۔

قال رسول الله صلی الله علیه وسلم اتانی آت من الله عزوجل فقال ان الله یأمرك ان تقرأ القرآن علیٰ حرف واحد فقلت یارب وسع علیٰ امتی فقال ان الله یأمرك ان تقرأ القرآن علیٰ سبعه احرف[2]

ترجمہ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری طرف خدا کی طرف سے آنے والا آیا اور مجھے کہا اللہ تعالیٰ آپ کو قرآن پاک ایک ہی حرف پر پڑھنے کا حکم دیتا ہے میں نے کہا اے میرے رب! میری امت پر کچھ سہولت ڈال اس پر حضرت جبریلؑ نے کہا اللہ تعالیٰ آپ کو اجازت دیتے ہیں کہ آپ قرآن پاک سبعہ احرف پر پڑھائیں۔

(۲) شرح خصال میں ہے:۔

پیغمبر ہم در محضر اصحاب خود کہ از قبائل مختلف بودہ اند، ہمہ آنہا را تلاوت مے کردہ اند و ہر کدام مطابق لہجہ و لغت خود قرأت مخصوص را یاد کردہ اند دوم آنکہ قرآن بیک لغت بر پیغمبر نازل مے شد ولے پیغمبر چوں از خدا رخصت گرفتہ بود بلہجہ ہائے وقرأتہائے مختلفہ بامت یاد مے داد۔[3]

---

[1] اصول کافی جلد ۲ صـ [2] خصال لابن بابویہ جلد ۲ صـ ۱۴۱ [3] شرح خصال لابن بابویہ القمی جلد ۲ صـ

ترجمہ: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اصحابؓ کے سامنے جو مختلف قبائل سے ہوتے تھے قرآن احرف سبعہ میں تلاوت کرتے تھے اور ہر شخص اپنے لہجہ و لغت کے مطابق اپنی مخصوص قرأت کو یاد کرتا تھا۔ قرآن تو بے شک ایک ہی لغت پر حضورؐ پر نازل ہوا تھا لیکن چونکہ حضورؐ نے اللہ تعالیٰ سے اجازت لے رکھی تھی آپ اپنی امت کو مختلف قرأتوں میں قرآن یاد کراتے تھے۔

شیعہ اثنا عشریوں کے ہاں یہ دو طرح کی روایات ملتی ہیں ان دونوں میں کھلا ٹکراؤ ہے شیعہ ان میں سے کسی کو جھوٹ نہیں کہتے اسے تقیہ کے لفظ سے تقدس دیا جاتا ہے۔ اب یہ بات کہ کون سی بات، ان کا اصل عقیدہ ہے۔ اس کے لیے ان کا یہ علمی اصول ہمہ وقت پیش نظر رہے یہی ان کے ہاں متعارضات کا حل ہے۔

دو طرح کی روایات میں شیعہ اصل الاصول

شیعہ اصول میں یہ دیکھا جائے گا کہ کونسی روایت عامہ کے خلاف ہے اس صورت میں اصل دین ان کے ہاں وہ ہوتا ہے جو عامہ (اہل سنت) کے خلاف ہو۔

علامہ محمد بن یعقوب الکلینی لکھتا ہے:-

قلت فان کان الخبران عنکما مشہورین قد رواھما الثقات عنکم — قال ینظر فما وافق حکمہ حکم الکتاب والسنۃ وخالف العامۃ فیؤخذ بہ ویترک ما خالف حکمہ حکم الکتاب والسنۃ و وافق العامۃ — ما خالف العامہ ففیہ الرشاد۔[1]

ترجمہ: میں نے پوچھا کہ اگر آپ حضرات (ائمہ کرام) سے دو روایات شہرت کے درجہ میں ہوں جنہیں آپ سے ثقہ راویوں نے روایت کیا تو اس صورت میں ہم کیا کریں؟ آپ نے کہا دیکھا جائے کہ کتاب، وسنت کے موافق اور اہلسنت کے مخالف کونسی بات ہے اسے لے لیا جائے اور جو بات کتاب وسنت

---

[1] اصول کافی جلد ص

کے خلاف اور عامہ کے موافق ہو اسے چھوڑ دیا جائے — جو چیز عامہ (اہل سنت) کے خلاف ہوگی بھلائی اسی میں ہے۔

علامہ طبرسی یہاں پر تقیہ کر گئے

علامہ طبرسی صاحب مجمع البیان نے جہاں موجودہ قرآن کی پوری تصدیق کی ہے وہاں وہ شیعہ کے اس اصول کی بھی پوری تردید کرتا ہے کہ قرآن کریم احرف سبعہ میں نہیں اترا وہ احرف سبعہ کے ماننے کو ہی شیعہ کا ظاہر مذہب بتاتا ہے۔ ہم حیران ہیں کہ شیعہ طلبہ کے سامنے ان کا کون سا مذہب پیش کیا جائے۔ طبرسی لکھتا ہے :۔

فاعلم ان ظاهر من المذهب الامامية انهم اجمعوا على جواز القرأة بما تتداوله القراء منهم من القرات [1]

ترجمہ: جان لو کہ ظاہر مذہب امامیہ یہ ہے کہ وہ احرف سبعہ کے جواز پر جنہیں قراء کرام لوگوں میں پڑھ رہے ہیں اجماع کر چکے ہیں۔

ہمیں یہاں اس سے بحث نہیں کہ شیعہ مذہب اس مسئلے میں کیا ہے۔ شیعہ طلبہ کو اپنے مذہب سے کچھ روشناس کرانا تھا اور اس کے مناسب ہم نے چند روایات لکھ دی ہیں۔

ے کس کا یقین کیجئے کس کا یقین نہ کیجئے !
لائے ہیں بزم یار سے لوگ خبر الگ الگ

سید علی نقی اثنا عشری نے موجز البیان ایک رسالہ لکھا ہے جو تجوید کی ضروریات پر مشتمل ہے۔ اس کے آخر میں موصوف نے حدیث انزل علی سبعة احرف پر تفصیل سے بحث کی ہے اور قرآن کریم کی مختلف قرآت کا اقرار کیا ہے۔ اس پر قاری فتح محمد صاحبؒ نے یہ جملہ لکھا ہے :۔

ہر جماعت میں کتاب اللہ کے عاشق اور خدمت گزار پائے جاتے ہیں [2]

---

[1] تفسیر مجمع البیان جلد ۱ صـ۱۲ [2] شرح شاطبیہ اردو صـ۵۸

حفاظتِ قرآن

الحمد للّٰہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ اما بعد :

اسلام کے ان بے شمار معجزات میں سے جن کی صداقت ہر مخالف و موافق سے اقرار لے چکی ہے ایک معجزہ قرآن پاک کی عدیم النظیر حفاظت ہے۔ کتب مقدسہ میں بھی اس کی نظیر نہیں ملتی رب العزت نے اسے وہ حیاتِ دوام بخشی کہ ہر طرح کی تحریف لفظی و معنوی ؏ سے پاک ہے۔ دنیا کتنے ہی انقلابات سے گزرے اس کے الفاظ میں قطعاً کسی شک کو راہ نہ ملے گی۔ اس کے صوری اور معنوی اعجاز کی شان تاریخ کے ہر دور میں اپنی صداقت کا سکہ منواتی رہی ہے۔ قرآن عزیز کا اپنا اعلان ہے۔

انہ لکتٰب عزیز۔ لا یاتیہ الباطل من بین یدیہ ولا من خلفہ تنزیل من حکیم حمید۔ (پ ۲۴ حم سجدہ)

؏ یہ ٹھیک ہے کہ ملحدین ہمیشہ قرآن پاک کی قطعیات پر تاویل و تحریف کے ہاتھ صاف کرتے رہے اور ان زنادقہ اسلام نے اسلام کے ہر قطعی فیصلے میں لچک پیدا کرنے میں کوئی دقیقہ فرو گذاشت نہیں کیا تاہم اس میں بھی شک نہیں کہ جن آیاتِ کریمہ اور قطعیاتِ قرآنیہ کو تحریف کا نشانہ بنایا جاتا رہا ہے ان کی اصل مراد اور ان کے صحیح مطالب بھی کسی دور میں کلیۃً معدوم نہیں ہوئے جب بھی کسی نے کلامِ الٰہی کی صحیح مراد معلوم کرنے کی کوشش کی ہر پیاسا سیراب ہوتا رہا اور قرآن پاک بایں صورت ہر معنوی تحریف سے بھی پاک رہا۔ کتابِ عزیز معنوی تحریف کا شکار صرف اسی صورت میں ہو سکتی تھی کہ اصل معانی و مطالب پر وہ تحریف کے پیچھے چلے جائیں اور بالآخر کلیۃً مٹ جائیں نہ ان کا کوئی جاننے والا ہو اور نہ ان کا کوئی ماننے والا رہے جب تک صحیح مطالب اور اصل مرادات قرآنی بھی موجود رہیں اور ایک طبقہ ان کا بھی علمبردار رہے تو ان قطعیاتِ اسلام کو غلط مطالب کا جامہ پہنانے سے اصل کتاب محرف و متبدل نہیں ہو سکتی اسی طرح جب تک قرآن پاک کی صحیح لفظی نقول موجود یا سینہ حفاظ میں محفوظ و منقول ہوں تو کسی مطبع والے کا بعض الفاظ قرآن کو غلط چھاپ دینا موجب تحریف نہیں اس لیے کہ اصل بھی تو موجود ہے جو پوری تاریخ اسلام میں کبھی مفقود نہیں جب تک اصل الفاظ و معانی موجود اور ممکن الوصول ہوں کسی مطبع کی غلطی یا کسی ملحد کی مستی کسی لفظی یا معنوی تحریف کا نشان نہیں بن سکتی۔ واللہ اعلم بالصواب۔

ترجمہ۔ وہ ایسی کتاب عزیز ہے جس پر جھوٹ کا کوئی دخل نہیں۔ نہ آگے سے نہ پیچھے سے۔ یہ تنزیل اس ذات حکیم وحمید کی طرف سے ہے۔

حفاظتِ قرآن اور پیغمبر آخر الزّمان

پہلی کتبِ مقدسہ اور سابق صحف سماویہ جہاں جہاں اور جتنے جتنے وقت کے لیے کائنات کے افق ظلمت کو ضیا بار کرتے رہے جب ان کا وقت قریب آیا تو ان کے نگران ان کی حفاظت نہ کر سکے اور وہ کتابیں حیاتِ دوام نہ پا سکیں یہ عمل بار بار ظہور پذیر ہوتا رہا اور تاویل و تحریف کی راہیں مدتوں آسمانی کتابوں کو تبدیل کرتی رہیں۔

ایسے حالات میں رب العزت پھر نئے پیغمبر کو بھیج دیتے جو اس ظلمت کدہ خاک میں پھر سے روشنی کا مینار بن جاتا یہ سلسلہ برابر چلتا رہتا نئے نئے احکام بھی ملتے رہتے اور پچھلی شرائع کا مطلع بھی بے غبار ہوتا رہتا۔ پس آسمانی کتابوں میں تبدیل و تحریف کی راہیں تمام کائنات پر ہمیشہ کی سیاہ رات نہ تھیں اس لیے کہ آفتابِ ہدایت پھر سے طلوع ہو جاتا تھا۔

جب حکمتِ خداوندی اس بات کی مقتضی ہوئی کہ آخری پیغمبر ایک عالمگیر حیثیت میں مبعوث ہو تو دربار ایزدی سے یہ بھی فیصلہ ہوا کہ اس آفتابِ ہدایت پر غروب کی منزل کبھی نہ آئے اس لیے کہ اگر اس کے پیش کردہ قانونِ ہدایت میں کوئی تبدیلی یا تحریف واقع ہو جائے تو اس کی اصلاح کی کوئی صورت باقی نہ تھی پس پیغمبر خاتم صلی اللہ علیہ وسلم کی شانِ خاتمیت کا تقاضا ہوا کہ قرآن پاک ابدی طور پر ہر قسم کی تحریف سے محفوظ و مصئون ہو۔

اگر کسی قسم کی نبوت بھی آنحضرتؐ کے بعد مقدر ہوتی تو حفاظتِ قرآن کا یہ عدیم النظیر اعلان ہرگز وجود میں نہ آتا اور خاتم النبیّین کی لائی کتاب کے ابدی تحفظ کا التزام نہ ہوتا۔ آنحضرتؐ کے بعد نہ کسی ایسی نبوت کا امکان ہے جو نئے احکام لائے اور نہ کسی ایسی نبوت کی ضرورت ہے جو پچھلے احکام کا نقشہ صحیح کرے اس لیے کہ آخری شریعت ہر طرح کی تبدیلی و تحریف سے محفوظ ہے جسے کسی تصیح کی ضرورت نہیں۔

اس سے پتہ چلتا ہے کہ جو شخص بھی قرآن پاک میں کسی قسم کی تحریف کا قائل ہو اس کے لیے

ضروری ہے کہ وہ حضور ختمی مرتبتؐ کے بعد کسی نہ کسی آسمانی مامور کا قائل ہو جس کے پاس سے اسے کتاب اللہ اصل صورت میں مل سکے یہ اور بات ہے کہ وہ اس کا نام نبی رکھے یا نہ۔ تاہم جب تک کسی معصوم آسمانی منصب اور کسی آئندہ مفترض الطاعت الہامی شخصیت کا اعتقاد نہ ہو۔ قرآن کریم کی عدیم النظیر حفاظت کبھی متزلزل نہیں سمجھی جا سکتی اور اس میں تبدیل و تحریف کا اعتقاد کسی طرح راہ نہیں پا سکتا۔

تورات کی حفاظت احبار یہود پر چھوڑی گئی تھی خدا تعالیٰ نے اس کی حفاظت کا ذمہ نہ لیا تھا

انا انزلنا التوراة فیھا ھدًی و نور ج یحکم بھا النبیون الذین اسلموا للذین ھادوا والربانیون والاحبار بما استحفظوا من کتاب اللہ وکانوا علیہ شھداء۔ (پ المائدہ ۴۴)

ترجمہ: ہم ہی نے تورات نازل کی تھی اس میں ہدایت اور نور تھا انبیاء بنی اسرائیل جو اللہ کے فرمانبردار تھے اسی تورات کے مطابق حکم کرتے رہے اور اسی کے مطابق مشائخ یہود اور ان کے علماء فیصلے دیتے رہے کیونکہ اللہ کی کتاب انہی کی حفاظت پر چھوڑی گئی تھی اور وہی اس کی خبرگیری پر مقرر تھے۔

شیخ الاسلام لکھتے ہیں:۔

یعنی تورات کی حفاظت کا ان کو ذمہ دار بنایا گیا تھا قرآن کریم کی طرح انا لہ لحافظون کا وعدہ نہیں ہوا۔ تو جب تک علماء و احبار نے اپنی ذمہ داری کا احساس کیا تورات محفوظ و معمول رہی آخر دنیا پرست علماء سوء کے ہاتھوں سے تحریف ہو کر ضائع ہوئی۔[1]

امام بیہقی نقل کرتے ہیں کہ یحییٰ بن اکثم (متوفی ۲۴۲ھ) نے کہا کہ:۔

---

[1] فوائد القرآن ص ۱۴۸

ایک یہودی خلیفہ ہارون الرشید کی خدمت میں آیا اور بہت اچھی باتیں کیں مامون الرشید نے اسے دعوتِ اسلام دی مگر اس نے انکار کر دیا جب ایک سال گزرا تو وہ مسلمان ہو کر ہمارے پاس آیا اور اس نے علم و فقہ میں اچھی گفتگو کی مامون نے اس سے پوچھا کہ تیرے اسلام لانے کا باعث کیا ہے؟

اس نے کہا:۔

میں نے آپ کے ہاں سے جا کر مذاہب کا امتحان کیا چنانچہ میں نے تورات کے تین نسخے لکھے اور ان میں کمی بیشی کر دی اور کنیسہ میں بھیج دیئے۔ تینوں بک گئے پھر میں نے انجیل کے تین نسخے لکھے اور ان میں کمی بیشی کر دی اور ان کو گرجا میں بھیجا وہ بھی فروخت ہو گئے پھر میں نے میں نے قرآن مجید کے تین نسخے لکھے اور ان میں بھی کمی بیشی کر دی اور انہیں وراقین کے ہاں بھیج دیا انہوں نے ان نسخوں کی ورق گردانی کی جب ان میں کمی بیشی پائی تو ان کو پھینک دیا اور نہ خریدا۔ اس سے میں نے جان لیا کہ یہ کتاب تحریف سے محفوظ ہے اس لیے میں مسلمان ہو گیا۔

یحییٰ بن اکثم کہتے ہیں کہ میں نے اسی سال حج کیا اور حضرت سفیان بن عیینہؒ سے ملاقات کی۔ میں نے ان کی خدمت میں یہ سارا واقعہ نقل کیا۔ انہوں نے فرمایا اس کا مصداق قرآن مجید میں موجود ہے۔ میں نے پوچھا کہاں؟ تو ارشاد[1] فرمایا۔ اللہ تعالیٰ نے توریت و انجیل کی بابت بما استحفظوا من کتاب اللہ فرمایا۔ لہٰذا ان کی حفاظت ان ہی پر چھوڑی گئی۔ قرآن کریم کی نسبت فرمایا۔ انا لہ لحافظون۔ اس واسطے اللہ تعالیٰ نے اسے تحریف و تبدیل سے محفوظ رکھا۔

کیا آسمانی نوشتے تبدیل نہیں ہوتے؟

اہلِ اسلام جب پہلی کُتبِ مقدسہ کو منسوخ اور پھر محرف قرار دیتے ہیں تو اہل کتاب یہ

---

[1] خصائص کبریٰ جلد ۱ صـ۱۸۵ تلخیصاً

موضوع سامنے لے آتے ہیں کہ آسمانی نوشتے محل تبدیل بھی ہیں یا نہ۔ پھر اس پر وہ اس آیت شریفہ سے استدلال کرتے ہیں :۔

لا تبدیل لکلمٰت اللہ۔ (پ ۱۱ یونس ۶۴)

ترجمہ: بدلتی نہیں اللہ کی باتیں۔

اس آیت کو سمجھنے کے لیے یہ بات ذہن میں ہونی چاہیئے کہ قرآن پاک میں کلماتِ الٰہیہ کا اطلاق کئی طرح سے ہوا ہے۔

قرآن پاک میں کلماتِ الٰہیہ کا اطلاق

(۱) معلوماتِ الٰہیہ اور ان کے اسرار و حکم

(۲) خدائی فیصلے جو اعمال اور نتائج اعمال سے متعلق ہیں۔

(۳) احکامِ الٰہی جو اوامر و نواہی پر مشتمل ہیں۔

کلماتِ الٰہیہ کا اطلاق

قل لو کان البحر مداداً لکلمٰت ربی لنفد البحر قبل ان تنفد کلمات ربی ولو جئنا بمثله مدداً۔ (پ ۱۶ الکہف ۱۰۹)

ترجمہ: آپ کہہ دیجئے کہ اگر میرے رب کی باتیں لکھنے کے لیے سمندر سیاہی بن جائیں تو بے شک سمندر خرچ ہو جائیں گے پر میرے رب کی باتیں ختم نہ ہوں گی خواہ ویسے سمندر ہم اور لے آئیں۔

یہاں کلماتِ الٰہیہ سے مراد معلوماتِ الٰہیہ اور رب العزت کے اسرار و حکم ہیں جو باتیں ہمارے ظرف و استعداد کے مطابق تھیں وہ سب ہمیں بتلا دیں۔ جس جس کو جس جس بات کے علم کی ضرورت تھی۔ اس کے دروازے اس پر حسبِ استعداد وا کر دیئے۔ لیکن یہ معلومات اور اسرار اللہ رب العزت کے معلومات اور علوم و حِکَم میں سے اتنی بھی نہیں جتنی سمندر میں سے ایک قطرہ کی مقدار ہو۔

یہاں کلمات اللہ سے خدا کے احکام و اخبار اور کتب سماویہ ہرگز مراد نہیں۔ اگر یہ مراد لیں تو پھر اس آیت کا مطلب (معاذ اللہ) یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ اتنا باتونی ہے کہ اس کی باتیں کبھی ختم نہیں ہوتیں۔ ظاہر ہے کہ اس صورت میں یہ کسی شان کا اظہار نہیں بلکہ ایک بہت بڑی تنقیص ہے معاذ اللہ ثم معاذ اللہ پس یہاں کلماتِ الٰہیہ سے مراد معلوماتِ الٰہیہ ہیں جن کا خلاف نہیں ہو سکتا بمثلاً اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے کہ ابوبکرؓ ایمان پہ فوت ہوں گے اور ابوجہل کفر پہ مرے گا تو اب زمین و آسمان کی طاقتیں بھی جمع ہو جائیں تو ان معلوماتِ الٰہیہ کا خلاف کبھی نہیں ہوگا۔ لاتبدیل لکلمات اللہ میں کلمات اللہ سے مراد یہی معلوماتِ الٰہیہ ہوں تو حاصل یہ ہوگا کہ ان میں تبدیلی ناممکن ہے پس اس آیت کا مطلب یہ ہوگا۔

لاتبدیل لکلمات اللہ

معلوماتِ الٰہیہ کا خلاف کبھی نہیں ہو سکتا۔

کلماتِ الٰہیہ کا دوسرا اطلاق

خدائی فیصلے نہیں بدلتے اعمال اور نتائج اعمال سے متعلق سنت اللہ تبدیل نہیں ہوتی

الذین امنوا وکانوا یتقون۔ لھم البشریٰ فی الحیوۃ الدنیا والاٰخرۃ۔ لاتبدیل لکلمات اللہ ذٰلک ھو الفوز العظیم۔ (پ یونس ۶۳، ۶۴)

ترجمہ۔ جو لوگ ایمان لائے اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہے ان کے لیے خوشخبری ہے حیاتِ دنیا میں اور آخرت میں بدلتی نہیں اللہ کی باتیں یہ بہت بڑی کامیابی ہے۔

یعنی اللہ کی باتیں اور اس کے وعدے اٹل ہیں جو بشارتیں دی ہیں ضرور پوری ہو کر رہیں گی۔ خدائی فیصلے تبدیل نہیں ہوتے اور کوئی طاقت انہیں بدل نہیں سکتی۔ سیاق و سباق پیش نظر رکھنے سے لاتبدیل لکلمات اللہ کا مطلب بالکل واضح ہو جاتا ہے۔ یہاں کلمات سے مراد خدائی فیصلے ہیں کتب مقدسہ صحفِ سماویہ کا یہاں قطعاً کوئی تذکرہ نہیں۔ یہاں صرف اس مضمون کا بیان ہے کہ اعمال اور نتائج اعمال سے متعلق سنت اللہ تبدیل نہیں ہوتی خدا فیصلے بدلا نہیں کرتے۔

ہاں احکام مختلف زمانوں کے لیے مختلف ہو سکتے ہیں۔

کلمات الٰہیہ کا تیسرا اطلاق
وہ کلامِ الٰہی جو احکام و اخبار پر مشتمل ہو

اس معنی کو لا تبدیل لکلمات اللہ سے تطبیق دینا مشکل ہے اخبار الٰہیہ میں تبدیلی تو قطعاً ممکن نہیں[1] لیکن احکام الٰہیہ مختلف حالات کے مطابق مختلف ہوتے رہے ہیں اور ان میں نسخ اصولاً ممکن ہے پس لا تبدیل لکلمات اللہ میں کلمات الٰہیہ سے مراد کتبِ مقدسہ یا احکامِ الٰہیہ نہیں ہو سکتے۔ ہاں اگر انہیں اس زمانے سے مخصوص کرلیں جس زمانے تک کے لیے وہ ضابطہ عمل اور قانون حیات ہوں تو اس دور تک واقعی وہ کلماتِ الٰہیہ تبدیل نہیں ہو سکتے اور اگر کسی ناہنجار انسانی ہاتھ نے ان میں تحریف سے کام لیا تو اتنی بات یقینی ہے کہ غیر کلام الٰہی کلام الٰہی کا بدل ہرگز نہیں بن سکتا۔

ناسخ و منسوخ کی پوری بحث آپ کو ہمارے نسخ فی القرآن کے مضمون میں ملے گی لیکن اس مضمون کی مناسبت سے ہم اس کا کچھ حصہ یہاں بھی آپ کے سامنے پیش کیے دیتے ہیں۔

نسخ کا مفہوم

کسی حکم الٰہی کے منسوخ ہونے سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے وہ حکم جتنی مدت تک کے لیے دیا تھا اب وہ مدت ختم ہو چکی۔ اب نئے حالات اور نئے دور میں جو نئے احکام ہوں گے وہ پہلے احکام کے ناسخ کہلائیں گے علم اصول میں یہ قول منقول ہے :-

هو النص الدال على انتهاء امد الحكم۔[2]

ترجمہ۔ ناسخ اس نص کو کہتے ہیں جو کسی حکم کی مدت کے ختم ہونے کا پتہ دے۔

---

[1] اس لیے کہ اس کا حاصل یا پہلی خبر کا خلاف واقع ہونا ہے یا دوسری خبر کا۔ بہر دو صورت جھوٹ کا تحقق ہونا ہے تعالی اللہ عن ذلک علواً کبیرا [2] مسلم الثبوت جلد ۲ صہ ۳۳ مصر

حصول المامول کی شروطِ نسخ میں چوتھی شرط یہ ہے :۔

ان یکون المنسوخ مقیداً بوقت ۔ [1]

ترجمہ: امر منسوخ کسی مدت تک کے لیے مخصوص ہو۔

پس علم اصول کی رو سے نسخ کا مفہوم انتہائے حکم کا بیان[2] ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ وہ حکم خدا کے علم میں ایک زمانے تک سے خاص تھا اس زمانہ کی انتہا تک وہ حکم ختم ہو گیا اب اسے نئے حکم سے بدلا جائے یا نئے حکم سے بدلنے کے بغیر ختم کیا جائے وہ بہرحال منسوخ ہے۔

یہ سوال پیدا نہیں ہوتا کہ اللہ تعالیٰ نے جب کسی حکم کو بعد میں منسوخ کرنا ہے تو پہلے وہ یہ حکم کیوں دیتا ہے اس لیے کہ ہر حکم جس جس اور جتنے جتنے وقت کے لیے مناسب ہوتا ہے آسمانی ہدایت اسی حکم کے قالب میں اُترتی ہے اس تبدیل احکام کی شہادت ہمیں انجیل سے بھی ملتی ہے حضرت مسیح علیہ السلام تصدیق تورات کے بعد بعض احکام کی تبدیلی یوں بیان کرتے ہیں :۔

احکامِ الٰہی میں تبدیلی

تم سُن چکے ہو کہ اگلوں سے کہا گیا تھا کہ خون نہ کرنا اور جو کوئی خون کرے گا وہ عدالت کی سزا کے لائق ہو گا ـــــ تم سُن چکے ہو کہ کہا گیا تھا زنا نہ کرنا لیکن میں تم سے یہ کہتا ہوں کہ جس کسی نے بُری خواہش سے کسی عورت پر نگاہ کی وہ اپنے دل میں اس کے ساتھ زنا کر چکا ـــــ یہ بھی کہا گیا تھا کہ جو کوئی اپنی بیوی کو چھوڑے اسے طلاق نامہ لکھ دے لیکن میں تم سے یہ کہتا ہوں کہ جو کوئی اپنی بیوی کو حرام کاری کے سوا کسی اور سبب سے چھوڑ دے وہ اس سے زنا کرتا ہے اور جو کوئی اس چھوڑی سے بیاہ کرے وہ زنا کرتا ہے ـــــ پھر تم سُن چکے ہو کہ اگلوں سے کہا گیا تھا کہ جھوٹی قسم نہ کھانا بلکہ اپنی قسمیں خداوند کے لیے پُوری کرنا لیکن میں تم سے کہتا ہوں بالکل قسم نہ کھانا ـــــ تم سُن چکے ہو کہ کہا گیا تھا کہ آنکھ کے بدلے آنکھ اور دانت کے بدلے دانت

---

[1] حصول المامول ص۹۷ [2] دیکھیے تفسیر حقانی زیر آیت واذا بدلنا آیۃ مکان آیۃ (پ۱۴ النحل ۱۰۱)

لیکن میں تم سے کہتا ہوں کہ شریر کا مقابلہ نہ کرنا ــــ تم سن چکے ہو کہ کہا گیا تھا کہ اپنے پڑوسی سے محبت رکھ اور اپنے دشمن سے عداوت لیکن میں تم سے یہ کہتا ہوں کہ اپنے دشمنوں سے محبت رکھ۔[1]

قرآن عزیز بھی بعض احکام الٰہی کی تبدیلی حضرت مسیح علیہ السلام سے حکایۃً نقل کرتا ہے:۔

مصدقاً لما بین یدی من التوراۃ ولاحل لکم بعض الذی حرم علیکم۔ (پ۳ آل عمران ۵۰)

ترجمہ۔ اور میں تم سے پہلی کتاب تورات کو سچا بتانے والا ہوں اور اس لیے کہ حلال قرار دوں بعض وہ چیزیں جو تم پر پہلے حرام کی گئی تھیں۔

لاتبدیل لکلمات اللہ کی ایک اور تفہیم

اس آیت شریفہ کی صحیح مراد اس کے سیاق و سباق کے پیش نظر یہی ہے کہ اعمال او رنتائج اعمال کے بارے میں سنت اللہ ہرگز تبدیل نہیں ہوتی۔ لیکن اگر اس سے خواہ مخواہ احکامِ الٰہیہ ہی مراد لیے جائیں تو اس کا معنی یہ ہوگا کہ کوئی اور اس کے احکام کو بدلنے کا اہل نہیں کسی کا یہ مقام نہیں کہ اس کے احکام کو بدل سکے۔ اگر کوئی اس کی جسارت کرے گا تو غیر کلام الٰہی کلام الٰہی کا بدل ہرگز نہ ہو سکے گا۔ احکام خدا کے ہی باقی رہیں گے اللہ کی بات بدلی نہیں جا سکتی۔ قرآن پاک ایک دوسرے مقام پر خود اس کا اعلان کرتا ہے:۔

لامبدل لکلماتہ وھو السمیع العلیم۔ (پ۸ انعام ۱۱۵)

ترجمہ۔ کوئی بدلنے والا نہیں اس کی بات کو اور وہ ہے ہر وقت سننے والا اور جاننے والا۔

اس آیت کا یہ مطلب نہیں کہ رب العزت خود بھی اپنے حکم کو نہیں بدل سکتا وہ مسلوب اختیار ہرگز نہیں کسی حکم کی مدت ختم ہو جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ اسے بدل دیتے ہیں لا تبدیل لکلمات اللہ کے معنی لامبدل لکلماتہ کے ہیں کہ کسی اور میں اس کے حکم کو بدلنے کی اہلیت نہیں اگر کوئی کوشش کرے گا تو وہ مفتری ٹھہرے گا اللہ کا حکم وہی ہوگا جسے اس نے چھپانے کی کوشش کی تھی۔

---

[1] انجیل متی باب ۵ صہ ۸

کیا آسمانی نوشتوں میں تحریف ممکن ہے؟

اس کا بطلان بالکل بدیہی ہے جس کاتب کو کہیئے وہ ہر آسمانی کتاب میں چند حرکات یا چند الفاظ یا چند سطور کی کمی بیشی کر کے دکھا دے گا یہ علیحدہ بات ہے کہ اس کتاب کے دوسری جگہ بصورت کتاب یا بصورت یاد محفوظ ہونے کے باعث اصل کتاب تحریف کا شکار نہ ہو سکے اور یہ ایزادت کلام الٰہی کی پوزیشن میں نہ آسکیں لیکن اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ انسانی ہاتھوں سے کلماتِ الٰہیہ غلط لکھے جا سکتے ہیں گو لکھنے والے کتنے بڑے مجرم کیوں نہ ہوں اور جب اصل بالکل باقی نہ رہے تو پھر تصحیف کا تعین تحریف کتاب کا موجب بھی ہو جاتی ہے۔

فویل للذین یکتبون الکتب باید یھم ثم یقولون ھذا من عنداللہ (پ البقرہ ۹۵)

ترجمہ: سو خرابی ہے ان لوگوں کی جو کتاب میں اپنے ہاتھوں سے کچھ باتیں لکھ دیتے ہیں اور پھر کہنے لگتے ہیں کہ یہ اللہ کی باتیں ہیں۔

لاتبدیل لکلمات اللہ کی ایک اور تفہیم

کلام اللہ اور کتاب اللہ

پہلی کتبِ مقدسہ اصل میں کتاب اللہ ہیں جن کا مورد تنزیل نقوش کتابیہ تھے اور ملفوظیت ان میں بعد میں آئی تھی لیکن قرآن مجید کا مورد تنزیل نقوش کتابیہ نہیں کلماتِ الٰہیہ ہیں یہ کلام الٰہی ہے جسے مکتوبیت بعد میں ملی۔ تورات و انجیل کو کلام اللہ کہنے میں ذرا توسع اور تجوز کو راہ دینی ہوگی ورنہ حقیقت میں وہ کتاب اللہ ہیں کلام اللہ ہونے کی شان صرف قرآن عزیز کو ہی حاصل ہے۔

ہاں کتب سابقہ کے ماسوا اللہ تعالیٰ نے اپنے انبیاء و مقربین کو شرف ہمکلامی بخشا اسے کلام اللہ کہنے میں تامل نہیں لیکن ایسے کلام کی مکتوبیت عمل میں نہیں آتی رہی اور اگر اسے کہیں نقل بھی کیا گیا تو نقل بالمعنیٰ کے طور پر۔ یہ شان صرف کتاب عزیز کو حاصل ہے کہ اس کی مکتوبیت کلماتِ الٰہیہ کے تابع رہی پس یہی کتاب ہے جو کلام بھی ہے اور پہلی سب کتابیں اور صحیفے کتبِ مقدسہ ہیں۔

لاتبدیل لکلمات اللہ کو اگر اسی مفہوم میں لیا جائے کہ آسمانی نوشتے تبدیل نہیں ہوتے

تو بھی مراد یہی ہے کہ کلام اللہ میں کسی تبدیل و تحریف کو راہ نہ ملے گی اور ظاہر ہے کہ یہ مضمون قرآن کی ابدی حفاظت پر ہی منطبق ہوگا نہ کہ پہلی کتب مقدسہ پر کیونکہ وہ اصالۃً کتاب اللہ تھیں جن کی کلامیت نقوش کتابیہ کے الفاظ مدلولہ سے حاصل ہوتی تھی۔ قرآن عزیز کی طرح نہیں کہ الفاظ مجردہ عن المکتوبیت بھی شان کلامیت رکھتے ہوں۔ حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ لکھتے ہیں:۔

وہ مرتبہ فصاحت و بلاغت جو مناسب شانِ خداوندی ہے اور کتابوں میں اس لیے نہیں کہ ان کا مہبط خود صفت کلام خداوندی نہیں یا یوں کہو کہ عبارت ملائکہ ہے گو مضامین خداوندی ہیں اور شاید یہی وجہ ہے کہ تورات و انجیل کی نسبت قرآن و حدیث میں کتاب اللہ کا لفظ تو آتا ہے کلام اللہ کا لفظ نہیں آتا۔[1]

کتاب اور کلام اللہ میں فرق

کتاب اللہ ——— وہ کتاب ہے جس کے معنی و مطلب خدا کی طرف سے ہوں اور الفاظ و عبارت فرشتہ کے ہوں یا نبی کے۔

کلام اللہ ——— وہ کتاب ہے جس کے حروف و الفاظ عبارت اور معنی و مطالب سب خدا تعالیٰ کی طرف سے ہوں فرشتے اور نبی کو اس میں دخل نہ ہو ہمارے فاضل دوست جناب صارم ازہری لکھتے ہیں:۔

توریت، زبور، انجیل اور دیگر صحفِ انبیاء کتاب اللہ تھیں کلام اللہ نہ تھیں۔[2]

استاذ المحدثین امام سفیان ثوریؒ فرماتے ہیں:۔

لم ینزل وحی الا بالعربیہ ثم ترجمہ کل نبی لقومہ وکان یترجم ذلک جبریل علیہ السلام۔[3]

ترجمہ: ہر وحی اصل میں عربی میں اترتی تھی نبی قوم کے سامنے اس کا ترجمہ پیش کرتے رہے یہ ترجمہ جبریل کیا کرتے تھے۔

---

[1] حجۃ الاسلام ص۳۱ مطبوعہ مکتبہ امدادیہ دیوبند [2] تاریخ القرآن ص۱۶۷

پس وہ کتاب جس کا مورد خود صفت خداوندی ہے صرف قرآن کریم ہے جو خود عربی مبین ہے اور زبان میں حضرت جبریل علیہ السلام کا ترجمہ نہیں۔

تحریف بائبل پر بائبل کی اپنی داخلی شہادت

پہلے ان دو آیتوں کو ذہن نشین رکھیئے:۔

(۱) اور جب ابرم کے لیے ہاجرہ سے اسماعیل پیدا ہوئے تب ابرم چھیاسی برس کا تھا۔[۱]

(۲) اور جب اس کا بیٹا اضحاق اس سے پیدا ہوا تو ابرام سو برس کا تھا۔[۲]

دونوں آیتوں کا حاصل یہ ہے کہ حضرت اسماعیل چودہ برس تک اپنے باپ کے اکلوتے بیٹے رہے اور اسحٰق علیہ السلام کی پیدائش کے بعد کوئی بھی اکلوتا نہ رہا۔ حضرت اسحٰق پر اکلوتا ہونے کا ایک لمحہ بھی نہیں آیا۔

اب سُنیئے

اپنے اکلوتے بیٹے کو جسے تو پیار کرتا ہے اسحاق کو لے اور زمین موریا میں جا اور اسے وہاں پہاڑوں میں سے ایک پہاڑ پر جو میں تجھے بتاؤں گا سوختنی قربانی کے لیے چڑھا۔[۳]

تُو نے اپنے بیٹے ہاں اپنے اکلوتے کو مجھ سے دریغ نہ کیا۔[۴]

دیکھیئے حضرت اسماعیل علیہ السلام کے ذبیح اللہ ہونے کی شان کس طرح حضرت اسحٰق علیہ السلام کی طرف منتقل کی جارہی ہے۔ اگر قربانی کا واقعہ حضرت اسحٰق علیہ السلام سے ہی متعلق ہے تو پھر اکلوتے کا لفظ ان کے نام کے ساتھ بعد کی زیادتی ہے اور اگر وہ واقعی اکلوتے تھے تو پھر پہلی دونوں آیتیں بدلی ہوئی ہیں جن کا حاصل یہ ہے کہ صرف حضرت اسماعیل علیہ السلام چودہ برس اکلوتے رہے اور حضرت اسحاق علیہ السلام پر اکلوتا ہونے کا کوئی دور نہیں آیا سب سے پہلے بیٹے حضرت

---

[۱] کتاب پیدائش باب ۱۶ آیت ۱۶ [۲] ایضاً باب ۲۱ آیت ۵ [۳] ایضاً باب ۲۲ آیت ۲ [۴] ایضاً باب ۲۲ آیت ۱۶

ابراہیم علیہ السلام کے ہاں حضرت اسماعیل علیہ السلام ہی تھے۔

فویل للذین یکتبون بایدیھم ثم یقولون ھٰذا من عند اللہ لیشتروا بہ ثمنًا قلیلًا فویل لھم مما کتبت ایدیھم و ویل لھم مما یکسبون۔

(پ۱ البقرہ ۷۹)

ترجمہ: پس ان لوگوں کے لیے سخت عذاب ہے جو کتاب اپنے ہاتھوں سے لکھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ اللہ کی طرف سے ہے۔ وہ ایسا اس لیے کرتے ہیں کہ اس سے کچھ دنیوی فائدہ اٹھائیں سو ان کے ہاتھوں کے لکھنے پر بھی اور ان کے اس کسب پر بھی ان کے لیے عذاب ہے۔

وان منھم لفریقًا یلوون السنتھم بالکتاب لتحسبوہ من الکتاب وما ھو من الکتاب ویقولون ھو من عند اللہ وما ھو من عند اللہ۔

(پ۳ آل عمران ۷۸)

ترجمہ: اور ان میں سے ایک گروہ وہ ہے جو کتاب کو اپنی زبانیں موڑ کر پڑھتا ہے تاکہ تم اسے کتاب میں سے جانو حالانکہ وہ اللہ کی طرف سے نہیں ہے۔

ان تفصیلات سے واضح ہو گیا کہ تحریف کیا ہے اور یہ کیسے واقع ہوتی ہے۔

نیز ان روایات سے واضح ہو گیا کہ آسمانی نوشتوں اور کتبِ مقدسہ میں تحریف ہرگز ناممکن نہیں اور اگر ان آسمانی کتابوں کا عام انسانی ہاتھوں سے تحریف ہونا ہی ناممکن تھا تو پھر اس عظیم پیشگوئی کی کوئی افادی حیثیت نہیں رہتی جس میں اللہ رب العزت نے قرآن عزیز کی ابدی حفاظت کا خود تکفل فرمایا ہے۔

انا نحن نزلنا الذکر وانا لہ لحافظون۔ (پ۱۴ الحجرات ۹)

ترجمہ: بے شک ہم نے ہی قرآن[1] نازل کیا اور یقینًا ہم ہی اس کے محافظ ہیں۔

---

[1] قرآن پاک کا ایک نام ذکر بھی ہے وانزلنا الیک الذکر لتبین للناس ما نزل الیھم (پ۱۴ النحل) ان الذین کفروا بالذکر لما جاءھم (پ۲۴ حم سجدہ) وان یکاد الذین کفروا لیزلقونک بابصارھم لما سمعوا الذکر (پ۲۹ القلم) ھذا ذکر مبارک انزلناہ (پ۱۷ انبیاء) وانہ لذکر لک ولقومک (پ۲۵ زخرف) ان ھو الا

یہاں قرآن کے نزول کو تنزیل سے ذکر فرمایا۔ تنزیل سے مراد بتدریج تھوڑا تھوڑا کرکے اتارنا ہے پس اس نزول سے وہ نزول اول مراد نہیں جو لوحِ محفوظ سے پہلے آسمان پر تھا اس لیے کہ وہ دفعۃً واقع ہوا تھا تدریجاً نہ تھا پس یہاں جس حفاظت قرآن کی بشارت دی جا رہی ہے وہ لوحِ محفوظ میں لکھے یا پہلے آسمان پر اُترے قرآن کی نہیں بلکہ یہ اس قرآن کے ابدی تحفظ کا اعلان ہے جو آنحضرت ؐ پر مختلف اوقات میں تدریجاً نازل ہوتا رہا ہے۔

انا نحن نزّلنا الذکر وانّا له لحافظون کے سباق پر نظر کریں تو دو باتیں نمایاں طور پر سامنے آتی ہیں:۔

(۱) ذکر سے مراد یہاں قرآن ہے حضور کی اپنی ذات نہیں۔

(۲) یہاں جس قرآن کی اَبدی حفاظت کا بیان ہے وہ وہی قرآن ہے جو حضور ؐ کے مخالفین کے سامنے پیش شدہ تھا لوحِ محفوظ یا پہلے آسمان پر اُترا ہوا قرآن ہرگز مراد نہیں۔

وقالوا یا ایها الذی نزّل علیه الذکر انك لمجنون۔ لوما تاتینا بالملٰئکة ان کنت من الصادقین۔ ما ننزل الملٰئکة الا بالحق وما کانوا اذاً منظرین۔ انا نحن نزلنا الذکر وانا له لحافظون۔ (پ۱۴ الحجر ۹)

ترجمہ۔ اور انہوں نے کہا کہ اے وہ شخص جس پر ذکر نازل کیا گیا تو مجنون ہے۔ اگر تو سچوں میں سے ہوتا تو ہمارے پاس فرشتے لے کر کیوں نہ آتا۔ فرشتوں کو تو ہم موقع ہی سے بھیجا کرتے ہیں اور (جن کی طرف بھیجتے ہیں) پھر ان کو مہلت نہیں ملتی۔ بے شک ہم ہی نے اس ذکر کو نازل کیا ہے اور یقیناً ہم ہی اس کے محافظ ہیں۔

معلوم ہوا کہ آیت حفاظت قرآن کفار عرب کے انکار و استہزاء کی تردید میں نازل ہوئی تھی صدر کلام میں انّ تاکید کے لیے لایا گیا ہے پھر انّ کے اسم اور خبر کے درمیان ضمیر فصل وارد ہوئی ہے

ذکر للعالمین (پ۱۳ یوسف، پ۲۳ ص) ان هو الا ذکر و قران مبین (پ۲۳ یٰسین)، ءانزل علیه الذکر من بیننا (پ۲۳ ص) وقالوا یا ایها الذی نزل علیه الذکر (پ۱۴ حجر) ذکر کا لفظ قرآن کے علاوہ کسی اور معنی کے لیے آئے تو قرینہ ساتھ ہوگا جیسے ایک جگہ یہ لفظ آنحضرت ؐ کے لیے بھی آیا ہے۔ قد انزل الله الیکم ذکراً رسولاً (پ۲۹ الطلاق) ذکر کی وہ حقیقت شرعی جو کسی قرینہ کی محتاج نہیں قرآن کریم ہے۔

ساتھ ساتھ متکلم واحد صیغہ جمع (نحن) سے ذکر کیا جا رہا ہے جس سے تعظیم و اجلال مقصود ہے پھر حکم کی تقویت کے لیے اسناد کا تکرار واقع ہو رہا ہے۔ انا لہ لحافظون میں ان تاکید کے لیے وارد ہے اس کے بعد پھر لام تاکید آ رہا ہے جملہ کی اسمیت الگ تاکید لا رہی ہے یہ تمام امور خبر دے رہے ہیں کہ یہاں بڑی ہی مہتم بالشان بشارت کا ذکر ہو رہا ہے پس یہاں اگر کسی غار میں رکھے نسخے کی حفاظت کا ہی بیان تھا تو کفار عرب کی تردید کے سیاق اور اتنی تاکیدات کے اہتمام کا کوئی معنی باقی نہیں رہ جاتا۔ یہ قرآن عزیز کی حفاظت کی ہی بشارت ہے اور اسی قرآن عزیز کی حفاظت کا بیان ہے جو اس وقت ہمارے سامنے موجود ہے۔ تفسیر مجمع البیان میں ہے :۔

ان نحن نزلنا الذکر ای القرآن وانا لہ لحافظون عن الزیادۃ والنقصان والتحریف والتغییر عن قتادۃ وابن عباس ومثلہ لا یاتیہ الباطل من بین یدیہ ولا من خلفہ۔ [۱]

ترجمہ۔ بے شک ہم نے ہی ذکر نازل کیا اس سے مراد قرآن ہی ہے اور ہم ہی اس کی ہر زیادتی اور کمی سے اور ہر تحریف و تغییر سے حفاظت کریں گے یہی معنی حضرت قتادہؒ اور ابن عباسؓ سے منقول ہیں اور اس میں نہ آگے سے نہ پیچھے سے کسی طرح بھی باطل کا دخل نہیں ہو سکتا۔

مُلّا فتح اللہ کاشانی نے بھی دونوں جگہ لفظ ذکر کا ترجمہ قرآن کیا ہے۔

حفاظت قرآن پر مُلّا خلیل قزوینی کا ایک اور اعتراض

خلیل قزوینی کہتا ہے کہ آیت انا نحن نزلنا الذکر وانا لہ لحافظون ان آیات میں سے ہے جو مکہ میں نازل ہوئیں اور نزلنا صیغہ ماضی کا ہے پس اس آیت میں صرف اسی حصہ قرآن کے محفوظ ہونے کا بیان ہے جو اس وقت تک نازل ہو چکا تھا بعد میں نازل ہونے والے حصہ قرآن کے تحفظ کی یہاں کوئی ضمانت نہیں پس قرآن کے من حیث المجموع تحفظ کا دعوے صحیح نہیں مُلّا ئے قزوینی کہتا ہے :۔

---

[۱] مجمع البیان جلد ۲ صفحہ ۲۵ مطبوعہ ایران

ایں آیت بلفظ ماضی است و در سورہ مکیہ است و بعد ازیں سورہ بسیار نازل شدہ در مکہ چہ جائے مدینہ. پس دلالت نمے کند بر محفوظ بودن جمیع قرآن.[1]

ملاجی کی یہ بات علم و فہم سے بہت گری ہوئی ہے ان کے بیان کا حاصل یہ ہے کہ کچھ حصہ قرآن کی حفاظت کا تو وعدہ ہے اور کچھ حصہ قرآن کی حفاظت نہیں. جب کسی دستاویز کے بارے میں کہہ دیا جائے کہ اس کی کچھ عبارت تو اصلی ہے اور کچھ جعلی تو کیا اس سے ساری دستاویز مشتبہ نہیں ہو جاتے گی؟ عدالت کی فائل سے اگر کچھ کاغذات نکال لیے جائیں تو باقی فائل کی کیا حیثیت رہ جاتی ہے. ملاجی تو ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ کا معنی بھی یہی کرتے ہوں گے کہ اس وقت تک جو حصہ قرآن نازل شدہ تھا اس میں تو شک نہیں البتہ بعد میں جو نازل ہوا وہ حصہ قرآن شک سے محفوظ نہیں (معاذ اللہ ثم معاذ اللہ) اندریں صورت آیت حفاظتِ قرآن کا ہونا نہ ہونا بالکل برابر ہو جاتا ہے اور اس کی افادیت ہر پہلو سے ناکام ہو جاتی ہے. سوال پیدا ہوتا ہے کہ اتنی مہمل اور بے فائدہ سی بات کو اس قدر تاکیدات عظمت و جلال اور اس قدر زور کمال سے آخر کیوں بیان کیا جا رہا ہے کیا یہ اسی کلام کی شان ہے جو انتہائے بلاغت پر اپنا لوہا منوا چکا ہو اور عرب کے تمام فصحاء و بلغاء اس کی نظیر لانے سے عاجز آچکے ہوں.

یہ آیت شریفہ کفارِ عرب کے انکار و استہزاء کی تردید میں نازل ہوئی تھی. ظاہر ہے کہ وہ کسی خاص حصہ قرآن کے منکر نہ تھے بلکہ ان کا محلِ انکار قرآن من حیث القرآن تھا تصدیق قرآن کے لیے جو انہوں نے فرشتوں کی آمد طلب کی تھی وہ بھی کسی خاص حصہ قرآن سے متعلق نہ تھی بلکہ ان سب موقعوں پر قرآن من حیث القرآن ہی محلِ بحث بنا ہوا تھا ان مباحث میں حصہ منزل اور حصہ غیر منزل سب یکساں مراد تھے. سیاق و سباق اور موضوع کلام کے پیش نظر یہ پورے قرآن کے تحفظ کا ایک اصولی اعلان تھا.

پس آیت انا نحن نزلنا الذکر و انا لہ لحافظون میں لہ کی ضمیر نزلنا کے عین مفعول (حصہ منزل) کی طرف نہیں لوٹ رہی کہ صرف اسی حصہ قرآن کے تحفظ کا اعلان ہو بلکہ کی ضمیر نزلنا کے مفعول کی جنس کی طرف لوٹ رہی ہے خواہ وہ منزل ہو یا ابھی غیر منزل ہو یہ قرآن من

---

[1] الصافی بشرح اصول الکافی جلد ۶ ص ۷۶ مطبوعہ لکھنؤ

حیث القرآن کے تحفظ کا خدائی اعلان ہے اور ضمیر کے اس طرح جنس کی طرف لوٹنے کے نظائر[1] بیشمار خود کتاب میں موجود ہیں۔

پھر یہ بھی ہو سکتا ہے کہ انا نحن نزلنا الذکر میں ماضی بمعنی مضارع ہو بعض اوقات انتہائے یقین کے لیے مضارع کی تعبیر ماضی سے کر دیتے ہیں اور یہ بھی بلاغت کی ایک شان ہے۔ ونفخ فی الصور فاذا ھم من الاجداث الیٰ ربھم ینسلون اندریں صورت آیت حفاظت قرآن کا معنی یہ

---

[1] ھو الذی یتوفکم باللیل ویعلم ما جرحتم بالنہار ثم یبعثکم فیہ (پ الانعام) یہاں فیہ کی ضمیر اس دن کی طرف نہیں جو ما جرحتم بالنہار میں تھا بلکہ یہ ضمیر اس کی جنس کی طرف لوٹ رہی ہے۔ ۲۔ ھو الذی خلقکم من نفس واحدۃ وجعل منہا زوجھا لیسکن الیھا میں آدم و حوا کا ذکر ہے اور پھر اسی سلسلے میں فرمایا فلما آتٰھما صالحاً جعلا لہ شرکاء فیما آتٰھما فتعالی اللہ عما یشرکون۔ (پ الاعراف آخر) ظاہر ہے کہ آدم علیہ السلام شرک سے منزّہ اور پاک ہیں پس ضمیر یہاں ان کے عین کی طرف نہیں ان کی جنس کی طرف لوٹ رہی ہے کہ انسان نے پھر شرک کا ارتکاب کر لیا ہے آیت کے آخری الفاظ فتعالی اللہ عما یشرکون جمع کے صیغے سے ہیں یہاں آدم و حوا مراد نہیں پس جعلا لہ شرکاء میں مطلق عورت مرد مراد ہیں اور ضمیر جنس کی طرف لوٹ رہی ہے۔ ۳۔ ولقد خلقنا الانسان من سلالۃ من طین ثم جعلناہ نطفۃ فی قرار مکین (پ المؤمنون) پہلے آدم علیہ السلام کے مٹی سے بننے کا تذکرہ ہے پھر اس کے قرار مکین میں نطفہ ہونے کا بیان ہے ظاہر ہے کہ آدم علیہ السلام اس منزل سے نہیں گزرے لیں جعلناہ کی ضمیر عین آدم علیہ السلام کی طرف نہیں جنس آدم کی طرف لوٹ رہی ہے۔ ۴۔ ولقد زینا السماء الدنیا بمصابیح وجعلناھا رجوما للشیاطین (پ۲۹ الملک) جن ستاروں کو مصابیح فرمایا وہ ٹوٹنے والے ستارے نہیں جن سے رجم شیاطین ہوتا ہے یہاں عین مصابیح سے جنس مصابیح کی طرف کلام منتقل ہے۔ ۵۔ آنحضرت نے فرمایا۔ صوموا لرؤیۃ الھلال وافطروا لرؤیتہ۔ یہاں الھلال سے مراد ہلال رمضان ہے اور افطروا لرؤیتہ میں ضمیر اسی کی طرف لوٹ رہی ہے لیکن اس عین ہلال کی طرف نہیں بلکہ جنس کی طرف اور مراد اس سے شوال کا ہلال ہے۔

واللہ اعلم بحقیقۃ الحال

ہوگا کہ بے شک ہمیں اسے نازل کر رہے ہیں اور ہم ہی اس کی حفاظت کریں گے جو اسے نازل کر رہا ہے وہی اسے محفوظ بھی رکھے گا۔

خلیل قزوینی نے حفاظتِ قرآن کے انکار کے لیے جو راستہ ہموار کیا ہے اس کے کانٹے دُور تک بچھے نظر آتے ہیں پھر تو وہ آیاتِ شریفہ جن میں قرآن کی شانِ اعجاز کا بیان ہے اور اُس کے ضمن میں تمام عرب کو تحدی کے ساتھ دعوتِ مبارزت دی گئی ہے۔ صرف اسی حصہ قرآن سے متعلق ہوں گی جو آیت حفاظت قرآن سے پہلے نازل ہو چکا تھا اور جو قرآن اس آیت کے بعد نازل ہوا وہ حصہ قرآن ہرگز معجز نہیں اور گو فصحائے عرب اس بعد کے نازل شدہ کلام کی بھی نظیر نہ لا سکے تاہم وہ ہرگز معجز اور محفوظ نہیں اور نظیر نہ لا سکنا اس کے کلام الٰہی ہونے کا کوئی نشان نہیں معاذ اللہ ثم معاذ اللہ۔ مُلّاجی کو اس میں حاصل بھی کچھ نہیں ہوا مگر دین کی پوری عمارت کو متزلزل کرنے میں انہوں نے اپنی طرف سے کوئی کمی نہیں چھوڑی۔

ے دینِ ملاّ فی سبیل اللہ فساد

تحریف قرآن کا معنوی انداز

تحریفِ معنوی سے قرآن کی اَبدی حفاظت

قرآن عزیز کی اَبدی حفاظت کا خود ربّ العزت نے تکفل فرمایا ہوا ہے اس عظیم پیشگوئی کے ضمن میں سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہاں قرآن سے کیا مراد ہے؟ صرف الفاظِ وحی اور نقوش کتابیہ یا قرآن عزیز اس آخری وحی کے نظم و معنی کے مجموعہ کو کہتے ہیں علماء اصُول لکھتے ہیں:۔

هو اسم للنظم والمعنى جميعاً (منار متن نور الانوار) امرنا بحفظ النظم والمعنى فانه دلالة على النبوة (النفحة القدسية)[1]

[1] النفحۃ القدسیۃ ص۱۳ یہ علامہ حسن شرنبلالی صاحبِ نور الایضاح کا ایک رسالہ ہے علامہ حسن شرنبلالی دسویں صدی ہجری کے مشہور فقیہ گزرے ہیں رسالے کا پُورا نام "النفحۃ القدسیۃ فی احکام قراۃ القرآن وکتابتہ با الفارسیۃ" ہے۔

ترجمہ۔ قرآن نام ہے ترتیب الفاظ اور معنی کے مجموعہ کا ہم قرآن پاک کی ترتیب الفاظ ومعنی دونوں کی حفاظت کے لیے مامور ہیں کیونکہ یہ نبوت کا ایک نشان ہے

پس جب قرآن اس وحی ربانی کے "نظم ومعنی" کے مجموعہ کا نام ہے تو قرآن عزیز کی اس ابدی حفاظت کا دائرہ بھی الفاظ کتاب اور مطالب کتاب ہر دو کو شامل ہوگا جس طرح اس کے نقوش کتابیہ ہر قسم کی تحریف لفظی سے محفوظ ہیں، اسی طرح اس کے معانی ومطالب بھی ہر قسم کی تحریف معنوی سے یقیناً مصئون ہوں گے۔

قرآن عزیز میں اگر معنوی تحریف کو راہ دے دی جائے اور صرف نقوش کتابیہ کے تحفظ کی ضمانت ہو تو قرآن کی ابدی حفاظت کا اعلان ایک بے معنی بات ہو کر رہ جاتی ہے الفاظ کی حفاظت خود مقصود نہیں ان کا تحفظ محض اس لیے ہے کہ وہ معانی ومطالب کی حفاظت کا ذریعہ بن سکیں الفاظ کا تحفظ معانی کی صحت کے لیے ہے حق یہی ہے کہ الفاظ کی ابدی حفاظت کی طرح اس کے معانی ومطالب کا تحفظ بھی اس پیشگوئی میں منطوی ہے۔

تحریف معنوی سے متعلق ایک سوال

پچھلی چند صدیوں سے کچھ ایسے نئے نئے مفسر سامنے آرہے ہیں جو تفسیرات صحابہ وتابعین کے خلاف قرآن عزیز کو نئے نئے معنی پہنا رہے ہیں تفسیری روایات کی مخالفت تو درکنار ان کے بیان کردہ معنی اکثر نشست الفاظ اور قواعد عربیت سے بھی متصادم ہوتے ہیں گو یہ غلط فکر اور خام علم مؤلفین ایک سلسلے میں مربوط نہیں ہو سکے لیکن اس میں شک نہیں کہ ایک مدت سے تحریف معنوی کا یہ سلسلہ قائم ہے۔ ان حالات کے پیش نظر قرآن پاک کی تحریف معنوی سے ابدی حفاظت کا دعوٰے کیسے کیا جا سکتا ہے۔

جواب: یہ صحیح ہے کہ قرآن پاک پر کام کرنے والے بعض نئے نئے مؤلفین علم وتحقیق سے بے نیاز ہو کر کئی قطعیات اسلام میں بھی انکار والحاد کی راہ چل رہے ہیں اور ان کا یہ عمل یقیناً تحریف معنوی ہے لیکن ان کے اس عمل سے اصل قرآن ہرگز مشتبہ نہیں ہوتا کیونکہ اس کے اصل مطالب ومعانی بھی اہل حق کے پاس موجود اور سب کے لیے ممکن الوصول ہوتے ہیں ان معانی میں بھی تواتر قائم ہے اور

آنحضرتؐ سے لے کر اب تک اہلِ حق کا یہ سلسلہ قائم ہے اور قیامت تک قائم رہے گا پس قرآن معنیً بھی ہمیشہ کے لیے تحریف معنوی سے محفوظ رہے گا۔ آنحضرتؐ نے ارشاد فرمایا:۔

لا تزال طائفة من امتی ظاهرین علی الحق لا یضرهم من خالفهم او خذلهم حتی یاتی امر الله۔

ترجمہ: میری امت کا ایک گروہ ہمیشہ حق پر قائم اور غالب رہے گا ان کے مخالف یا مدد نہ کرنے والے انہیں کوئی نقصان نہ پہنچا سکیں گے۔

تاریخ گواہ ہے کہ جب بھی کسی نے قرآن کی صحیح مراد معلوم کرنے کی کوشش کی ہر پیاسا سیراب ہوتا رہا جب تک اصل تفسیر اور قرآنی مطالب کی صحیح تعبیر دنیا میں موجود اور ممکن الحصول ہو ان ملحدین زمانہ کی غلط تفسیرات سے کتاب اللہ میں تحریف نہیں ہو سکتی۔ اس قسم کے متنورین تو بے شک محرّف ہیں لیکن قرآن ہرگز محرّف نہیں کوئی تحریف معنوی اس میں چل نہیں سکی۔ اہلِ حق کا تواتر ہر دور میں ان غلطیوں کی نشاندہی کرتا رہا ہے۔

جس طرح قرآن پاک کی لفظی نقول جب تک صحائف قرطاس میں مزبور اور سینہ حفاظ میں محفوظ ہیں کسی مطبع کی غلطی یا کسی حافظ کی لغزش سے قرآن کریم کو تحریف لفظی کا شکار نہیں کہا جا سکتا۔ کیونکہ اصل محفوظ اور موجود ہے۔ اسی طرح ادبی قلم اور حسنِ تحریر کے سہارے مفسر بن بیٹھنے والے متنورین کی غلط تفسیرات سے بھی کتاب اللہ ہرگز تحریف معنوی کا شکار نہیں ہو سکتی اس لیے کہ مبانی کی طرح اصل معانی بھی تو موجود ہیں جو تاریخ اسلام کے کسی دور میں مفقود نہیں ہوئے۔

یہ ہو سکتا ہے کہ کتاب اللہ کے صحیح وارث کسی دور میں قلیل ہوں اور کسی میں کثیر، کسی میں قوی ہوں اور کسی میں ضعیف لیکن یہ نہیں ہو سکتا کہ پورا صفحہ کائنات قرآن کی صحیح تعلیم سے یکسر خالی ہو۔

اسلام ایک زندہ مذہب

اسلام اگر ایک زندہ مذہب ہے تو تاریخ اسلام کے ہر دور میں اس کی زندگی ضروری ہے وہ زندگی کسی درجے میں ہو اور حالات کتنے ہی الٹے کیوں نہ ہوں اس زندگی میں تسلسل لازمی ہے۔ ورنہ اسلام ایک زندہ حقیقت نہیں رہتا جب تک اسلام کی شاہراہِ حیات قائم ہے قرآن عزیز کے

مبانی اور معانی کبھی بھی پردہ تحریف کے پیچھے نہیں جا سکتے۔ ہر وہ مفسر جو سلف کے ذخیرہ سلف سے یکسر آنکھیں بند کر کے قرآن کو نت نئے مطالب کا لباس پہناتا ہے اس سے دریافت کیجئے کہ تمہارے بیان کردہ مطالب پچھلے ادوار اسلام میں سامنے تھے یا نہ؟ اگر موجود کہے تو تصحیح نقل اور ہر دور کے تسلسل کا مطالبہ کیجئے اور اگر وہ ان نئے مطالب کو پچھلی تاریخ اسلام میں مفقود البیان بتائے تو پھر سوال کیجئے کہ کیا تمہارے خیال میں قرآن اتنا عرصہ ایک مردہ کتاب رہی اور تاریخ کے ان دوروں میں اس میں تحریف معنوی چلتی رہی؟ کیا یہ ہو سکتا ہے کہ پورے عالم اسلام میں قرآن کے کسی حصے کی صحیح تعبیر کسی ایک مدت تک کلیۃً مفقود رہے؟ اس صورت میں کہنا پڑے گا کہ قرآن کریم کی ابدی حفاظت کا اعلان بالکل غلط اور بے معنی ہے یا کہ قرآن صرف نقوش کتابیہ کا نام ہے معانی اور مطالب مفہوم قرآنیت سے خارج ہیں۔ (معاذاللہ)

یاد رکھیئے اسلام ایک زندہ مذہب ہے اور تاریخ کے ہر دور میں اس کی زندگی ضروری ہے قرآن پاک کی ابدی حفاظت خود رب العزت نے اپنے ذمے لے لی ہے اس کے مبانی بھی محفوظ ہیں اور معانی بھی۔ ان میں تحریف کی کوشش کرنے والے خود تو محرف قرآن ہیں لیکن قرآن ہرگز محرف نہیں وہ ایک زندہ کتاب ہے اور اسلام ایک زندہ مذہب ہے۔

قرآن پر تحریف کا الزام
اور مخالفین کے مغالطہ انگیز سہارے

جن مخالفین اسلام نے مسلمانوں پر تحریف قرآن کا الزام لگایا ہے ان کے ترکش میں صرف تین قسم کے تیر ہیں جن میں سے کوئی بھی نشانے پر نہیں لگتا۔ انہوں نے تفسیری روایات اور ذخائر حدیث سے اب تک جو مواد جمع کیا ہے وہ ان تین انواع سے خارج نہیں۔

(۱) تفسیری جملے

(۲) منسوخ التلاوت آیات

(۳) تعدد قرأت

ان کے سوا جو کچھ ہے اور وضاع و کذاب راویوں کے جھوٹ اور بہتانات ہیں جن

ملحدین کے عقیدے میں قرآن خود ایک غیر محفوظ کتاب تھی اور وہ موجودہ مرتب قرآن کو صحیفہ عثمانی کہہ کر محرف اور مبدل قرار دیتے تھے انہوں نے اپنے جرم میں دوسروں کو شریک کرنے کے لیے کچھ ایسی روایات ضرور گھڑ رکھی ہیں جو تحریف کا شبہ پیدا کریں لیکن ان راویوں کا کذب دوران کا مسلک کھلنے سے پوری طرح عیاں ہو جاتا ہے عامۃ الورود روایات زیادہ تر انہی تین اقسام پر مشتمل ہیں۔

① تفسیری نوٹ

صحابہ کرام، ائمہ دین اور قدماء مفسرین تقریباً سب کی زبان عربی تھی. قرآنی مطالب کے حل میں بھی وہ عربی سے ہی کام لیتے تھے اور اسی زبان میں قرآن کی تفسیر کی جاتی تھی. قرآن پاک کے ساتھ ساتھ بعض اوقات ان تفسیری جملوں notes کا سلسلہ بھی روایت ہوتا رہا. کتب حدیث و تفسیر میں کئی مقامات پر آیاتِ قرآنیہ ان تفسیری جملوں کے ساتھ منقول ہیں جب یہ روایات قرآنی آیات سے کچھ مختلف نظر آتی ہیں تو مخالفین فوراً کہہ اٹھتے ہیں کہ دیکھو مسلم لٹریچر میں بھی تحریفِ قرآن کی روایات موجود ہیں عوام کو یہ مغالطہ دیا جاتا ہے کہ یہ تفسیری جملے خود قرآن میں کیے گئے اضافے ہیں معاذ اللہ

② آیات منسوخ التلاوت

وہ آیات جنہیں آنحضرتؐ پر کچھ وقت کے لیے نازل کیا گیا اور اس وقت کے گزرنے پر وہ قرآن کی حیثیت سے باقی نہ رہی تھیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زیرِ ہدایت اب ان کی تلاوت بھی باقی نہ رہی تھی. کتب حدیث و تفسیر میں کہیں ان کا ذکر مل جائے تو مخالفین ان کے سہارے قرآن کریم میں اشتباہ پیدا کرنے لگتے ہیں۔

ہمارا یہ دعوےٰ کہ قرآن کریم ہر طرح کی تبدیل و تحریف سے محفوظ ہے اس سے مراد وہ قرآن ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے امت کے لیے چھوڑا اس کے بعد اس میں ذرہ بھر کمی بیشی نہیں ہوئی اور وہ ہمیشہ کے لیے ہر تحریف سے محفوظ ہے اس اعلان تحفظ کا یہ مطلب نہیں کہ نزول قرآن اور تکمیل شریعت کے دوران میں اللہ تعالیٰ نے بھی اس کی کسی آیت کو منسوخ نہیں کیا. آنحضرتؐ نے باذنِ الٰہی قرآن پاک کو نزولی ترتیب سے اصولی ترتیب کی طرف لوٹایا منسوخ التلاوت آیات کو تلاوت اور

قرآنیت سے خارج کیا۔ ہاں اس آخری آسمانی کتاب نے جو آخری شکل پائی اور جس پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے امت کو الوداع کہا اب اس میں قیامت تک کے لیے کسی قسم کی کمی بیشی نہیں ہو سکتی پہلے جو کچھ ہوتا رہا خود نبی کے ذریعہ ہوتا رہا اور باذنِ الٰہی ہوتا رہا۔ کسی امتی کا دست تحریف اس آخری آسمانی کتاب کو کسی دور میں بھی نہیں چھو سکا۔ ان منسوخ التلاوت آیات کے ذریعے مسلمانوں کو تحریف قرآن کا الزام دینا کہاں کا فہم اور کہاں کی دیانت ہے کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں۔

③ تعدد قرأت

قرآن پاک کی سات قرأتوں کا مسئلہ احرف سبعہ کی بحث میں ہم نے تفصیل سے ذکر کر دیا ہے کہ قرآن پاک لغت قریش میں نازل ہوا تھا لیکن آنحضرتؐ نے تسہیل امر، وسعتِ عمل اور دوسرے قبیلوں کے لہجہ و محاورہ کا پاس کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ سے اس میں کچھ وسعت چاہی تھی۔

اقرأني جبريل على حرف فراجعته فلم ازل استزيده ويزيدني حتى انتهى الى سبعة احرف۔ [1]

ترجمہ۔ جبریل نے قرآن مجھے ایک ہی حرف پر پڑھایا تھا میں نے اس کی طرف مراجعت کی اور وسعت طلب کی وہ اور قرأت لاتے رہے اور یہ سلسلہ سات قرأتوں تک پہنچا۔

قرآن پاک ان سات قرأتوں میں سے کسی قرأت پر بھی پڑھ لیا جائے تو اس کی تلاوت پوری ہو جاتی ہے اور شریعتِ مطہرہ نے اس کی اجازت دی ہے۔ رحمۃ للعالمین کی رحمت اور رأفت کی انتہا ہے کہ اس باب میں بھی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے امت کو اتنی وسعت سے سرفراز کیا۔ ہاں مصحف میں مرکزی قرأت اب ایک ہی ہے۔

اس اجازت اور اختلافِ قراآت کا یہ مطلب نہیں کہ قرآن پاک کی اس پہلی قرأت کا کسی کو انکار ہے یا اس میں تشکیک کے کانٹے ہیں (معاذ اللہ) یہ سب قراآت آسمانی ہیں اور خود آنحضرتؐ سے تواتر کے ساتھ منقول ہیں ان میں سے کسی ایک کو اختیار کرنا دوسری کا انکار نہیں نہ اس پہلی ٹکسالی

---

[1] مشکوٰۃ صد ۱۹۲ دہلی

قرأت سے فرار ہے اور نہ اس سلسلہ وسعت سے قرآن کی قرآنیت مخدوش ہوتی ہے۔ ابن شہاب زہری کہتے ہیں کہ یہ سات قرأتیں دین میں ایک ہیں ان کا حلال و حرام میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔۔

کتب حدیث و تفسیر میں اگر کہیں کوئی مختلف قرأت منقول ہوتی ہے تو مخالفین اسے الزام تحریف کے لیے ایک سہارا بنا لیتے ہیں حالانکہ اختلاف قرأت سے تحریف ہرگز ثابت نہیں ہوتی۔

تحریف کا الزام دینے والوں کی خدمت میں آخری فیصلہ کُن گذارش

پُورے اسلامی لٹریچر اور سوادِ اعظم کے ذخیرہ حدیث و تفسیر میں سے ایک روایت یا ایک عبارت ہی ایسی پیش کیجئے:۔

① جس کی نقل وضاع و کذاب قسم کے ناقلین کے ذریعہ سے نہ ہو۔

② اس روایت یا عبارت میں تفسیری جملے کا احتمال نہ ہو۔

③ وہ عبارت، نہ منسوخ التلاوت ہو نہ اس میں اختلاف قرأت ہو۔ بلکہ اس میں اس طرح کی تصریح ہو کہ :۔

① یہ آیت اس طرح نہیں جیسا کہ پڑھی جاتی ہے بلکہ یہ تو اس طرح نازل ہوئی تھی۔ اس قسم کے الفاظ سے اس میں واقعی تحریف کا اقرار سمجھا جائے گا۔

② عبارت میں وہ کمی بیشی اُمت کے ہاتھوں واقع ہونے کی صراحت ہو وہ عہدِ نبوت سے ماثور نہ ہو۔

③ وہ عبارت قرآنی مسئلے کا رُخ بدل دے اور اس کے راویوں کے ہاں اہل تواتر کسی جھوٹ پر جمع ہو سکتے ہوں۔

تحفّظ قرآن کے عملی اسباب

یُوں تو قرآن عزیز کی ابدی حفاظت کے خود ربّ العزت کفیل ہیں لیکن خدائے ربّ العزت نے عالمِ محسوسات میں اس کے کچھ عملی اسباب بھی پیدا فرمائے جن نفوسِ قدسیہ کو یہ توفیق حاصل ہوئی

کہ وہ تحفظِ قرآن کے عملی وسائل بنیں وہ سب اس باب میں اللہ تعالیٰ کے نائبین ہیں اصالۃً قرآن کا تحفظ رب العزت کر رہے ہیں اور نیابۃً یہ حضرات قدسی صفات اس تحفظ قرآن کے عملی اسباب ہیں۔

(۱) حضرت صدیق اکبرؓ نے آنحضرتؐ کے زمانے کی تمام قرآنی دستاویزات کو جو اس وقت تک متعدد صورتوں میں تھیں بڑے اہتمام سے یکجا کرایا نئے سرے سے لکھوایا اور قرآن پاک آنحضرتؐ کی اختیار کردہ ترتیب کے مطابق یکجا جمع ہوگیا۔

(۲) حضرت فاروق اعظمؓ نے قلمرو اسلامیہ میں تعلیم قرآن کا پورا اہتمام فرمایا ہر جگہ قاری اور معلمین بھجوائے اور تراویح کی مختلف جماعات کو ایک مرکزی جماعت پر جمع کر کے حفظ قرآن کا عالمگیر سنگ بنیاد رکھا۔ پوری دنیائے عظیم اس تحفظ کی نظیر پیش کرنے سے عاجز ہے۔

(۳) حضرت عثمان غنیؓ نے عہدِ صدیقی کے جمع کردہ قرآن کی متعدد نقلیں کرا کر سرکاری اہتمام سے اطراف بلاد میں بھجوادیں اور ان کے سوا غیر مصدقہ نقول کو شائع نہ رہنے دیا مخلوط عبارات سب ضائع کردی گئیں اور قرآن ہر مرحلہ اشتباہ سے محفوظ ہوگیا۔

(۴) حضرت علی المرتضیٰؓ نے قرآن کی معنوی حفاظت کے لیے قرآن کی معنوی تحریف کرنے والے خوارج کے ساتھ جہاد کیا اور اس بات کی بنیاد رکھی کہ کلمہ پڑھنے والے بھی اگر تحریف معنوی کریں تو ان سے جہاد کیا جاسکتا ہے۔[۱]

(۵) حضرت زید بن ثابتؓ آنحضرتؐ کے زمانے میں کاتبِ وحی عہد صدیقی میں جامع قرآن عہد فاروقی میں معلم قرآن اور عہد عثمانی میں قرآن کریم کے ناقل اور ناشر تھے۔ تحفظ قرآن کا عملی مرکز انہی کی ذات والا صفات ہے۔

پھر علوم قرآنی کے تحفظ میں رب العزت نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ، حضرت ابن عباسؓ، حضرت ابوالدرداءؓ، حضرت معاذ بن جبلؓ، حضرت ابی بن کعبؓ اور دوسرے کئی بزرگوں سے بیش بہا

---

[۱] آنحضرتؐ نے حضرت علی مرتضیٰؓ کے بارے میں یہ پیشگوئی فرمائی تھی۔ ان منکم من یقاتل علی تاویل ھٰذا القرآن کما قاتلت علیٰ تنزیلہ (مسند احمد جلد ۳ صد ۸۲ بحاشیہ کنز العمال) ترجمہ۔ بے شک تم میں ایسے لوگ بھی ہوں گے جو قرآن کے معانی کے لیے اسی طرح جہاد کریں گے جس طرح میں قرآن پاک کی تنزیل کے لیے جہاد کرتا رہا۔

خدمات لیں. فجزاہم اللہ احسن الجزا۔

ان نفوسِ قدسیہ کے بعد تحفظ قرآن کا یہ سلسلہ باعتبار معانی اور باعتبار مبانی ہر اعتبار سے برابر چلتا آرہا ہے اور آج بھی حفاظ کرام نیابتِ خداوندی میں تحفظ قرآن کی عملی خدمت سرانجام دے رہے ہیں علمائے حق اس کے مطالب و معانی کی خدمت کر رہے ہیں اور حفاظتِ قرآن کا یہ سلسلہ انشاء اللہ العزیز اسی طرح قیامت تک چلتا رہے گا یہ سب خدامِ قرآن نائبین ذاتِ باری ہیں۔

فقہائے اسلام نے لکھا ہے کہ حفظِ قرآن امت پر فرض کفایہ ہے. ہر علاقہ میں اگر کچھ لوگ بھی قرآن پاک حفظ کرتے رہیں. تو وہاں کے سب مسلمان اس فریضہ شرعی سے سبکدوش سمجھے جائیں گے اور اگر کسی علاقے میں کوئی بھی حافظ قرآن نہ ہو تو پھر وہاں کی پوری مسلم آبادی گنا ہگار ہوگی اور سب پر ترکِ فریضہ کا عملی بار آئے گا. بلکہ علامہ زرکشی سے ملا علی قاری نقل کرتے ہیں کہ جس شہر یا گاؤں میں کوئی قرآن کا حافظ نہ ہو وہاں کے رہنے والے سب گنہگار ہوں گے الا یہ کہ وہ وہاں سے ہجرت کر جائیں۔

حفظ القران فرض کفایة. [۱]

ترجمہ. قرآن کا حفظ کرنا امت پر فرض کفایہ ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حفظ قرآن کی احادیث کے پیشِ نظر قرآن بھول لنے کو سب سے بڑا گناہ فرمایا ہے. آپ اپنا ایک مکاشفہ اس طرح بیان کرتے ہیں۔

عرضت علیّ ذنوب امتی فلم ارذنباً اعظم من القران او اٰیة اوتیھا رجل ثم نسیھا. [۲]

ترجمہ. مجھ پر میری امت کے گناہ پیش کیے گئے میں نے اس سے بڑا کوئی گناہ نہ دیکھا کہ کوئی شخص قرآن کی کوئی سورت یا آیت یاد کر کے بھلا دے۔

اور حضورؐ نے یہ بھی ارشاد فرمایا۔

الذی یقرأ القران وماھر به مع السفرة الکرام البررة والذی یقرأه وھو شدید علیه له اجران. [۳]

---

[۱] شامی جلد ۱ ص ۶۹ [۲] ترمذی جلد ۲ ص ۱۱۳ لکھنؤ وفی اسناده استغراب فان المطلب بن عبد الله لم یثبت له سماع عن انس رض [۳] ترمذی عن عائشہ رض وابن ماجه ص ۲۷۶

ترجمہ جو شخص قرآن پڑھنے میں ماہر ہو جائے تو وہ قرآن پاک پہنچانے والے نیک اور بزرگ سفیروں کے ساتھ ہوگا اور جس شخص کو قرآن پڑھنے میں مشقت ہوتی ہو اور پھر بھی پڑھتا رہے اُسے دُگنا اجر ہے۔

حاصل اینکہ قرآن پاک پڑھنا ہرگز نہ چھوڑا جائے اس کی تلاوت اور قرأت سے ہر علاقے میں زبانیں تر رہنی چاہیئں جنہیں اس کے حفظ کرنے کی توفیق میسر ہوئی وہ اس یاد کو محفوظ رکھنے میں پوری محنت سے کام لیں. حفاظتِ قرآن کے یہ کام نیابتِ خداوندی میں امت کے سپرد ہیں کیونکہ اس عالمی آخری آسمانی کتاب کی اَبدی حفاظت کا خود ربّ العزت نے تکفل فرمایا ہے۔

حفظ القرآن

الحمدللہ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ اما بعد :-

دنیائے علم میں الفاظ وہ قالب (ڈھانچے) ہیں جن میں معانی محفوظ کیے جاتے ہیں۔ لفظ وہ ڈبیہ ہے جس میں معنی حفاظت پاتا ہے انسانی زندگی میں اصل معانی ہیں جن کا لین دین الفاظ کے پیمانوں سے ہوتا ہے یہاں بات کو اہمیت دی جاتی ہے اس کے پیمانے کو چنداں قابلِ حفاظت نہیں سمجھا جاتا۔ خط آتا ہے ہم اسے پڑھتے ہیں بات معلوم ہوگئی اور بس — پھر ضروری نہیں کہ اس خط کی حفاظت کی جائے اصل چیز معنی ومفہوم تھا وہ حاصل ہو گیا۔ الفاظ اس کے تابع سمجھے جاتے ہیں ان کی زیادہ فکر نہیں کی جاتی۔

دنیا میں صرف قرآن ایسی کتاب ہے جس کے معانی ومطالب کے ساتھ ساتھ اس کے الفاظ کی بھی تلاوت جاری ہوئی۔ اس کے معانی ومطالب دعوتِ عمل (عمل کا پیغام) ہیں تو اس کے الفاظ بھی اتنے متبرک اور مقدس ہیں کہ ان کا پڑھنا بھی ایک مستقل عمل ہے اور یہ عبادت ہے اور اس پر ثواب مرتب ہوتا ہے اور عمل کی تو آگے شان ہی کیا ہے — گویا قرآن صرف ایک ہدایت نامہ نہیں، ایک مقدس کلام بھی ہے جس کی مسلمانوں میں تلاوت جاری ہوئی۔ قاریوں نے اس کے مخارج کا حق ادا کیا اور علماء نے اس کے گرد اس کے مطالب کی حفاظت کا پہرہ دیا۔ دنیا میں اور کوئی کتاب ایسی نہیں جس کی تلاوت اس طرح جاری ہوئی ہو۔ جو اس کو محنت اور صفائی سے پڑھتے ہیں وہ اس کے ماہرین ہیں اور جو اسے زبانی یاد کرتے ہیں یا ہر وقت اسے اپنے ساتھ رکھتے ہیں وہ حملۃ القرآن ہیں اس کے حامل ہیں الفاظ کی اس محنت کے سبب قرآن پاک کی ابدی حفاظت کا الٰہی وعدہ پورا ہو رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس لاریب کتاب کی حفاظت اپنے ذمہ لے رکھی ہے لیکن وہ یہ کام حفاظ کرام سے لے رہے ہیں۔ یہ وہ سعادت مند لوگ ہیں جن کے عمل سے قرآن کی حفاظت کا الٰہی وعدہ پورا ہو رہا ہے۔

قرآن کریم میں جس طرح علماء کا ذکر ہے شہداء کا ذکر ہے حافظوں کا اس طرح کہیں صراحت سے ذکر نہیں ملتا — علماء نے اس سلسلہ میں جو آیات پیش کی ہیں وہ زیادہ تر علم سے متعلق ہیں حفظ سے نہیں مثلاً

یہ کہ یہ کتاب اہلِ علم کے سینوں میں محفوظ ہے۔

بل ھو اٰیات بیّنات فی صدور الذین اوتوا العلم۔

اس میں قرآن کریم کے علم کی حفاظت مذکور ہے گو اس کے الفاظ کی بھی حفاظت ساتھ ہو کسی نے اسے آدھا کر لیا ہو یا کم وبیش — اب یہ کہ سارا قرآن لوگوں کے سینہ میں محفوظ ہو اس پر اس کی دلالت واضح نہیں۔ گو یہ قرآن کی ابدی حفاظت کا ایک انداز ضرور ہے — مجموعی طور پر جسے حافظ کہتے ہیں اس کا ذکر قرآن کریم میں کہیں نہیں ملتا۔

قرآن کریم میں جہاں کہیں تلاوت کا ذکر ہے اس میں دونوں صورتیں آجاتی ہیں۔ زبانی تلاوت اور دیکھ کر تلاوت — تلاوت بہرحال تلاوت ہے اور یہ اس بات کی شہادت ہے کہ قرآن کریم صرف ایک ذخیرہ علم یا دعوتِ عمل ہی نہیں یہ کلام مقدس ہے اور محض اس کی تلاوت بھی موجبِ اجر اور مستوجب ثواب ہے۔

حدیث میں ان لوگوں کے لیے جو زیادہ سے زیادہ قرآن پڑھنے میں لگے ہوں یا اس کے سمجھنے میں محنت کر رہے ہیں اہل القرآن بھی کہا گیا ہے یہ اسی طرح ہے جس طرح حدیث پڑھنے پڑھانے والے لوگوں کو اہلحدیث کہا جاتا رہا اور تفسیر پڑھنے پڑھانے والے اہل تفسیر کہلاتے رہے۔ تاہم اس میں کوئی شک نہیں کہ حفاظِ کرام بھی اس صف میں (اہلِ قرآن کی صف میں) داخل ہیں — اسی طرح ماہر بالقرآن سے بھی اچھی طرح قرآن پڑھنے والا مراد ہے، وہ دیکھ کر پڑھے یا یاد سے پڑھنے والا ہو دونوں اس میں آجاتے ہیں۔ جیسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

الماهر بالقران مع السفرة الكرام والذی یتتعتع فیه وھو علیه شاق له اجران متفق علیه[1]

ترجمہ: قرآن کریم پڑھنے میں مہارت رکھنے والا قرآن لانے والے فرشتوں کے ساتھ جگہ پائے گا اور جو شخص اس میں لکنت کرے اور اس کا پڑھنا اس پہ گراں ہو پھر بھی وہ پڑھے تو اسے دو اجر ملیں گے۔

---

[1] مسلم ۱۳۲۹، ابن ماجہ ۳۸۶۹

قرآن میں حفظِ قرآن کے لیے جمع قرآن کے الفاظ

قرآن کریم میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو قرآن کریم کے بارے میں تسلی دی گئی کہ اس کا آپ کے سینے میں جمع کرنا اور پھر اسے آپ کی زبان سے پڑھوانا یہ سب ہمارے ذمہ ہے۔ ارشاد ہوا:۔

ان علینا جمعه و قرآنه۔ (پ ۲۹ القیامہ ۱۷)

ترجمہ۔ ہمارا ذمہ ہے اس کو جمع رکھنا اور پڑھانا (تیری زبان سے)

حضرت ابن عباسؓ اس کی تفسیر میں فرماتے ہیں:۔

جمع اللّٰه فی صدرك۔ اللہ تعالیٰ اسے آپ کے سینہ میں جمع فرمائیں گے۔

یہ قرآن کریم کا آپ کے حفظ میں آنا ہے سو قرآن کے پہلے حافظ آپ ہوئے۔ پھر آپ سے جمع قرآن کا یہ سلسلہ آگے چلا۔ مفسر قرآن حضرت قتادہؒ کہتے ہیں میں نے حضرت انس بن مالکؓ سے پوچھا۔

من جمع القرآن علی عهد النبی صلی اللّٰه علیه وسلم۔

حضورؐ کے زمانہ میں کس کس نے یاد کیا ہوا تھا۔

انہوں نے فرمایا:۔

اربعة کلهم من الانصار ابی بن کعب معاذ بن جبل و زید بن ثابت وابو زید۔[1]

ترجمہ۔ چار آدمیوں نے اور وہ چاروں انصار میں سے تھے

حضرت انسؓ سے ثمامہ نے جو چار نام نقل کیے ہیں ان میں حضرت ابی بن کعبؓ کی بجائے حضرت ابوالدرداءؓ کا نام ہے۔

اس سے پتہ چلتا ہے کہ یہاں چار کا عدد حصر کے لیے نہیں متعدد حضرات حضورؐ کے عہد میں حافظ قرآن ہو چکے تھے ان دنوں حفظِ قرآن کے لیے عام جمع کا لفظ ہی استعمال ہوتا تھا۔

حدیث میں حافظِ قرآن کے لیے کیا الفاظ ہیں؟

حدیث میں حافظ قرآن کے لیے حامل القرآن کے الفاظ ملتے ہیں گو اس کا یہ مطلب بھی لیا جا سکتا

---

[1] صحیح بخاری جلد ۲ ص ۷۴۸

ہے کہ جو قرآن کریم کو ساتھ ساتھ اُٹھائے پھرے لیکن یہ صورت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں نہ تھی نہ ابھی قرآن کریم ایک جگہ جمع ہوا تھا ہاں حافظ قرآن ضرور موجود تھے اور ان کے لیے صحیح بخاری میں جمع قرآن کے الفاظ ہی ملتے ہیں۔ صحیح بخاری جلد ۲ صفحہ ۷۴۸ میں ہے :۔

لم یجمع القرآن غیر اربعة۔

ترجمہ: چار شخصوں کے سوا کوئی پورا قرآن یاد نہ کر پایا تھا۔

حضرت انس بن مالکؓ فرماتے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :۔

من جمع القرآن متعه الله بعقله حتى يموت. [1]

ترجمہ: جس نے پورا قرآن یاد کر لیا اللہ تعالیٰ اس کے حواس آخر زندگی تک قائم رکھیں گے۔

ہاں اُس دور میں حافظ قرآن کے لیے حاملِ قرآن الفاظ بھی عام ملتے ہیں اور یہ صرف انہی لوگوں پر آسکتے تھے جنہوں نے قرآن کریم کو اپنے سینوں میں اُٹھا رکھا ہو۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کہتے ہیں حضورؐ نے فرمایا :۔

حملة القرآن اولياء الله فمن عاداهم فقد عادى الله ومن والاهم فقد والى الله. [2]

ترجمہ: قرآن کریم کو اُٹھانے والے اللہ کے دوست ہیں جس نے ان سے عداوت رکھی اس نے اللہ سے عداوت کی اور جس نے ان سے محبت کی بے شک اُس نے اللہ سے محبت کی۔

اور آپ نے حضورؐ سے یہ بھی نقل فرمایا :۔

ان الله ليغضب فتسلم لملئكة لغضبه فاذا نظر الى حملة القرآن تملأ رضى. [3]

ترجمہ: بے شک اللہ تعالیٰ کبھی حالتِ غضب میں ہوتے ہیں اور فرشتے اس کے غضب سے دب جاتے ہیں اور جب اللہ تعالیٰ حملۃ القرآن کو دیکھتے ہیں تو وہ فضا کو رضاءِ الٰہی سے بھر دیتے ہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا :۔

---

[1] کنز العمال جلد ۱ صفحہ ۵۱۸ [2] رواہ ابو نعیم باسناد ضعیف [3] رواہ الدیلمی بسند ضعیف

اشراف امتی حملۃ القرآن و اصحاب اللیل رواہ الطبرانی [1]

ترجمہ: میری امت میں بڑے لوگ حملۃ القرآن ہیں اور وہ لوگ جو رات بھر عبادت میں لگے رہتے ہوں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا:۔

طوبیٰ لاجواف تحمل ھٰذا وطوبیٰ لالسنۃ تنطق بھذا [2]

ترجمہ: خوشخبری ہے ان سینوں کے لیے جو قرآن کو اُٹھائیں اور ان زبانوں کے لیے جو اُسے پڑھیں۔

یہاں بھی تحمل ہٰذا کے الفاظ میں حفظ کے نہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جنت میں ایک سیراب کرنے والی نہر ہے جسے ریان کہتے ہیں اس نہر پر ایک شہر آباد ہے جس کے ستر ہزار دروازے سونے اور چاندی کے ہیں۔ یہ کس لیے ہے؟ لحامل القران۔ قرآن کریم اُٹھانے والے کے لیے [3]

یہ شہر سب حفاظ کرام کی آرام گاہ ہوگا یا ایک ایک حافظ کے لیے یہ پورے شہر کی وسعت ہوگی۔ یہ اللہ تعالیٰ ہی جانتے ہیں۔

حفظِ قرآن کی محنت اپنے تاریخی تسلسل میں

پہلے حافظ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تھے۔ آپ کے سینہ میں خود اللہ تعالیٰ نے اس کلام کو بٹھایا پھر اللہ رب العزت کی طرف سے جبریل ہر سال آپ کے ساتھ قرآن کریم کا دور کرتے تھے اس سے قرآن کریم اپنی اصلی ترتیب پر آجاتا۔ اور یہ دوسری ترتیب صرف ترتیب رسولی نہ رہتی بلکہ اسے توقیفی توثیق ملتی۔

آنحضرتؐ نے پھر اپنی امت کو بھی حفظ قرآن کی ترغیب دی اور اس کی ترغیب بلطائف الطرق صحابہؓ کے دلوں میں اُتاری۔ یہاں تک کہ حفظِ قرآن علوم اسلامی کا ایک اہم موضوع بن گیا اور اب ہم دیکھتے ہیں کہ مسلم دُنیا کا کوئی کنارہ ایسا نہیں جہاں حفاظِ کرام کی اچھی خاصی تعداد ہر دور میں نہ ملتی رہی ہو۔

---

[1] مجمع الزوائد جلد ۷ صفحہ ۱۶۱ [2] رواہ الدارمی والطبرانی والبیہقی [3] رواہ الترمذی جلد ۱ صفحہ ۱۱۹

آنحضرتؐ کی قرآن یاد رکھنے کی عام ترغیبات

① حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :-

انما مثل صاحب القرآن کمثل صاحب الابل المعقلة ان عاهد علیها امسکها وان اطلقها ذهبت [1]

ترجمہ. حافظ قرآن کی مثال اس شخص کی سی ہے جس نے اُونٹ باندھ رکھے ہوں. اگر ان کی نگرانی رکھے گا تو وہ انہیں رکھ سکے گا اور اگر انہیں چھوڑ دے تو وہ بھاگ جائیں گے.

اس میں آپ حافظ قرآن کو اس طرف متوجہ کر رہے ہیں کہ قرآن کو پابندی سے پڑھتے رہو گے تو یہ یاد رہے گا ورنہ بھُول جاؤ گے ــ اس سے پتہ چلتا ہے کہ آپ کو حفظِ قرآن کی کتنی فکر تھی اور نہ چاہتے تھے کہ کوئی شخص قرآن کی کوئی آیت یاد کر کے پھر اسے بھُلا دے .

② حضرت عبداللہ بن مسعودؓ یہ بھی کہتے ہیں کہ حضورؐ نے فرمایا :-

فاستذکروا القرآن فانّه اشد تفصیا من صدور الرجال من النعم رواہ البخاری [2]

ترجمہ. قرآن کریم کو خوب یاد رکھو وہ انسانوں کے سینوں سے اس سے زیادہ جلدی جاتا ہے جتنا اونٹ جلدی سے بھاگتے ہیں .

③ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن کریم کے یاد حصے کو مال کا درجہ بھی دیا. ایک شخص شادی کا طالب تھا اس کے پاس ادائے مہر کے لیے کوئی چیز نہ تھی. آپ نے اس سے پوچھا.

ماذا معك من القرآن؟

تجھے قرآن کی کچھ سُورتیں یاد ہیں؟

اس نے کہا ہاں فلاں فلاں سُورتیں مجھے آتی ہیں. آپ نے مزید پوچھا.

اتقرؤهن عن ظهر قلبك قال نعم قال اذهب فقد ملكتها بما معك من القرآن [3]

ترجمہ. کیا تو انہیں اپنی یاد سے پڑھتا ہے اس نے کہا ہاں. آپ نے فرمایا جا میں نے

---

[1] رواہ البخاری جلد ۲ صـ ۷۵۲ [2] رواہ البخاری [3] بخاری جلد ۲ صـ ۷۵۲

وہ عورت اس یاد قرآن کے عوض تیرے نکاح میں دی۔

اب یہ اس کے ذمہ ہوا کہ وہ اپنی اس بیوی کو قرآن کی یہ سورتیں پڑھائے ـــ اس سے اندازہ کیجئے کہ حضورؐ نے قرآن یاد کرنے کو کتنی اہمیت دی ہے۔ آپ کو اس بات کی بہت فکر رہتی تھی کہ مسلمانوں سے جہاں تک ہو سکے وہ زیادہ سے زیادہ قرآن یاد کر سکیں۔

(۴) حضرت موسٰی الاشعریؓ بھی روایت کرتے ہیں کہ حضورؐ نے فرمایا:۔

تعاھدوا القرآن فوالذی نفسی بیدہ فہو اشد تفصیًا من الابل فی عقلہا[۱]

ترجمہ: قرآن کو پوری توجہ سے پڑھتے رہو قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے اونٹ اپنی رسیوں سے اتنا تیز نہیں بھاگتا جتنا قرآن بے پرواہی سے جلد بھول جاتا ہے۔

(۵) حضرت علی المرتضیٰؓ کہتے ہیں:۔

من قرأ القرآن فاستظھرہ فاحل حلالہ وحرام حرامہ ادخلہ الجنۃ وشفعہ فی عشرۃ من اھل بیتہ کلھم قد وجبت لہ النار[۲]

ترجمہ: جس نے قرآن پڑھا اور اسے ظاہر سے یاد رکھا اس کے حلال کو حلال جانا اور اس کے حرام کو حرام سمجھا اللہ تعالیٰ اسے جنت میں داخلہ دیں گے اور اسے اپنے گھر کے ان دس افراد کے لیے حق شفاعت دیں گے جن پر جہنم واجب ہو چکی ہو۔

استظھر کا معنی ہے حفظ عن ظھر قلبہ ـــ اقرب الموارد میں اس کے معنی دیئے گئے ہیں:۔

استظھر القرآن حفظہ وقرأہ ظاھرًا ای حفظًا بلا کتاب[۳]

اس سے پتہ چلا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن کریم پڑھنے کو کتنی اہمیت دی یہ آپ کی طرف سے قرآن یاد کرنے کی ترغیبات ہیں۔ امام بخاری نے اس مضمون پر یہ باب باندھا ہے:۔

باب القرأۃ عن ظھر القلب۔

یہ صحیح ہے کہ قرآن کریم بلا کتاب پڑھنے میں جو فضیلت ہے وہ اس محنت کی ہے جو حافظ قرآن کے یاد رکھنے کے لیے کرتا ہے لیکن جہاں تک مطلق قرأت کا تعلق ہے اس میں دیکھ کر پڑھنا اپنی آنکھوں

---

[۱] متفق علیہ [۲] رواہ احمد والترمذی وابن ماجہ [۳] اقرب الموارد فی فصح العربیۃ والشوارد صہ۷۳۳

کو بھی اس سے منور کرتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :۔

قرأۃ الرجل القراٰن فی غیر المصحف الف درجة وقرأته فی المصحف
تضعیف علیٰ ذالک الفی درجة۔[۱]

ترجمہ۔ بندے کا قرآن بغیر دیکھے پڑھنا ایک ہزار درجہ کی فضیلت رکھتا ہے اور اس کا دیکھ کر پڑھنا دو ہزار درجے کا اضافہ کرتا ہے

(۶) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں مجھ پر میری امت کے گناہ پیش کیے گئے میں نے اس سے بڑا کوئی اور گناہ نہ پایا کہ کوئی شخص قرآن کا کوئی حصہ یاد کرے اور پھر اسے بھلا دے ۔

عرضت علی ذنوب امتی فلم ارذ نباً اعظم من سورة القراٰن او اٰیة
اوتیها رجل ثم نسیها۔[۲]

ترجمہ۔ مجھ پر میری امت کے گناہ پیش کیے گئے میں نے اس سے بڑا گناہ نہ دیکھا کہ کوئی شخص قرآن کی کوئی سورت یا آیت جو اسے آتی تھی بھلا دے۔

(۷) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :۔

ما من احدٍ تعلّم القراٰن ثم نسی الا لقی اللّٰہ یوم القیٰمة اجذم۔[۳]

ترجمہ۔ کوئی ایسا نہیں جس نے قرآن سیکھا اور پھر اسے بھلا دیا وہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے حضور مجذوم بن کر آئے گا۔

پھر آپ کا نمازوں میں لمبی لمبی سورتیں پڑھنا اس امت کے ذوقِ حفظ کا پتہ دیتا ہے۔ قرآن کریم نماز کے اندر پڑھا جائے تو اس کا ثواب نماز سے باہر پڑھنے سے کہیں زیادہ ہوگا۔ اس میں بھی اس بات کی ترغیب ہے کہ مسلمان زیادہ سے زیادہ حفظ قرآن کی دولت پائیں۔ آپ نے فرمایا :۔

قرأۃ الرجل فی الصلوٰۃ افضل من قرأۃ القراٰن فی غیر الصلوٰۃ وقرأۃ القراٰن
فی غیر الصلوٰۃ افضل من التسبیح والتکبیر۔[۴]

ترجمہ۔ آدمی کا نماز میں قرآن پڑھنا نماز سے باہر قرآن پڑھنے سے کہیں زیادہ افضل ہے اور نماز سے باہر قرآن پڑھنا تسبیحات اور تکبیرات سے زیادہ افضل ہے۔

---

[۱] رواہ البیہقی فی شعب الایمان [۲] جامع ترمذی جلد ۲ صہ ۱۱۹ [۳] رواہ مسلم والدارمی و ابوداؤد جلد ۱ صہ ۱ [۴] رواہ البیہقی و الدارقطنی

حروفِ مقطعات پر بھی ثواب کا کھلا وعدہ ہے

معنی الفاظ کے ہوتے ہیں حروف کے نہیں الفاظ حروفِ مؤلفہ ہیں اور یہ جُڑ کر پڑھے جاتے ہیں حروفِ مقطعات علیحدہ علیحدہ پڑھے جاتے ہیں ملا کر نہیں جیسے الف لام میم انہیں الم نہیں پڑھا جاتا۔ اگر انہیں الم پڑھیں تو یہ حروفِ مؤلفہ ہو جائیں گے حروفِ مقطعات نہ رہیں گے۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کہتے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:-

من قرأ حرفًا من کتاب اللہ فلہ بہ حسنۃ والحسنۃ بعشر امثالھا۔ لا اقول الم حرف الف حرف ولام حرف ومیم حرف [1]

ترجمہ: جس نے کتاب اللہ کا ایک حرف پڑھا (گو حرف کے کوئی معنی نہیں ہوتے) اسے اس پر ایک نیکی کا ثواب ملے گا اور ایک نیکی اپنے سے دس گنا ثواب بھی لاتی ہے میں یہ نہیں کہتا کہ الم ایک حرف ہے بلکہ الف ایک حرف ہے لام ایک حرف ہے اور میم بھی ایک حرف ہے

سو الم پڑھنے پر تین نیکیاں ملیں گی۔

قرآن کی تلاوت محض معانی کے لیے نہیں اسکے کلمات کا زبان پر لانا بھی ثواب ہے۔

مغربی قوموں میں اکثریت عیسائیوں کی ہے عیسائی اپنی کتابوں کی اصل زبان کھو چکے ہوئے ہیں اب ان کے ہاں کام صرف تراجم سے چلتا ہے اس کا نتیجہ یہ ہے کہ ان کے ہاں ان کی کتابوں کے الفاظ مقدس نہیں سو انہیں وہ کلام مقدس صرف معنوں کے پہلو سے کہتے ہیں الفاظ و کلمات کی جہت سے نہیں لیکن مسلمان اپنی کتاب کے اصل الفاظ اپنے پاس رکھے ہوئے ہیں وہ عربی نہ بھی جانتے ہوں ان کے پاس عربی قرآن ضرور موجود ہوتا ہے۔ وہ جس ملک میں بھی جائیں قرآن ان کے پاس اپنی اصل زبان میں محفوظ ہوتا ہے۔

یہ مغربی قومیں چاہتی ہیں کہ مسلمان بھی کسی طرح اس موقف پر آجائیں کہ ان کے ہاں قرآن کے اصل الفاظ کا پہرہ باقی نہ رہے۔ مغرب زدہ مسلمانوں میں آج بھی کئی ایسے لوگ ملیں گے جو حفظِ قرآن کی محنت

---

[1] جامع ترمذی صہ مستدرک کنز العمال جلد ۱ صہ ۵۱۹

کے خلاف ہیں اور دینی مدارس کے خلاف وہ اس قسم کی باتیں کرتے عام سُنے جائیں گے مثلاً:-

(۱) جو لوگ قرآن پاک کے معنی نہیں جانتے اور وہ اس کے الفاظ طوطے کی طرح رٹتے ہیں اس کا کیا فائدہ؟ علمی کتابیں عمل کے لیے ہوتی ہیں انہیں سمجھ کر ان پر عمل کیا جاتا ہے مسلمانوں نے اس کے الفاظ رٹنے کو ہی بڑی نیکی بنالیا ہے؟

(۲) دُنیا میں کتابیں علم کا ذخیرہ ہیں۔ آپ اخبارات اور خطوط تو اس لیے پڑھتے ہیں کہ ان کی باتیں ہماری سمجھ میں آجائیں۔ تو یہ اللہ کی کتاب تمہارے ہاں اتنی اہمیت بھی نہیں رکھتی جتنی ان عام اخبارات اور مراسلات کی ہے؟

ہم جواباً کہتے ہیں کہ ہم نے قرآن کریم کے معنی کی افادیت سے کب انکار کیا ہے؟ جو اسے سمجھ کر پڑھتا ہے اور اس کے احکام پر عمل کرتا ہے اس کے کیا کہنے ــــ وہ اس علم و عمل سے ایک بڑی دولت پا گیا۔ لیکن اس سے انکار نہیں کر سکتے کہ اس کے الفاظ پڑھنا بھی ایک بہت بڑی دولت ہے اگر قرآن کریم کو بغیر سمجھے پڑھنا فضول ٹھہرے تو پھر تم اس بات پر آجاؤ گے کہ نماز بھی اسی زبان میں پڑھی جائے جس کو لوگ سمجھتے ہوں ــــ سو جب نماز عربی زبان سے خالی کر لی گئی تو پھر آہستہ آہستہ اسلام کے ایک بین الاقوامی دین ہونے کا تصور از خود باقی نہ رہے گا اور یہی یہ مغربی عوام چاہتے ہیں جن کے شکار ہوئے لوگ اب مسلمانوں میں یہ بات پھیلا رہے ہیں کہ جس بات کو سمجھا نہ جائے اس کے ذریعہ عبادت کرنے کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔ وہ یہ نہیں جانتے کہ قرآن پاک ایک مقدس کتاب ہے اس کے حروف و الفاظ اور کلمات سب مقدس ہیں۔ رمضان کے ختم تراویح میں اگر قرآن کا وہ حصہ پڑھا جاتا ہے جس کے معانی ہیں تو وہ بھی پڑھا جاتا ہے جو سرے سے الفاظ ہی نہیں حروف مقطعات ہیں۔

پھر اللہ تعالیٰ نے اس کتاب لاریب کے حروف و الفاظ میں تاثیرات بھی رکھ دی ہیں ان سے بڑے بڑے روحانی علاج بھی ہوتے ہیں اور وہ تاثیرات اس کے الفاظ کی ہوتی ہیں معانی کی نہیں۔ اس کی بحث علاج بالقرآن کے عنوان سے آگے کہیں آئے گی۔

حفظ قرآن کا حسی فائدہ

مسلمانوں میں انتظامی مسائل اور فقہی دلائل کے اعتبار سے اختلافات حضرت خاتم النبیین ﷺ کی

وفات کے پچیس برس بعد ہی شروع ہو گئے۔ روایات کے اختلاف میں ہر ایک کی ترجیحات اپنی اپنی تھیں یہاں تک کہ حدیث کے ذخیرے بھی ایسے ایسے تیار ہوئے جس میں اپنے اپنے مکتبِ فکر کی آواز زیادہ سنائی دیتی ہے۔ امام ابوداؤد (۲۷۵ھ) اور امام طحاوی (۳۲۱ھ) کی حدیث کی کتابیں سب کے سامنے ہیں۔ مؤطا امام مالک (۱۷۹ھ) اور کتاب الآثار امام محمد (۱۸۹ھ) اپنے اپنے افکار پر مرتب ہوئیں لیکن یہ حفظِ قرآن کی برکت ہے کہ مسلمانوں میں شدید ترین اختلافات کے باوجود قرآن پاک کا نسخہ ایک ہی رہا کسی فریق کو اس کی کوئی متوازی کاپی بنانے کی جرأت نہ ہوئی اور مسلمانوں میں ایک ہی قرآن موجود رہا — اگر کوئی نا ہنجار اس کی کوئی دوسری کاپی پیش کرتا تو وہ اس کے پیچھے اس کے حفظ کی تاریخ کہیں سے نہ لاسکتا تھا۔ یہ حفظِ قرآن کی بدولت ہے کہ قرآن پاک چودہ سو سال کا فاصلہ طے کرنے کے بعد آج بھی ایک ہی ہے۔ اگر کسی یہودی صفت السنان نے روایات میں کوئی دوسرا قرآن تجویز کیا تو اس نے اسے کسی ویران غار میں جگہ دی پبلک کے سامنے وہ بھی اسے نہ لاسکا۔

مسلمانوں نے یقین کی دولت قرآن سے ہی پائی

حضرت خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں اسلام پوری عقیدت سے آپ کے حاشیہ میں آ بیٹھنے کا ہی نام تھا۔ آپ کی وفات کے بعد ایسی مرکزیت کہ اس میں کسی کو کسی قسم کا کوئی اختلاف نہ رہے قرآن پاک ہی میسر کر سکتا تھا۔ مسلمانوں نے اس کی آیت آیت اور زیر و زبر کے گرد حفاظت کا پہرہ دیا۔ امام نماز پڑھے اس میں غلطی کرے تو پچھلی صف سے لقموں کی صدائیں اٹھتی تھیں اور جب تک قرأت ہر شک اور شبہے سے صاف نہ ہو جائے نماز ادا نہ سمجھی جاتی تھی۔ احادیث میں اختلاف ہو سکتا تھا کہ یہ حضورؐ سے ثابت ہے یا نہیں۔ مسائل فقہ میں اختلاف ہوتا تھا کہ ان کا استخراج اور استنباط صحیح ہے یا نہ؟ لیکن قرآن پاک پوری امت میں ایک ایسا مرکزِ یقین تھا جس نے پوری امت کو اپنے گرد جمع رکھا۔ یہ حفظِ قرآن کی محنت تھی جس نے قرآن کریم کو یہ درجۂ یقین دیا کہ مسلمانوں کی جو عقیدت آنحضرت صلی اللہ علیہ علیہ وسلم سے تھی۔ آپ کے بعد قرآن کریم وہ مرکزِ عقیدت بنا جس سے مسلمانوں نے یقین کی دولت پائی اور وہ اسی یقین سے آگے چلتے رہے۔

قرآن کریم زبانی یاد کرنے کے احادیث میں مختلف الفاظ

قرآن کریم زبانی یاد کرنے کے لیے حفظِ قرآن کے الفاظ احادیث میں بہت کم ملتے ہیں اور وہ احادیث بھی زیادہ تر نچلی کتابوں کی ہیں:۔

(۱) تعلموا اللحن کما تتعلمون حفظه۔ (کنز العمال جلد ۱ ص ۶۱۱)

(۲) حفظ الغلام الصغیر کالنقش فی الحجر وحفظ الرجل بعد ما یکبر کالکتاب علی الماء۔

(کنز العمال جلد ۱ ص ۲۰۴)

ترجمہ: چھوٹے بچے کا قرآن کو حفظ کرنا ایسا ہے جیسے پتھر میں کوئی الفاظ نقش ہو جائیں اور بڑے کا یاد کرنا ایسا ہے جیسے پانی پر کوئی چیز لکھی جائے۔

حافظ کے لیے کہیں کہیں صاحب القرآن کے الفاظ بھی ملتے ہیں:۔

(۱) ان لصاحب القرآن عند کل ختمه دعوة مستجابة وشجرة فی الجنة۔ (جامع صغیر جلد ۲ ص ۵۰۵)

(۲) من دعا صاحب القرآن الی طعامه وسقاه من شرابه لفضل القرآن اعطاه الله عزّ وجل بکل حرف فی جوفه عشر حسنات۔ (رواہ الدیلمی عن ابن عباسؓ)

(۳) انما مثل صاحب القرآن کمثل صاحب الابل المعلقة۔ (رواہ البخاری جلد ۲ ص ۷۵۲)

(۴) لا ینبغی لصاحب القرآن ان یجد مع من جدّ ولا یجهل مع من یجهل وفی جوفه کلام الله۔ (رواہ البیہقی والحاکم والطبرانی مجمع الزوائد جلد ۷ ص ۱۵۹)

حفاظ کرام کے لیے حامل قرآن اور حملة القرآن کے الفاظ عام ملتے ہیں مگر حافظ اسم فاعل کے صیغے میں ہمیں کہیں نہیں ملا:۔

(۱) لحامل القرآن دعوة مستجابة۔ (کنز العمال جلد ۱ ص ۵۱۷)

(۲) حملة القرآن هم المحفوفون برحمة الله۔ (تفسیر قرطبی جلد ۱ ص ۲۶)

(۳) فی الجنة نهر یقال له الریان... لحامل القرآن۔ (رواہ ابن عساکر)

(۴) حامل القرآن حامل رایة الاسلام۔ (جامع صغیر جلد ۳ ص ۲۶۸)

(۵) اذا مات حامل القرآن اوحی الله الی الارض ان لا تاکلی لحمه۔ (کنز العمال جلد ۱ ص ۵۵۵)

(۶) ان حملة القرآن فی ظل اللہ یوم لا ظل الا ظله مع انبیاءه واصفیاءه۔ (جامع صغیر جلد ا ص ۲۲۵)

(۷) لحامل القرآن اذا عمل به شفع فی عشرة من اهل بیته (رواہ احمد وابو داؤد وابن ماجہ والطبرانی)

(۸) اکرموا حملة القرآن فمن اکرمهم فقد اکرمنی.... فلا تنقصوا حملة القرآن حقوقهم

.... کاد حملة القرآن ان یکونوا انبیاء الا انهم لا یوحی الیهم۔ (رواہ الدارقطنی)

(۹) یؤتی بحملة القرآن یوم القیمة فیقول عزوجل انتم وعاء کلامی اخذتم بما اخذ الانبیاء الا الوحی۔ (رواہ الدیلمی)

(۱۰)

قرآن یاد کرنے والے کو حافظ نہ کہنے کی وجہ

قرآن کریم کا حافظ اللہ تعالیٰ ہے اور اس پر قرآن پاک کی نص وارد ہے سو اسی کو حافظِ قرآن ہونے کی شان زیبا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حفاظِ کرام کو عام طور پر حملة القرآن کے لفظ سے ذکر فرمایا ہے یہ آپ کا اللہ تعالیٰ کے حضور ادب کا ایک پیرایہ ہے کہ جو لفظ حقیقۃً اس کے لیے ہے آپ اسے اس کے بندوں پر اطلاق نہیں فرماتے اور اگر کہیں یہ ثابت بھی ہو جائے کہ آپ نے کسی کو حافظ (اسم فاعل کے صیغہ میں) کہا تو اس کی تاویل کی جائے گی کہ یہ لوگ ارادہ الٰہی کے لیے بمنزلہ اسباب استعمال ہوئے ہیں۔

حافظ قرآن کے مختلف درجات

قرآن کریم یاد کرنے والوں کے مختلف درجات ہیں۔ ایک وہ جنہیں قرآن کریم دل میں حاضر ہو، وہ اسے عن ظہر قلب پڑھ سکیں۔ ایک وہ جنہیں پورا قرآن نہیں بیس بائیس پارے یاد ہوں، ایک وہ ہیں جنہیں چند سورتیں ہی یاد ہوں اور سورۂ فاتحہ کے حافظ تو سب مسلمان ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جتنا قرآن قرآن کسی کو زیادہ ہو اسی پیمانے پر اُس کی عزت فرمائی ہے۔ مثلاً

(۱) جنگِ احد کے دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دو دو شہیدوں کو ایک جگہ دفن کرنا چاہتے تھے اب کس مناسبت سے ایک کو دوسرے سے پہلے قبر میں اُتارا جائے۔ آپ دریافت فرماتے ان میں

سے زیادہ قرآن کسے یاد تھا؟ جواب ملنے پر آپ اسے مقدم کرتے۔ حضرت جابرؓ سے روایت ہے:۔

ثم یقول ایھم اکثر اخذاً للقرآن فان اشیر الی احدھما قدمہ فی اللحد۔[1]

ترجمہ۔ پھر آپ پوچھتے ان میں سے زیادہ قرآن کس کو یاد تھا۔ اگر آپ کو بتایا جاتا کہ اسے تو آپ اسے پہلے قبر میں اتارنے کا کہتے۔

جس کو کچھ بھی قرآن یاد نہ ہو اسے آپ نے ایک ویران گھر سے تشبیہ دی وہ بالکل حافظِ قرآن نہیں جنت کے اپنے درجے میں جتنی قرآن کی آیات ہیں معلوم ہوا کہ جو پورے قرآن کے حافظ نہیں وہ اپنے درجے سے آگے نہ جا سکیں گے تاہم ہر ایک کو درجہ اپنے اپنے حفظ قرآن کے مطابق ملے گا۔ کبھی حافظ قرآن کا لفظ اس طرح بھی کہہ دیتے ہیں جیسے حدیث کے کثرت سے مطالعہ کرنے والے کو بھی حافظ الحدیث کہہ دیتے ہیں۔ اس کا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ اسے ہر ایک حدیث یاد ہے۔ اس سیاق میں حضورؐ نے حملۃ القرآن کو بھی ذکر فرمایا ہے۔ حضرت علی المرتضیٰؓ کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

الا ادلکم علی الخلفاء منی ومن اصحابی ومن الانبیاء من قبلی؟ ھم حملۃ القرآن والاحادیث عنی وعنھم فی اللہ وللہ۔[1]

ترجمہ۔ کیا میں تمہیں اپنے اور صحابہؓ کے اور پہلے انبیاء کے جانشینوں کا پتہ نہ دوں؟ وہ قرآن پاک کو اٹھانے والے اور احادیث کو اٹھانے والے اللہ کی راہ میں اور اس کی رضا میں۔

پُورے قرآن کے ختم کی فضیلت احادیث میں

(۱) اذا ختم العبد القرآن صلی علیہ عند ختمہ ستون الف ملک۔ (کنز العمال ص۱۵۱)

(۲) ومن شھد فتح القرآن فکانما شھد فتوح المسلمین حین تفتح ومن شھد ختم القرآن فکانما شھد الغنائم حین تقسم۔ (رواہ ابوالشیخ الدیلمی)

---

[1] کنز العمال جلد ۱ ص۱۵۱

(۳) اذا اختم احدکم فلیقل اللّٰھمّ انس وحشتی فی قبری۔ (کنز العمال جلد ا صـ۲۰۷)

(۴) احب الاعمال الی اللہ الحال المرتحل الذی یضرب من اوّل القرآن الی اٰخرہ کلما حل ارتحل۔ (رواہ الترمذی)

(۵) من ختم القرآن فلہ دعوۃ مستجابۃ۔ (رواہ الطبرانی مجمع الزوائد جلد ۷ صـ۱۷۲)

(۶) ان النبی صلّی اللّٰہ علیہ وسلم کان اذا اذا قرأ قل اعوذ برب الناس افتتح من الحمد ثم قرأ من البقرۃ الٰی واولٰئک ھم المفلحون ثم دعا بدعاء الختمۃ ثم قام۔

(رواہ الدارمی کذا فی الاتقان من علوم القرآن)

ترجمہ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب قرآن کریم کی آخری سورت پڑھتے تو پھر قرآن کریم کو الحمد سے شروع کر دیتے اور پھر سورۃ البقرہ کی پہلی آیات اولٰئک ھم المفلحون تک پڑھتے۔ پھر آپ ختم قرآن کی دعا مانگتے اور پھر آپ تشریف لے جاتے۔

اس سے پتہ چلا کہ یہ بات حضورؐ کے عہد میں ہی واضح اور طے تھی کہ قرآن کریم کی آخری سورۃ قل اعوذ برب الناس ہے اور قرآن کی ابتدا سورۃ فاتحہ کے بعد سورۃ بقرہ سے ہوتی ہے۔

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ قرآن کریم کی موجودہ ترتیب حضورؐ کی اختیار کردہ تھی اور یہ کوئی ایسی ترتیب نہیں جو صحابہؓ کے ہاتھوں عمل میں آئی ہو۔ صحابہؓ نے اسے اسی ترتیب پہ جمع کیا جو وہ حضورؐ سے سنتے تھے۔

یہ صحیح ہے کہ یہ ترتیب نزولی نہیں مگر اس میں بھی کسی شک کو راہ نہیں کہ یہ ترتیب رسولی ہے۔ یہاں یہ بات ضمناً وارد ہوئی ہے اس کی اصل بحث ترتیب القرآن کے عنوان سے پہلے ہو چکی ہے۔

ان احادیث میں قرآن پاک کو اسی ترتیب سے یاد کرنے کی ترغیب دی گئی ہے جو حضورؐ نے اختیار فرمائی تھی اور اسی پر ہم اس بحث کو ختم کرتے ہیں۔

لسانُ القرآن

الحمد للہ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ امابعد :

قرآن کریم ایک مخزن علم ہے اور ظاہر ہے کہ علم کی اپنی کوئی زبان نہیں ہوتی اسے جس زبان میں لائیں یہ اس کا لباس پہن لیتا ہے قرآن کریم کے حقائق اور احکام ہر زبان میں لائے جاسکتے ہیں اور ہر زبان میں انہیں بیان کیا جاسکتا ہے اور دنیا کی کوئی زبان نہیں جس میں قرآن کریم کا ترجمہ موجود نہ ہو۔

لیکن اس حقیقت سے بھی انکار نہیں کیا جاسکتا کہ قرآن کریم علاوہ اپنے حقائق ومعانی کے اپنے الفاظ میں بھی ایک معجزہ ہے اپنے خاص ادبی پیرایہ میں اپنے خاص اسلوب میں اپنی خاص ترتیب میں اور اپنی خاص نفظی حفاظت میں یہ شروع سے اقوام عالم کے سامنے ہمیشہ ایک چیلنج بن کر پیش ہوا ہے۔ اگر یہ انسانی کلام ہے تو تم بھی ایک اس جیسی سورت بنالاؤ — ایک اُمّی ایسی کتاب پیش کرے جس کا مقابلہ کسی شخص اور کسی قوم سے نہ ہوسکے تو ظاہر ہے کہ اس کی ضرور اپنی ایک زبان ہوگی اور اسے تاریخ کے کسی موڑ پر اس زبان سے الگ نہ کیا جاسکے گا مسلمان جہاں بھی ہوں اور جس زبان کے بھی ہوں وہ قرآن کریم کو ہمیشہ اس کی اپنی زبان میں لے کر چلیں گے اور یہ زبان ایک خاص خطہ ارضی کی ہی زبان نہیں وہ اسلام کی سرکاری زبان ہوگی اسے ہم یہاں لسان القرآن کے نام سے پیش کرتے ہیں۔

قرآن کریم ہمیشہ سے اپنے آپ کو قرآن عربی کے طور پر پیش کر رہا ہے اس کی کتابیت جہاں کہیں ظاہر ہوئی اس کی عربیت ساتھ ساتھ رہی اور عربیت بھی وہ جسے عربی مبین کہا گیا۔

قرآن کریم کا اپنے بارے میں دعویٰ کہ اس کی عربی زبان ہے

حٰمٓ ○ والکتٰب المبین ○ انا جعلناہ قرآنًا عربیًا لعلکم تعقلون ○

(پ۲۵ الزخرف)

ترجمہ. قسم ہے اس واضح کتاب کی. ہم نے کیا ہے اسے قرآن عربی زبان کا تاکہ تم سمجھو.

حٰمٓ. تنزیل من الرحمٰن الرحیم. کتاب فصلت اٰیاته قراٰناً عربیاً لقوم یعلمون. (پ۲۴ حٰم سجدہ ۳)

ترجمہ. اتارا ہوا ہے بڑے مہربان رحم کرنے والے کی طرف سے. ایسی کتاب جس کی آیتیں کھول کر بیان کی گئی ہیں قرآن ہے عربی زبان کا ان لوگوں کے لیے جو سمجھ رکھتے ہیں.

یہ ایک اُمّی کا کام نہیں اس کے پس پردہ کوئی اور ہے

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اُمّی ہونا کوئی پردے کی بات نہ تھی اُونچے طبقہ کے سب لوگ (اشراف قریش) جانتے تھے کہ آپ نے کسی دوسرے انسان کے سامنے زانوئے تلمذطے نہیں کیا اور نہ کہیں آپ نے کچھ لکھنے کی مشق کی ہے ایسا ہوتا تو پھر بے شک ان کے لیے شک کرنے کی کچھ گنجائش تھی لیکن سب جانتے تھے کہ آپ اُمّی ہیں لکھنے اور پڑھنے کی تعلیم آپ نے نہیں پائی.

ان حالات میں آپ نے دفعتہً ایک ایسی کتاب لکھانی شروع کردی جو عجیب وغریب مضامین پر مشتمل ہے اس کے حقائق آفاقی اور علوم جملہ کائنات کو اپنے گھیرے میں لیے ہوئے ہیں اور اس کی ہدایات جملہ بنی نوع انسان کے لیے ایک فطری لائحہ عمل ہیں اور وہ اس کتاب معجز کو ترتیب دے رہا ہے ان کی یہ بات قرآن کریم میں بھی اس طرح نقل کردی گئی :-

ولقد نعلم انھم یقولون انما یعلمه بشر لسان الذی یلحدون الیه اعجمی وھٰذا لسان عربی مبین. (پ۱۴ النحل ۱۰۳)

ترجمہ. اور ہم خوب جانتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ اسے تو کوئی اور شخص قرآن سکھا جاتا ہے. جس کی طرف اشارہ کرتے ہیں اس کی تو زبان ہی عجمی ہے اور یہ قرآن عربی مبین میں ہے

اس کے نام میں اختلاف ہے جبر، یسار، عائش، یعیش کئی عجمی غلاموں کے نام

لیے گئے ہیں جن میں سے کوئی یہودی تھا کوئی نصرانی، تعجب ہے کہ اتنے قابل انسانوں کا تو نام بھی تاریخ نے پورے تیقن اور تعین کے ساتھ یاد نہ رکھا اور جوان سے سیکھ کر محض نقل کر دیا کرتے تھے دنیا اُن کے قدموں پر گر پڑی، حتیٰ کہ جنہوں نے ان کو نبی نہ مانا دنیا کا سب سے بڑا مصلح اور کامل انسان ان کو بھی تسلیم کرنا پڑا۔ وہ لوگ قرآنی علوم و معارف کو آپ کی امیت مسلّمہ سے تطبیق نہ دے سکتے تھے اسی لیے کہنا پڑتا تھا کہ کوئی دوسرا شخص آپ کو یہ باتیں سکھلا جاتا ہے بے شبہ آپ سکھلائے ہوئے تھے لیکن سکھلانے والا کوئی بشر نہ تھا وہ رب قدیر تھا۔[1]

یہاں اُمّی کا معنی ان پڑھ کا نہیں آپ اسی طرح اپنی فطرت پر تھے گویا آج ماں نے جنم دیا ہو اور آپ کی یہ اُمیت کسی سے چھپی ہوئی نہ تھی آپ نے لکھنے کی کہیں مشق نہ کی تھی اور نہ لکھ سکتے تھے یہ وجہ تھی جس کے باعث ان مخالفوں نے یہ بات بنائی کہ آپ کے پس پردہ کوئی اور علمی شخصیت ہے۔ ایسی عظیم قابلیت رکھنے والا انسان ایسا صاحب نظر و بصیرت اور ایسا فاضل ادیب خطہ حجاز میں کیسے چھپا رہ سکتا تھا؟ اور اس کی قابلیت کے یہ جوہر بدون کسی تمہید و ارتقاء کے اس نقطہ کمال پر کیسے پہنچ گئے؟ یہ وہ سوالات تھے جو انہیں کسی عجمی شخصیت کی طرف اشارہ کرنے پر مجبور کرتے تھے اس کا جواب قرآن عزیز نے یہ دیا کہ قرآن تو عربی مبین ہے تم اسے کسی عجمی شخصیت کی طرف کیسے نسبت کر سکتے ہو۔

وانه لتنزيل رب العلمين ۔ نزل به الرّوح الامين ۔ علىٰ قلبك لتكون من المنذرين ۔ بلسان عربيّ مبين ۔ (پ۱۹ الشعراء ۱۹۵)

ترجمہ۔ اور قرآن پروردگار عالم کا اُتارا ہوا ہے۔ اسے روح الامین آپ کے قلب پر لے کر اُترے ہیں تاکہ آپ ڈرانے والوں میں سے ہوں۔ اُتارا ہے قرآن عربی مبین میں۔

اس آیت شریفہ سے معلوم ہوا کہ :-

(۱) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب مبارک پر قرآنی علوم و معارف کے فقط معانی نہیں

---

[1] فوائد القرآن صہ۳۶۱

اُتارے گئے کہ پیغمبر نے انہیں آگے اپنے الفاظ کا جامہ پہنایا ہو بلکہ قرآن کی پوری عبارت آپ کے قلب مبارک آتاری جاتی تھی. اگر قرآن عزیز محض ایک القائی کتاب ہوتی تو اس کے نزول کے لیے کسی زبان کی تخصیص نہ ہوتی. زبان کا درجہ اسے نزول کے متصل نہیں بلکہ بعد میں ملتا. حقائق کے لیے کسی زبان کی تخصیص نہیں ہوتی انہیں جس زبان میں لائیں وہ اسی قالب میں اُتر آئیں گے علم کی اپنی کوئی زبان نہیں جیسے کہ زبان خود کوئی علم نہیں. قرآن پاک کا عربی مبین میں نازل ہونا اس امر کی کھلی شہادت ہے کہ یہ محض ایک القائی کتاب نہیں جیسا کہ مسیحی قومیں انجیل کے بارے میں گمان کرتی ہیں یہ ایک الہامی inspired کتاب ہے جس کی پوری عبارت خدا کی طرف سے ہے۔

(۲) قرآن کے لیے عربیت لازم ہے قرآن اسے ہی کہیں گے جو عربی میں ہو قرآن پڑھنا بھی وہی ہے جو عربی میں پڑھا جائے اور قرآن لکھنا بھی وہی ہوگا جو عربی میں لکھا جائے۔ قرآنیت عربیت کے بغیر متصور نہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لاصلوٰۃ الا بقرآن کہ نماز قرآن کے بغیر نہیں ہوتی. تو نماز کی زبان بھی عربی ہی ہو گی کیونکہ قرآن عربی ہی میں پڑھا جاسکے گا ترجمہ قرآن تو قرآن نہیں سمجھا جاتا. اظہار، نورالانوار اور توضیح وغیرہ کتب اصول میں ہے :-

ھو اسم للنّظم والمعنیٰ جمیعًا۔

ترجمہ. قرآن نام ہے ترتیب الفاظ اور معنی کے مجموعہ کا.

ترتیب الفاظ زبان کے بغیر ممکن نہیں جب قرآن پاک کے الفاظ ایک نظم اور ترتیب رکھتے تو ظاہر ہے کہ قرآن کی ایک اپنی زبان بھی ہوگی. قرآن کی یہ زبان عربی مبین ہے۔

ابن عابدین رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں :-

ھو اسم للمنزّل باللفظ العربی المنظوم ھذا النظم الخاص المکتوب فی المصاحف المنقول الینا نقلًا متواترًا والاعجمی انّما یسمّی قرآنا مجازًا ولذا یصح نفی اسم القرآن عنه [۱]

---

[۱] ردالمحتار شامی جلد ۱ صـ۲۵۷

ترجمہ. قرآن اس کتاب کا نام ہے جو عربی لفظوں میں اس خاص نظم و ترتیب سے اُتری جو ان صحیفوں میں ہے جو ہم تک پہنچے. اس میں ان کی نقل متواتر ہے. اس کے غیر عربی ترجمے کو مجازی طور پر قرآن کہا جاتا ہے اسی لیے اس سے قرآن کے نام کی نفی درست ہوگی.

فقیہ کبیر علامہ بُرہان الدین المرغینانی صاحب ہدایہ کتاب التجنیس میں لکھتے ہیں:-

ویمنع من کتابۃ القرآن بالفارسیۃ بالاجماع لانہ یؤدی للاخلال بحفظ القرآن لانا امرنا بحفظ النظم والمعنی جمیعًا فانہ دلالۃ علی النبوۃ.[1]

ترجمہ. قرآن مجید کو غیر عربی میں لکھنا بالاجماع ممنوع ہے کیونکہ ایسا کرنا قرآن مجید کے محفوظ رہنے میں رکاوٹ پیدا کر دے گا ہم لوگ قرآن مجید کے الفاظ و معنی دونوں کی حفاظت کے مامور ہیں کیونکہ نبوت کی راہ کا پتہ اسی سے ملتا ہے.

قرآن مجید غیر عربی میں لکھنے کے ممنوع ہونے سے مراد قرآن کے نام سے اسے غیر عربی میں لکھنا ہے یہ تب ہے کہ پُوری عبارت لکھنی ہو کسی اور عبارت کے ضمن میں ایک دو آیتوں کا غیر عربی میں لکھ لینا اور انہیں مجازاً آیت کہہ دینا ہرگز منع نہیں اور پورے قرآن کو غیر عربی میں لکھنے کی ممانعت بھی اسی صورت میں ہے کہ اصل عربی ساتھ نہ رہے اگر اصل عربی قائم رکھ کر اس کا ترجمہ یا تفسیر کسی اور زبان میں لکھ لیں تو اس میں کوئی حرج نہیں.

محقق ابن الہمام (۸۶۱ ھ) فتح القدیر شرح ہدایہ میں لکھتے ہیں:-

ان اراد ان یکتب مصحفًا بھا یمنع فان فعل اٰیۃً او اٰیتین لا فان کتب القراٰن وتفسیر کل حرف و ترجمتہ جاز.[3]

ترجمہ. اگر کوئی شخص قرآن مجید کو فارسی میں لکھنے کا قصد کرے تو اسے روک دیا جائے لیکن اگر الفاظ قرآن بھی ساتھ ساتھ لکھتا چلا جائے تو پھر اس کا ترجمہ کرنا

---

[1] والظاہر ان الفارسیۃ غیر قید (رد المحتار شامی جلد ۱ صفحہ ۳۵۸) [2] الماخوذ من النفحۃ القدسیۃ صفحہ ۳۱ للعلامہ حسن الشرنبلالی صاحب نور الایضاح [3] فتح القدیر جلد ۱ صفحہ ۲۰۱ مطبوعہ مصر باب کیفیۃ الصلوٰۃ ونحوہ فی رد المحتار جلد ۱ صفحہ ۳۵۸

اور دوسری زبان میں تفسیر کرنا جائز ہے ہاں ایک دو آیتیں اکیلی غیر عربی میں لکھ سکتا ہے۔

ایک شخص نے شیخ ابی بکر محمد بن فضل کے زمانے میں سوال کر لیا کہ ہمارے زمانے میں بچوں کو عربی پڑھنا شاق ہے تو کیا ہم انہیں فارسی زبان میں قرآن کریم پڑھا دیا کریں؟ اس پر شیخ نے فرمایا:۔

ان ھٰذا کان یرید ان یبطل کتاب اللّٰہ۔

ترجمہ. یہ شخص اللہ کی کتاب کو گم کر دینا چاہتا ہے۔

اور پھر فتوےٰ لکھا :۔

من تعمّد ذلك یکون زندیقًا او مجنونًا فالمجنون یُداوی والزندیق یقتل. [1]

ترجمہ. جو شخص قرآن پاک کو عربی کے سوا کسی اور زبان میں عمدًا لکھے وہ یا زندیق ہو سکتا ہے یا دیوانہ. اگر دیوانہ ہے تو اُس کا علاج کرایا جائے اور زندیق ہے تو قتل کر دیا جائے۔

آیئے اب اس مسئلہ میں حنبلی فقہ کا بھی مطالعہ کریں سعودی عرب میں امام احمدؒ کے قول پر ہی فتویٰ دیا جاتا ہے مغنی ابن قدامہ کے حاشیہ میں ہے:۔

قام بعض المرتدین من اعاجم ھٰذا العصر یدعون الی ترجمۃ القراٰن وانما مرادھم التوسل بذلك الی سھیل الرّدۃ علی قومھم ونبذ القراٰن المنزّل من عند اللہ وراء ظھورھم وھو انّما نزل باللسان العربی کما ھو مصرح فی الاٰیات المتعددۃ. [2]

ترجمہ. اس زمانہ کے عجمی لوگوں میں بعض مرتدین لوگوں کو محض ترجمہ قرآن کی دعوت دے رہے ہیں ان کا مقصد یہ ہے کہ اپنی قوم پر مرتد ہونے کی راہ آسان کر دیں اور اس قرآن کو جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے عربی زبان میں اترا تھا پس پشت ڈال

---

[1] کفایہ شرح ہدایہ بہامش فتح القدیر جلد ۱ صہ ۲۴۹ [2] المغنی مع الشرح الکبیر جلد ۱ صہ ۵۳۰

دیں وہ تو عربی میں اُترا تھا اور قرآن کا عربی میں اُترنا کئی آیات میں تصریح کے ساتھ موجود ہے۔

مالکی مسلک کے متقدر عالم ابوعبداللہ محمد بن احمد القرطبی لکھتے ہیں :-

امر عمر بن الخطاب ان لایقرأ القرآن الا عالم بالعربیۃ۔ (التذکار)

ترجمہ۔ حضرت عمرؓ نے حکم دے رکھا تھا کہ قرآن وہی شخص پڑھے جو عربی میں پڑھ سکتا ہو۔

علم و ترقی کے اس دور میں کچھ ایسے لوگ بھی اُٹھے ہیں جو علماء کے خلاف اظہارِ نفرت کو اپنی ترقی پسندی کا نشان سمجھتے ہیں اور محض اس لیے کہ وہ ملحدین اور متنورین کے ہاں آزاد خیال سمجھے جائیں اعمالِ دین۔ شعائرِ اسلام اور علمائے کرام کے خلاف وہ طرح طرح کے ریمارکس پیدا کرتے رہتے ہیں۔ یہ لوگ بارہا یہ بھی کہتے گئے سُنے گئے ہیں کہ علماء نے قرآن کا ترجمہ کرنے کو کفر قرار دیا تھا اور دہلی کے علماء انگریزی سیکھنے کو حرام قرار دیتے تھے۔

اس قسم کی باتیں حقیقت سے خالی ہیں۔ علمائے اسلام کا فتوٰی ہے کہ قرآن کریم کا ترجمہ کرنا بالکل جائز اور صحیح ہے اور وہ عملاً قرآن کریم کے اردو ترجمے کر کے ثابت کر چکے ہیں کہ ترجمۂ قرآن کو ناجائز قرار دینا ہم پر ملحدین کی ایک تہمت ہے۔ اسی طرح دوسری کوئی زبان سیکھنی کوئی عیب نہیں ہے بلکہ بہتر ہے :- من تعلم لسان قوم امن شرھم۔

ترجمہ۔ جو شخص کسی قوم کی زبان سیکھ لے وہ اس کے شر سے امن میں آجاتا ہے۔

ہاں زبان سیکھنے سے مراد اگر یہ ہو کہ اپنی تہذیب اور اپنے کلچر کو غیر ملکی تہذیب اور کلچر میں گم کر دیا جائے اور مسلمان اپنی اصل کو بھول جائے تو یہ بے شک جائز نہیں۔ جہاں تک اصل ترجمے کا تعلق ہے اس کا کوئی مخالف نہیں۔ ہاں ترجمے کی کچھ شرائط ضرور ہیں اور جو شخص ان شرائط کو پورا نہ کر پائے اس کے لیے ترجمہ کرنا ضروری نہیں۔

ایک ملحدانہ راہِ عمل

بعض لوگ اُردو وغیرہ میں نماز پڑھنے کی ملحدانہ راہیں ہموار کر رہے ہیں وہ قرآن کریم کی اس آیت سے استدلال کرتے ہیں :-

لاتقربوا الصلوٰۃ وانتم سکاریٰ حتیٰ تعلموا ما تقولون .(پ۵ النساء ۴۳)

ترجمہ. نماز کے قریب نشے کی حالت میں نہیں بلکہ اس وقت جاؤ جب تمہیں علم ہو کہ تم کیا کہہ رہے ہو.

اس سے پتہ چلا کہ نماز اسی زبان میں پڑھنی چاہیئے جس میں ہمیں پتہ چل رہا ہو کہ ہم کیا کہہ رہے ہیں.

جواباً گذارش ہے کہ یہاں علم کا اجمالی درجہ مطلوب ہے پُورا علم ہرگز مراد نہیں اگر کسی نمازی کو اتنا معلوم ہو کہ وہ سُبحانک اللّٰہم پڑھ رہا ہے یا سورۃ فاتحہ، التحیات اس کی زبان سے نکل رہا ہے یا وہ قل ہو اللہ احد کی قرأت کر رہا ہے، درود شریف پڑھ رہا ہے یا تسبیحات کہہ رہا ہے تو علم کے اس اجمالی درجہ سے اس نشے کی نفی ہو جاتی ہے جس کے ہوتے ہوئے اس نماز کے قریب آنا منع تھا یہاں علم کا مقابلہ جہل سے نہیں نشے سے ہے. اگر کسی کو اس درجے میں علم ہو کہ وہ کیا کہہ رہا ہے اور اس کی زبان سے کیا نکل رہا ہے تو وہ پُورا مکلف ہے کہ نماز پڑھے اسے بصورتِ جہل نماز سے کنارہ کش ہونا ہرگز جائز نہیں. ترجمہ آتا ہو تو بڑی سعادت ہے اور عبادت کی پُوری لذت ہے لیکن ترجمے کو اس آیت کی رُو سے ضروری قرار دینا یا نماز ہی اپنی جانی ہوئی زبان میں لے آنا اس کا اس آیت میں کوئی جواز نہیں. جو لوگ بے ہوشی اور نشے میں اِدھر اُدھر کی لایعنی باتیں کرتے ہیں وہ ان باتوں کی زبان سے جاہل نہیں ہوتے بے ہوشی کی بنا پر ان باتوں کی مرادات اور ان کے مصداق سے غافل ہوتے ہیں.

نماز کو اردو میں لانے کی تحریک خطبہ عبادت کی تاریخ سے شروع ہوتی ہے. پہلے خطبہ عبادت کو اُردو لانے کی کوشش کی جاتی ہے اور پھر اذان اور نماز دونوں کے لیے میدان ہموار ہو جاتا ہے.

پیش نظر رہے کہ خطبہ جمعہ اور خطبہ عید خطبہ عبادت ہیں خطبہ تعلیم نہیں. تذکیر و تعلیم ان میں ضمناً آتی ہے اصالۃً یہ ذکر و عبادت ہیں ان کے علاوہ خطبات تعلیم بھی ہیں جن کے لیے کوئی خاص وقت مقرر نہیں آنحضرتؐ اور خلفائے راشدینؓ نے خطبات تعلیم بلا تعین اوقات ارشاد فرمائے. خطباتِ تعلیم اسی زبان میں ہونے چاہئیں جسے سامعین سمجھ رہے ہوں لیکن خطبہ عبادت اسی زبان میں ہونا ضروری ہے جو ہماری مرکزی عبادت (نماز) کی زبان ہے. اگر کچھ اصحاب توفیق معنی بھی سمجھتے جائیں

اور نصیحت لیتے رہیں تو زہے قسمت لیکن اگر کچھ لوگ مطالب نہ پاسکیں تو عبادت ان کی بھی ادا ہو جائے گی وہ تذکیر سے تو محروم رہے مگر ذکر کی فضیلت انہوں نے بھی پالی۔ جو حضرات خطبہ جمعہ کو اصالتاً خطبہ تعلیم اور ضمناً عبادت سمجھتے ہیں وہ غلطی پر ہیں۔ حق یہ ہے کہ یہ اصالتاً خطبہ عبادت ہے تعلیم ضمناً ہے۔

جن لوگوں نے خطبہ کو اردو میں لانے کی کوشش کی ہے وہ دراصل خطبہ عبادت اور خطبہ تعلیم میں فرق نہیں سمجھتے وہ اس کے نتائج پر بھی نظر نہیں رکھتے کہ بالآخر یہ نماز کو اردو میں لانے کی ایک کڑی ہوگی۔ یاد رکھیے کہ قرآن کریم نے خطبہ جمعہ کو ذکر قرار دیا ہے۔ تذکیر نہیں کہا گو ضمناً اس کا تحقق بھی ہو جائے۔

فاسعوا الیٰ ذکر اللہ۔ (پ۲۸ الجمعہ)

ترجمہ۔ جب تمہیں جمعہ کے دن بلایا جائے تو اللہ کے ذکر کی طرف جلدی آؤ۔

عربی مُبین سے مراد

اس بات کی وضاحت کے بعد کہ قرآن کریم کی زبان عربی مُبین ہے۔ یہ جاننا چاہیئے کہ عربی مبین سے کیا مراد ہے اس کے لیے اس کا پس منظر یاد رکھیئے:۔

جاہلیت کے عرب صلاح و مشورہ اور اجتماعی فکر و تعمیر کی خوبیوں سے پورے آشنا تھے۔ وہ اس قسم کے اجتماعات چھوٹی مجلسوں سے لے کر اسواق (میلے) تک بڑے اہتمام سے منعقد کرتے ان دنوں بھی عربوں کا اجتماعی مرکز اور کعبہ عقیدت مکہ تھا۔ ان کا سب سے بڑا تاریخی اجتماع سوق عکاظ مکہ ہی قریب منعقد ہوتا۔ یہ بازار ذیقعد کی یکم سے لے کر بیس تاریخ تک لگا رہتا اور تمام ادبی مذہبی تجارتی اور قومی مہمات یہیں طے ہوتیں۔ شاعروں اور خطیبوں کو اپنے اپنے کمالات دکھانے کا یہیں موقع ملتا تھا۔

قریش مکہ کے رئیس اور خانہ کعبہ کے متولی تھے۔ انہیں سارے عرب میں نہایت عزت اور احترام سے دیکھا جاتا تھا رحلۃ الشتاء والصیف میں صرف وہی اشراف رستوں کے خوف و خطر[۱] سے

---

[۱] اطعمھم من جوع وامنھم من خوف (پ۳۰ قریش)

محفوظ تھے. سوق عکاظ میں بھی انہی کا اقتدار و اختیار چلتا تھا. وہ مختلف اطراف سے آئے ہوئے اہلِ کمال کے اشعار و خطبات کو پوری توجہ سے سنتے ان کے بہترین الفاظ عمدہ ترکیبات اور محاورات کو اپنا لیتے اور اپنی زبان کے کمزور پہلوؤں کو ترک کرتے چلے جاتے. یہاں تک کہ اُن کی زبان بلاغت کی انتہا کو پہنچ گئی. سالہا سال کی ارتقائی منزلوں سے گزر کر جب یہ زبان اپنے نقطہ کمال کو پہنچی تو اس نے عربی مبین نام پایا. ملک کا علمی اور ادبی معیار یہی قریش کی زبان تھی اور اسی زبان میں قرآن پاک نازل ہوا. حضرت امیر عثمانؓ نے کاتبین قرآن کو نصیحت فرمائی تھی :-

فاکتبوھا بلسان قریش فان القراٰن انزل بلسانھم. [۱]

ترجمہ. اسے قریش کی زبان میں لکھو کیونکہ قرآن پاک انہیں کی زبان میں نازل ہوا ہے.

قرآن پاک میں غرائب لغات بھی ہیں. یہ عربی مبین کے منافی نہیں ان غرائب سے قرآن پاک کے ذوق عربیت اور اس کی ادبی وسعت کا پتہ چلتا ہے. حدیث میں وارد ہے :-

اعربوا القراٰن والتمسوا غرائبہ. [۲]

ترجمہ. قرآن کے معانی اچھی طرح سمجھو اور اس کے غرائب کی تحقیق کرو.

غرائب سے وہ الفاظ و محاورات مراد ہیں جو عام عربوں میں معروف نہ تھے. علامہ زجاج اخفش ابن درید اور راغب نے بہت سے غرائب قرآن کی نشاندہی کی ہے اس سے پتہ چلتا ہے کہ قرآن کا ذوقِ عربیت منتہائے کمال پر تھا. اہلِ علم کا اختلاف ہے کہ قرآن پاک میں معرب الفاظ وارد ہیں یا نہ. حضرت امام شافعی، ابن جریر، ابو عبیدہ، قاضی ابو بکر باقلانی اور ابن فارس جیسے اکابر قرآن کے کسی لفظ کو معرّب (عربی میں لایا ہوا) تسلیم نہیں کرتے. وہ ان روایات کو جن میں بعض الفاظ قرآن حبشی، رومی، نبطی اور فارسی کے بیان کیے گئے ہیں. توارد لغات اور اتحاد السنۃ پر محمول کرتے ہیں دوسرے بعض علماء کہتے ہیں کہ قرآن پاک میں کئی الفاظ معرّب ہیں مگر ان کا ہونا عربی مبین کے خلاف نہیں وہ ان معرّب الفاظ کی پوری نشاندہی کرتے ہیں. [۳]

ہمارے نزدیک قرآن کریم کا کوئی لفظ اس طرح تو معرب نہیں کہ قرآن نے خود کسی غیر عربی

---

[۱] جامع بخاری جلد ۲ ص۷۴۶ [۲] رواہ البیہقی یہاں اعراب سے مراد نحویوں کی اصطلاح نہیں مطلق ادراک معانی مقصود ہے [۳] دیکھئے الاتقان فی علوم القرآن جلد ۱ ص۱۳۸ مصر

لفظ کو عربی میں داخل کیا ہو البتہ غیر زبانوں کے وہ الفاظ جو نزولِ قرآن سے پہلے عربوں میں آ چکے تھے اور قریش عرب انہیں عربی مبین میں اپنا چکے تھے ان میں سے بعض الفاظ قرآن میں ضرور وارد ہیں۔ ہمارے نزدیک یہ اختلاف محض لفظی ہے۔ قرآن کریم کی عربیت عربی مبین کی شان سے کہیں نہیں گرتی اور زبان کی شوکت و جلالت اور فصاحت و سلاست ہر مقام پہ قائم رہتی ہے۔

قرآن کے قریب کرنے والی دوسری زبانیں

قرآن کے حروفِ تہجی کئی مشرقی زبانوں میں ہو بہو پائے جاتے ہیں۔ عربی فارسی اردو سندھی اور پشتو کے ابجد ایک ہیں۔ انیسویں صدی تک ترکی بھی انہی ابجد میں لکھی جاتی رہی ہے۔ مسلم سلاطین ہندوستان آئے تو وہ اپنی فارسی زبان ساتھ لائے اور دیکھتے دیکھتے فارسی زبان پورے ہندوستان کی سرکاری زبان بن گئی۔

ہندوستان میں زیادہ آبادی اگرچہ ہندوؤں کی تھی مگر مسلمان اپنے کلچر اور اپنی سرکاری زبان سے پورے ہندوستان پہ چھا گئے تھے۔ یہ اسی طرح ہوا ہے جس طرح انگریزوں کی آمد سے برصغیر پاک و ہند میں انگریزی زبان کا عروج ہوا اور سکولوں اور دفتروں میں انگریزی کلچر چھا گیا۔ کسی تہذیب کو قریب لانے یا دور کرنے میں اس کی زبان کو بڑا دخل ہوتا ہے۔

قرآن کے حروفِ تہجی جن جن زبانوں میں ایک ہیں وہ زبانیں اسلامی تہذیب میں اپنی تاریخ رکھتی ہیں۔ فارسی اور اردو میں جتنا اسلامی لٹریچر آ چکا ہے اس کا ایک فیصد بھی ہمیں ہندی چینی اور جاپانی زبانوں میں نہیں ملتا۔ یہ ٹھیک ہے کہ انگریزی اور فرانسیسی زبانوں میں اسلام پہ بہت کچھ لکھا گیا ہے لیکن اس میں زیادہ کام خود مستشرقین کے ہاتھوں ہوا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ یہ اسلامی لٹریچر ابھی تک یورپ میں اپنی تہذیب اور اپنی تاریخ کو نہیں لے جا سکا۔

ترکی زبان کو عربی حروف سے خالی کر دیا گیا

پہلی جنگِ عظیم میں اتراک جرمنوں کے ساتھ تھے اور یورپ کا یہ مرد بیمار ابھی تک خلافت کا پرچم اٹھائے ہوئے تھے جرمنوں کی شکست کے بعد ان کے اتحادی بھی انگریزی انتقام کی زد میں تھے انگریزوں نے اس لیے کہ آئندہ ترکی مسلمانوں کی سیاسی قوت نہ بن سکے ترکی زبان کو عربی حروف سے خالی کرنے اور انگریزی حروف تہجی میں لانے کا فیصلہ کر لیا اور دیکھتے دیکھتے ترکی زبان ایک مشرقی زبان کی بجائے

یورپ کی زبانوں کا ایک حصہ بن گئی اور ان کی تہذیب قرآن کے حروفِ تہجی سے یکسر دور ہو گئی۔

ہندوستان میں بنگال سب سے بڑا اسلامی صوبہ تھا۔ انگریزوں نے اپنے دورِ اقتدار میں ہر ممکن کوشش کی کہ یہاں کی علمی زبان بنگلہ رہے۔ اس کے ادب کی ایک اپنی چھاپ ہو یہ اس لیے کہ ان کی عام زبان جہاں تک ہو سکے قرآن کے حروفِ تہجی سے دور رکھی جائے اور عربی یہاں اسلامی تہذیب اور کلچر میں بنیادی حیثیت حاصل نہ کر پائے۔

صوبہ گجرات میں بھی مسلمان ایک بڑی تعداد میں تھے یہاں گجراتی زبان بولی جاتی تھی یہاں بھی انگریز حکومت کی یہ مصلحت رہی کہ اردو یہاں کی عام زبان نہ ہونے پائے کیونکہ اردو کے حروفِ تہجی اور قرآن کریم کے حروف تہجی ایک سے ہیں اور گجراتی کے حروفِ تہجی قرآن والے نہیں۔

تحریکِ پاکستان میں مسلمانوں نے جہاں اپنی جداگانہ تہذیب کا نعرہ لگایا وہاں ایک یہ تحریک بھی تھی کہ مسلمان جس صوبے میں بھی ہوں وہ اپنی سرکاری زبان اردو لکھوائیں اس میں یہی ایک مصلحت تھی کہ مسلمانوں کو ایک قوم بنانے کے لیے انہیں ان زبانوں پر لانا چاہیئے جو عربی حروف تہجی میں لکھی جاتی ہوں اور قرآن کریم تمام ممالک اسلامی میں اپنے عربی حروف میں بھی پڑھا جائے اسے عربی حروف سے نکالنے اور رومن حروف میں لانے کی ہر کوشش ناکام بنادی جائے۔

مسلمان جہاں بھی گئے قرآن کریم کو عربی زبان میں لے کر گئے اور انہیں ان ممالک کی کوئی مصلحت قرآن کی زبان سے بے گانہ نہ کر سکی۔ یورپ ہو یا کینیڈا وامریکہ چین ہو یا جاپان بنگلہ دیش ہو یا برما یا آسام یا افریقہ کا کوئی ملک، جہاں بھی مسلمان ہیں ان کی نمازیں اور ان کی اذانیں سب عربی میں ہو رہی ہیں اور قرآن کی زبان صرف عرب ممالک کی زبان نہیں اسلام کی سرکاری زبان بھی مانی جاتی ہے۔

اس پہلو سے عربی کو لسان القرآن کے نام سے پیش کرنا اور جہاں تک ہو سکے اپنے کلچر کو قرآن کے حروف تہجی کے قریب کرنا تمام مسلمانوں کا مشترک فریضہ ہے یورپ کے مسلمانوں کو چاہیئے کہ قرآن کریم کو رومن حروف میں لانے سے یکسر بچیں اور قرآن کے خدام کے طور پر جہاں بھی ہو سکے ان زبانوں کے قریب آئیں جو قرآن کے قریب کرنے والی ہوں۔ قرآن کریم کو عثمانی رسم الخط سے نکالنا کسی طرح بھی جائز نہیں ہے۔

اپنی تہذیب اور کلچر کا تحفظ بہر صورت ضروری ہے۔ زبان اپنے کلچر کا حصہ ہوتی ہے اور مشرقی اقوام کی اپنی مشرقی زبانوں سے دُوری بالآخر انہیں اپنی اصل سے بے گانہ کردیتی ہے۔ اسلام گو مشرق اور مغرب دونوں کے لیے ہے لیکن اس میں بھی کسی شک کو راہ نہیں کہ اس کی ابتداء مشرق سے ہوئی تھی۔

ترجمۃ القرآن

الحمدللہ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفی امابعد:

علم کی اپنی کوئی زبان نہیں ہوتی اسے جس زبان کا بھی لباس پہنائیں پہن لیتا ہے۔ قرآن کریم ایک نہایت اہم علمی دستاویز ہے لوگوں کو اس کے مطالب سے آشنا کرنے کے لیے اس کے تراجم ہر زبان میں ہونے چاہییں۔ بسا اوقات عدالتوں میں بھی اس کے حوالے زیر بحث آجاتے ہیں۔

عیسائی مشنری اور قادیانی مبلغین بھی کئی دفعہ مسلمانوں کو گھیر لیتے ہیں اور قرآن کے حوالے سے وہ کچھ کہتے ہیں جو قرآن نے نہیں کہا ہوتا۔ ان حالات میں مسلمانوں کے لیے ضروری ہو جاتا ہے کہ ان کے پاس کوئی صحیح ترجمہ قرآن ہو تاکہ لوگوں کو ان دونوں قوموں کے ضعف استدلال پہ مطلع کیا جاسکے۔ علمی پہلو سے ترجمہ قرآن کی ہر غیر عرب کو ضرورت ہے اس سے ہر شخص کو اسلام کے بارے میں کچھ ابتدائی درجے کے معلومات حاصل ہو جاتے ہیں پھر اس کا مطالعہ جتنا گہرا ہوتا جائے گا وہ اس کے گہرے مطالب کو بھی پاسکے گا۔

البتہ قرآن کریم کے مشکل اور پیچیدہ مقامات کو صرف تراجم کے ذریعہ سمجھا نہیں جاسکتا۔ ان کے لیے علماء کی طرف رجوع کرنا ضروری ہے یہ قرآن ہے تو سب مسلمانوں کے لیے لیکن اسے سمجھتے صرف عالم ہیں۔

وتلک الامثال نضربھا للناس وما یعقلھا الا العالمون (پ۲۰ العنکبوت ۴۳)

ترجمہ۔ اور یہ امثال ہیں جنہیں ہم سب لوگوں کے لیے بیان کرتے ہیں لیکن سمجھتے انہیں صرف علماء ہیں اور پھر علماء بھی مختلف درجات کے ہیں ان میں سب سے اونچے وہ حضرات ہیں جو اجتہاد کے درجے کو پہنچے ہوئے ہوں یہ ترجمہ کی افادی حیثیت علمی پہلو سے ہے عبادت کے پہلو سے ترجمہ قرآن ہرگز قرآن نہیں قرآن وہی ہے جو کلام الٰہی ہے اور اس کا نظم حروف اور نظم الفاظ سب خدا کی طرف سے ہیں۔

عبادت کے طور پہ جو قرآن پڑھا جائے وہ عربی ہی میں پڑھا جائے گا جسے پاک ہاتھوں کے سوا کوئی نہ چھوئے وہ یہ عربی الفاظ ہی ہیں ترجمہ سے اس کی صرف علمی خدمت ہوتی ہے۔

ترجمے کی شرائط

کسی کلام کو ایک زبان سے دوسری زبان میں لے جانے کے لیے چند شرطیں ہیں :۔

① مترجم دونوں زبانوں میں پوری مہارت رکھتا ہو۔ خصوصاً جس زبان سے ترجمہ کرنا ہے اس پر پورا عبور ہو۔ اس کے ادب، اسلوب، لغات، محاورات اور گرامر پہ پوری نظر ہونی چاہیئے۔

② جس عبارت کا ترجمہ کرنا ہے اس میں اگر کئی معنوں کا احتمال ہے تو ترجمہ میں خاص ایک معنی کو نہ لیا جائے بلکہ اس کے لیے دوسری زبان کے بھی ایسے ہی الفاظ لائے جائیں جو اصل کی طرح خود کئی معنوں کے محتمل ہوں۔

③ اصل کلام میں اگر تخصیص و تعمیم یا احتراز و اطلاق کی قیود موجود ہیں تو دوسری زبان میں بھی ویسی ہی قیود لگانی چاہیئں۔ کنایات و استعارات کو صراحت اور حقیقت میں لانے کی بجائے دوسری زبان میں بھی کنایات اور استعارات کی صورت میں ہی ترجمہ کرنا چاہیئے۔

④ علمی اور مرکزی کتابوں کے ترجموں میں کسی ایک علاقے کے محاورات کی پابندی نہیں ہونی چاہیئے انہیں دوسری زبان کے ایسے انداز میں ترجمہ کرنا چاہیئے جو زیادہ سے زیادہ آبادی کے لیے سمجھنے کا موجب ہو۔

⑤ ترجمے کو اصل سے بڑھنے نہ دے اپنی کسی خاص غرض کے لیے پہلے ترجموں میں تصرف کرنا یا بین القوسین جملے ساتھ لگانا ترجمہ نہیں بلکہ ترجمہ پر ایک اضافہ ہے اور اپنے مخصوص فرقہ وارانہ نظریات کے لیے ترجمے میں تصرف کرنا تو نہایت ہی مذموم ہے۔

یہ ترجمے کے اہم اصولی تقاضوں کا بیان ہے۔ قرآن کریم کے ترجمہ کے لیے حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ نے کچھ اور شرطیں بھی بیان کی ہیں :۔

① مترجم بد مذہب اور بے قید نہ ہو جس طرح تفسیر میں متدین ہونے کی شرط ہے اسی طرح ترجمہ میں بھی غیر متدین شخص کے فاسد اور غلط خیالات کی آمیزش سے اس کا ترجمہ قابل اطمینان نہیں ہو سکتا۔

② علوم مذکورہ جو تفسیر کے لیے ضروری ہیں مترجم ان میں ماہر ہو۔ ضروری ہے کہ اس میں علم کی یہ وسعت ہو۔

③ علم قرأت، صرف و نحو، علم ادب، معانی و بیان، فقہ، حدیث و کلام کا ضرور فاضل ہو۔[1]

تراجم القرآن:

اب ہم قرآن کریم کے چند مشہور تراجم کا تعارف پیش کرتے ہیں اس سے پتہ چلے گا کہ علماء کرام نے ترجمہ قرآن میں ہمیشہ پیش قدمی کی ہے اس سے کبھی دوسروں کو نہیں روکا۔

فارسی تراجم

① ترجمہ سید شریف جرجانی[2] (متوفی ۸۱۶ھ)

یہ ترجمہ ہمارے بلاد میں شیخ سعدی شیرازی کے نام سے معروف ہے ارباب مطبع نے رغبت عام کے لیے اس کی نسبت بدل رکھی ہے یہ ترجمہ بارہا چھپا ہے۔

② ترجمہ حسین واعظ کاشفی (متوفی ۹۱۰ھ)

یہ ترجمہ تفسیر حسینی کے ضمن میں بارہا شائع ہوا ہے۔

③ ترجمہ نظام نیشاپوری

---

[1] البیان فی علوم القرآن ص۲۷۳ [2] بحر خزر کے ساحلی صوبہ جرجان میں پیدا ہوئے علامہ سعد الدین تفتازانی کے معاصر تھے تیمور نے شیراز فتح کیا تو یہ اس وقت شاہ شجاع کے ہاں معلم تھے تیمور نے پھر انہیں سمرقند بھیج دیا انہوں نے تفسیر کشاف پر بھی ایک حاشیہ لکھا [3] یہ ترجمہ میر علی شیر نوائی کے لیے لکھا گیا تھا حسین واعظ کاشفی ایک پیشہ ور واعظ تھے ہرات کے دار السیادت سلطانی میں وعظ کہتے تھے عجیب دلکش آواز تھی علم نجوم اور فن انشا میں کمال حاصل تھا در پردہ شیعہ تھے روضۃ الشہداء انہی کی تصنیف ہے براؤن لکھتے ہیں کہ تاریخی نقطہ نظر سے اس کی کوئی اہمیت نہیں واعظ کاشفی کا ترجمہ نہایت نفیس ہے تفسیر چنداں معتبر نہیں دہلی کے ابتدائی اردو ترجموں کا اس کے ترجمہ سے تقابلی مطالعہ کیا جائے تو یوں محسوس ہوتا ہے کہ ان مترجمین کے سامنے اس وقت یہ ترجمہ ضرور ہوگا واللہ اعلم بالصواب واعظ کاشفی کے شیعہ ہونے کی تصریح منتخب التواریخ ص۴۲۸ مطبوعہ ایران میں موجود ہے۔

④ آقا نعمت اللہ طہرانی

⑤ ترجمہ مرزا خلیل اصفہانی

⑥ ترجمہ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی ؒ

نہایت عمدہ اسلوب میں ہے ضمیروں کی الجھن[1] ایسے نفیس انداز میں حل کرتے ہیں کہ قرآنی مراد بالکل واضح ہو جاتی ہے اس ترجمے پر حضرت شاہ صاحب کے نہایت مختصر فوائد بھی درج ہیں اس کا نام فتح الرحمٰن ہے۔

⑦ ترجمہ شیخ الہند حضرت مولانا محمود الحسن محدث دیوبندی ؒ.

حکومت افغانستان نے یہ ترجمہ اپنے خرچ سے بڑی آب و تاب کے ساتھ شائع کیا ہے یہ ترجمہ دراصل حضرت شیخ الہند ؒ کے اردو ترجمے کا ہے اس کی پوری فنی رعایات کے ساتھ افغانی فارسی میں ایک کامیاب ترجمہ ہے تین ضخیم جلدوں میں نہایت نفیس آرٹ پیپر پر شائع شدہ ہے۔

قرآن حکیم کے اُردو تراجم

① ترجمہ شاہ عبدالقادر محدث دہلوی ؒ

یہ بامحاورہ ترجمہ ۱۲۰۵ھ میں مکمل ہوا۔ آئندہ ترجموں کے لیے سند کی حیثیت رکھتا ہے۔

② ترجمہ شاہ رفیع الدین محدث دہلوی ؒ

تحت اللفظ ترجمہ ہے سید نجف علی شاہ صاحب سے ترجمہ پڑھتے اور لکھتے تھے اور شاہ صاحب اس پر نظر ثانی فرما دیتے تھے۔ سب سے پہلے ۱۲۵۶ھ میں کلکتہ کے نامی پریس سے شائع ہوا۔

③ ترجمہ مولوی عبدالسلام سلام

یہ ترجمہ اردو نظم میں ہے ۱۲۵۰ھ کے قریب لکھا گیا ۱۲۸۵ھ میں لکھنؤ سے شائع ہوا۔

④ ترجمہ مولانا فتح محمد تائب لکھنوی

یہ ترجمہ خلاصۃ التفاسیر کے ساتھ پانچ جلدوں میں شائع ہوا ہے۔

⑤ ترجمہ مولانا امیر علی ملیح آبادی.

---

[1] ایران میں یہی ترجمہ زیادہ ہے۔

یہ ترجمہ تفسیر مواہب الرحمٰن کے ساتھ شائع ہوا. مترجم نے ہدایہ اور فتاویٰ عالمگیری کا بھی ترجمہ کیا ہے۔

(۶) ترجمہ مولانا عبدالحق دہلوی

یہ ترجمہ تفسیر حقانی کے ساتھ آٹھ جلدوں میں شائع ہوا ہے. پہلی جلد ۱۲۰۵ھ میں اور آٹھویں ۱۳۱۸ھ میں شائع ہوئی۔ پھر یہ بارہا شائع ہوتا رہا ہے۔

(۷) ترجمہ مولانا وحید الزمان حیدرآبادی

مترجم اہل حدیث مسلک کے قریب ہیں متعدد کتابوں کے مترجم ہیں۔

(۸) ترجمہ ڈپٹی نذیر احمد صاحب

مترجم سرسید کے ساتھیوں میں سے تھے. حضرت مولانا تھانوی نے اصلاحِ ترجمہ دہلویہ کے نام سے اس پر تنقید کی ہے۔

(۹) ترجمہ مرزا حیرت دہلوی

مترجم نے ڈپٹی نذیر احمد کا تعاقب بھی کیا ہے. مولانا تھانوی نے اصلاح ترجمہ حیرت کے نام سے اس پر بھی تنقید فرمائی ہے۔

(۱۰) ترجمہ حضرت مولانا عاشق الٰہی میرٹھی

معتمد اور مستند ترجمہ ہے مترجم حضرت شیخ الہندؒ کے خاص شاگرد ہیں۔

(۱۱) ترجمہ حضرت مولانا شاہ اشرف علی تھانویؒ

۱۳۲۰ھ میں لکھا گیا. نہایت عام فہم اور مفید مطلب ہے. تفسیر بیان القرآن کے ساتھ اور علیحدہ بھی بارہا شائع ہو چکا ہے۔

(۱۲) ترجمہ حضرت شیخ الہندؒ

حضرت شاہ عبدالقادرؒ کی روشنی میں اردو تراجم کا شاہکار ہے ۱۳۳۶ھ میں مکمل ہوا. کلامی اور فقہی اعتبار سے بے مثل ہے. شیخ الاسلام مولانا عثمانیؒ کی تفسیر کے ساتھ متعدد بار ہندو پاکستان، ہانگ کانگ اور افغانستان وغیرہ میں شائع ہو چکا ہے سعودی حکومت نے بھی اسے بارہا شائع کیا ہے۔

(۱۳) ترجمہ مولانا فتح محمد خاں جالندھریؒ

بہت مقبول ترجمہ ہے تاج کمپنی نے بھی شائع کیا ہے۔

⑭ ترجمہ مولانا احمد رضا خاں بریلوی

مولانا نعیم الدین مراد آبادی کے تفسیری حاشیہ کے ساتھ کئی دفعہ شائع ہوا ہے۔

⑮ ترجمہ حضرت مولانا احمد علی لاہوری ؒ

یہ ترجمہ مسلمانوں کے تمام فرقوں کا متفق علیہا اور مصدقہ ترجمہ ہے۔

⑯ ترجمہ مولانا عبدالماجد دریا آبادی

۱۳۶۳ھ میں مکمل ہوا۔ تاج کمپنی نے اسے مترجم کے نہایت عمدہ حاشیے کے شائع کیا ہے۔

⑰ ترجمہ مولانا احمد سعید دہلوی

نہایت ہی لطیف اور جدید پیرایہ بیان میں قابل اعتماد اُردو ترجمہ ہے۔

نوٹ: شیعہ کے ہاں ملا مقبول دہلوی اور مولوی فرمان علی کے ترجمے رائج ہیں، مرزائی لوگ محمد علی صاحب لاہوری کے اردو اور انگریزی ترجموں کو بہتر سمجھتے ہیں مسلمانوں کے انگریزی ترجموں میں علامہ یوسف علی سابق پرنسپل اسلامیہ کالج لاہور، مولانا عبدالماجد دریا آبادی اور پکتھال کے ترجمے زیادہ معتمد ہیں۔ انگریزی میں پروفیسر اے، جے آربری کا منظوم انگریزی ترجمہ خاصی اہمیت کا حامل ہے۔ تاہم انگریزی تراجم میں کوئی بھی بعد صحیح نہیں۔

اس حقیقت سے انکار نہیں کہ اصل عربی کو قائم رکھتے ہوئے قرآن پاک کا ترجمہ کرنا بالکل جائز ہے اور علماء اسلام نے ہر ملک کے تقاضے کے مطابق قرآن عزیز کا مختلف زبانوں میں ترجمہ کیا ہے اگر کسی عالم نے کسی زمانے میں ترجمہ قرآن کی مخالفت کی ہے تو اس کا منشاء صرف یہ تھا کہ قرآن کریم کو عربی سے علیحدہ کر کے صرف دوسری زبان میں باقی رکھنا جائز نہیں۔ برصغیر پاک و ہند کے علماء کو حجۃ الہند حضرت امام شاہ ولی اللہ محدث دہلوی ؒ مدتوں پہلے اس فکر سے فارغ کر چکے ہوئے ہیں۔ یتیمۃ البیان میں ہے:۔

وبالجملة علماء الهند مجمعون على جواز تراجم القرآن فى هٰذا العصر وعلماء مصر ومشيخة الازهر افردوا هٰذه المسئلة بالتاليفات ينفضم فيهم الى الآن امرها[1]

---

[1] یتیمۃ البیان ص۲۷

ترجمہ۔ ہندوستان کے علماء سب متفق ہیں کہ قرآن کریم کا دوسری زبانوں میں ترجمہ کرنا
اس زمانے میں بالکل جائز ہے لیکن علمائے مصر اور مشائخ ازہر اس مسئلہ میں کئی
مختلف رسالے لکھ چکے ہیں اور معاملہ اب تک طے نہیں ہوا۔

بایں ہمہ تراجم اصل قرآن وہی ہے جو عربی ہے قرآنیت کے لیے عربیت لازم ہے۔ نماز قرآن کے بغیر نہیں ہو سکتی۔ بس اردو زبان یا کسی اور زبان میں نماز پڑھنا کسی طرح درست نہیں۔ نماز قرآن کے بغیر نہیں اور قرآن عربیت کے بغیر نہیں۔ نماز کو اپنی زبانوں میں منتقل کرنا اور قرآن کو عربیت سے بے نیاز کرنا مرکز اسلام سے گریز پائی ہے۔ عربی زبان محض ایک زبان نہیں اسے مسلمانوں کی مرکزی زبان ہونے کی حیثیت بھی حاصل ہے اور اس کا بقدر ضرورت سیکھنا ہر مسلمان پر فرض ہے

علمائے ہند کی وسعت نظری

یہ بات علمائے ہند سے چلی تھی کہ قرآن کریم کو کسی دوسری زبان میں نہ لایا جائے اس کے مطالب مضامین احکام اور تفسیریں تو بے شک دوسری زبانوں میں لکھے جائیں لیکن متن قرآن ایک ہی رہے۔ یہ علمائے ہند کی وسعت نظری تھی کہ محدثین دہلی خود ترجمہ قرآن کے لیے اُٹھے اور قرآن کریم کے بامحاورہ اور لفظی ہر طرح کے ترجمے کیے۔ ان کی تفصیل آپ کو تراجم قرآن کے عنوان میں ملے گی یہاں ہم صرف یہ کہنا چاہتے ہیں کہ قرآن کریم کی اپنی زبان عربی ہے اور اسے کسی پہلو سے بھی عربی مبین سے نہیں نکالا جا سکتا اور نہ اس کا کوئی ایسا ترجم ہو سکتا ہے جو اسے اُردوئے مبین میں لے آئے

عربی سیکھنا تمام قوموں پر فرض ہے

امت اجابت کا فرض ہے کہ اس کا ہر فرد بقدر ضرورت عربی سیکھے اور ایسے حالات پیدا کرے کہ تمام قومیں قرآن کریم کے قریب آئیں اور اللہ کی حجت ان پہ تمام ہو۔ تمام دُنیا حضورؐ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی امت دعوت ہے۔ ترجمہ قرآن سے علمی حد تک مدد لی جا سکتی ہے لیکن اپنی عبادت کی زبان اس عربی مبین کو ہی جانیں۔ عربیت دارجہ بھی اس کی جگہ نہیں لے سکتی قرآن کریم کی وجہ سے عربی سیکھنا تمام قوموں پہ فرض ہے۔

حضرت امام شافعیؒ ارشاد فرماتے ہیں :-

ان اللہ تعالیٰ فرض علی جمیع الامم تعلم اللسان العربی بالتبع لمخاطبتهم بالقرآن والتعبد به .[1]

اس پر شارح لکھتے ہیں :-

ولم ینکر ذالک علیه احد من علماء الاسلام لانه امر مجمع علیه و وان اھمله الاعاجم بعد ضعف الدین والعلم .

ترجمہ . اللہ تعالیٰ نے اس وقت تمام قوموں پر عربی سیکھنا فرض کیا ہے یہ حکم انہیں قرآن مجید کے مخاطب بنانے اور اس کے مکلف کرنے کے ضمن میں ثابت ہوتا ہے امام شافعیؒ کے اس فتوے کا علماء اسلام میں سے کسی نے انکار نہیں کیا یہ اجماعی مسئلہ ہے اگرچہ بعض عجمی اسے نظر انداز کر رہے ہیں .

---

[1] مغنی مع الشرح الکبیر جلد ا صفحہ ۵۳ صرف خط کشیدہ عبارت حضرت امام شافعیؒ کی ہے جو ان کے علم اصول کے رسالے سے منقول ہے باقی کلام شارح کا ہے .

تجویدُ القرآن

الحمدللہ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ امابعد :

تجویدالقرآن کا معنی ہے قرآن کریم کو سنوار کر پڑھنا۔ اللہ تعالیٰ نے ابتداء وحی میں ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ہدایت دے دی تھی کہ قرآن کریم کو کھول کھول کر پڑھیں، اس کے حرف صاف صاف ادا ہوں۔ اس حکم میں یہ بتلانا تھا کہ قرآن کریم صرف ایک پیغام عمل نہیں یہ بار بار پڑھنے اور سنوار سنوار کر پڑھنے اور سمجھنے کی شئے ہے۔ اس کا مقصد بے شک عمل ہے مگر اس کا پڑھنا بھی ایک مستقل عبادت ہے اور یہ پڑھنا بے شک ایک کارِ ثواب ہے۔ سورۃ مزمل پہلے نازل ہونے والی سورتوں میں سے ہے۔ اس میں قرآن پاک ایک پیرایہ عبادت بھی ٹھہرایا گیا اور اسے کھول کھول کر پڑھنے کا حکم ہوا :-

ورتل القرآن ترتیلاً ۝ انا سنلقی علیک قولاً ثقیلاً ۝ (پ۲۹ المزمل ۴)

ترجمہ۔ اور آپ قرآن کو کھول کھول کر پڑھیں صاف صاف۔ ہم آپ پر ایک وزن دار بات ڈالنے والے ہیں۔

ابھی پورا قرآن نہ اُترا تھا۔ یہ جو فرمایا کہ آپ قرآن پاک کو صاف صاف پیرائے میں پڑھیں تو اس سے معلوم ہوا کہ قرآن پاک کی ہر آیت قرآن ہے اور جو احکام اور آداب پورے قرآن کے ہیں وہ ایک آیت کے بھی ہیں اور ایک آیت پڑھنا بھی قرآن پڑھنا ہے۔

ایک ایک حرف سمجھ میں آئے تو پڑھنے میں فہم و تدبر میں مدد ملتی ہے اور دل پر اثر ہوتا ہے ذوق و شوق اور بڑھتا ہے اور بات کتنی وزن دار کیوں نہ ہو وہ دل میں اُترتی ہے اور عمل کے قدم چلنے لگتے ہیں — آپ پر ایک وزن دار بات (وحیِ الٰہی) اُتاری جارہی تھی اس لیے حکم ہوا کہ اسے ترتیل سے پڑھیں اس سے وحیِ الٰہی کا تحمل آسان ہو جائے گا۔

اصولِ فقہ کی رو سے ترتیل واجب ہے امر اصلاً وجوب کے لیے ہوتا ہے صاحب نور الانوار لکھتے ہیں :-

علامہ جزری (۸۳۳ھ) لکھتے ہیں :-

الاخذ بالتجوید حتم لازم   من لم یجود القرآن آثم

ترجمہ. قرآن کریم کھول کھول کر پڑھنا لازمی طور پر ضروری ہے جو قرآن کریم کو تجوید سے نہ پڑھے وہ گنہگار ٹھہرے گا.[1]

صحابہ کرامؓ قرآن کریم کو صرف حکم و عمل کے لیے نہیں دیکھتے تھے وہ اسے صحیح پڑھنے پر بھی محنت کرتے تھے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ (۳۲ھ) کی منزلتِ علمی سے کون واقف نہیں آپ کے ایک شاگرد نے آپ کے سامنے یہ آیت پڑھی اور فقراء پر مد نہ کی :

انّما الصدقات للفقراء والمساکین والعاملین علیها۔ (پ۱۰ التوبہ ۶۰)

تو آپ نے اسے ٹوکا اور فرمایا :

آنحضرتؐ نے ہمیں اس طرح نہیں پڑھایا تھا.[2]

اس نے پوچھا تو پھر اسے کس طرح پڑھیں آپ نے پھر خود یہ آیت پڑھی اور للفقراء پر مد کی. آپ فرماتے ہیں :-

واللہ لقد اخذت من فی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بضعًا وسبعین سورۃ ولقد علم اصحاب النبیؐ انی من اعلمہم بکتاب اللہ وما انا بخیرہم.[3]

ترجمہ. میں نے خود حضورؐ کی زبان سے اسی کے قریب سورتیں سیکھی ہیں اور سب صحابہؓ جانتے ہیں کہ میں ان میں کتاب اللہ کو سب سے زیادہ جاننے والا ہوں گو میں سب سے افضل نہیں ہوں.

کوفہ کس قدر بڑا مرکزِ علم ہوگا جہاں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ ہر روز کتاب و سنّت کا درس دیتے تھے اس سے اس کی منزلتِ علمی کا اندازہ ہو سکتا ہے.

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی اس روایت سے معلوم ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم صحابہؓ

---

[1] تفسیرات احمدیہ صہ [2] رواہ الطبرانی [3] صحیح بخاری جلد ۲ صہ۷۴۸

کو شدّ و مد کی پوری وضاحت سے قرآن پڑھاتے تھے۔ سو تجوید کی ابتداء خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ہوئی ہے۔ حضرت علامہ نسفی (۷۰۰ھ) ورتّل القرآن کی تفسیر میں لکھتے ہیں:۔

(ورتّل القرآن) بيّن وفصّل من الثغر المرتّل اى المفلج الاسنان وكلام رتل بالتحريك اى مرتل وثغر رتل ايضاً اذا كان مستوى البنيان او اقراء على تؤدة بتبيين الحروف وحفظ الوقوف واشباع الحركات (ترتيلاً) وهو تاكيد فى ايجاب الامر وانه لابد به للقارئ[1]

ترجمہ۔ قرآن ترتیل سے پڑھیں واضح کرکے اور کھول کھول کر حروف اپنی حدود ترتیب سے نکلیں کھلے دانتوں سے کلام مرتل تب ہوگا کہ اپنے مخارج سے برابر ہوکر نکلے یا اس طرح پڑھے کہ ادائیگی میں تمام حروف واضح ہوکر ادا ہوں اور جہاں وقف کرنا ہے اس کا دھیان رہے اور جہاں حرکت ہے وہ کھل کر آئے۔ رتل کے بعد ترتیل کا لفظ تاکید کے لیے ہے کہ امر وجوب کے لیے ہے اور پڑھنے والے کے لیے ترتیل سے چارہ نہیں۔

حضرت قتادہؒ (۱۱۸ھ) کہتے ہیں میں نے حضرت انسؓ سے پوچھا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کس طرح قرأت کرتے تھے آپ نے بتایا آپ حروف کو کھینچ کر پڑھتے تھے۔ امام بخاریؒ نے صحیح میں ایک باب اس عنوان سے باندھا ہے:۔

باب مدّ القرأة حدثنا قتادة قال سألت انس بن مالكؓ عن قرأة النبى صلى الله عليه وسلم فقال كان يمدّ مدًّا۔[2]

آپ کی اس طرح پڑھنے سے آواز بہت خوبصورت اور پرسوز ہوجاتی تھی اور آپ کو اس میں لحن داؤدی کی لذت ملتی تھی۔ آپ نے ایک دفعہ حضرت ابوموسیٰ الاشعریؓ کو مخاطب کرکے فرمایا:

يا ابا موسىٰ لقد اوتيت مزماراً من مزامير آل داؤد[3]

ترجمہ۔ اے ابوموسے! تجھے آل داؤد کے مزامیر میں سے ایک ساز ملا ہے۔

---

[1] مدارک التنزیل جلد ۳ صفحہ ۱۸۸ [2] صحیح بخاری جلد ۲ صفحہ ۷۵۴ [3] ایضاً صفحہ ۵۵۵

حافظ ابن جوزی (۵۹۷ھ) لکھتے ہیں:۔

بے شک امت کا جس طرح اللہ کی کتاب قرآن مجید کے معانی سمجھنا اور اس کی حدود قائم رکھنا ایک عبادت ہے اسی طرح اس کے الفاظ کا خوب صحیح اور درست پڑھنا اور حروف کو اس طریق سے ٹھیک ادا کرنا بھی بہترین عبادت ہے جو قرأت کے اماموں سے منقول اور حضرت نبوی تک سلسلہ بہ سلسلہ متصل ہے — جو فصیح ترعربیت ہے اس کی نہ مخالفت جائز ہے نہ اس کو چھوڑ کر دوسری راہ اختیار کرنا جائز ہے۔ قرأت کے بارے میں بعض تو محسن (قابل ثواب) ہیں اور بعض خطاکار (گنہگار) اور بعضے معذور و ناچار ہیں[۱]

آنحضرتؐ کے قرآن میں سند یافتہ چار صحابہؓ

آنحضرتؐ نے اپنے پاس بیٹھنے والے اور حاضر باش صحابہؓ کے سامنے قرآن کریم برابر پڑھا آپ سب مومنین کے سامنے قرآن ایک جیسا پڑھنے کے مامور تھے۔ قرآن کریم میں اس کی شہادت یتلوا علیھم اٰیاتہ کے الفاظ میں موجود ہے۔ یعلمھم الکتاب والحکمۃ کے الفاظ میں تعلیم قرآن بھی آپ کی ذمہ داری میں دی گئی تھی۔ پھر آپ نے جن کو قرآن کریم پڑھایا ان میں صف اول کے ان چار بزرگوں کو سند ملی۔ آپ نے فرمایا:۔

خذوا القراٰن من اربعۃ من عبد اللہ بن مسعودؓ و سالمؓ و معاذؓ و ابی ابن کعبؓ۔[۲]

ترجمہ۔ تم قرآن ان چار شخصوں سے لو۔ عبداللہ بن مسعودؓ سے، حضرت سالمؓ سے، حضرت معاذؓ سے اور حضرت ابی بن کعبؓ سے۔

ان چار میں بھی محل الفضلا دار العلم کوفہ کے صدر نشین حضرت عبداللہ بن مسعودؓ پہلے نمبر پر رہے حضورؐ نے فرمایا:۔

من اراد ان یقرأ القرآن غضاً کما انزل فلیقرأ علی قرأۃ ابن ام عبد۔[۳]

---

[۱] منقول از مجالس الابرار ص۲۴۰ [۲] صحیح بخاری جلد ۲ ص۷۴۸ [۳] الاستیعاب جلد ۲ ص۳۱۹ عن عبداللہ بن عمر مرفوعاً

ترجمہ: سو جو چاہے کہ قرآن کریم کو اس طرح پڑھے جیسے یہ نازل کیا گیا تو اسے چاہیئے کہ عبداللہ بن مسعودؓ کے مطابق پڑھے

سو جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی صحابہ کرامؓ کو ترتیل سے قرآن پڑھنے کی تعلیم دیتے تو معلوم ہوا کہ قرآن کریم کا صحیح پڑھنا اہم الواجبات میں سے ہے اور جو قرآن کریم کو قواعد کے مطابق صحیح نہ پڑھے وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں گنہگار لکھا گیا ہے۔

ترتیل کے لغوی اور شرعی معنی

حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ (۱۲۳۹ھ) فرماتے ہیں:۔

لغت کی رو سے ترتیل کے معنی واضح اور صاف پڑھنے کے ہیں اور شریعت میں ترتیل قرآن پڑھنے میں سات چیزوں کی رعایت رکھنے کا نام ہے وہ سات امور یہ ہیں:۔

① ہر حرف کو اس کے صحیح مخرج سے اس کی صفات سمیت ادا کیا جائے۔

② ہر حرف کی آواز اس سے ملتے جلتے دوسرے حرف سے جدا ہو۔

③ زبر، زیر، پیش کو اس طرح صاف پڑھے کہ ایک دوسرے کا وہم نہ ہو۔

④ آواز اتنی ضرور نکلے کہ خود پڑھنے والے کے کان اُسے ضرور سن سکیں۔

⑤ آواز اس طرح نکالنا کہ اس میں عاجزی اور دردمندی پائی جائے۔

⑥ تشدید و تمدید (شدّ اور مدّ) کا پورا دھیان رہے اور اس پر عمل ہو۔

⑦ خوف کا مضمون آجائے تو پڑھنے والا ذرا ٹھہر جائے اور خدا سے پناہ چاہے۔

ان سات امور کو ادا کرنے اور ان کا دھیان رکھنے سے ترتیل کے اصولی آداب سب عمل میں آگئے۔ یہ سات امور ہم نے اپنی عبارات میں پیش کیے ہیں تاکہ طلبہ کو یاد کرنے میں آسانی رہے۔ حضرت شاہ صاحبؒ کی اپنی عبارت اردو ترجمہ میں حسب ذیل ملاحظہ کیجیئے:۔

۱۔ پہلے حرفوں کو صحیح نکالنا ـ یعنی اپنے مخرج سے نکالنا تاکہ طاء کی جگہ تاء اور ضاد کی جگہ ظاء نہ نکلے۔ ۲۔ دوسرے وقوف (وقف کرنا) کی جگہ پر اچھی طرح ٹھہرنا تاکہ وصل

اور قطع کلام بے موقع نہ ہونے پائے اور کلام کی صورت مبتدل نہ ہو جائے ۔ ۳۔ تیسرے حرکتوں میں اشباع کرنا یعنی زیر زبر پیش کو آپس میں امتیاز دینا تاکہ ایک دوسرے سے ملنے اور مشتبہ ہونے نہ پائے

چوتھے آواز کو تھوڑا سا بلند کرنا تاکہ قرآن شریف کے الفاظ زبان سے کان تک پہنچیں اور وہاں سے دل پر اور دل میں کوئی کیفیت پیدا کریں۔ جیسے ذوق اور شوق اور خوف اور دہشت۔ اس واسطے کہ قرآن شریف کے پڑھنے سے یہی چیزیں مطلوب ہیں۔ پانچویں اپنی آواز کو اچھا کرنا اس طور سے کہ اس میں دردمندی پائی جاوے تاکہ دل پر جلدی تاثیر کرے اور مطلب حاصل ہووے اس واسطے کہ جو مضمون خوش آوازی سے دل تک پہنچتا ہے تو اس سے روح کو لذت ہوتی ہے اور قوی بھی اس کو جلد جذب کر لیتے ہیں اور اس سبب سے روح پر اس کی تاثیر بھی ہوتی ہے۔ اسی واسطے اطباء نے کہا ہے کہ جب کسی دوا کی کیفیت دل کو پہنچانا منظور ہو تو اس دوا کو خوشبو میں ملا کر دیا جائے اس واسطے کہ دل خوشبو کا جاذب ہے یعنی کھینچنے والا تو اس خوشبو کے ساتھ اس دوا کو بھی جلدی کھینچ لے گا اور اسی طرح جس دوا کی کیفیت جگر یعنی کلیجے کو پہنچانا منظور ہو تو اس کو مٹھائی میں ملا کر دیا جائے۔ اس واسطے کہ جگر مٹھائی کا عاشق ہے تو وہ بھی اس کو کھینچ لے گا۔ چھٹے تشدید اور مد کا جس جگہ پر پہنچیں وہاں لحاظ رکھنا اس واسطے کہ شد اور مد کی رعایت کے سبب سے کلام الٰہی میں عظمت اور بزرگی نمودار ہوتی ہے اور تاثیر میں بھی مدد کرتا ہے۔ ساتویں اگر قرآن شریف میں کوئی خوف کا مضمون سنے تو وہاں تھوڑا ٹھہر جاوے اور حق تعالیٰ سے پناہ طلب کرے[1]

---

[1] تفسیر عزیزی پ ۲۹ ص ۳۱۱ اردو ترجمہ

قرآن کریم خوش الحانی سے پڑھنا مسنون ہے

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جس حُسنِ صَوت سے قرآن کریم پڑھتے تھے اُسے حضرت براءؓ سے سُنیں:۔

(۱) حضرت براء بن عازبؓ (۲، ھ) کہتے ہیں میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عشاء کی نماز میں والتّین والزّیتون سُنی میں نے ایسا حسنِ صوت کہیں نہیں سُنا:۔

قرأ فی العشاء والتین والزیتون فما سمعت احدًا احسن صوتًا منہ۔[۱]

حضرت ام سلمہؓ سے حضورؐ کی قرأت کے متعلق پوچھا گیا آپ نے کہا آپؐ ایک ایک حرف کھول کر پڑھتے تھے۔[۲]

(۲) حضرت حذیفہؓ کی روایت ہے حضورؐ نے فرمایا:۔

اقرؤا القران بلحون العرب واصواتھا وایاکم ولحون اھل العشق و اھل الکتاب۔[۳]

ترجمہ: قرآن کو عرب کے لہجوں اور آواز میں پڑھو اور اہلِ عشق کے لہجوں سے بچو اور یہود و نصاریٰ کی لے سے بچو۔

بغوی نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا یہ قول بھی نقل کیا ہے۔ آپ نے فرمایا:۔

لا تنثروہ نثر الدقل ولا تھذوہ کھذ الشعر۔ قفوا عند عجائبہ و حرکوا بہ القلوب ولا یکن ھم احدکم اخر السورۃ۔[۴]

ترجمہ: قرآن کو نہ بکھیرو۔ نہ اسے شعروں کی طرح کھینچو۔ اس کے عجائب پر ٹھہراؤ کرو۔ اور اس سے دلوں کو حرکت دو اور سورت کو آخر تک ختم کرنا ہی تمہارا مقصد نہ ہو۔

(۳) حضرت علی المرتضیٰؓ فرماتے ہیں۔ ورتل القران ترتیلا میں ترتیل سے مراد حروف کی تجوید، ان کی عمدہ ادائیگی اور اس کے اوقاف کا پورا علم رکھنا ہے۔

(۴) حضرت ابن عباسؓ بھی ترتیل کا یہی معنی کرتے تھے کہ حروف کو کھول کھول کر پڑھو۔

---

[۱] صحیح مسلم جلد ۱ ص ۱۸۷ [۲] رواہ الترمذی و ابوداؤد والنسائی۔ مظہری جلد ۱۲ ص ۔ [۳] رواہ البیہقی فی شعب الایمان [۴] مظہری جلد ۱۲ ص ۱۵۵ تفسیر عزیزی پ ۲۹ ص ۲۱۳

امام تفسیر حضرت حسن بصریؒ سے بھی یہی منقول ہے۔ حضرت مجاہد (۱۰۰ھ) کہتے ہیں ایسی ترتیل کہ اس میں ارسال ہو۔

حضرت عبید الملیکی کہتے ہیں آنحضرتؐ نے فرمایا :-

یا اهل القرآن لا تتوسدوا القرآن واتلوه حق تلاوته من آناء اللیل و النهار وافشوه وتغنوه وتدبروا ما فیه لعلکم تفلحون ولا تعجلوا ثوابه فان له ثوابا۔[1]

ترجمہ۔ اے قرآن والو قرآن کو سرہانہ نہ بناؤ اس کی تلاوت رات دن جیسا کہ حق ہے کرو۔ قرآن کو پھیلاؤ اور اسے خوش آوازی سے پڑھو۔ اس پر غور کرو۔ جلدی جلدی نہ کرو۔ اس کی تلاوت ثواب ہے۔

تجویدِ قرآن ایک باقاعدہ فن کی صُورت میں

قرآن کریم کی ہدایت ورتل القرآن ترتیلاً شروع سے چلی آ رہی تھی اس پر پہلے عمل کرنے والے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تھے۔ آپ جس اچھی آواز سے قرآن پڑھتے اس کی مثال نہ تھی۔ آپؐ کے بعد دس صحابہ کرامؓ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ، حضرت عثمان غنیؓ، حضرت ابی بن کعبؓ، حضرت علی المرتضیٰؓ، حضرت زید بن ثابتؓ، حضرت عبداللہ بن عباسؓ، حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ، حضرت معاذ بن جبلؓ، حضرت انس بن مالکؓ اور حضرت سالم مولیٰ ابی حذیفہؓ قرآن کریم کو کھول کھول کر پڑھتے اور حروف کا پورا پورا حق ادا کرنے میں ممتاز تھے۔ انہی میں وہ چار حضرات ہیں جن کا نام لے کر آپ نے اپنی امت سے کہا کہ قرآن ان سے سیکھو۔ ان میں آپ نے پہلے نمبر پر حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا نام رکھا۔ ان کی مسندِ علمی کوفہ تھی اسی مسند کے جانشین امام ابوحنیفہؒ ہوئے۔

اس صورتِ حال سے پتہ چلتا ہے کہ قرآن کریم کو پوری عمدگی اور تجوید حروف سے پڑھنا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہؓ سے شروع ہو چکا تھا۔ آگے چل کر اسی نے ایک فن کی شکل اختیار کی۔ پھر امت میں محسنین (اچھی طرح پڑھنے والے) بھی تھے۔ خطا کار بھی تھے اور

---

[1] رواہ البیہقی مظہری جلد ۱۲ صہ ۱۵۶

معذور و ناچار بھی تھے۔

حافظ ابن جوزی (۵۹۷ھ) کی یہ عبارت آپ دیکھ آئے ہیں:۔

بے شک امت کا جس طرح اللہ کی کتاب قرآن مجید کے معانی سمجھنا اور اس کی حدود قائم رکھنا ایک عبادت ہے اسی طرح اس کے الفاظ کا خوب صحیح اور درست پڑھنا اور حروف کو اسی طریق سے ٹھیک ادا کرنا بھی بہترین عبادت ہے جو قرأت کے اماموں سے منقول اور حضرت نبوی تک سلسلہ بہ سلسلہ متصل ہے جو فصیح تر عربیت ہے جس کی نہ مخالفت جائز ہے اور نہ اس کو چھوڑ کر دوسرا امر اختیار کرنا جائز ہے۔ قرأت کے بارے میں بعض محسن ہیں (قابل ثواب) اور بعض خطاکار (گنہگار) اور بعضے معذور و ناچار ہیں[1]

تجوید کے پہلے ائمہ فن

جس طرح ائمہ مجتہدین حضرت امام ابوحنیفہؒ، امام مالکؒ، امام سفیان الثوریؒ، امام اوزاعیؒ، امام ابویوسفؒ، امام محمدؒ، امام شافعیؒ، امام اسحٰقؒ اور امام احمدؒ استنباط احکام اور استخراج مسائل میں امت کے امام ٹھہرے اور لوگ عملی فقہ میں ان کے پیچھے چلے ہیں۔

فن قرأت میں حضرت عاصمؒ (۱۲۷ھ) حضرت حمزہؒ (۱۵۶ھ) امام کسائیؒ (۱۸۹ھ) ابن کثیر مکیؒ (۱۲۰ھ) نافعؒ (۱۶۹ھ) ابوعمرو بصریؒ (۱۵۴ھ) اور ابن عامر شامیؒ (۱۱۸ھ) اس فن کے امام قرار پائے۔ ان میں پہلے تین عاصمؒ، حمزہؒ اور کسائی کوفہ میں ہوئے ــــ ابن کثیرؒ مکہ میں ــــ نافعؒ مدینہ میں ــــ ابوعمروؒ بصرہ میں اور ابن عامر شام میں اس فن کا مرجع بنے۔

کوفہ میں اس فن پر زیادہ توجہ رہی۔ اولاً اس لیے کہ وہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اور حضرت علی المرتضیٰؓ کا علمی مرکز تھا۔ ثانیاً یہ حضرت امام ابوحنیفہؒ اور حضرت امام سفیان ثوریؒ جیسے جبال علم کا مسکن تھا۔ ثالثاً یہ شہر نو آبادیات میں سے تھا۔ یہاں مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد تھی اسے حضرت عمرؓ نے وہاں چنے ہوئے اور سمجھ دار لوگ آباد کر کے بسایا تھا اور ظاہر ہے کہ نو آبادیات (سٹیلائٹ ٹاؤن

---

[1] مجالس الابرار ص ۳۴

اور ماڈل ٹاؤن وغیرہ) میں عام طور پر اونچی سوسائٹی کے لوگ ہی زیادہ آباد ہوتے ہیں۔ امام نوویؒ (۶۷۶ھ) کوفہ کے بارے میں لکھتے ہیں :۔

دار الفضل و محل الفضلاء بناها عمر بن الخطاب۔[1]

ترجمہ: کوفہ علم و فضل کا گھر اور فاضلوں کی ایک چھاؤنی تھا اسے حضرت عمرؓ نے بسایا تھا۔

آپ نے یہاں عرب کے ذہین ترین لوگ بسائے تھے اور ان کے لیے وہاں حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ جیسے مرجع علم بزرگ کا انتخاب کیا تھا۔

ان سات قراء کرام کے علاوہ یعقوب بن اسحق حضرمی بصری (۲۰۵ھ) جعفر یزید قعقاع مدنیؒ (ھ) اور خلف بن ہشام کوفی (۲۲۹ھ) بھی اس فن کے امام ہیں۔ قرأت کے یہ کل دس امام ہوئے آج قاریوں کی سند قرأت عشرہ انہی حضرات تک پہنچتی ہے۔

دوسرے دور کے قراء کرام

امام عاصم کوفی سے پہلے راوی شعبہ اور دوسرے امام حفص ہیں امام حمزہ کے پہلے راوی خلف اور دوسرے خلاد ہیں۔ امام کسائی سے اسے روایت کرنے والے اول ابو الحارث اور دوسرے شیخ دوری ہیں۔ ابن کثیر مکی کے پہلے راوی بزی اور دوسرے قنبل ہیں۔ امام نافع سے اسے قالون اور ورش نے لیا اور ابو عمر بصری سے اسے شیخ دوری اور شیخ سوسی نے لیا۔۔۔ ابن عامر شامی کے پہلے راوی ہشام اور دوسرے ابن ذکوان تھے۔

نوٹ: ہندوستان، پاکستان، افغانستان اور ترکی میں اس فن میں امام حفص کی سند چلتی ہے اساتذہ فن زیادہ اسی روایت کے ہوئے ہیں۔ آپ کے استاد امام عاصم کوفی تابعی ہیں اور انہوں نے حضرت عبد الرحمٰن بن عوفؓ، حضرت زر بن حبیشؒ اسدی اور عبد اللہ بن حبیب سلمیؓ سے پڑھا اور ان حضرات نے حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ، حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ، حضرت زید بن ثابتؓ اور حضرت ابی بن کعبؓ سے قرآن کی سند لی۔۔۔ اور ان سب نے حضرت خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم سے قرآن پڑھا تھا۔

---

[1] شرح مسلم جلد ۱ صفحہ ۱۸۵

قاری حمزہ سے قرأت سیکھنے والوں میں علامہ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں ان حضرات کا خاص طور پر ذکر کیا ہے۔

① ابو عبدالرحمٰن محمد بن فضیل الکوفی (۱۹۵ھ)

② ابو اسحٰق بن یوسف واسطی (۱۹۵ھ)

③ ابو محمد بن عبیداللہ بن موسےٰ الکوفی (۲۱۳ھ)

④ ابو عبدالرحمن عبداللہ بن یزید (۲۱۳ھ)

ابو عبدالرحمٰن عبداللہ بن یزید بہت بڑے مقری تھے آپ نے یہ فن قاری نافع سے بھی سیکھا تھا۔ ابو اسحٰق اسماعیل بن ابن کثیر المدنی (۱۸۰ھ) نے امام کسائی سے تجوید و قرأت کی تعلیم حاصل کی تھی یہ حضرات صرف قاری نہ تھے حفاظ حدیث میں سے بھی تھے۔ ابو اسماعیل حماد بن زید بصری (۱۷۹ھ) سے کون واقف نہیں آپ بلند پایہ قاری بھی تھے اور ممتاز حافظ حدیث تھے۔

تیسری صدی کے مشہور قراء کرام

ابو عبید قاسم بن سلام البغدادی (۲۲۴ھ) امام لغت ہیں مگر آپ علم تجوید و قرأت کے بھی امام تھے آپ نے کتاب القرآات لکھی یہ سبعہ قرأت سمیت ۲۵ قرأتوں پر مشتمل ہے قرآات سبعہ میں سے ہیں۔ ابن عامر کی قرأت، حمزہ کی قرأت اور کسائی کی قرأت اس میں موجود نہیں۔ ایک کتاب القرآات احمد بن جبیر بن محمد الکوفی نزیل انطاکیہ (۲۵۸ھ) کی ہے۔ آداب القرأت کے مصنف ابن قتیبہ (۲۷۶ھ) ہیں۔ ہشام بن عبدالملک (۲۵۱ھ) بھی اونچا محدث اور ممتاز قاری تھا۔

① ابو یعقوب اسحٰق بن بہول التنوخی الانباری (۲۵۲ھ)

② ابو عبداللہ احمد بن ابراہیم الدورقی البغدادی (۲۴۲ھ)

③ ابو زکریا یحیٰ بن عبدالحمید الحمانی الکوفی (۲۲۸ھ)

④ ابو اسحٰق اسماعیل قاضی الازدی (۲۸۲ھ)

⑤ ابوالفضل احمد بن نصر البصری (۲۹۰ھ)۔

یہ حضرات اپنے وقت کے مشہور مفسرین کرام اور علم تجوید کے ماہرین تھے[1]

[1] دیکھئے تذکرۃ الحفاظ جلد ۱ صفحہ ۲۴۴ صفحہ ۴۵۵

چوتھی صدی کے مشہور قراء کرام

① ابوجعفر محمد بن جریر الطبری (۳۱۰ھ)

② ابوحفص عمر بن سہل دینوری (۳۳۰ھ)

③ ابوالحسین احمد بن جعفر البغدادی (۳۳۶ھ)

④ ابواحمد محمد بن احمد غسال (۳۴۹ھ)

⑤ ابوبکر محمد بن حسن النقاش (۳۵۱ھ)
آپ علل القراآت اور کتاب السبعہ کے مؤلف ہیں۔

⑥ ابوالحسین محمد بن محمد نیشاپوری (۳۶۸ھ)

⑦ ابوعبداللہ محمد بن عبدالرحمٰن اصفہانی (۳۶۹ھ)

⑧ امام حدیث ابوالحسن علی بن عمر الدارقطنی (۳۸۵ھ)

⑨ ابوالفرج معافی بن زکریا النہروانی (۳۹۰ھ)

⑩ امام ابوبکر بن مجاہد (ھ) مؤلف کتاب السبعہ
یہ پہلی کتاب ہے جس میں صرف قراآتِ سبعہ کی بحث کی گئی ہے آپ ان میں امام نافع کو سب سے پہلے لائے ہیں۔

ابن خالویہ حسین بن عبداللہ نحوی (۳۷۰ھ) نے کتاب السبعہ کی نہایت عمدہ شرح لکھی اور اس فن پر ایک مستقل کتاب کتاب القراآت بھی قلمبند کی۔

ابن حداد القیروانی (۴۰۰ھ) کی کتاب توضیح المشکل بھی اسی صدی کی ہے۔ مشہور محدث حاکم نیشاپوری (۴۰۵ھ) اور ابوعلی حسین بن احمد شیرازی (۴۰۵ھ) بھی اسی دور کے قراء کرام تھے۔

پانچویں صدی کے مشہور قراء کرام

① ابومحمد عطیہ بن سعید الاندلسی (۴۰۸ھ)

② ابوالفتح محمد بن احمد البغدادی (۴۱۲ھ)

③ ابوالفضل محمد بن جعفر خزاعی (۴۰۸ھ)
آپ کی کتاب المنتہیٰ فی العشر دس قرأتوں پر مشتمل ہے۔

④ ابوعبداللہ محمد بن سفیان القیروانی مالکی (۴۱۵ھ)
آپ نے الہادی فی السبعہ سات قراءتوں پر لکھی۔

⑤ ابوعمر احمد بن محمد المقری الأندلسی (۴۲۹ھ)

⑥ ابوالعباس احمد بن ابی العباس (۴۳۰ھ)
کتاب الہدایہ فی السبعہ اور التیسیر آپ کی تالیف ہیں۔

⑦ ابوالحسن علی بن حسن میمون الدمشقی (۴۳۶ھ)

⑧ حافظ ابوعمرو عثمان بن سعید الاموی الدانی الاندلسی (۴۴۴ھ)
صاحب طبقات القراء اور صاحب التیسیر شرح کتاب السبعہ

⑨ ابوعمر عثمان بن سعید القرطبی (۴۴۴ھ)

⑩ ابوعمرو یوسف بن عبداللہ بن محمد النمری المالکی (۴۶۳ھ)
تالیفات میں المدخل فی القرآت اور الاکتفاء بہت مشہور ہیں۔

⑪ ابوطاہر احمد بن علی بن عبیداللہ (۴۹۶ھ)
آپ نے المستنیر فی العشرہ میں ۱۵۶ روایات وطرق کو جمع کیا ہے۔

چھٹی صدی کے مشہور قراء کرام

① ابوعلی حسین بن محمد الاندلسی (۵۱۴ھ)

② ابوالعلاء حسن بن احمد ہمدانی (۵۶۹ھ)
یہ قرأت اور علوم قرآن میں امامت کا درجہ رکھتے تھے۔ آپ نے قراآت عشرہ پہ ایک کتاب لکھی، ایک کتاب علم تجوید اور معرفت قراء پر دس جلدوں میں لکھی۔

③ ابوالعز محمد بن حسن بندار قلانسی واسطی (۵۲۱ھ)
آپ نے ارشاد المبتدی اور کفایہ کبریٰ اس فن میں لکھیں۔

④ ابوجعفر بن علی بن احمد غرناطی الاندلسی (۵۴۰ھ)
آپ نے الاقناع اور الغایہ سبعہ میں لکھیں۔
⑤ ابوالکرم مبارک بن حسن شہرزوری البغدادی (۵۵۰ھ)
مؤلف المصباح الزاہر فی العشرۃ المتواترہ
⑥ شیخ القراء والمحدثین حافظ مشرق ابوالعلاء حسن بن احمد ہمدانی (۵۶۹ھ)
مؤلف غایۃ الاختصار فی العشرہ۔ مفردہ یعقوب۔
⑦ ابوالقاسم غلف بن احمد الشاطبی الاندلسی (۵۹۰ھ)
آپ نے ۱۱۷۳ اشعار میں شاطبیہ نظم میں لکھی۔
⑧ علامہ راغب اصفہانی (۵۰۲ھ)
⑨ نورالدین ابوالحسن الباقولی (۵۴۳ھ)
⑩ علامہ ابوالفرج عبدالرحمٰن بن علی بن جوزی (۵۹۷ھ)

ساتویں صدی کے مشہور قراء کرام

① ابوالقاسم عیسٰی بن عبدالعزیز اسکندری (۶۲۹ھ)
② شارحِ شاطبیہ علم الدین ابوالحسن علی بن محمد سخاوی (۶۴۳ھ)
③ سیف المناظرین علم الدین ابومحمد قاسم بن احمد الأندلسی (۶۶۱ھ)
④ ابوالقاسم عبدالرحمٰن بن اسمٰعیل ابوشامہ (۶۶۵ھ)
⑤ ابوالعباس احمد بن علی اندلسی (۶۴۰ھ)
⑥ عمادالدین ابوالحسن علی بن یعقوب موصلی (۶۸۲ھ)
⑦ عبدالظاہر بن نشوان ردمی (۶۹۹ھ)
⑧ موفق الدین ابوالعباس احمد بن یوسف کواشی موصلی (۶۸۰ھ)
⑨ تقی الدین یعقوب بن بدران جرائدی (۶۸۸ھ)

آٹھویں صدی کے نامور قراء کرام

① برہان الدین ابو اسحٰق ابراہیم بن عمر جعبیری (۷۳۲ھ)

علامہ ابو شامہ کے استاد تھے احکام الھمزہ، الشرعۃ فی السبعہ، نزہۃ البررہ فی العشرہ، نہج الاباثہ فی الثلثۃ انہی کی تصنیفات ہیں۔ شاطبیہ کی بہترین شرح آپ کی سمجھی جاتی تھی یہ ۶۹۱ھ میں لکھی گئی تھی۔

② شرف الدین ابو القاسم ہبۃ اللہ الشافعی (۷۳۸ھ)

امام ابو المعالی آپ کے شاگرد تھے۔

③ شیخ النحاۃ والمحدثین ابو عبداللہ محمد بن یوسف بن علی الاندلسی (۷۴۵ھ)

صاحب عقد اللالی فی السبع العوالی۔

④ سیف الدین ابو بکر عبداللہ شمسی (۷۶۵ھ)

اس صدی میں پچاس سے زیادہ کتابیں اس فن پر لکھی گئیں جن کے نام عنایاتِ رحمانی کے مقدمہ میں دیئے گئے ہیں۔

علمِ قرأت تاریخ میں ہر دور میں مسلسل رہا ہے

یہ آٹھ صدیوں کا تاریخی تسلسل ہم نے آپ کے سامنے پیش کر دیا ہے۔ ان قراء کرام میں آپ کو بڑے بڑے محدثین بھی ملیں گے۔ اگلی صدیوں میں بھی اس فن کا یہی تسلسل رہا ہے۔

نویں صدی کے مشہور محدث علامہ سیوطی (۹۱۱ھ)

دسویں صدی کے شارحِ بخاری علامہ قسطلانی (۹۲۳ھ)

یہ حضرات اس فن کے بھی امام تھے اور دسویں صدی کے مجدد ملا علی قاری (۱۰۱۴ھ) تو علمی دنیا میں معروف ہی قاری کے نام سے ہوئے۔ آپ کی شاطبیہ کی شرح اور مقدمہ جزری کی شرح اس فن کی عظیم یادگار ہیں۔

چودھویں صدی میں ہندوستان میں بھی اس فن نے نکھار پایا اور اس فن کی کتابیں اردو میں لکھی جانے لگیں۔ چودھویں صدی کے مجدد حضرت مولانا اشرف علی تھانوی (۱۳۶۲ھ) ہوئے ہیں،

آپ نے اس فن میں اپنا حصہ ڈالا اور تنشیط الطبع اردو تالیف فرمائی. اس میں آپ نے قراآت سبعہ میں سے ہر ہر روایت کے قواعد بتا کر پاؤ سیپارہ میں قراآت کو جمعاً پڑھنے کی ترکیب بتائی ہے.

اس دور کے امام فن مولانا قاری عبدالرحمٰن (۱۳۴۹ھ) ہیں. دیوبند کے قاری عبدالوحید صاحب الٰہ آباد کے قاری ضیاء الدین (۱۳۷۱ھ) قاری عبداللہ صاحب گنگوہی ثم مرادآبادی (۱۳۶۵ھ) سب ان کے شاگرد ہوئے ہیں.

یہ سب حضرات جو اس فن کے اپنے اپنے دور اور اپنے اپنے حلقے میں امین رہے. ان کی خدماتِ قرآن ہماری تاریخ کا عظیم سرمایہ ہیں. اور یہ حضرات واقعی اس فن کے امام گزرے ہیں. امام ملا علی قاری (۱۰۱۴ھ) نے اس فن کے امام جعبری (۷۳۲ھ) سے نقل کیا ہے کہ اس فن میں امام وہ ہے جس میں یہ صفات پائی گئیں :-

(۱) کلام مجید نہایت پختہ یاد ہو.
(۲) ہمیشہ اس کے پڑھانے میں مشغول رہے.
(۳) الفاظ کی تجوید میں پورا ماہر ہو.
(۴) تجوید کی ابتدائی اور انتہائی منزلوں سے واقف ہو.
(۵) قراآت اور روایات بھی ضبط ہوں.
(۶) نحوی اور لغوی تراکیب میں بھی ماہر ہو.
(۷) علم اشتقاق اور علم صرف سے واقف ہو.
(۸) ناسخ اور منسوخ کی پہچان راسخ ہو.
(۹) تفسیر اور تاویل میں ملکہ رکھتا ہو.
(۱۰) مسائل صرف و نحو کے قواعد سے نہ نکالتا ہو.
(۱۱) صاحب وقار اور مستقل مزاج ہو.
(۱۲) حیا اور عدل کی صفات رکھتا ہو.
(۱۳) پرہیز اور متقی ہو.
(۱۴) حق تعالیٰ کے مقربین میں سے ہو.

حضرت مولانا قاری فتح محمد صاحبؒ لکھتے ہیں کہ قراء سبعہ میں واقعی یہ تمام صفات موجود تھیں۔[1]
یہ وہ صفاتِ کریمہ ہیں جن کی وجہ سے یہ حضرات باتفاقِ امت اس فن کے امام مانے
گئے ہیں۔

علمائے ہند کی فن قرأت اور تجوید کی خدمات

یوں تو ہندوستان میں لاتعداد قراء کرام نے بصدق دل اور خلوص تام اس فن کی خدمت کی۔
تاہم ایک تسلسل ظاہر کرنے کے لیے ہم یہ چند نام ہدیہ قارئین کر رہے ہیں۔

(۱) الدرۃ الفریدہ
شیخ عبدالحق محدث دہلوی۔

(۲) فیوضِ رحمانی
قاری عبدالرحمٰن صاحب پانی پتی

(۳) ہدایۃ القراء
مولانا قاری حافظ ہادی حسن (بھوپال)

(۴) شرح سبعہ
امام القراء ابو محمد محی الاسلام (پانی پت)

(۵) شرح شاطبیہ
قاری محمد سلیمان دیوبندی (مظاہر العلوم)

(۶) افضل الدر اور فوائد مکیہ
مولانا قاری عبدالرحمٰن مکی الٰہ آبادی (کانپور)

(۷) شرح جزری
مولانا شاہ کرامت علی جونپوری (بنگال)

(۸) تیسیر التجوید

---

[1] دیکھئے عنایات رحمانی جلد اص ۲۱ مقدمہ

(۹) مولانا قاری عبدالوحید صدر مدرس شعبہ قرأت دیوبند

(۱۰)

پاکستان میں فن قرأت اور تجوید کی خدمات

ہندوستان میں الہ آباد اور پانی پت فن قرأت کے دو علمی مرکز سمجھے جاتے تھے۔ الہ آباد کے قاری محمد عبداللہ صاحب ۱۸۵۷ء کے معرکہ کی ناکامی کے بعد مکہ ہجرت کر گئے تھے۔ وہاں آپ نے مکہ کے مرکزی قراء سے (جیسے شیخ محمد متولی الشیخ ابراہیم وغیرہ) مزید مشق کی اور اپنے فن کو خوب نکھارا قاری عبدالرحمٰن صاحب فوائد مکیہ آپ کے چھوٹے بھائی تھے۔ قاری عبدالخالق اور قاری عبدالمالک بھی آپ کے بھائی اور شاگرد تھے۔ ان حضرات کا مرکز علم وقرأت الہ آباد تھا۔ قاری عبدالرحمٰن صاحب نے مکہ سے لوٹنے کے بعد اسی جگہ کو اپنا مرکز بنایا۔ آپ کے شاگردانِ گرامی میں قاری عبدالوحید صاحب (دیوبند) قاری حفظ الرحمٰن صاحب (دیوبند) قاری عبدالمالک صاحب (کراچی) قاری محب الدین صاحب (بنگال) قاری سراج احمد صاحب (لاہور) اور قاری محمد صدیق صاحب اور متعدد دوسرے قاری صاحبان ہوئے۔ پانی پت میں مولانا قاری ابو محمد محی الاسلام عثمانی (۱۳۷۲ھ) مرکزی استاد تھے۔ آپ پندرہ واسطوں سے مخدوم جلال الدین کبیرالاولیاء کی اولاد میں سے تھے۔ آپ کے استاد قاری عبدالرحمٰن توکلی اور حافظ محمد یعقوب تھے اور یہ حضرات بہ توسط قاری عبدالرحمٰن محدث انصاری حضرت شاہ محمد اسحٰق محدث دہلوی کے شاگرد ہیں۔

پاکستان میں زیادہ تر انہی دو سلسلوں کے قراء کرام ہیں۔ قاری عبدالمالک صاحب کے شاگرد اور پانی پت کے قاری محی الاسلام کے شاگرد۔

(۱) قاری عبدالمالک صاحب پاکستان آکر مرکز علم دارالعلوم الاسلامیہ ٹنڈو الٰہ یار کے سبعہ قرأت کے صدر مدرس بنے۔ پھر آپ لاہور تشریف لے آئے اور لٹن روڈ پر اپنا مدرسہ ترتیل القرآن قائم کیا۔ قاری محی الاسلام بھی ۱۳۶۶ھ میں پاکستان چلے آئے۔

(۲) قاری محی الاسلام عثمانی (۱۳۷۲ھ) کے شاگردوں میں قاری فتح محمد صاحب مہاجر مکی (۱۴۰۷ھ) اور ان کے شاگردوں میں قاری رحیم بخش صاحب (۱۴۰۲ھ) صدر مدرس شعبہ قرأت جامعہ خیرالمدارس ملتان

پانی پتی سلسلہ کے قاریوں کے اُستاد ہیں ان کے ان شاگردوں سے رحیمی طرز ایک اصطلاح بنی ہوئی ہے۔

(۱) قاری محمد طاہر رحیمی صاحب مدینہ منورہ
(۲) قاری محمد عبداللہ مرحوم جامعہ انوریہ جامع مسجد نُور ساہیوال
(۳) قاری عبیداللہ مرحوم خیرالمدارس ملتان
(۴) قاری محمد یسین صاحب فیصل آباد
(۵) قاری نصراللہ صاحب فیصل آباد
(۶) قاری اہل اللہ صاحب فیصل آباد
(۷) قاری حبیب الرحمٰن صاحب دارالعلوم کبیر والہ

قاری عبدالمالک صاحب کے مشہور شاگردانِ گرامی

(۱) حضرت مولانا قاری اظہار احمد صاحب تھانوی پروفیسر جامعہ اسلامیہ اسلام آباد
(۲) قاری سید حسن شاہ صاحب بخاری (مانسہرہ) استاد تجوید القرآن موتی بازار رنگ محل لاہور
(۳) قاری خدا بخش صاحب
(۴) قاری عبدالرحمٰن صاحب ڈیروی مدرس دارالعلوم الاسلامیہ پُرانی انار کلی لاہور
(۵) قاری عطاء اللہ صاحب استاذ و بانی مدرسہ ترتیل القرآن لٹن روڈ لاہور
(۶) قاری حفظ الرحمٰن صاحب (دیوبند) استاد قاری عبدالعزیز شوقی
(۷) قاری محمد شاکر صاحب فرزند حضرت قاری عبدالمالک صاحب
(۸) قاری محمد افضل صاحب (تلہ گنگ) استاذ تجوید مدرسہ تعلیم القرآن راولپنڈی
(۹) قاری محمد صدیق صاحب لکھنوی۔ آپ نے قاری عبدالمالک سے لکھنؤ میں تجوید پڑھی۔
(۱۰) قاری محمد عبدالوہاب صاحب مکّی
(۱۱) قاری تقی الاسلام صاحب دہلوی مدرسہ انوار القرآن توحید نگر لاہور سابق استاد ریاض
(۱۲) قاری محمد ذاکر صاحب (سعودی عرب) (۱۳) قاری محمد شاکر صاحب
(۱۴) قاری غلام نبی صاحب (بلوچستان) کوئٹہ میں ان کا مدرسہ ہے۔

حضرت قاری محمد شریف صاحب لاہوری کے نامور تلامذہ

(۱) قاری فیاض الرحمٰن علوی مدیر مرکزی دار القراء پشاور
(۲) قاری نُور الحق صدر مدرس مدرسہ تدریس القرآن ہری پُور
(۳) قاری فضل ربّی مدیر معہد القرآن الکریم مانسہرہ
(۴) قاری عبد الرب ارشد ملتان ریڈیو اسٹیشن
(۵) قاری محمد تقی الاسلام دہلوی توحید پارک لاہور
(۶) قاری محمد عمر دار القراء ماڈل ٹاؤن لاہور
(۷) قاری محمد اشرف بن شیخ محمد شریف دار القراء لاہور

قاری اظہار احمد تھانوی کے مشہور شاگردان گرامی

(۱) مولانا قاری احمد میاں صاحبزادہ حضرت مولانا مفتی جمیل احمد صاحب تھانوی
(۲) مولانا قاری سید بزرگ شاہ الازہری مترجم قرآن چترالی زبان
(۳) قاری مومن شاہ صاحب صدر مدرس تجوید القرآن رنگ محل لاہور
(۴) قاری محمد ادریس صاحب
(۵) قاری سعید احمد صاحب صدر شعبہ قراآت جامعہ اشرفیہ لاہور
(۶) قاری محمد عثمان انور صاحب استاذ مدرسہ تجوید القرآن موتی بازار رنگ محل لاہور
(۷)

نوٹ : قاری فتح محمد صاحب پانی پتیؒ کے شاگردوں میں قاری رحیم بخش صاحبؒ کے بعد قاری عبد الرحمٰن صاحب پانی پتی محلہ قدیر آباد ملتان۔ قاری محمد عیسٰی صاحب کالونی ۲ خانیوال کی خدمات بھی لائق تحسین ہیں۔

قرأت قرآن

الحمد للہ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ امابعد :

انسان فطری طور پر نغمہ پسند واقع ہوا ہے انسان کی اسی طلب نے بڑھتے بڑھتے موسیقی کی شکل اختیار کی ہے. سانپ بین سُن کر اپنے ہوش بھول جاتا ہے. موسیقار اسی جوش نغمہ میں اپنے آپ کو آگ لیتا ہے۔ اسی طرح انسان بھی ساز کی لے میں گھر کر اپنا آپ بھول جاتے ہیں. حُدی خواں اپنے زورِ نغمہ سے اونٹوں کی قطار کو کھینچے چلا جاتا ہے. یہ شوق نغمہ پرندوں میں عام ملتا ہے

اسلام میں گانا بجانا جائز نہیں اور ساز و مزامیر سے ہوش کھونا جائز نہیں. ڈھول کی تھاپ اور طبلے کی چھاپ قوالی میں بھی جائز نہیں. اسلام میں انسان کے اس فطری ذوق کو قرآن کریم کی اعلیٰ تلاوت تحسین صوت اور قرأت سے پُورا کیا گیا ہے. حضرت داؤد علیہ السلام جب زبور پڑھتے تھے تو چلتا ہوا پانی ٹھہر جاتا تھا.

اب اس دور میں قرآن کریم ہے جس کی عمدہ اور اعلیٰ تلاوت. اور اس کے ساتھ عمل میں آنے والی تحسینِ صوت سے انسان اپنا یہ فطری تقاضا پورا کر لیتا ہے.

قرآن کا صَوتی حُسن و جمال

قرآن کریم کا پڑھنا صرف اس کے الفاظ سے گزرنا ہی نہیں اس کا صحیح پڑھنا ایک مستقل فن ہے جس پر ہزاروں کتابیں لکھی گئیں اور لکھی جا رہی ہیں. قرآن کریم اس فن کے مطابق پڑھنا یہ قرأتِ قرآن ہے.

الہامی کتابیں علم کا مخزن اور ہدایت کا پیغام ہوتی ہیں. قرآن کریم بھی اپنی ذات میں اللہ سے ڈرنے والوں کے لیے ایک راہِ عمل ہے (ھدًی للمتقین) ہے تاہم اس کی اپنی کچھ صفات بھی ہیں جن میں دنیا کی کوئی الہامی کتاب اس کا مقابلہ نہیں کر سکتی اور کتابیں صرف پیغام message ہیں الفاظ letters کا کوئی اپنا علیحدہ عمل نہیں. مگر قرآن کریم کے علمی پہلوؤں کے ورا، اس کے

کے الفاظ کی بھی ایک شان ہے۔ دیگر الہامی کتابوں کی زبانیں تک اب زندہ نہیں صرف ترجموں سے کام چل رہا ہے۔ وہ دنیا کے کسی ملک کی اب بولی نہیں ہیں مگر قرآن پاک ایسی واحد کتاب ہے جسکی نہ صرف زبان زندہ ہے بلکہ اس کے الفاظ میں بھی ایک روحانی شان ہے اور اس کا پیرایہ بیان بھی تلفظ و قرآت میں ایک اپنی شان رکھتا ہے۔

قرآن کے صوتی حسن نے ایک بڑے خلا کو پورا کیا

انسان فطری طور پر گانے اور حسن صوت کا گرویدہ ہے۔ اسلام میں گانے پر پابندی عائد کی گئی ہے اس کا کہنا گانا اور سننا تینوں ناجائز ٹھہرائے گئے۔ جس طرح سانپ کی فطرت ہے کہ وہ بین بجے تو جھومتا ہے انسان کی فطرت ہے کہ وہ ترنم اور تغنی سے جھومتا ہے گانے کے جھٹکے انسان کی حیوانیت پر پڑتے ہیں اور اسلام حیوانی جذبات کو دبانے کی تعلیم دیتا ہے تاہم یہ صحیح ہے کہ انسان میں موسیقی Music کی جو فطری کشش تھی اسے قرآن کے صوتی حسن سے پورا کیا گیا۔ قرآن کے صوتی حسن کا پرتو انسان کی حیوانیت پر نہیں روحانیت پر پڑتا ہے اور یہ Music کا بدل نہیں نعم البدل ہے۔

قرآن کریم کے حروف کھول کھول کر ترتیل سے پڑھے جائیں تو ان میں خود ایک لطافت ایک سوز ایک کشش اور ایک دردمندی اُبھرتی ہے۔ ان الفاظ میں جو معانی لپٹے ہیں وہ اُبھرتے ہیں اور اُن سے ان الفاظ و حروف کی ایک مناسبت پیدا ہو جاتی ہے۔ قرآن کریم کا یہ عجیب صوتی حسن و جمال ہے۔

پرتو حسنت نگنجد در زمین و آسمان
در حریم سینہ حیرانم کہ چوں جا کردۂ

قرآن کریم بے شک وزن و قافیہ اور آیات کے ایک حد و فاصلے کا پابند نہیں لیکن اس کے باوجود جب یہ پڑھا جاتا ہے تو اس میں ایک عجیب نغمہ کی سی ادا پیدا ہو جاتی ہے ہم یہاں آپ کے سامنے اس کی چند مثالیں پیش کرتے ہیں۔ مندرجہ ذیل آیات پر ذرا توجہ کریں اور کان دھریں یہ نہ نظم ہے نہ نثر ــــ یہ ہے کیا؟ اس میں عقلیں حیران ہوش قربان اور کوششیں

درماندہ ہیں۔

(۱) وجوہٌ یومئذٍ ناضرۃٌ الیٰ ربّھا ناظرۃ ○ ووجوہٌ یومئذٍ باسرۃٌ تظنّ ان یفعل بھا فاقرۃ ○ (پ۲۹ القیمہ ۲۲)

ان نو آیتوں کو — ان کے نظم و ربط کو — ہر ایک کے آخری رآ کو — اور پھر یوم آخرت پر متوجہ کرنے کی اچانک ادا کو — غور سے دیکھیں جب قاری ان کے ایک ایک حرف کو کھول کھول کر پڑھے گا جب کہ اللہ تعالیٰ نے اسے حُسنِ صوت سے بھی نوازا ہو تو اس تلاوت کا عجیب سحر انگیز نقشہ آپ کے سامنے آجائے گا۔

فاذا برق البصر ○ وخسف القمر ○ وجمع الشمس والقمر ○ یقول الانسان یومئذٍ این المفر ○ کلّا لاوزر ○ الیٰ ربّک یومئذٍ المستقر ○ ینبّؤا الانسان یومئذٍ بما قدّم واخر ○ (پ۲۹ القیمہ ۷-۱۳)

پھر یہ بھی دیکھیے :-

وجوہٌ یومئذٍ ناضرۃٌ الیٰ ربّھا ناظرۃ ○ (پ۲۹ القیمہ ۲۳)

ضاد اور ظاء قریب المخرج حروف ایک دوسرے کے وزن میں آئیں تو اس تلاوت میں ایک عجیب صوتی جمال پیدا ہوتا ہے۔ جو ضاد اور دال (د) کے قریب ہونے میں نہیں — اسے پڑھیں اور پھر اگلی آیات کو اس کے ساتھ ملائیں۔ آپ کے دل و دماغ اس سحر انگیز واردات کی گواہی دیں گے :-

ووجوہٌ یومئذٍ باسرۃٌ تظنّ ان یفعل بھا فاقرۃ ○

بلاغت اس انتہا پر ہے کہ ایک قیامت ہے جو واقع ہوگئی۔ پھر آگے چلیے :-

کلّا اذا بلغت التراقی ○ وقیل من راق — وظن انہ الفراق ○ والتفّت السّاق بالسّاق الیٰ ربک یومئذٍ المساق ○

قیل من کے بعد جو سکتہ ہے وہ اگلے لفظ راق کو عجیب اثر انگیز کر رہا ہے۔

جو شخص عربی جانتا ہو اور ان آیتوں کے معنی سمجھتا ہو تو ان آیات کی تلاوت اسے اپنے صوتی اعجاز سے بالکل دم بخود کر دے گی ہم اسے یہاں حسنِ قرأت کی بحث میں لا رہے ہیں اس لیے ترجمہ

ساتھ نہیں دے رہے ایسے آپ خود ملاحظہ کرلیں۔

(۲) پھر ان آیات کا ترنم بھی سُنیے اور سر دُھنیے :۔

فلا اقسم بالخنّس الجوار الکنّس — واللیل اذا عَسْعَس والصّبح اذا تنفّس۔

(پ۳۰ التکویر ۱۵)

خنّس اور کنّس کا وزن — عسعس اور تنفّس اور پھر رات اور صبح کا مقابل — رات کا چھپا جانا اور صبح کا دم مارنا (پَو پھٹنا) ایک عجیب ادا میں وارد ہے۔

(۳) پھر ان آیات پر بھی غور کریں اور قرآن کے صوتی حسن وجمال کا نقشہ دیکھیں الفاظ کے آخر میں نُون کس حسنِ صوت کا نتیجہ دیں گے اسے حضرت براء بن عازبؓ (۲۷ ھ) کی روایت میں دیکھیں :۔

والتین ٭ والزیتون ٭ وطور سنین ٭ وھٰذا البلد الامین ٭ لقد خلقنا الانسان فی احسن تقویم ٭ (پ۳۰ التین)

یہاں تین، سنین اور پھر تقویم کی صوتی مناسبت دیکھیں

حضرت براء بن عازبؓ کہتے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دفعہ عشاء کی نماز پڑھائی اور اس میں سورۃ والتین پڑھی پھر اس پڑھنے کا کیا نقشہ بچھا اسے حضرت براءؓ کے لفظوں میں آپ پہلے دیکھ آئے ہیں۔

فاسمعت احدًا احسن صوتًا منه۔ [1]

ترجمہ۔ اس سے زیادہ حسین آواز میں نے کبھی نہ سُنی تھی۔

(۴) جنّتیوں کو دوزخ سے دور رکھا جائے گا اس کے لیے لفظ زحزح دیکھیں یہ اپنی آواز سے ہی ایک دُور کے فاصلے پر لے جارہا ہے پڑھنے والا اسے اپنے حال سے دُور جائے بغیر پڑھ ہی نہیں سکتا۔ اب جب اس دُوری کو عن النّار کے ساتھ جوڑیں تو جنت اور جہنم میں ایک عجیب فاصلہ نظر آئے گا اس پہ پھر جنّت میں داخل ہونے کی خبر ہے اور پھر اس پر جب فقد فاز (سو وہ اپنے انجام میں کامیاب ہوگیا) کی بشارت چسپاں ہو تو تلاوت میں ایک ایک حرف کھلتا نظر آئے گا۔ قرآن پڑھنے کی یہ شان ترتیل ہے۔

---

[1] صحیح مسلم جلد ا صـ ۱۸۷

فمن زحزح عن النّار وادخل الجنّة فقد فاز۔ (پ۴ آل عمران ۱۸۵)

ترجمہ: پھر جو کوئی دور رکھا گیا آگ سے اور ڈال دیا گیا جنت میں اس کا تو کام بن گیا۔

۵ کافر کو جب پیپ پلائی جائے گی اور وہ اُس کے حلق سے نیچے نہ اُتر سکے گی اس گھونٹ کی گرانی کو قاری کی قرأت میں دیکھیں آپ اس میں ایک عجیب جھٹکا محسوس کریں گے۔

ویسقٰی من ماءٍ صدید یتجرّعه ولا یکاد یسیغه ویاتیه الموت من کل مکانٍ وماھو بمیّت۔ (پ۱۳ ابراھیم ۱۷)

ترجمہ: اور اسے پلایا جائے گا پیپ کا پانی وہ بڑے تکلف سے اس کا گھونٹ بھرے گا اور وہ آسانی سے اس کے نیچے نہ ہوگا اور ہر طرف سے اسے موت آلے گی اور وہ مرا ہوا نہ ہوگا۔

اسی موت ہونے اور نہ ہونے کو قرآن کریم دوسرے مقام پر اس طرح بیان کرتا ہے:۔

لا یموت فیها ولا یحییٰ۔ (پ۳۰ الاعلیٰ)

ترجمہ: وہ وہاں نہ مرا ہوگا اور نہ زندہ۔

اس سے اُوپر بلاغت کی انتہا اور کیا ہوسکتی ہے۔

اس قسم کی مثالوں سے پتہ چلتا ہے کہ قرآن پاک صرف ایک پیغام یا محض ایک منبع علم نہیں یہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے اور اس کا ہر حرف اور لفظ اپنی جگہ متبرک ہے۔ اس کے پڑھنے سے ہوا میں جو جنبش ہو وہ لہر مریض پر اُترے تو اسے بھی اس میں عافیت ملتی ہے۔

موت برحق ہے اور ہر انسان اس کی لپیٹ میں ہے۔ ملک الموت اپنے کام میں لگا ہوا اور مریض جان کنی سے گذر رہا ہو تو اس وقت بھی سورۂ یٰسین سے لدی ہوا کی لہریں اسے سکون دیتی ہیں۔ سو قرآن شریف صرف ایک لائحہ عمل نہیں اس کی تلاوت خود ایک عمل ہے اور اس کے لفظ لفظ اور حرف حرف میں اثر ہے۔

دال کے صوتی حسن کا دلآویز نقشہ

ان بطش ربک لشدید ० انہ ھو یبدئ ویعید ० وھو الغفور الودود ०
ذوالعرش المجید ० فعال لما یرید ० ھل اتاک حدیث الجنود ० فرعون وثمود ०
بل الذین کفروا فی تکذیب ० واللہ من وراءھم محیط ० بل ھو
قرآن مجید ० فی لوح محفوظ ० (پ۳۰ البروج ۲)

سورت کی ابتداء میں بھی اس حسنِ صوتی کی اٹھتی لہر کو دیکھیں۔

والسماء ذات البروج ० والیوم الموعود ० وشاھدٍ ومشھود ० قتل اصحاب
الاخدود ० النار ذات الوقود ० اذھم علیھا قعود ० وھم علی ما یفعلون
بالمؤمنین شھود ०

یہ صوتی حسن وجمال اس معنوی لطافت، ادبی فصاحت اور اخروی سعادت کے علاوہ ہے جو ان الفاظ اور ان کے اس بے مثل پیرایہ سے اٹھ اٹھ کر سننے والے کو اپنی طرف کھینچ رہی ہے۔ اگر کوئی خارجی دباؤ راہ میں رکاوٹ نہ ہو تو ناممکن ہے کہ سخت سے سخت دل بھی اس کے سامنے گھاؤ ہوئے بغیر رہیں۔

الفاظ کی اس شوکت وجزالت نے قرآن پاک کے پڑھنے کو ایک فن کا درجہ بخشا ہے قرآن کریم کے علاوہ دنیا میں کوئی کتاب ایسی نہیں جس کا پڑھنا بھی ایک فن کا درجہ اختیار کر گیا ہو۔ اسلام میں جس طرح فقہاء، ومحدثین علم نبوت کے وارث اور امین ہیں۔ قراء کریم بھی اس فن کو نکھارنے میں امت میں آواز روح الامین ہیں۔

قاری صاحبان کے لیے اصُولی ہدایت

تجوید میں افراط اور تفریط دونوں سے بچنا چاہیئے. تجوید کے بہانے گانوں کی طرزوں پر آجانا یقیناً تفریط ہے. اسی طرح اگر کوئی بے ذوق کسی کو تحسین صوت کرتا پائے اور اس پر گانے کی لَے اختیار کرنے کا عیب دھرے تو یہ افراط ہوگی اس سے بھی بچنا ضروری ہے تحسینِ صَوت قرأت کی صفات میں سے ہے۔

اسلام میں قرآن پڑھتے گانے کی لَے سے تو روکا گیا ہے لیکن تحسین صوت اور زینت قرأة کا اسی جگہ حکم دیا گیا ہے یہ وہ راہِ اعتدال ہے جو افراط اور تفریط کے بین بین ہے اور قاری صاحبان کو اس راہِ وسط کو کبھی نہ چھوڑنا چاہیئے.

ایک اور بڑی غلطی جو حسنِ قرأت کی محفلوں میں دیکھنے میں آئی ہے وہ ہے لوگوں کو خوش کرنے کے لیے قرآن پڑھنا — یہ قواعدِ صحیحہ سے بھی پڑھا جائے تو یہ تجوید لارضاء الخلق ہے. اللہ کی رضا کے لیے جو تجوید قرآن ہوتی ہے وہ خلوت و جلوت اور سفر و حضر میں ایک جیسی ہوتی ہے یہ بات کہ لوگوں کے سامنے تو صحیح پڑھا جائے اور اپنے ہاں تنہائی میں پڑھیں تو وہ مجلس کا سا اہتمام نہ ہو یہ بات بُری ہے. قراء کرام کو چاہیئے کہ جب بھی قرأت کریں ایک سی وضعداری اختیار کریں۔

عام مسلمانوں کے سامنے قرأت کی ایک اصُولی ہدایت

جس جگہ عوام اور ناواقف لوگوں کی کثرت ہو اور قرآآتِ سبعہ و عشرہ کے اختلافات سے لوگ ناواقف نہ ہوں مناسب یہ ہے کہ وہاں حفص کی روایت کے سوا دوسرے اختلافات نہ پڑھے جائیں ورنہ عوام اپنی ناواقفیت کے سبب اعتقادی فتنہ میں مبتلا ہوجائیں گے. چنانچہ بعض لوگ کہا کرتے ہیں کہ اور چیزوں میں تو اختلاف تھا ہی ان قاریوں نے قرآن میں بھی اختلاف کر دیا اور یہ قاعدہ شرعیہ آیات و احادیث سے ثابت ہے کہ اگر خواص کے مستحب پر عمل کرنے سے عوام کے

حرام میں مبتلا ہو جانے کا اندیشہ ہو جائے تو خواص کے لیے بھی اس مستحب پر عمل کرنا منع ہو جاتا ہے ۔ یہ بھی ضروری ہے کہ دوسری قرآت روایت حفص اور تجوید کی تکمیل کے بعد پڑھائی جائیں۔ [1]

روایت حفص کے خلاف ایک نئی آواز

ان دنوں کچھ ایسے لوگ بھی اُٹھے ہیں جو فقہ اہل العراق فقہ حنفی اور کوفہ کی علمی منزلت کے خلاف باتیں کرنے کو دین کی ایک بڑی خدمت سمجھتے ہیں وہ یہ نہیں جانتے کہ کوفہ اپنے وقت میں ایک مشہور دارالعلم تھا اور اسے حضرت عمرؓ نے بسایا تھا. قاری حفص بھی کوفی ہیں جن کی قرأت پر آج ہر جگہ قرآن پڑھا جاتا ہے ۔

اس جوشِ تعصب میں ان لوگوں نے بہت کوشش کی ہے کہ جس طرح بھی ہو پائے قرآن پاک کو اس کوفی چھاپ سے نکال کر کسی دوسری قرأت میں لے آئیں۔ اللہ تعالیٰ سعودی حکومت کو جزائے خیر دے انہوں نے روایت حفص پہ قرآن پڑھنے کو سب قراآت پر راجح قرار دیا ہے ۔ حجاجِ کرام کو وہاں سے ہر سال جو مصحف کریم تحفے میں ملتا ہے اس کے آخر میں یہ لکھا ہوا ملے گا۔

کتب هٰذا المصحف وضبط علی مایوافق روایة حفص بن سلیمان بن المغیرة الاسدی الکوفی لقرأة عاصم بن ابی النجود الکوفی التابعی.

جو لوگ کوفہ کے علمی مرکز سے بغض رکھتے ہیں معلوم نہیں وہ اس کوفی قرأت کو کس طرح گوارا کرتے ہوں گے ۔

اس پر ہم قرأتِ قرآن کی اس بحث کو ختم کرتے ہیں.

---

[1] ارشاد قاری فتح محمد صاحبؒ مہاجر مکی

اسلوب القرآن

الحمدللہ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ اما بعد :

اسلوب پیرایہ بیان کو کہتے ہیں انگریزی میں اسے سٹائل style کہہ سکتے ہیں علم کی دنیا میں اظہارِ خیال بڑا اہم مرحلہ ہے اور تاریخ میں اس کے لیے نظم اور نثر دونوں سلسلے چلے ہیں جہاں بات سمجھا کر چلنا ہو وہاں زیادہ نثر چلتی ہے۔ عدالتوں اور کاروبار کی کاروائیاں کبھی ادبی پیرایوں میں نہیں ہوتیں لیکن جہاں گہرے حقائق، قلبی احساسات، ما فوق الطبیعات اور ذہنی مدوجزر کی باتیں ہوں وہاں اہلِ علم ادبی پیرایوں میں چلتے ہیں اور ان خیالات اور احساسات کے لیے شعر کی زبان زیادہ ساتھ دیتی ہے۔ ہر دائرہ علم میں لوگ حسب حال نثر و نظم کے پیرایوں میں چلے ہیں۔

قرآن کریم اپنے مطالب عالیہ اور حقائق غامضہ میں اونچی ادبی شان کا متقاضی ہے اور اپنے مقاصد میں بنی نوعِ انسان کی ہدایت کے لیے ایک صاف پیرایہ بیان چاہتا ہے۔ اس صورتحال میں یہاں نہ نظم کو راہ ہے نہ صرف نثر کو — اس جہاں میں رہتے ہوئے عالمِ برزخ اور عالم آخرۃ کی باتیں بتلانا اور جنت اور دوزخ کے نقشے بیان کرنا کوئی آسان بات نہیں لیکن بنی نوعِ انسان اظہارِ خیال میں اب تک انہی دو راہوں نظم و نثر میں چلے ہیں اور انہوں نے اب تک قرآن کریم کے سوا کوئی اور پیرایہ بیان دیکھا ہی نہیں تھا۔ قرآن کریم اترا تو ایک عجیب ادبی پیرائے میں اترا ہدایت پانے کے لیے اس سے سہل کوئی اور ہدایت تامہ نہیں اور ہر غلط فکر اور اُلجھی سوچ کو گرانے کے لیے اس سے اوپر کوئی پرواز نہیں اس کا یہی پیرایہ بیان ہے جس سے بڑے بڑے اہلِ دانش اس کے آگے ہتھیار پھینک گئے اور کوئی بڑے سے بڑا مفکر اور ادیب اسکی مثال نہ لا سکا۔

قرآن پاک کا پیرایہ بیان نہ نظم ہے نہ نثر یہ دونوں سے الگ ایک نرالا اسلوب اور ایک نیا طرزِ کلام ہے جس کی کوئی نظیر عرب میں پہلے سے موجود نہ تھی کچھ لوگ اسے شعر کہنے کی جسارت کرتے ہیں تو آسمان سے جواب ملتا ہے :-

وما علمناه الشعر وما ینبغی له ان هو الا ذکر و قرآن مبین۔ (پ۲۳ یٰسین ۶۹)

ترجمہ: ہم نے اپنے پیغمبر کو شعر کہنا سکھایا نہ یہ آپؐ کی شان کے لائق تھا یہ تو ذکر ہے اور قرآن مبین ہے۔

اور جو لوگ اسے نثر کہنا چاہتے تھے وہ اس کی لاثانی بندش اور بے مثل روانی کو دیکھ کر اسے نثر کہنے سے بھی جھجکتے تھے۔ الغرض یہ ایک عجیب اندازِ بیان ہے جس میں عقلیں اب تک حیران ہیں یہ وہ ذخیرہ علم ہے جس کے سامنے سب علوم ماند ہیں۔ یہ اسلوب بیان بہت پیارا اور دلآویز ہے اور یہ صحیح ہے کہ اس کتاب مقدس کے حفظ میں اس کے نرالے اسلوب کا بھی بہت دخل ہے اور اس کے صوتی اثرات بھی اس خاص اسلوب میں ڈھل کر ظاہر ہوتے ہیں۔

یہ صحیح ہے کہ اس کی اصل زبان عربی ہے مگر عرب و عجم، ایشیا اور یورپ ہر ملک کے رہنے والے اپنے اپنے مذاق کے مطابق اس میں نظم کی سی لذت اور نثر کا سا وقار محسوس کرتے ہیں اس کے الفاظ میں ایسی حلاوت ہے کہ جو لوگ اسے سمجھتے نہیں وہ بھی اس سے لطف اندوز ہوتے ہیں یہی وجہ ہے کہ اس کا بار بار پڑھنا ایک ذوق پیدا کرتا ہے اور اس کے حفظ کے لیے ایک خاص شوق اُبھرتا ہے۔

کسی علمی یا تاریخی مضمون کو جب ایک بار سے زیادہ بیان کیا جائے تو سننے والوں کے لیے کچھ بے لطفی اور انقباض سا پیدا ہوتا ہے لیکن قرآن کریم کا اسلوب کچھ اس قسم کا واقع ہوا ہے کہ جب ایک مضمون دوسری بار آتا ہے تو وہ بالکل ایک نیا مضمون معلوم ہوتا ہے اور وہ ایک نیا ہی لطف پیدا کرتا ہے۔

قرآن پاک کے اس نرالے اسلوب کا ہی نتیجہ ہے کہ ایک طرف جاہل سے جاہل شخص اس کے بنیادی اصولوں کو بے تکلف سمجھ سکتا ہے اور دوسری طرف رازیؒ و آلوسیؒ بھی اس کے علوم و معارف کا احاطہ کرنے سے عاجز نظر آتے ہیں، ایک چھوٹی سی آیت کے لیے دفتروں کے دفتر بھی لکھ ڈالے جائیں تو اس کے اسرار و حکم منضبط نہیں ہوتے اور اگر سیدھے سادے معنی بیان کرنا ہوں تو بسا اوقات ترجمہ بھی دلوں کو مطمئن کر دیتا ہے اور ذہن کے سارے غبار دُور کر دیتا ہے۔

ایک سوال

قرآن کریم جب ایک ضابطہ حیات ہے تو اس کی ترتیب قانون کی دوسری کتابوں کی طرح مبوب اور منظم کیوں نہیں؟ ایک موضوع کی جملہ جزئیات سلسلہ وار ایک ہی جگہ مرتب کیوں نہیں ایسا کیوں نہیں کہ تعلیم توحید، تصدیق رسالت، احوالِ آخرت، مسائل نماز، احکامِ زکوٰۃ، آدابِ رمضان، مناسکِ حج وغیرہ علیحدہ علیحدہ سورتوں اور مستقل پاروں میں بیان ہوں مختلف انبیاء کے واقعات کے لیے بھی مستقل سورتیں موجود ہوں۔ قرآن پاک زندگی کو اس قسم کی ترتیب سے کیوں پیش نہیں کرتا؟

جواب ــ نرالے اسلوب میں نرالی ترتیب

قرآن کریم بے شک ایک اسلامی دستور العمل ہے لیکن یہ محض ایک مجموعہ قوانین نہیں بہت سے دیگر حقائق حکیمانہ مکالمات اور واقعات پر بھی مشتمل ہے قانون کی عام کتابیں جزئیات کے ساتھ اس لیے سلسلہ وار مرتب ہوتی ہیں کہ ان کا نفاذ بزور قوت اور ان کا اجراء بذریعہ اقتدار ہوتا ہے۔

قرآن عزیز اسلامی ضوابط زندگی کو ان کے حِکَم و مصالح اسرار و رموز، تعامل کے سابق نظائر اور فکر آخرۃ کے نصائح کے ساتھ پیش کرتا ہے یہ نری قانون کی کتاب نہیں وعظ کی کتاب بھی ہے۔ حدود و تعزیرات کے ابواب بھی اس میں وعظ و ارشاد کو ساتھ لیے ہوئے ہیں۔

ولکم فی القصاص حیٰوۃ یا اولی الالباب۔ (پ۲ البقرہ ۱۷۹)

ترجمہ۔ اور تمہارے لیے بدلہ لینے میں زندگی ہے اے دانشورو۔

اس ترتیب بیان سے اسلامی صداقتیں اور حقائق کائنات از خود دلوں میں اُترتے چلے جاتے ہیں اور اسے ایک ضابطہ حیات کے طور پر قبول کرنا بہت آسان ہو جاتا ہے۔ اسلام کے اصول و فروع قوت کی بجائے دلائل و اخلاق کے ساتھ پیش ہوتے ہیں۔ ربّ العزت ان سب امور کو اس طرح مِلا جُلا بیان کرتے ہیں کہ ایک ایک سُورت پُورے اسلام کی ترجمان ہو جاتی ہے۔ یہ محض ایک قانون کی کتاب نہیں وعظ و ارشاد کے حکیمانہ اسرار بھی اس کے ہر بیان میں لپٹے ہوئے ہیں۔

قرآن پاک ایک مضمون سے دوسرے مضمون کی طرف بڑی خوبی اور لطافت سے منتقل ہوتا

ہے توحید کے مضمون سے احکام کی طرف، قصص سے عقائد کی طرف اور احکام سے آثار قدرت کی طرف اُس حسنِ انتقال سے منتقل ہوتا ہے کہ ہر مضمون مقصود بالذات نظر آتا ہے۔ ایک مضمون یا ایک واقعہ اگر دوسری بار بیان ہوتا ہے تو اس انداز اور شان کے ساتھ کہ وہی پہلا مضمون یا قصہ ایک نیا واقعہ معلوم ہونے لگتا ہے۔ قرآن عزیز مختلف مضامین کے مابین ایسا لطیف ربط اور حیرت انگیز تسلسل قائم کرتا ہے کہ یہ ترتیب طوقِ بشر سے خارج نظر آتی ہے۔ آسمان پر چمکتے ستارے ایک عام نگاہ میں کس بے ترتیبی سے بکھرے پڑے ہیں لیکن علمائے ہیئت Astronomy اور ماہرین نجوم سے پوچھو کہ ان منتشر چمکتے ہوئے نورانی تاروں میں کیا تناسب اور توازن ہے۔ اگر ایک ستارہ نظامِ فلکی کو توڑ کر اپنے مقام سے نکل جائے تو کتنے بڑے بڑے انقلابات پیش آسکتے ہیں۔

اسی طرح قرآن پاک میں ایک مضمون کی آیات جب مختلف مقامات پر بکھری دکھائی دیتی ہیں تو نامحرم نگاہیں بہت پریشان ہو جاتی ہیں لیکن وہ لوگ جنہوں نے پورے خلوص و وفا سے زندگیوں کا کچھ حصہ قرآن کو دیا ہے وہ اس کے اسرار و معارف کے پورے رمز شناس ہیں انہیں پتہ ہے کہ اگر ایک آیت اپنے محل سے بدل جائے تو رب العزت کی صفت کلام اور اس کا سارا نظام کس طرح درہم برہم ہو جاتا ہے۔ اس موضوع پر علامہ ابو جعفر کی کتاب "البرہان فی مناسبۃ ترتیب سور القرآن" اور علامہ برہان الدین کی کتاب "نظم الدرر فی تناسب الآی والسور" ہمارے اس بیان کی تصدیق کرتی ہیں۔

قرآن کے نئے اسلوب پر ایک قدیم شہادت

ہمارا یہ دعوےٰ کہ قرآن پاک کا اسلوب نرالا ہے یہ نہ نظم ہے نہ نثر اس میں نظم کی سی لذت اور نثر کا سا وقار ہے۔ ہمارا ہی دعویٰ نہیں جلیل القدر صحابی حضرت عبداللہ بن مسعودؓ (۳۲ھ) نے اسے نثر اور شعر سے جُدا رکھا ہے مندرجہ ذیل روایت میں نثر اور شعر دونوں وارد ہیں۔ آپؓ نے فرمایا:

لا تنثروه نثر الدقل ولا تهذوه كهذ الشعر قفوا عند عجائبه وحركوا به القلوب ولا يكن هم احدكم اخر السورة۔[1]

---

[1] ماخوذ از تفسیر عزیزی پ ۲۹ ص ۳۱۲

ترجمہ۔ نہ بکھیرو قرآن کے لفظوں کو جیسے ناقص کھجوریں اِدھر اُدھر گرتی ہیں اور نہ لپیٹو قرآن کو جیسے شعر لپیٹے جاتے ہیں (اپنے قافیہ اور ردی میں لائے جاتے ہیں اور ان میں جلدی کی جاتی ہے) ٹھہرو اس کے عجائبات پر اور اس سے دلوں کو ہلا کر رکھ دو اور اس کی فکر میں نہ لگو کہ اس سورت کا آخر کب آئے گا؟

نثر پڑھنے کے کوئی قاعدے نہیں ہوتے مگر قرآن پاک کو پڑھنے کے قاعدے ہوں گے اسے نثر وقل کے پیمانے میں لانے سے منع فرمایا اور اس کے پڑھنے میں شعر کا سا مزہ لینے سے بھی منع کیا۔ کیونکہ بعض اوقات شعر اس لیے بھی جلدی پڑھتے ہیں کہ اس کا وزن پہلے مصرعہ سے کہیں چھوٹا یا بڑا محسوس نہ ہو۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے اپنے اس ارشاد میں بتلایا ہے کہ قرآن پاک اپنے اسلوب میں نہ نثر ہے نہ نظم اس کا اپنا ایک اسلوب ہے اور اس اسلوب کے کچھ اپنے حقوق ہیں ان کا دھیان کرو۔

اسلوب قرآن پر ایک اور سوال

بعض مخالفین کہتے ہیں کہ نزول قرآن سے پہلے عرب میں کئی ایسے بلند پایہ خطیب گزرے ہیں کہ آنحضرتؐ کو ان کے خطبے اور اشعار سننے کا بارہا موقع ملا تھا اس سلسلہ میں وہ قس بن ساعدہ اور امیہ بن الصلت وغیرہ کے نام لیتے ہیں ان کا کہنا ہے کہ ان لوگوں کے کلام میں بعض ایسے فقرے ملتے ہیں جن کا اسلوب، قرآن کی بعض چھوٹی چھوٹی آیات کے انداز پر ہے یہ کہتے ہیں کہ قرآن کریم کا اسلوب نرالا نہیں پہلے سے اس کے آثار موجود تھے۔

جواب: قس بن ساعدہ اور امیہ بن الصلت کے جن خطبات اور اشعار سے استدلال کیا گیا ہے ان کے متعلق تحقیق یہ ہے کہ وہ سب اپنے ثبوت میں موضوع اور اپنی تاریخی نسبت میں ناقابلِ اعتماد ہیں کسی صحیح سند سے وہ قس بن ساعدہ اور امیہ بن الصلت سے منقول نہیں۔ سو ہم ان خطبات کا جاہلی ہونا تسلیم نہیں کرتے وہ قطعاتِ کلام آنحضرتؐ سے پہلے کے نہیں آپ سے کافی بعد کے ہیں۔ بنو امیہ اور بنو عباس کے بعض درباری شعراء اور خطباء کی عادت تھی کہ بعض اوقات اپنی وجاہت اور ثقاہت ظاہر کرنے کے لیے اپنے کلام کو عہد جاہلی کی طرف نسبت کر دیتے تھے

ان متاخرین کے کلام میں اگر کہیں اسلوب قرآنی کی پیروی ملے اور وہ اسے عہد قدیم کی طرف نسبت کر دیں تاکہ ان کی نظر وسیع تر ظاہر ہو اور قدما کے کلام پر ان کی دھاک بیٹھ جائے تو اس چال سے اصل کلام عہد جاہلی ہرگز نہ بن سکے گا۔

ان وضاعین میں حماد الراویۃ (متوفی ۱۵۵ھ) اور خلف الاحمر کی بہت شہرت ہے۔ اصمعی کہتے ہیں کہ حماد اعلم الناس ہے اگر وہ اشعار میں کمی بیشی نہ کرے اس قول کی تشریح میں عربی کے بلند پایہ ادیب علامہ یاقوت لکھتے ہیں:۔

اصمعی نے یہ اس لیے کہا ہے کہ حماد کے متعلق یہ خیال عام تھا کہ وہ اپنے اشعار کو قدیم شعرائے عرب کی طرف منسوب کر دیتا ہے۔[1]

اس شخص کا شعرائے جاہلیت کے اندازِ بیان اور ان کے اسالیب پر قادر ہونا علماء ادب نے تسلیم کیا ہے۔ اسی طرح خلف احمر عہدِ جاہلیت کے محاورات اور لغات میں اس قدر ماہر تھا کہ اپنے طبع زاد اشعار قدیم شعراء کے نام سے پڑھنے میں اسے کوئی باک نہ تھا۔ علامہ ابوالطیب عبدالواحد اللغوی کہتے ہیں:۔

کان خلف یضع الشعر وینسبہ الی العرب فلا یعرف۔[2]

ترجمہ: خلف احمر خود شعر وضع کرتا ہے اور انہیں اس طرح عربوں کی طرف منسوب کر دیتا تھا کہ پتہ ہی نہیں چلنے دیتا تھا۔

جو لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے سے پہلے کے بعض خطباء اور شعراء کے اسالیب کا پیرو قرار دیتے ہیں ان کے ذمہ ہے کہ اپنی پیش کردہ نقول ایسے اسناد سے ثابت کریں جن میں حماد اور خلف الاحمر جیسے وضاعین کی کارکردگی کو کوئی دخل نہ ہو۔ علامہ سیوطی نے ایسے بعض خطبات پر خوب تنقید فرمائی ہے۔[3]

پروفیسر مارگولیوتھ۔ جو اس قسم کے اعتراضات کے لیے ہر تنکے کا سہارا لیتے ہیں خود تسلیم کرتے ہیں کہ:۔

---

[1] معجم البلدان جلد ۱۰ ص۲۶۵ [2] ایضاً جلد ۱۱ ص۶۸

[3] دیکھئے اللآلی المصنوعہ فی الاحادیث الموضوعہ جلد ۱ ص۷۸ مصر

قدیم شاعری کا اکثر حصہ قرآن کے اسلوب پر وضع کر لیا گیا ہے۔ [1]

حقیقت یہی ہے کہ قرآن کریم نے جس نرالے اسلوب سے دنیا کو روشناس کرایا ہے اس کی کوئی نظیر پہلے سے موجود نہ تھی اگر کوئی ایسا نمونہ کلام پہلے موجود ہوتا تو جب قرآن نے عرب کے فصحاء و بلغاء کو پوری تحدی سے مقابلہ کے لیے آواز دی تھی تو وہ اسے لے کر میدانِ مبارزت میں ضرور نکلتے۔ سوال یہ ہے کہ اس وقت کے خطباء و شعراء کو وہ نظائر کیوں میسر نہ آئے جواب ہمارے ان کرم فرماؤں کو مل رہے ہیں؟ جب اس مقابلہ کے وقت کوئی ایسا نمونہ کلام پیش نہیں ہو سکا تو ہم یقین کرنے پر مجبور ہیں کہ یہ سب مواد بہت بعد کی پیداوار ہے قرآن ان کے پیچھے نہیں، یہ خود قرآنی اسالیب کی پیروی میں وضع ہوئے ہیں اور اس میں بھی وہ بُری طرح ناکام ہیں۔

تکرار فی القرآن پر ایک سوال

قرآن کریم میں انبیاء گذشتہ کے واقعات میں بہت تکرار ہے یہ تکرار قرآن کے اسلوب پر ایک جرح ہے جو مخالفین کی طرف سے کی گئی ہے۔

جواب: قرآن کریم نے مخالفین کو کہا تھا کہ اگر تمہیں میرے کلامِ الٰہی ہونے میں شک ہے تو اس جیسے کلام کی ایک ہی سورت بنا لاؤ۔ اس کا جواب ان کی طرف سے یہ ہو سکتا تھا کہ جو الفاظ ایک مضمون کے بیان کے تھے وہ تو قرآن نے استعمال کر لیے اور اس مضمون کی ادائیگی اتفاقاً ایک اچھے انداز میں ہو گئی۔ علاوہ ازیں قصص کا دائرہ بلاغت حقائق و افکار کے دائروں کی طرح زیادہ وسیع نہیں یہ بہت تنگ ہے اس لیے اگر یہ مضمون کسی ویسی ہی بلیغ ترکیب میں دوبارہ نہ آسکے تو کوئی تعجب نہیں اگر کسی کو دعوے ہے تو وہ ہی ان مضامین کو ان جیسی دوسری تراکیب میں لا کر دکھائے۔

قرآن کریم نے ان مضامین کو مختلف لفظوں اور مختلف طریقوں میں پیش کیا ہے کہیں مختصر اور کہیں مفصل اور ہر دفعہ اس میں بلاغت کا اعلیٰ ترین درجہ ملحوظ ہے پس کسی کم اعتراض کی گنجائش نہیں بلکہ قرآن کا عالمگیر چیلنج اور نکھر گیا کہ تم کسی لفظوں سے اور کسی طریقہ پر جو تمہارے نزدیک ممکن ہو بقدر

---

[1] ماخوذ از سیرت النبی علامہ شبلی جلد ۱ صد ۱۸۳

مذکورہ قرآن کی نظیر لے آؤ. ایک بات کو مختلف عبارتوں میں پیش کرنا اور بلاغت کا معیار ہر دفعہ ایک رکھنا بلغار کے نزدیک ایک بڑی ہی مشکل بات ہے اور قدرتِ بشری سے خارج ہے. قرآنِ کریم اگر کلامِ بشری ہوتا تو اس میں یہ تکرار ہرگز نہ ہوتا.

تکرارِ قصص کی دوسری وجہ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب اپنی قوم کی شرارتوں اور بے وجہ مخالفتوں سے ملول خاطر ہوجاتے تو اللہ تعالیٰ حضورِ اکرمؐ کی تسلی خاطر کے لیے پچھلے انبیار کے واقعات کو بار بار نقل کرتے تاکہ حضورؐ کے دل کو تسلی ہو.

وکلاً نقص علیك من انباء الرّسل ما نثبّت به فؤادك وجاءك فی هٰذه الحقّ وموعظة وذکریٰ للمؤمنین. (پ۱۲ ہود ۱۲۰)

ترجمہ. اور یہ پیغمبروں کے تمام قصّے جو ہم تمہارے سامنے بیان کرتے ہیں یہ تمہارے دل کو مضبوط کرنے کے لیے ہیں اور ان میں تمہارے پاس حق اور ایمان والوں کے لیے نصیحت اور تذکیر ہے.

چونکہ اس قسم کے تذکرے بار بار گزرتے اور ایسی تکلیفات کا بار بار سامنا کرنا پڑتا اس لیے اللہ تعالیٰ نے پچھلے انبیار کرام کے ان صبر آزما مرحلوں کو بھی بار بار پیش کیا تاکہ اُن کی یاد سے آپ کا دل تسلی پکڑے.

پیشِ نظر رہے کہ قرآن پاک جب کسی واقعے یا مضمون کو دوسری بار پیش کرتا ہے تو اس میں صرف تکرار نہیں مضمون کی زیادتی اور لطافت ایک اور ذوق بلاغت پیش کرتے ہیں جسے تاکید اور تاسیس کے مختلف مدارج سے تعبیر کیا جا سکتا ہے یہ تکرار محض نہیں جو مخل فصاحت ہو. سورۃ الرحمٰن میں بھی تکرار نہیں تاسیس کار فرما ہے.

قرآن پاک کے اسلوب بیان کے بعد اب اس کے اسلوب نصیحت پر بھی غور کیجیے. معنوی اعتبار سے یہ کامیاب ترین پیرایہ بیان ہے.

قرآن کریم کا اسلوب نصیحت

قرآن کریم نے جہاں انسان کو حقائق کائنات اور انفسی و آفاقی آیات پر غور و فکر کی بارہا دعوت دی ہے وہاں ابتدائی نصیحت اور فکرِ آخرت کے لیے ایک بڑی سیدھی راہ بھی پیش کی ہے اس کے مضامین جتنے گہرے ہیں اتنے آسان بھی ہیں اگر ایک طرف اس کی بلندیوں میں رازیؒ اور طنطاویؒ حیران نظر آتے ہیں تو دوسری طرف یہ فطرتِ انسانی کے اتنا قریب بھی ہے کہ معمولی توجہ سے اس میں ہدایت کی راہیں کھلی نظر آتی ہیں۔

ولقد یسرنا القرآن للذکر فھل من مدکر۔ (پ۲۷ القمر ۱۷)

ترجمہ۔ اور یقیناً ہم نے قرآن کو نصیحت حاصل کرنے کے لیے نہایت آسان کر دیا ہے کیا ہے کوئی جو سوچنے والا ہو۔

اس سے پہلے حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کی غرقابی اور آپ کے بچ نکلنے کا ذکر تھا اسے قرآن کریم نے ان لفظوں میں بیان کیا:۔

ولقد ترکنٰھا اٰیۃ فھل من مدکر۔ فکیف کان عذابی ونذر۔

(پ۲۷ القمر)

ترجمہ۔ اور ہم نے اسے ایک نشان بنا چھوڑا۔ سو ہے کوئی نصیحت پکڑنے والا۔ پھر میرا عذاب اور ڈرانا کیسا رہا۔

اس کے بعد قرآن کریم کے آسان ہونے کا اس طرح ذکر فرمایا گیا۔

قرآن کریم کا اسلوب نصیحت یہ ہے کہ بلند تر صداقتیں عام فہم مثالوں سے عام ذہنوں میں اُتاری جائیں۔ ارشاد ہوتا ہے:۔

وتلک الامثال نضربھا للناس وما یعقلھا الا العالمون۔ (پ۲۰ العنکبوت ۴۳)

ترجمہ۔ اور یہ مثالیں ہم لوگوں کے لیے لاتے ہیں لیکن انہیں صرف عالم ہی سمجھ پاتے ہیں۔

یہ ٹھیک ہے کہ ان سے بھی کما حقہا اہل علم ہی مستفید ہو سکتے ہیں تاہم دینِ فطرت کے

عام تعارف اور عامۃ الناس میں غور فکر کی راہیں کھولنے کے لیے قرآن کا یہ اسلوب نصیحت نہایت مؤثر رہا ہے۔

ویضرب اللہ الامثال للناس لعلھم یتذکرون ۔ (پ۱۳ ابراہیم ۲۵)

ترجمہ۔ اور بیان کرتا ہے اللہ تعالیٰ مثالیں لوگوں کے واسطے تاکہ وہ سوچیں۔

پھر ارشاد ہوتا ہے:۔

ولقد صرفنا للناس فی ھذا القراٰن من کلّ مثل فابی اکثر الناس الّا کفورًا۔ (پ۱۵ بنی اسرائیل ۸۹)

ترجمہ۔ اور ہم نے ہر مثال کو کئی کئی صورتوں میں پھیر کر اس قرآن میں بیان کیا لیکن اکثر لوگ ناشکری کرتے ہیں۔

قرآن عزیز نے ان کی خیر خواہی کے لیے عجیب و غریب مضامین بار بار مختلف پیرایوں میں طرح طرح کی مثالوں سے بیان کیے ہیں تاکہ بات ان کے ذہن میں اچھی طرح سے اتر جائے قرآن عزیز مضمون کو عام فہم کرنے کے لیے مثالیں بیان کرتا ہے۔ غیر مرئی صداقتیں نقشوں سے ذہن میں اتاری جاتی ہیں۔ تمثیل کی غرض یہ ہوتی ہے کہ غیر محسوس اور غیر مرئی حقیقت کو عوامی ذہن کے قریب کرنے کے لیے کسی ایسی صورت سے نسبت دی جائے جو روزمرہ کے مشاہدہ میں پہلے سے محسوس اور واضح ہو۔ جن حقائق تک عوام النّاس کی نگاہیں نہیں پہنچ سکتیں۔ تمثیلات کے ذریعہ ان کا مشاہدہ کرادیا جاتا ہے۔ انسان کے اخلاقی کردار تمثیلی پیرایہ میں ایس طرح سامنے لائے جاتے ہیں کہ بعض اخلاق کی عظمت اور بعض اخلاق کی نفرت محسوس صورت میں آنکھوں کے سامنے آجاتی ہے۔ اپنے کیے کام کو برباد کرنے کی مثال اس سے زیادہ بلیغ کیا ہوگی۔

ولا تکونوا کالتی نقضت غزلھا من بعد قوۃ انکاثًا تتخذون ایمانکم دخلًا بینکم ان تکون امۃ ھی اربیٰ من امۃ۔ (پ۱۴ النحل ۹۲)

ترجمہ۔ اور نہ تم ہونا اس عورت کی طرح جس نے اپنا کاتا ہوا سوت محنت کے بعد ٹکڑے ٹکڑے کرڈالا تم ٹھہراتے ہو اپنی قسموں کو ایک دوسرے میں دخل دینے کا بہانہ کہ ایک طبقہ چڑھا ہوا ہے دوسرے سے۔

امام فخر الدین رازیؒ (۶۰۶ھ) رقمطراز ہیں :-

ان المقصود من ضرب الامثال انها تؤثر فی القلوب مالا یؤثر وصف الشیٔ فی نفسه وذٰلك لان الغرض من المثل تشبیه الخفی بالجلیّ و الغائب بالشاھد فیتاکد الوقوف علی ماھیته ویصیر الحس مطابقاً للعقل وذٰلك نهایة الایضاح الاترے ان الترغیب اذا وقع فی الایمان مجرّداً عن ضرب مثل له لم یتاکد وقوعه فی القلب کما یتاکد وقوعه اذا مثل بالنور واذا زهد فی الکفر بمجرّد الذکر لم یتاکد قبحه فی العقول کما یتاکد اذا مثل بالظلمة واذا اخبر بضعف امر من الامور وضرب مثله بنسج العنکبوت کان ذلك ابلغ فی تقریر صورته من الاخبار بضعفه مجرّداً ولھٰذا اکثر الله تعالیٰ فی کتابه المبین و فی سائر کتبه امثاله قال تعالیٰ وتلك الامثال نضربها للناس[1]

ترجمہ: مثالیں اس لیے بیان کی جاتی ہیں کہ ان کا اثر دلوں پر اصل چیز کے بیان کرنے سے بھی زیادہ ہوتا ہے مثال سے غرض یہ ہوتی ہے کہ جو چیز مخفی ہے اسے کسی جلی چیز سے تشبیہ دی جائے اور جو غائب ہے اس کی مثال حاضر سے لائی جائے تاکہ اس کی ماہیت کا پوری طرح پتہ چل جائے اور حسِ عقل کے مطابق اُتر آئے اور یہ بات بڑی واضح ہے ایمان کی ترغیب مثال کے بغیر کتنی کیوں نہ دلائی جائے دل پر اس کا وہ اثر نہیں ہوتا جو اسے نُور کی تمثیل دے کر ہوتا ہے اسی طرح کفر سے کتنا ہی متنفر کیوں نہ کیا جائے اس کی قباحت عقل میں اتنی نہیں جمتی جتنی اسے اندھیرے سے مثال دے کر واقع ہوتی ہے کسی چیز کا ضعف بیان کیا جائے اور اس کی مثال مکڑی کے جالے سے لائی جائے تو اس کی ذہن میں رسائی اس کے مجرد ذکر سے زیادہ ہوگی اسی لیے اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں اور اس سے پہلی کتابوں میں امثال بہت بیان کی

---

[1] تفسیر کبیر جلد ۲ صہ ۷۳ طبع جدید مصر

ہیں اور فرمایا کہ یہ مثالیں ہیں جنہیں ہم لوگوں کے لیے بیان کرتے ہیں۔
رب العزت کی انتہائی شفقت اور رحمت ہے کہ بلند حقیقتیں تمثیلات کے پیرایہ میں آسان کردی جاتی ہیں لیکن حق قبول کرنے کی سعادت جن کی قسمت میں نہیں ہوتی وہ ان مثالوں سے سبق حاصل کرنے کی بجائے اُلٹا ان مثالوں پر ہی اعتراض کرنے لگتے ہیں۔ مخالفین قرآن کریم کے اس اسلوب نصیحت پر کبھی یوں لب کشا ہوتے ہیں کہ خدا کی شان کے لائق نہیں کہ وہ معمولی اور حقیر چیزوں کو جیسے مکڑی مچھر وغیرہ مثالوں میں پیش کرے۔

مخالفین یہاں ایک بڑی غلطی کر رہے ہیں مثال کا انطباق مثال دینے والے کی حیثیت سے نہیں ہوتا بلکہ جس کی مثال ہے اس کی حیثیت پیشِ نظر ہوتی ہے۔ اگر وہ حقیر اور کمزور ہے تو تمثیل بھی ایسی ہی حقیر اور کمزور چیزوں سے ہوگی۔ مثال دینے والے کی عظمت کا اس سے کیا تعلق۔
حضرت شیخ الہند رح لکھتے ہیں :-

مثال سے توضیح و تفصیل ممثل لہ کی مطلوب ہوتی ہے مثال دینے والے کی حقارت اور عظمت سے کیا بحث اور یہ مطلوب جبھی ہوگا کہ مثال اور ممثل لہ میں پوری مطابقت ہو ممثل لہ حقیر ہوگا تو اس کی مثال بھی حقیر ہونی چاہیئے۔ ورنہ تمثیل ہی بیہودہ سمجھی جائے گی۔ ہاں اگر تمثیل میں یہ ضروری ہوتا کہ مثال اور مثال دینے والے میں موافقت ضروری ہوتی تو بے وقوفوں کا اعتراض چل سکتا تھا مگر اس کا تو کوئی بیوقوف بھی قائل نہ ہوگا۔ تورات انجیل اور کلام حکماء و سلاطین میں ایسی مثالیں بکثرت موجود ہیں۔ اس کے خلاف کہنا کفار کی حماقت اور عناد کی بات ہے۔[1]

ان اللہ لا یستحی ان یضرب مثلاً ما بعوضۃً فما فوقھا۔ (پ البقرہ)
ترجمہ۔ بے شک خدا کو عار نہیں کہ کوئی مثال مچھر کی یا اس چیز کی جو (حقارت اور چھوٹائی میں) اس سے بڑھ کر ہو بیان کرے۔

ادبی اعتبار سے مچھر کی مثال میں کوئی قباحت نہیں بشرطیکہ ممثل لہ اپنی تحقیر میں مچھر کی عملی

---

[1] موضح الفرقان ص

تصویر ہو اس انتہائے حقارت کو بیان کرنے کے لیے جتنی ادنیٰ سے ادنیٰ مثال تلاش کی جائے گی اتنی ہی مقتضائے حال کے مطابق ہوگی یہی تمثیل کی بلندی اور بلاغت کی انتہا ہے اس غایت تحقیر میں جانا پستی کی طرف انتقال نہیں بلندی کی طرف ایک قدم ہے۔ یہی وجہ ہے قرآن کریم اس مقام پر مثلاً مابعوضۃ فما دونہا کی بجائے مثلاً ما بعوضۃ فما فوقہا کی تعبیر اختیار کرتا ہے۔ گو یہ فوقیت حقارت اور چھوٹائی میں ہو جیسا کہ آیت مذکورہ کے ترجمہ میں ہم نے اشارہ کر دیا ہے مچھر کو تو پھر بھی کوئی نہ کوئی اچھا عنوان مل سکتا ہے لیکن یہ کفار و مشرکین تو اس کے بھی اہل نہ تھے۔

ع پشہ سے سیکھ شیوۂ مردانگی کہ وہ
جب قصد خوں کو آئے تو پہلے پکار دے

جو لوگ ایمان کی حقیقت سے محروم تھے اور بزعم خود اپنے آپ کو "مومن" کہتے تھے ان کے لیے ایمان کی ایک محسوس صورت پیش کر دی گئی۔ صفِ اوّل کے صحابہؓ کو ایمانیات کی مثالی صورت میں پیش کیا انہیں معیارِ ایمان قرار دیتے ہوئے سمجھا دیا کہ اگر تم حقیقتِ ایمان کا تفصیلی جائزہ نہیں لے سکتے تو اپنے آپ کو ایمان کی اس کسوٹی "صحابہ کرامؓ کے ایمان" کے مطابق کرنے کی کوشش کرو تم ایمان پا جاؤ گے۔

واذا قیل لھم اٰمنوا کما اٰمن النّاس قالوا انؤمن کما اٰمن السّفھاء الا انھم ھم السفھاء ولٰکن لا یعلمون۔ (پ البقرہ)

ترجمہ۔ اور جب انہیں کہا جاتا ہے کہ تم ویسا ایمان لاؤ جیسا کہ یہ لوگ (صحابہ کرامؓ) ایمان لائے ہیں تو وہ کہہ دیتے ہیں کہ کیا ہم ان بیوقوفوں کو معیارِ ایمان قرار دیں خبردار یہ خود ہی بے وقوف ہیں مگر جانتے نہیں۔

دوسرے مقام پر اسی مثال کو ان الفاظ میں پیش کیا:۔

فان اٰمنوا بمثل ما اٰمنتم بہ فقد اھتدوا وان تولّوا فانّما ھم فی شقاق۔

(پ آخر البقرہ ۱۳۷)

ترجمہ بس اگر یہ لوگ اسی طرح ایمان لائیں جیسا کہ تم (اے صحابہؓ پیغمبر خاتم) ایمان لائے ہو تو بے شک یہ ہدایت پر ہیں اور اگر یہ (اس اصول سے) پھر جائیں تو پھر یہ محض ضد پر ہیں۔

یہاں قرآن کریم کی جملہ مثالوں کا احاطہ مقصود نہیں انہیں ہم انشاء اللہ آگے ایک مستقل عنوان میں پیش کریں گے۔ یہاں ہم قرآن کریم کے اسلوب پر بات کر رہے ہیں۔ قرآن کریم بات کو ذہن نشین کرانے کے لیے اس کے لیے مثالیں لاتا ہے اور یہ اسلوب تقریباً ہر آسمانی کتاب میں پایا گیا ہے

قرآن کریم کے اسلوب نصیحت کی ایک بہار مثالوں کے علاوہ اس کی نہایت مؤثر مضمون بندی میں بھی ہے ہر سورت کا آغاز وسط اور خاتمہ خصوصی شان کے حامل ہیں کلام اس انداز سے شروع ہوتا ہے کہ سننے والا ابتداء میں اس کی عظمت اور بلندی کا معترف ہو جاتا ہے انداز بتا رہا ہوتا ہے کہ کوئی نہایت ہی اعلیٰ مضمون بیان ہونے والا ہے وسط اس کی تصدیق کر دیتا ہے اور تفصیل کھل کر سامنے آجاتی ہے۔ پھر خاتمہ اس کا پورا ماحصل چند لفظوں میں لپیٹ کر اس مضمون پر مہر لگا دیتا ہے آیات کے فواتح و مقاطع میں عجیب مناسبت ہے اس موضوع میں مراصد المطالع فی تناسب المقاطع والمطالع ایک قابل دید کوشش ہے۔

انجیل (نئے عہد نامے) میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بار بار تمثیل پیش کرتے دکھایا گیا ہے خدا کی طرف سے تمثیلات مکاشفوں کی صورت میں دکھائی جاتی ہے اور بندوں کی طرف سے عام مشاہدات کو بطور تمثیل پیش کیا جاتا ہے۔

سُوَرُ القرآن

تقسیم القرآن فی صحف الرحمٰن

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ اما بعد :

قرآن کریم لوحِ محفوظ میں ایک مسلسل کتاب کی صورت میں نہیں مختلف صحیفوں میں تقسیم تھا پھر ایک ایک صحیفہ میں بھی باستثناء چھوٹے صحف کئی کئی ابواب Chapters تھے۔ امام بخاریؒ نے اپنی صحیح میں جو بڑے ابواب باندھے ہیں وہ کتاب العلم۔ کتاب الصلوٰۃ۔ کتاب الزکوٰۃ۔ کتاب الحج وغیرہ ناموں سے لکھے ہیں۔ صحیح بخاری کے اندر یہ مختلف کتابیں ہیں۔ قرآن کریم بھی ایک کتاب ہے مگر اس میں بھی متعدد صحیفے ہیں اور ان میں مضبوط تحریریں پائی جاتی ہیں اور یہ صحیفے اور ان میں پائی گئی تحریریں پہلے حضورؐ کی زبان پر آئیں اور آپ کی تلاوت سے پھر یہ صحابہؓ کی دستاویزات بنیں۔ پھر سرکاری طور پر انہیں محفوظ کیا گیا ان کی نقلیں لی گئیں اور آج آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ہی اترا یہ قرآن دنیا کے اطراف و اکناف میں موجود و محفوظ اور مقرو و مزبور ہے نہ اس میں آگے سے باطل شامل ہو سکتا ہے نہ پیچھے سے۔ یہ ایک الٰہی تنزیل ہے۔

رسول من اللہ یتلوا صحفا مطھرۃ فیھا کتب قیمۃ۔ (پ۳۰ البینۃ ۳)

ترجمہ۔ اللہ کا رسول پڑھ رہا ہے پاک صحیفے ان میں ہیں قائم رہنے والی تحریریں۔

یاد رکھیئے یہ تحریریں قائم رہنے والی ہیں انہیں زمانے کی کوئی دستبرد نہ مٹا سکے گی۔

صحف کے معنی لکھنے کے ہوتے ہیں اسے باب اِفعال میں اِصحاف کہیں گے جس کے معنی اوراق منتشرہ کو ایک جگہ لکھنے کے ہیں مصحف اسی سے اسم مفعول ہے صحیفہ بھی اسی نوع کا ایک تحریری مجموعہ ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر جو آیات اُترتیں آپ انہیں ان کی مناسبت سے ان کے متعلقہ صحیفے میں لکھوا دیتے تھے۔ اس طرح قرآن کئی صحیفوں میں تقسیم ہے۔ ان صحیفوں کے مجموعہ کو بھی مصحف کہتے ہیں۔

قرآن کے اصول پہلی کتابوں میں بھی دیئے گئے تھے

قرآن کریم کے اُصول جن پہلی کتابوں میں پائے جاتے رہے وہ پہلی کتابیں بھی صحیفے کہلاتی تھیں

ان اصولوں پر مشتمل ہونے کے سبب سے انہیں بھی صحیفہ کہا گیا ہے۔ گو وہ صحیفے حضرت ابراہیمؑ پر اترے یا وہ تورات میں موجود ہوں" آخرت ہی باقی رہنے والی ہے اور یہی خیر ہے" الاٰخرۃ خیر لھم لوکانوا یعلمون ــــ یہ مضمون قرآن کریم میں متعدد پیرایوں میں آیا ہے ــــ اس کے بارے میں خبر دی گئی۔

والاٰخرۃ خیر وابقیٰ ان ھٰذا لفی الصحف الاولیٰ ــــ صحف ابراھیم وموسیٰ۔ (پ۳۰ الاعلیٰ ۱۹)

قرآن کریم کا ایک نام مصحف ہے اور اس کے اندر مختلف صحیفے ہیں انہی صحیفوں کو قرآن کریم کی مختلف سورۃ میں کہا جاتا ہے۔ سور عربی میں دیوار اور فصیل کو کہتے ہیں فصیل شہر کی خارجی دیوار کو کہتے ہیں۔ جس طرح فصیل شہر کا احاطہ کرتی ہے اس طرح جو قطعہ آیات ایک مضمون یا چند متناسب مضامین کا احاطہ کرے اسے بھی ایک سورت کہہ سکتے ہیں۔ قرآن کریم ایک کتاب ہے مگر یہ متعدد (۱۱۴) سورتوں پر مشتمل ہے۔

کبھی یہ لفظ ان اصطلاحی معنیٰ میں نہیں چند آیات پر بھی آجاتا ہے لیکن مراد اس سے بھی نازل شدہ بات ہوتی ہے نہ کہ اپنی کہی بات۔

واذا ما انزلت سورۃ نظر بعضھم الیٰ بعض۔ (پ۱۱ التوبۃ ۱۲۷)

ترجمہ۔ اور جب نازل ہوتی ہے کوئی سورت تو ان میں ایک دوسرے کو دیکھنے لگتے ہیں۔

کلام الٰہی کا سننا ان پر بہت شاق گزرتا ہے خصوصاً وہ آیات جن میں ان کے عیوب کھولے جاتے ہیں اس وقت ایک دوسرے کی طرف کن انکھیوں سے اشارہ کرتے اور ادھر اُدھر دیکھتے قالہ شیخ الاسلام:

یہاں سورت کا لفظ چند آیات کے معنی میں ہے یہ اپنے اصطلاحی معنی میں نہیں آیک اور مقام

پر فرمایا:۔

واذا انزلت سورۃ ان اٰمنوا باللہ وجاھدوا مع رسولہ استأذنک اولوا الطول منھم۔ (پ۱۰ التوبۃ ۸۲)

قرآن کریم کی سورتوں میں تقسیم توقیفی ہے

قرآن کریم کی پاروں میں تقسیم اور رکوعوں میں تقسیم انسانی تقسیم ہے لیکن قرآن کریم کی سورتوں میں تقسیم توقیفی ہے جو لوحِ محفوظ کے صحیفوں کے مطابق ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف مواقع پر سورتوں کا نام لے لے کر ان کی طرف رغبت دلائی۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ اللہ کے ہاں بھی قرآن ان سورتوں کے ایک مجموعہ کا نام ہے اور قرآن کریم کی یہ سورتوں میں تقسیم خدا کی طرف سے ہے یہ انسانوں کی اپنی نہیں۔

قرآن کریم کی دس سورتوں کے بعد گیارہویں سورت میں کہا گیا کہ اگر یہ کلام واقعی انسانی کلام ہے تو تم بھی ایسی دس سورتیں گھڑ لاؤ :۔

قل فأتوا بعشر سور مثله مفتریات ۔ (پ ۱۲ ہود ۱۳)

پہلی دس سورتوں کو یہاں دس سورتیں کہا گیا ہے یہ ان کا دس سورتیں ہونا اللہ تعالیٰ کی طرف سے بیان شدہ ہے اس سے یہ بھی پتہ چلا کہ الانفال اور التوبہ دو سورتیں ہیں ایک نہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مندرجہ سورتوں کا نام لے لے کر ان کے بارے میں کوئی خاص بات کہی ملاحظہ کیجئے :۔

آنحضرتؐ نے ایک دفعہ حضرت عمرؓ کو کہا الا تکفیک اٰیة الصیف فی اٰخر سورة النساء[1] فتنہ دجال سے بچانے کے لیے فرمایا من حفظ عشر اٰیات من اوّل سورة الکهف عصم من فتنة الدجال[2]۔ یہ بھی فرمایا من قرأ اٰیتین من اٰخر سورة البقرہ فی لیلة کفتاہ[3]۔ اور یہ بھی فرمایا من قرأ ثلث اٰیات من اٰخر سورة الحشر وکل اللّٰه به سبعین ملکاً یصلون علیه حتی یمسی[4]۔ اور یہ بھی فرمایا من قرأ سورة الواقعة فی کل لیلة لم تصبه فاقة ابداً[5]

امام ابوبکر الانباری فرماتے ہیں :۔

یوقف جبریل النبی صلی اللّٰه علیه وسلم علی موضع الاٰیة والسورة فاتساق السور کاتساق الاٰیات والحروف کله عن النبیؐ فمن قدم سورة او اخرها فقد افسد القراٰن[6]

ترجمہ۔ حضرت جبریل آنحضرتؐ کو آیت اور سورت کا مقام بتلاتے تھے سو سورتوں کا جوڑ آیتوں اور حروف کے جوڑ کی طرح ہے اور ان میں ہر ایک بات خدا تعالیٰ کی طرف سے ہے

---

[1] صحیح مسلم ج ۲ ص ۳۵ [2] ایضاً ج ۱ ص ۲۷۱ [3] سنن ابی داؤد ج ۱ ص ۱۹۸ [4] جامع ترمذی ج ۲ ص ۱۲۳ [5] مشکوٰۃ ص [6] الاتقان ص

جس نے کسی سورت کو اپنے مقام سے آگے یا پیچھے کیا اس نے نظمِ قرآن کو بدل ڈالا۔

شانِ نزول اور مواقع النزول

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ اور تابعین نے جس طرح شانِ نزول کی معرفت ضروری سمجھی اس طرح مقامِ نزول کو بھی انہوں نے بڑی احتیاط سے یاد رکھا اور مواقع نزول کی تعیین میں یہاں تک اہتمام کیا کہ مکی اور مدنی سورتوں کی تعیین تو ایک طرف ان حضرات نے حضری و سفری، نہاری و لیلی، صیفی و شتائی بلکہ فراشی و نومی اور ارضی و سمائی آیات تک کی تعیین کر دی ہے۔ فجزاھم اللہ احسن الجزاء

مکی اور مدنی آیات کی تفصیل و تعدید سے پہلے مکی اور مدنی کی اصطلاحی حدود بیان کرنی ضروری ہیں اہل علم اس کی تعیین دو اعتبارات سے کرتے ہیں:۔

(۱) مکی سے مراد وہ سورتیں ہیں جو مکہ میں نازل ہوئیں خواہ ہجرت سے پہلے خواہ ہجرت کے بعد فتح مکہ اور حجۃ الوداع کے موقع پر ان کا نزول ہوا اور مدنی سورتوں سے مراد وہ سورتیں ہیں جو مدینہ منورہ میں نازل ہوئیں اس اصطلاح کے مطابق وہ سورتیں جو سفر وغیرہ میں اُتریں مکی یا مدنی کسی ذیل میں نہ آسکیں گی اور ایک تیسری قسم کی ضرورت لاحق ہو گی۔ زیادہ سے زیادہ مکہ کے نواحی علاقوں جیسے منیٰ، عرفات اور مزدلفہ وغیرہا میں نازل ہونے والی سورتوں کو مکی اور مدینہ کے مضافات جیسے بدر، احد، سلع وغیرہا میں نازل ہونے والی سورتوں کو مدنی کہہ سکیں گے لیکن سارے سفروں کو مکی اور مدنی کی یہ تقسیم پھر بھی جامع نہ ہو گی اور ایک تیسری قسم کی صورت بہرحال لاحق ہو گی۔

(۲) مکی سے مراد وہ سورتیں ہیں جو ہجرت سے پہلے آپ کی زندگی میں نازل ہوئیں مقامِ نزول خواہ مکہ ہو خواہ اور کوئی جگہ۔ حتیٰ کہ اگر کوئی سورت مدینہ کی طرف سفر کرتے ہوئے راستے میں نازل ہوئی تو اسے بھی مکی ہی کہا جائے گا۔ اسی طرح مدنی سورتوں سے مراد وہ سورتیں ہیں جو ہجرت کے بعد نازل ہوئیں مقامِ نزول خواہ مدینہ ہو خواہ مکہ ہو خواہ کوئی اور جگہ۔

اس صورت میں مکی و مدنی سے مراد مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ کی طرف نسبت نہیں، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مکی اور مدنی زندگی کی طرف نسبت مراد ہو گی اور آپ کی حیاتِ طیبہ کے انہی دو زمانوں

کے اعتبار سے قرآن کریم مکی اور مدنی دو قسم کی سورتوں میں منقسم ہوگا۔ پس حالتِ سفر میں نازل ہونے والی آیات اور سورتیں بھی انہی میں سے کسی ایک ذیل میں درج ہوں گی اور مکی اور مدنی کی تقسیم سارے قرآن کو شامل ہوگی۔

یہ دوسری اصطلاح ہی زیادہ مقبول اور علمی حلقوں میں مشہور ہے اور یہی مختار عند الجمہور ہے علامہ شامی لکھتے ہیں:-

المدنی ما نزل بعد الھجرة وان کان فی غیر المدینة والمکی ما نزل وان کان فی غیر مکة وھو الاصح۔[1]

ترجمہ۔ مدنی آیات سے مراد وہ آیات ہیں جو ہجرت کے بعد نازل ہوئیں گو وہ مدینہ کے علاوہ کسی اور جگہ اُتری ہوں اور مکی سے مراد وہ آیات ہیں جو ہجرت سے پہلے اُتریں گو وہ مکہ کے علاوہ کسی اور جگہ اُتری ہوں یہی بات زیادہ صحیح ہے۔

المکّی والمدنی

قرآن کریم کل ایک سو چودہ (۱۱۴) سورتوں پر مشتمل ہے جن میں سے ستاسی (۸۷) مکی اور ستائیس (۲۷) مدنی ہیں۔

(۱) فاتحۃ الکتاب مکی ہے اور سورۃ بقرہ سے سورۃ مائدہ تک چار لمبی سورتیں مدنی ہیں۔

(۲) آگے سورۃ انعام (ماسوائے تین آیات کے جو مدینہ میں اُتریں) اور سورۃ اعراف دونوں مکی ہیں۔

(۳) پھر سورۃ انفال اور سورۃ توبہ دونوں مدنی ہیں۔

(۴) اس کے بعد سورۃ یونس سے سورۃ احقاف تک (ماسوائے الحج، النور، الاحزاب کے) سب (۳۵) مکی ہیں۔

(۵) پھر سورۃ محمد، سورۃ فتح اور سورۃ حجرات تینوں مدنی ہیں۔

(۶) اس کے بعد سورۃ ق سے سورۃ قمر تک پانچ مکی سورتیں ہیں۔

(۷) پھر سورۃ الرحمٰن سے لے کر سورۃ تحریم تک (ماسوائے الواقعہ کے) گیارہ سورتیں مدنی ہیں۔

---

[1] رد المحتار جلد ۱ صد ۲۶۱ مصر

(۸) پھر سورۃ ملک سے سورۃ قدر تک (باستثناء سورۃ دہر) تیئس مکی سورتیں ہیں۔

(۹) اس کے بعد سورۃ البینہ اور زلزال دو مدنی سورتیں ہیں۔

(۱۰) اور اس کے بعد سورۃ العادیات سے آخر قرآن تک (ماسوائے سورۂ نصر کے) چودہ سورتیں مکی ہیں۔ یہ کل ایک سو چودہ سورتیں ہیں۔

اگرچہ مکی اور مدنی دونوں طرح کی سورتوں میں جملہ علوم قرآنی سے بحث ہوتی ہے تاہم ان کے عمومی تقابل میں ان میں کچھ امتیازات بھی سامنے آتے ہیں۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں تھے تو آپ کا رخ خطاب زیادہ مشرکین کی طرف ہوتا تھا۔ مسلمانوں میں اعمال کی تلقین نسبتہً کم تھی۔ اسلام کی اخلاقی بزرگی کے زیادہ مظاہر اسی مکی زندگی میں سامنے آتے۔ ہم ان امتیازات کو یہاں یوں لیتے ہیں:۔

مکی اور مدنی سورتوں کے مضامین کا عمومی تقابل

(۱) مکی سورتوں کے موضوع زیادہ تر عقائد ہیں۔ اصلاح نظر کے لیے حقائق کائنات اور اصول دانش پر زیادہ زور دیا گیا ہے وجود باری، توحید ذات، توحید صفات، بعثت رسل بشر، انزال کتب اور حشر و نشر جیسے بنیادی مسائل زیادہ تر عقلی دلائل سے پیش کیے گئے ہیں۔ فکر آخرت کے لیے پہلی قوموں کے وہ عبرت آموز واقعات بھی پیش کیے گئے ہیں جو عربوں میں بالعموم مشہور تھے ان بیانات سے مقصود تاریخ دانی یا قصہ خوانی نہیں بلکہ مختلف قوموں کی غلطیوں سے آئندہ نسلوں کو درسِ عبرت دینا ہے۔

مدنی سورتوں کے موضوع زیادہ تر اعمال ہیں، عبادات، اخلاق اور معاملات کے اصول و فروع کا بیان ہے۔ قانونی جزئیات اور حرام و حلال کی تفصیلات ہیں۔ تمدن و سیاست کے لیے واضح ہدایات ہیں۔ اندازِ بیان مناظرانہ کی بجائے حکیمانہ ہے۔ رغبت و رہبت کی میزان قائم ہے۔ عقائد اور احوال آخرت بھی ضمناً مذکور اور ہر جگہ ملحوظ ہیں۔

(۲) مکی سورتوں میں مخاصمہ زیادہ تر مشرکین سے ہے اور مدنی سورتوں میں مقابل بالعموم یہود و نصاریٰ ہیں ان سورتوں میں ارشادات عامہ مسلمانوں سے متعلق ہیں اور انہی خطابات میں فروع اسلام کی تکمیل ہوتی ہے۔ مکی سورتوں میں خطاب پوری نوع انسانی سے ہے۔ ان میں زیادہ تر اسلامی

اصولوں کی تعلیم ہوتی ہے۔ مکی سورتوں کے الفاظ خطاب عام طور پر یا ایہا الناس اور یا بنی آدم وغیرہ ہیں اور مدنی سورتوں میں بیشتر خطاب یا ایہا الذین آمنوا سے ہے کہیں کہیں یا اہل الکتاب کہہ کر اہل کتاب کو بھی مخاطب کیا گیا ہے۔

(۳) مکی سورتوں کی زبان مدنی سورتوں کی نسبت کچھ دقیق ہے صنائع و بدائع بھی بیشتر مکی سورتوں میں ہی ہیں جن عربوں کو اپنی زبان دانی اور فصاحت و بلاغت پر ناز تھا ان کے کمالات کا مرکز یہی مکہ کی سرزمین تھی۔ انہیں عاجز کرنا اور مقابلہ کی دعوت دینا یہیں زیادہ مناسب تھا اس فضا کی جھلک مکی سورتوں میں عام پائی جاتی ہے۔ مدنی سورتوں میں زبان زیادہ سلیس اور کچھ قانونی انداز کی ہے۔ مدنی سورتوں کے بیشتر ارشادات اوامر و نواہی اور احکام سے متعلق ہیں اور ظاہر ہے کہ احکام کا پیرایہ جتنا سادہ اور سلیس ہو بہتر ہوتا ہے۔

(۴) مدنی سورتیں مکی سورتوں کی نسبت زیادہ طویل ہیں کیونکہ مکی سورتوں میں سے ہر ایک سورت ایک مستقل موعظہ اور ایک نرالا پیرایہ بیان ہے۔ افادی پہلو سے یہی مناسب تھا کہ انہیں زیادہ سے زیادہ عنوانوں کے ساتھ پیش کیا جائے۔ یہ بیان مقتضائے حال کے مطابق انتہائے بلاغت پر ہیں۔ مدنی سورتوں میں چونکہ احکام و مسائل اور مسلسل واقعات کا بھی بیان ہے اس لیے وہ سورتیں نسبتہً لمبی ہیں لیے مضامین ایک پیرایہ بیان میں ادا ہو سکتے ہیں۔

ایک تنبیہ

اہل علم کا اتفاق ہے کہ بعض آیات تعظیم غایت اور تذکیر موکد کے لیے دو دفعہ بھی نازل ہوئیں سورۃ فاتحہ اور سورۃ اخلاص کے نزول کو بھی مکرر بتایا گیا ہے۔ سورۃ اخلاص قل ہو اللہ احد مکہ میں مشرکین کے جواب میں اور مدینہ میں اہل کتاب کے مقابلہ میں نازل ہوئی۔ علامہ زرکشی نے برہان میں اور علامہ سیوطیؒ نے الاتقان[1] میں اس موضوع کو ایک مستقل عنوان سے بیان کیا ہے۔ اس امر کے پیش نظر وہ بہت سے اشکالات جو بعض آیات کے مکی اور مدنی ہونے کے مختلف روایات سے پیدا ہوتے ہیں ختم ہو جاتے ہیں۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس میں اصطلاح کا اختلاف اثر انداز ہو رہا ہو جس کی تفصیل پہلے ہو چکی ہے کہ مکی اور

---

[1] الاتقان جلد ۱ ص۳۵ مصر

مدنی کی تعریف definition میں اہل علم میں اختلاف رہا ہے یہ تطبیق صرف اس صورت میں ہے کہ روایات مختلفہ اپنی اپنی جگہ اسناداً صحیح ہوں۔

قرآن پاک کے فواتح

سورتوں کے شروع ہونے کے مختلف انداز

(۱) چودہ ۱۴ سورتیں اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا سے شروع ہوتی ہیں۔ پانچ ۵ الحمد کے ساتھ دو ۲ تبارک کے ساتھ سات ۷ لفظ سبحان اور اس کے مشتقات کے ساتھ شروع ہوتی ہیں۔

(۲) اُنتیس ۲۹ سورتیں حروف مقطعات سے شروع ہوتی ہیں ان کی مجموعی تعداد (بحذف مکررات) کل حروف تہجی کا اسی طرح نصف ہے کہ ہر صنف حروف کا نصف اس میں شامل ہے۔

(۳) دس ۱۰ سورتیں بلفظ ندا شروع ہوتی ہیں۔ پانچ ۵ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بالقاب مختلفہ مخاطب ہیں اور پانچ میں امت اجابت یاایہا الذین آمنوا کے خطاب سے مخاطب ہے۔

(۴) تئیس ۲۳ سورتیں جملہ خبریہ سے شروع ہوتی ہیں جیسے یسئلونک عن الانفال اور براءۃ من اللہ ورسولہ وغیرہا۔

(۵) پندرہ ۱۵ سورتیں قسم سے شروع ہوتی ہیں جیسے والضحیٰ۔ والتین۔ والعصر وغیرہا۔

(۶) سات ۷ سورتوں کی ابتدا حرف شرط سے ہوتی ہے جیسے اذا وقعت الواقعہ اور اذا جاء نصر اللہ وغیرہا۔

(۷) چھ ۶ سورتیں بصیغہ امر شروع ہوتی ہیں جیسے قل اوحی الیّ انہ استمع نفر من الجن اور قل ہو اللہ احد وغیرہا۔

(۸) چھ ۶ سورتیں بصیغہ استفہام شروع ہوتی ہیں جیسے ہل اتیٰ علی الانسان اور الم نشرح وغیرہا۔

(۹) تین ۳ سُورتیں بد دعا کے ساتھ شروع ہوتی ہیں۔ ویل للمطففین۔ ویل لکل ہمزہ اور تبت یدا ابی لہب وتب۔

(۱۰) ایک سورت کی ابتداء حرف تعلیل سے ہوتی ہے لایلف قریش۔

قرآن مجید کی سورتیں شاہی فرامین کی طرح ہیں. خطوط شاہی کبھی حمد باری تعالیٰ سے شروع ہوتے ہیں اور کبھی اس کے بغیر، کسی کا عنوان پہلے بیان ہوتا ہے اور کسی کا نہیں. کسی کی ابتداء بھیجنے والے کے نام سے اور کسی کی ابتداء مکتوب الیہ کے خطاب سے. پھر بعض مختصر ہوتے ہیں اور بعض مطول و مفصل. اسی طرح قرآن کریم کے فواتح اور سورتوں کے شروع ہونے کے انداز مختلف ہیں.

جس طرح قصائد میں پہلے تشبیب ہوتی ہے اور اس کے بعد مقصد کی طرف رجوع کیا جاتا ہے اسی طرح بعض سورتوں کی ابتداء بڑی زور دار تمہید سے ہے جیسے والصافات صفاً فالزاجرات زجرًا - اذا الشمس کورت اور والسماء ذات البروج وغیرہا. اور اس کے بعد قرآن کے مضامین عالیہ کا بیان ہے بعض سورتوں کے اختتام کا وہ انداز ہے جو شاہی خطوط کے اواخر کا ہوتا ہے ان میں مخاطب کو خصوصی توجہ دلانے کے لیے پہلے احکام کا حاصل پھر دہرایا جاتا ہے ؎

گلہائے رنگ رنگ سے ہے زینت چمن　　اے ذوق اس جہاں کو ہے زیب اختلاف سے

سُورتوں کے فواتح اور مقاطع میں فرق

(۱) سورۃ البقرہ کا آغاز ھدی للمتقین اور یومنون بالغیب کی صفات سے ہوا تھا ایمان اور تقویٰ کے ساتھ دعویٰ عمل اور اپنی خودی باقی نہیں رہی۔ اس کا پتہ بندوں کی عاجزی. توبہ، طلب مغفرت اور رحم کی اپیل سے چلے گا. سورت کا خاتمہ ان الفاظ سے ہوتا ہے.

واعف عنا واغفرلنا وارحمنا انت مولٰنا فانصرنا علی القوم الکافرین.

سورت کی ابتداء اور انتہا میں یہ مناسبت بتلاتی ہے قرآن کریم کی ہر سورت بجائے خود ایک مکمل کتاب ہے تبھی تو ان کے مفاتح اور مقاطع میں یہ ربط موجود ہے۔ اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ قرآن کریم کی سورتوں میں تقسیم توقیفی ہے یہ انسانوں کی اپنی قائم کردہ نہیں.

(۲) الحمد نماز کا نہایت اہم جزء ہے اس کے بغیر نماز نہیں ہوتی. دن رات میں پانچ نمازیں ہیں. قرآن کریم میں پانچ سورتوں کا آغاز اللہ تعالیٰ کی حمد سے ہوتا ہے :

۱. الفاتحہ　۲. الانعام　۳. سورۃ الکہف　۴. سورۃ سبا　۵. سورۃ فاطر

③ اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو پانچ سورتوں کے آغاز میں حرفِ ندا سے خطاب فرمایا ہے۔

۱۔ یا ایہا النبی اتق اللہ (پ۲۱ الاحزاب)

۲۔ یا ایہا النبی لم تحرم ما احل اللہ لک۔ (پ۲۸ تحریم)

۳۔ یا ایہا النبی اذا طلقتم النساء۔ (پ۲۸ الطلاق)

۴۔ یا ایہا المدثر۔ (پ۲۹ المدثر)

۵۔ یا ایہا المزمل۔ (پ۲۹ المزمل)

④ پھر اس امت کو بھی پانچ سورتوں کی ابتداء میں حرفِ ندا سے خطاب کیا ہے۔

۱۔ یا ایہا الناس اتقوا ربکم۔ (النساء)

۲۔ یا ایہا الذین امنوا اوفوا بالعقود۔ (المائدہ)

۳۔ یا ایہا الناس اتقوا ربکم ان زلزلۃ الساعۃ شیء عظیم۔ (الحج)

۴۔ یا ایہا الذین امنوا لا تقدموا بین یدی اللہ و رسولہ۔ (الحجرات)

۵۔ یا ایہا الذین امنوا لا تتخذوا عدوی و عدوکم اولیاء۔ (الممتحنہ)

⑤ پانچ سورتوں کا آغاز فعل تسبیح سے ہوا :۔

۱۔ سبح للہ ما فی السموات۔ (حدید)

۲۔ سبح للہ ما فی السموات۔ (صف)

۳۔ یسبح للہ ما فی السموات۔ (جمعہ)

۴۔ یسبح للہ ما فی السموات۔ (تغابن)

۵۔ سبح اسم ربک الاعلیٰ (اعلیٰ)

ان میں دو ماضی دو مضارع اور ایک فعل امر ہے۔

⑥ پانچ سورتوں کا آغاز قل سے کیا گیا :۔

۱۔ قل اوحی الی (الجن) ۲۔ قل یا ایہا الکافرون (الکافرون)

۳۔ قل ھو اللہ احد (الاخلاص) ۴۔ قل اعوذ برب الفلق (الفلق)

۵۔ قل اعوذ برب الناس۔ (الناس)

پندرہ۱۵ سورتوں کا آغاز قسم کے الفاظ سے کیا گیا ہے. ان کی تفصیل ہم ان شاء اللہ العزیز ایمان القرآن کے عنوان کے تحت کریں گے.

ہم یہاں قرآن کریم کی ۱۱۴ سورتوں کو اپنے مختلف عنوانوں سے ذکر کرتے ہیں طلبہ انہیں اس ترتیب سے بآسانی یاد کرسکیں گے.

(۱) سبع طوال (سات لمبی سورتیں)

۱. البقرہ. ۲. آل عمران. ۳. النساء. ۴. المائدہ. ۵. الانعام. ۶. الاعراف. ۷. الانفال والبرأۃ.

(۲) مئین (کم وبیش سو آیتیں رکھنے والی سورتیں)

سورۃ یونس سے سورۃ فاطر تک ۲۶ سورتیں ہیں.

(۳) مثانی (یہ سورۃ یٰسین سے سورۃ ق تک ہیں)

ان میں پچھلے انبیاء اور ان کی امتوں کے حالات اور عبرت ونصائح ہیں)

(۴) مفصل (ان کی دو فہرستیں ہیں)

۱. اوساطِ مفصل. یہ لم یکن الذین کفروا من اھل الکتاب تک ہے.

۲. قصارِ مفصل، یہ آخر قرآن کریم تک.

قرآن کریم کی یہ تقسیم ترتیب رسولی کے اعتبار سے ہے. ترتیب نزولی حسب بیان علامہ سیوطیؒ اس طرح واقع ہوئی:۔

۱. اقرأ ۲. نٓ ۳. المزمل ۴. المدثر ۵. تبت ۶. تکویر ۷. الاعلیٰ
۸. واللیل ۹. والفجر ۱۰. والضحیٰ ۱۱. الم نشرح ۱۲. والعصر ۱۳. العادیات ۱۴. کوثر
۱۵. تکاثر ۱۶. یکذب بالدین ۱۷. الکافرون ۱۸. الم تر ۱۹. الفلق ۲۰. الناس
۲۱. الاخلاص ۲۲. النجم ۲۳. عبس ۲۴. القدر ۲۵. والشمس ۲۶. والسماء.
۲۷. والتین ۲۸. قریش ۲۹. القارعہ ۳۰. القیامہ ۳۱. ہمزہ ۳۲. المرسلات
۳۳. ق ۳۴. البلد ۳۵. الطارق ۳۶. الساعۃ ۳۷. ص. ۳۸. الاعراف ۳۹. قل
اوحی ۴۰. یٰسین ۴۱. الفرقان ۴۲. الملٰئکۃ ۴۳. مریم. ۴۴. طٰہٰ ۴۵. الواقعہ
۴۶. الشعراء ۴۷. طس ۴۸. النمل ۴۹. طسم ۵۰. القصص. ۵۱. اسرائیل ۵۲. یونس ۵۳. ہود.
۵۴. یوسف ۵۵. الحجر ۵۶. الانعام ۵۷. الصافات.

ایمانُ القرآن

قرآن کریم کی قسمیں

الحمد للہ وسلامٌ علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ اما بعد :

عام طور پر قسم تعظیم کے لیے ہوتی ہے جس میں ذات معظم کے تصرف اور گرفت کے ڈر سے انسان اپنے آپ کو سچ کہنے پر مجبور کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے بارے میں دو باتیں ہر مذہب اور ہر عقیدے میں تسلیم کی گئی ہیں۔ اوّلاً یہ کہ اس کا علم محیط ہے کوئی بات اس کے علم سے پردہ میں نہیں رہ سکتی۔ ثانیاً اس کی ہمہ گیر قدرت سے کوئی مخلوق باہر نہیں —— یہ دو عقیدے اسے حق کہنے پر مجبور کر سکتے ہیں اور وہ سمجھتا ہے کہ میں جھوٹی کھاکر اپنے آپ کو عذابِ الٰہی کی گرفت میں دوں گا۔ اس خوف سے وہ سچ بولنے پر آمادہ ہو جاتا ہے۔ جھوٹی قسم آبادیوں کو ویرانوں میں بدل دیتی ہے۔

قسم کا یہ تصور شروع سے انسانی سوسائٹی میں چلا آیا ہے اور بہت سے مقدمات ہیں جو قسم اُٹھانے سے حل ہوتے ہیں سو قسم کی عظمت کا کوئی انکار نہیں کرتا۔

ہاں کسی ایسی چیز کی قسم کرنا جس کا علم نہ محیط ہو اور نہ اس کی قدرت ہمہ گیر ہو قطعاً جائز نہیں۔ قسم واقعات پر بھی دی یا لی جاتی ہے اور حقائق پر بھی —— واقعات پر قسم دینے یا لینے سے حقوق کے فیصلے ہوتے ہیں اور حقائق پر قسم اس وقت کھائی جاتی ہے جب ان کے مقابل کوئی فریق نہ ہو۔ حقائق کائنات میں کسی چیز کے بارے میں مزید یقین پر گواہی دینی ہو اور اکثر لوگ کسی بات کی پختگی ظاہر کرنے کے لیے قسم اپنے تکیہ کلام میں لے آتے ہیں۔

(۱) قسم کی پہلی قسم اپنے اوپر کسی ذات عالی کی گرفت کا اقرار کرنا ہے اور اسی گرفت سے بچنے کے لیے بات صحیح صحیح کہہ دینا ہے خواہ اس پر کوئی سزا کیوں نہ آئے۔

(۲) قسم کی دوسری قسم کسی آفاقی حقیقت پر اپنے عقیدے کی پختگی کا مزید یقین دلانا ہے۔ بندے جب قسمیں کھائیں تو ان کی قسم پہلی قسم میں سے ہوگی۔ اس میں جس کی قسم کھائی جا رہی ہے اس کی تعظیم اور اور اس کے تصرف کا اقرار ہوگا۔

اسی عام تصرف کے باعث بعض لوگوں نے قرآن کریم کی قسموں پر اعتراض کیا ہے کہ ربُّ العزت کو

کسی کی تعظیم کی کیا ضرورت۔ سو اس موضوع پر یہ اصول پیش نظر رہے کہ :-

بعض مقامات پر قرآن کریم اپنے مضمون و مدعا کو قسم کے ساتھ بیان کرتا ہے اس مقام پر جس چیز کی قسم ہوتی ہے اسے مدعا پر بطور گواہ پیش کیا جاتا ہے یہ قسم اپنے مضمون پر ایک شہادت ہوتی ہے اس قسم کی قسمیں اونچے ادب میں بکثرت ملتی ہیں۔ فصحائے عرب کے کلام میں بھی اس کی بہت مثالیں ملتی ہیں۔ ایک عاشق اپنے محبوب کو جب یوں کہتا ہے کہ تیرے سُرخ ہونٹوں اور مشکیں زلفوں کی قسم تو ایک دلربا محبوب ہے تو اس کا معنی یہی ہے کہ ہونٹوں کی یہ رنگت اور زلفوں کی یہ نکہت تیرے محبوب ہونے کی ایک کھلی شہادت ہے۔ قسم بارادہ شہادت اس قسم سے بالکل مختلف ہے جو باعتقادِ تصرف کھائی جاتی ہے اس میں مُقسَم بہ (جس کی قسم کھائی جائے) کے متعلق یہ اعتقاد ہوتا ہے کہ بات پُوری نہ ہونے کی صورت میں وہ مجھے نقصان پہنچانے پر قادر ہے میں اس کی گرفت سے کسی طرح باہر نہیں۔ قسم باعتقاد تصرف تو صرف اللہ کے ساتھ مخصوص ہے۔ خدا کے سوا کسی کے بارے میں یہ اعتقاد تصرف جائز نہیں لیکن قسم بارادہ شہادت ہر اس چیز کی جائز ہے جس کو کسی مدعا پر بطور گواہ پیش کیا جائے۔ چلپی حاشیہ مطول میں اس کی تصریح موجود ہے۔

عربوں کا یہ خصوصی ذوق ہے کہ جب انہیں کسی بات کا یقین ہو جائے تو اس کی سچائی کو دوسروں پر واضح کرنے کے لیے وہ قسم کا پیرایہ اختیار کر لیتے ہیں بات بات پر واللہ باللہ کہتے ہیں۔ قرآن کریم لغت عرب پر اُترا ہے۔ سو اس میں عربوں کے اس پیرایہ بیان کی رعایت کی گئی ہے قرآن کریم میں لائی گئی قسمیں جواب قسم پر ایک شہادت پیش کی گئی ہیں۔

عام قاعدہ ہے کہ کسی بات کو پختہ کرنے کے لیے یا اس پر شہادت لائی جاتی ہے یا اس پر قسم گذرائی جاتی ہے۔ جب کسی بات پر گواہ نہ ملیں تو پھر قسم کی طرف رجوع کیا جاتا ہے۔ مدعی گواہ پیش نہ کر سکے تو مدعا علیہ قسم کھا کر بھی فارغ ہو جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں اپنی بات کی تصدیق کے لیے گواہ پیش کیے ہیں اور قسمیں بھی کھائی ہیں۔ گواہ اس کے کون ہیں خدا کے فرشتے اور علماء کرام اور قسم کے پیرایہ میں وہ اس دعوے پر زندہ شہادت ہیں جن کی قسم کھائی جا رہی ہے۔

قرآن کریم میں ہے :-

شهد اللہ انہ لا الٰہ الا ھو والملٰئکۃ واولوا العلم قائماً بالقسط۔ [1]

ترجمہ۔ اللہ تعالیٰ نے گواہی دی کہ اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں اس کے فرشتوں نے بھی گواہی دی اور ان اہل علم نے بھی جو انصاف کے ساتھ کھڑے ہیں۔

ایک جگہ اس پیرائے میں بات کہی۔

قل ای وربی انہ الحق۔ (پ۱۱ یونس)

ترجمہ۔ آپ کہہ دیں مجھے اپنے رب ہونے کی قسم یقیناً وہ حق ہے۔

ایک جگہ فرمایا:۔

وفی السماء رزقکم وما توعدون فورب السماء والارض انہ الحق۔ (پ۲۶ الذاریات)

ترجمہ۔ اور آسمان میں ہے تمہارا رزق اور وہ جس کا تم سے وعدہ دیا جاتا ہے۔ تو قسم ہے آسمان اور زمین کے رب کی بے شک وہ برحق ہے۔

ایک عرب یہ آیت سنتے ہی چلا اٹھا کہ کس نے رب العزت کو غضبناک کیا ہے کہ اسے قسم کھانے کی ضرورت ہوئی۔ خدا کا قسم کھانا کسی معمولی بات پر تو نہیں ہو سکتا۔ [2]

قرآن کریم میں اللہ رب العزت نے بارادہ شہادت کے طور پر کئی جگہ آسمان، سورج، چاند اور زمانے وغیرہ کی قسم کھائی ہے۔ قرآن کریم کی پندرہ سورتوں کو قسم سے شروع کیا گیا ہے۔ جو لوگ ان قسموں پر اعتراض کرتے ہیں دراصل وہ قسم باعتقاد تصرف اور قسم بارادہ شہادت میں فرق نہیں کر سکے۔ یہ قسم کی دو علیحدہ علیحدہ قسمیں ہیں اور دونوں کی غایت جدا جدا ہے۔ ہماری عام قسمیں پہلی قسم کی ہیں اور قرآن کی اکثر قسمیں دوسری قسم سے تعلق رکھتی ہیں۔

بندے اور خدا کی قسم میں فرق

قسم اس چیز کی کھائی جاتی ہے جو اپنے سے برتر و بالا ہو اور وہ اس پر (قسم کھانے والے پر) گرفت بھی کر سکے۔ اس لیے شریعت نے بندوں کو اس بات کی اجازت نہیں دی کہ وہ ایک اللہ رب العزت کے سوا کسی اور نام پر قسم کھائے۔ یہ اس لیے کہ بندے کے نفع و نقصان پر صرف خدا کا قبضہ ہے اس میں

---

[1] الاتقان جلد ۲ صہ ۱۳۳ [2] دیکھیے الاتقان جلد ۲ صہ ۱۳۳

اس کا کوئی شریک نہیں کہ بندہ اس کے نام کی بھی قسم کھا سکے۔

اللہ رب العزت کے لیے یہ صورت حال نہیں. کوئی اس سے بڑا نہیں وہ اپنے نام سے قسم کھائے اپنی کسی صفت سے قسم کھائے یا اپنی مخلوقات میں سے کسی کی دوسروں پر برتری ظاہر کرنے کے لیے قسم کھائے تو اس میں عالم شہادت میں اپنی بات پر شہادت فراہم کرتا ہے سو اس پیرائے میں قسم کھانا ہرگز اس کی شان کے خلاف نہیں.

اللہ کی قسموں کے مقسم بہ

علامہ جلال الدین سیوطی رح لکھتے ہیں اللہ تعالیٰ نے اپنی ذاتِ مقدسہ کی بھی قسم کھائی ہے. اپنے افعالِ مقدسہ کی بھی قسم کھائی ہے اور اپنی مخلوقات میں کسی کو عزت دیتے ہوئے اس کی بھی قسم کھائی ہے اور یہ قسم دراصل اپنے اس فعل عالی کی قسم ہے جس نے اس مخلوق کو یہ عزت بخشی۔

ونفس وماسواها فالهمها فجورها وتقواها۔ (پ الشمس)

ترجمہ! اور قسم ہے انسان کی جان کی اور اس ذات کی جس نے اسکو درست بنایا پھر اسکو بدکرداری اور پرہیزگاری دونوں کا القا کیا.

اس میں اپنے اس فعل مقدس کی قسم ہے جس سے نفسِ انسانی نے یہ مقام پایا.

اللہ تعالیٰ کی اپنی برگزیدہ مخلوق کی قسمیں

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ جو اللہ تعالیٰ کی طاعتِ محضہ تھی اس کی اس طرح قسم کھائی ہے

لعمرك انهم لفی سكرتهم يعمهون ۔ (پ الحجر ۲)

ترجمہ۔ آپ کی جان کی قسم وہ اپنی مستی میں مدہوش تھے ۔

مخلوقات جمادات، نباتات اور حیوانات پر مشتمل ہے

یہاں ہم انہی مخلوقات پہ دسترس رکھتے ہیں انہی تک ہمارا ہاتھ پہنچتا ہے. سورج اور چاند تک اور لوح وقلم تک یا عالم ملکوت و لاہوت تک ہماری رسائی نہیں چاند تک پہنچے بھی مگر ابھی اس تک قبضہ نہیں پا سکے تاہم اس میں شک نہیں کہ یہ انواعِ مخلوقات بھی اللہ رب العزت کے جلال و عظمت کے نشان ہیں.

شیخ الاسلام اللہ رب العزت کے قسم کھانے کے وسیع دائرہ کو اس طرح ذکر کرتے ہیں :-
دنیا میں کئی قسم کی چیزیں ہیں جن کی قسم لوگ کھاتے ہیں۔ ۱۔ اپنے معبود کی۔ ۲۔ کسی معظم محترم ہستی کی۔ ۳۔ کسی مہتم بالشان چیز کی۔ ۴۔ کسی محبوب یا نادرشئی کی اس کی خوبی یا ندرت جتانے کے لیے جیسے کہتے ہیں فلاں کی قسمت کی قسم کھایئے۔ پھر بلغاء یہ بھی رعایت کرتے ہیں کہ مقسم بہ مقسم علیہ کے مناسب ہو۔ یہ ضروری نہیں کہ ہر جگہ مقسم بہ کو مقسم علیہ کے لیے شاہد ہی گردانا جائے جیسے ذوق نے کہا ہے ؎

اتنا ہے تیری تیغ کا شرمندۂ احسان　　　سر میرا تیرے سر کی قسم اُٹھ نہیں سکتا

یہاں اپنے سر کے نہ اُٹھ سکنے پر محبوب کے سر کی قسم کھانا کس قدر موزوں ہے شریعت حقہ نے غیر اللہ کی قسم کھانا بندوں کے لیے حرام کر دیا لیکن اللہ کی شان بندوں سے جداگانہ ہے وہ اپنے غیر کی قسم کھاتا ہے اور عموماً ان چیزوں کی جو اس کے نزدیک ۱۔ محبوب یا۔ ۲۔ نافع یا۔ ۳۔ وقیع ومہتم بالشان ہوں یا ۴۔ مقسم علیہ کے لیے بطور شاہد و حجت کام دے سکیں۔ ؎

اللہ رب العزت کی کچھ ان قسموں پر بھی نظر کیجئے اور غایت قسم خود دریافت کیجئے۔ آپ ان شاء اللہ خود اس قسم کی لطافت کو پالیں گے۔ یہ تین سے زیادہ قسمیں آپ کے سامنے ہیں :-

(۱) لا اقسم بیوم القیٰمۃ ولا اقسم بالنفس اللوامۃ أیحسب الانسان ان لن نجمع عظامہ۔ (القیامۃ)

ترجمہ: میں قسم کھاتا ہوں قیامت کے دن کی اور قسم کھاتا ہوں ایسے جی کی جو ملامت کرتا ہے۔ کیا سمجھتا ہے آدمی کہ ہم اس کی ہڈیاں جمع نہ کریں گے۔

(۲) لا اقسم بھذا البلد وانت حل بھذا البلد ووالد وما ولد لقد خلقنا الانسان فی کبد۔ (البلد)

ترجمہ: میں قسم کھاتا ہوں اس شہر کی اور آپ کے لیے جواز ہو گا اس شہر میں اور قسم ہے جننے کی (باپ کی) اور جو جنا اور ہم نے انسان کو محنت میں بنایا۔

؎ فوائد القرآن ص ۷۶۶

(۳) فلا اقسم بالخنس الجوار الکنس واللیل اذا عسعس والصبح اذا تنفس انہ لقول رسول کریم۔ (التکویر)

ترجمہ: سو قسم کھاتا ہوں پیچھے ہٹنے، سیدھے چلنے اور دبک جانے والے ستاروں کی اور رات کی جب وہ اٹھنے لگے اور صبح کی جب وہ دم مارے۔ بے شک یہ (قرآن) کہا ہوا ہے ایک عزت والے بھیجے ہوئے کا۔

(۴) فلا اقسم بمواقع النجوم وانہ لقسم لو تعلمون عظیم وانہ لقرآن کریم فی کتاب مکنون۔ (الواقعہ)

ترجمہ: سو میں قسم کھاتا ہوں ستاروں کے چھپنے کی اور یہ قسم اگر تم سمجھو تو بڑی قسم ہے اور بے شک یہ قرآن کریم لکھا ہوا ہے ایک چھپی کتاب میں (لوح محفوظ میں جو دوسروں سے پردے میں ہے)

(۵) فلا اقسم بالشفق واللیل وما وسق والقمر اذا اتسق لترکبن طبقاً عن طبق۔ (الانشقاق)

ترجمہ: سو میں قسم کھاتا ہوں شام کی سرخی کی اور رات کی اور اس کی جو اس میں سمٹتا ہے اور چاند کی جب وہ پورا بھرے تم کو چڑھنا ہے درجے پر درجہ۔

(۶) فلا اقسم بما تبصرون و ما لا تبصرون انہ لقول رسول کریم۔ (الحاقہ)

ترجمہ: سو میں قسم کھاتا ہوں ان چیزوں کی جو تم دیکھتے ہو اور جو تم نہیں دیکھتے یہ کہا ہے ایک پیغام لانے والے سردار کا۔

(۷) والنازعات غرقاً والناشطات نشطاً والسابحات سبحاً فالسابقات سبقاً فالمدبرات امراً۔ (النازعات)

ترجمہ: قسم ہے سختی سے کھینچنے والے ڈوب کر اتنے والے فرشتوں کی اور کھول کر بند چھڑا دینے والے فرشتوں کی اور تیرنے والوں کی تیرنے پر اور آگے بڑھ جانے والوں کی پھر کام بنانے والوں کی (اللہ کے) حکم سے۔

(۸) والسماء ذات البروج والیوم الموعود وشاھد ومشھود قتل اصحاب الاخدود

ترجمہ. قسم ہے آسمان کی جس میں برج ہیں اور وعدہ کیے ہوئے دن کی اور حاضر ہونے والے دن کی اور ان کی جن کے پاس حاضری ہوگی مارے گئے خندقوں والے۔

۹ والسمآء والطارق وما ادراك ما الطارق النجم الثاقب ان كل نفس لما عليها حافظ. (الطارق)

ترجمہ. قسم ہے آسمان کی اور اندھیرے میں آنے والے کی اور آپ کیا سمجھیں اندھیرا پڑے کون آنے والا ہے وہ ایک روشن ستارہ ہے۔

۱۰ والفجر وليال عشر والشفع والوتر والليل اذا يسر هل فى ذلك قسم لذى حجر. (الفجر)

ترجمہ. قسم ہے فجر کی اور دس راتوں کی اور جفت اور طاق کی اور اس رات کی جب وہ اس رات چلنے لگا ہے ان چیزوں کی قسم، پوری عقلمند کے واسطے۔

۱۱ والضحىٰ والليل اذا سجىٰ ما ودعك ربك وما قلى وللاٰخرة خير لك من الاولى. (الضحىٰ)

ترجمہ. قسم ہے دن کی روشنی کی اور رات کی جب وہ قرار پکڑے آپ کے پروردگار نے آپ کو چھوڑ نہیں دیا اور نہ وہ ناراض ہوا اور البتہ پچھلی بہتر ہے آپ کے لیے پہلی سے۔

۱۲ والليل اذا يغشىٰ والنهار اذا تجلىٰ وما خلق الذكر والانثىٰ ان سعيكم لشتىٰ. (الليل)

ترجمہ. قسم ہے رات کی جب وہ چھا جاوے اور دن کی جب وہ روشن ہو اور اس کی جس نے پیدا کیے نر اور مادہ. بے شک تمہاری سعی طرح طرح کی ہے۔

۱۳ والشمس وضحٰها والقمر اذا تلٰها والنهار اذا جلّٰها والليل اذا يغشٰها والسماء وما بنٰها والارض وما طحٰها ونفس وما سوٰها فالهمها فجورها وتقوٰها. (والشمس)

ترجمہ. قسم ہے سورج کی اور اس کی دھوپ کی اور چاند کی جب آوے اس کے پیچھے اور دن کی جب وہ اس کو روشن کرے اور رات کی جب وہ اس کو ڈھانپ لے

اور آسمان کی جیسا اس کو بنایا اور زمین کی جیسا اس کو پھیلایا اور جی کی اور جیسا اسے ٹھیک بنایا پھر اسے سمجھ دی بد کرداری کی اور سمجھ داری کی۔

⑭ والتین والزیتون وطور سینین وھذا البلد الامین لقد خلقنا الانسان فی احسن تقویم۔ (التین)

ترجمہ قسم ہے انجیر کی اور زیتون کی اور طور سینا کی اور اس امن والے شہر کی بیشک ہم نے انسان کو بہترین انداز ے پر بنایا۔

⑮ والذاریات ذروًا فالحاملات وقرًا فالجاریات یسرًا فالمقسمات امرا انما توعدون لصادق۔ (الذاریات)

ترجمہ قسم ہے ان ہواؤں کی جو غبار بکھیرتی ہیں اور بوجھ اٹھانے والے بادلوں کی پھر نرمی سے چلنے والی کشتیوں کی اور ان فرشتوں کی جو حکم کے موافق تقسیم کرتے ہیں بیشک جس چیز کا تمہیں وعدہ دیا جاتا ہے ہو کر رہے گی۔

⑯ والعصر ان الانسان لفی خسر الا الذین امنوا وعملوا الصلحت (العصر)

ترجمہ قسم ہے زمانے کی انسان بے شک خسارے میں جا رہا ہے مگر وہ لوگ جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے۔

ان قسموں پر غور کیجیے ان میں آپ کو زیادہ تر آفاقی حقیقتوں پر متوجہ کیا گیا ہے۔ سورج، چاند، ستارے آسمان و زمین روشنی اور اندھیرا ستاروں کی مختلف گردشیں ہواؤں کی مختلف سمتیں۔ بادلوں کی کرشمہ کاریاں پو کا پھٹنا۔ صبح کا دم مارنا۔ دھوپ کا اترنا۔ اندھیرے کا چھا جانا۔ شفق کے رنگ یہ سب آفاقی حقیقتیں ہیں قرآن کریم ان سب پر غور کرنے کی دعوت دیتا ہے۔

پھر نفس انسانی اور نفوس ملکیہ اپنی جگہ ایک دوسری طرح کی حقیقتیں ہیں۔ فرشتے اور ان کی مختلف انواع ایک تیسری طرح کی حقیقتیں ہیں۔ قرآن کریم نے ان سب کو الہٰی قسموں میں پیش کیا ہے یہ ناممکن ہے کہ انسان ان سب میں غور کرلے اور پھر ان میں سے ہر ایک کے جواب قسم کو نہ پالے۔ ان قسموں کو ایک تسلسل سے پڑھنے کے ساتھ ان انسانوں کے دل ہل جاتے ہیں جن کی انسانیت جاگتی ہو۔

جمادات میں سے اس نے پہاڑوں کی قسم کھائی (والطور وکتاب مسطور) خانہ کعبہ کی قسم کھائی (وھذا البلد الامین) نباتات میں والتین والزیتون کی قسم کھائی حیوانات میں والعادیات ضبحاً کی قسم کھائی شمس وقمر کی قسم (والشمس وضحٰھا والقمر اذا تلٰھا) مواقع النجوم کی قسم (فلا اقسم بمواقع النجوم) فجر وعصر کی قسم (والفجر ولیالٍ عشرٍ اور والعصر کی قسم)

زمانے کی قسم کھائی تو اس پر پوری انسانی زندگی کو معرض زوال میں اترتے دکھایا — والعصر کا مقسم علیہ کیا ہے؟ ان الانسان لفی خسر — پھر انسان کو مایوسی کے کنویں میں گرنے سے بچانے کے لیے ایک روشنی کی کرن دکھائی اور بتلایا کہ ایمان بالآخرت رکھنے والوں کے لیے یہ دنیا فنائے محض نہیں، موت صرف ایک جہان سے دوسرے جہان میں انتقال ہے اسے یوں ظاہر فرمایا:-

الا الذین اٰمنوا وعملوا الصالحات وتواصوا بالحق وتواصوا بالصبر۔

یعنی وہی لوگ ان الانسان لفی خسر کی مایوسی سے نکل سکتے ہیں جو آخرت پر ایمان رکھتے ہوں اور اس زندگی کو بہتر بنانے کے لیے نیک اعمال بجالائیں نیکی کو آگے پھیلائیں اور اس راہ میں جو سختیاں آئیں انہیں صبر سے جھیلیں

حاصل اس بحث کا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں اپنے بندوں کو اپنی عظمت و وحدت اور اپنے انبیاء و مرسلین کی نبوت و رسالت منوانے کے لیے ہر طرح کے عقلی و نقلی دلائل دیے انہیں انفس و آفاق پر متوجہ کیا قرون ماضیہ کی تاریخ سے انہیں ابدی سچائیوں پر متوجہ کیا۔ ان تمام ذرائع اور دلائل سے انہیں حق پر آنے کی دعوت دی، پھر بھی انسانوں نے اس طرف کان نہ دھرے تو اس کا غضب بھڑکا اور نوبت بایں جارسید کہ ایک ہی پیرایہ جو تصدیق حق کا رہ گیا تھا (یعنی قسم کھا کھا کر اپنی بات کی تصدیق لانا) وہ بھی اللہ تعالیٰ نے ساتھ ساتھ اختیار فرمایا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی بحیثیت ایک عرب ہونے اپنی باتوں کی تصدیق کے لیے بارہا یہ پیرایہ قسم اختیار فرمایا — ہم آج بھی دیکھتے ہیں کہ گواہ عدالتوں میں صدقِ عہد کے لیے قسم اُٹھا کر ہی اپنا اعتبار قائم کرتے ہیں۔ حافظ ابن قیمؒ نے کتاب التبیان فی اقسام القرآن میں اور علامہ سیوطیؒ نے تفسیر الاتقان میں اس پر گرانقدر بحثیں کی ہیں۔ اس پر ہم ایمان القرآن کی اس بحث کو ختم کرتے ہیں۔

واللہ اعلم بالصواب وعلمہ اتم واحکم فی کل باب

مقام القرآن

الحمد للہ وسلام علیٰ عبادہ الّذین اصطفیٰ امابعد :

قرآن اللہ کا کلام ہے کلام اللہ کی صفت ہے یہ اس کی مخلوق نہیں کلام جب حروف والفاظ کی ادا میں آئے تو یہ کلام لفظی ہوگا. بایں طور کہ یہ اللہ کا کلام ہے یہ کلام نفسی ہے اس کی حقیقت تک ہماری رسائی نہیں اسے اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے ہم اسے حروف والفاظ کی صورت میں جانتے اور پہچانتے ہیں.

قرآن میں ملفوظیت اور مکتوبیت بعد میں آئی ہے ابتدا میں کلام تھا اور کلام خدا کے ساتھ تھا. اللہ تعالیٰ کی صفت ہونے کے پہلو سے یہ بات قطعی ہے کہ یہ مخلوق نہیں اور اس کی صفات اس کا غیر نہیں. دورِ اوّل میں جو اعتقادی فتنے اُٹھے وہ قرآن کریم کو مخلوق کہتے تھے. شیعہ اور معتزلہ دونوں اسے مخلوق کہتے ہیں. اللہ تعالیٰ نے کن کہا تو کائنات وجود میں آگئی. کُن مخلوق نہیں اس کا کلام ہے اور کائنات بے شک مخلوق ہے.

قرآن کے معنی

لفظ قرآن قرأۃ (بمعنی پڑھنے) سے ہے اس صورت میں اس کا معنی پڑھنا کے ہوں گے قرآن کریم میں ہے :-

ان علینا جمعہ وقرآنہ . (پ۲۹ القیٰمۃ ۱۷)

اس کا جمع کرنا اور پڑھوانا ہمارے ذمہ ہے.

مصدر اپنے مشتقات میں بھی استعمال ہوتا ہے اس صورت میں اس کا معنی مقروء (قرارت سے اسم مفعول) کے ہوں گے یعنی "بار بار پڑھی جانے والی کتاب" یہی ہے اور اس اعتبار سے کوئی دوسری کتاب اس کی برابری نہیں کر سکتی یہی ایک کتاب ہے جو اپنی اصل زبان میں اب تک

برابر پڑھی جارہی ہے۔

انا انزلناہ قرآناً عربیاً۔ (پ ۱۲ یوسف ۲)

یہاں قرآن مقروء کے معنی میں ہے۔

قرآن کا مصداق

قرآن کا مصداق صرف الفاظ نہیں جو پڑھے اور لکھے جاتے ہیں ان کے ساتھ ساتھ اس کے وہ معنی بھی ہیں جو اس کے نزول کے ساتھ ساتھ سمجھے اور بوجھے گئے۔ قرآن کریم عربی میں اترا اور حضورؐ اور آپ کے ساتھیوں کی زبان بھی عربی تھی۔ سو اس کلام سے جو معنی و مفہوم اس وقت سمجھا گیا اس کے ساتھ یہ کلامِ الٰہی سمجھا جائے گا اور قرآن الفاظ کے اس نظم اور ان کے معنی کے مجموعہ کا نام ہوگا جب ہم کہیں گے یہ قرآن کریم قیامت تک محفوظ ہے یہ کبھی انسانی ہاتھوں کی دستبرد کا شکار نہ ہوگا تو اس سے معنی کی حفاظت بھی ساتھ مراد ہے۔

قرآن کریم کو اگر کوئی غلط پڑھ جائے تو اسے تحریف نہ کہیں گے کیونکہ اس کی تصحیح کے لیے فوراً حافظ بول پڑیں گے۔ تراویح میں جب کبھی امام بھولے پیچھے سے لقمہ آتا ہے اس طرح جب کوئی مفسد قرآن کے معنی بدلے تو علماء فوراً بول پڑتے ہیں اور قرآن کی محفوظیت برقرار رہتی ہے۔ مرزا غلام احمد نے جب آیت خاتم النبیین کے معنی بدلے تو کیا سب علماء نے بلا امتیاز فرقہ و مسلک اسے لقمہ نہیں دیا اور اسے نہیں ٹوکا؟

سو حق یہ ہے کہ قرآن کا مصداق الفاظ و معانی دونوں ہیں اور دونوں کی حفاظت موعود ہے قرآن نام ہے اس خاص نظم الفاظ کا اور اس کے معنی کا۔

قرآن ایک ہی ہے

قرآن ایک ہی ہے۔ اسلام میں دو قرآن کا کوئی تصور نہیں۔ یہ صحیح ہے کہ قرآن کریم کی تعلیمات بالکل فطرت کے مطابق ہیں اور صحیفہ فطرت میں قرآن کریم کی تعلیمات اور بھی روشن نظر آتی ہیں لیکن قرآن کریم اور صحیفہ فطرت کو دو قرآن نہیں کہہ سکتے۔ جن لوگوں نے قرآن اور سائنس میں یکسانیت دکھانے کے لیے

دو قرآن اور دو اسلام وغیرہ کے عنوان اختیار کیے یہ ان کی شاعرانہ تعبیریں ہیں اور قرآن شعر نہیں کہ اسے ان اداؤں میں ادا کیا جائے۔

وما علمناہ الشعر وما ینبغی لہ ان ھو الا ذکر و قرآن مبین۔ (پ۲۳ یٰسین ۶۹)

ترجمہ۔ اور ہم نے آپ کو شعر نہیں سکھایا اور نہ یہ آپ کی شان کے لائق تھا یہ ایک نصیحت نامہ ہے اور قرآن مبین ہے یعنی خود لو لینے والی کتاب۔

اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی باوجودیکہ آپ کی سیرت پاک ہمہ تن قرآن تھی دوسرا قرآن نہیں کہا جا سکتا آپ بلاشبہ مخلوق ہیں اور داغِ امکان سے متّسم لیکن قرآن کریم مخلوق نہیں اللہ رب العزت کا کلام ہے اور کلام اس کی صفت ہے۔

اگر کسی خطیب نے یہ بات کہی کہ قرآن دو ہیں ایک وہ جو یہ علمی خزانہ ہے اور کتابی شکل میں ہے دوسرا وہ جو مدینہ کی گلیوں میں چلتا پھرتا تھا تو ایک خطیبانہ اور شاعرانہ تعبیر ہے قرآن ایک ہے اور اس کی کوئی دوسری کاپی نہیں ہے۔

اس طرح ہم اپنے ہاں اصلی قرآن اور جعلی قرآن کو بھی جگہ نہیں دے سکتے کیونکہ جعلی قرآن دنیا میں کہیں نہیں ہے جن لوگوں کا عقیدہ موجودہ قرآن پر نہیں وہ اپنے تصوّر میں ایک دوسرا قرآن تجویز کیے ہوئے ہیں جو قیامت سے پہلے غار سرمن رای سے برآمد ہوگا لیکن ان کے یہ وہمیات صرف روایات کی شکل میں ہیں۔ قرآن کی کوئی دوسری کاپی ان کے ہاں بھی موجود نہیں ہے جسے وہ اصلی کہیں اور ہم اسے جعلی کہہ سکیں۔ سو قرآن ایک ہی ہے اس کی کوئی متبادل کاپی دنیا میں اب تک نہ کسی نے دیکھی اور نہ سُنی ہے۔ اس قرآن پر اعتراض کرنے والوں اور اس کی اس ترتیب کو اللہ اور اس کے رسُول کی طرف سے نہ ماننے والوں کو ہمت نہیں ہو سکی کہ قرآن پاک کا کوئی دوسرا نسخہ اس کے متوازی کہیں رکھا دکھا سکیں۔

الفاظِ قرآن کی وسعت

قرآن پاک بے شک اسی ایک کتاب کا نام ہے لیکن اس کی کچھ اور قرأتیں بھی ہیں ان میں متواتر اور مشہور قرأتیں ہیں اور شاذ اور احاد بھی ——جو قرأتیں متواتر ہیں۔ باوجودیکہ وہ اس مرکزی قرأت

سے مختلف ہیں ان پر بھی قرآن کا لفظ آسکتا ہے لیکن وہ الفاظ جن کی نقل ہم تک شہرت کے ساتھ نہ ہوئی یا دہ قرآت شاذہ ہیں وہ اصطلاحی قرآن نہیں ہیں۔

قرا سبعہ اور قرا عشرہ کی قرآت قرآن کریم کے حکم میں ہیں یہ مرکزی قرأت کے ساتھ علیٰ سبیل الجمع اکٹھی ہیں علیٰ سبیل الخلاف پڑھی نہیں جاتیں پھر قرآت مشہورہ اور شاذہ میں بھی فرق ہے قرآت مشہورہ سے احکام کے حق میں استدلال کیا جاسکتا ہے قرآت شاذہ سے نہیں۔

مثلاً قسم توڑنے کی سزا تین روزے ہیں اور رمضان کا روزہ توڑنے کی سزا دو ماہ کے روزے ہیں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی قرأت میں دونوں کے ساتھ متتابعات (پے در پے روزے رکھنے) کی قید موجود ہے۔ کفارہ قسم کے روزوں کے بارے میں یہ قسم ہم تک بہ سبیل شہرت پہنچی ہے۔[1] لیکن رمضان کے روزوں کے بارے میں یہ پے در پے روزوں کی قید بطریق شاذ مروی ہے فقہاء نے اوّل میں اس کا اعتبار کیا ہے کہ یہ تین روزے پے در پے رکھے جائیں۔ اور اس سے پتہ چلا کہ قرأت مشہورہ اور قرأتِ شاذہ میں بھی بایں طور فرق ہے کہ اوّل الذکر سے احکام کے حق میں استدلال کیا جاسکتا ہے۔

متواتر قرآت کا پتہ ہمیں کتب تفسیر اور حدیث سے ملتا ہے۔ ان قرآت کے حامل قرآن کی کوئی اور متبادل کاپی نہیں ہے بطور کتاب قرآن پاک ایک ہی ہے اور اس کا کوئی متبادل نسخہ دنیا میں کہیں موجود نہیں ہے۔

الفاظ قرآن کی تقسیم

قرآن پاک کی آیات (احکام) اپنے موضوع کے لحاظ سے چار قسم پر ہیں:۔

۱۔ خاص ۲۔ عام ۳۔ مشترک ۴۔ ماوّل

---

[1] فلم یجد فصیام ثلثة ایام ذلك كفارة ایمانكم (پ المائدہ ۸۹) قال ابراهیم نخعی فی قرأتنا ثلثة ایام متتابعات — عن ابی العالیة قال كان ابی یقرؤها فصیام ثلثة ایام متتابعات — عن مجاهد كل صیام فی القرآن متتابع الا قضاء رمضان۔

(المصنف جلد ۳ صـ۸۸ لابن ابی شیبہ)

خاص وہ لفظ ہے جس کی وضع کسی ایک خاص معنی کے لیے ہوئی ہو۔ اس لفظ کا مصداق کئی افراد بھی ہو سکتے ہیں جب یہ خاص لفظ وارد ہو تو اس میں اس حقیقت اور مفہوم پر نظر ہوتی ہے جو ان سب افراد میں مشترک طور پر پائی جائے۔

ان الانسان لفی خسر میں انسان خاص ہے گو اس کے افراد کروڑوں اور اربوں ہیں لفی خسر کا حکم خاص انسان کے لیے ہے اور اس میں مرد و عورت دونوں شامل ہیں۔

یاایہاالذین امنوا ارکعوا واسجدوا میں رکوع و سجود کا ایک خاص مفہوم ہے جو نماز سے ہی پورا ہوتا ہے صرف سر جھکانے سے نہیں جو رکوع کے لفظی معنی ہیں یہاں الفاظ ارکعوا واسجدوا خاص نماز کے معنی میں ہیں عام نہیں۔

عام

یہ وہ عام حکم ہے جو اپنے جملہ مخاطبین کو شامل ہوتا ہے گو ان کے اپنے اپنے حالات مختلف ہوں جیسے وہ لفظ جس کو ایک معنی و مفہوم کے متعدد افراد کے لیے ایک ہی دفعہ وضع کیا گیا ہو جیسے۔

واذا قرئ القرآن فاستمعوا لہ وانصتوا لعلکم ترحمون۔ (پ ۹ الاعراف ۲۰۴)

خاص

یہ حکم گو خاص نماز کے بارے میں آیا ہے امام احمد اس پر اجماع نقل کرتے ہیں لیکن الفاظ عام ہیں سو جہاں بھی قرآن پڑھا جا رہا ہو دوسروں کے ذمہ اس کی طرف کان لگانا اور اسے سننا ہے شان نزول کے باعث اسے نماز سے خاص نہیں کیا جا سکتا الفاظ کے عموم کو دیکھا جائے گا العبرۃ لعموم اللفظ لا لخصوص المورد۔

مشترک

ایسا لفظ جس کے کئی معنی ہوں مشترک کہلاتا ہے لیکن موقع کے لحاظ سے اس کے صرف ایک ہی معنی مراد ہوں گے والمطلقات یتربصن بانفسھن ثلثۃ قروء، میں لفظ قروء حیض اور طہر دونوں

معنوں میں مشترک ہے۔ اسی طرح واللیل اذا عسعس والصبح اذا تنفس میں لفظ عسعس فعل مشترک ہے۔ اس کے معنی آگے ہونا بھی ہیں اور پیچھے ہونا بھی۔ سو یہ لفظ مشترک ہے۔

مؤوّل

لفظ مشترک میں جو کئی معنی کا احتمال پایا گیا ہے ان میں سے کسی ایک معنی کو قرائن (ظنیہ) سے راجح کرنا اس لفظ کو مؤول بنا دیتا ہے۔ خبر واحد سے مشترک کی جو تاویل کی جائے گی وہ بھی ظنی ہوگی اور قیاس سے جو اسے کسی ایک معنی سے خاص کیا جائے گا یہ بھی ایک ظن سمجھا جائے گا۔ مشترک کی قرائن ظنیہ میں سے کسی سے تاویل کرنا اس لفظ کو مؤول کے درجہ میں لے آتا ہے۔

الفاظ قرآن کی اس تقسیم کے باوجود قرآن کا ایک ایک لفظ قطعی الثبوت ہے اس کی دلالت جس معنی پر قطعی ہوگی اسے اس معنی میں تسلیم کرنا فرض ہوگا۔ ہاں دلالت میں کسی پہلو سے ظن آجائے تو اس کے مطابق حکم بدلتا جائے گا۔

قرآن نے ایک بات کہی جو ایک معنی خاص پر قطعی الدلالۃ ہے اب کسی دلیل ظنی سے اسے کمزور نہ ہونے دیا جائے گا مثلاً وضو میں پاؤں دھونے فرض ہیں اور قرآن پاک میں یہ حکم دیا گیا ہے اب اگر ایک خبر واحد بتائے کہ آنحضرتؐ نے پاؤں دھونے کی بجائے جرابوں پر مسح کیا ہے تو اس دلیل ظنی سے قرآن پاک کے قطعی حکم میں تبدیلی نہ کی جا سکے گی۔

ہاں چمڑے کے موزوں پر مسح یہ حضورؐ سے خبر متواتر سے منقول ہوا ہے اور اس کی اجازت ایک دلیل قطعی سے منقول ہے۔ سوان موزوں پر دور حاضر کی پتلی جرابوں کو قیاس نہ کر سکیں گے

حضرت امام ابوحنیفہؒ نے ایسے موقعوں پر قرآن کریم کو ہمیشہ اوّل رکھا ہے اور خبر واحد سے اس کے عام کی تخصیص جائز قرار نہیں دی۔

نصوص قرآن کے چار پیرائے

قرآن پاک کی آیات کبھی تو عبارۃً ایک مسئلے کو بیان کرتی ہیں جیسے شہیدوں کو مُردے نہ کہو وہ زندہ ہیں اور کبھی قرآن پاک قرآن پاک سے دلالۃً وہ مسئلہ سمجھا جاتا ہے جیسے انبیاء کو جن کا درجہ شہداء

سے بھی آگے ہے) زندہ سمجھنا۔ حیاتِ انبیاء قرآن پاک سے دلالۃً ثابت ہے اور حیاتِ شہداء عبارۃً۔

نصوصِ قرآن کے چار پیرائے ہیں:۔

۱. عبارۃ النص ۲. دلالۃ النص ۳. اشارۃ النص ۴. اقتضاء النص

عبارۃُ النص

عبارۃ النص اسے کہتے ہیں جس کے لیے کلام لایا گیا ہو یہ وہ معنی و مفہوم ہے جس کے لیے کلام کیا گیا ہے۔

دلالۃُ النص

کسی عبارت میں جو حکم مذکور ہو اس حکم کی علت جہاں جہاں پائی جائے وہاں وہاں وہ حکم جاری سمجھا جائے گا اسے دلالۃ النص کہیں گے۔ قرآن کریم میں ہے والدین کو اُف تک نہ کہو۔ لا تقل لهما افٍ۔ (پ۱۵ اسرائیل ۲۳) اس میں حکم کی علت والدین کو تکلیف دینا ہے۔ سو ہر وہ فعل یا قول جس سے ماں باپ کو اذیت پہنچے اس کا اِصدار ممنوع ہو گا۔ اس آیت کی دلالت ان سب امور سے روک رہی ہے جو کسی طرح بھی والدین کے لیے اذیت کا سبب بنیں۔

اشارۃُ النص

کلام اس معنی و مفہوم کے لیے نہ کیا گیا ہو لیکن اس کلام سے تھوڑی سی توجہ اور معمولی غور و فکر سے وہ بات بھی سمجھی جائے وہ اشارۃ النص ہے یہ بات اس کلام میں پورے طور پر واضح نہیں ہوتی۔

قرآن پاک میں جہاں یہ کہا گیا ہے کہ دودھ پلانے والیوں کا خرچہ کھانا اور کپڑا باپ کے ذمہ ہے وعلى المولود له رزقهن وكسوتهن (پ۲ البقرہ ۲۳۳) اس سے یہ بات از خود سمجھ میں آ رہی ہے کہ بچوں کا نسب باپ کی طرف سے چلتا ہے اور وہی بچے کا ہر طرح سے ذمہ دار ہو گا۔ یہ دوسرا مسئلہ اشارۃ النص سے ثابت ہوا گو اس کے لیے کلام نہیں کیا گیا۔

اقتضاء النص

عبارت کا اپنے الفاظ کے مفہوم و مدلول سے زائد کسی ایسے معنی پر دلالت کرنا جس پر شرعاً یا عقلاً کلام کی صحت موقوف ہو. آنحضرتؐ کا ارشاد ہے:۔

ان اللہ وضع عن امتی الخطاء والنسیان.[1]

ترجمہ. بے شک اللہ تعالیٰ نے میری امت سے خطا اور بھول کا بوجھ اٹھا دیا ہے.

اس سے تین باتیں مفہوم ہو سکتی ہیں:۔

(۱) اس امت سے خطا اور بھول ہو ہی نہیں سکتے. اللہ تعالیٰ نے اس امت سے اس کو بکسر اُٹھا لیا ہے

(۲) اس امت سے کسی عمل میں خطا اور بھول صادر ہو تو وہ عمل باقی نہ رہے گا. خدا اس امت کو اس غلطی پر نہ رہنے دیں گے سو وہ غلطی کالعدم ہو کر رہ جائے گی.

ان دونوں معنی کے لحاظ سے اس امت کے کسی عمل میں صدق اور سچائی کا ثبوت بہم نہیں پہنچتا یا غلطی غلطی نہ ہوگی اور یا عمل عمل نہ رہے گا اور یہ دونوں باتیں شریعت کی رو سے غلط ہیں. حضورؐ کے ارشاد کے بے معنی ٹھہرنے کا کوئی امکان نہیں. پس اس کا تقاضا ہے کہ یہاں خطا اور نسیان سے پہلے اس لفظ کو زائد کیا جائے جو اسے واقع اور حقیقت کے مطابق کر دے وہ لفظ اثم کا اضافہ ہے اور مراد اثم الخطاء والنسیان سے درگزر کرنا ہے وہ تیسرا معنی یہ ہے اور یہی نص کا تقاضا ہے.

(۳) اللہ تعالیٰ نے میری امت سے خطا اور بھول کا گناہ اٹھا لیا ہے یعنی وہ ان گناہوں میں ماخوذ نہ ہوں گے.

علامہ نووی (۶۷۶ھ) لکھتے ہیں:۔

فان الناسی لا اثم علیہ بالاجماع.[2]

ترجمہ. سو ایسے لوگوں پر بالاتفاق سزا نہیں ہے.

---

[1] فی روایۃ ان اللہ تعالیٰ تجاوز عن امتی ما وسوست بہ صدورھا مالم تعمل بہ او متکلم متفق علیہ مشکوٰۃ صد ۱۸ [2] شرح صحیح مسلم جلد ۱ صد ۲۵۴

کلام کی صحت کا عقلی تقاضا

قرآن کریم میں ہے :۔

واسئل القریۃ التی کانت حاضرۃ البحر۔ (پ۹ الاعراف ۱۶۳)

ترجمہ۔ سو آپ پوچھیں قریہ والوں سے جو دریا کے کنارے تھے۔

سوال اور پوچھنا کسی جاندار سے ہی ہو سکتا گفتگو اور بات چیت کسی انسان سے ہی ہو سکتی ہے جانور سے بھی نہیں سو یہاں دیوار سے بات چیت کرنا کیا معنی ؟ اور اس بستی سے پوچھنے کی کیا صورت ؟

اقتضاء النص یہ ہے کہ القریۃ سے پہلے کوئی ایسا لفظ مقدر مانا جائے جس سے عقلاً کلام الٰہی صادق ٹھہرے وہ لفظ اہل یا اصحاب ہے اور معنی یہ ہوں گے کہ آپ اس بستی کے رہنے والوں سے پوچھ دیکھیں۔

نص کے یہ چاروں پیرائے بیان قرآن ہی لیکن ہر ایک پیرایہ قرآن کی روشنی مختلف انداز میں پھیل رہی ہے اور یہ سب پیرائے مقام قرآن کی مختلف منزلیں ہیں۔

قرآن پاک علم کے ماخذ کی حیثیت سے

خود قرآن میں اس کے احکام واجب الاتباع ٹھہرائے گئے ہیں اور حضور اکرمؐ کو بھی ان احکام کا مکلف کیا گیا ہے آپ ان احکام پر عمل پیرا ہونے کے پابند ہیں سو امت کے لیے بھی علم کے ماخذ کی حیثیت سے قرآن کو اولیت حاصل ہوگی۔ اسلام میں پہلا ماخذ علم اسے ہی سمجھا گیا ہے۔ سنت کی طرف تب رجوع کیا جائے گا جب وہ مسئلہ قرآن پاک میں نہ ملے۔

آنحضرتؐ نے حضرت معاذؓ کو یمن میں قاضی بنا کر بھیجا اور پوچھا کس طرح فیصلے کرو گے۔ انہوں نے کہا کتاب اللہ کے موافق۔ آپؐ نے پوچھا اگر وہ تجھے کتاب اللہ میں نہ ملے تو انہوں نے کہا پھر میں سنت سے فیصلہ کروں گا۔ وہاں بھی نہ ملے تو پھر میں اجتہاد کروں گا (فقہ سے کام لوں گا) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس جواب کو پسند فرمایا۔

الحمد للہ الذی وفق رسول رسول اللہ۔[1]

---

[1] رواہ ابو داؤد جلد ۳ صہ مشکوٰۃ صہ

محدثین حدیث کے چراغ لے کر ہمیشہ قرآن کے سائے میں چلے ہیں۔

اصول فقہ میں علم کا پہلا ماخذ قرآن کریم کو بیان کیا گیا ہے لیکن یاد رہے کہ یہ مجتہد کے لیے ہے جو قرآن پاک سے غیر منصوص مسائل کا استخراج اور استنباط کر سکے۔ البتہ قرآن پاک کے وہ مسائل جن میں صرف نقل عبارت ہے کسی اجتہاد اور استنباط کی ضرورت نہیں اسے ہر شخص بیان کر سکتا ہے مثلاً

(۱) لڑکے کا حصہ لڑکی سے دُگنا ہے۔

(۲) وضو میں منہ دھونا ہاتھ کہنیوں تک دھونا سر کا مسح اور پاؤں دھونا فرض ہے۔

(۳) روزہ رکھنے والا سفر میں اسے دوسرے دنوں میں بدل سکتا ہے۔

پھر آگے یہ مسئلہ کہ اگر اس نے سفر میں روزہ رکھا تو روزہ ادا ہو گا یا نہیں یا یہ کہ افضل کیا ہے اس میں پھر مجتہد کی طرف رجوع کرنا پڑے گا۔ حدیث کی صریح عبارت سے بھی عامی استدلال نہیں کر سکتا۔ ہو سکتا ہے کہ وہ حدیث منسوخ ہو کسی پہلے دور سے تعلق رکھتی ہو۔ اس عامی کو پتہ نہیں ہو گا کہ اس موضوع پر اور احادیث بھی ہیں جن کو ملحوظ رکھے بغیر اس ایک حدیث کا حاصل سمجھا نہیں جا سکتا۔ مختصر بات یہ ہے کہ قرآن و حدیث سے براہ راست استنباط کرنا یہ صرف مجتہد کا حق ہے وہ خطا بھی کر جائے تو اُسے ایک اجر ملے گا لیکن عامی اپنے کسی ٹوٹکے میں صحیح بات بھی پالے تو وہ اپنی اس اصولی غلطی میں قابل معافی نہ ہو گا اس لیے کہ اس نے غیر مجتہد ہوتے ہوئے مجتہد کی پوزیشن اختیار کی ہے یہ اسے نہ چاہیئے تھا۔

قرآن و حدیث میں جو مسائل منصوص نہیں یا منصوص ہیں مگر وہ بظاہر متعارض ہیں مجتہدین ان میں اجتہاد کر کے اپنے فیصلے امت کو دے چکے ان میں صحیح بات پانے والے مصیب اور نہ پانے والے مخطئ دونوں ہوں گے مگر خطرہ کسی کی پیروی میں نہیں کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مخطئ کو بھی ایک اجر کی بشارت دے چکے ہیں۔[1]

اصُول فقہ اور اصُول مناظرہ میں فرق

اصولاً تو پہلا ماخذ علم قرآن ہی ہے مجتہدین کا آپس میں مناظرہ ہو تو بات قرآن سے ہی چلے گی لیکن مدعیان اسلام میں بات عام سطح پر ہو تو بات استدلال سنت سے ہونا چاہیئے۔ قرآن کریم کا پیرایۂ بلاغت

---

[1] دیکھئے صحیح بخاری جلد ۲ صد

بہت اونچا ہے اور ایک ایک بات میں کئی کئی وجہیں نکلتی ہیں جنہیں مجتہدین ہی بہتر طور پہ پا سکتے ہیں سو ایسے موقعوں پر استدلال سنّت سے ہونا چاہیئے۔ سنّت پھیلتے ہوئے احتمالات کو سمیٹتی ہے اور نظریات کو عملیات کی شکل دیتی ہے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا :۔

عن عمر انه قال سیأتی ناس یجادلونکم بشبهات القرآن فخذوهم بالسنن فان اصحاب السنن اعلم بکتاب الله الدارمی و نصر المقدسی فی الحجة اللالکائی فی السنة و ابن عبدالبر فی العلم۔[1]

ترجمہ۔ کچھ ایسے لوگ اٹھیں گے جو قرآن کریم کی متشابہات سے تم سے جھگڑیں گے سو انہیں سنن سے پکڑنا۔ اصحاب سنن ہی قرآن کو زیادہ جاننے والے ہیں۔

حضرت علی المرتضیٰؓ سے بھی کنز العمال ص۱۰۸ میں ایک روایت انہی الفاظ سے منقول ہے۔ آپ نے حضرت ابن عباسؓ کو جب خوارج کے مقابلہ میں بھیجا تو فرمایا :۔

ان خاصموك بالقرآن خاصمهم بالسنة کنز العمال۔[2]

ترجمہ۔ اگر وہ خارجی تمہارے سامنے قرآن پیش کریں تو تم ان کے سامنے سنّت سے استدلال کرنا۔

اس میں حجیتِ قرآن سے انکار نہیں پہلا ماخذ علم مسلمانوں کے لیے بے شک قرآن ہی ہے لیکن اس کی بلندیوں تک کامیابی سے پہنچنا مجتہدین کے سوا اور کس کو میسر ہو سکتا ہے۔ سنّت سے استدلال اس لیے زیادہ مفید رہتا ہے کہ اس میں کوئی دو پہلو کی بات نہیں اور مخالف کو اس سے کوئی راہ فرار نہیں ملتی۔ یہ مضمون نہج البلاغہ میں ان الفاظ میں دیا گیا ہے :۔

لاتخاصمهم بالقرآن فان القرآن حمال ذو وجوه تقول ویقولون ولکن حاججهم بالسنّة فانهم لن یجدوا عنها محیصاً۔[3]

ترجمہ تم ان سے قرآن کے حوالے سے بحث نہ کرنا کیونکہ قرآن پاک بہت سے حقائق اٹھائے ہوئے ہے اور اس میں بات کی کئی جہات نکلتی ہیں۔ تو ایک بات

---

[1] کنز العمال جلد ۱ ص۱۰۸ [2] حقیقۃ الفقہ حصہ اول ص۶۴ مولانا انوار اللہ فاروقی بانی جامعہ نظامیہ حیدرآباد دکن
[3] نہج البلاغہ مصری جلد ۲ ص۔ شرح نہج البلاغہ للہیثم البحرانی

کہے گا اور وہ دوسری بات لے آئیں گے تم ان سے سنت کی رو سے بحث کرنا یہاں وہ سنت سے خلاصی نہ پا سکیں گے۔

مقلدین کا آپس میں مناظرہ ہو اور مسئلہ عقیدت کا ہو تو حوالہ قرآن و حدیث کی بجائے کتب عقائد سے دینا چاہیئے۔ اہل السنۃ والجماعت کے تمام عقائد منقح صورت میں کتب عقائد میں آگئے ہیں اور پھر ان پر سالہا سال حاشیہ در حاشیہ محنتیں ہوتی رہی ہیں اب چودہویں صدی میں عقائد حقہ کو نئے سرے سے قرآن و حدیث سے ثابت کرنا اور پچھلی کتب عقائد کو لائق اعتماد نہ سمجھنا کہ شاید ان پر بات اس طرح نہ کھلی ہو ایک بہت بڑے اعتقادی فتنے کو راہ دینا ہے۔

اور اگر مسئلہ عمل سے متعلق ہے تو اس پر امام ابوحنیفہؒ اور دوسرے مجتہدین اپنے فیصلے دے چکے ہیں اب نئے سرے سے ان مسائل فقہ کو طے کرنے کی ضرورت نہیں۔ اگر دونوں طرف مقلدین ہیں تو باہمی تنازع کو کتب عقائد اور کتب فقہ سے تو ختم ہو سکتے ہیں قرآن و حدیث سے براہ راست استدلال کرنا مجتہدین کا حق ہے۔ مقلدین کتاب و سنّت کی عبارت تو پیش کر سکتے ہیں لیکن ان سے مسئلے کو مستنبط کرنا اس کا حق انہیں نہیں ہے

باب ۳۔ اعتقادی طور پر ہمیں یہ تسلیم ہے کہ اسلام میں پہلا ماخذ علم بے شک قرآن ہے اور اس کا ایک ایک لفظ متواتر ہے اس کی کوئی بات محتاج ثبوت نہیں۔ ہاں اس کی دلالت اپنے کسی معنی پر کس درجے میں ہے۔ سو یہ نصوص قرآن کے مختلف پیرائے ہیں۔

۱۔ عبارۃ النص ۲۔ اشارۃ النص ۳۔ دلالۃ النص ۴۔ اقتضاء النص

اور مسئلہ جس دلالۃ سے ثابت ہو گا اسی کے مطابق اس کا حکم ہو گا۔

اس تفصیل سے قرآن کریم کے بارے میں کسی حد تک اس کے درجے اور اس کی حیثیت کا تعارف ہو جاتا ہے اور یہ وہ گہرے مسائل ہیں جنہیں کسی حد سے محدود نہیں کیا جا سکتا۔

فقہ حنفی کی جو کتابیں دلائل کے ساتھ لکھی گئی ہیں (جیسے ہدایہ) ان میں سر فہرست استدلال قرآن سے ہوتا ہے پھر سنّت سے۔ اقوال فقہاء کی باری بعد میں آتی ہے۔

سو یہ کہنا صحیح نہیں کہ مقلدین کے ہاں اصل شریعت اپنے امام کا قول ہے کتاب و سنّت نہیں یہ وہی کہہ سکے گا جس نے کبھی فقہ کی بڑی کتابیں نہ دیکھی ہوں۔

علومِ القرآن

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ اما بعد:

قرآن کریم پر جامع نظر کرلے سے پتہ چلتا ہے کہ قرآن کریم کے علوم ان تین دائروں میں پھیلے ہوتے ہیں:-

۱. آیاتِ احکام ۲. آیاتِ کلام ۳. آیاتِ نظام

تذکیرِ نظام پھر آگے تین دائروں کو شامل ہے:-

۱. تذکیر آیات اللہ ۲. تذکیر بایام اللہ ۳. تذکیر بما بعد الموت

تذکیر کے یہ تین دائرے سب خواص وعوام کے لیے ہیں، عالم ہوں یا جاہل سب ان آیات سے نصیحت پکڑتے ہیں اور سب لوگ اس راہ سے ہدایت پر آنا محسوس کرتے ہیں یہ وہ راہ نہیں جسے صرف عالم محسوس کرسکیں اور مجتہدین ان کی گہرائی میں اُتر سکیں۔

وتلك الامثال نضربها للنّاس۔ (پ العنکبوت)

ترجمہ. اور یہ امثال ہیں جنہیں ہم سب لوگوں کے لیے بیان کرتے ہیں۔

جو لوگ قرآن پاک کی آیات سنتے ہی اس کی صداقت پر جا پہنچے ان کے لیے قرآن بہت سہل واقع ہوا ہے۔

(۱) تذکیر بآلاء اللہ میں مشاہدات سے سچائی کی راہ تلاش کی جاسکتی ہے۔

(۲) تذکیر بایام اللہ میں ان تاریخی وقائع میں سے سبق حاصل کرنا ہے جو ہر کسی کو معلوم رہے

(۳) تذکیر بما بعد الموت میں بذریعہ وحی اگلے جہاں سے کچھ پردے اُٹھتے ہیں۔

آیاتِ احکام

آیاتِ احکام میں ان امور کا بیان ہے جن میں کرنے اور نہ کرنے کے احکام اور ان کے درجات بیان ہوئے جو کام کرنے کے ہیں ان کے درجات فرض، واجب، سُنّت، مستحب اور مباح ہیں علیحدہ

کام نہ کرنے کے ہیں ان کے درجات حرام، مکروہ تحریمی، مکروہ تنزیہی میں دائر ہیں۔ پھر ان میں وہ حکم بھی ہیں جو عزیمت کے حکم میں ہیں اور وہ بھی جو رخصت کا حکم رکھتے ہیں۔ آیاتِ احکام میں عبادات اور معاملات دونوں قسم کے ان میں شامل ہیں وہ تدبیر منزل ہو یا سیاست اور سیاست شہری ہو یا ملکی یا عالمی آیاتِ احکام میں یہ سب مضامین آتے ہیں۔ آیاتِ احکام کو پوری طرح سمجھنا یہ مجتہدین کا کام ہے۔ اور وہی صحیح طور پر ان سے احکام کشید کر پاتے ہیں۔

آیاتِ علم کلام

آیاتِ کلام سے مراد وہ آیات ہیں جن میں یہود و نصاریٰ مشرکین وملحدین، زنادقہ اور منافقین اور آئندہ پیدا ہونے والے فِرقِ باطلہ کی تردید اور ان کے شبہات کا ازالہ ہے ان آیات میں خطابی انداز ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہ نے انہیں علم مباحثہ کا عنوان دیا ہے۔ آیاتِ کلام پوری طرح سمجھنا متکلمین کا کام ہے۔ ہاں علم کلام اسی حد تک لائق اعتماد ہے کہ اس کی کوئی بات کتاب وسنت کے خلاف نہ جانے پائے۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی لکھتے ہیں:۔

جاننا چاہیئے کہ معانی جو قرآن مجید سے مفہوم ہوتے ہیں وہ پانچ علموں سے باہر نہیں

(۱) اوّل علم احکام

از قسم واجب مستحب مکروہ اور حرام

یہ احکام خواہ عبادات کے بارے میں ہوں یا معاملات کے بارے میں — تدبیر منزل سے متعلق ہوں یا سیاست مدن سے — اس علم کی تفصیل فقہاء کے ذمہ ہے۔

(۲) دوم علم مناظرہ

چار گمراہ فرقوں کے ساتھ مثلاً یہود و نصاریٰ مشرکین اور منافقین

اس علم کی تفریع متکلمین کا کام ہے مناظر انہی حضرات میں سے نکلتے ہیں۔

(۳) علم تذکیر بآلاء اللہ

اللہ کے نشانوں اور ان کی نعمتوں کے حوالے سے اس کی یاد

④ علم تذکیر بایام اللہ
اللہ کی قدرت کے وہ وقائع جنہیں دنیا پہلے دیکھ چکی ان سے سبق حاصل کرنا۔
⑤ علم تذکیر بما بعد الموت
موت کے بعد کیا ہوگا اس کے حوالے سے لوگوں کو خدا کی طرف لانا۔

عُلومِ قرآن کا پیرایہ بیان اپنا ہے

① قرآن مجید میں ان علوم کا بیان قدیم عربوں کی روش پر ہوا ہے متاخرین کا اسلوب اختیار نہیں کیا گیا، یہ خود بعد کی پیداوار ہے۔
② آیاتِ احکام میں اختصار جیسا کہ متن نویسوں کا قاعدہ ہے نہیں کیا اور غیر ضروری قیود کی تنقیح کا التزام جیسا کہ اصولیوں کا قاعدہ ہے وہ بھی نہیں کیا ہے۔
③ علم مباحثہ کی آیات میں اقوالِ مشہورہ مسلمہ اور خطابیاتِ نافعہ کا التزام کیا ہے اور ترتیب براہین میں منطقیوں کے اسلوب کی پیروی نہیں کی۔[1]

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ آج قرآن پاک کو محض ڈکشنری کی مدد سے یا تراجم کے مطالعہ سے نہیں سمجھا جاسکتا۔ جب تک کوئی شخص اسالیب عرب نہ پہچانتا ہو وہ قرآن مجید کو نہیں جان سکتا۔

ان عُلومِ قرآن سے جو چشمے پھُوٹے

① آیاتِ احکام میں ناسخ و منسوخ، مجمل و مفصل، عام و خاص کے مباحث چلے
② آیاتِ کلام میں توحید و رسالت، وجود ملائکہ، ایمان بالقدر اور مرکزی اُٹھنے کے مباحث چلے انہی میں یہود و نصاریٰ اور مشرکین و ملحدین کے افکار و اعمال کے پردے چاک ہوئے۔
③ تذکیر بالآء اللہ سے مسلمانوں میں علم کائنات کا تجسس پیدا ہوا۔
④ تذکیر بایام اللہ سے مسلمانوں میں علمِ تاریخ نے نشوونما پائی، حدیث کی کتابوں میں بدءالخلق

---

[1] الفوز الکبیر ص۴۳، ص۵ مختصراً

کتاب المغازی اور ماجاء فی تخلیق السمٰوات والارض جیسے ابواب سامنے آئے۔

⑤ تذکیر بما بعد الموت سے عالم برزخ. عذاب قبر. حیات برزخی. وقوعِ قیامت. بعثت میزان اور عدل و احسان جیسے مباحث چلے

قرآن بیان کرنے والے کن کن میدانوں میں چلے

علوم قرآن سے علم کے جو چشمے پھُوٹے ان سے قرآن بیان کرنے والوں کو علومِ قرآن کی مختلف راہیں معلوم ہوئیں اور وہ اپنی اپنی پسند کی شاخوں میں چلے یہ موضوع مختلف انواع تفسیر کا ہے اور یہ وہیں بیان ہوگا۔ یہاں ہم حضرت شاہ ولی اللہ کے حوالے سے الفوز الکبیر کا باب چہارم نقل کرتے ہیں۔ آپ لکھتے ہیں:۔

جاننا چاہیئے کہ مفسرین کی جماعتیں مختلف ہیں:۔

① ایک جماعت صرف ان آثار کی روایت پہ کمربستہ ہے جو آیات سے مناسبت رکھتی ہوں خواہ احادیث مرفوعہ ہوں یا موقوفہ یا کسی تابعی کا قول ہو یا اسرائیلی روایت ——یہ طریقہ محدثین کا ہے۔

② اور ایک گروہ اسماء وصفات کی آیات میں تاویل کرتا ہے کہ ان میں سے جس آیت کو مذہب تنزیہہ حق جل وعلا شانہ کے موافق نہیں خیال کرتے اس کے ظاہری معنی نہیں لیتے۔ یہی گروہ مخالفین کے ایسے اعتراضات کو جو کہ بعض آیات وہ کرتے ہیں رُد کرتا ہے یہ شان متکلمین کی ہے۔

③ اور ایک قوم مسائل فقہیہ کا استنباط کرتی اور بعض مجتہدات کو بعض پر ترجیح دیتی اور مخالف دلیل کا جواب دیتی ہے۔ یہ فقہاء اور اہلِ اصول کی روش ہے۔

④ ایک جماعت قرآن مجید کے لغات کی تشریح کرتی۔ اور ہر محاورہ کے باب میں کلام عرب کی نہایت کثرت کے ساتھ سندیں پیش کرتی ہے یہ نحوین اور اہل لغت کی وضع ہے۔

⑤ اور ایک گروہ علمِ معانی اور علمِ بیان کے نکات کو تمام تر بیان کرتا ہے اور کلام اللہ

کی داد ان علوم کے اعتبار سے دیتا ہے. یہ ادیبوں کا آئین ہے.

(۶) اور بعض لوگ قرآن مجید کی ان قرأتوں کو جو ائمہ سے مسلسل منقول چلی آرہی ہیں نہایت ایضاح اور تفصیل کے ساتھ بیان کرتے ہیں یہ قراء کی حالت ہے.

(۷) اور کچھ آدمی علم سلوک یا حقائق کے نکات کو ادنیٰ مناسبت سے بیان کرتے ہیں. یہ صوفیوں کی روش ہے.

الحاصل تفسیر کا میدان نہایت وسیع ہے اور اس میں چلنے والے ہر مسلمان کا قصد اس کے معانی سمجھنے کا ہے اور ہر ایک نے ایک خاص فن میں غور و خوض کیا اور اپنی قوت فصاحت اور سخن فہمی کے مطابق بیان کیا ہے اور اپنی جماعت کے افراد کے مذہب کو منظور رکھا ہے. یہ وجہ ہے جس سے فن تفسیر نے ایسی وسعت بے پایاں حاصل کی جس کا ٹھیک اندازہ نہیں کیا جاسکتا اور نیز اسی وجہ سے تفسیر میں اس کثرت سے کتابیں لکھی گئیں جن کا شمار ممکن نہیں. مفسرین کے ایک گروہ کا خیال ان تمام علوم کے یکجا کرنے کا بھی ہوا ہے اور کبھی عربی میں اور کبھی فارسی میں کتابیں لکھیں اور ان کے طول و اختصار میں فرق ہے جس نے علم کے دامن کو اور بھی وسیع کر دیا ہے.

اس فقیر کو الحمد للہ ان تمام فنون میں خاص مناسبت حاصل ہے اور علوم تفسیر کے اکثر اصول اور ایک معقول مقدار اس کے فروع کی معلوم ہے اور اس کے ہر فن میں اجتہاد فی المذاہب کے قریب قریب تحقیق و استقلال حاصل ہو گیا ہے ان کے علاوہ فنون تفسیر کے دو تین اور فن بھی فیضِ الٰہی کے لامتناہی دریا سے القاء ہوئے ہیں [۱]

اس عبارت کے ضمن میں حضرت شاہ صاحب نے اپنے علمی موقف کا بھی ذکر کیا ہے جس سے پتہ چلتا ہے کہ آپ مجتہد مطلق کے علمی مرتبہ پر نہ تھے آپ (امام ابو حنیفہ رح کے) مقلد تھے. ہاں آپ دوسرے درجے میں مجتہد فی المذہب کے مرتبہ میں تھے اور اس میں بھی امام ابو یوسف اور امام محمد

---

[۱] الفوز الکبیر صد ۶۷

کے مرتبہ پر نہیں امام طحاوی اور کرخی کے مرتبہ کے تھے اور یہ بھی ایک بڑا علمی مقام ہے۔ آپ فیض الٰہی سے علم قرآن کی وہ دولت پائے ہوئے تھے کہ علم کا یہ مقام بہت ہی کم لوگوں کو نصیب ہوا ہے آپ کے علوم کا پھیلاؤ دیکھنا ہو تو حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی، حضرت شاہ عبدالقادر محدث دہلوی، حضرت شاہ رفیع الدین محدث دہلوی، حضرت شاہ اسماعیل شہید اور حضرت شاہ محمد اسحٰق محدث دہلوی کی تالیفات میں دیکھیں اور پھر انہی علوم کی ایک جھلک آپ کو حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی کی کتابوں میں بھی ملے گی۔ علمائے دیوبند انہی سے (حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی سے) علم کی سند لیتے ہیں اور انہی کو اپنی جماعت کا پیشوا سمجھتے ہیں۔

حضرت شاہ صاحب نے مذکورہ بالا بیان کے بعد الفوز الکبیر میں ایک مستقل فصل اس عنوان سے قائم کی ہے۔

"ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ان علوم میں سے دو دو تین تین حرف رسالہ ہذا میں لکھے جائیں"۔ اور پھر تقریباً پانچ صفحات میں آپ نے اس پر کلام کیا ہے۔

طلبہ کو چاہیئے کہ الفوز الکبیر سے ان صفحات کا مطالعہ کریں — یہاں ہم علوم القرآن کے اس مبحث کو اس سے زیادہ نہیں پھیلانا چاہتے۔ یہاں آپ کے ہاتھ میں ایک ایسی چابی آگئی ہے کہ جہاں تک آپ چاہیں قرآن کے کسی موضوع کو ان کے حوالے سے پھیلا سکتے ہیں۔ وکفیٰ بہ قدوۃ۔

حقائق القرآن

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ امابعد :

یوں تو قرآن کریم میں حقائق ہی حقائق ہیں کوئی بات خلافِ حقیقت نہیں کیا عقائد اور کیا اعمال ہر بات حقیقت کے ترازو پر تُلی ہے۔ تاہم اس کے ضابطہ اخلاق میں کچھ ایسے حقائق بھی ملتے ہیں جو فکر و دانش کے لاتعداد مراحل کا ایک تاریخی نچوڑ ہیں۔ ان میں آپ کو بہت سی ابدی حقیقتیں مختلف پیرایوں میں اور مختلف احکام کے ضمن میں لپٹی ملیں گی جن پر دنیا کے عقلاء اور دانشور ہمیشہ سے متفق رہے ہیں گویا دنیا کے عقل و تجربہ کا یہ اجتماعی کارنامہ ہے جسے اللہ رب العزت نے بھی اپنے ہاں قبولیت بخشی۔ ہم ان میں صرف پندرہ ابدی حقیقتیں یہاں نقل کرتے ہیں جنہیں جھٹلانا کسی کے بس کی بات نہیں حقیقت حقیقت ہے اور ان پر ہمیشہ سے سب کا اتفاق چلا آرہا ہے :-

(۱) خیر الامور اوسطھا۔

بہترین بات درمیان میں ہوتی ہے۔

(۲) من جھل شیائً عاداہ۔

جو کسی چیز کو نہ جانے وہ اس کا مخالف رہتا ہے۔

(۳) اِحْذَر شرّ من احسنت الیہ۔

جس کا تو محسن ہے اس کے شر سے بچ۔

(۴) لیس الخبر کالمعاینۃ۔

شنیدہ کے بود مانندِ دیدہ۔

(۵) فی الحرکات برکات۔

حرکت کرنے سے ہی برکتیں ملتی ہیں۔

(۶) حین تقلی تدری۔

تُو جس سے نفرت کرے اسے جان لے گا۔

(۷) لا یلدغ المومن من جحر مرتین۔
مومن ایک سوراخ سے دو مرتبہ نہیں ڈسا جاتا۔

(۸) من اعان ظالماً سلط علیہ۔
جو کسی ظالم کی مدد کرے گا اس پر بھی کوئی مسلط ہوگا۔

(۹) کما تدین تدان۔
جیسی کرنی ویسی بھرنی۔

(۱۰) لا تلد الحیۃ الا حیّۃ۔
سانپ سے سانپ ہی پیدا ہوتے ہیں۔

(۱۱) للحیطان اذان۔
دیوار ہم گوش دارد۔

(۱۲) الجاھل مرزوق والعالم محروم۔
کبھی جاہل لے جاتا ہے اور جاننے والا رہ جاتا ہے۔

(۱۳) الحلال لا یاتیک الا قوتاً۔
حلال بقدر ضرورت ملتا ہے اور حرام امڈ کر آتا ہے۔

(۱۴) ایک ایک اور دو گیارہ۔
دوسرے کے بیان سے پہلے کی کمزوری ختم ہو جاتی ہے۔

(۱۵) بجلی اندر سے بھی جھانک لیتی ہے
ڈاکٹر اس سے ایکسرے کا کام لیتے ہیں۔

(۱۶) دھوئیں کا فضا میں پھیلاؤ
آسمان تک دھوئیں کا چھا جانا۔

(۱۷) قسم چاند کی جب پورا بھر جائے تم طبقہ بہ طبقہ چڑھو گے۔

ان میں تیرہ وہ امور ہیں جن پر مضارب بن ابراہیم نے سوالات کیے اور شیخ حسن بن مفضل نے اس پر قرآن پاک کی آیتیں پڑھیں۔ بعد کے چار نکات میں ایک بیان مولانا محمد حسن محدث فیض پوری

کا دوسرا ایک حجازی عالم اور ایک ڈاکٹر کا ہے۔ تیسرا تاریخ نکالنے کے ایک ماہر عالم کا ہے جس نے ایک خلا باز کے سامنے سورۃ الانشقاق کی ایک آیت پڑھی تھی۔

حضرت مولانا محمد سالم قاسمی نے لطائف القرآن کے نام سے مضارب بن ابراہیم کے یہ سوالات یکجا کر دیئے ہیں۔ فجزاہ اللہ احسن الجزاء فلیراجع۔

دنیا کی مسلم اور ابدی حقیقتوں کو بھی کبھی مختلف پیرایوں میں لاکر کھولا جاتا ہے اور کبھی انہیں مناسب مثالوں میں اتارا جاتا ہے۔ نامناسب نہ ہوگا کہ ہم یہاں قرآن کریم کے پیرایہ مثال سے بھی کچھ امثال طلبہ کے سامنے رکھیں تا وہ جان سکیں کہ مثال اور ممثل لہ میں کیا کیا مناسبات ہوتی ہیں اور قرآن کس شان بلاغت سے موقع کی مثال لاتا ہے۔

مضارب بن ابراہیم نے حضرت حسن بن مفضل سے کہا کہ آپ عربی اور عجمی ضرب الامثال کی اصل اپنی ذہانت سے کتاب اللہ سے نکال لیتے ہیں۔ کیا آپ اس عربی ضرب المثل خیر الامور اوسطہا کے کسی ماخذ کی قرآن کریم سے نشاندہی فرمائیں گے۔

(۱) حسن بن مفضل نے جواباً برجستہ فرمایا کہ اس ضرب المثل کے قرآن کریم میں چار ماخذ موجود ہیں جو یہ ہیں :-

قوم موسیٰ علیہ السلام کو جب ایک مقتول کے قاتل کا پتہ معلوم کرنے کے لیے ایک بچھڑا ذبح کر کے اس کا گوشت مقتول کے بدن سے لگانے کا حکم دیا گیا۔ اس پہ بتایا گیا کہ وہ باذن خداوندی زندہ ہو کر اپنے قاتل کا نام بتلائے گا۔ حق تعالیٰ نے جواباً اسی خیر الامور اوسطہا کی جانب راہنمائی فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ بچھڑا ایسا معتدل ہو کہ :-

۱۔ لا فارض ولا بکر عوان بین ذٰلک۔ (البقرہ ۶۸)

نہ بالکل بوڑھا ہو نہ بہت بچہ (بلکہ) پٹھا ہو دونوں عمروں کے وسط میں۔

قرآن کریم نے اپنے برگزیدہ بندوں کے اوصاف بیان کرتے ہوئے ان کے خیر الامور اوسطہا ہونے کے وصف کو امتیازی حیثیت دے کر ارشاد فرمایا کہ :

۲۔ والذین اذا انفقوا لم یسرفوا و لم یقتروا وکان بین ذٰلک قواما۔ (پ۱۹ فرقان ۶۷)

ترجمہ۔ اور (طاعاتِ مالیہ میں ان کا طریقہ یہ ہے کہ) وہ جب خرچ کرتے ہیں تو نہ

اسراف کرتے ہیں اور نہ تنگی کرتے ہیں اور ان کا خرچ کرنا اس (افراط و تفریط) کے درمیان اعتدال پر ہوتا ہے۔

قرآن کریم نے خیر الامور اوسطہا کے اصول کی نشاندہی فرماتے ہوئے بخل اور اسراف دونوں کو ناپسندیدہ قرار دیا اور اعتدال قائم رکھنے کا حکم دیا۔

۳۔ ولا تجعل یدک مغلولۃ الی عنقک ولا تبسطہا کل البسط۔ (پ۱۵ بنی اسرائیل ۲۹)

ترجمہ۔ اور نہ تو اپنا ہاتھ گردن سے ہی باندھ لے اور نہ بالکل ہی کھول دے۔

پھر نماز میں قرآن کریم کی تلاوت کو اس خیر الامور اوسطہا کے دائرے میں محدود رکھنے کا امر فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا :۔

۴۔ ولا تجہر بصلاتک ولا تخافت بہا وابتغ بین ذلک سبیلا۔ (پ۱۵ بنی اسرائیل ۱۱۰)

ترجمہ۔ اور اپنی نماز میں نہ تو بہت پکار کر پڑھیے اور نہ بالکل ہی چپکے چپکے پڑھیے۔ دونوں کے درمیان ایک راہ اختیار کیجیے۔

ان چاروں آیات میں جو مختلف موضوعات میں نازل ہوئیں اس ایک فطری اصول کی نشاندہی کی گئی ہے۔

(۲) اس کے بعد مضارب نے عرض کیا کہ ضرب المثل من جہل شیئا عاداہ (جس شئے سے آدمی ناواقف ہوتا ہے تو اس کا دشمن بن جاتا ہے) کا ماخذ قرآن کریم میں کیا ہے حسن بن مفضل نے فرمایا۔ اس کے ماخذ قرآن کریم میں دو ہیں :۔

۱۔ بل کذبوا بما لم یحیطوا بعلمہ۔ (پ۱۱ یونس ۳۹)

ترجمہ۔ بلکہ وہ ایسی چیز کی تکذیب کرنے لگے (جس کے صحیح ہونے) کو وہ خود اپنے احاطہ علم میں نہ لائے۔

یعنی جس چیز کو نہ سمجھ سکے تو اس کے دشمن ہوگئے اور تکذیب شروع کر دی۔ اس میں اسی اصول کی نشاندہی کی گئی ہے۔

۲۔ وان لم یہتدوا بہ فسیقولون ھذا افک قدیم۔ (پ۲۶ الاحقاف ۱۱)

ترجمہ۔ اور جب ان لوگوں کو قرآن سے ہدایت نصیب نہ ہوئی تو یہ کہیں گے یہ قدیمی جھوٹ ہے۔

یعنی بوجہ قرآن کریم میں غور و فکر نہ کرنے کے ہدایت کو پا نہ سکے۔ اب از راہِ عناد اس کو جھوٹ قرار دے دیا۔

(۳) اس کے بعد مضارب نے عرض کیا کہ احذر شر من احسنت الیہ اس کے شر سے بچیے جس کے ساتھ تم نے حسنِ سلوک اور احسان کیا ہے حسن بن مفضل نے فرمایا کہ اس کی اصل بھی قرآن کریم میں موجود ہے :-

وما نقموا منهم الا ان اغناهم الله ورسوله من فضله۔ (پ التوبہ ۷۴)

ترجمہ۔ اور یہ انہوں نے صرف اس بات کا بدلہ دیا ہے کہ ان کو اللہ اور اس کے رسول نے اپنی مہربانی سے دوسروں سے بے نیاز بنا دیا۔

یعنی اللہ اور رسول کی عطا و بخشش پر بجائے شکر گزاری کے جب انہوں نے مخالفانہ راہ اختیار کی تو مخالفت کی انتہا کر دی کہ دینِ حق کے ہی منکر ہو گئے۔

(۴) پھر مضارب نے عرض کیا کہ لیس الخبر کالمعاینۃ (سُنی ہوئی بات آنکھوں دیکھی حقیقت کے برابر نہیں ہو سکتی) اس کا قرآنی ماخذ کیا ہے ؟

علامہ حسن نے کہا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حق تعالیٰ سے عرض کی تھی کہ رب ارنی کیف تحی الموتیٰ (اے میرے پروردگار! مجھے دکھلا دیجئے کہ آپ مُردوں کو کس کیفیت سے زندہ کرتے ہیں) حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا :-

اولم تؤمن قال بلیٰ ولکن لیطمئن قلبی۔ (پ البقرہ ۲۶۰)

کیا تم کو یقین نہیں ابراہیم علیہ السلام نے عرض کیا کہ یقین کیوں نہ لاتا لیکن اس غرض سے یہ جاننا چاہتا ہوں کہ میرے قلب کو اور سکون ہو جائے۔

لفظ بلیٰ میں اس کا اعتراف ہے کہ آپ کی قدرتِ کاملہ کی خبر پر میرا ایمان کامل ہے لیکن لیس الخبر کالمعاینۃ کے مطابق مشاہدہ کا درجہ خبر سے ذرا آگے ہے اس لیے میں اسے بھی حاصل کرنا چاہتا ہوں۔

(۵) مضارب نے ایک اور بات پوچھی کہ مثل مشہور ہے فی الحرکات برکات (حرکت میں برکت ہے) کیا اس کا بھی کوئی قرآنی ماخذ ہے جس میں کہا گیا ہو کہ ہمت کرو گے تو راہیں کھلیں گی۔

شیخ حسن نے فرمایا قرآن کریم نے فی الحرکات برکات کی واضح نشاندہی اس آیت کریمہ میں موجود ہے :-

ومن یھاجر فی سبیل اللہ یجد فی الارض مراغماً کثیرًا وسعۃ ۔ (۵ پ النساء، ۱۰۰)

ترجمہ ۔ اور جو شخص اللہ کی راہ میں ہجرت کرے گا تو اس کو روئے زمین پر جانے کی بہت جگہ ملے گی اور بہت گنجائش ۔

یعنی زمین پر پھیلی ہوئی برکتیں جب ہی حاصل ہوں گی کہ جب تم اللہ کے لیے زمین پر چلو پھرو گے گھر بیٹھے نہیں، حرکت میں برکت ہے ۔

(۶) مضارب نے پھر سوال کیا کہ کما تدین تدان (جیسا کرو گے ویسا بھرو گے) مشہور ضرب المثل ہے ۔ کیا اس کی قرآنی اصل بھی موجود ہے ؟ شیخ حسن نے فرمایا اس بارے میں قرآنی راہنمائی یہ ہے کہ :-

من یعمل سوءً یجزبہ ۔ (۵ پ النساء، ۱۲۳)

ترجمہ جو شخص کوئی بُرا کام کرے اس کو اس کے عوض سزا پائے گا ۔

یعنی دنیا میں بدعملی پر اچھے بدلے کی توقع نہ کیجئے ۔ جیسے اعمال اس دنیا میں کرو گے ویسی ہی جزا پاؤ گے ۔

(۷) مضارب نے عرض کیا کہ ایک مثل ہے حین تقلی تدری جب تم کسی چیز سے نفرت کرو تو پھر وقت آئے گا کہ تم جان لو گے تمہارا اس سے دور رہنا کیسا تھا پھر تمہیں اس میں برائیاں ہی برائیاں نظر آئیں گی جو نظر نہیں آرہیں ۔

شیخ حسن نے فرمایا اس مثل کی قرآنی اصل اس آیت میں موجود ہے :-

وسوف یعلمون حین یرون العذاب من اضل سبیلا ۔ (۱۹ پ الفرقان)

ترجمہ ۔ اور (مرنے کے بعد) جلد ہی ان کو معلوم ہو جائے گا جب عذاب کا معاینہ کریں گے کہ کون شخص گمراہ تھا ۔

یعنی دُنیا میں تم نے دینِ برحق سے اپنے دلوں میں نفرت پیدا کر لی تو اس کی ہر چیز تمہیں بُری نظر آنے لگی لیکن جب اس کی بتائی ہوئی حقیقتیں سامنے آئیں گی تو اس وقت ان کے اقرار پر مجبور ہوں گے لیکن اس وقت کا اقرار کارآمد نہیں ہوگا ۔

(۸) مضارب نے پھر ایک اور سوال کیا کہ لا یلدغ المومن من جحر مرّتین (مومن ایک سوراخ سے دو مرتبہ ڈسا نہیں جاتا) اس آیت کا قرآنی ماخذ کیا ہے؟

شیخ حسن نے فرمایا اس کا قرآنی ماخذ آیتِ ذیل میں موجود ہے:-

هل امنکم علیه الا کما امنتکم علیٰ اخیه من قبل۔ (پ۱۳ یوسف ۶۴)

ترجمہ۔ پس رہنے دو) میں اس کے بارے میں بھی تم پر ویسا ہی اعتبار کرتا ہوں جیسا کہ اس سے پہلے اس کے بھائی (یوسفؑ) کے بارے میں تمہارا اعتبار کر چکا ہوں۔

یعنی یعقوب علیہ السلام نے اپنے بیٹوں سے فرمایا کہ یوسفؑ کے بارے میں ایک بار میں تم پر بھروسہ کر چکا ہوں اور نتیجہ دیکھ چکا ہوں۔ اب دوسرے بیٹے بن یامین کے بارے میں تمہارا اعتبار کیسے کروں۔

(۹) مضارب نے عرض کیا کہ من اعان ظالماً سلّط علیه (جو کسی ظالم کی مدد کرتا ہے تو وہی ظالم اس پر بھی غلبہ پاتا ہے) کی قرآنی اصل ارشاد فرمائیے:-

شیخ حسن نے فرمایا اس کی اصل اس آیت میں ہے:-

کتب علیه انّه من تولّاه فانّه یضلّه ویهدیه الیٰ عذاب السّعیر (پ۱۷ الحج ۴)

ترجمہ۔ جس کی نسبت (خدا کے یہاں) یہ بات لکھی جا چکی ہے کہ جو شخص اس سے (یعنی شیطان سے) تعلق رکھے گا (یعنی اس کا اتباع کرے گا) تو اس کا کام ہی یہ ہے کہ وہ اس کو (راہِ حق) سے بے راہ کر دے گا اور اس کو عذابِ دوزخ کا راستہ دکھائیگا۔

یعنی اللہ سے بے راہی اختیار کرنے والا ظالم ہے جو اس ظالم کی (شیطان) اطاعت کرے گا نتیجۃً وہ اسے بھی بے راہی پر لگا دے گا۔

(۱۰) پھر مضارب نے عرض کیا کہ ایک محاورہ ہے۔ لا تلد الحیّةُ الّا حیّةً (سانپ سے سانپ ہی پیدا ہوتا ہے) کیا اس کا بھی کوئی قرآنی ماخذ ہے؟

شیخ نے فرمایا اس کے ماخذ کی جانب یہ آیت اشارہ کرتا ہے:-

ولا یلدوا الّا فاجرًا کفّارًا۔ (پ۲۹ نوح ۲۷)

ترجمہ۔ اور (آگے بھی) ان کے محض فاجر اور کافر ہی اولاد پیدا ہوگی۔

یعنی بنظرِ عام ان کفار کی اولادیں بھی کافر و فاجر ہی ہوں گی۔ کیونکہ آباء و اجداد کے افکار و اعتقادات وراثۃً اولاد میں منتقل ہوتے ہیں۔

(۱۱) مضارب نے ایک اور سوال کیا کہ اس ضرب المثل کی اصل کیا ہے؟ للحیطان اذان (کہ دیوار کے بھی کان ہوتے ہیں) شیخ حسن نے فرمایا یہ آیت اس کی اصل قرار پا سکتی ہے:۔

وفیکم سمّٰعون لھم۔ (پ۱۰ التوبہ ۴۷)

ترجمہ اور تم میں وہ بھی ہیں جو اوروں کے لیے سنتے ہیں۔

یعنی تم میں ان کے جاسوس موجود ہیں۔ تم میں کچھ ایسے بھی ہیں کہ تم ان پر اعتبار کر کے اپنے دروازے کھول دیتے ہو حالانکہ وہ دشمن ہوتے ہیں اور وہ تمہارے راز دار بن کر باعثِ نقصان بنتے ہیں ان سے بچیئے۔

(۱۲) مضارب نے اب ایک اور سوال کیا کہ اس مثل کی اصل کیا ہے؟ الجاھل مرزوق والعالم محروم (جاہل کو بسا اوقات بہت کچھ ملتا ہے اور عالم محروم رہ جاتا ہے) اس پر شیخ حسن بن مفضل نے فرمایا یہ مضمون اس آیت میں موجود ہے:۔

من کان فی الضلالۃ فلیمدد لہ الرحمٰن مدًّا۔ (پ۱۶ مریم ۷۵)

ترجمہ۔ جو گمراہی میں پڑ جاتا ہے تو اللہ اس کو اور ڈھیل دیتا ہے۔

یعنی کافر پر دنیوی مال و متاع کی فراوانی اتمامِ حجت کے لیے ہوتی ہے تاکہ وہ اپنی اختیار کردہ بے راہروی کی زیادہ سے زیادہ سزا بھگتے۔

(۱۳) مضارب نے ایک اور سوال کیا اس مثل کی کوئی اصل قرآن کریم میں ملتی ہے کہ الحلال لا یأتیك الا قوتًا والحرام لا یاتیك الا جزافًا (حلال طریق پر تمہیں بقدرِ ضرورت ملتا ہے اور حرام طریقہ پر بے روک آتا ہے) نظامِ قدرت اس طرح نہ ہو تو یہ دنیا امتحان گاہ کیسے ٹھہرے۔

شیخ حسن نے جوابًا فرمایا کہ اس کی اصل بھی قرآن مجید میں موجود ہے اور وہ یہ ہے:۔

اذ تاتیھم حیتانھم یوم سبتھم شرّعًا ویوم لا یسبتون لا تاتیھم۔ (پ۹ الاعراف ۱۶۳)

ترجمہ۔ جب آنے لگیں ان کے مچھلیاں ہفتہ کے دن اوپر تک اور جس دن ہفتہ نہ ہوتا تو نہیں آتی تھیں۔

یعنی یہود (باشندگانِ ایلہ) پر ہفتہ کے دن مچھلیوں کا شکار حرام تھا تو اس دن پانی کے اُوپر بے حد مچھلیاں آتی تھیں اور بعد کے دنوں میں شکار حلال تھا تو مچھلیاں بہت کم آتیں۔ انہوں نے ممنوعہ دنوں میں شکار شروع کر دیا تو بطریق حرام خوب مچھلیاں شکار کیں اور ایام غیر ممنوعہ میں بقدر ضرورت ہی ملتی تھیں۔

(۱۴) دو کمزور راوی جس بات پر متفق ہوں اور دونوں اپنے اپنے طور پر ایک ہی بات کہیں تو یہ روایتیں ایک صحیح روایت کے درجہ میں آجائیں گی۔ عدالتوں میں بھی اجتماعی گواہی کا اعتبار کیا جاتا ہے اور فقہاء بھی ایک راوی کا ضعف دوسرے متبادل راوی سے پُورا کر لیتے ہیں۔ کیا اس کی قرآن میں کوئی اصل ہے؟

ہاں لین دین کے مسئلے میں دو مرد گواہ نہ مل سکیں تو ایک مرد اور دو عورتیں گواہوں میں لی جاسکتی ہیں۔ یہ لطیف مضمون قرآن کریم میں اس طرح ہے:۔

فان لم یکونا رجلین فرجل وامرأتان ممّن ترضون من الشہداء ان تضل احداھما فتذکر احداھما الاخریٰ۔ (پ۳ البقرہ ۲۸۲)

ترجمہ: پھر اگر نہ ہوں دو مرد تو ایک مرد اور دو عورتیں ان لوگوں میں سے جس کو تم پسند کرو گواہوں میں تاکہ اگر ایک ان میں سے کچھ بھول جائے تو اسے دوسری یاد دلا دے۔

(نوٹ) معلوم ہوا کہ اگر دوسرے ضعیف بیان کرنے والے سے بھی وہ روایت ملے تو اس سے پہلے کا ضعف اُٹھ جاتا ہے اور اس کی روایت لی جاسکتی ہے۔ سو وہ لوگ جو ہر ضعیف روایت کو گو اس کی تائید اور روایتوں سے بھی ملے ضعیف کہہ کر رد کر دیتے ہیں وہ قرآن کریم کی یہ روشنی پالیں۔

(۱۵) حضرت مولانا محمد سالم قاسمی (دیوبند) نے ایک حجازی عالم کا واقعہ سُنایا کہ ایک عیسائی ڈاکٹر نے ان سے سوال کیا کہ قرآن مجید میں بجلی کی اس مخصوص لہر کی بھی نشاندہی موجود ہے کہ جس کے ذریعے دور حاضر کے ڈاکٹر مریض کے اندرونی حصوں کا پتہ لگا لیتے ہیں (یہ دورِ حاضر کے ایکسرے سسٹم کی طرف اشارہ ہے) اس عالم حجازی نے ڈاکٹر سے پوچھا کہ آپ کے خیال میں بجلی کی اس لہر کی کیا کوئی خاص نوعیت ہے کہ جس کی بنا پر وہ اندرون بدن کے امراض کا انکشاف کرتی ہے۔ ڈاکٹر نے جواب دیا

جی ہاں اس کی نوعیت مخصوص ہے اور اس کو ہم عام الفاظ میں مخصوص آگ کی ایک لپٹ کہہ سکتے ہیں جو عام بجلی میں خاص آلات کی مدد سے پیدا کر کے استعمال میں لائی جاتی ہے۔

عالم حجازی نے فرمایا کہ بجلی کی نوعیت مخصوصہ کی جانب قرآن کریم کی اس آیت میں رہنمائی موجود ہے

نار اللہ الموقدۃ التی تطلع علی الافئدۃ انھا علیھم موصدۃ فی عمد ممدۃ (پ۳۰ الھمزہ)

ترجمہ: ایک آگ ہے اللہ کی سلگائی ہوئی، وہ جھانک لیتی ہے دلوں کو، ان کو اس آگ میں موند دیا ہے لمبے لمبے ستونوں میں۔

حجازی عالم کی زبان سے یہ قرآنی راہنمائی سن کر مسیحی ڈاکٹر نے غیر معمولی حیرانی کے ساتھ قرآن پاک کا اعتراف کیا۔ قرآن کریم کا موضوع گو ان حقائق کا انکشاف نہیں۔ یہ ایک کتاب ہدایت ہے لیکن خدا کا کلام خدا کا کلام ہے اس میں ضمنی طور پر بھی کئی ایسے گوشے کھلتے ہیں کہ طور بشر ویسی بات کہنے سے عاجز نظر آتا ہے ایک اور مثال لیجئے:۔

(۱۶) دھوئیں کو عربی میں دخان کہتے ہیں، اور حقہ یا سگریٹ وغیرہ کی صورتوں میں تمباکو نوشی یا دھواں اڑانے کے لیے تدخین کا لفظ اہل عرب بھی استعمال کرتے ہیں۔ اس کا عمومی رواج دسویں صدی ہجری کے اخیر سے ملتا ہے پہلے یہ دھواں دار صورتیں کہیں نہ تھیں نہ سگریٹ تھے نہ چرٹ۔ چار سو سال پہلے ان کا کہیں ذکر نہیں ملتا۔

کسی عالم سے سوال کیا گیا کہ قرآن کریم نے کیا دھواں اڑانے کے اس عالمگیر انسانی مرض کی جانب بھی کہیں کوئی اشارہ فرمایا ہے؟ اس عالم نے جواب دیا کہ تفکر و تدبر کرنے والوں کو قرآن کریم مایوس نہیں کرتا۔ اور اس کے بعد انہوں نے قرآنی آیت کے یہ تین کلمات تلاوت کیے۔ یوم تاتی السماء۔ اس کا آگے جوڑ ہے کھلے دھوئیں سے۔ اس میں اشارہ ہے اس پوری آیت کی جانب کہ:۔

یوم تاتی السماء بدخان مبین۔ (پ۲۵ الدخان ۱۰)

ترجمہ: جس دن آسمان چھپے دھوئیں سے بھر جائے گا۔

ایک عالم نے اس سوال و جواب کو ایک عربی قطعہ کی صورت میں پیش کرتے ہوئے اس تاریخی نکتہ کو کھولا ہے:

یا خلیلی عن الدخان اجبنی ۔۔۔ ھل لہ فی کتابنا ایماء

قلت ما فرط الکتاب بشیء ۔۔۔ ثم ارخت "یوم تاتی السماء"

ترجمہ: اے میرے دوست مجھے بتلاؤ کہ کیا ہماری کتاب قرآن کریم میں دھواں اڑانے کے انسانی مرض کی جانب بھی کوئی اشارہ ہے ؟ تو میں نے کہا کہ اس کتاب مقدس نے چھوڑا کسی بات کو نہیں اور پھر میں نے قرآنی الفاظ یوم تأتی السماء سے اسکی تاریخ نکالی۔

یوم تأتی السماء کے عدد از روئے ابجد کل ایک ہزار ہوتے ہیں اور آیت میں آگے لفظ دخان صراحتہ موجود ہے۔ یعنی یوم تأتی السماء بدخانٍ مبین (پ۲۵ الدخان ۱۰) جس سے بطور لطیفہ علمی یہ اشارہ نکل سکتا ہے کہ دسویں صدی ہجری سے علی الاعلان دھواں اڑانا لوگوں میں عام ہو جائے گا اور تاریخ سے اس اشارہ کو مزید تقویت حاصل ہوگئی کہ دھواں اڑانے کے رواج کی عمومی ترقی دسویں صدی ہی سے ملتی ہے۔ یہ بات یوم تأتی السماء کے بدخان مبین سے جوڑ کی وجہ سے معلوم ہوئی ورنہ آیت کا موضوع تو یہ نہ تھا۔

اسی طرح قرآن کریم میں ایک جگہ چاند کی قسم کھائی جب وہ بھر جائے (چودھویں رات اپنے کمال کو پہنچ جائے) پھر اس کے ساتھ ہی فرمایا۔

لترکبن طبقاً عن طبق فما لھم لا یؤمنون۔ (پ۳۰ الانشقاق ۲۰)

ترجمہ: البتہ تم ضرور چڑھو گے طبقہ بہ طبقہ۔ پھر ان کو کیا ہے کہ وہ یقین نہیں لاتے۔

مترجمین طبقہ بہ طبقہ کا ترجمہ سیڑھی بہ سیڑھی کرتے ہیں لیکن طبقہ کا حقیقی معنی تہ اور حلقہ کے ہیں طبقات الارض طبقات الجو طبقات السما، طبقات الامہ طبقہ صحابہ و تابعین یہ الفاظ آپ نے عام سُنے ہوں گے۔ انسان جب چاند میں پہنچا تو کتنے طبقوں کو عبور کر کے کیا یہ ہمارا موضوع نہیں لیکن یہ ضرور ہے کہ انسان طبقہ بہ طبقہ چاند پہ پہنچا۔ وہ بھرے چاند میں پہنچا یہاں (زمین پہ) تو چاند صرف ایک رات ہی پورا دکھائی دیتا ہے جسے لیلۃ البدر کہتے ہیں۔ لیکن جو لوگ چاند میں پہنچے وہاں پورا چاند تھا۔ پورے چاند کی قسم کھا کر اللہ تعالیٰ نے خبر دی کہ تم آئندہ طبقہ طبقہ اوپر چلو گے۔

فلا اقسم بالشفق والّیل وما وسق والقمر اذا اتسق لترکبن طبقاً عن طبق۔ (پ۳۰ الانشقاق ۲۰)

ترجمہ: سو قسم ہے شام کی سُرخی کی اور رات کی اور جو کچھ اس نے لپیٹا اور چاند کی جب وہ بھرے تم کو چڑھنا ہے طبقہ بہ طبقہ۔ سو کیا ہو گیا ان کو کہ پھر بھی یقین نہیں لاتے

سو جس طرح یوم تأتی السماء کا بدخانِ مبین سے ایک جوڑ سمجھ میں آگیا اور اس عالم نے دھواں پھیلنے کی تاریخ نکال لی۔ سائنسدانوں نے چاند کے ساتھ طبقہ بہ طبقہ چڑھنے کا اشارہ پاکر خلا میں محنتیں شروع کر دیں اور وہ چاند تک پہنچ گئے اور وہاں جا اُترے اب ان کے سامنے پُورا بھرا چاند تھا نہ کہ وہ اس کے کسی کنارہ پر تھے۔

اس آیت میں دُنیا کی زندگی کی ایک تمثیل ہے۔ دنیا کے بعد برزخ کے طبقہ میں جانا ہے۔ برزخ کے بعد عالم آخرت میں جانا ہے، جس میں جنت اور جہنم پہلے سے قائم ہیں۔ آفتاب کے غروب پر روشنی کی ایک تہ ختم شفق غروب ہونے پر دوسری بھی ختم اس دوران پھر چاند ہے جس کی روشنی ہے ان مراحل کی قسم کھا کر فرمایا کہ تم طبقہ بہ طبقہ اوپر چڑھو گے۔ واللہ اعلم وعلمہ اتم واحکم۔

تلاوتِ قرآن

الحمد للّٰہ وسلام علیٰ عبادہ الّذین اصطفیٰ اما بعد :

تلاوت اس پڑھنے کو کہتے ہیں جس میں کوئی چیز پہلے پڑھے کے مطابق پڑھی جاتی ہے۔ چاند جب سورج کے پیچھے پیچھے چلتا ہے تو اس کی پیروی میں چلتا ہے۔ یہ پیچھے آنا اس کی تلاوت ہے۔

والشمس وضحٰھا والقمر اذا تلٰھا۔ (پ۳۰ الشمس)

ترجمہ۔ سورج کی قسم اور اس کی دھوپ کی اور چاند کی جب وہ اس کے پیچھے پیچھے آئے۔

قرآن کریم کی تلاوت خود ایک عمل ہے

قرآن کریم بے شک خود ایک کتاب ہدایت ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ اس سے ایک راہ ملتی ہے یہ ایک دعوتِ عمل ہے اور اس سے انسان عمل کی ایک پٹڑی پر آتا ہے مگر اس حقیقت سے بھی انکار نہیں ہو سکتا کہ قرآن کریم پڑھنا خود بھی ایک عمل ہے اور اس پر جزا مرتب ہوتی ہے۔

قرآن کریم اگر صرف ایک پیغام ہوتا تو امت کا یہ کثیر طبقہ جسے ہم سات قاریوں کے ذیل میں پیش کر آئے ہیں، قرآن کریم کے پڑھنے، اس کے حروف کے مخارج بتلانے اور اسے کھول کھول کر پڑھنے پر اس قدر محنت نہ کرتا پیغام عمل صرف آنکھوں سے پڑھ لیا جائے اور زبان پہ نہ بھی آئے نہ لایا جائے تو اپنا مقصد پورا کر دیتا ہے یہ پڑھنے کا اہتمام آخر کس لیے ہے؟ اس لیے تا کہ یہ خود ایک عمل ہے جہاں پڑھا جائے دنیا میں اس کی برکت اترتی ہے اور آخرت میں اس کی جزا ملتی ہے۔ آنحضرت جب اسے پڑھتے تو اس کی مدّ و شد کا پورا لحاظ رکھتے اور اسے نہایت عمدگی سے حرف حرف کھول کھول کر پڑھتے۔ اب ظاہر ہے کہ آپ نے بھی اسے ایک عمل سمجھا تھا آج کون ہے جو اسے ایک عمل نہ سمجھے اور اسے محض ایک پیغام عمل کہے۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں ورتل القرآن ترتیلا کہہ کر اسے ایک عمل قرار دیا ہے اور اس پر آخرت میں جزا مقرر کی ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کہتے ہیں آنحضرتؐ نے فرمایا آخرت میں ترتیل

پر جزا مرتب ہوگی۔

یقال لصاحب القرآن اقرأ و ارتق و رتل کما کنت ترتل فی الدنیا فان منزلك عند اٰخر اٰیة تقرؤھا۔ [1]

ترجمہ: قرآن پڑھنے والے سے کہا جائے گا پڑھتا جا اور چڑھتا جا اور ترتیل سے پڑھ جس طرح تو دنیا میں پڑھتا تھا تیری منزل وہیں ہوگی جہاں تو آخری آیت پر ٹھہرے گا۔

یہ جس شخص کی زبان پر نہ چلے اور اسے مشقت سے اسے زبان پر لانا پڑے تو اللہ رب العالمین نے اس سے دُگنے اجر کا وعدہ کیا ہے اور ماہر بالقرآن تو سفرۃِ کرامٍ بررۃ (فرشتوں) کے ساتھ جگہ پائے گا۔

ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضؓ کہتی ہیں آنحضرتؐ نے فرمایا:۔

الماھر بالقرآن مع السفرۃ الکرام البررہ والذی یقرأ القرآن و یتتعتع فیه وھو علیه شاقٌ له اجران۔ [2]

ترجمہ: قرآن کا ماہر ان نیک فرشتوں کے ساتھ ہوگا جو قرآن کے سفیر رہے اور وہ شخص جو رک رک کر پڑھتا ہے اور اسے پڑھنا گراں ہے تو اسے دو اجر ملیں گے۔

مشقت سے بھی زبان سے ادائیگی ہو سکے تو ایک سعادت ہے اور اس پر زور اسی لیے دیا جا رہا ہے کہ اس کا پڑھنا خود ایک عمل تھا یہ صرف ایک پیغام نہیں اس کے لفظ لفظ اور حرف حرف میں برکت ہے۔

اسے پڑھنا اور پڑھانا بھی ایک عمل ہے اور اس کی تلاوت کرنا یہ ایک اور مستقل عمل ہے حضرت عقبہ بن عامرؓ کہتے ہیں آنحضرتؐ نے فرمایا:۔

افلا یغدو احدکم الی المسجد فیعلم او یقرأ اٰیتین من کتاب اللہ خیر له من ناقتین و ثلٰث خیر له من ثلٰث۔ [3]

ترجمہ: تم میں سے کوئی مسجد کی طرف کیوں نہیں جاتا تاکہ دو آیتیں جان لے

---

[1] رواہ احمد وابوداؤد والترمذی [2] رواہ البخاری و مسلم [3] رواہ مسلم عن عقبہ بن عامرؓ

یا پڑھ لے یہ اس کے لیے دو اُونٹنیوں سے بڑی دولت ہے اور تین پڑھے تو تین سے۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کہتے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :۔

من قرأ حرفاً من كتاب الله فله حسنة والحسنة بعشر امثالها۔ لا اقول الم حرف الف حرف ولام حرف وميم حرف ۔[1]

ترجمہ: جس نے کتاب اللہ کا ایک حرف پڑھا اسے بھی ایک نیکی کا ثواب ملے گا اور ایک نیکی اپنے سے دس گنا تک جاتی ہے میں یہ نہیں کہتا کہ الم ایک حرف ہے الف ایک حرف ہے لام ایک حرف ہے اور میم ایک حرف ہے۔

معانی الفاظ کے ہوتے ہیں حروف کے نہیں. حروف مؤلفات ہوں یا مقطعات ان میں سے ایک ایک حرف پر اجر موعود ہے. یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس کا پڑھنا (قطع نظر اس سے کہ اس کے معانی کیا ہیں) بھی عبادت ہو — اسی لیے اس کے ایک ایک حرف پہ اجر کا وعدہ دیا گیا.

قرآن کریم کو دیکھ کر پڑھنا اس کا درجہ زبانی پڑھنے سے زیادہ رکھا گیا یہ کیوں ؟ — یہ اس لیے کہ اس کے لفظوں اور حرفوں کو دیکھنا بھی ایک عبادت تھا. حضرت ام المؤمنینؓ کہتی ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :۔

قرأة الرجل القرآن فى غير المصحف الف درجة وقرأته فى المصحف تضعف على ذلك الى الفى درجة ۔[2]

ترجمہ. آدمی کا بغیر دیکھے قرآن پڑھنا ہزار درجے رکھتا ہے اور دیکھ کر پڑھنا اس سے کئی درجے آگے ہے اور یہ دو ہزار تک بڑھتا جاتا ہے۔

قرآن کریم خوش آوازی سے پڑھا جائے تو اس پر اللہ تعالیٰ توجہ ڈالتے ہیں اور نبی جب خوش آوازی سے پڑھے تو اس پہ اللہ رب العزت کی ایسی توجہ ہوتی ہے کہ ویسی رحمت کی توجہ اور کسی کام پر نہیں دیکھی گئی. حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں آنحضرتؐ نے فرمایا :۔

---

[1] رواہ الترمذی [2] رواہ البیہقی

ما اذن اللہ لشیء ما اذن لِنبی یتغنی بالقرآن [1]

ترجمہ: خدا نے کسی عمل پر اتنا نہیں دیا جتنا نبی کو خوش آوازی سے قرآن پڑھنے دیا ہے۔

قرآن کریم اگر صرف ایک پیغام عمل ہوتا تو اس کا تعلق صرف دنیا سے ہوتا اس کی تلاوت صرف یہاں اثر کرتی آخرت میں ذخیرہ اجر نہ بنتی۔ حضرت ابوذر غفاریؓ (۳۲ ھ) کہتے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

علیك بتلاوۃ القرآن فانہ نور لك فی الارض وذخر لك فی السماء۔ [2]

ترجمہ: تجھ پر تلاوتِ قرآن لازم ہے وہ زمین میں تیرے لیے نُور ہے اور آسمان میں تیرے لیے ذخیرہ عمل ہے۔

قرآن پڑھو — اسے تلاوت کرو — اور یہ اس لیے بھی کہ تم اس پر عمل کرو — پہلا درجہ اس کے علم کا ہے اور دوسرا درجہ اس کی تلاوت کا اور تیسرا درجہ اس کے اعمال کا — حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

تعلموا القرآن فاقرأوہ فان مثل القرآن لمن تعلم فقرأ وقام بہ کمثل جراب مَحشُوٍّ مسکاً تفوح ریحہ کل مکان ومثل من تعلم فرقد وھو فی جوفہ کمثل جراب اوکی علی مسکٍ۔ [3]

ترجمہ: قرآن سیکھو اور اسے پڑھو اس شخص کی مثال جس نے قرآن سیکھا اور پڑھا اور اسے اپنے عمل میں رکھا ایسے ہی ہے جیسے کستوری کی بھری بوری ہو اس کی خوشبو ہر جگہ پھیل رہی ہو اور اس کی مثال جس نے قرآن سیکھا اور پھر سو رہا اور وہ اُسے یاد ہے ایسی ہے جیسے کستوری کی بوری ہو جس کا منہ سختی سے اوپر سے بند کیا گیا ہو۔

قرآن پڑھنے سے برکات کا نزول

(۱) قرآن کریم کی تلاوت سے زمین پر نُور پھیلتا ہے۔ حدیث علیك بتلاوۃ القرآن فانہ

---

[1] رواہ البخاری [2] رواہ ابن حبان فی صحیحہ [3] رواہ الترمذی والنسائی

نور لك فی الارض آپ پڑھ آئے ہیں۔

(۲) تلاوت سے رزق میں برکت آتی ہے۔ حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ کہتے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :-

من قرأ سورة الواقعة فی کل لیلة لم تصبه فاقة ابداً۔[۱]

ترجمہ۔ جو شخص ہر شب سورۂ واقعہ پڑھے اسے کبھی فاقہ کی نوبت نہ آئے گی۔

(۳) ذکر آخرت سے غفلت دور ہوتی ہے۔ حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :-

من قرأ عشر آیات فی لیلة لم یکتب من الغافلین۔[۲]

ترجمہ۔ جو شخص ایک رات میں دس آیات پڑھ لے وہ غافلوں میں نہ لکھا جائے گا۔

(۴) مغفرت ملتی ہے۔ حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :-

ان سورة فی القرآن ثلاثون آیة شفعت الرجل حتی غفرله وھی تبارك الذی بیده الملك۔[۳]

ترجمہ۔ بے شک قرآن میں تیس آیتوں کی ایک سورت ہے وہ آدمی کی سفارش کرے گی یہاں تک کہ وہ بخش دیا جائے وہ سورۃ ملک ہے (پ ۲۹ کی پہلی سورۃ)

(۵) دن کے سارے کام چلتے ہیں۔ حضرت عطا ابن ابی رباحؒ کی بلاغات میں ہے (یعنی یہ بات انہیں پہنچی ہے) کہ آنحضرتؐ نے فرمایا :-

من قرأ یٰسٓ فی صدر النھار قضیت حوائجه۔[۴]

ترجمہ۔ جو صدر نہار میں سورۃ یٰسین پڑھ لے اس کی سب حاجات پوری ہوں گی۔

(۶) بیماروں کو شفا ملتی ہے۔

---

[۱] رواہ البیہقی [۲] رواہ الحاکم فی المستدرک [۳] رواہ احمد و ابو داؤد والنسائی
[۴] رواہ الدارمی

فاتحۃ الکتاب شفاء من کل داء۔[1]

ترجمہ۔ قرآن کریم کا پیش لفظ (الحمد شریف) ہر بیماری سے شفا ہے۔

(۷) جب قرآن کریم کی تلاوت خود ایک عمل ہے اور ایک نیکی ہے تو ظاہر ہے کہ اس کا ایصال دوسروں کو بھی کیا جاسکتا ہے۔ قرآن کریم پڑھنے کا ثواب مرحومین کو اسی طرح پہنچتا ہے جیسے صدقہ کرکے اس کا ثواب کسی مرحوم کو پہنچایا جائے یا اس کے لیے کوئی صدقہ جاریہ چھوڑ دے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تلاوتِ قرآن، تسبیح و تکبیر (سبحان اللہ پڑھنے اور اللہ اکبر پڑھنے) اور صدقہ کرنے کو ایک ترتیب میں ذکر فرمایا ہے اور ان میں سب سے افضل تلاوتِ قرآن کو ٹھہرایا ہے ــــ ان میں اگر صدقے کا ثواب اموات کو دیا جاسکتا ہے تو تلاوتِ قرآن کریم کی نیکی انہیں کیوں ایصال نہیں کی جاسکتی۔ آپ نے فرمایا:۔

قرأۃ القرآن فی الصلوٰۃ افضل من قرأۃ القرآن فی غیر الصلوٰۃ وقرأۃ القرآن فی غیر الصلوٰۃ افضل من التسبیح والتکبیر والتسبیح افضل من الصدقۃ والصدقۃ افضل من الصوم والصوم جُنۃ من النار۔[2]

ترجمہ۔ قرآن کو نماز کے اندر پڑھنا قرآن کو نماز کے باہر پڑھنے سے افضل ہے اور قرآن کو نماز سے باہر پڑھنا تسبیح و تکبیر پڑھنے سے افضل ہے اور تسبیح افضل ہے صدقہ کرنے سے اور صدقہ افضل ہے روزے سے اور روزہ جہنم کے سامنے ایک ڈھال ہے۔

سو تلاوتِ قرآن کی ساتویں برکت جہنم سے مخلصی ہے یہ خود کرنے سے ملے یا کسی کے ایصالِ ثواب سے جہنم سے آزادی اس پر مرتب ہوگی (بفضلہ و عمیم کرمہ)

قرآن کریم کو گانے کے طرز پر نہ پڑھا جائے

اس زمانے میں بعض خوش الحان نوجوان جو قاری نہیں ہوتے مگر اپنی خوش آوازی سے لوگوں میں قاری سمجھے جاتے ہیں قرآن کریم کو گانے کے طور پر پڑھنے لگے ہیں یہ جائز نہیں۔ گانا خود بھی حرام ہے اور قرآن کریم کو اس کے پیرائے میں لانا یہ اس سے بھی بڑھ کر ایک جرم ہے اور کلامِ الٰہی کی سخت بے ادبی ہے۔ شیخ الاسلام ابوطاہر احمد بن محمد اصفہانی (۵۷۶ھ) قاریوں کو نغمہ اور گانے

---

[1] رواہ الدارمی عن عبدالملک بن عمیر مرسلاً [2] رواہ البیہقی عن ام المؤمنین رض

کی سی خوش الحانی کے ساتھ قرأت کرنے سے منع کرتے تھے اور کہتے تھے کہ اس طرح قرأت کرنا بدعت ہے۔ ترتیل کے ساتھ قرأت کرو اور اس میں بھی سادگی اور بے تکلفی چاہیئے۔[1]

اس فن سے اشتغال ایسا نہ ہونا چاہیئے کہ یہ فن ایک موسیقی Music بن کر رہ جائے اور قاری لوگ اسے کھیل بنالیں جو زیادہ کھیلے زیادہ جیتے۔ ایسے قاریوں کے یہ ڈرامے ان کے لیے آخرت میں ایک بار ہوں گے۔ حضرت حذیفہؓ سے مروی ہے کہ حضورؐ نے فرمایا:۔

اقرؤا القرآن بلحون العرب واصوا تها وایاکم ولحون اھل العشق و اھل الکتاب۔[2]

ترجمہ: قرآن کو عرب کے لہجوں اور ان کی آوازوں میں پڑھو۔ اہل عشق کے لہجوں سے اور اہل کتاب کے طریقوں سے بچو۔

قراء کے مقابلے کا لفظ بھی ذہن میں ساتھ رکھیے

الفاظ اپنے اضداد سے پہچانے جاتے ہیں سفیدی اور سیاہی ایک دوسرے کے مقابلے میں آکر اپنی جو وضاحت کرتے ہیں وہ ان اکیلے الفاظ سے نہیں ہوتی۔ حدیث میں قراء کا لفظ فقہاء کے بالمقابل آیا ہے اس سے قراء کا تعارف اس طرح سے ہوتا ہے کہ یہ لوگ قرآن کے صرف الفاظ اور ان کی ہیئات پر محنت کرتے ہیں۔ قرآن کے حقائق و معانی کی طرف ان کا دھیان نہیں ہوتا۔ اس حدیث میں قرآن سمجھنے کا شوق فقہاء کی ذمہ داری بتلایا گیا ہے۔ جس طرح قرآن کے بارے میں قراء اور فقہاء مقابلے کے الفاظ ہیں حدیث کے پیش نظر بھی محدثین اور فقہاء مقابلے کے الفاظ ہیں محدثین کی جو محنت الفاظ حدیث اور ان کی کمی اور بیشی پر ہوتی ہے وہ ان کے مطالب اور گہرائیوں پر نہیں ہوتی۔ الا یہ کہ محدثین فقہ کی تعلیم بھی حاصل کریں فقہاء ہی دین کی سمجھ رکھنے والے لوگ ہوتے ہیں۔ اور قاری صاحبان لوگوں پر الفاظِ قرآن کی شوکت کے خیمے لگاتے ہیں اور بسا اوقات سر کو پکڑ کر قرأت کرتے ہیں۔

سیدنا حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے مروی ہے:۔

---

[1] دیکھیے تذکرۃ الحفاظ جلد صہ [2] رواہ البیہقی فی شعب الایمان

اذا کثرت قراءکم و قلت فقہاؤکم وکثرت امراءکم وقلت امناءکم والتمست الدنیا بعمل الاخرۃ ..... الحدیث [1]

ترجمہ: جب تمہارے ہاں قاری زیادہ بننے لگیں اور فقہ جاننے والے کم ہوتے جائیں اور امراء کی کثرت ہو اور امین لوگ کم ہوں اور دنیا آخرت والے اعمال سے کمائی جائے تو..... الحدیث (تم قیامت کا انتظار کرو کہ اب آخری گھڑی قریب آلگی ہے)

حدیث میں بے عمل قاریوں کے بارے میں پیشگوئی ان واضح الفاظ میں بھی موجود ہے:۔

ترجمہ: کچھ لوگ ایسے آئیں گے کہ قرآن پڑھیں گے اور ایسے درست حروف سے پڑھیں گے جیسے تیر کو سیدھا کیا جاتا ہے مگر قرآن ان کے حلق سے نیچے نہ اُترے گا۔

اس امت میں خدا سے نہ ڈرنے والے ایسے قاری بھی گزرے ہیں کہ روایت حدیث میں کذب بیانی کرتے بھی انہیں کوئی ڈر محسوس نہ ہوتا تھا۔ محمد بن حسن نقاش بغدادی (۳۵۱ھ) کس پائے کے قاری تھے مگر حافظ ذہبی تذکرہ میں لکھتے ہیں کہ روایت حدیث میں کذب بیانی کر جاتے تھے۔ [3]

حُسنِ صَوت اور گانے کا فرق

گانے کے پیرائے میں قرآن نہ پڑھنے کے حکم سے یہ نہ سمجھا جائے کہ قرآن پڑھنے میں آواز کو خوب صورت بنانا بھی ناجائز ہو ایسا ہر گز نہیں۔ حکیم الامت حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی فرماتے ہیں:۔

زینوا القرآن باصواتکم او نحوہ حدیث قولی (قرآن شریف کو اپنی آوازوں سے

---

[1] سنن دارمی جلد ۱ صفحہ ۶۴ [2] تفسیر مظہری جلد ۲ صفحہ ۱۵۶ [3] تذکرہ حفاظ جلد صفحہ

مزین کرو) اور حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کے اس عرض کرنے پر لو علمت انك لتستمع لقرأتى لحبّرته تحبيرًا او نحوه حدیث تقریری (اگر میں جانتا کہ آپ میری قرأت کو سُن رہے ہیں تو میں اپنی قرأت کو اور سنوارتا) اس تحسین صوت بالقصد کی مشروعیت و مطلوبیت پر نص صریح ہیں اور یہ ہی وہ تغنی جس کا امر چند حدیثوں میں مروی ہے۔

اس میں اور گانے میں فرق ظاہر ہے یعنی گانے میں تو لہجہ مقصود اور دوسرے قواعد تابع ہیں اگر لہجہ کے بنانے میں قواعد جائیں تو پروا نہیں کی جاتی اور تحسین صوت میں قواعد مقصود اور حسنِ صوت تابع ہے یعنی اگر قواعد کو محفوظ رکھ کر خوش آوازی ہو سکے تو اس کی رعایت کی جاتی ہے ورنہ اس کی پرواہ نہیں کی جاتی ہے۔

اور بلا قصد اگر کسی شخص کی قرأت کا کوئی جزء کسی قاعدہ موسیقی پر بھی طبیعت کے تناسب یا موزونیت کی وجہ سے منطبق ہو جائے تب بھی وہ گانے میں داخل نہیں جیسا کہ خود قرآن مجید میں شعریت کی نفی کی گئی ہے مگر بعض عبارات یقیناً اوزان شعر پر منطبق ہیں جیسے :۔

ثم اقررتم وانتم تشهدون ـــــ ثم انتم هٰؤلاء تقتلون (پ البقرہ ۸۳)
فاعلاتن فاعلاتن فاعلات پر منطبق ہے مگر باوجود انطباق ہرگز اس کے پڑھنے والے کو شعر کا پڑھنے والا نہ کہا جائے گا۔

البتہ اگر بقصد تطبیق پڑھے گا تو اسے شعر پڑھنے والا اور قرآن میں ایسا کرنے سے ناجائز فعل کا ارتکاب کرنے والا کہا جائے گا بس یہی حالت لہجہ کی بالقصد تطبیق سے ہے۔

اس کوتاہی کی دو جانبیں ہیں۔ ۱. تفریط اور ۲. افراط ـــــ دونوں سے بچنا یہ وہ ہے جس کو لحون العرب واصواتہا فرمایا گیا ہے[۱]

---

[۱] اصلاح انقلاب امت جلد ۱ ص۲۴ از حضرت تھانویؒ

اعجازُ القرآن

الحمدللہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ امابعد :

اعجاز القرآن سے مراد قرآن پاک کی معجزانہ شان ہے مفردات الفاظ، ترکیب کلمات، اسلوب، خلوص مقاصد، جامعیتِ مضامین، ربط آیات، حقائق، انتہائے بلاغت، اخبار بالمغیبات، اثرات اور عدیم النظیر تحفظ وغیرہ جملہ وجوہِ اعجاز سے فضلائے زمانہ، دانشورانِ عالم، عرب کے تمام فصحاء بلغاء اور جملہ قحطانی و عدنانی ادیب و خطیب اس کی نظیر پیش کرنے سے قاصر رہے ہیں اور رہیں گے کیونکہ یہ کلام خالق ہے اس کا مقابلہ کرنے سے ساری مخلوق عاجز ہے۔

پیشتر اس کے کہ ان وجوہِ اعجاز کی تفصیل کی جائے پہلے یہ سمجھ لیجئے کہ معجزہ کیا ہے اور اعجاز کسے کہتے ہیں۔

معجزہ کیا ہے؟

اللہ تعالیٰ کی قدرت اور اس کی عام عادت دو الگ الگ حقیقتیں ہیں یہ کائنات جن اسباب پر قائم ہے وہ سب اللہ تعالیٰ کی عادتِ عامہ کے تحت ظہور میں آتے ہیں عادتِ عامہ کے خلاف کسی فعل کا اظہار رب العزت کی قدرت سے خارج نہیں اسباب کا سارا سلسلہ قدرت کے ماتحت ہے قدرت اسباب کے ماتحت نہیں اس ہمہ گیر قدرت[1] کے اظہار کے لیے اللہ تعالیٰ کبھی کبھی ایسے فعل بھی صادر فرماتے ہیں جو عام اسباب کے خلاف ہوں یہی خرقِ عادت ہے جس میں عام عادت ٹوٹتی ہے۔ مثلاً آگ کی عادت ہے کہ وہ جلائے لیکن اگر کبھی اللہ تعالیٰ اسے ٹھنڈا بنا دیں[2] کہ آگ تو ہو مگر اس کی حرارت مسلوب ہو جائے تو یہ رب العزت کی ہمہ گیر قدرت کا اظہار ہوگا یہ امر قانون

---

[1] اللہ الذی خلق سبع سموات ومن الارض مثلھن یتنزل الامر بینھن لتعلموا ان اللہ علی کل شیء قدیر وان اللہ قد احاط بکل شیء علما۔ (پ۲۸ الطلاق ۱۲)

[2] جیسا کہ نارِ نمرود صداقتِ ابراہیم کے لیے عادت عامہ کے خلاف ٹھنڈی کر دی گئی تھی۔

اسباب کے تو خلاف ہوگا لیکن قانونِ قدرت کے خلاف نہ ہوگا اسی اظہار قدرت کو معجزہ اور کرامت کہتے ہیں معجزے کا رُخ عموماً کفار کی طرف ہوتا ہے اور انہیں عاجز کرنا مقصود ہوتا ہے کرامت میں ولی کی عزت اور تکریم ہوتی ہے ولی کی طرف سے تحدّی اور دعویٰ نہیں ہوتا۔

اللہ تعالیٰ نے عام عادتِ اسباب کے خلاف بارہا اس طرح اظہار قدرت کیا ہے عام عادت کو کبھی کبھی توڑتے رہنا خود ایک قانونِ قدرت ہے اللہ تعالیٰ کے اس اظہارِ قدرت کو اس کی عادتِ خاصہ بھی کہہ دیتے ہیں جسے وہ اپنے برگزیدہ بندوں کی صداقت ظاہر کرنے کے لیے کبھی کبھی ظاہر فرماتے رہتے ہیں یہ عادت عامہ اور عادت خاصہ دونوں فطرت خداوندی اور سنّتِ الٰہیہ ہیں دونوں میں فرق نہ کر سکنے کی وجہ سے بعض لوگوں کو معجزہ کی حقیقت سمجھ میں نہ آسکی اور وہ معجزات کو فطرت اللہ اور قانونِ قدرت کے خلاف سمجھنے لگ گئے یہاں تک کہ معجزات کا انکار کر دیا یا ان کے معنی بدل دیئے کیونکہ رب العزت کی عادتِ خاصہ ان کی سمجھ سے بالا تھی اور وہ اپنی سمجھ کو چھوڑنے کے لیے تیار نہ تھے۔[1]

یاد رکھیئے کہ قانونِ قدرت کی صحیح تفہیم اور تعظیم اسی وقت ہوتی ہے جب خدا کی ہمہ گیر قدرت اسباب کے سہاروں سے بے نیاز ہو کر ظہور کرے پس معجزہ عادت عامہ کے خلاف قدرت خداوندی کا ایک ایسا اظہار ہے جو اپنے وقت کی تمام مخلوق کو عاجز کر دیتا ہے۔

کائنات میں وقوع پذیر ہونے والے اُمور

دُنیا میں ہم اپنے گرد و پیش جن جن امور کو دیکھتے ہیں یا ہوا سُنتے اور پڑھتے ہیں وہ تین دائروں سے خارج نہیں، ۱. وقائع عادیہ ۲. صنائع عجیبہ ۳. قدرتِ الٰہیہ

① وقائع عادیہ

وہ اُمور ہیں جو عادی اور مادی اسباب سے وجود میں آتے ہیں ان اسباب اور ان سے

---

[1] ولن تجد لسنۃ اللہ تبدیلا کا یہ معنی نہیں کہ اللہ تعالیٰ کی عادت عامہ نہیں بدلتی اور خرق عادت امور ظاہر نہیں ہو سکتے۔ سنّتِ الٰہیہ اللہ تعالیٰ کی عادت عامہ اور عادتِ خاصہ دونوں کو شامل ہے جو چیز نہیں بدل سکتی وہ سنّتِ الٰہیہ ہے نہ کہ فقط عادتِ عامہ۔

حاصل ہونے والے نتائج کو سب عام وخاص جانتے ہیں جب سے انسان دُنیا میں آیا اس وقت سے یہ وقائع عادیہ ساتھ ہیں.

② صنائع عادیہ

وہ امور ہیں جن میں مادی اسباب اور ان سے پیدا ہونے والے نتائج میں تعلق بہت لطیف اور مخفی تھا انسان تجربات میں آگے بڑھتا گیا اور اس نے اس لطیف اور مخفی ربط کا پتہ چلا لیا. عام لوگوں نے ان پیدا شدہ نتائج کو تو دیکھا لیکن اس لطیف اور مخفی تعلق کو ان خاص ماہرین فن کے سوا اور لوگ نہ جان سکے. عوام ہوائی جہازوں کو اُڑتا تو دیکھتے ہیں لیکن انسان نے اتنے بڑے وزن کے ساتھ کس طرح ہوا پر قابو پایا. یہ بات اس لائن کے ماہرین کے سوا اور لوگ نہیں جانتے پھر چونکہ نتائج سامنے ہیں اس لیے انکار بھی نہیں کر سکتے.

وقائع عادیہ اور صنائع عجیبہ دونوں کے پیچھے مادی اسباب ہیں لیکن دُنیا میں کچھ ایسے کام بھی وقوع میں آتے ہیں جن کے پیچھے مطلقاً مادی اسباب نہ ہوں بلکہ ان کا ظہور صرف اللہ رب العزت کی مشیت اور اس کے براہ راست حکم سے ہو یہ اس کی شانِ تکوینی کا ایک جلوہ ہے اور اللہ تعالیٰ کی مخفی قدرت کا ایک ظہور ہے.

③ قدرتِ الٰہیہ

انسانی پیدائش عادۃً ماں باپ سے ہوتی ہے. دُنیا کی پہلی عورت حضرت حوا نے ایک مرد کے پہلو سے وجود پایا یہ اسباب کے تحت نہیں. قدرتِ الٰہیہ کے تحت ہوا حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قدموں تلے آگ نے اپنی گرمی چھوڑ دی آگ تو تھی مگر اس میں حرارت نہ تھی یہ کوئی سائنس کی ترقی سے نہیں ہوا. قدرتِ الٰہیہ سے اس خاص جزئی میں عام عادتِ الٰہیہ ٹوٹی. عادت ٹوٹنے کو خرقِ عادت کہتے ہیں.

پانی اپنی سطح ہموار رکھتا ہے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کے ساتھیوں کے دونوں طرف پانی کی دیواریں تھیں دریا دو ٹکڑے ہو چکا تھا اور درمیان سے حضرت موسیٰ علیہ السلام گزر رہے تھے.

مادی علاج سے تو اندھے بینا ہو جاتے ہیں لیکن حضرت مسیح علیہ السلام کے ہاتھ پھیرنے سے کسی اندھے کی بینائی لوٹ آنا یہ عام ذرائع عادیہ کے خلاف ہے۔ زمین سے پانی نکلنا اور بادلوں کا پانی برسنا یہ تو دُنیا نے دیکھا اور ان کے پس وقوع مادی اسباب بھی دیکھے لیکن حضرت خاتم النبیین ﷺ کی انگلیوں سے پانی کا چشمہ جاری ہونا یہ حیرت انگیز عمل دُنیا نے کبھی اور کہیں نہ دیکھا تھا۔ یہ سب قدرت الٰہیہ کے ظہورات ہیں اور یہ معجزات ہیں۔ انسان کوئی ایسا عمل بغیر اسباب وجود میں نہیں لاسکتا۔ معجزہ خدا کا فعل ہے انسان کا نہیں — دُنیا میں وقوع پذیر ہونے والے ان امور کو ۱: عادیات ۲. عجائبات سے بھی تعبیر کیا جاسکتا ہے۔ عادیات وہ جن پہ زمانہ چل رہا ہے۔ عجائبات جو سائنس کے حیرت میں ڈالنے والے اکتشافات ہیں اور جہاں عادت زمانہ اور سائنس کی پرواز دونوں عاجز آجائیں وہ معجزات ہیں۔

تختِ سلیمانؑ کے اُڑنے اور ہوائی جہاز کے اُڑنے میں فرق

ہوائی جہاز اور طیارے ایک مشینی نظام سے اُڑتے ہیں جو شخص ایسا نظام ترتیب دے لے وہ اپنا ہوائی جہاز اُڑا سکتا ہے وہ اس کام کی نقل سے عاجز نہیں لیکن حضرت سلیمان علیہ السلام کا تخت انسان کے مشینی نظام سے نہیں اللہ رب العزت کے مشیتی نظام سے اڑتا تھا۔ مشین اور مشیت میں فرق کیجئے۔ مشین انسان کے ہاتھ میں ہوتی ہے اور مشیت اللہ کے ہاتھ میں۔ اس کے تحت معجزات ظہور میں آتے ہیں۔

اس تفصیل سے یہ بات واضح ہوگئی کہ معجزہ خدا کا فعل ہوتا ہے نبی کا نہیں اور نہ نبی کے اپنے اختیار کو اس میں کچھ دخل ہوتا ہے اللہ تعالیٰ جب چاہتے ہیں اسے ظاہر فرماتے ہیں ہاں جو معجزہ نبی کو اس کی نبوت کے نشان کے طور ملتا ہے اس کا اظہار نبی جب کرنا چاہے اللہ تعالیٰ اسے وقوع میں لے آتے ہیں۔ معجزہ خدا کا فعل ہوتا ہے جو نبی کے ہاتھ پر ظاہر ہوتا ہے بخلاف استدراج کے کہ وہ بندے کا اپنا فعل ہوتا ہے۔

استدراج اور معجزے میں دوسرا فرق یہ ہے کہ استدراج انسان کے اپنے کسب اور محنت سے مشق اور تدریج کے ساتھ حاصل ہوتا ہے لیکن معجزے میں پیغمبر کے اپنے نظر و اکتساب

کو کوئی دخل نہیں ہوتا اور نہ اس کی پہلے کوئی مشق کی جاتی ہے یہ محض اللہ رب العزت کی ایک عطا ہے۔

جادو اور معجزے میں دوسرا فرق یہ ہے کہ جادو میں صرف صورت بدلتی ہے معجزے میں حقیقت بدلتی ہے۔ فرعون کے جادوگر کی رسیاں صرف صورۃً سانپ بنی تھیں لیکن موسیٰ علیہ السلام کا عصا حقیقۃً اژدہا بنا تھا یہی وجہ تھی کہ وہ تمام رسیوں کو کھا گیا تھا کیونکہ کھانا اسی جانور کا کام ہے جو حقیقۃً جانور ہو۔ جس کی صرف صورت بدلی ہو اُس پر احکام صورت کے نہیں حقیقت کے نافذ ہوتے ہیں فرشتے انسانی شکل میں آنے کے باوجود کھانے پینے سے بے نیاز رہتے ہیں اُن کا تجسّد و تمثّل معجزے کے طور پر نہیں ہوتا۔

خُدائی کام اور خُدائی کلام

جس طرح خدائی کام اور بندوں کے کام میں نمایاں فرق ہے اسی طرح خدائی کلام اور بندوں کے کلام میں بھی فرق ہے۔ انسان راکٹوں میں اُڑنے خلاؤں میں تیرنے سیاروں میں اُترنے سمندروں کے نیچے سے گزرنے اور لاسلکی پیغامات کی حیرت انگیز ایجادات کے باوجود جَو کا ایک دانہ اور مچھر کا ایک پَر بنانے سے بھی عاجز ہے۔ سائنس کی تمام تحقیقات قدرت کی پیدا کی ہوئی طاقتوں کا ایک سراغ ہے۔ انسان کی اپنی تخلیق نہیں کسی چیز کو عدم سے وجود میں لانا انسان کے بس میں نہیں سائنسدان قدرت کے پیدا کیے ہوئے خزانوں کا ہی پتہ کرتے ہیں انہوں نے اس دور میں دریافت کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ایٹم atom میں کیا طاقتیں رکھی تھیں۔ آج سے کروڑوں سال پہلے بھی مادّے میں بے شک یہ طاقتیں موجود تھیں صرف ان کی دریافت نہ تھی اس ایٹمی دور کا انتہائے کمال صرف اُن کی discoveries اور اکتشافات ہیں اور جو ایجادات inventions ہیں وہ بھی ان اکتشافات پر ہی مبنی ہیں مستقل تخلیقات نہیں ان اکتشافات کے انتہائے کمال اور ایجادات کی انتہائے پرواز کے باوجود کوئی ایک دانہ اور مچھر کا ایک پَر پیدا نہیں کر سکتا یہاں پہنچ کر خدائی کام اور بندوں کے کاموں میں ایک نمایاں فرق سامنے آجاتا ہے اسی طرح خدائی کلام اور بندوں کے کلام میں نمایاں فرق ہے عرب کے فصحاء و بلغاء اور شعراء و خطباء سب اپنی

قادرالکلامی اور طلاقت اللسانی کے باوجود قرآن کی ایک سُورت کی مثال پیش نہ کر سکے۔

فاتوا بسورۃٍ من مثلہ۔ (پ البقرہ)

ترجمہ تم بھی ایک سورت بنالاؤ (اگر تم اسے اپنا بنایا ہوا کلام سمجھتے ہو)

قرآن کی دس سورتیں مکمل ہونے کے بعد گیارہویں سورت میں پھر چیلنج دُہرایا گیا:۔

قل فاتوا بعشر سورٍ مثلہ مفتریات۔ (پ۱۲ ہود ۱۳)

ترجمہ آپ کہہ دیجیے کہ اگر یہ اپنی طرف سے گھڑا ہوا کلام ہے تو تم بھی ایسی دس سورتیں اسی طرزِ بیان میں گھڑ لاؤ۔

تاریخِ عالم شاہد ہے کہ قرآن پاک کا یہ عالمگیر چیلنج آج تک لاجواب چلا آرہا ہے اور پھر یہ چیلنج ہی نہیں اس کا جواب نہ آنے کی پیشگوئی بھی کر دی گئی۔

قل لئن اجتمعت الجن والانس علیٰ ان یاتوا بمثل ھٰذا القراٰن لایاتون بمثلہ ولو کان بعضھم لبعضٍ ظھیراً۔ (پ بنو اسرائیل ۸۸)

ترجمہ۔ آپ کہہ دیں اگر تمام جن اور انسان اس پر جمع ہو جائیں کہ ایسا کلام بنا سکیں تو وہ ہرگز اس کی مثل نہ لا سکیں گے اگرچہ وہ سب ایک دوسرے کی مدد کریں۔

آپ اندازہ کریں کہ اپنی عربیت ادب شاعری فصاحت و بلاغت اور خطابت پر ناز کرنے والوں نے جب ایک اُمّی کی زبان سے یہ چیلنج اور پھر اس پر یہ پیشگوئی سُنی ہو گی یہ ان کی غیرت پہ کس زور کی گرج ہو گی اور اس نے ان کے معاندانہ جوش کو کس قدر بھڑکایا ہو گا۔ بایں ہمہ اگر وہ خاموش رہے اور قرآن کی نظیر نہ لا سکے تو کیا یہ قرآن کا ایک کھُلا اعجاز نہیں۔

نامناسب نہ ہو گا کہ اگر ہم یہاں وہ چند شبے بھی نقل کر دیں جو مخالفینِ اسلام اس موقع پر پیش کرتے ہیں۔

(۱) بلغائے عرب اور فصحائے ادب ایسا کلام بنانے پر قادر تھے لیکن انہوں نے اس کی ضرورت نہ سمجھی۔ اس چیلنج کو کوئی اہمیت نہ دی۔

جواب: اتنی بڑی تحریک کہ پورا ملک اس کی سیاسی لپیٹ میں آرہا ہو اسے اہمیت نہ

دینا اور اس کا توڑ نہ کرنا شعر و ادب کی اس آماجگاہ میں جو عربوں میں ان دنوں قائم تھی ہرگز لائق پذیرائی نہیں یہ شبہ بالکل بے وزن ہے۔

(۲) ممکن ہے اس وقت ان دانشوروں کے پاس اس کے مادی وسائل نہ ہوں کہ وہ اس چیلنج کے جواب میں جم کر کوئی کام کر سکیں؟

جواب: یہ انہیں ایک علمی میدان میں آنے کی دعوت تھی انہیں کسی مالی تجارتی منڈی میں برابر کی بولی دینے کے لیے نہیں بُلایا جا رہا تھا کہ وہ کہیں ان کے پاس مالی وسائل نہ تھے انہیں لڑنے کے لیے بدر تک آنے کی ہمت تھی اور سامنے بیٹھ کر بات کرنے تک کی ہمت نہ تھی۔

(۳) ممکن ہے انہوں نے کوئی مقابلے کا کلام تیار کیا ہو اور وہ ہم تک نہ پہنچا ہو ملک کی سیاسی اکھاڑ پچھاڑ میں ضائع ہو گیا ہو؟

جواب: مکہ پر قبضہ سیاسی اکھاڑ پچھاڑ سے نہیں ہوا تھا مکہ والوں نے بغیر لڑائی کے قبضہ دے دیا تھا اور بدر اور اُحد کی لڑائیاں مکہ سے کافی دور مدینہ کے قریب لڑی گئی تھیں۔ پھر اگر ایسا ہوتا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے اس کا کوئی جواب بھی اہل اسلام کے لٹریچر میں موجود ہوتا۔ فاتح قوم مفتوح قوم کے ایک ایک قدم کا تلاش کرتی ہے۔

(۴) کوئی سائنسدان کوئی ایجاد کرنے میں کامیاب ہو جائے اور دوسرا کوئی سائنسدان اس پائے کی کوئی اور دریافت نہ کر سکے تو کیا پہلے سائنسدان کا عمل معجزہ کہلائے گا؟

جواب: نہیں اسے معجزہ نہیں کہا جائے گا۔ یہ دوسرا سائنسدان گو اس پائے کی کوئی اور چیز ایجاد نہیں کر سکا لیکن وہ اس پہلے سائنسدان کی نقل میں اپنے مادی وسائل سے ایسی نئی کئی اشیاء بنا سکتا ہے۔ قرآن کی متبادل کتاب نہیں ان سے اس اس جیسی کتاب لانے کا مطالبہ تھا اور وہ نہ لا سکے اور انہیں ایک ہی سورت لانے کے لیے کہا گیا تھا۔

(۵) یہ بھی ہو سکتا ہے کہ آنحضرتؐ اپنی عربیت اور بلاغت میں اس درجہ فائق ہوں کہ کوئی دوسرا ان کی ہمسری نہ کر سکے؟

جواب: آپ کا یہ کمال چالیس برس کی عمر سے پہلے بھی کبھی ظاہر ہوا؟ اگر نہیں تو دنیا

میں اور کوئی ادیب و خطیب یا شاعر ایسا بھی کہیں گزرا ہے جس نے چالیس سال تک کی عمر تک کبھی اس باب میں نہ کوئی پیرا لکھا ہو نہ کبھی اس کے ہاتھ میں کاپی دیکھی گئی ہو اور وہ اپنے حلقوں میں اُمّی سمجھا جاتا ہو؟ اور پھر وہ ایک بے نظیر قطعہ کلام لا سکے۔

یہاں تک مستشرقین کے بے بنیاد شبہات کا جواب تھا۔ اب آئیے ذرا ان کے کچھ اعتراضات بھی سن لیجئے ایسے زیادہ اعتراضات انہوں نے ایران کے علامہ نوری کی کتاب فصل الخطاب اور اس جیسے دوسرے ملحدین کی کتابوں سے لیے ہیں جو مسلمان کہلا کر قرآن میں تحریف کے قائل تھے۔

قرآن کریم کے وجوہِ اعجاز

(۱) مفردات میں قرآن کریم وہ کلمہ اختیار فرماتا ہے جس سے زیادہ ترجمان مراد اور موقع کے مناسب اور کوئی کلمہ نہیں ہو سکتا۔

(۲) قتل فی سبیل اللہ کے لیے شہادت کا لفظ پہلے سے موجود نہ تھا قرآن کریم نے اسے اس محل میں لا کر ایک بڑی حقیقت پر متنبہ کیا اس سے زیادہ اوفی بالمقام اور کوئی کلمہ نہ ہو سکتا تھا۔

(۳) پھر ایک اعمال کے لیے جو اعراض ہیں باقیات کا لفظ اختیار فرمایا اس سے بڑھ کر اوفی بالحقیقۃ اور کوئی لفظ نہ تھا۔

(۴) عورت انسان کے لیے غایت اتصال، پردہ پوشی، دفع مضرت آبرو اور زینت میں ایک نسبت رکھتی تھی اسے ایک لفظ سے بیان کر دیا۔ ھنّ لباس لکم وانتم لباس لھنّ (پ۲ البقرہ)
اس میں سب مرادات آگئیں۔ یہاں لباس کے لفظ سے زیادہ اور کوئی لفظ اولیٰ بالمقام نہ تھا۔

(۵) قرآن کریم نے ایک مقام پر موت کی تعبیر ان الفاظ سے کی ہے:۔

فمنھم من قضٰی نحبہ۔ (پ۲۱ الاحزاب ۲۳)

ترجمہ: پس ان میں ایسے بھی ہیں جو اپنی ذمہ داری پوری کر چکے۔

موت کی اس تعبیر نے اسلامی تعلیمات کے تمام پہلوؤں کو اپنے اندر سمو لیا ہے اور متنبہ کیا ہے کہ موت ایسی ہی مطلوب ہے۔

(۶) اللہ رب العزت نے آنحضرتؐ کا ہر گناہ سے تحفظ فرمایا ہے اسے قرآن کریم اس تعبیر

پیش فرماتا ہے :۔

ولولا ان ثبتناک لقد کدت ترکن الیھم شیئاً قلیلاً ۔ (پ۱۵ بنی اسرائیل)

ترجمہ۔ اور اگر ہم نے آپ کو ثابت قدم نہ رکھا ہوتا تو قریب ہو جاتا کہ تو اُن کی طرف جُھک جائے۔

اب یہاں عصمناک یا حفظناک وغیرہ کے مقابلہ میں ثبتناکَ کی تعبیر جس ثابت قدمی اور عصمت کے تسلسل کو بیان کر رہی ہے اور کوئی کلمہ اس سے ادنیٰ بالحقیقت اور اس مقام کے لائق نہ تھا پورے مضمون کو ایک لفظ تثبتنا سے بیان کر دیا۔

(۷) عورتوں کے حقوق بیان کرتے ہوئے خاوند کے لیے الذی علیھا (جو اس پر حاکم ہے) کے الفاظ اختیار فرمائے۔

ولھن مثل الذی علیھن بالمعروف ۔ (پ۲ البقرہ ۲۲۸)

ترجمہ۔ اور عورتوں کا بھی حق ہے جیسا کہ ان کا حق ہے جو اُن پر حاکم ہیں دستور کے مطابق۔

یہاں الذی علیھن کی تعبیر اختیار کر کے کس مسلّمہ پیرایہ میں خاوند کی بالادستی بیان کر دی۔

(۸) نفع کے مقابلے میں ضرر کا لفظ تھا قرآن پاک نے اس مقام پر ضرر کی بجائے اثم (گناہ) کا کلمہ نفع کے مقابلے میں اختیار فرمایا[1] اور اس حقیقت پر متنبہ کر دیا کہ اثم میں ضرر ہی ضرر ہے کتنی بڑی حقیقت ایک کلمہ میں بیان فرما دی۔

(۹) جاہلیت کے اعتقاد میں موت کے لیے توفّی کا استعمال نہ تھا ان کے اعتقاد میں مرنے کے بعد کوئی زندگی نہ تھی[2]۔ توفّی پورا وصول کرنے کو کہتے ہیں ان کے عقیدہ میں موت توفّی نہ ہو سکتی تھی۔ قرآن پاک نے موت پر توفّی کا لفظ اطلاق کیا اور بتایا کہ موت سے وصول یابی ہوتی ہے یہ فنائے محض کا نام نہیں اس حقیقت کو ایک کلمہ سے ظاہر کر دیا اور کبھی اس لفظ کا اطلاق اپنے اصل معنوں میں جسد مع الروح کے وصول کرنے پر بھی کیا۔

---

[1] اثمھما اکبر من نفعھما (پ۲ البقرہ ۲۷) [2] ان ھی الا حیاتنا الدنیا نموت ونحیا وما نحن بمبعوثین (پ۷ الانعام ۲۹، المومنون ۳۷)

یہ ہم نے چند مثالیں پیش کی ہیں. قرآن کریم نے اپنے مفردات میں بڑے بڑے عقلاء کو حیرت میں ڈال دیا ہے ان پر جوں جوں غور کرتے جاؤ قرآن کی شانِ اعجاز ابھرتی جاتی ہے. علمائے عربیّت نے اعجازِ قرآن کی اس جہت پر زیادہ زور نہیں دیا تھا مگر متاخرین میں امام العصر علامہ انور شاہ کشمیریؒ نے اس وجہ اعجاز سے خوب نقاب کشائی کی ہے.

۲ ترکیبِ کلمات

۱ قرآن کریم مشرکین کے شرک اور ان کی ذہنی پستی کو یوں بیان فرماتا ہے:-

وجعلوا لله شرکاء الجن۔ (پ الانعام ۱۰۰)

ترجمہ۔ اور ٹھہرائے انہوں نے اللہ کے شریک جن.

ظاہر قیاس چاہتا تھا کہ عبارت یوں ہوتی. وجعلوا الجن شرکاء الله کہ انہوں نے جن اللہ کے شریک ٹھہرائے. لیکن یہاں مراد یہ ظاہر کرنا ہے کہ انہوں نے خدا کے شریک ٹھہرائے کوئی معمولی جرم نہیں کیا اور وہ شریک بھی کون؟ جن. پس یہ مراد اسی ترتیب اور نشست الفاظ سے حاصل ہو سکتی ہے کہ الجنّ کا لفظ بعد میں ہو.

۲ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ حضرت مسیحؑ سے پوچھیں گے کہ کیا تم نے لوگوں کو کہا تھا کہ مجھے اور میری ماں کو خدا بنالو حضرت مسیح علیہ السلام کہیں گے.

سبحانك مایکون لی ان اقول مالیس لی بحق۔ (پ المائدہ ۱۱۶)

ترجمہ. تو پاک ہے مجھے لائق نہیں کہ کوئی بات خلاف حق کہوں.

ظاہر قیاس یہ ہے کہ پہلے اپنی برّیت ہوتی کہ میں نے ایسا ہرگز نہیں کیا اس کے بعد اپنا عقیدہ بیان کرتے اور سبحانک کہتے. خدا کی پاکی کا بیان اس طرح ہو جاتا.

لیکن یہاں مراد یہ ہے کہ ربّ العزت اس سے پاک ہے کہ اس کا پیغمبر اس کے بارے میں ایسی بات کہے (یعنی وہ ایسے غلط انسان کو پیغمبر بنانے کے عیب سے پاک ہے) اور اس سے بھی پاک ہے کہ حضرت مسیحؑ اور حضرت مریمؑ اس کے شریک ہوں یہ مراد اسی ترتیب اور نشست الفاظ سے حاصل ہو سکتی تھی کہ سبحانک کا لفظ مقدم ہو پہلے ربّ العزت کی تنزیہہ ہو اور پھر

اپنی بربیت۔

③ رب العزت کفار کے اعمال کی مثال اس کھیتی سے دیتے ہیں جسے پالا لگ گیا اور وہ ضائع ہو گئی ہو اسی طرح کافروں کے اعمال بالکل بے ثمر ہیں۔

اصابت حرث قوم ظلموا انفسھم فاھلکتہ۔ (پ۴ آل عمران ۱۱۷)

ترجمہ۔ وہ ہوا کافر قوم کی کھیتی کو لگی پس اسے ضائع کر دیا۔

آندھی اور پالا جس طرح کافروں کی کھیتی کو برباد کر دیتا ہے اسی طرح مسلمانوں کے کھیت کو بھی تباہ کر دیتا ہے ظاہر ہیں یہ ظلموا انفسھم کی قید زائد ہے اس باب میں مومن اور کافر دونوں میں کوئی فرق نہیں آندھی اور پالے سے کھیتی دونوں کی برباد ہوتی ہے مگر رب العزت کافروں کے اعمال کو یہاں بالکل بے ثمر فرما رہے ہیں اور ظاہر ہے کہ مسلمان کی کھیتی تباہ ہونے کی صورت بایں وجہ کہ اس کے گناہ جھڑتے ہیں یا سرمایہ آخرت میں اضافہ ہوتا ہے کُلّی طور پر تباہ نہیں ہوتی اگر یہاں جل بھی گئی تو اس کے اثرات بہرحال باقی ہیں یہ کافر ہی ہیں جن کی کھیتی کلی طور پر تباہ ہوتی ہے کیونکہ ان کے نقصانات کے آخرت میں کوئی اثرات نہیں۔

قرآن کریم کی یہ مراد انہی الفاظ سے بیان ہو سکتی تھی پس یہ قید زائد نہیں اتنی ادنیٰ بالحقیقت اور ادفیٰ بالمقام تعبیر اور کسی ترکیب الفاظ میں ممکن نہیں۔

④ قرآن کریم میں جہاں معاملات میں دو گواہوں کی ضرورت کا بیان ہے وہاں یہ بھی مذکور ہے کہ اگر دو مرد نہ ملیں تو ایک مرد اور دو عورتیں بھی ان کے قائم مقام ہو سکتے ہیں دو عورتیں ایک مرد کے برابر اس لیے ہیں کہ اگر ایک بھولے تو دوسری اسے یاد دلا سکے۔ اس پر قرآن کریم یہ ترکیب اختیار فرماتا ہے:۔

ان تضل احدٰھما فتذکر احدٰھما الاُخریٰ۔ (پ۳ البقرہ ۲۸۲)

ترجمہ۔ ایک اگر ان میں سے بھول جائے تو اُسے دوسری یاد دلا سکے۔

ظاہر قیاس یہ ہے کہ عبارت یُوں ہونی چاہیئے تھی ان تضل احدٰھما فتذکرھا الاخریٰ لیکن یہاں مراد یہ ہے کہ اگر دوسری بھولنے لگے تو اُسے بھی پہلی واقعہ یاد دلا سکے۔ اور روک سکے یہ مضمون اس طرح پُورا ہوتا تھا۔

ان تضل احدٰھما فتذکر احدٰھما الاخریٰ و ان تضل الاخریٰ فتذکرھا الاولیٰ۔

قرآن کریم نے کس نفیس اور عمدہ پیرائے میں دونوں باتوں کو یکجا کر دیا ہے اور فتذکر احدٰھما الاخریٰ کی تعبیر میں کتنا اونچا ایجاز فرمایا ہے اس تعبیر سے بہتر اور اوفیٰ بالمقام اور کوئی عبارت نہیں ہو سکتی۔ قرآن کریم وہ ترکیب پیش کرتا ہے کہ ثقلین اس کی نظیر پیش نہیں کر سکتے۔

⑤ جب بُرائی حضرت یوسف علیہ السلام کی طرف بڑھنا چاہتی تھی اور حضرت یوسفؑ پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے عصمت کا سایہ تھا چنانچہ وہ بالکل محفوظ رہے تو اس مقام پر قرآن کریم یہ نہیں کہتا کہ ہم نے یوسفؑ کو بُرائی سے دُور کیا بلکہ یہ تعبیر اختیار کرتا ہے کہ ہم نے بُرائی اور بے حیائی کو یوسفؑ سے پرے رکھا۔ جب دو میں کشمکش ہو تو ہٹایا اسے ہی جاتا ہے جو دوڑ دوڑ کر آگے بڑھے۔ یہاں بُرائی یوسف علیہ السلام کی طرف بڑھنا چاہتی تھی۔ حضرت یوسف علیہ السلام میں کوئی داعیہ پیدا نہ ہوا تھا۔ معصومیت کی پُوری شان جلوہ گر تھی۔

کذالک لنصرف عنہ السوء والفحشاء۔ (پ ۱۲ یوسف ۲۴)

ترجمہ۔ یُوں ہی ہوا کہ ہم ہٹائیں اس سے بُرائی اور بے حیائی۔

قرآن کریم کی یہ تعبیر کتنی اوفیٰ بالحقیقت اور حضرت یوسفؑ کی شان عصمت کے عین لائق ہے اس مضمون کی اس سے بہتر تعبیر نہیں ہو سکتی کہ بُرائی ان کی طرف آنا چاہتی تھی ہم نے اسے روک دیا۔

③ اسلوب

نزولِ قرآن کے وقت عربوں میں جو اسالیب کلام رائج تھے وہ نظم تھے یا نثر۔ نظم صدیوں کے ارتقاء کا نتیجہ تھا جس کے بڑے بڑے ابواب فخریہ، حماسہ، مدح و ہجو اور حکم و امثال وغیرہ تھے۔ نثر خطاباتِ عامہ کے لیے تھی اور یہی اظہارِ خیال کا ایک فطری ذریعہ تھا ایسے ماحول میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک پُوری کی پُوری کتاب عربوں کے سامنے پیش فرمائی جس کا اسلوب بالکل انوکھا تھا وہ نہ نظم تھی نہ نثر، ایک نیا طرزِ کلام تھا۔ عربوں

میں اس کی کوئی نظیر پہلے[1] سے نہ تھی وہ اس نئے نمونہ کلام سے ششدر تھے اور وہ قوم جس کی سرزمین شعر و ادب کو اس طرح جنم دیتی تھی جیسے سبزہ برسات میں اُگتا ہے اس کے اسلوب کو سمجھنے میں یہاں تک بہک گئی کہ بعضوں نے اسے نظم سمجھ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو شاعر کہہ دیا اس پر انہیں یہ جواب ملا:۔

وما علمناه الشعر وما ينبغي له ان هو الا ذكر وقرآن مبين (پ۲۳ یٰسین ۶۹)

ترجمہ۔ اور ہم نے اپنے پیغمبر کو شعر کہنا سکھایا ہی نہیں اور نہ یہ آپ کی شان کے لائق ہے سوائے اس کے نہیں کہ یہ ذکر ہے اور قرآن مبین ہے۔

اور جو لوگ سمجھتے تھے کہ اس کا اسلوب نظم نہیں وہ بھی اس کی لاثانی بندش اور بے مثل روانی کو دیکھ کر اسے نثر کہنے سے جھجکتے تھے یہ ایک نیا اسلوب کلام تھا جس نے پوری قوم کو حیران کر رکھا تھا آیت مذکورہ میں بھی شعر کے مقابلے میں قرآن کا نام لیا گیا ہے جس سے پتہ چلتا ہے کہ قرآن کا ایک اپنا اسلوب ہے کیونکہ اسلوب کا مقابلہ اسلوب ہی سے ہوتا ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا قرآن کریم کو ایک نرالے اسلوب میں پیش کرنا اور پورے عرب کو اس کی نظیر پیش کرنے سے عاجز کر دینا پھر پوری قوم عرب کا اس کے اسلوب کے تعین میں سرگرداں ہونا قرآن کے معجزہ ہونے کی وہ تاریخی شہادت ہے کہ اس کے سامنے مخالفین اسلام اب تک سربکف ہیں۔

ایک سوال

جس طرح نظم و نثر میں بعض اہل کمال امام فن ہوئے ہیں اسی طرح حضورؐ کو اس نئے اسلوب کا امام اور بانی کیوں نہ سمجھ لیا جائے نیا اسلوب پیش کرنے سے یہ کیسے لازم آیا کہ قرآن کریم

---

[1] مخالفین اس سلسلہ میں قیس بن ساعدہ اور امیہ بن ابی الصلت کے جن خطبات اور اشعار کو اس دور کے قرآنی اسلوب کے طور پر پیش کرتے ہیں وہ سب وضعی روایات ہیں جو بعد کے ادیبوں اور شاعروں نے قرآنی اسلوب کی پیروی میں کہہ کر قدیم شعرائے عرب کی طرف منسوب کر دی ہیں ان خطبات و اشعار کا جاہلی ہونا ہمیں تسلیم نہیں اس کی تحقیق اسلوب القرآن کے مضمون میں آگے آئے گی۔

معجزہ ہے آپ کی اپنی تصنیف نہیں۔

جواب: نظم ونثر کے اسلوب صدیوں کے ارتقاء کے بعد اپنے کمال کو پہنچے۔ پس یہ نیا اسلوب بھی اگر انسانی فکر کی پیداوار ہوتا تو اس کی بھی پہلے سے کوئی تمہید ہوتی کیونکہ قرآن اس اسلوب کا مقام کمال اور اس کی انتہائی منزل ہے اور اگر یہ اس اسلوب کی بالکل ابتدا رکھتی تو ضروری تھا کہ اس کی ارتقائی منازل اور بعد کے مقاماتِ کمال اسے بالکل پسِ پشت ڈال دیتے۔

پس جب کہ یہ دونوں صورتیں منتفی ہیں نہ اس انوکھے اسلوب کی کوئی پہلے تمہید تھی اور نہ اس کا کوئی بعد میں ارتقاء ہوا بلکہ اس کی ابتدا ہی اس کی انتہا ہے اور وہ اپنی نظیر خود آپ ہی ہے تو یہ تسلیم کرنے سے چارہ نہیں کہ یہ کسی انسان کی تصنیف نہیں بلکہ اس ذاتِ برتر کا کلام ہے جس کی ذات ہر قسم کی تمہید وارتقا سے پاک ہے۔

④ مقاصد میں وجہ اعجاز

قرآنِ کریم کسی فوق الفطرت مسئلے کو موضوع نہیں بناتا اس کے مباحث ہمیشہ عملی زندگی سے متعلق ہوتے ہیں ان میں معاش ومعاد کی اصلاح اور دنیا وآخرت کی فلاح ونجاح کے سبق ہوتے ہیں مسئلہ نبوت کو ہی لیجئے یہ خدا اور بنی آدم کے مابین ایک برزخی مقام ہے جس کی کنہ اُمت کی فکری پرواز سے بالا ہے یہاں مسئلہ ذات سے نکل کر صفات میں آجاتا ہے اور قرآن کریم نبوت کا تعارف ذات کی بجائے صفات سے کراتا ہے ان صفات کا تعلق نسل آدم کی فلاح وہدایت سے ہے۔

لقد من اللہ علی المؤمنین اذ بعث فیہم رسولاً من انفسہم
یتلو علیہم اٰیاتہ ویزکیہم ویعلّمہم الکتاب والحکمۃ (پ۴ آل عمران ۱۶۴)

یہاں نبوت کی حقیقت پر بحث کرنے کی بجائے اس تعلق اور رابطے کو بیان کیا جا رہا ہے جو نبی اور امت کے مابین ہونا چاہیئے۔ نبوت کا تعارف ذات کی بجائے صفات سے ہو رہا ہے پھر نبوت تو ہمارے لیے غیر مدرک بالکنہ ہے لیکن نبی کی ذات محسوسات میں پوری طرح عیاں ہے

قرآن پاک ویدوں کی طرح ایسی ربانی ہستیاں پیش نہیں کرتا جن کا محسوسات میں کوئی تعین ہی نہ ہو سکے۔ قل انما انا بشر مثلکم کے بعد نبوت کا امتیاز یوحیٰ الیّ کی صفت سے قائم کیا جاتا ہے۔ کنہ نبوت کو موضوع بحث نہیں بنایا جاتا ہے آگے اعتقادی اصلاح کے لیے الٰھکم اللہ واحد کے بعد فوراً عملی زندگی پر متوجہ کر دیا جاتا ہے۔ فلیعمل عملاً صالحًا اور وہ بھی اس لیے کہ عقیدہ توحید کا اثر عملی زندگی پر ضرور پڑنا چاہیئے۔

قرآن پاک اپنے مقاصد کو ہر موضوع میں عزیز رکھتا ہے یہ قرآن کی وہ شانِ اعجاز ہے جس کے سامنے ویدوں اور اوستا کے تمام فوق الفطرت اور اُلجھے ہوئے مباحث یکسر ماند پڑ جاتے ہیں۔

قرآن کریم میں جہاں کہیں کائنات کے بارے میں کچھ بتایا گیا ہے یا زمین و آسمان اور شمس و قمر کے کچھ حالات مذکور ہیں وہاں یہ مراد نہیں کہ کائنات کی حقیقت اور زمین و آسمان کی ہیئت و حرکت وغیرہ کے متعلق تحقیقی اور علمی معلومات مہیا کیے جائیں قرآن ان مباحث کو اگر موضوع بنالے تو اپنے مقاصد سے نکل جائے گا۔ قرآن کریم ان چیزوں کو اگر کہیں ذکر کرتا ہے تو ان سے استدلال کر کے انسانی ذہن کو اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ کرنا مقصود ہوتا ہے روح کے متعلق پوچھا گیا تو قرآن کریم نے اس کی حقیقت پر بحث کرنے کی بجائے اس کے متعلق انسانی علم کی کمزوری کو انسانی بے چارگی اور درماندگی کی دلیل بنالیا۔ سوال کے متعلق اتنی بات ہی کہی قل الروح من امر ربی اور پھر اپنے مقصد کو یوں بیان کر دیا وما اوتیتم من العلم الا قلیلاً۔

یہ بات قرآن کریم کا ایک معجزہ ہے کہ اس کے مضامین بیشتر مقامات پر ان کائناتی چیزوں کو چھوتے ہوئے گزرتے ہیں اور معاش و معاد کی فلاح و نجاح کے لیے ان سے سبق لیا جاتا ہے لیکن ان ضمنی تذکروں میں بھی کوئی ایسی بات نہیں کہی گئی جسے بعد کے سائنسی معلومات اور انسانی تحقیقات نے غلط ثابت کر دیا ہو۔ قرآن ان کائناتی حقیقتوں سے اس طرح گزرتا ہے کہ آج کے لوگ اور آج سے ہزار سال پہلے کے نظریات کے لوگ ان تذکروں سے برابر کے لطف اندوز ہوتے ہیں ان ضمنی بیانات سے جس طرح وہ ذہن مطمئن تھے جو فلسفہ یونان کے دلدادہ تھے اسی طرح آج کے وہ لوگ بھی جو سائنسی اکتشافات اور مادی تحقیقات میں بہت آگے نکل چکے ہیں۔

قرآن کے کائناتی تبصروں پر انگلی نہیں رکھ سکتے۔ انسانی تحقیقات کہاں سے کہاں تک نکل جائیں لیکن قرآنی بیانات اور قرآنی دلائل پہلے سے بھی زیادہ روشن ہوتے چلے جائیں گے۔ قرآن پاک کی یہ شانِ اعجاز ہے کہ وہ کائناتی حقیقتوں کو اس انداز میں چھوتا ہے کہ کسی دور کی کوئی تحقیق اس کے خلاف نہیں پڑتی اور اس پر جتنا غور کیا جائے یہ یقین اور بڑھتا جاتا ہے کہ یہ کسی انسان کا کلام نہیں۔

قرآن ایک دعوت عمل ہے یہ فلسفے کا الجھاؤ نہیں زندگی کے مسائل کو افراد کی بجائے اصولوں میں پیش کرتا ہے۔ خلافت نبوت پر غور کیجئے قرآن عزیز اسے کسی خاص نسل و رنگ سے وابستہ کرنے کی بجائے ایمان اور عمل صالح[1] پر مبنی قرار دیتا ہے اور پھر اس منصب امامت کو کسی ایک خاندان میں محدود رکھنے اور فوق الفطرت اسرارِ الٰہیہ کے روپ میں پیش کرنے کی بجائے وہ مقاصد خلافت کو پیش کرتا ہے جن پاک انسانوں کے ہاتھوں یہ مقاصد پورے ہوں وہ صحیح معنوں میں منصب امامت پر فائز ہوں گے خلافت کا بنیادی مقصد یہ ہے کہ خدا کی زمین میں اسلام کا رعب و دبدبہ اور حق کی حکومت قائم کر کے انسانیت کی زیادہ سے زیادہ خدمت کریں خلفاء راشدینؓ خدا کے قانون کو نافذ کر کے اس کے جلال و جمال کے مظہر بنیں۔ قرآن عزیز خلافت کی ذات سے بحث کرنے کی بجائے خلافت کا تعارف اس کی صفات اور اس کے نتائج کے ساتھ کراتا ہے یہ مقاصد کے اعتبار سے قرآن کی شان اعجاز ہے۔

⑤ اخبار بالمغیبات

آنحضرتؐ نے قرآنی ارشاد کی روشنی میں اعلان فرمایا کہ علم غیب اللہ رب العزت کے سوا اور کوئی نہیں جانتا۔

قل لا یعلم من فی السموات والارض الغیب الا اللہ۔ (پ۲ النمل ۶۵)

ترجمہ۔ آپ کہہ دیجئے کہ آسمانوں اور زمین میں کوئی غیب نہیں جانتا سوائے اللہ کے۔

---

[1] وعد اللہ الذین امنوا منکم وعملوا الصلحت لیستخلفنهم فی الارض۔ (پ۱۹ النور ۵۵)

وعندہ مفاتح الغیب لا یعلمہا الا ھو۔ رپ الانعام ۵۹)

ترجمہ۔ اور اسی کے پاس غیب کی کنجیاں ہیں ان کو اس کے سوا کوئی جاننے والا نہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نہ اپنا یہ دعوےٰ تھا کہ میں غیب جانتا ہوں اور نہ آپ نے کہانت یا عرافت کے کہیں تجربات کیے تھے بلکہ اپنے دائرہ ارشاد میں ہمیشہ ان باتوں سے نفرت دلاتے رہے۔ آپ کی سیرت طیبہ میں رمل و نجوم کی کہیں کوئی آلائش نہیں ہے۔

ان واقعات کی روشنی میں جب ہم دیکھتے ہیں کہ آنحضرتؐ نے کئی وقائع ماضیہ اور کئی آیندہ ہونے والی باتوں کی خبریں دیں اور یہ وہ امور تھے جن کا علم آنحضرتؐ کو علم غیب، کہانت، عرافت رمل یا جفر یا نجوم وغیرہ کسی طریق سے حاصل نہ تھا لیکن جب وہ اخبار غیبیہ حرف بحرف پوری ہوئیں تو اس سے پتہ چلا کہ ان سب خبروں کی بنیاد علم وحی پر تھی۔ تاریخ گواہ ہے کہ آنحضرتؐ نے جن جن مغیبات کی خبر دی آیندہ کے انکشافات اس کے کسی پہلو کو غلط ثابت نہ کر سکے اور جو کچھ آیندہ کے لیے بتایا گیا حرف بحرف صحیح ثابت ہوا۔

مثلاً خبر دی گئی:۔

الٓمٓ ۞ غُلبت الروم ۞ فی ادنی الارض وھم من بعد غلبھم سیغلبون ۞ فی بضع سنین ۞ (رپ الروم)

ترجمہ۔ قریب کے ملک (فارس) میں رومی مغلوب ہو جائیں گے لیکن اپنے مغلوب ہونے کے بعد پھر اہل روم اہل فارس پر غالب آجائیں گے۔ یہ نوسالؔ کے اندر ہو کر رہے گا۔

عجم پر رومیوں کے غالب آنے کے متعلق جس امر کی خبر جتنے زمانہ کے ساتھ مقید کر کے قرآن نے پیش کی حرف بحرف پوری ہو کر رہی۔ عین بدر کے دن جب مسلمان فتح و نصرت کی خوشیاں منا رہے تھے یہ خبر پہنچی کہ رومی اہل کتاب دوبارہ ایران کے مجوسیوں پر غالب آگئے۔ رومیوں کی مغلوبیت

لہ لغت اور حدیث میں لفظ بضع کا اطلاق تین سے نو تک پر ہوا ہے ہم نے ترجمے میں نو کی صراحت کر دی ہے حضرت ابو بکر صدیقؓ نے مسلمانوں کی طرف سے اس کے ظہور کی مدت چھ سال مقرر کی تھی پھر حضورؐ کے ارشاد کے مطابق اس میں ترمیم کر کے نو سال کی شرط قائم کی (دیکھیے مستدرک حاکم جلد تفسیر سورۃ الروم)

بعثتِ نبویؐ کے پانچ سال بعد واقع ہوئی تھی اس کے بعد ٹھیک نو سال کے اندر اندر قرآن کریم کی مذکور پیش گوئی چمکتے ہوئے آفتاب کی صورت میں صداقت کے مطلع اعجاز سے چمکی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا غیب کی ایسی خبریں دینا اور پھر ان سب کا حرف بحرف پورا اترنا قرآن کریم کی ایک مستقل وجہ اعجاز ہے۔

گبن اپنی مشہور کتاب "تاریخ زوال روما" کی تیسری جلد میں لکھتا ہے:۔

محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ایرانی فتوحات کے عین شباب میں پیشگوئی کی کہ چند سال کے اندر اندر رومی جھنڈے دوبارہ فتح کے ساتھ بلند ہوں گے جب یہ پیش گوئی کی تو اس وقت اس سے زیادہ بعید از قیاس کوئی بات نہیں کی جا سکتی تھی۔[1]

جب یہ پیش گوئی حرف بحرف پوری ہوئی تو حضرت صدیق اکبرؓ جنہوں نے مسلمانوں کی طرف سے مشرکین کے ساتھ پیمان باندھا تھا اور اس کے پورا ہونے پر قسم اٹھائی تھی پھولے نہ سماتے تھے اور مدینہ کے بازاروں میں بلند آواز سے الٓمّٓ غلبت الروم فی ادنی الارض وھم من بعد غلبھم سیغلبون کی تلاوت کرتے گزرتے تھے۔

اثرات میں وجہ اعجاز

قرآن کریم ایک ایسے زمانے میں نازل ہوا جب کہ ساری دنیا ایک عجیب روحانی سکتے کی حالت میں تھی اور آنحضرتؐ ایک ایسے ملک میں مبعوث ہوئے جہاں کوئی باقاعدہ تمدن نہ تھا اس قوم کے پاس کوئی تہذیبی ورثہ بھی نہ تھا لیکن قرآن پاک نے ایک نہایت قلیل عرصے میں ایک ایسا محیر العقول انقلاب پیش کیا کہ عوام و خواص، حکماء و خطباء، فصحاء و بلغاء بڑے چھوٹے جوان بوڑھے آقا و غلام بدوی و شہری سب اس ریلے میں بہہ گئے اور قرآن نے ہر ایک کے دل میں اس کے ظرف اور مزاج کے مطابق وہ تبدیلی پیدا کی کہ صدیوں کے بھٹکے ہوئے خدا کی راہ پر چل نکلے جو بُت پرست تھے بُت شکن ہوگئے۔ حمیت و وحشت کی جگہ صبر و تحمل آگیا بربریت کی جگہ

---

[1] تاریخ زوال روما ص

فکر و تدبر نے لے لی اور پشتینی عداوتوں سے لبریز سینے چند سالوں کے اندر پیغامِ رحمت بن گئے اتنے قلیل عرصے میں اتنے عظیم اثرات اور ہر کہ و مہ پر اتنی روشن انقلابی تاثیرات قرآن کریم کی شانِ اعجاز کے وہ تاریخی شواہد ہیں کہ کوئی مبصر انہیں عادی اور مادی اسباب کے تحت تصور نہیں کر سکتا۔

عدیم النظیر تحفظ میں شانِ اعجاز

انسانیت کی پوری تاریخ میں اگر کوئی کتاب اتنی ضخامت کے باوجود ابتدائے ظہور سے آخر تک ایک جم غفیر کے سینوں میں محفوظ رہی ہے تو وہ صرف قرآن کریم ہے جس طرح اس مقدس کتاب نے علم و ادب کے بڑے بڑے نمایندوں کو اپنی نظیر پیش کرنے سے عاجز کر دیا۔ اسی طرح اس کی بے مثل حفاظت بھی تاریخ کو اپنی مثال پیش کرنے سے عاجز کرتی ہے۔ انا نحن نزلنا الذکر وانا لہ لحافظون کی پیشگوئی تاریخ کے ہر دور میں دادِ تصدیق حاصل کرتی رہی ہے اور آج بھی ربع مسکون کا کوئی ایسا قطعہ نہ ہوگا جہاں اس امانتِ الہیہ کا کوئی نہ کوئی امین موجود نہ ہو۔

ایک دلچسپ سوال

یہ صحیح ہے کہ قرآن کریم اپنے مفردات، ترکیبِ کلمات، نرالے اسلوب، خلوص مقاصد اور انقلابی اثرات میں انتہائے بلاغت پر ہے۔ یہ بھی صحیح ہے کہ اس سے آگے نکلنا طوقِ بشر سے خارج اور انسانی پرواز سے باہر ہے لیکن دنیا میں کئی اہل کمال بھی تو ایسے گزرے ہیں کہ ان کا مقابلہ ان کے فنی کمالات میں ایک مدت تک کسی سے نہ ہو سکا ان سب قرآنی کمالات کو آنحضرتؐ کے کمال و قابلیت کا بے نظیر نمونہ کیوں نہ سمجھا جائے اگر کوئی شخص اس بے نظیر کتاب کی مثل نہیں لا سکا تو اس سے یہ نتیجہ کیسے نکل آیا کہ یہ اللہ رب العزت کا کلام ہے یہ نتیجہ کیوں نہ نکالا جائے کہ حضور پیغمبر اسلام جیسی اور کوئی شخص تصنیف نہیں کر سکا۔

قرآن کے آنحضرتؐ کی تصنیف نہ ہونے کے شواہد

(۱) جس نبی اُمی نے قرآن کو دنیا کے سامنے پیش کیا اس نے نہ کسی کالج اور مدرسہ میں تعلیم پائی

بھی نہ کسی پرائیویٹ اتالیق کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیا تھا نہ کسی لائبریری کا مطالعہ کیا تھا اور نہ اس کے گرد و پیش کوئی علمی ماحول تھا کہ قرآن پاک جیسی لاجواب کتاب آپ کا نتیجۂ فکر ہوتی اور اُسے آپ کی تصنیف کہہ سکتے۔ قرآن پاک میں خود اس امر کی طرف توجہ دلائی گئی ہے ؎۔

وماکنت تتلوا من قبله من کتاب ولا تخطّه بیمینك اذا لارتاب المبطلون۔ (پ۲۱ العنکبوت ۴۸)

ترجمہ۔ نہ تو آپ قرآن سے پہلے کوئی کتاب پڑھ سکتے تھے اور نہ دائیں ہاتھ سے کچھ لکھ سکتے تھے اگر ایسا ہوتا تو بے شک باطل پرستوں کے لیے شک و شبہ کی گنجائش تھی۔

(۲) بے شک دنیا میں کئی ایسے اہلِ کمال گزرے ہیں کہ ان کا مقابلہ ان کے فنی کمالات میں کسی سے نہ ہو سکا لیکن ایسا صاحبِ کمال کوئی دیکھنے میں نہیں آیا کہ اس کے فن کی جملہ شاخیں اس کے دامنِ قابلیت میں سمٹتی چلی آتی ہوں۔ تاریخ عالم کوئی ایسا انسان پیش نہیں کر سکتی جسے ہر مضمون پر برابر کی قدرت حاصل ہو۔ عربی ادب نے جن باکمال شعراء کو بطور نمونہ پیش کیا ہے ان میں امرؤالقیس، زہیر، نابغہ اور اعشیٰ سر فہرست نظر آتے ہیں لیکن ہر ایک، ایک خاص مضمون میں ممتاز ہے۔ یہ نہیں کہ ان میں کوئی ہر قسم کے مضمون پر برابر کا قادر ہو امرؤالقیس جس طرح گھوڑوں کی تعریف کرتا ہے اور ان کا سماں باندھتا ہے دوسرے اس کی برابری نہیں کر سکتے۔ زہیر رغبت و رجاء اور حکمت و فکر میں اچھا لکھتا ہے۔ نابغہ خوف و خشیت میں اچھا چلتا ہے اور اعشیٰ شراب کی مستی میں بہت آگے نکل جاتا ہے۔ فارسی ادب میں فردوسی سعدی حافظ اور قاآنی کو دیکھ لو۔ فردوسی جس طرح رزم میں چلتا ہے بزم میں آ کر خاموش ہو جاتا ہے۔ سعدی پند و نصائح میں تفوق رکھتا ہے لیکن اگر کہیں جنگ کا موضوع آجائے تو ساری جولانیاں ختم ہو جاتی ہیں۔ حافظ اگر غزل کا امام ہے تو قصیدہ نگاری میں ہم اسے دوسری صف میں بھی تلاش نہیں کر سکتے۔ قاآنی بے شک روانی میں سب سے آگے ہے لیکن تخیل کی پرواز میں اسے تیسری صف میں بھی جگہ نہیں ملتی۔

اسی طرح انشاء پردازان نثر اور ماہرین خطابت کا حال ہے. اگر الفاظ کا معیار ملحوظ نظر ہے تو معانی کی سطح کم نظر آتی ہے اور اگر مطالب گہرے ہیں تو الفاظ مبتذل ہو جاتے ہیں. اگر کوئی ایجاز پر قادر ہے تو اسے اطناب پر قدرت نہیں اور اگر کوئی اطناب میں پھیلتا ہے تو ایجاز سے قاصر ہے ترغیب میں لکھنے والا ترہیب سے پیچھے ہے اور ترہیب کا ماہر ترغیب میں پیچھے رہ جاتا ہے.

Pessimism اور optimism کی علیحدہ علیحدہ اصطلاحیں ادب کے طلباً سے مخفی نہیں.

ان واقعات کی روشنی میں جب ہم قرآن پاک کو دیکھتے ہیں تو باوجودیکہ مضامین مختلفہ کی رو بہہ رہی ہے کوئی مضمون دوسرے مضمون سے مغلوب نہیں ہوتا ہر مضمون اپنے موضوع میں انتہائے بلاغت پر ہے اور الفاظ و معانی کا معیار ایک جیسا بلند رہتا ہے.

انسان جب ایک قسم کا مضمون بیان کرتا ہے تو عین اس حالت میں اس کے برابر والے مضمون پر اچھی طرح نہیں چل سکتا یہ انسانی فطرت کی کمزوری ہے جس سے گریز ممکن نہیں اگر کوئی غصے سے بھرا ہوا کلام کرتا ہے تو بالکل اسی وقت وہ شفقت و محبت کا اظہار نہیں کر سکتا حاکمانہ انداز کلام کے ساتھ رحمت و رأفت کے مضمون ہمکنار نہیں ہو سکتے ایک ہی وقت میں متضاد عنوانوں پہ انسانی دلوں میں اترنا اور مساویانہ توازن قائم رکھنا انسانی حد پرواز سے بہت بلند ہے یہ صرف رب العزت کی ہی شان ہے جس کی کوئی صفت دوسری صفت سے مغلوب نہیں ہوتی وہ بیک وقت متقابل صفات سے متصف اور متضاد صفات سے موصوف ہے.

قرآن میں اگر اخلاق و حکمت، تہذیب و تمدن اور تزکیۂ نفس کے اسباق ہیں تو نظم و سیاست جہاد و شجاعت، غیرت و عزت اور ملّی خودی کے مضامین بھی موجود ہیں. لڑائی کے نقشے کھینچے جاتے ہیں تو شفقت و رحمت کے درس بھی دیے جاتے ہیں. سنین ماضیہ سے عبرت کی داستانیں لائی جاتی ہیں تو نظریات و عقائد پر پُر لطف مناظرے اور معقول و محکم دلائل بھی موجود ہیں رب العزت کے کلام میں رحمت کے ساتھ غضب، وعدہ کے ساتھ وعید، جمال کے ساتھ جلال، بشارت کے ساتھ نذارت اور اُمید کے ساتھ خوف، ترازو کے دو پلڑوں کی طرح برابر رہتے ہیں سارے کلام کی یکسانیت اس بات کا پتہ دیتی ہے کہ یہ کسی انسان کا کلام نہیں اور نہ اسے کسی ایک کمیٹی کی مشترک

کوشش کا نتیجہ کہہ سکتے ہیں کیونکہ مختلف ذہنوں کا پیرایہ بیان اور نتیجۂ فکر جب یکجا سامنے آئے تو لازمی طور پر کسی نہ کسی سے آپس میں ٹکرا جاتا ہے۔ آیاتِ قرآنیہ کا لطیف ربط اس بات کی اجازت نہیں دیتا کہ اس کے اطراف مختلف ذہنوں کی طرف نسبت کیے جا سکیں۔

(۴) تلاوتِ قرآن کا آنحضرتؐ پر نفسیاتی اثر۔

جب آنحضرتؐ قرآن پاک کی تلاوت فرماتے یا اسے کسی دوسرے سے سنتے تو آپ خود بھی اس قدر متاثر ہوتے کہ خود اپنے کلام یا اپنی تصنیف سے اس قدر متاثر ہونا عادۃً ممکن نہیں آپ کا چہرہ مبارک خشیت سے متغیر ہو جاتا آنکھیں بہنے لگتیں اور قیام تہجد میں بعض اوقات یہاں تک بڑھتے چلے جاتے کہ پاؤں مبارک میں ورم آ جاتا۔ بعض اوقات آپ دوسروں سے قرآن کی تلاوت سنتے اور اس کلام کی لذت سے لطف اندوز ہوتے۔ ایسی کیفیات کا وروداِن اثرات کا ظہور اپنے ہی کلام اور اپنی ہی تصنیف سے ہرگز ممکن نہیں۔

سنن ابن ماجہ میں ہے:۔

عن حذیفۃؓ ان النبیؐ صلّی فکان اذا مرّ بایۃ رحمۃٍ سال واذا مرّ بایۃ فیہا تنزیہ للہ سبّح۔ [1]

ترجمہ۔ آنحضرتؐ جب نماز پڑھتے تو جہاں کہیں کسی آیتِ رحمت سے گزرتے تو آپ کے آنسو مبارک بہنے لگتے اور جب کبھی کسی آیت عذاب کا ذکر ہوتا تو آپ پناہ مانگتے اور جس آیت میں اللہ کی تقدیس کا بیان ہوتا آپ اس سے گزرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی تسبیح کہنے لگتے۔

حضرت ابوذر غفاریؓ کہتے ہیں کہ ایک رات آنحضرتؐ نماز کے لیے اُٹھے اور آپؐ نے ایک ہی آیت [2]

---

[1] سنن ابن ماجہ ص۹۷ دہلی [2] جامع ترمذی جلد ۱ ص۱۴۶ لکھنؤ۔ اس روایت میں آیت کی نشاندہی نہیں لیکن یہی حدیث جب ابن ماجہ نے روایت کی ہے تو اس آیت کی نشاندہی بھی کر دی ہے ان تعذبھم فانھم عبادك وان تغفر لھم فانك انت العزیز الحکیم۔ اسے امام نسائی، محمد بن نصر مروزی اور امام طحاوی نے بھی روایت کیا ہے۔ (فتح الملہم جلد ۲ ص۳۱۱)

پر صبح کر دی آپ اسے بار بار پڑھتے تھے اور اسی طرح صبح ہوتی چلی گئی۔

ایک دفعہ آپؐ نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے فرمایا کہ مجھے قرآن سناؤ انہوں نے سورۃ نساء تلاوت کی جب وہ اس آیت پر پہنچے۔ فکیف اذا جئنا من کل امۃٍ بشھیدٍ وجئنا بک علیٰ ھٰؤلاءِ شھیدا[1] تو اس وقت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر عجیب کیفیت طاری تھی۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کہتے ہیں:۔

فرفعت رأسی فرأیت دموعه تسیل۔[2]

ترجمہ: میں نے اپنا سر اُٹھایا تو کیا دیکھتا ہوں کہ آپ کے آنسو بہہ رہے ہیں۔

ان کیفیات اور واقعات کو نفسیات کی روشنی میں سوچئے کیا اپنی ہی تصنیف کے اپنے پر ایسے اثرات ہو سکتے ہیں؟ پھر ان اثرات میں ایسا تسلسل اور تواتر ہے کہ کوئی مسلم یا غیر مسلم مؤرخ ان کا انکار نہیں کر سکتا۔

(۴) آنحضرتؐ جس طریق سے قرآن پاک امت کے سامنے پیش فرماتے اس میں وقتی حوادث اور ضرورات کی ترتیب ہوتی تھی اور قرآن پاک عموماً اسی طرح نازل ہوتا رہا۔ لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کاتبین کرام سے اسے کسی اور ترتیب سے لکھواتے اسی دوسری ترتیب سے خود نمازوں میں پڑھتے اور اسی ترتیب سے دوسروں کو یاد کراتے ترتیب نزولی اور ترتیب رسولی کا ایک دوسرے سے مختلف ہونا اس بات کا پتہ دیتا ہے کہ قرآن پاک آپ کی تصنیف ہرگز نہ تھا اگر یہ آپ کا اپنا کلام ہوتا تو اس کی ہر دو ترتیبیں مختلف نہ ہوتیں کہ ان ترتیبوں میں آج تک کوئی مفسر یا مفکر کوئی ربط نہیں دکھا سکتا یہ کتاب عزیز یقیناً رب العزت کا کلام ہے جس میں آنحضرتؐ کے اپنے خیالات کا قطعاً کوئی دخل نہیں۔

---

[1] ترجمہ۔ پھر کیا حال ہوگا جب ہم بلاویں گے ہر امت سے اس پر ایک سوال کہنے والا اور تجھ کو بلائیں گے ان لوگوں پر ان کے احوال کہنے کے لیے [2] صحیح مسلم جلد ۱ صفحہ ۲ دہلی

امام العصر علامہ انور شاہ صاحب محدث کشمیریؒ ارشاد فرماتے ہیں:۔
قرآن پاک کا اعجاز مفردات، ترکیب، ترتیب کلمات اور مقاصد و حقائق کی جملہ وجوہ سے ہے:۔

(۱) مفردات میں قرآن کریم وہ جملہ اختیار فرماتا ہے جس سے اوفیٰ بالحقیقت اوفیٰ بالمقام ثقلین نہیں لا سکتے۔ مثلاً جاہلیت کے اعتقاد میں موت پر توفی کا اطلاق درست نہ تھا ان کے اعتقاد میں نہ بقاء جسد تھی نہ بقائے روح۔ توفی وصول کرنے کو کہتے ہیں ان کے عقیدہ میں موت توفی نہیں ہو سکتی۔ قرآن کریم نے موت پر توفی کا اطلاق کیا اور بتایا کہ موت سے وصول یابی ہوتی ہے نہ فنا محض۔ اس حقیقت کو ایک کلمہ سے ظاہر کر دیا اور کہیں اس لفظ کا اطلاق اپنے اصل معنوں میں جسد مع الروح کے وصول کرنے پر کیا۔

(۲) ترکیب و ترتیب کلمات جیسے وجعلوا للہ شرکاء الجنّ والانعام۔ (پ الانعام ۱۴) ظاہر قیاس یہ تھا کہ عبارت یوں ہوتی وجعلوا الجنّ شرکاء للہ لیکن مراد یہ ہے کہ انہوں نے

لہ قرآن پاک کے اعجاز کی معرفت میں شیخ عبدالقاہر جرجانی (مصنف دلائل الاعجاز) اور علامہ جار اللہ زمخشری (صاحب کشاف) امام فن کا درجہ رکھتے ہیں یہ دونوں بزرگ اعرج تھے اہل علم میں یہ جملہ مشہور ہے۔ لم یدرا اعجاز القرآن الا اعرجان احدھما من زمخشر والاخر من جرجان ان کے ساتھ تیسرا نام امام العصر علامہ انور شاہ کشمیری کا ہے جن کا ذوق عربیت اور ادراکات کو دیکھ کر بے اختیار کہنا پڑتا ہے کم ترک الاوّل للاٰخر کتنے ہی وہ گوشہائے کمال ہیں جو پہلے پچھلوں کے لیے چھوڑ جاتے ہیں اس صدی کے علماء مصر میں سے شیخ مصطفیٰ الرافعی مرحوم (مصنف اعجاز القرآن) بھی اس باب میں بلند پایہ ادراک رکھتے ہیں۔
متقدمین میں سے ابوعثمان الجاحظ (متوفی ۲۵۵ھ صاحب نظم القرآن) شیخ ابوعبداللہ الواسطی المعتزلی (متوفی ۳۰۶ھ صاحب اعجاز القرآن) شیخ ابوبکر الباقلانی القاضی (متوفی ۴۰۳ھ صاحب اعجاز القرآن) اور امام رازی (متوفی ۶۰۶ھ صاحب نہایۃ الایجاز نے اس موضوع پر نہایت کامیاب قلم اٹھایا ہے۔
علامہ محمود آلوسی نے بھی روح المعانی میں قرآن پاک کی شان اعجاز کو بہت دفعہ موضوع بنایا ہے اردو میں اس باب کی کامیاب ترین تالیف شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی کی کتاب اعجاز القرآن ہے ہم نے ان ذخائر علمیہ سے حسب بساط استفادہ کرنے کی کوشش کی ہے۔ فجزاہم اللہ احسن الجزاء

خدا کے شریک ٹھہرائے اور کوئی معمولی جرم نہیں کیا اور وہ شریک بھی کون؟ جن۔ پس یہ مراد اسی ترتیب اور نشست الفاظ سے حاصل ہوسکتی ہے۔

(۳) مقاصد سے میری مراد مخاطبین کو سبق دینا ہے جیسا کہ علمائے کرام نے اسماء حسنیٰ کی شرح میں لکھا ہے مقاصد قرآن کریم کے وہ ہونے چاہئیں جن سے مبدء و معاش و معاد اور فلاح و نجاح دنیا و آخرت وابستہ ہو۔

(۴) حقائق سے میری مراد وہ امور غامضہ ہیں جن سے عقول و افکار قاصر رہیں اور تجاذب جواب اور نزاع عقلاً باقی رہے جیسے مسئلہ خلق افعال عباد کہ عبد کا ربط اپنے فعل سے کیا ہے اور کیسے ہے اور اس فعل کا ربطِ قدرت ازلیہ سے کیا ہے۔ قرآن کریم ایسے مقام پر وہ تعبیر اختیار فرمائے گا کہ اس جیسی اداء بالحقیقت طوق بشر سے خارج ہو۔

رأس المتکلمین حضرت علامہ رحمت اللہ الکیرانوی ثم المکی قدس سرہ العزیز اپنی مایہ ناز اور نادر علمی کتاب ازالۃ الشکوک میں ارشاد فرماتے ہیں:-

> قرآن پاک کی شانِ اعجاز پر لفظی و معنوی صنائع و بدائع بھی اپنی مثال آپ ہیں۔ ابن ابی الاصبع نے اعجاز القرآن کے موضوع پر سو قسم کے صنائع و بدائع نقل کیے ہیں ان کے مطالعہ سے نکتہ دان طبیعت پھڑک اٹھتی ہے اور صاحبِ نظر انسان اسلوب قرآن کی دور رس گہرائیوں میں کھو جاتا ہے۔
>
> قرآن کریم ان امور کے بیان پر مشتمل ہے جو حقیقت میں مفاد دارین (دنیا و آخرۃ) کا لب لباب ہیں۔ گویا انبیاء علیہم السلام کے ارسال سے وہ امور غرض اصلی اور علت غائی ہیں۔ قرآن کریم کا کوئی رکوع اور کوئی بڑی آیت ایسی نہیں کہ اس میں ان امور میں سے کسی امر کا بیان نہ ہو اور وہ امور یہ ہیں:-
>
> (۱) اللہ تعالیٰ کی صفات کاملہ کا بیان جیسے اللہ تعالیٰ واحد۔ قدیم۔ قدیر۔ حکیم خبیر۔ آسمان و زمین کا پیدا کرنے والا۔ عالم۔ سمیع۔ بصیر۔ متکلم۔ رازق۔ رحمٰن۔ رحیم۔ حلیم۔ صبور۔ عادل اور سب سے زبردست اور مقدس اور زندہ کرنے والا اور مارنے والا ہے۔
>
> (۲) اللہ تعالیٰ کی تنزیہہ کہ وہ جمیع معائب و نقائص سے جیسے حدوث، تغیر، عجز،

جہل، ظلم، جسمیت اور جہت وغیرہا سے پاک ہے۔

(۳) توحید خالص کی طرف دعوت اور شرک وتثلیث سے کھلی روک ٹوک۔

(۴) انبیاء علیہم السلام کا ذکرِ خیر۔

(۵) انبیاء کرام کی گوسالہ پرستی، بت پرستی، سحر اور افعال قبیحہ سے برأت۔

(۶) ان لوگوں کی تعریف جو انبیاء پر ایمان لائے۔

(۷) انبیاء کے مخالفین کی مذمت۔

(۸) سب انبیاء پر ایمان لانے کی تاکید۔

(۹) اس امر کا وعدہ کہ انجام کار انبیاء پر ایمان لانے والے ان کے منکرین پر غالب ہوں گے۔

(۱۰) قیامت کی حقیقت اور جزا سزا۔

(۱۱) جنت اور جہنم کا ذکر۔

(۱۲) اس عالم فانی کی بے ثباتی کا ذکر

(۱۳) عالم بقاء (اگلے جہان) کی بہتری اور پائیداری کا ذکر

(۱۴) اشیاء کی حلت وحرمت

(۱۵) تدبیر منزل کے احکام

(۱۶) سیاستِ مدنی کے احکام

(۱۷) اللہ اور اللہ والوں کی محبت پر تحریص

(۱۸) معرفت اور حقیقت کی باتیں جو وصول الی اللہ کا ذریعہ ہیں۔

(۱۹) فاسقوں اور بے ادبوں کی صحبت اور ہم نشینی پر تہدید۔

(۲۰) عبادات مالی اور بدنی میں نیت خالص رکھنے کی تاکید

(۲۱) ریا اور سمعہ پر تہدید (روک ٹوک)

(۲۲) اخلاق کی تہذیب کے لیے مجملاً اور مفصلاً تاکید

(۲۳) برے خلقوں پر مفصلاً اور مجملاً تہدید

(۲۴) اخلاقِ حسنہ مثل علم، تواضع، کرم و شجاعت اور عفت وغیرہ کی ستائش۔

(۲۵) بُرے خلقوں مثل غضب، کینہ، بخل اور ظلم وغیرہ کی مذمت۔

(۲۶) تقویٰ کی نصیحت۔

(۲۷) ذکرِ الٰہی اور عبادت کی ترغیب۔

اس میں شک نہیں کہ یہ سب امور عقلاً اور نقلاً محمود ہیں اور قرآن میں ان کا بار بار ذکر آتا ہے اور اکثر مقامات پر انہیں براہینِ عقلیہ اور نقلیہ سے مدلل کیا ہے حالانکہ یہ علوم و معارف عربوں کے پاس نہ تھے اور نہ ان کے پاس حکمت اور نبوت کی کوئی کتاب تھی۔[1]

شاہ صاحبؒ بھی فرماتے ہیں کہ مقاصد قرآن حکیم کے وہ ہونے چاہئیں جن سے مبدء و معاش و معاد اور فلاح و نجاح دنیا اور آخرت وابستہ ہو۔

---

[1] ازالۃ الشکوک جلد ۱ ص ۱۳۱ و ص ۱۳۲ علامہ رحمت اللہ کیرانوی طبع ۱۳۲۶ھ

حکیم الاسلام حضرت العلام قاری محمد طیب مہتمم دار العلوم دیو بند اسے کلامی معجزہ کے عنوان سے اس طرح بیان کرتے ہیں :۔

ہر ایک کلام کا مرتبہ اس کے متکلم کے مرتبہ سے قائم ہوتا ہے جس درجہ کا متکلم ہوگا اسی درجہ کا اس کا کلام سمجھا جائے گا اور اسی حد تک اس کی طرف ذہنوں اور عقلوں کی توجہ سے اس کی عظمت و اطاعت کے جذبات موجزن ہوں گے مثل مشہور ہے. قدر الشهادة قدر الشهود. شہادت کا درجہ شاہدوں کے درجہ کی قدر ہوتا ہے۔

متکلم میں کون سی صفات دیکھی جاتی ہیں

غور کیا جائے تو متکلم کی حیثیت پانچ باتوں سے قائم ہوتی ہے جو اس کے کلام میں اہمیت اور مقبولیت پیدا کرتی ہیں. عقل و فہم، علم و خبر، منصب و مقام، صدق و صفا اور تاثیر و تصرف۔

(۱) عقل و فہم

اگر کوئی متکلم عقل ہی نہ رکھتا ہو یا کھو بیٹھا ہو یا ناقص العقل ہو یا ناتمام عقل کا درجہ لیے ہوئے ہو تو اس کا کلام ناقابلِ التفات بلکہ قابلِ مضحکہ سمجھا جاتا ہے. مجنون کی باتوں پر سب ہنستے ہیں کہ وہ مسلوب العقل ہے جس سے اس کے کلام میں عاقلانہ انداز نہیں ہو سکتا کہ عقلمندوں کی توجہات کو کھینچ سکے. بچوں کی طفلانہ باتوں کو پیار سے سُنا جاتا ہے مگر قابلِ التفات نہیں سمجھا جاتا کہ ان میں مادہ عقل گو موجود ہوتا ہے مگر فی الحال ناتمام اور نارسیدہ ہوتا ہے. عورتوں کے کلام کو دلداری کے تد میں رد نہیں کیا جاتا مگر مدارِ کار نہیں بنایا جاتا کہ وہ ناقص العقل ہوتی ہیں. نوجوانوں کی باتوں کو سُنتے ہیں اور اس پر توجہ بھی دیتے ہیں مگر دستور العمل نہیں بناتے کہ عقل اور فہم تو ان میں پورا ہوتا ہے مگر اس میں پختگی گہرائی اور تجربہ کاری نہیں ہوتی جس سے وہ بالغ نظر کہلائیں اور کلام میں مقبولیت پیدا ہو. لیکن بوڑھوں کے کلام کو کمال توجہ سے سُن کر دستور زندگی بنالیا جاتا ہے خواہ وہ اہلِ علم میں سے نہ ہوں کہ ان کا تجربہ وسیع، عقل تام اور فہم پختہ ہوتا ہے وہ جس دائرہ کی بات کہتے ہیں. جچی تلی کہتے ہیں جس کے پیچھے ایک تاریخ اور پختہ کاری حجت ہوتی ہے جس سے واضح ہے کہ کلام کی مقبولیت

اور گہرائی کا سب سے پہلا معیار عقل و فہم ہے۔

۲ علم و خبر

دوسرے معیار کے تحت جاہلوں کی بات پر کوئی کان نہیں دھرتا کہ انہیں کسی معاملہ کی صحیح نوعیت کا اندازہ ہی نہیں ہوتا جب کہ ان کے کلام میں علم کی روح دوڑی ہوئی نہیں ہوتی جو کلام میں وزن پیدا کرتی ہے۔ پھر کسی فن کے مبتدی کے کلام کو کوئی اہمیت نہیں دی جاتی کہ وہ فن اس کے علم پر حاوی نہیں ہوتا کہ اس کی بات فنی جامعیت لیے ہوئے ہو اور سُنی جائے۔ اسی طرح ادھورے اور ادھ کچرے عالم کی علمی بات بھی ادھوری اور ناتمام ہوتی ہے۔ اس لیے علم و فضل والوں کے یہاں اس کی کوئی وقعت نہیں ہوتی جب کہ اس سے حقیقت و اصلیت کا پُورا پتہ نہیں لگتا۔ ہاں پورے عالم کی بات پر ہر شخص توجہ کرتا ہے۔ اسے پلّے باندھتا ہے اور دنیا میں وہ بطور ضرب المثل کے زبان زد ہو جاتی ہے کہ وہ کمالِ علم کے سبب پتہ کی بات ہوتی ہے اور اصلیت کی نشاندہی کرتی ہے۔ نیز اس کے کلام میں جزئیت اور تنگی نہیں ہوتی جس سے صرف ایک بولا ہوا مسئلہ ہی حل ہو جائے بلکہ وسعتِ علم کی قدر جامعیت حکمت اور ربط کے تمام پہلوؤں کی رعایت ہوتی ہے جس سے اس نوع کے تمام مسائل کا فیصلہ اسی ایک بات سے ہو جاتا ہے جو درحقیقت جزدی صورت میں ایک جامع اصول ہوتی ہے جس سے واضح ہے کہ کلام کے رُتبہ کا سب سے بڑا معیار علم و خبر ہے۔

۳ منصب و مقام

تیسرے معیار کے ماتحت بات خواہ بذاتہ اہم بھی نہ ہو لیکن منصب کی بلندی کے سبب قدرتاً بلند اور باحیثیت بن جاتی ہے۔ ایک ہی بات ایک عامی اور معمولی آدمی کہتا ہے تو ناقابلِ توجہ ہوتی ہے اور وہی بات کسی قومی کونسل کا صدر یا کسی ملک کا سربراہ کہہ دے تو اس سے بساطِ سیاست اُلٹ جاتی ہے۔ معاملات کی دنیا میں انقلاب برپا ہو جاتا ہے اور یہ فقرہ قوموں اور ملکوں کی توجہات کا مرکز بن جاتا ہے جس پر اہم اور دُور رس نتائج مرتب ہوتے لگتے ہیں۔ اس سے واضح ہے کہ کلام کو پستی سے اُٹھا کر رفعت و بلندی پر پہنچا دینے کا ایک اہم معیار، منصب و مقام بھی ہے۔

④ صدق وصفا

ان ساری باتوں کے ساتھ کلام کی مقبولیت وتاثیر اور اس کے قابلِ التفات وتوجہ ہونے کے لیے متکلم کی سچائی غیر مشتبہ دیانت اور بے لاگ خلوص بھی لازمی ہے جو کلام کی مقبولیت کا ایک زبردست معیار ہے کلام کتنا ہی فاضلانہ ہو لیکن کہنے والا خود غرض اور منافق ہے تو اس کا کلام کبھی بھی دل کی گہرائیوں میں نہیں اتر سکتا۔ اور کلام معمولی ہو، مگر خلوص وصداقت کی روح لیے ہوئے ہو تو کبراء وسلاطین بھی اس کے سامنے جھک جاتے ہیں جس سے واضح ہے کہ کلام مقبولیت وتاثیر کا اہم معیار صدق وصفا بھی ہے۔

⑤ تاثیر وتصرّف

پھر کلام کے پرکھنے کا ایک بڑا معیار تاثیر وتصرف بھی ہے جس کا تعلق اندرونی صفائی اور لطافت سے ہے۔ صاف باطن اور پاک ضمیر لوگوں کے کلام میں قدرتی تاثیر ہوتی ہے بے ضمیر انسان کی بات خواہ کتنی ہی فصیح وبلیغ ہو شاعری سمجھی جاتی ہے جس کا اثر قبول کرنے کو کوئی تیار نہیں ہوتا اور نہ ہی اس میں کوئی وزن ہوتا ہے۔ اصولاً یہی پانچ معیار ہیں جن سے کلام کے وزن، مقبولیت اور اس کے محمود ومستحسن ہونے کا فیصلہ کیا جاتا ہے۔

غور کیجئے کہ اگر کسی کے کلام میں یہ پانچوں معیار جمع ہوں اور جمع ہی نہ ہوں بلکہ انتہائی کمال کے ساتھ موجود ہوں اور نہ صرف موجود ہی ہوں بلکہ لامحدود اور لامتناہی ہو کر پائے جاتے ہوں اور نہ صرف اتنا ہی ہو بلکہ وہ ذات ان کمالات کا سرچشمہ اور خزانہ بھی ہو کہ اس کے سوا کسی اور میں ذاتی طور پر پائے بھی نہ جاتے ہوں اور اگر کہیں کسی حد تک پائے بھی جاتے ہوں تو صرف اسی کے طفیل اور پرتو سے ظہور پذیر ہوتے ہوں تو اندازہ کیجئے کہ اس کا کلام کتنا بلند، کتنا جامع، کتنا موزوں اور کتنا مؤثر ہوگا کہ اس کی بلندی جامعیت مقبولیت اور تاثیر ونصرت کی نہ کوئی حد ہوگی نہ نظیر۔

ذاتِ باری تمام کمالات کی اصل ہے

سو ظاہر ہے کہ خدا کی ہستی سے بڑی کوئی ہستی ہو ہی نہیں سکتی کہ وہی منبع کمالات اور سرچشمہ

خیرات و مبرات ہے۔ پس جہاں تک عقل و فہم کے کمالات کا تعلق ہے عقل و فہم اس سے ہے وہ عقل و فہم سے نہیں عقل و فہم کا کوئی مقام اس سے کٹ کر نہیں کہ وہی معیار عقل و خرد اور وہی عقل و خرد کا خالق ہے اور عقل و فہم اس کی پیدا کردہ اور مخلوق اپنی راہ پیمائی اور راہنمائی میں اسی کی دریوزہ گر ہے۔

عقل و فہم اس کی پیدا کردہ

اوّل ما خلق الله العقل۔ [1]

ترجمہ۔ سب سے پہلی چیز جو خدا نے پیدا کی وہ عقل ہے۔

ربّنا الذی اعطی کل شیء خلقه ثم ھدیٰ۔ (پ۱۶ طٰہٰ ۵۰)

ترجمہ۔ ہمارا رب وہ ہے جس نے ہر شئے کو اس کی خلقت (و جبلت) عطا کی۔ پھر اسے (حواس و عقل و خرد اور علم و ہنر سے) راہ سمجھائی۔

علم و خبر کی انتہا اسی پر

جہاں تک علم و خبر کا تعلق ہے سو وہی منشاءِ علم و خبر بھی ہے۔ اسی کا علم ہر شئے کو محیط، دلوں کی ہر کھٹک پر حاوی اور ایک ایک ذرّہ پر چھایا ہوا ہے۔

(۱) عالم الغیب والشھادة وھو الحکیم الخبیر۔ (پ۷ الانعام ۷۳)

ترجمہ۔ کھلے اور چھپے کا جاننے والا اور وہی ہے حکمت والا خبردار۔

(۲) واحاط بکل شیء علماً۔ (پ۲۸ الطلاق ۱۲)

ترجمہ۔ اور وہ گھیرے ہوتے ہے ہر چیز کو اپنے علم سے۔

(۳) وھو علیم بذات الصّدور۔ (پ۲۷ الحدید ۶)

ترجمہ۔ وہی جاننے والا ہے سینوں کی کھٹک کا۔

(۴) یعلم ما بین ایدیھم وما خلفھم۔ (پ۳ البقرہ ۲۵۵)

ترجمہ۔ جانتا ہے جو ان کے سامنے ہے اور جو ان کے پیچھے ہے۔

---

[1] مر علیہ علی القاری فی المرقات جلد ۱ صفحہ ۱۶۷

⑤ یعلم ما یلج فی الارض وما یخرج منہا وما ینزل من السماء وما یعرج فیہا۔ (پ۲۷ الحدید ۴)

ترجمہ۔ (باہر) نکلتا ہے اور جو آسمان سے اُترتا ہے (جیسے پانی) اور جو اس میں چڑھتا ہے (جیسے بندوں کے نیک اعمال وغیرہ)

منصبِ عالی اسی کا

پھر جہاں تک منصب و مقام کا تعلق ہے سو الوہیت کے آگے کون سا مقام ہے جس کی کوئی بُود و نمود ہو؟ پس وہی سر رشتہ منصب و مقام ہے کہ وہ الٰہ و معبود ہے اور معبودیت سے آگے کوئی مقام نہیں وہی سر مخزن قدرت و اقتدار ہے کہ جہانوں میں اسی کی بادشاہی ہے، اسی کا نام چلتا ہے اور اسی کا حکم جاری ہے۔ اسی کے کلمہ سے جہان بنتے اور بگڑتے ہیں۔

① انی انا اللہ لا الٰہ الا انا۔ (پ۱۶ طٰہٰ ۱۴)

ترجمہ۔ میں ہی اللہ ہوں، میرے سوا کوئی معبود نہیں۔

② وھو علٰی کل شیء قدیر۔ (پ۲۷ الحدید ۲)

ترجمہ۔ اور وہی ہے ہر چیز پہ قادر ہے۔

③ لہ ملک السمٰوات والارض۔ (پ۲۷ الحدید ۲)

ترجمہ۔ اسی کی ملک ہیں سارے آسمان و زمین۔

④ ملک النّاس الٰہ النّاس۔ (پ۳۰ الناس ۲)

ترجمہ۔ بادشاہ ہے لوگوں کا، معبود لوگوں کا۔

⑤ عند ملیک مقتدر۔ (پ۲۷ القمر ۵۵)

ترجمہ (متقی لوگ ہوں گے باغوں اور نہروں میں) پاس وسیع ملک والے بادشاہ کے۔

⑥ وللہ الاسماء الحسنیٰ فادعوہ بہا۔ (پ۹ الاعراف ۱۸۰)

ترجمہ۔ اور اللہ ہی کے ہیں پیارے نام، سو انہی سے اسے پکارو۔

⑦ فعال لما یرید۔ (پ۳۰ البروج ۱۶)

ترجمہ. کڑا لینے والا ہے جو بھی ارادہ فرمالے۔

(۸) اذا اراد شیئًا ان یقول لہ کن فیکون۔ (پ۲۳ یٰس ۸۲)

ترجمہ. جب کسی شئے (کے پیدا کرنے) کا ارادہ کرتا ہے تو فرما دیتا ہے ہوجا

تو وہ ہوجاتی ہے۔

بہرحال ہر پاک منصب ومقام اسی کا ہے۔

ساری سچائیوں کا مخزن اسی کی ذات

پھر جہاں تک صدق مقال اور صفائی معاملہ کا تعلق ہے تو وہی ذات بابرکات ساری سچائیوں اور صداقتوں کا مخزن بھی ہے کہ سچائیوں کو تولنے والا اور کھولنے والا اس سے زیادہ کون ہے. سچائی سچائی ہی اسی سے ہوئی ہے اور جو کچھ وہ فرمادے اور جو کچھ وہ کہہ دے وہی حق وصداقت ہے۔

(۱) قولہ الحق ولہ الملک۔ (پ۷ الانعام ۷۳)

ترجمہ. قول سچا ہے تو اس کا اور ملک ہے تو اس کا.

(۲) ومن اصدق من اللہ قیلًا۔ (پ۵ النساء ۱۲۲)

ترجمہ. اور کون ہے اللہ سے زیادہ سچے قول والا؟

(۳) ومن اصدق من اللہ حدیثًا۔ (پ۵ النساء ۸۷)

ترجمہ. اور کون ہے اللہ سے زیادہ سچی بات والا.

تاثیر وتصرف کا حقیقی سرچشمہ

اور اسی لیے تاثیر وتصرف کا بھی حقیقی سرچشمہ ہے اور اسی کا ہر کلمہ وکلام عین تاثیر وتصرف ہے کہ اس سے زیادہ پاک باطن لطیف وستھرا اور بے لوث کون ہوسکتا ہے؟ اسی لیے اس کا ایک ایک حرف تاثیر وتصرف کا سرچشمہ ہے جس سے پتھروں کے کلیجے بھی شق ہوجائیں اور انسان تو انسان متمرد جنات بھی رام ہوجائیں اگر حقیقتًا سُن لیں۔

لو انزلنا ھذا القرآن علیٰ جبل لرأیتہ خاشعًا متصدعًا من خشیۃ اللہ۔ (پ۲۸ الحشر ۲۱)

ترجمہ. اگر ہم اتار دیتے اس قرآن کو کسی پہاڑ پر تو دیکھتا کہ وہ لرزہ جاتا ہے اللہ کے ڈر سے.

انا سمعنا قرآنا عجبا یھدی الی الرشد فامنا به. (پ۲۹ الجن ۲)

ترجمہ. (جنات نے کہا) ہم نے ایسا عجیب قرآن سنا جو بزرگی کی راہ دکھلاتا ہے سو ہم اس پر ایمان لے آئے.

کلامِ خداوندی سے بڑھ کر کوئی کلام نہیں

اور ظاہر ہے کہ جب خدائے متکلم کلامی کمالات کے سارے ہی معیاروں عقل وخرد، علم وخبر، منصب ومقام، صدق وصفا اور تاثیر وتصرف کا سرچشمہ ہے تو کلام خداوندی سے بڑھ کر کسی کا کلام نہیں ہو سکتا پس اس سے بڑھ کر نہ کسی کلام میں عقل وخرد اور دانائی ہو سکتی ہے نہ اس سے زیادہ کسی کے کلام میں علم وخبر کے ذخیرے ہو سکتے ہیں نہ اس سے بڑھ کر کسی کے کلام میں منصب ومقام کی بلندیاں پائی جا سکتی ہیں. نہ اس سے زیادہ کسی کے کلام میں صدق وصفا اور حق صداقت ہو سکتی ہے اور نہ اس سے زیادہ کسی کے کلام میں تاثیر وتصرف ممکن ہے. ظاہر ہے کہ ایسا ہی کلام ہر حال کے مقتضاء کے مطابق اور ہر قسم کی پیچیدگی اور چیستانیت سے پاک، مبرا اور منزہ بھی ہو سکتا ہے. اور وہی انتہائی سلاست، انتہائی فصاحت وبلاغت اور انتہائی شیرینی وحلاوت کا مجموعہ بھی ہو سکتا ہے تو وہ کلام جو ان ساری کلامی خوبیوں کا مجموعہ ہونے کے سبب سے بے مثل ومثال اور ناممکن النظیر ہے وہی قرآن کریم ہے جو حکمت والے خدا کا کلام ہے. اسی کا اتارا ہوا بول ہے. اسی کا پڑھا ہوا قرآن ہے اور اسی کی اندرونی صفات کمال کا پاک مظہر ہے جس میں اس کی پاکیاں جھلکتی ہوئی نظر آتی ہیں اور اس کی خوبیاں چمکتی ہوئی صاف دکھائی دیتی ہیں.

قرآن کریم میں کلام کے یہ پانچوں معیار

پس قرآن کو پڑھو تو یہ پانچوں معیار اس میں منہ سے بولتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں چنانچہ وہ محض نقل وخبر یا احکام ہی کا مجموعہ نہیں بلکہ عقل وحکمت اور فرزانگیوں کا بہتا ہوا سمندر بھی ہے اس کا

کوئی حکم نہیں جس میں حکمت نہ ہو، کوئی نقل نہیں جس میں عقل نہ ہو اور کوئی ہدایت نہیں جس میں فلسفہ نہ ہو اس لیے اس میں تدبر اور تفکر کا امر کیا گیا کہ بغیر غور و فکر کے اس کے عقلی حقائق وا شگاف نہیں ہو سکتے اور عقلی حقائق اس میں تھے تو غور و فکر کا بھی حکم دیا گیا، اس لیے وہ کلام ہی نہیں حکمت بھی ہے جو عقل و خرد کا نچوڑ ہے۔

(۱) ذٰلک مما اوحیٰ الیک ربک من الحکمۃ۔ (پ۱۵ بنی اسرائیل ۳۹)

ترجمہ (یہ قرآن) ان حکمت کی باتوں میں سے جس کی ہم نے اے پیغمبر تمہاری طرف وحی کی ہے۔

(۲) کتاب انزلناہ الیک مبارک لیدبروا اٰیتہ ولیتذکر اولوا الالباب۔ (پ

ترجمہ۔ کتاب برکت والی جسے ہم نے تمہاری طرف اے پیغمبر اُتارا تاکہ لوگ اس کی آیتوں میں تدبر سے کام لیں اور عقل والے اس سے (بھولا ہوا سبق) یاد کریں۔

(۳) ان فی ذٰلک لاٰیٰت لاولی النھیٰ۔ (پ۱۶ طٰہٰ ۵۴)

ترجمہ۔ بلاشبہ قرآن کی (ان تعلیمات میں) البتہ بڑی نشانیاں ہیں عقلمندوں کے لیے

(۴) ان فی ذٰلک لاٰیات لقوم یعقلون۔

ترجمہ۔ اس میں نشانیاں ہیں عقل والی قوم کے لیے۔

(۵) وما یذّکر الا اولوا الالباب۔

ترجمہ۔ اس قرآن سے وہی نصیحت پکڑ سکتے ہیں جو گہری عقل والے ہیں۔

قرآن جملہ دوائر حیات میں ہدایت بخشتا ہے

پھر اس قرآن کے علم و خبر کا یہ عالم ہے کہ زندگی اور موت کا کوئی شعبہ نہیں جس کے بارے میں فطری ہدایتوں کے بے شمار ذخیرے اس میں موجود نہ ہوں۔ اور علم جامع پر مشتمل اخبار و احکام نہ بتائے گئے ہوں۔

(۱) تبیانا لکل شیء وھدًی ورحمۃ وبشریٰ للمسلمین۔ (پ۱۴ النحل ۸۹)

ترجمہ۔ (یہ قرآن) کھلا ہوا مدلل بیان ہے ہر شئے کے لیے اور ہدایت و رحمت اور خوشخبری ہے مسلمانوں کے لیے۔

(۲) وھوالذے انزل علیکم الکتاب مفصلاً۔ (پ۸ الانعام ۱۱۴)
ترجمہ۔ وہ (اللہ) وہ ہے جس نے تمہاری طرف یہ مفصل کتاب (قرآن) نازل کی۔
پھر یہی قرآن سب مناصب و مقامات رفیعہ والے خالق و مالک اور ملیک و مقتدر کا کلام ہے۔ تو اس کی رفعت و بلندی اور بلحاظ منصب و مقام عظمت بھی انتہائی ہے اور اس کی یہ دلیل کافی ہے کہ وہ اس رفیع المنزلت کا نازل کردہ کلام ہے۔

(۱) تنزیلاً ممن خلق الارض والسموات العلیٰ۔ (پ۱۶ طٰہٰ ۴)
ترجمہ۔ یہ قرآن نازل کردہ ہے اس کی طرف سے جس نے زمین اور بلند آسمانوں کو پیدا کیا۔

(۲) تنزیل الکتاب من اللہ العزیز الحکیم۔ (پ۲۶ الاحقاف ۲)
ترجمہ۔ یہ قرآن نازل کردہ ہے اللہ عزت والے حکمت والے کی طرف سے۔

(۳) وانہ لتنزیل رب العالمین۔ (پ۱۹ الشعراء ۱۹۲)
ترجمہ۔ اور یہ قرآن نازل کردہ ہے جہان کے پالنہار کی طرف سے۔

(۴) تبٰرک الذے نزل الفرقان علیٰ عبدہ لیکون للعٰلمین نذیراً الذے لہ ملک السموات والارض۔ (پ۱۸ الفرقان ۲،۱)
ترجمہ۔ برکت والی ہے وہ ذات جس نے فرقان (قرآن) اپنے بندے پر اتارا تاکہ وہ (پاک بندہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم) جہانوں کا ڈرانے والا ہو جس کا ملک ہے ملک آسمان و زمین کا۔

اور اسی لیے اسے عظیم کہا گیا:۔

(۵) ولقد اٰتینٰک سبعاً من المثانی والقراٰن العظیم۔ (پ۱۴ الحجر ۸۷)
ترجمہ اور ہم نے تمہیں عطا کی بار بار پڑھی جانے والی سات آیتیں اور قرآن جو عظمت اور بڑائی والا ہے۔

قرآن پاک اَبدی سچائیوں کا حامل ہے۔

جس سے واضح ہے کہ یہ کتاب مبین سارے ہی مناصب جلیلہ کے آثار سے مملو اور بھرپور ہے پھر یہ قرآن چونکہ انتہائی سچے کا کلام ہے اس لیے یہ کلام بھی بے انتہا سچا حق وصداقت میں بے نظیر اور صدق وصفا میں بے مثال ہے۔

① لیعلمون انہ منزل من ربك بالحق۔ (پ الانعام ۱۱۴)
ترجمہ: جانتے ہیں کہ یہ (قرآن) اتارا گیا ہے تیرے رب کی طرف سے سچائی کے ساتھ۔

② انا انزلنا الیك الکتاب بالحق۔ (پ النساء ۱۰۵)
ترجمہ: ہم نے تم پہ نازل کی کتاب حق وصداقت کے ساتھ۔

③ وبالحق انزلناہ وبالحق نزل۔ (پ۱۵ بنی اسرائیل ۱۰۵)
ترجمہ: اور حق (وصداقت) سے ہم نے اسے اُتارا اور حق وصداقت ہی سے وہ اُترا ہے۔

④ نزل علیك الکتاب بالحق مصدقًا لما بین یدیہ۔ (پ آل عمران ۳)
ترجمہ: اُتاری تم پہ کتاب (قرآن) حق کے ساتھ، جو تصدیق کرنے والی ہے تمہارے سامنے (والی سچائیوں کی)۔

⑤ بل جاء بالحق وصدق المرسلین۔ (پ۲۳ صافات ۳۷)
ترجمہ: بلکہ (یہ قرآن) حق کے ساتھ آیا اور اس نے (پچھلے سب) رسولوں کی تصدیق کی۔

چنانچہ اس غیر معمولی سچائی کی وجہ سے یہ کلام ہر قسم کے تعارض وتناقض سے پاک اور متضاد باتوں سے بری ہے کہ سچائیوں میں کبھی تعارض نہیں ہو سکتا۔

ولو کان من عند غیر اللہ لوجدوا فیہ اختلافًا کثیرًا۔ (پ النساء ۸۲)
ترجمہ: اور اگر کہیں (یہ قرآن) غیر اللہ کے پاس سے آتا تو اس میں بہت سارے اختلافات ہوتے۔

ظاہر ہے کہ ایسے کلام سے بڑھ کر مؤثر اور اعجازی طور پر دلوں پر اُتر جانے والا اور کون سا کلام ہو سکتا ہے؟ اس لیے اسے مؤثر ہی نہیں عین تاثیر و تصرف کہا جائے گا۔ جیسا کہ سطور بالا میں آیاتِ خداوندی سے واضح کیا جا چکا ہے۔ بلاشبہ ایسا ہی کلام فصاحت و بلاغت میں بے مثال اور اسلوب بیان میں بے نظیر بلکہ ناممکن النظیر ہوگا جس کی مثال لانے سے ہر بندہ بشر عاجز رہ جائے گا۔ کیوں کہ فصاحت و بلاغت اور سلاست کلام تابع ہے۔ باطن کی قوت موزونیت یعنی جمال باطنی اور مقتضیات احوال علم و معرفت کے تابع ہے۔

قرآن کریم کی شانِ اعجاز

تو کون ہے جو اس سے زیادہ مقتضائے احوال کا جاننے والا ہو؟ اور اس لیے اس کے کلام کا ایک ایک گوشہ فصاحت و بلاغت کی حدِ اعجاز پر بھی پہنچا ہوا ہونا چاہیئے جس کی مثال لانے سے ساری دُنیا عاجز رہ جائے۔

قل لئن اجتمعت الانس والجن علیٰ ان یاتوا بمثل ھٰذا القرآن لا یاتون بمثلہ ولو کان بعضھم لبعض ظھیرًا۔ (پ۱۵ بنی اسرائیل ۸۸)

ترجمہ۔ فرما دیجیے (اے پیغمبر) کہ اگر جن اور انسان سب کے سب بھی اس پر ایکا کر لیں کہ اس قرآن کا مثل لے آئیں گے تو اس کا مثل نہیں لا سکتے اگرچہ بعض بعض کے مددگار ہو جائیں گے۔

خلاصہ یہ کہ یہ قرآن حکیم کلامی معجزہ ہے جس کی بلاغت بیانی کے سامنے باوجود کھلے کھلے چیلنجوں کے دنیا نے سپر ڈال دی اور اس کی مثال لانے سے تھک کر رہ گئی جس سے اس کلام کی ہر خوبی بے مثال اور ناممکن النظیر ثابت ہوتی ہے۔ بالخصوص فصاحت و بلاغت کا جواب لانا غیر ممکن واضح ہو جاتا ہے۔

پھر صفاتِ خداوندی کے معیار سے بھی اگر غور کیا جائے تب بھی یہ کلام بلاغت نظام فصاحت و بلاغت کا معجزہ ہی ثابت ہوگا کیونکہ صفاتِ الٰہیہ میں سے جن جن صفات میں سے انسان کو حصہ ملا ہے ان میں سے ہر ایک صفت میں ایک حد اعجاز نکلتی ہے جہاں پہنچ کر انسان عاجز رہ جاتا ہے

انسان کو علم دیا گیا ہے اسے ہزاروں باتیں معلوم ہوں یا دس بیس ہزار، مگر بالآخر ایک حد نکلے گی کہ اس کے علم کا دائرہ وہاں پہنچ کر ختم ہو جائے گا اور صرف خدا ہی کا علم رہ جائے گا. انسان کو قدرت ضرور ملی ہے کہ وہ من دو من دس من وزن اٹھالے گا لیکن بالآخر ایک حد پر پہنچ کر اس کی قدرت جواب دے دے گی اور وہاں صرف خدا ہی کی قدرت نظر آئے گی.

صفات میں کہاں ایک حد آتی ہے

انسان کو بلاشبہ سمع و بصر عنایت ہوئی ہے. وہ میل دو میل دس میل ہزار میل کی چیزیں واسطہ یا بلا واسطہ دیکھ سکتا ہے اور آوازیں سن سکتا ہے لیکن بالآخر اس مادی جہان کی وسعتوں میں ہی ایک حد پر پہنچ کر اس کی سمع و بصر عاجز آجائے گی اور خدا ہی کی بے مثال اور لامحدود سمع و بصر کام کرے گی اس لیے قدرتی طور پر کلام کی صفت میں بھی جس سے انسان کو حصہ ملا ہے ایک حدِ اعجاز نکلنی چاہیئے جہاں پہنچ کر انسان سپر ڈال دے اور اپنے عجز و قصور کا اعتراف کرے کہ خود ویسا کلام ہی لا سکے اور نہ ویسی فصاحت و بلاغت پیش کر سکے. پس کلام کی وہی اعجازی حد اور وہی معجزانہ فصاحت و بلاغت خدائی کلام کا حصہ ہوگی جہاں بشر کی قوتِ کلام تھک کر درماندہ اور عاجز رہ جائے گی اور اس کا یہ عجز ادراک ہی اس کی دلیل ہوگا یہ خدا کا کلام ہے اور یہ صرف اس کی ادا کہ وہ فصاحت و بلاغت ہے جو حیطۂ بشری سے خارج ہے.

انسانی افعال کی تنگ دامانی

انسان زمین و آسمان نہیں بنا سکتا، خود انسان کو انسان نہیں بنا سکتا. اس میں ظاہری و باطنی قوتیں علم و احساس اور عرفان و ادراک پیدا نہیں کر سکتا. اور پھر بھی اسے اور اس میں یہ قوتیں پیدا شدہ دیکھتا ہے تو یقیناً اسے اعتراف کرنا پڑتا ہے کہ یہ سب چیزیں اس خدا کی بنائی ہوئی ہیں جس کا نہ کوئی مثل ہے نہ نظیر ہے نہ مماثل ہے نہ مساوی. اس لیے کوئی اس کی بنائی ہوئی چیزوں کی بھی مثل و نظیر نہیں لا سکتا. اسی طرح جب ایک ایسا کلام سامنے آئے جو چیلنج کرتا آرہا ہو کہ کسی میں ہمت و طاقت ہو تو اس جیسا کلام بنا لائے. پورا نہ سہی دس سورتیں ہی سہی. دس نہ سہی ایک ہی سورت بنا لائے خواہ

وہ چھوٹی سے چھوٹی ہی کیوں نہ ہو۔ ایک سورت نہ سہی اس جیسی ایک بات، ایک آیت اور ایک جملہ ہی بنالائے۔ لیکن اس چیلنج پر بھی اگر کوئی کچھ نہ لاسکے تو بلاشبہ یہ اسی کی دلیل ہوگا کہ یہ اللہ کا کلام ہے جس کے اسلوب بیان اور جامعیت وہدایت، منصب ومقام، تاثیر وتصرف اور دانائی و حکمت کی نظیر بنالانا ممکن نہیں۔ اس لیے قرآن حکیم نے منکرین قرآن سے چیلنج کا جواب نہ پاکر دھمکی آمیز لہجہ میں انہیں ڈرایا کہ :۔

فان لم تفعلوا ولن تفعلوا فاتقوا النار التی وقودها الناس والحجارۃ

اعدت للکافرین۔ (پ البقرہ ۲۴)

ترجمہ۔ پس اگر تم نہ کرسکو (یعنی اس کے کل یا جزء کا مثل نہ لاسکو) اور ہرگز نہ لاسکو گے تو پھر اس آگ (عذاب جہنم) سے ڈرو جس کا ایندھن (مجرم) انسان اور پتھر ہوں گے جو تیار کی گئی ہے کافروں کے واسطے۔

قرآن کریم کے مختلف وجوہِ اعجاز

بہرحال قرآن کریم ترکیبِ الفاظ، اسلوب بیان، جامعیت معانی اور استیفا، ہدایت وغیرہ ہر لحاظ سے معجزہ ہے۔ اور جن وبشر مل کر بھی اس کی نظیر لانے سے عاجز ہیں جس کی وجہ وہی ہے کہ وہ کلام خداوندی ہے۔ سو جیسا متکلم ہے ویسا ہی اس کا کلام بھی ہے جیسے ذات کی نظیر یا مثل محال ہے ایسے ہی اس کی صفات اور ان میں سے صفتِ کلام کی نظیر بھی ناممکن اور محال ہے

اس لیے جس پہلو سے بھی اسے دیکھا جائے اس کی کلامی حیثیت ہرگونہ بے مثل بے مثال اور ناممکن النظیر ثابت ہوتی ہے جو کلامِ الٰہی کے شایانِ شان ہے۔

اس عظیم کلام کے تحمل کے لیے بڑا حوصلہ چاہیئے

اب ظاہر ہے کہ اتنے بلند پایہ جامع عقل وخرد، جامع علم وخبر، جامع منصب ومقام، جامع تاثیر وتصرف، جامع صدق وصفا۔ اور اوپر سے بے مثل وبے مثال اور معجزہ کلام کے مضمرات اور حقائق کو کھولنا اور اس کے مفہوم ومراد کو تشخیص کے ساتھ نمایاں کرنا جسے تعبیر کہتے ہیں، ہر ایک کا حوصلہ

نہیں ہو سکتا۔

مہبط وحی کی شان و عظمت

یہ کام اس کا ہو سکتا ہے جو خود اس کلام کو متکلم سے سُنے۔ اس کا حقیقی مخاطب ہو اور ساتھ ہی خود ان تمام صفات اور شئون و احوال کا جامع بھی ہو۔ جو شئون و احوال اس کلام الٰہی میں سمائی ہوئی ہیں بالفاظِ دیگر قرآن کا ایک ایک گوشہ اس کی ذات کے ایک ایک گوشہ میں ذوق و عمل بن کر سمایا ہوا ہو۔ حتیٰ کہ اس کی طبیعت ہی قرآنی ہو جس سے قرآن نے بایں جامعیت و اعجاز اس کے قلب پاک کو اپنا مورد اور ظرف منتخب کیا ہو۔ سو ظاہر ہے کہ وہ ذات قدسی صفات سوائے ذاتِ با برکات محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کے دوسری نہیں ہو سکتی جن پر قرآن اُترا، جن کی زبان میں اُترا۔ اور جن کے اخلاق و کمالات اور جن کی فطری استعداد کو اس کا ظرف بننے کے لیے ازل سے چُنا گیا۔ اس لیے قرآن کو قرآنی ذوق سے یا جس حد تک آپ سمجھ سکتے تھے طبعاً دُنیا میں کوئی بھی اتنا نہیں سمجھ سکتا تھا۔ بالخصوص جب کہ آپ کو سمجھانے والا بھی براہِ راست وہی تھا جو اس قرآن کو آپ پر اُتارنے والا خود صاحبِ کلام تھا یعنی ذاتِ اقدس و اطہر باری سبحانہ وتعالیٰ۔

وانہ لتنزیل رب العلمین. نزل بہ الروح الامین. علیٰ قلبك لتكون من المنذرین. بلسان عربی مبین. (پ۱۹ الشعراء ۱۹۲ تا ۱۹۵)

ترجمہ۔ اور بلاشبہ (یہ قرآن) نازل کردہ ہے رب العالمین کا ___ جسے لے کر اُترے روح الامین آپ کے (محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے) قلب پہ تاکہ آپ ہوں (عذاب الٰہی سے) ڈرانے والوں میں۔ واضح عربی زبان میں۔

اس لیے قرآن حکیم کی اصل تفسیر تو اقوال و افعال و احوال نبوی ہی ہو سکتے ہیں جن کو حدیث سے تعبیر کیا جاتا ہے کہ وہی قرآن کی اولین تفسیر ہے جس کو دوسرے لفظوں میں خدائی تفسیر کہنا چاہیئے اور جس کو قرآن نے بیان سے ذکر کیا ہے۔

ثم ان علینا بیانہ۔ (پ۲۹ القیامہ ۱۹)

ترجمہ۔ پھر ہم ہی پر اس کا بیان ہے۔

ظاہر ہے کہ اس اصول پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اس کلام خداوندی اور اس کی تفسیر (حدیث نبوی) کے مقاصد و مرادات کو اپنے ذوقِ صافی سے سمجھنے والے پھر وہ حضرات ہو سکتے ہیں جن کی تربیت براہِ راست بارگاہِ رسالت سے ہوئی ہو اور جن کے بارے میں قرآن حکیم ہی نے یہ شہادت دی کہ :۔

(۱) اولٰئک ھم الراشدون۔ (پ۲۶ الحجرات ۷)

ترجمہ۔ یہ لوگ (صحابہؓ) ہی بزرگ لوگ ہیں۔

(۲) اولٰئک الذین امتحن اللہ قلوبھم للتقویٰ۔ (پ۲۶ الحجرات ۳)

ترجمہ۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کے دلوں کے تقویٰ (اور پرہیزگاری) کو اللہ نے جانچ لیا ہے۔

(۳) فعلم ما فی قلوبھم فانزل السکینۃ علیھم (پ۲۶ الفتح ۱۸)

ترجمہ۔ سو اللہ نے جان لیا جو (پارسائی اور علم و معرفتِ الٰہی وغیرہ) ان کے دلوں میں ہے تو اس نے ان پر سکون و اطمینان اُتارا۔

(۴) رضی اللہ عنھم و رضوا عنہ۔ (پ۱۱ التوبہ ۱۰۰)

ترجمہ۔ اللہ ان سے راضی ہوا اور وہ اللہ سے راضی ہوئے۔

کے مقدس خطابات و القابات دے کر من حیث الطبقہ ان کی تقدیس و تطہیر کی ہے۔ یہی طبقہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کا ہے جن نے براہِ راست بارگاہِ نبوت سے استفادہ کیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے روبرو ہو کر دیدار جمال اور مشاہدہ کمال سے مشرف ہوا۔ پھر اس نے پیغمبر سے نہ صرف قرآن ہی لیا بلکہ قرآنی ذوق بھی حاصل کیا۔ ظاہر ہے کہ ذوقِ نبوت کو جس حد تک یہ طبقہ سمجھ سکتا تھا اور کوئی طبقہ اس مقام پر قدرتاً نہیں پہنچ سکتا تھا۔ اس لیے امت کا کوئی طبقہ بھی قرآن فہمی میں اس دورِ خیر کے ان مقدس افراد سے نہ آگے بڑھ سکتا ہے نہ ان سے کسی حالت میں مستغنی ہو سکتا ہے۔

راسخین فی العلم کون ہیں؟

پھر اسی مذکورہ اصول پر صحابہؓ کے بعد تفسیر کلام الٰہی کا حقدار اور خدمت گذار وہ طبقہ ہو سکتا ہے

جس نے اکابر عن اکابر خلفاً عن سلف قرآن اور اس کے مذاق کو سلسلہ بہ سلسلہ اور سند بہ سند ان صالحین سے حاصل کیا اور توارث کے ساتھ ان کی صحبت و معیت اور ملازمت میں رہ کر تزکیہ بہ تزکیہ قرآن، قرآنی دین اور قرآنی مذاق کو اپنے اندر سمویا اور اپنی عمریں ان کے سمجھنے سمجھانے میں صرف کر دیں جس سے قرآن کے یہ علوم شرعیہ ان کے حق میں علوم طبعیہ بن گئے اور وہ راسخین فی العلم کہلائے ظاہر ہے کہ ہر قرن میں ایسے لوگوں کا وجود ضروری تھا جب کہ قرآن حکیم دوامی کتاب ہے جو کسی ایک دور کے ساتھ مخصوص نہیں. اس کی اور اس کی تفسیرات بھی تا قیام قیامت مسلسل ہیں جو کسی ایک دور پر مختم نہیں، ہو سکتیں. چنانچہ ایسے لوگوں کے ہر دور میں ہوتے رہنے اور امت کو نبوت کی میراث پہنچا پہنچا کر اسے سنّتِ نبوی کے رنگوں سے رنگتے رہنے کی خبریں دی گئی ہیں جو علم اور عمل دونوں راستوں سے امت میں آتے رہیں گے. عمل کے لحاظ سے ارشادِ نبویؐ جسے حضرت ابو سعید الخدریؓ نے نقل کیا ہے اس طرح وارد ہے:۔

من اکل طیباً و عمل فی سنة وامن الناس بوائقه دخل الجنة فقال رجل یارسول اللہ ان ھذا الیوم الکثیر فی الناس قال سیکون فی قرون بعدی[1]

ترجمہ: جس نے حلال کھایا اور عمل کیا سنّت کے مطابق اور لوگ اس کی ایذا سے محفوظ رہے تو وہ جنت میں داخل ہوا. ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ آج تو ایسے بہت ہیں فرمایا. بعد کے زمانوں میں بھی ایسے لوگ ہوں گے.

جس سے واضح ہے کہ عمل بالقرآن جو عمل بالسنۃ ہے کبھی منقطع نہ ہوگا. پھر علم کے لحاظ سے بھی ایسے مبصر افراد کے پیدا ہوتے رہنے کی خبر دی گئی ہے

یحمل ھذا العلم من کل خلف عدوله ینفون عنه تحریف الغالین وانتحال المبطلین و تاویل الجاھلین[2]

ترجمہ: تحمل کرتے رہیں گے اس علم کا (سلف سے) نیک خلف جو دین سے غلو کرنے والوں کی تحریف کو دفع کرتے رہیں گے اور باطل پرستوں کی دروغ بافیوں کو دور کرتے رہیں گے اور جاہلوں کی رکیک تاویلات کو کھول کر ان کا پردہ چاک کرتے رہیں گے

---

[1] رواہ الترمذی جلد ۲ ص۷۵ [2] مشکوٰۃ ص۳۶

نسخ فی القرآن

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفی اما بعد :

علم قرآن میں ناسخ و منسوخ کی بحث ایک بہت بڑا مسئلہ ہے۔ قرآن کریم کا مفسر وہی ہو سکتا ہے جو اس مبحث پر پورا عبور رکھتا ہو۔ ناسخ و منسوخ کو جانے بغیر جو شخص قرآن کی تفسیر کرے گا اس کا قدم کبھی صحابہؓ کے قدم پر نہ چل سکے گا ـــ احادیث میں بھی ناسخ و منسوخ کی بحث بہت اہمیت رکھتی ہے اور ائمہ کے حدیث میں اختلافات زیادہ اسی محور کے گرد گھومتے ہیں۔

قرآن کریم میں نسخ کی بحث میں جانے سے پہلے ہمیں کچھ مطلق نسخ پر گفتگو کرنی ہوگی۔ اہل کتاب مطلق حکم الٰہی میں نسخ کے قائل نہیں ـــ عیسائی قومیں شریعت موسیٰ کو پرانا عہد کہنے کے باوجود اسے اپنے نئے عہد (testament) سے چمٹائے ہوئے ہیں۔ ان کے ہاں کتاب مقدس اس پورے مجموعے کا نام ہے اہل اسلام سے ان کا ایک اضافی موضوع یہ بھی ہے کہ آیا حکم خداوندی میں تبدیلی ہو سکتی ہے یا نہ ؟ ان کا اس میں جواب انکار کا ہوتا ہے اور اہل اسلام کو ان کے سامنے پہلے مسئلہ نسخ رکھنا پڑتا ہے۔

نسخ کیا ہے ؟

جو لوگ حکم الٰہی میں نسخ کے قائل نہیں وہ اس پہلے سے سوچتے ہیں کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ایک حکم دے اور پھر اسے ایک مدت کے بعد واپس لے لے ـــ کیا اسے پہلے پتہ نہ تھا کہ یہ حکم بعض لوگوں کے حسب حال نہ ہوگا اور اسے ایک دن واپس لینا پڑے گا ـــ علم الٰہی میں کیا اس طرح کا تغیر و تبدل جگہ پا سکتا ہے ؟

ہم کہتے ہیں اس نسخ کی وجہ علم الٰہی میں تغیر و تبدل نہیں۔ لوگوں کے حالات میں تغیر و تبدل ہے۔ قوموں کے حالات تبدیلی وقت سے بدلتے رہتے ہیں۔ بدلے حالات میں ان کے مناسب حال جو نیا حکم آئے وہ ان احکام کو جو پچھلے حالات کے مناسب تھے بدل دیتا ہے ایسا ہونا خالق کے علم میں

تغیر کے باعث نہیں. مخلوق کے حال میں تغیر کے باعث ہوتا ہے ـــــ اللہ رب العزت کو تو پہلے ہی معلوم تھا کہ یہ پہلا حکم کچھ عرصے کے لیے دیا جا رہا ہے. جب وہ مدت انتہا کو پہنچی تو نیا حکم آ گیا علماء اصول نے نسخ کے معنی انتہاء الحکم کسی حکم کی مدت کے انتہا کو پہنچنے کے کیے ہیں. جب وہ مدت اپنی انتہا کو پہنچی تو نیا حکم آ گیا.

نسخ کے دو مفہوم

فقہا کی اصطلاح میں نسخ کا اطلاق دو طرح سے ہوتا ہے :۔

(۱) کسی پہلے حکم کو کسی نئے حکم کی بنا پر سرے سے ختم کرنا.

(۲) کسی پہلے عام حکم کو کسی دوسری نص کے تحت خاص کر دینا یا کسی مطلق حکم کو کسی اور نص کے تحت مقید کر دینا.

لفظ نسخ کے ان دو طرح کے اطلاقات کے باعث منسوخ آیات یا منسوخ احکام کی گنتی میں خاصا اختلاف ہو گیا. گو ہر اطلاق اپنی جگہ حق اور درست ٹھہرے ـــــ اس اشتباہ سے نکلنے کے لیے نسخ کی اس دوسری قسم کو بعض علماء نے تخصیص العام یا تقیید مطلق کا نام دیا ہے.

کسی حکم کے سرے سے ختم ہونے کی مثالیں

(۱) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو معراج کی رات امت میں پانچ نمازیں قائم کرنے کا حکم ملا. اگلے دن حضرت جبریل آئے اور انہوں نے نماز کے اوقات اور اس کی اوضاع بھی بتلائیں. ان میں قبلہ بیت المقدس تھا جس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ جب آپ ہجرت کر کے مدینہ پہنچے تو نمازیں بیت المقدس کی طرف رُخ کر کے ہی پڑھتے تھے.

پھر حکم آیا کہ نماز میں رُخ کعبہ کی طرف کریں اور پہلا حکم سرے سے بدل گیا اس میں اتنی مہلت بھی نہ ملی کہ وہ نماز جو بیت المقدس کی طرف رُخ کر کے شروع کی گئی تھی اسے مکمل کر لیا جائے اتنا بھی نہیں آپ بحالتِ نماز ہی اُدھر پھر گئے.

اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں کہا کہ تمہارا ادھر منہ کر کے نماز پڑھنا غلط تھا بلکہ فرمایا ہر جہت

خدا کے لیے ہے۔ مشرق و مغرب دونوں خدا کے ہیں جسے چاہے ہمیشہ رہنے والی راہ کی ہدایت بخشے ۔ مسلمان پہلے جس قبلے پر تھے اسے اب دوسرے قبلہ سے بدلا گیا۔ اس نسخ پر اعتراض کرنا کسی عقلمند کا کام نہیں خدا جو چاہے حکم دے ۔ مگر بیوقوفوں کو نسخ سمجھ میں آجائے یہ بڑا مشکل مسئلہ ہے :۔

سیقول السفھاء من الناس ما ولّٰھم عن قبلتھم التی کانوا علیھا قل للہ المشرق والمغرب یھدی من یشاء الی صراط مستقیم ۔ (پ۲ البقرہ ۱۴۲)

ترجمہ۔ بے وقوف کہیں گے مسلمانوں کو کس چیز نے اس قبلہ سے پھیر دیا جس پر وہ پہلے تھے آپ کہہ دیں مشرق اور مغرب دونوں خدا کے لیے ہیں وہ جسے چاہتا ہے سیدھی راہ دکھا دیتا ہے ۔

(۲) قرآن کریم میں حکم تھا کہ جب تم میں سے کسی پر موت کا وقت آئے تو وہ والدین اور اقربین کے لیے وصیت کرے :۔

کتب علیکم اذا حضر احدکم الموت ان ترک خیرًا الوصیۃ للوالدین والاقربین بالمعروف حقًا علی المتقین ۔ (پ۲ البقرہ ۱۸۱)

ترجمہ۔ تم پر فرض کر دیا گیا ہے کہ جب تم میں سے کسی پر موت (کا وقت) آجائے تو وہ وصیت کرے اگر وہ مال چھوڑ رہا ہے والدین کے لیے اور دوسرے اقربین کے لیے جانے پہچانے طریقے سے ۔ یہ حکم لازم ہے پرہیزگاروں پر۔

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ مرنے والے کے لیے وصیت کرنا فرض ہے جب آیت میراث اُتری جس نے وارثوں کے حصے خود مقرر کر دیئے تو اب والدین اور اقربین کے لیے حکم وصیت جاتا رہا۔ وہ آیت جس نے وارثوں کے حصے مقرر کر دیئے ہیں وہ ناسخ ہوگی اور یہ آیت وصیت منسوخ ہوگی۔ اس آیت وصیت کی ناسخ آیت یہ ہے :۔

یوصیکم اللہ فی اولادکم للذکر مثل حظ الانثیین ۔ (پ۴ النساء ۱۱)

ترجمہ۔ اللہ تعالیٰ تمہیں اپنی اولاد کے بارے میں حکم دیتا ہے کہ لڑکے کا حق دو لڑکیوں کے برابر ہو۔

اب اس حکم کے ہوتے ہوئے فوت ہونے والے کے لیے وصیت کرنے کا کیا موقعہ رہا۔

(۴) پہلے حکم تھا کہ کفار اپنے سے دس گنا بھی ہوں تو اپنے میں صبر کی صفت پیدا کر کے ان سے لڑ جاؤ ۔۔۔ ایسے بیس دو سو پر غالب آئیں گے۔ یہ بشارت بھی سنا دی :۔

یا ایھا النبی حرض المؤمنین علی القتال. ان یکن منکم عشرون صابرون یغلبوا مائتین وان یکن منکم مائۃ یغلبوا الفا من الذین کفروا بانھم قوم لا یفقھون. (پ۱۰ الانفال ۶۵)

ترجمہ۔ اے نبی شوق دلا لوگوں کو جہاد کا۔ اگر ہوں تم میں سے بیس مرد صبر کرنے والے وہ غالب آئیں گے دو سو پر اور اگر ہوئے تم سو تو غالب آئیں گے ہزار کافروں پر اس لیے کہ یہ لوگ سمجھ نہیں رکھتے۔

پھر اللہ تعالیٰ نے اس حکم میں نرمی فرمائی اور پہلے تخاطب کو بدل دیا اور کہا:۔

الآن خفف اللہ عنکم وعلم ان فیکم ضعفا فان یکن منکم مائۃ صابرۃ یغلبوا مائتین وان یکن منکم الف یغلبوا الفین باذن اللہ واللہ مع الصابرین. (پ۱۰ الانفال ۶۶)

ترجمہ۔ اب اللہ تعالیٰ نے بوجھ ہلکا کر دیا ہے تم پر اور اس نے جانا کہ تم میں سستی ہے سو اگر ہوں تم میں سے سو شخص ثابت قدم رہنے والے تو غالب آئیں گے دو سو پر اللہ کے حکم سے اور اللہ بے شک صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔

الآن خفف اللہ عنکم کے الفاظ پہلے اطلاق کے منسوخ ہونے پر صریح دلالت کرتے ہیں۔ یہ سوال کہ اب پہلا حکم قرآن پاک میں موجود کیوں ہے سو اس میں بھی ایک حکمت ہے ذرا اس پر غور کریں۔

قانون کا اپنا ایک ارتقاء ہے جو فطرت اور حالات کے ساتھ ساتھ چلتا ہے۔ پہلے مسلمان بہت کم تھے ان کا حوصلہ اتنا اونچا رکھنا ضروری تھا کہ اپنے سے دس گنا زیادہ سے بھی لڑنا پڑے تو لڑ جائیں لیکن جب ان میں قرار آنے لگا اور تعداد بڑھنے لگی تو اب اسباب و وسائل کو ساتھ لینا اور حالات کا جائزہ لینا بھی ان کے لیے ضروری ہو گیا۔ قوموں کی تربیت میں اس اصول کو زیادہ دیر

تک نظر انداز نہیں کیا جا سکتا تھا۔ سو ارتقاء کا تقاضا تھا کہ اب کارکردگی میں کچھ نرمی کی جائے۔

اب دونوں آیتوں کا ساتھ ہونا بتلاتا ہے کہ اسلام میں تمدن اور فطرت انسانی کو کس طرح ساتھ ساتھ رکھا گیا ہے۔ قرآن کریم میں اگر پچھلے انبیاء کے واقعات مذکور ہو سکتے ہیں تو اس امت کے پہلے دور کے حالات اور واقعات کا ذکر کیوں نہیں ہو سکتا؟ مسلم معاشرہ کس طرح ارتقاء کو پہنچا ہے یہ اس کی ایک تاریخ بھی ہے۔

④ احادیث میں بھی اس طرح بعض احکام کے منسوخ ہونے کی خبر دی گئی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

كنت نهيتكم عن زيارة القبور فزوروها۔[1]

ترجمہ: میں تمہیں پہلے قبروں پر جانے سے روکتا تھا اب یہ نہی نہیں رہی۔ تم جا سکتے ہو۔

یہ چار مثالیں پہلے حکم کے اصلاً اٹھ جانے کی ہیں تین قرآن قرآن کریم سے ہیں اور ایک حدیث سے ہے۔ اب ہم نسخ کے دوسرے اطلاق کی بھی چند مثالیں آپ کے سامنے رکھتے ہیں۔

کسی حکم کے عموم کا نسخ

① قرآن میں حکم دیا گیا:۔

والمطلّقات يتربّصن بانفسهنّ ثلٰثة قروء۔ (پ البقرہ ۲۳۰)

ترجمہ: اور طلاق یافتہ عورتیں اپنے لیے انتظار کریں تین پیریڈز کی عدت۔

یہ حکم بظاہر ان طلاق شدہ عورتوں کو بھی شامل ہے جو ابھی خاوندوں کے پاس بسی نہیں اور ان کو بھی شامل ہے جو بسی ہیں اور حاملہ ہیں۔ اب ظاہر ہے کہ حاملہ کی عدت وضع حمل تک ہے۔ تین ماہ نہیں۔ لیکن یہ آیت اپنے عموم سے سب کو شامل ہے۔ سو جب تک ان دو طرح کی مطلقات کا حکم علیحدہ موجود نہ ہو یہ حکم سب طرح کی مطلقات کو شامل سمجھا جائے گا۔

---

[1] رواہ مسلم۔ مشکوٰۃ صد ۱۵۴

پھر یہ حکم نازل ہوا :۔

واذا نکحتم المؤمنات ثم طلقتموھن من قبل ان تمسّوھن فما لکم علیھن من عدّۃ تعتدّ ونھا۔ (پ۲۲ احزاب ۴۹)

ترجمہ۔ جب تم عورتوں سے نکاح کرو اور پھر ان کو لبھانے سے پہلے طلاق دے دو تو تمہارے لیے ان کے ذمہ کوئی عدت نہیں جسے تم شمار میں لاؤ۔

اس آیت نے ازواج مدخولہ بہا کو اس پہلے عموم سے نکال دیا یہ اصل حکم کا نسخ نہیں اس کے عموم کا نسخ ہے۔

اور یہ بھی فرمایا :۔

واولات الاحمال اجلھن ان یضعن حملھن ومن یتق اللہ یجعل لہ من امرہ یسرًا۔ (پ۲۸ الطلاق)

ترجمہ۔ اور جن کے پیٹ میں بچہ ہے ان کی عدت یہ ہے کہ وہ بچہ جن لیں اور جو کوئی ڈرتا ہے اللہ سے وہ کر دے گا اس کے کام کو آسان۔

سیاق وسباق سے پتہ چلتا ہے کہ یہ حکم نکاح والی عورتوں کے بارے میں ہے وہ طلاق کی صورت میں بچہ جننے تک عدت گزاریں گی۔

سورۃ الاحزاب اور سورۃ الطلاق کی ان آیات نے سورۃ البقرہ کی مذکورہ بالا آیات کا عموم باقی نہ رہنے دیا۔ بعض علماء اسے بھی نسخ سے تعبیر کرتے ہیں۔

اب ایک اور مثال لیجیے :۔

(۲) جو لوگ کسی پاکدامن عورت پر زنا کی تہمت لگائیں ان کی سزا قرآن پاک میں اسّی دُرّے ٹھہرائی گئی ہے :۔

والّذین یرمون المحصنٰت ثم لم یأتوا باربعۃ شھداء فاجلدوھم ثمانین جلدۃً ولا تقبلوا لھم شھادۃً ابدًا واولٰئک ھم الفاسقون (پ۱۸ النور ۴)

ترجمہ۔ اور وہ لوگ جو نکاح میں آئی عورتوں پر تہمت لگائیں اور (اس پر) چار گواہ نہ لا سکیں تو انہیں اسّی کوڑے (قذف کی حد) لگاؤ اور پھر آئندہ ان کی گواہی

کہیں قبول نہ کرو وہ اللہ کے ہاں فاسق ہو چکے۔

یہ حکم ہر تہمت لگانے والے کے لیے عام تھا وہ کسی اور نکاح والی عورت پر الزام لگائے یا اپنی بیوی پر تہمت لگائے ۔ مگر قرآن پاک کی اگلی آیت نے اس تہمت لگانے والے کو جو اپنی بیوی پر تہمت لگاتا ہے اس آیت کے عموم سے نکال دیا اور اس کی ایک اور صورت بھی نکل آئی اب یہ حکم اس پہلے حکم کے عموم کا نسخ ہوگا۔

والذین یرمون ازواجھم ولم یکن لھم شھداء الا انفسھم فشھادۃ احدھم اربع شھاداتٍ باللہ انہ لمن الصادقین والخامسۃ انّ لعنۃ اللہ علیہ انہ کان من الکاذبین۔ (پ۱۸ النور ۶، ۷)

ترجمہ۔ اور وہ لوگ جو اپنی بیویوں پر (زنا کی) تہمت لگائیں اور ان کے پاس اپنے سوا کوئی گواہ نہ ہو تو ان میں سے ایک کی گواہی کہ وہ سچا ہے (چار دفعہ دینے سے) چار شہادتیں شمار ہوں گی اور پانچویں دفعہ وہ یہ کہے کہ اگر وہ جھوٹا ہو تو اس پر اللہ کی لعنت آئے۔

اس سے پتہ چلا کہ قرآن میں دیئے گئے بعض عموم قرآن کی دوسری آیات سے منسوخ بھی ہوئے ہیں ــــ اب ایک اور مثال لیجئے :۔

(۴) مسلمانوں کو جن چیزوں کے کھانے سے منع کیا گیا اس فہرست میں مطلق خون کا بھی ذکر ہے۔

حرّمت علیکم المیتۃ والدم ولحم الخنزیر وما اھلّ لغیر اللہ بہ ..... الآیۃ

(پ۶ المائدہ ۳)

ترجمہ۔ تم پر مردار، خون، لحم خنزیر اور وہ (حلال) جس پر اللہ کے سوا کوئی نام پکارا گیا تم پر یہ سب حرام ٹھہرائے گئے ہیں۔

قرآن کریم میں یہی حکم دوسرے مقام پر آیا اور خون کے ساتھ بہتے ہوئے کی قید لگا دی اب اس سے مطلق خون کے حرام ہونے کا حکم اٹھ گیا :۔

قل لا اجد فیما اوحی الیّ محرمًا علیٰ طاعمٍ یطعمہ الا ان یکون میتۃً او دمًا مسفوحًا او لحم خنزیرٍ فانہ رجس۔ (پ۸ الانعام ۱۴۵)

ترجمہ: آپ کہہ دیں میں اس وحی میں جو مجھ پر آئی ہے کسی چیز کو کسی کھانے والے پر حرام نہیں پایا مگر یہ کہ وہ چیز مردار ہو یا خون ہو جو بہتا ہو یا گوشت سور کا کہ وہ ناپاک ہے یا وہ ناجائز ذبیحہ جس پر پکارا گیا اللہ کے سوا کوئی اور نام۔

بہتا ہوا خون تو یقیناً حرام رہا لیکن جمے ہوئے خون کا کیا حکم ہے؟ یہ ہڈی کے اوپر جما نظر آئے ـــ پھر کلیجی اور تلی (کبد اور طحال) بھی تو جمے خون ہیں ان کی آگے تفصیل ہے اور ان کے اپنے احکام ہیں۔

یہاں ہم صرف یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ ایک آیت میں مطلق خون کو حرام بتلایا اور دوسری میں اس میں قید آگئی جس سے پہلا اطلاق جاتا رہا یہ بھی ایک طرح کا نسخ ہے۔

نسخ کی دوسری قسم میں دو اہم باتیں

(۱) تخصیصِ عام یا تقیید مطلق سے عموم یا اطلاق میں جو چھوٹ ملی اسے نسخ کہنا چاہیئے۔ یا اسے صرف ان اصطلاحوں سے ذکر کیا جائے اس میں علماء کے اپنے اپنے مختارات ہیں جنہوں نے اسے نسخ کہا ان کے ہاں منسوخ آیات کی تعداد کہیں بڑی ہوگئی اور جو اسے نسخ نہیں کہتے ان کے ہاں منسوخ آیات بہت کم رہیں گے ـــ سو منسوخ آیات کی گنتی میں اختلاف ان مختلف پیرایوں کے باعث ہوا نفس مسئلہ میں سب کے سب متفق رائے ہیں۔

(۲) سب علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ قرآن کریم میں تخصیص عام اور تقیید مطلق واقع ہے لیکن اس پر بھی سب کا اتفاق ہے کہ ہمیں یہ جاننے کی ضرورت نہیں کہ۔

(۱) ان آیات کے نزول میں مقدم اور موخر کون سی آیت ہے۔

(۲) ان دونوں میں موخر آیت پہلی آیت سے کتنا بعد نازل ہوئی اور

(۳) دوسری آیت کے نازل ہونے سے پہلے پہلی آیت کا فقہی حکم اب کیا ہے؟

جامعہ مصر کے شیخ الفقہ علامہ محمد خضری بیگ نے یہاں ایک نہایت مفید نوٹ دیا ہے۔

دین و شریعت کے مکمل ہو جانے کے بعد عام اور ان آیتوں کی حیثیت ایک ہی نص کی ہو جاتی ہے جن میں کوئی استثناء پایا جاتا ہو۔ یہی وجہ ہے کہ اب اللہ

تعالیٰ نے اس بات کی کہیں نشاندہی نہیں فرمائی کہ ان میں سے کون سی آیت پہلے نازل ہوئی اور کون سی بعد میں ــــ اور علماء نے بھی یہ بات جاننا کوئی ضروری نہیں سمجھا۔ کیونکہ مآل کار یہ دونوں آیتیں ایک ہی آیت کے حکم میں ہیں۔[1]

نسخ کی پہلی قسم کہ کوئی حکم سرے سے اُٹھ جائے قرآن پاک میں موجود ہے یا نہیں۔ اور اگر ہے تو وہ آیتیں کتنی ہیں اور کیا ان میں بھی کوئی دُور کا ایسا پہلو باقی رہا ہے جس کی وجہ سے وہ قرآن پاک میں باقی رکھی ہیں ان پر ہم انشاء اللہ آگے چل کر بحث کریں گے یہاں صرف مفہوم نسخ بیان کرنا تھا جس کے لیے ہم نسخ کی دونوں قسموں سے کچھ کچھ باتیں طلبہ کے سامنے پیش کر دی ہیں۔

ہم پہلے وضاحت سے کہہ آئے ہیں کہ نسخ میں خالق کے علم میں تغیر کا کوئی پہلو نہیں مخلوق کے حال میں تغیّر کے باعث کوئی حکم اٹھتا ہے اور کوئی نیا حکم آتا ہے اور تکمیلِ شریعت کے دوران ان احکام کی بہت وسعتیں ہیں۔

نسخ میں عیسائیوں کا اختلاف

اہلِ اسلام اصولاً احکامِ الٰہی میں نسخ کے قائل ہیں۔ قرآن کریم اپنے بعض احکام یا اپنی بعض آیات کو منسوخ کرتا ہے یا نہیں یہ مسلمانوں کا اپنے اندر کا اختلاف ہے۔ تاہم اس پر سب اہلِ اسلام متفق ہیں کہ قرآن پاک نے اپنے سے پہلی کتابوں کو منسوخ کیا۔ بے شک اللہ تعالیٰ بنی نوع انسان کی ہدایت کے لیے مختلف وقتوں میں مختلف احکام اُتارتے رہے ہیں اور اس کا احکام کو بدلنا لوگوں کے بدلے احکام کی وجہ ہوتا رہا ہے۔

اہلِ کتاب اصولاً احکامِ الٰہی میں نسخ کے قائل نہیں وہ کہتے ہیں خدا اپنے کسی حکم کو بدلے اس سے وہم ہوتا ہے کہ علمِ الٰہی میں تغیّر ہوا اور یہ کبھی نہیں ہو سکتا۔

ہم اس نسخ پر پہلے اپنی اندرونی شہادتیں پیش کرتے ہیں اور پھر ہم نئے عہد نامے سے پُرانے عہد نامے کے بعض احکام کا نسخ بھی بتلائیں گے۔ والتوفیق بیدہ اللہ تعالیٰ۔

---

[1] تاریخ التشریع الاسلامی ص

حضرت عیسیٰؑ کی آمد سے بعض احکامِ تورات کا نسخ

حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے پہلے شریعت تورات چلی آرہی تھی حضرت موسےٰؑ کے بعد آنیوالے سب نبی اس کے مطابق فیصلہ دیتے تھے اس وقت تک تورات میں نور ہدایت موجود تھا:۔

انّا انزلنا التوراۃ فیھا ھدًی ونور یحکم بھا النّبیّون۔ (پ۶ المائدہ ۴۴)

ترجمہ بے شک ہم نے تورات اتاری اس میں ہدایت تھی اور روشنی بھی (آیندہ آنے والے) نبی اس کے مطابق فیصلہ دیتے رہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام آئے تو آپ نے فرمایا:۔

ومصدّقًا لما بین یدیّ من التوراۃ ولاحلّ لکم بعض الّذی حرّم علیکم۔ (پ۳ آل عمران ۵۰)

ترجمہ۔ اور میں تصدیق کرتا ہوں تورات کی جو میرے سامنے ہے اور میں حلال کرتا ہوں بعض ان چیزوں کو جو تم پر پہلے حرام کی گئی تھیں۔

یہ ایک پیغمبر کی بات ہے سو یہاں تحلیل باذنِ الٰہی مراد ہے اور تحریم بھی وہی جو پہلے خدا کی طرف سے تھی۔ اللہ رب العزّت کا حق ہے جسے پچھلے حالات کے مناسب حرام کیا گیا تھا اب ان نئے حالات میں اسے حلال کرے یہ نرمی بھی اب اسی کی طرف سے ہے۔

نئے عہد نامے سے پُرانے عہد کے بعض احکام کا نسخ

متی باب پنجم میں روایت کرتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا:۔

تم سُن چکے ہو کہ اگلوں سے کہا گیا تھا کہ زنا نہ کرنا لیکن میں تم سے کہتا ہوں کہ جس کسی نے بُری خواہش سے کسی عورت پر نگاہ کی وہ اپنے دل میں اس کے ساتھ زنا کر چکا۔

یہ دوسری بات (کسی دوسری عورت کو بدنظری سے دیکھنا) شریعتِ تورات میں حرام نہ تھی نئے عہد نامے میں اسے حرام ٹھہرایا گیا۔ کیا یہ نسخ نہیں؟

پھر متی یہ بھی روایت کرتا ہے کہ آپ نے کہا۔

یہ بھی کہا گیا تھا کہ جو کوئی اپنی بیوی کو چھوڑے اسے طلاق نامہ لکھ دے لیکن میں تم سے یہ کہتا ہوں کہ جو کوئی اپنی بیوی کو حرام کاری کے سوا کسی اور سبب سے چھوڑ دے وہ اس سے زنا کرتا ہے اور جو کوئی اس چھوڑی سے بیاہ کرے وہ زنا کرتا ہے۔

اس سے صاف واضح ہے کہ اپنے حالات کے تحت بیوی کو طلاق دینے کی اجازت تھی اب اسے صرف زنا سے خاص کرنا کیا اس عموم کو توڑنا نہیں جس کی اب تائید کی جا رہی ہے اور سُنیئے :۔

پھر تم سُن چکے ہو کہ اگلوں سے کہا گیا تھا کہ جھوٹی قسم نہ کھانا..... لیکن میں تم سے کہتا ہوں کہ تم شریر کا مقابلہ نہ کرنا۔

تم سُن چکے ہو کہ کہا گیا تھا کہ... اپنے دشمن سے عداوت رکھ لیکن میں تم سے کہتا ہوں اپنے دشمن سے محبت رکھ۔ [1]

اب نئے عہد نامے کے حاملین کو تو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ آسمانی کتابوں میں کسی قسم کے نسخ کا بھی اقرار نہ کریں۔

بنی نوع انسان کے تہذیبی ارتقاء سے قانون میں تدریج ضروری ہے

قانون حالات کے ساتھ ساتھ مرتب ہوتے ہیں۔ حالات کے بدلنے سے قانون میں تدریج آتی ہے۔ قوموں میں تہذیبی ارتقا ایک فطری عمل ہے۔ پھر اس کے مطابق قانون میں تبدیلی ایک اصولی تقاضا ہے۔ اہل اسلام اسے ہی نسخ کہتے ہیں اور عیسائیوں کا اس سے اختلاف قانون فطرت سے ایک انحراف ہے۔ رہا ان کا یہ اعتراض کہ اس سے علم الٰہی میں تبدیلی کا گمان پیدا ہوتا ہے ہم اس کے جواب میں یہ کہیں گے کہ محض گمان کسی فیصلے تک پہنچنے کے لیے کافی نہیں ہوتا۔

ان الظنّ لا یغنی من الحق شیئاً۔

---

[1] نیا عہد نامہ انجیل متی باب۵ ورسز

نسخ میں ہرگز علم الٰہی میں کسی تبدیلی کا گمان نہیں۔ عیسائیوں کو اثنا عشریوں کے عقیدہ بداء سے یہ وہم ہوا ہے۔ ہمارے نزدیک نسخ تخصیص اور بداء میں فرق ہے۔ یہ بداء ہے جس میں علم کا ایک نیا پہلو ظہور کرتا ہے۔ نسخ میں صرف پہلے حکم کی مدت پوری ہوتی ہے۔

نسخ۔ تخصیص اور بداء

نسخ اور تخصیص میں کوئی عیب کا پہلو نہیں۔ خدا کا کوئی حکم کسی خاص وقت تک کے لیے ہو اور اس وقت کے منتہی ہونے پر وہ حکم باقی نہ رہا۔ اس سے علم الٰہی پر کوئی حرف نہیں آتا۔۔۔ اسی طرح کسی حکم الٰہی میں کوئی بات پہلے سے مراد الٰہی نہ تھی لیکن اسے واضح نہ کیا گیا تھا اب اس کا بیان ہو گیا۔ اور اس حکم میں تخصیص آگئی۔ یہ دونوں باتیں نسخ ہو یا تخصیص کسی پہلو سے شانِ الٰہی کے خلاف نہیں۔

ہاں بداء ایک دوسری بات ہے اس میں دوسری بات کا پہلی بات سے ایک برابر کا ٹکراؤ ہے اس سے دوسری بات سرے سے سامنے نہیں آتی جب تک پہلی بات کی غلطی سامنے نہ آجائے۔ نسخ میں پہلی بات کے غلط ہونے کا کوئی پہلو نہیں ہوتا۔۔۔ سو بداء شانِ الٰہی کے یکسر خلاف ہے خدا کی کسی بات کو غلط کہنے کی (وہ پہلی ہو یا پچھلی) کوئی مومن جرأت نہیں کر سکتا۔

ملا نظام الدین اپنے رسالہ علم الہدیٰ فی تحقیق البداء میں بداء کے یہ معنی لکھتا ہے:۔

یقال بدا له اذا ظهر له رای مخالف للرای الاول[1]

ترجمہ۔ جب کوئی دوسری رائے پہلی رائے کے خلاف سامنے آئے تو اسے بداء کہتے ہیں یعنی یوں ظاہر ہوا۔

یعنی حقیقت یوں نکلی پہلے والی بات صحیح نہ تھی۔

ملا نظام الدین لکھتا ہے کہ شیخ الطائفہ محمد بن حسن ابوجعفر الطوسی اور شیخ ابوالفتح کراجکی کا یہی مذہب ہے۔ طوسی نے عدۃ میں اور کراجکی نے کنز الفوائد میں بداء کے یہ معنی لکھے ہیں۔ خدا کے لیے بداء تجویز کیا جائے تو اس میں بے شک علم الٰہی میں تغیر کا ایک کھلا ایہام پیدا ہوتا ہے لیکن نسخ اور تخصیص میں یہ بات نہیں ہے۔

---

[1] علم الہدیٰ فی تحقیق البداء صـ

اثنا عشریوں کا یہ عقیدہ ہے کہ حضرت امام جعفر صادق کے بعد خدا نے ان کے بیٹے اسماعیل کو امام بنایا لیکن جب وہ والد کی زندگی میں فوت ہوگیا تو پھر خدا نے امام جعفر صادق کے دوسرے بیٹے امام موسیٰ کاظم کو ان کا جانشین بنایا۔۔ ایسا کیوں ہوا؟ خدا کو بداء ہوا تھا۔

حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ اس سرخی کے تحت لکھتے ہیں :۔

بداء اور نسخ میں اشتباہ کا ازالہ

نسخ حقیقت میں اسے کہتے ہیں کہ ایک حکم کا زمانہ آخر ہو جائے۔ مثلاً رمضان میں روزے رکھنے کا حکم ہے جب عید آئی تو وہ زمانہ آخر ہوا اور افطار کا زمانہ آگیا یوں نہیں کہتے کہ پہلے حکم میں کچھ غلطی تھی۔۔۔۔۔ بداء کی صورت یہ ہے کہ رمضان کے مثلاً روزے رکھنے کا حکم دیا اور کوئی نقصان اس میں معلوم نہ ہوتا تھا اس لیے یوں نہ ٹھہرایا کہ یہ حکم فلاں وقت تک رہے گا پھر یکایک یہ سوجھی کہ مصلحت وقت اس کے خلاف میں ہے اس لیے اس کو بدل دیا[1]

بدا فی العلم ہو یا فی الارادہ بات ایک ہے۔ بدا فی الارادہ کو بھی بدا فی العلم لازم ہے۔ یہ عقیدہ صرف ایک فرقے کے ہاں مجمع علیہ ہے۔ جمہور اہل اسلام نسخ وتخصیص کے تو قائل ہیں مگر بداء کے قائل نہیں کہ خدا نے امام جعفر صادق کے بعد پہلے اسماعیل کو امام مقرر کیا ہو اور پھر اس کی وفات کے بعد امام موسیٰ کاظم کو امام ٹھہرایا۔ اب اسماعیل کی امامت کے قائل اسماعیلی کہلاتے ہیں اور موسیٰ کاظم کی امامت کے قائلین کو اثنا عشری کہتے ہیں۔ اسماعیلی امام حاضر کے قائل ہیں اور اثنا عشری امام غائب پہ عقیدہ رکھتے ہیں۔ اثنا عشری کہتے ہیں کہ اسماعیل کو امام مقرر کرکے خدا کو بدا ہو گیا تھا معاذ اللہ ان کے ہاں عقیدہ بدا خدا کی شان کے خلاف نہیں۔

عقیدہ بدا کا تاریخی پس منظر

ائمہ اہلبیت میں سے یہ عقیدہ کسی کا نہ تھا اس کا اصل موجد مختار ثقفی ہے۔ مختار ثقفی ایک

---

[1] ہدایۃ الشیعہ صد ۱۱۲

جھوٹا مدعی نبوت ہوا ہے۔ وہ آئندہ ہونے والے بہت سے امور بتلانے کا شعبدہ باز تھا اور انہیں ہی وہ اپنے معجزات بتلاتا تھا اگر اس کی وہ بات واقع کے مطابق اُترتی تو اس کی بات چل جاتی اور اگر ایسا نہ ہوتا تو وہ کہتا خدا نے اب اس کا ارادہ بدل لیا ہے اسے بدا ہوا ہے اس لیے اب اس نے پہلے کے خلاف فیصلہ کیا ہے۔ حلقہ اسلام میں عقیدہ بدا اس کی ایجاد ہے۔ اثنا عشری علماء نے خواہ مخواہ اسے اہل بیت کی طرف منسوب کر دیا اور اب کتابوں میں یہ عقیدہ انہی کے نام سے چل رہا ہے۔

یہود کا انکار نسخ

یہود کے انکار نسخ کی ایک وجہ یہ بھی معلوم ہوتی ہے کہ وہ نسخ اور بدا میں فرق نہ کر سکے۔ بدا کے غلط نتائج سے بچنے کے لیے انہوں نے نسخ کا بھی انکار کر دیا۔ عیسائیوں کے انکار نسخ کی وجہ تو یہ تھی کہ وہ حضرت مسیح کے بعد کسی نبی کے آنے کے قائل نہ تھے اور خود ان کے پاس اپنی کوئی شریعت نہ تھی سوانہیں بطور تاریخ پرانے عہد نامے کو ساتھ رکھنا ضروری تھا لیکن یہود اس کے اسی لیے قائل نہ ہو سکے کہ وہ نسخ اور بدا میں فرق نہ کر سکے تھے۔

لبنان کے مشہور فاضل ڈاکٹر صبحی صالح اپنی کتاب علوم القرآن میں لکھتے ہیں:-

نسخ اور بدا کے مابین فرق اور امتیاز

منکرین نسخ یہ بھول گئے یا انہوں نے دانستہ اس حقیقت کو فراموش کر دیا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کوئی نیا حکم دے کر پُرانے حکم کو منسوخ کرتا ہے تو اس کا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ اس کو کوئی ایسی بات سوجھی جو اسے پہلے معلوم نہ تھی۔۔۔۔ حکم و مصالح لوگوں کے بدلتے رہتے ہیں اور مخصوص ظروف و احوال کے پیش نظر ان میں تبدیلی آجایا کرتی ہے۔۔۔ اس کے پیش نظر نسخ اور بدا باہم مشتبہ نہیں رہ سکتے۔ [1]

---

[1] علوم القرآن صد ۳۸۸

ڈاکٹر صاحب موصوف پہلے صاف لفظوں میں بتلا چکے ہیں :۔

نسخ فوائد و مصالح پر مبنی ہے اور عقیدہ بدا کی اساس قبح و فساد پر رکھی گئی ہے۔[1]

نسخ فی الاحکام اور نسخ فی الاخبار

نسخ فی الاحکام تو سمجھ میں آتا ہے کہ کوئی حکم کسی خاص وقت تک کے لیے ہو اور جب وہ وقت آ لگے تو وہ وقت اُٹھ جائے لیکن نسخ فی الاخبار کسی طرح سمجھ میں آنے والی بات نہیں۔ پھر خبریں بھی دو طرح کی ہوتی ہیں ایک وہ جو ماضی اور حال کی ہوں اور دوسری وہ جن کا تعلق مستقبل سے ہو۔ اللہ کی دی ہوئی خبریں خلاف واقع نہیں اُترتیں۔

مثلاً اللہ تعالیٰ نے ۱۸۸۸ء میں خبر دی کہ حضرت عیسیٰ بن مریم زندہ ہیں اور مرزا غلام احمد نے اسی طرح اس عقیدے کو بیان کر دیا۔ پھر مرزا غلام احمد نے میں کہا کہ وہ فوت ہو گئے ہیں ــــ اور وہ اب فوت نہیں ہوئے بلکہ قرآن پاک میں ان کی وفات واقعہ مذکور ہے۔ قادیانی مبلغ یہاں نسخ کی بحث چلاتے ہیں اور کہتے ہیں جس طرح آنحضرتؐ نماز میں پہلے بیت المقدس کا رُخ کرتے رہے اسی طرح مرزا غلام احمد حضرت عیسیٰ کو زندہ سمجھتے رہے۔

ہم کہتے ہیں نسخ احکام میں ہوتا ہے اخبار میں نہیں ہوتا۔ یہاں یا پہلی بات غلط ہے یا پچھلی بات ــــ یہ نہیں ہو سکتا کہ مرزا غلام احمد کی یہ دونوں باتیں صحیح ہوں۔ ہاں حضرت عیسیٰ نے ۱۸۸۸ء کے بعد کسی وقت وفات پائی ہو تو البتہ دونوں باتیں اپنے اپنے وقت میں صحیح ہو سکتی ہیں اور یہ نسخ فی الاخبار نہیں ہوگا۔

مرزا غلام احمد نے پہلے جب حضرت عیسیٰ کے زندہ ہونے کی خبر دی اس وقت بھی وہ بقول خود ملہم ربانی اور مامور یزدانی تھا۔ پھر اس نے یہ کہنا شروع کیا کہ حضرت عیسیٰ پر وفات آ چکی ہے اور یہ بات قرآن کریم کی تیس آیات سے ثابت ہے۔ اب قادیانی مبلغین کا یہ کہنا کہ مرزا صاحب کا پہلا عقیدہ منسوخ ہو چکا ہے اور یہ اسی طرح ہے جس طرح مسلمانوں کا پہلا قبلہ منسوخ ہوا اور اب بیت اللہ

---

[1] علوم القرآن صفحہ ۳۸۶

کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے ہیں تو یہ بات ہرگز صحیح نہیں ـــــ یہ اس لیے کہ نسخ فی الاحکام تو حق ہے ہم یہ نسخ فی الاخبار کیسے مان لیں حکم وقت بدلنے پر بدل جاتا ہے لیکن خدا کی دی ہوئی خبریں خصوصاً جو ماضی سے متعلق ہوں کبھی نہیں بدلتیں۔ اگر ایسا ہو تو اس کا نام کھلے لفظوں میں جھوٹ ہو گا ـــــ اعاذنا اللہ منہ۔

کتاب مقدس میں نسخ کے شواہد

ہم اہل کتاب سے عرض کرتے ہیں بہن بھائی کا نکاح عہد آدم میں درست تھا جن سے آگے بے شمار مرد وعورت پیدا ہوئے۔ پھر آگے صرف اخیافی بہن بھائیوں میں نکاح رہا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بیوی سارہ حضرت ابراہیم کی علاتی بہن تھی (تورات سفر تکوین باب ۲۰) کیا پھر یہ نکاح جائز رہا؟

شریعت تورات میں بہن بھائیوں کا آپس میں نکاح حرام ہے (تورات سفر احبار باب ۱۸) کیا یہ نسخ نہیں؟

کن کن جانوروں کا کھانا حلال ہے۔ حضرت نوح علیہ السلام کے لیے تمام جانور جو زمین پر چلتے ہیں حلال تھے (سفر تکوین باب ۹) مگر موسیٰ علیہ السلام کی شریعت میں کئی جانور حرام ہو گئے خنزیر کی حرمت بھی سفر احبار کے باب ۱۱ میں مذکور ہے۔

حضرت یعقوب علیہ السلام کے وقت میں دو بہنیں ایک نکاح میں جمع ہو سکتی تھیں خود ان کے نکاح میں ان کے ماموں کی دو بیٹیاں لیّا اور راحیل تھیں۔ (سفر تکوین باب ۲۹)

موجودہ عیسائیت پولوس Paul سے چلی ہے اس نے جو احکام بدلے ہم اسے نسخ نہیں تحریف دین میں لاتے ہیں تاہم پادریوں کو حق ہے کہ وہ اس کا کوئی اور نام رکھیں

(۱) ختنہ کرنا حضرت ابراہیم علیہ السلام کی شریعت میں ایک ابدی حکم تھا (سفر اخبار باب ۱۲) خود حضرت مسیح کا ختنہ ہوا (انجیل لوقا باب ۲) لیکن پولوس نے اس حکم کو بالکل روک دیا۔ اس نے جو خط غلاطیوں کو لکھا اس کے پانچویں باب میں یہ منع مذکور ہے اور عیسائی قومیں اب تک اس نسخ پر عمل پیرا ہیں وہ مختون نہیں ہوتیں۔

(۲) شریعتِ تورات میں بہت سے جانور حرام تھے پولوس نے ان سب کو حلال کر دیا طیطوس کو اس نے لکھا کہ پاکوں کو سب چیزیں پاک ہیں باب اوّل کو دیکھ لیجئے۔

(۳) تورات کی رو سے ہفتہ کے دن کی تعظیم واجب تھی جو اس روز چھٹی نہ کرے گردن زدنی سمجھا جاتا تھا (سفر تکوین باب ۲ سفر خروج باب ۲۰) پولوس نے اہل رومہ اور طیطوس کو جو خط لکھے ان میں اس نے اس حکم کو بالکل منسوخ کر دیا۔

(۴) حضرت عیسیٰ کے حواریوں نے شریعتِ تورات کے چار احکام حرمت باقی رکھے۔ ۱. ذبیحۂ صنم۔ ۲. دم مسفوح۔ ۳. مختنقہ۔ ۴. زنا (حواریوں کے اعمال باب ۱۵) پولوس نے پہلے تین منسوخ کر دیئے اور زنا پر بھی کوئی سزا معین نہ رکھی۔ گویا کل شریعت ہی گئی۔

شریعت پر عمل کرنے کو پولوس نے لعنت کا نام دیا اور مذاہب کی دنیا میں ایک نئی فکر ایک نئی لائن داخل کی کہ تم خون مسیح کے وسیلہ سے جنت میں داخل ہو گے [۱]

شریعت کی راہ سے نہیں کیا یہ خدا تک پہنچنے کی پہلی راہ میں ایک کھلی تبدیلی نہیں؟

مذہب کے اس غلط تصور میں عیسائی کہاں تک بھٹکے اسے مارٹن لوتھر کی زبان سے سنیئے:۔

خوب دلیری سے گناہ کرو اور ایک دن میں ہزار دفعہ حرام کاری اور خون کرو
مگر ایمان رکھو تمہارے لیے ایسی نجات یقینی ہے جس طرح کہ مسیح کے لیے [۲]

پادری حضرات بعض اوقات لاجواب ہو کر کہہ دیتے ہیں کہ پولوس کی تبدیلیوں سے نسخ کی راہ نہیں کھلتی وہ پیغمبر تو نہیں تھا ہم کہتے ہیں حضرت مسیح علیہ السلام نے خود بھی تو اپنا زاد راہ سفر میں ساتھ رکھنے کا حکم بدلا تھا۔ لوقا آپ سے بلا سند متصل روایت کرتا ہے:۔

کچھ اسبابِ سفر ساتھ نہ لو (باب ۹) اور پھر کہا اسبابِ سفر ساتھ لے لو (باب ۲۲)

پھر اہلِ اسلام احکامِ الٰہی میں نسخ سے منکر نہیں۔ نئے دور کے نئے نئے احکام بھیجنا خدا کی شان کے خلاف نہیں ہے اس سے یہ نہ سمجھنا چاہیئے کہ پہلا حکم غلط تھا — نہیں وہ حکم جتنے وقت کے لیئے تھا اب زمانہ اسے عبور کر گیا ہے نسخ انتہا امر الحکم کو کہتے ہیں کہ وہ حکم اپنی مدت کی انتہا کو پہنچ گیا ہے۔

---

[۱] پولوس کا خط اہل غلاطیہ کے نام باب ۳ [۲] مرآۃ الصدق صفحہ ۲۳ مصنفہ پادری بیڈلے مطبوعہ ۱۸۵۱ء بحوالہ مقدمہ تفسیر حقانی

اسلامی احکام میں سختی نہیں

وہ روحانی سختیاں جن سے موت کے قدموں کی آہٹ نہایت قریب سے سنائی دینے لگے اور وہ زبردست مہلک مجاہدے اور مراقبے جو نفس کشی تک جا پہنچیں، اسلام نے لا یکلف اللہ نفساً الا وسعھا کہہ کر ان سب کی راہ بند کر دی۔ فطرت انسانی کا احترام کیا اور لوگوں کو دنیا میں رہ کر خدا کے تابع رہنے کے آداب سکھلائے۔

(۱) روزہ جو تزکیہ نفس اور اپنے ناجائز دلی جذبات کو تابع رکھنے کی بہترین تربیت ہے اس کے بارے میں صاف کہہ دیا کہ اگر طاقت نہ ہو تو چند مساکین کو کھانا کھلا دیا کریں۔ سفر کی صعوبت سامنے ہو تو روزہ دوسرے دنوں سے بدل کر رکھ لیں اس میں پہلے عام حکم کی تنسیخ نہیں، روزہ کی فطرت انسانی سے رحمدلانہ تطبیق ہے۔

(۲) اسلام میں پہلے رمضان کی راتوں میں عورتوں کے پاس جانے کی ممانعت تھی قرآن کریم میں اس حکم کی منسوخی کا بیان ہوا، پہلا حکم قرآن کریم میں صرف کما کتب علی الذین من قبلکم کی تاریخ میں لپٹا ہوا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے اتنے حصے کو منسوخ کر دیا اور اب رمضان کی راتوں میں عورتوں کے پاس جانا جائز ٹھہرا۔ ارشاد ہوا :-

احل لکم لیلۃ الصیام الرفث الی نسائکم ھن لباس لکم وانتم لباس لھن۔

(پ۲ البقرہ ۱۸۷)

ترجمہ: حلال ہوا تم پر روزہ کی راتوں میں اپنی بیویوں سے بے حجاب ہونا وہ پوشاک ہیں تمہاری اور تم پوشاک ہو ان کی۔

حضرت شیخ الہندؒ لکھتے ہیں :-

حکم سابق منسوخ فرما کر آئندہ کو اجازت دے دی گئی کہ تمام شب رمضان میں صبح صادق سے پہلے کھانا وغیرہ تم کو حلال ہے۔[۱]

اس میں کما کتب علی الذین من قبلکم کے اطلاق کو منسوخ کیا گیا ہے۔

---

[۱] موضح القرآن ص ۳۶

قرآن کریم میں نسخ کے اندرونی دلائل

ماننسخ من اٰیۃ او ننسھا نأت بخیر منھا او مثلھا الم تعلم انّ اللہ علیٰ کل شیءٍ قدیر۔ (پ البقرہ ۱۰۶)

ترجمہ: جو منسوخ کر دیتے ہیں ہم کوئی آیت یا بھلا دیتے ہیں اسے تو بھیج دیتے ہیں اس سے بہتر یا اس جیسی۔ کیا آپ کو معلوم نہیں کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔

حضرت شیخ الہندؒ لکھتے ہیں:۔

یہود کا طعن تھا کہ تمہاری کتاب میں بعض آیات منسوخ ہوتی ہیں۔ اگر یہ کتاب اللہ کی طرف سے ہوتی تو جس عیب کی وجہ سے اب منسوخ ہوئی اس عیب کی خبر کیا خدا کو پہلے سے نہ تھی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا عیب نہ پہلی بات میں تھا نہ پچھلی میں لیکن حاکم مناسب وقت دیکھ کر جو چاہے حکم کرے اس وقت وہی مناسب تھا اب دوسرا حکم مناسب ہے۔[1]

نوٹ: مثلیت سے مراد تعداد میں مثلیت نہیں۔ مثلیت کسی بھی پہلو سے ہو سکتی ہے اور ایک آیت سے کئی آیات بھی منسوخ ہو سکتی ہیں۔

(۲) واذا بدّلنا اٰیۃ مکان اٰیۃ واللہ اعلم بما ینزل قالوا انما انت مفتر۔ (پ۱۴ النحل ۱۰۱)

ترجمہ: اور جب ہم بدلتے ہیں ایک آیت کی جگہ دوسری آیت اور اللہ خوب جانتا ہے وہ کیا اتارتا ہے تو کہنے لگتے ہیں تو خود بات گھڑتا ہے۔

یہ بات نہیں مگر اکثروں کو ان میں خبر نہیں۔

شیخ الاسلام حضرت علامہ عثمانیؒ لکھتے ہیں:۔

پورا قرآن ایک مرتبہ تو نازل ہوا نہیں، موقع بہ موقع آیات نازل ہوتی تھیں ان میں بعض وقتی احکام بھی آتے تھے۔ پھر دوسرے وقت حالات تبدیل ہونے پر

---

[1] موضح الفرقان صہ ۲

دوسرا حکم آجاتا تھا مثلاً ابتدا میں قتال سے ممانعت اور ہاتھ روکے رکھنے کا حکم تھا ایک زمانہ بعد اجازت دی گئی۔ ابتدا میں حکم تھا قم اللّیل الاّ قلیلا نصفه تھوڑی مدّت کے بعد مکہ میں ہی یہ آیات نازل ہوئیں علم ان لن تحصوہ فتاب علیکم فاقرءوا ماتیسّر من القرآن۔ کفار ایسی چیزوں کو سُن کر اعتراض کرتے کہ یہ خدا کا کلام کیسے ہو سکتا ہے۔ کیا خدا تعالیٰ نے معاذ اللہ پہلے بے خبری سے ایک بات کا حکم دیا تھا پھر خبر ہوئی تو دوسرا حکم اُتارا معلوم ہوتا ہے کہ یہ کلام آپ خود بناتے ہیں ورنہ خدا کے احکام ایسے نہیں ہو سکتے کہ ایک دن کچھ دوسرے دن کچھ۔ اس طرح کے شبہات و وساوس ممکن تھا شیطان بعض مسلمانوں کے دلوں میں القا کرے اس کا جواب دیتے ہیں کہ تمہارا یہ اعتراض محض جہالت سے ہے تم کو اگر نسخ کی حقیقت معلوم ہوتی تو کبھی ایسا لفظ زبان سے نہ نکالتے نسخ کا مطلب صرف اس قدر ہے کہ ایک میعادی حکم کی میعاد پورا ہونے پر دوسرا حکم بھیجا جائے[1]

(۳) اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا آپ ہمارا پڑھایا قرآن وہیں سے بھولیں گے جس حصے کا نسخ ارادہ الٰہی میں ہوگا ورنہ ہمارا پڑھایا آپ کبھی نہ بھولیں گے :۔

سنقرئك فلا تنسىٰ الا ما شاء الله۔ (پ۳۰ الاعلیٰ ۶،۷)

ترجمہ: البتہ ہم پڑھائیں تجھ کو ایسا کہ پھر تو نہ بھولے گا مگر وہی جب چاہے اللہ

حضرت شیخ الاسلام رح لکھتے ہیں :۔

تم کو آہستہ آہستہ کامل قرآن پڑھا دیں گے اور ایسا یاد کرا دیں گے کہ اس کا کوئی حصہ بھولنے نہ پاؤ گے بجز ان آیتوں کے جن کا بھلا دینا ہی مقصود ہوگا کہ وہ بھی ایک قسم نسخ کی ہے[2]

یہاں نسخ کی بات قرأت سے متعلق کی گئی ہے قرأت قرآن پڑھنے کا نام ہے اور اس میں نسخ واقع ہونے کی خبر دی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ جن آیات کی یاد آپ کے حافظہ سے اُٹھالیں سمجھیں کہ

---

[1] فوائد قرآن صفحہ ۲۶ [2] ایضاً صفحہ ۷۷۲

وہ آیات منسوخ التلاوۃ ہو گئیں۔

(۴) پہلے دو بہنیں ایک مرد کے نکاح میں جمع ہو سکتی تھیں۔ لیّا اور راحیل دو حقیقی بہنیں تھیں دونوں حضرت یعقوب کے ماموں لابن کی بیٹیاں تھیں اور دونوں حضرت یعقوب علیہ السلام کے نکاح میں تھیں تورات میں ہے :۔

لابن نے کہا ہمارے ملک میں یہ دستور نہیں کہ چھوٹی کو پلوٹھی سے پہلے بیاہ دلویں اس کے ساتھ ایک ہفتہ پورا کر۔ ۔ ۔ ہم اسے بھی تجھ کو دیں گے۔

(کتاب پیدائش پ ۲۹)

پھر موسیٰ علیہ السلام کی شریعت میں یہ جواز منسوخ کر دیا گیا۔ تورات میں ہے :۔

اور تو کسی عورت کو اس کی بہن سمیت جو رو مت کرنا کہ اس کی بھی برہنگی ظاہر کرے پہلی کے جیتے جی کہ یہ اس کا جلانا ہے۔

(کتاب احبار باب ۱۸ آیت ۱۵)

قرآن کریم میں بھی جمع بین الاختین کو منع کیا گیا۔ شریعت محمدی میں اسے اتنی وسعت دی گئی کہ پھوپھی اور بھتیجی یا خالہ اور بھانجی بھی ایک مرد کے نکاح میں جمع نہیں کی سکتیں۔ قرآن کریم میں جہاں حرمت کے دوسرے رشتے بیان فرمائے۔ وہاں یہ بھی فرمایا :۔

وان تجمعوا بین الاختین الا ما قد سلف۔ (پ النساء ۲۳)

ترجمہ۔ اور حرام ہے کہ تم دو بہنوں کو ایک کے نکاح میں جمع کرو مگر یہ کہ جو پہلے ہوتا رہا۔

یہ الا ما قد سلف میں بتا دیا گیا کہ قدیم الایام میں اگر ایسا ہوتا رہا ہے تو وہ منع میں نہیں تھا لیکن اب کے بعد دو بہنوں کا ایک نکاح میں جمع کرنا حرام ہے۔

(۵) اسلام میں پہلے مظلومیت میں دبنا ہی دینا تھا :۔

اذن للذین یقاتلون بانھم ظلموا وان اللہ علیٰ نصرھم لقدیر۔ (پ الحج ۳۹)

ترجمہ۔ اذن دے دیا گیا ہے ان لوگوں کو جن سے کافر لڑتے ہیں (لڑنے کا) اس لیے کہ ان پر ظلم کیا جاتا رہا اور بے شک اللہ تعالیٰ ان کی امداد پر قادر ہے۔

یہ آیت یہ بھی بتلاتی ہے کہ اس سے پہلے ظالموں سے لڑنے کی اجازت نہ تھی لیکن اب وہ پہلا حکم کہ دبتے رہو اور ظلم سہتے رہو منسوخ ہو گیا۔

(۶) پہلے دور میں مسلمان بیت المقدس کی طرف رُخ کر کے نماز پڑھتے تھے حضورؐ چاہتے تھے کہ مسلمانوں کا قبلہ (کعبہ ابراہیمی) مسجد حرام ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ سے فرمایا:-

قد نریٰ تقلّب وجهك فی السماء فلنولّینّك قبلةً ترضاها فولّ وجهك شطر المسجد الحرام وحیث ما کنتم فولّوا وجوهکم شطره. (پ۲ البقرہ ۱۴۴)

ترجمہ: بے شک ہم دیکھتے ہیں بار بار تیرے چہرے کا اٹھنا آسمان کی طرف سو البتہ ہم پھیر دیں گے تجھے اس قبلہ کی طرف جسے آپ چاہتے ہیں۔ سو پھیر لیجیے اپنا رُخ مسجد حرام کی طرف اور جس طرف بھی مسلمانو تم ہوا کرو اپنا رُخ (نماز میں) اسی طرف کیا کرو۔

یہ قبلہ کے تعین میں دو جہات کیوں رکھیں؟ پہلے سے ہی مسلمانوں کو کعبہ ابراہیمی پر کیوں نہ لگا دیا؟ یہ اس لیے کہ قبلہ اس رسول کی اتباع میں اپنایا جائے۔ بیت المقدس پر لگے لوگ اب محض اس رسول کی پیروی میں مسجدِ حرام پر لگیں جس کے دل میں بیت المقدس بسا ہوا ہو، اب وہ کب اس رسول کی پیروی میں مسجد حرام پر آئے گا۔ ارشاد ہوتا ہے:-

وما جعلنا القبلة التی کنت علیها الّا لنعلم من یتّبع الرسول ممّن ینقلب علیٰ عقبیه. (پ۲ البقرہ ۱۴۳)

ترجمہ: اور نہیں مقرر کیا تھا ہم نے وہ قبلہ جس پر کہ تو پہلے تھا مگر اس لیے کہ (بالفعل) معلوم کریں کون تابعداری کرتا ہے اس رسول کی (بمقابلہ اس کے) جو پھر جاتا ہے اپنی ایڑیوں پر۔ اور بے شک یہ بڑا بھاری مرحلہ ہے مگر ان پر جنہیں اللہ تعالیٰ ہدایت پر لگا چکے۔

(۷) حضرت شیخ الہندؒ لکھتے ہیں:-

ابتداء میں چونکہ روزہ کی بالکل عادت نہ تھی اس لیے ایک ماہ کامل بے در پے روزے رکھنا ان کو نہایت شاق تھا تو ان کے لیے سہولت فرما دی گئی کہ اگرچہ

تم کو کوئی عذر مثل مرض یا سفر کے پیش نہ ہو مگر طاقت نہ ہونے کے سبب روزہ تم کو دشوار ہو تو اب تم کو اختیار ہے چاہے روزہ رکھو چاہو روزے کا بدلہ دو۔ ایک روزہ کے بدلے ایک مسکین کو دو وقت پیٹ بھر کر کھانا کھلاؤ۔

فمن کان منکم مریضًا او علیٰ سفرٍ فعدّۃ من ایامٍ اُخر وعلی الّذین یطیقونہ فدیۃ طعام مسکین۔ (پ۲ البقرہ ۱۸۴)

ترجمہ۔ سو جو کوئی تم میں بیمار ہو یا سفر پر جائے تو اس پر روزوں کی گنتی ہے دوسرے دنوں سے ہے۔ اور جن کو طاقت ہے روزہ کی وہ دے سکتے ہیں (روزہ کے عوض) ایک مسکین کا کھانا (دو وقت کا)

اس آیت میں روزہ چھوڑنے اور اس کا فدیہ دینے کی عام اجازت دی گئی تھی اسے بعد میں منسوخ کر دیا گیا اب جو بھی اس مہینہ کو پائے روزہ رکھنا اس کے ذمہ ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:۔

فمن شہد منکم الشّھر فلیصمہ ومن کان مریضًا او علیٰ سفرٍ فعدّۃ من ایامٍ اُخر۔ (پ۲ البقرہ ۱۸۵)

ترجمہ۔ سو جو کوئی پائے تم میں سے اس مہینہ کو تو اس کے روزے ضرور رکھے اور جو کوئی ہو بیمار یا مسافر تو اس پر گنتی ہے دوسرے دنوں سے۔

پہلے جو تین باتیں کہی گئی تھیں ان میں سے پہلی اجازت منسوخ ہو گئی اور دوسری دو بدستور باقی رکھی گئیں اب اس آیت نے روزہ کی طاقت رکھنے والے کو روزے کا فدیہ دینے کی اجازت منسوخ کر دی۔

(۸) پہلے بیوہ عورت کو ایک سال تک اپنے مرحوم خاوند کے گھر میں رہنے کا حق تھا اس کے بارے میں قرآن کریم میں اس طرح کہا گیا تھا:۔

والّذین یتوفون منکم ویذرون ازواجًا وصیّۃ لازواجھم متاعًا الی الحول غیر اخراج۔ (پ۲ البقرہ ۲۴۰)

ترجمہ۔ اور جو لوگ تم میں سے وفات پا جائیں اور چھوڑیں عورتیں تو وہ وصیت

کر جائیں اپنی بیویوں کے حق میں خرچہ ایک سال تک کا بغیر نکالنے کے گھر سے۔

اس آیت کی رو سے ان بیوہ عورتوں کا ایک سال کا خرچہ گھر والوں کے ذمہ ہوا اور یہ بھی کہ ان کو گھر سے نہ نکالیں (وہ خود چلی جائیں تو اور بات ہے)

جب آیت میراث اُتری اور شریعت نے خود سارے وارثوں کے حصے مقرر کر دیئے تو اب مرنے والے کے ذمہ اپنی بیویوں کے لیے وصیت کرنا نہ رہا۔

حضرت شیخ الہند رح لکھتے ہیں:۔

جب آیت میراث نازل ہوئی اور عورتوں کا حصہ بھی مقرر ہو چکا ادھر عورت کی عدت چار مہینے دس دن ٹھہرادی گئی تب سے اس آیت کا حکم موقوف ہوا۔

نسخ کا لغوی اور اصطلاحی مفہوم

علومِ اسلامی میں ناسخ و منسوخ کی بحث ایک بہت لطیف اور پیچیدہ موضوع ہے اس کی تعریف اور تعیین میں علماء نے بڑی موشگافیاں دکھائی ہیں اور حق یہ ہے کہ اصولاً اس کا کوئی انکار نہیں کر سکا یہ قرآن کریم میں واقع ہے اور اپنی ذات میں یہ کوئی عیب نہیں۔

(۱) نسخ کے لغت میں معنی زائل کرنے اور دور کرنے کے ہیں۔ قرآن کریم میں ہے:۔

فینسخ اللہ ما یلقی الشیطان ۔ (پ۱۷ الحج ۵۲)

ترجمہ: سو اللہ تعالیٰ اس بات کو مٹا دیتے ہیں جو شیطان دل میں ڈالتا ہے۔

نسخت الشمس الظل. سورج نے سائے کو زائل کر دیا۔

نسخ الشیب الشباب. بڑھاپے نے جوانی کو زائل کر دیا۔

نسخت الریح آثار القوم. ہوا نے قوم کے نشان مٹا دیئے۔

(۲) نسخ بمعنی نقل کرنا. عربی میں کہتے ہیں:۔

نسخت الکتاب. میں نے کتاب نقل کرلی۔

کتاب کو نسخہ اسی لیے کہتے ہیں کہ وہ اصل کی ایک نقل ہے۔

قرآن کریم میں ہے:۔

اناکنا نستنسخ ماکنتم تعملون. (پ۲۵ جاثیہ ۴۵)

ترجمہ. ہم ساتھ ساتھ لکھتے جاتے تھے جو تم عمل کرتے رہے تھے.

(۳) نسخ تحویل کے معنی میں بھی آتا ہے. علم وراثت میں تناسخ مواریث ایک اصطلاح ہے اس کی رو سے وراثت ایک شخص سے دوسرے کو منتقل ہو جاتی ہے۔[1]

(۴) نسخ بمعنی تبدیل

قرآن کریم نے جس طرح ماننسخ من ایۃ او ننسہا (پ البقرہ ۱۰۶) میں ایک آیت کا دوسری سے نسخ میں آنا بیان کیا ہے دوسرے مقام پر اسے لفظ تبدیل سے بھی ذکر کیا ہے.

واذا بدلنا ایۃً مکان ایۃٍ. (پ۱۴ النحل ۱۰۱)

ترجمہ. اور جب ہم بدل دیں کسی آیت کو کسی دوسری آیت کے بدلے.

ان دونوں آیتوں میں لفظ آیت وارد ہے. لفظ آیت نشان اور دلالت کے معنی میں بھی آتا ہے.

وفی کل شیٔ لہ ایۃ تدل علی انہ واحد

ترجمہ. اور اللہ تعالیٰ کا ہر چیز میں ایک نشان ہے جو پتہ دے رہا ہے کہ واقعی ایک ذات ہے وحدہ لا شریک ہے.

لفظ آیت جب کسی پیغمبر کی طرف نسبت ہو کر آئے جیسے وان یروکل ایۃ لایؤمنوا بھا (پ الانعام) واذا جاءتھم ایۃ (پ الانعام) واذا راوا ایۃ یستسخرون (پ۲۳ الصافات) تو اس سے مراد معجزہ اور نشان کے ہیں لیکن قرآن کریم کی نسبت جب یہ لفظ وارد ہو تو اس سے قرآن کریم کی آیات مراد ہوتی ہیں حکم فقہی میں بھی آیت سے قرآنی آیت ہی مراد لی جاتی ہے.

نسخ کی جامع اصطلاحی تعریف

کسی حکم شرعی سے کسی پہلے دینی حکم کا اٹھ جانا تاریخ میں نسخ کہلاتا ہے. نسخ وہ امر ہے جو

---

[1] دیکھئے البرہان جلد ۲ صد ۲۹

کسی حکم کی انتہائے مدت پر دلالت کرے

نوٹ: ہم نے یہاں حکم شرعی کے الفاظ استعمال کیے ہیں قرآن کریم کا لفظ تخصیص سے نہیں لکھا کیونکہ نسخ جس طرح قرآن کریم میں ہے اس طرح احادیث میں بھی ہے اور پھر علماء کا ایک گروہ نسخ القرآن بالسنہ کا بھی قائل ہے ہم نے ان تمام اختلافات کو لپیٹتے ہوئے نسخ کی جامع اصطلاحی تعریف لکھ دی ہے۔

نسخ السنّۃ بالسنّۃ

(۱) آنحضرتؐ کا حکم تھا کہ قبروں پر نہ جایا کرو پھر آپ نے اجازت دے دی کیونکہ اُن سے آخرت کی یاد تازہ ہوتی ہے پہلے روکنے میں حکمت یہ تھی کہ قبروں پر نوحہ خوانی آہ و فریاد اور شرک کی رسمیں راہ نہ پاسکیں جب امت میں کچھ پختگی ہوئی آپ نے ایک اور بہتری کی خاطر اس کی اجازت دے دی:۔

عن بریدۃؓ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کنت نھیتکم عن زیارۃ القبور فزوروھا[1]

ترجمہ حضرت بریدہؓ سے مروی ہے کہ حضورؐ نے فرمایا میں تمہیں زیارتِ قبور سے روکا کرتا تھا۔ اب اجازت ہے تم قبروں پر زیارت کے لیے جاسکتے ہو۔

اس پر امام نووی لکھتے ہیں:۔

ھذا من الاحادیث التی تجمع الناسخ والمنسوخ وھو صریح فی نسخ نھی الرجال عن زیارتھا[2]

ترجمہ۔ یہ ان احادیث میں سے ہے جن میں ناسخ اور منسوخ دونوں جمع ہیں یہ اس بات میں صریح ہے کہ مردوں کا زیارت کے لیے قبروں کی طرف نہ جانے کا حکم اب منسوخ ہوچکا۔

(۲) پہلے آنحضرت نماز میں بین السجدتین بھی رفعیدین کرتے تھے۔ حضرت مالک بن حویرثؓ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز کے اندر چار مقامات پر رفعیدین کرتے ہوئے پایا ہے۔

---

[1] رواہ مسلم جلد ا صـ ۳۱۴ مشکوٰۃ صـ ۱۵۴

رفع یدیہ فی صلوٰتہ اذا رکع واذا رفع رأسہ من الرکوع واذا سجد واذا رفع رأسہ من السجود۔[1]

ترجمہ: آنحضرتؐ نے اپنے دونوں ہاتھ اٹھائے۔ ا۔ جب رکوع کیا اور ۲۔ جب رکوع سے سر اٹھایا اور ۳۔ جب سجدہ کیا اور ۴۔ جب سجدہ سے اپنا سر اٹھاتے تھے آپ ہاتھ اپنے کانوں کی لووں تک اٹھاتے تھے۔

اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سجدہ کے وقت اور سجدہ سے اٹھتے وقت کا رفعیدین کرنا چھوڑ دیا تھا حضرت عبداللہ بن عمرؓ روایت کرتے ہیں:۔

یرفع یدیہ اذا افتتح الصلوٰۃ واذا رکع واذا رفع وکان لا یفعل ذٰلک فی السجود۔[2]

ترجمہ: آپ ہاتھ اٹھاتے جب نماز شروع کرتے اور جب رکوع کرتے اور جب رکوع سے اٹھتے اور سجدوں میں آپ رفعیدین نہ کرتے تھے۔

اس دوسری روایت پر امام نسائیؒ نے ترک رفعیدین کا باب باندھا ہے۔ اس سے پتہ چلا کہ نماز میں پہلے رفعیدین کرنا جائز تھا بعد میں یہ منسوخ ہوا۔

نماز اذکار اور حرکات کا ایک مجموعہ ہے اسلام کی تدریجی حکمت رہی کہ اذکار زیادہ ہوں اور حرکات کم ہوتی جائیں سو رفعیدین منسوخ ہوا۔ یہ جو رکوع کے وقت اور رکوع سے اٹھتے وقت کا رفعیدین ہے اس پر امام نسائیؒ نے سنن جلد ا ص۱۱۱ پر ترک ذٰلک کا باب باندھا ہے اس سے احادیث میں ناسخ و منسوخ کی بحث چلتی ہے سو اسلام میں احکام میں نسخ واقع ہے (وہ قرآن کریم میں ہوں یا احادیث میں)

(۳) حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں آنحضرتؐ نے فرمایا:۔

توضؤا مما مست النار۔[3]

ترجمہ: جس چیز کو آگ نے چھوا اس سے (اس کے کھانے سے) وضو کرو۔

ایک دوسری حدیث میں ہے کہ آپؐ نے گوشت تناول فرمایا اور وضو نہ کیا۔ حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں:۔

---

[1] سنن نسائی جلد ا ص۱۲۳ [2] ایضاً ص۱۲۱ [3] ایضاً ص۱۲۲

شہدت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اکل خبزًا ولحمًا ثم قام الی الصلٰوۃ ولم یتوضا۔[1]

ترجمہ: میں حضورؐ کے پاس موجود تھا آپ نے روٹی اور گوشت کھایا، پھر آپ نماز کے لیے آئے اور (تازہ) وضو نہ کیا۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں:۔

کان اٰخر الامرین من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ترک الوضوء مما مست النّار۔[2]

ترجمہ: آنحضرتؐ سے جو چیز آخری درجہ میں منقول ہے وہ یہ ہے کہ پکی چیز سے وضو لازم نہیں آتا۔

امام ترمذیؒ لکھتے ہیں:۔

ھٰذا اٰخر الامرین من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وکان ھٰذا الحدیث ناسخ للحدیث الاول حدیث الوضوء مما مسّت النّار۔[3]

ترجمہ: آنحضرتؐ سے منقول ہونے والی باتوں میں یہ آخری ہے اور یہ حدیث پہلی حدیث کی ناسخ ہے کہ آگ سے پکی ہوئی چیز کھانے سے وضو لازم ہے۔

(۴) پہلے انسانی کلام سے نماز نہ ٹوٹتی تھی اب آپ نے اس سے منع کر دیا۔ حضرت زید بن ارقمؓ (۶۶ھ) کہتے ہیں:۔

کان الرجل یکلم صاحبہ فی الصلٰوۃ بالحاجۃ علٰی عہد رسول اللہ صلی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حتی نزلت ھٰذہ الاٰیۃ حافظوا علی الصلوات والصلٰوۃ الوسطٰی وقوموا للہ قانتین فامرنا بالسکوت۔[4]

ترجمہ: حضورؐ کے زمانے میں ایک شخص نماز میں اپنے ساتھی سے بات کر لیتا تھا پھر یہ آیت اتری کہ نمازوں کی اور خاص طور پہ درمیانی نماز کی حفاظت کرو۔ ہمیں حکم دیا گیا کہ نماز میں خاموشی اختیار کریں۔

---

[1] سنن نسائی جلد ۱ صفحہ ۲۲ [2] ایضاً [3] جامع ترمذی جلد ۱ صفحہ ۲۷ [4] سنن نسائی جلد ۱ صفحہ ۱۳۶

یہ نسخ السنۃ بالسنۃ کی چند مثالیں ہیں۔ اگر دو متعارض حدیثیں ملیں اور تقدیم و تاخیر معلوم نہ ہو تو پھر صحابہؓ کے عمل سے پتہ چلے گا کہ منسوخ کون سی چیز ہے اور ناسخ کون سی ہے۔ امام ابو داؤد (۵؍۲ھ) فرماتے ہیں:۔

اذا تنازع الخبران عن رسول اللہ ﷺ نظر الی ما عمل بہ اصحابہ من بعدہ[1]

ترجمہ: جب آنحضرتؐ سے دو حدیثیں پہنچیں جو آپس میں ٹکرا رہی ہوں تو دیکھا جائے گا کہ آپ کے بعد آپ کے صحابہؓ کا عمل کس پر تھا۔

حضورؐ کے عمل سے صرف وہی حدیث منسوخ ہو سکے گی جو آپ کی وحی غیر متلو پر مبنی نہ تھی جو بات آپ کی وحی غیر متلو پر مبنی نہ ہو آپ اسے اپنے اجتہاد سے منسوخ نہیں کرتے۔ ہاں وحی غیر متلو پہلی وحی غیر متلو کو منسوخ کر سکتی ہے اور اجتہاد پہلے اجتہاد کو منسوخ کر سکتا ہے۔

وانما یوخذ من امر رسول اللہ بالآخر فالآخر[2]

ترجمہ: سوائے اس کے نہیں کہ آنحضرتؐ کے آخری عمل کو ہی بطور شریعت لیا جائے گا پھر اس کے بعد جو آخری ہو اسے لیا جائے گا۔

نسخ القرآن بالحدیث

جمہور علماء اس کے قائل نہیں وہ اس کے لیے دارقطنی کی یہ حدیث پیش کرتے ہیں۔ حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ حضورؐ نے فرمایا:۔

کلامی لا ینسخ کلام اللہ وکلام اللہ ینسخ کلامی وکلام اللہ ینسخ بعضہ بعضاً[3]

ترجمہ: میرا کلام اللہ کے کلام کو منسوخ نہیں کر سکتا اور اللہ کا کلام میرے کلام کو منسوخ کر سکتا ہے اور کلام اللہ میں ناسخ و منسوخ دونوں ہیں۔

حضرت ابن عمرؓ نے ناسخ و منسوخ قرآن اور حدیث دونوں میں تسلیم کیے گئے ہیں:۔

عن ابن عمر قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان احادیثنا ینسخ بعضہا بعضاً کنسخ القرآن[4]

---

[1] سنن ابی داؤد جلد ۱ صـ [2] صحیح مسلم جلد ۱ صـ ۳۵۷ [3] مشکوٰۃ صـ ۳۲ [4] ایضاً

بعض علماء اسے جائز قرار دیتے ہیں مثلاً

(۱) قرآن کریم کا حکم ہے :۔

واذا قریء القرآن فاستمعوا له وانصتوا لعلکم ترحمون ۔ (پ۹ الاعراف ۲۰۴)

ترجمہ۔ اور جب قرآن پڑھا جائے تو تم اس کی طرف کان دھرو اور چپ رہو۔ ہو سکتا ہے تم پر رحم کی گھڑی آ پہنچی ہو۔

یہ حکم عام ہے اور نماز کو بھی شامل ہے یہ حضرات ایک حدیث سے اس کے عموم کو توڑتے ہیں اس حکم سے سورۂ فاتحہ کو مستثنیٰ کرتے ہیں کہ امام جب قرآن پڑھے تو تم چپ ہونے کی بجائے اپنی سورۃ فاتحہ پڑھ سکتے ہو اس سلسلے میں حضورؐ کی ایک حدیث پیش کی جاتی ہے آپ نے فرمایا تم میرے پیچھے سورۃ فاتحہ کے سوا کوئی حصہ قرآن نہ پڑھو۔۔ اگر یہ حدیث صحیح ہو تو یہ حدیث نسخ القرآن بالحدیث کی ایک مثال ہو گی۔

ہمیں یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ شریعت امام کو تو کہے کہ تو بلند آواز سے فاتحہ پڑھ اور مقتدی کو کہے تم نے سننا نہیں تم اپنی فاتحہ پڑھو۔۔۔ اگر مقتدیوں نے اسے نہیں سننا تو وہ بے عقل اونچا کیوں بول رہا ہے اور پھر سارے اپنی اپنی فاتحہ پر آمین کہیں اب یہ سارے امام کی آمین پر آمین کیسے کہہ رہے ہیں یہ ایک غور طلب بات ہے۔

نسخ القرآن بالقرآن

ناسخ و منسوخ کی اس بحث میں اصل موضوع بحث نسخ القرآن بالقرآن ہے معتزلہ اس کے قائل نہیں۔ سب سے پہلے محمد بن بحر ابو مسلم اصفہانی (۳۲۲ھ) نے اس کا انکار کیا لیکن کلیۃً اس نے بھی انکار نہیں کیا اس نے نسخ کی بجائے اسے تخصیص کا نام دیا ہے وہ کہتا ہے کہ پہلے حکم عام میں وہ حصہ مرادِ الٰہی تھا ہی نہیں جسے دوسرے مقام پر ہم اس حکم سے خارج دیکھتے ہیں اس دوسرے مقام نے پہلے حکم کی وضاحت کی ہے اس کے کسی حصے کو منسوخ نہیں کیا۔۔۔ لیکن علماء اہل السنۃ نسخ اور تخصیص میں فرق کرتے ہیں۔

وہ کہتے ہیں عام اصل میں اپنے سب افراد کو شامل ہوتا ہے اور یہی اس کے حقیقی معنی ہیں

جب وہ بعض افراد کے ساتھ مخصوص ہو تو وہاں اس کا قرینہ ہوتا ہے عام اگر اپنے بعض افراد کے ساتھ مخصوص ہو تو یہ صرف بطریق مجاز ہوگا۔

جو چیز منسوخ ہوتی ہے وہ بھی پہلے اپنے اصل معنی (موضوع لہ جس کے لیے بنی ہو) میں قائم ہوتی ہے اور اس کا یہ عام حکم ایک خاص حکم تک قائم رہتا ہے اس کو اب ایک ناسخ ہی بے کار کر سکتا ہے جس کی بنیاد اس حکمتِ الٰہیہ پر ہوتی ہے جو صرف اللہ رب العزت کو ہی معلوم ہو۔

نسخ و تخصیص میں ایک فرق یہ بھی ہے کہ نسخ اخبار میں نہیں ہو سکتا البتہ ان میں تخصیص ہو سکتی ہے۔ مثلاً ایک جگہ خدا یہ کہہ دے ۔

انا خلقنا الانسان من نطفة امشاج (پ ۲۹ الدہر ۲)

اور دوسری جگہ یہ کہہ دے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی صرف ماں تھی ان کا باپ کوئی نہ تھا۔ اسی لیے انہیں عیسیٰ بن مریم کہتے ہیں اس دوسرے موضوع سے پہلے حصے میں جو تخصیص ہوگی وہ ایک خبر میں تخصیص ہے مگر حقیقت یہ ہے کہ یہ دوسرا موضوع پہلے ہی اس عموم میں شامل نہ تھا حضرت عیسیٰ ان میں داخل نہ تھے جنہیں قرآن کریم نطفہ امشاج سے پیدا مانتا ہے۔ یہ تخصیص ہمیں دوسرے قرائن سے معلوم ہو سکتی ہے۔

تخصیص لانے کی مختلف راہیں

یہ تخصیص کبھی عام فطرت اور حس و دانش سے بھی محسوس کی جا سکتی ہے مثلاً کہتے ہیں چوری چوری ہے خواہ تنکے ہی کی ہو۔ اب قرآن کریم کا حکم کہ چور کے ہاتھ کاٹ دو مطلق چور پر نہیں اس کے کسی خاص معنی پر بولا جائے گا کہ جو اس خاص درجے کا چور ہے فطرت کا تقاضا ہے کہ مواخذہ اس کی اس حد سے شروع ہو۔ قرآن کریم میں ہے ۔

والسارق والسارقة فاقطعوا ايديهما۔ (پ ٦ المائدہ ۳۸)

ترجمہ۔ اور چوری کرنے والا مرد اور چوری کرنے والی عورت سو کاٹ دو ان کے ہاتھ سزا میں اس کی جو انہوں نے کیا۔

اس میں چوری کی کوئی حد مقرر نہیں کی جس پر بھی چوری کا لفظ آئے گا وہ یہ سزا پائے گا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عام حکم کی تخصیص ان لفظوں میں کر دی۔

لا قطع الا فی ربع دینار۔

ترجمہ: چوتھائی دینار کی مالیت کی چوری پر یہ سزا ہے اس سے کم پر ہاتھ نہ کاٹا جائے۔

یہ قرآن پاک کی آیت کا نسخ نہیں عام کی تخصیص ہے اس باب کی کوئی تخصیص بہر حال ضروری تھی اور اس کا جو حصہ تخصیص میں آیا وہ پہلے بھی حکم کے معنی مراد میں داخل تھا۔ فطری تقاضوں اور عقلی ضرورت کے سہارے کوئی تخصیص تو کی جا سکتی ہے لیکن کسی شرعی حکم کو منسوخ نہیں کیا جا سکتا۔

منسوخ آیات کی تعداد میں اختلاف

تخصیص اور نسخ کے اس غیر محتاط اختلاط کے باعث علماء میں منسوخ آیات کی تعداد میں خاصا اختلاف ہو گیا۔ بعض جگہ نہ نسخ کی گنجائش ہے نہ تخصیص کا کوئی پہلو — ذرا سی مناسبت سے لوگوں نے نسخ کا دعویٰ کر دیا۔ مثلاً قرآن کریم میں لوگوں کا ایک وصف لکھا ہے ومما رزقناھم ینفقون (پ البقرہ) اور حکم بھی دیا ہے وانفقوا مما رزقناکم (پ۱۳ الرعد ۱۳) اس کا حکم زکوٰۃ سے نہ کوئی ٹکراؤ ہے نہ کوئی خلاف — زکوٰۃ تب ہے کہ تمہارے جمع شدہ مال پر ایک سال گزرے اور انفاق کی صفت مومنوں میں کسی حال اور وقت سے مقید نہیں۔ یہ مومن کی عام صفت ہونی چاہیئے اور وہ مومنوں کا فرضی نصاب دیجہ فرض میں ہے اب یہ کہنا کہ اس حکم زکوٰۃ سے وہ حکم انفاق منسوخ ہو گیا یہ تبھی ہے کہ لفظ نسخ کو کسی ادنیٰ مناسبت سے ہم ہر جا اور بے جا موقع پر لے آئیں۔ عبدالرحمٰن بن محمد الدمشقی (ھ) نے منسوخ آیات کی فہرست بہت لمبی دی ہے۔

قاضی ابوبکر بن العربی نے یہاں نوٹس لیا اور فرماتے ہیں لوگ اکثر آیات کو یونہی نسخ میں لے آئے ہیں۔ لکم دینکم ولی دین (تمہارے لیے تمہارا دین میرے لیے میرا) کو آیاتِ جہاد سے منسوخ کر دیتے ہیں۔

علامہ سیوطی الاتقان میں لکھتے ہیں کہ ۴۳ سورتوں میں نہ کوئی ناسخ آیت ہے نہ منسوخ اور ۲۵ سورتوں میں ناسخ و منسوخ دونوں طرح کی آیتیں ہیں۔ ۶ سورتوں میں کچھ آیات ناسخ ہیں ان میں کوئی منسوخ نہیں اور ۴۰ سورتیں ایسی ہیں ناسخ آیتیں تو موجود ہیں مگر ان میں منسوخ آیت کوئی نہیں

یہ کل ۱۱۴ سورتیں ہیں۔

امام سیوطی نے ان پر غور و فکر کر کے اپنے استقراء سے بتلایا ہے کہ قرآن کریم میں صرف ۲۱ آیات منسوخہ ہیں۔ بعد میں آنے والے علمائے محققین نے اس عدد سے بھی اتفاق نہیں کیا اور منسوخ آیات کی گنتی اور کم کی ہے۔ بارہویں صدی کے مجدد شاہ ولی محدث دہلوی پانچ آیات کے نسخ تک پہنچے ہیں اور پھر مولانا عبید اللہ سندھی ؒ ایک آیت تک آگئے

ناسخ و منسوخ کے اختلافات کا ایک منظر

علماء میں ناسخ و منسوخ کی کس طرح بحثیں چلی ہیں اس کی ایک جھلک بیان ذیل میں دیکھیے:۔

(۱) اللہ رب العزت فرماتے ہیں:۔

ولا تزر وازرۃ وزر اخریٰ۔ (پ۱۵ الاسراء ۱۵)

ترجمہ۔ اور کوئی بوجھ اٹھانے والی کسی دوسری کا بوجھ نہ اٹھائے گی۔

اور پھر دوسری جگہ فرمایا:۔

ولیحملن اثقالھم واثقالاً مع اثقالھم۔ (پ۲۰ العنکبوت ۱۳)

ترجمہ اور البتہ وہ اٹھائیں گے اپنے بوجھ اور کتنے اور بوجھ اپنے بوجھوں کے ساتھ اور البتہ ان سے پوچھ ہوگی قیامت کے دن۔

یہ وہ دوسروں کا بوجھ ہے جو انہوں نے اپنے ذمہ لے رکھا تھا جھوٹے پیر اپنے مریدوں کو عام کہتے ہیں کہ ہم تمہارے بوجھ اٹھالیں گے یہ تو اٹھائیں گے ہی مگر ان اصل مجرمین سے ان کے گناہ نہ اٹھیں گے وہ بھی اپنے ان پیروں کے ساتھ سزا پائیں گے۔

یہ صورت اس آیت سے ملتی ہے:۔

لیحملوا اوزارھم کاملۃ یوم القیٰمۃ ومن اوزار الذین یضلونھم۔

(پ۱۴ النحل ۲۵)

ترجمہ۔ تاکہ اٹھائیں اپنے بوجھ پورے کے پورے قیامت کے دن اور ان کے بھی جن کو وہ بسبب علم نہ ہونے کے گمراہ کرتے رہے خبردار بُرا بوجھ ہے وہ جو اٹھاتے ہیں۔

کوئی کسی کا بوجھ نہ اٹھائے گا باں طور کہ وہ بوجھ اس سے اٹھ جائے وہاں ان کی سزا کے ساتھ وہ لوگ بھی سزا یافتہ ہوں گے جو انہیں گمراہ کرتے رہے ان کا بوجھ جو ان پر آئے گا وہ بھی تو انہوں نے خود کمایا ہوا ہے اور ان کے اعمال میں شمار ہے۔

(۲) آپ مکہ میں تھے کہ آپ نے فرمایا:۔

قل ما کنت بدعًا من الرسل وما ادری ما یفعل بی ولا بکم ان اتبع الا ما یوحیٰ الی وما انا الا نذیر مبین۔ (پ۲۶ الاحقاف ۹)

ترجمہ: آپ کہہ دیں میں کوئی نیا رسول نہیں آیا اور میں نہیں جانتا میرے اور تمہارے ساتھ کیا ہوگا میں تو اسی پر چلتا ہوں جو مجھے حکم آتا ہے میرا کام ڈر سنا دینا ہے کھول کر۔

اس وقت تک آپ کو اپنے اور ان کے انجام کی پوری تفاصیل نہ بتائی گئی تھیں یہاں تک کہ پھر آپ کو مدینہ میں سورۃ الفتح میں آپ کو اپنے اپنے اس مشن کے انجام کی خبر دے دی گئی —— اس کے ان مختلف جملوں پر غور کریں کیا اس میں مسلمانوں اور کافروں دونوں کا انجام نہ بتلا دیا گیا؟

انا فتحنا لك فتحًا مبینًا۔

وعدکم اللہ مغانم کثیرۃ تاخذونھا۔

لتدخلن المسجد الحرام۔

لیظھرہ علی الدین کلہ

لیعجب الزراع لیغیظ بھم الکفار۔

وعد اللہ الذین اٰمنوا وعملوا الصٰلحٰت منھم مغفرۃً واجرًا عظیمًا۔ (پ۲۶ الفتح)

یہ چھ اقتباس مسلمانوں کو ان کے انجامِ خیر کی خبر دے رہے ہیں اور کل سورت کا مضمون اس سے بھی وسیع ہے۔

(۱) ہم نے فیصلہ کر دیا آپ کے لیے فتح مبین کا

(۲) وعدہ کیا اللہ نے تم سے بہت سی غنیمتوں کا جو تم لوگے۔

(۳) تم ضرور داخل ہو کر رہو گے مسجد حرام میں

④ آپ اس لیے ہیں کہ اپنے دین کو غالب کر دیں سب پر

⑤ اسلام کا پودا اپنے تال پر کھڑا کھیتی والوں کو اچھا لگ رہا ہے اور کافر اس سے جلے جا رہے ہیں اور آخرت کے لیے بھی ایمان والوں سے وعدہ ہے مغفرت اور اجر عظیم کا۔

علامہ ابن السلامہ (ھ) اپنی کتاب الناسخ والمنسوخ میں لکھتے ہیں کہ پہلی آیت (سورۃ احقاف کی نویں آیت) کو سورۃ الفتح نے منسوخ کر دیا ہے لیکن آیت مذکورہ کے صرف دوسرے حصے (ما یفعل بی ولا بکم) کو   پہلا حصہ محکم ہے (قل ما کنت بدعًا من الرسل) اس سے پتہ چلا کہ نسخ کا مفہوم اتنا عام ہو چکا تھا کہ بعض آیات کے صرف بعض حصوں کو منسوخ سمجھا گیا اور اس میں ایسے مضامین بھی تھے جو آخر تک محکم رہے اور ہیں بعض اوقات علماء آیت کے ایک حصے کے نسخ پر بھی آیت کو منسوخ آیات کی فہرست میں لے آئے ہیں۔

مکہ میں رہتے ہوئے آپ کو صبر و تحمل کا حکم تھا کافروں سے قتال جائز نہ تھا۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی لکھتے ہیں:۔

ثم یحرم لھذہ الامۃ قتال الکفار فی اول الامر ولم یکن حینئذ ھناک جند ولا خلافۃ ثم لما ھاجر النبی وتاب المسلمون وظھرت الخلافۃ وتمکنوا من مجاھدۃ اعداء اللہ انزل اللہ تعالیٰ۔[1]

ترجمہ: شروع میں اس امت کے لیے کافروں سے لڑنا جائز نہ تھا اور اس وقت مسلمانوں کے پاس کوئی لشکر بھی نہ تھا اور نہ خلافت نہ تھی پھر جب آپ نے ہجرت کی اور آپ کی سلطنت قائم ہو گئی اور مسلمان اللہ کے دشمنوں کے ساتھ پنجہ آزمائی کے لائق ہوئے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ حکم نازل کر دیا۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:۔

اذن للذین یقاتلون بانھم ظلموا وان اللہ علیٰ نصرھم لقدیر۔ (پ۱۷ الحج ۳۹)

ترجمہ: اجازت دے دی گئی ان لوگوں کو جن سے کافر لڑتے ہیں کہ ان پر ظلم ہوا ہے (اب وہ مقابلہ کریں) اور بے شک اللہ تعالیٰ ان کی مدد پر قدرت رکھنے والے ہیں۔

---

[1] حجۃ اللہ البالغہ ص

یہ الفاظ خود بتا رہے ہیں کہ پہلے انہیں نہ لڑنے کا حکم تھا اب نئے ظروف و احوال میں مظلوم رہنے کی اجازت نہیں. اب مقابلے میں اُٹھنے اور خدا کے بندوں سے ظلم روکنے کے لیے انہیں لڑنے کا حکم (اذن) دیا گیا ہے۔ یہ قرآن کریم میں نسخ کی کھلی دلیل ہے۔ ہم اسے پہلے بھی مجملاً ذکر کر آئے ہیں.

پہلی شرائع میں مالِ غنیمت مجاہدین کے لیے جائز نہ تھا اس امت کے لیے غنیمتیں حلال کر دیں:

وعدکم اللہ مغانم کثیرۃ تاخذونھا (پ۲۶ الفتح ۲۰)

ترجمہ۔ وعدہ کیا اللہ نے تم سے بہت سی غنیمتوں کا کہ تم انہیں لوگے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی فرمایا کہ تم مالِ غنیمت کے حق دار ٹھہرو گے سو یہ ضرور ہو گا کہ پہلے جو صبر کرنے اور دَب کر رہنے کا حکم تھا وہ اب منسوخ ہو گیا۔

فضّلتُ علی الانبیاء بستّ اعطیت جوامع الکلم ونصرت بالرعب واحلت لی الغنائم۔[1]

ترجمہ۔ مجھے دوسرے انبیاء پر چھ چیزوں میں فضیلت دی گئی۔ مجھے جوامع الکلم دیئے گئے رعب سے میری مدد کی گئی اور غنائم میرے لیے حلال ٹھہرائے گئے۔

علماء نے مندرجہ ذیل دو آیتوں کو بھی نسخ کے ضمن میں پیش کیا ہے ـــ ہم ان کا حاصل پہلے ذکر کر آئے ہیں :-

والذین یتوفون منکم ویذرون ازواجاً یتربصن بانفسھنّ اربعۃ اشھرٍ و عشراً فاذا بلغن اجلھن فلا جناح علیکم فیما فعلن فی انفسھنّ بالمعروف واللہ بما تعملون خبیر۔ (پ۲ البقرہ ۲۳۴)

ترجمہ۔ اور جو لوگ تم میں مر جائیں اور بیویاں چھوڑ جائیں تو چاہیئے کہ وہ عورتیں انتظار میں رکھیں اپنے آپ کو چار مہینے اور دس دن۔ اور جب پورا کر لیں وہ اپنی عدت تو تم پر کوئی گناہ نہیں کہ کریں وہ اپنے حق میں کوئی فیصلہ قاعدے کے مطابق اور اللہ کو تمہارے سب کاموں کی خبر ہے۔

---

[1] صحیح مسلم جلد ۱ ص ۱۹۹

اگر وہ عدت گزرنے پر نہ نکلیں اور نکاح نہ کریں تو کم از کم سال تک تم انہیں رہنے دو اپنے اور ان کے اخراجات کا بذریعہ وصیت تکفل کرو۔

والذین یتوفون منکم ویذرون ازواجًا وصیۃ لازواجھم متاعًا الی الحول غیر اخراج فان خرجن فلا جناح علیکم فیما فعلن فی انفسھن من معروف واللہ عزیز حکیم۔ (پ۲ البقرہ ۲۴۰)

ترجمہ۔ اور جو لوگ تم میں سے فوت ہو جائیں اور بیویاں چھوڑ جائیں تو وصیت کر جائیں ایک سال تک کے خرچہ کی اور انہیں نکالا نہ جائے ہاں وہ خود (عدت گزار کر) نکل جائیں تو تم پر کوئی گناہ نہیں کہ کریں وہ اپنے حق میں فیصلہ قاعدے کے مطابق اور اللہ تعالیٰ غالب ہے حکمت والا۔

یہاں بحث نسخ کی دو جہتیں ہیں:۔

(۱) دو آیتوں میں دو مختلف عدتیں۔ ایک میں چار ماہ اور دس دن اور دوسری میں ایک سال۔ یہ دراصل عدتوں کا تعارض نہیں عدت وہی چار ماہ اور دس دن ہیں۔ عدت کے دنوں کے علاوہ کچھ اور خرچہ بھی بیوہ کو اپنے خاوند کے مال سے ملنا چاہیئے۔ اس کے لیے حکم ہوا کہ ایک سال تک انہیں گھر سے کوئی نہ نکالے اور اپنے اعزہ کو وصیت کر جاؤ کہ وہ انہیں خرچہ دیتے رہیں۔ اگر عدت ایک سال مراد ہوتی تو اس کے بعد یہ نہ ہوتا کہ اگر وہ اس سے پہلے گھر سے نکلیں تو تم پر کوئی گناہ نہیں۔ سو یہاں وصیت بیوہ کے لیے خاوند کے مال میں اس کا حصہ ہے۔ پہلی آیت میں حکم عورتوں کے لیے ہے اور دوسری میں مردوں کے لیے اور ان میں کوئی تعارض نہیں ہے۔

(۲) نسخ کی دوسری بحث ان آیتوں میں آپس کی نہیں بلکہ حکم وصیت کا ٹکراؤ آیت میراث سے ہے جب آیت میراث نے بیوہ کو خاوند کے ترکہ سے چوتھائی یا ثمن (آٹھواں حصہ) دے دیا تو اب اس کے لیے ایک سال تک کے خرچہ کی وصیت ضروری نہ رہی تو اس جہت سے یہ سال تک کے لیے وصیت کرنے کا حکم منسوخ سمجھا جائے گا۔ تاہم عدت کے بعد اس کا کہیں نکاح کرنے کا حق قائم رہے گا۔

اب قرآن پاک میں اس منسوخ آیت کا ہونا خاوند کے مال میں بیوہ کے حق کی ارتقائی تاریخ معلوم کرنے کے لیے بہت مفید ہے. آیت میراث سے پہلے اسلام نے کس طرح بیواؤں کے فطری حق کا احترام کیا اور انہیں انسانی بنیادوں پر پوری سہولت دی کہ بعد انقضائے عدت وہ جہاں چاہیں دوسرا نکاح کر سکتی ہیں.

قرآن کریم کی آیت وصیّت

کتب علیکم اذا حضر احدکم الموت ان ترک خیرا الوصیّۃ للوالدین والاقربین بالمعروف حقًا علی المتقین فمن بدّلہ بعد ما سمعہ فانّما اثمہ علی الذین یبدّلونہ ان اللہ سمیع علیم۔ (پ۲ البقرہ ۲۲)

ترجمہ. تم پر فرض کیا گیا جب تم پر موت کا وقت آئے اگر کچھ مال چھوڑ جائے تو وصیت کرنا ہے والدین کے لیے اور دوسرے اقربین کے لیے یہ حق ہے ڈرنے والوں پر. سو جس نے اس وصیت کو بعد اس کے کہ اس نے سن لی تھی بدل ڈالا تو اس کا گناہ ان پر ہو گا جو اسے بدلتے ہیں بے شک اللہ تعالیٰ جاننے والے ہیں سننے والے.

اس آیت سے معلوم ہوا کہ مرنے والے کے لیے وصیت کرنا فرض ہے. اور یہ بھی معلوم ہوا کہ اس حکم کا تقاضا جاہلیت کی اس رسم کو توڑنا تھا جس کی رو سے مرنے والے کا سارا مال اس کی بیوی اور اولاد لے جاتی تھی. والدین اور دیگر اقربا کسی جہت سے بھی اس میں حصہ نہ رکھتے تھے اسلام نے والدین اور اقربا کا فطری حق مانا اور مرنے والے کو وصیت کا مکلف کیا تاکہ اس کے ترک سے معاشرے میں کوئی فساد نہ اُبھرے.

جب آیت میراث اُتری اور سب وارثوں کے حصے اللہ تعالیٰ نے خود مقرر کیے تو اب یہ وصیت فرض نہ رہی. اب اس کا درجہ صرف استحباب کا رہا اور اس میں بھی وصیت وارث کے بارے میں نہ ہو سکے گی. آیت میراث کی رو سے جسے حصہ نہ ملتا ہو اس کے بارے میں وصیت ہو سکتی ہے اور مرنے والا اپنے مال میں ایک تہائی سے زیادہ کے بارے میں اس کے لیے بھی

وصیت کرنے کا مجاز نہیں۔

آیت میراث جس میں سب وارثوں کے حصے طے کر دیئے ہیں سورۃ نساء میں موجود ہے۔

یوصیکم اللہ فی اولادکم للذکر مثل حظ الانثیین۔ (پ النساء ۱۱)

ترجمہ۔ اللہ تعالیٰ وصیت کرتے ہیں تمہیں اپنی اولاد کے بارے میں لڑکے کا حصہ لڑکی سے دوگنا ہے۔

آیت وصیت پر عمل کرنے کی باقی صورتیں

آیت میراث نے آیت وصیت کے جس حصے کو منسوخ نہیں کیا اس میں غیر مسلم والدین آ سکتے ہیں جن کا سنبھالنے والا کوئی نہ ہو۔ آیت میراث میں سب حصے مسلمانوں کے لیے ہیں۔ کوئی کافر مسلمانوں کا وارث نہیں ہو سکتا۔ غیر مسلم قرابت داروں کو کچھ دینا چاہے تو اسے وصیت کے ذیل میں لا کر دے۔ سو آیت وصیت بھی من کل الوجوہ منسوخ نہ ہوئی۔ کوئی ایک جہت پھر بھی لائق عمل رہی۔

اس تفصیل کی روشنی میں ہم کہہ سکتے ہیں کہ قرآن کریم کی کوئی آیت بھی من کل الوجوہ منسوخ نہ ہوئی اور جن علماء نے قرآن کریم میں بعض آیات کے بعض حصوں پر حکم نسخ لگایا ہے ان میں بھی ان کی تلاوت کو منسوخ نہیں کہا۔ ان کے پڑھنے میں بھی اتنا ہی ثواب ہے جتنا دوسری آیات کی تلاوت پر۔

منسوخ التلاوت آیات کا حکم

البتہ کچھ آیات ایسی بھی ہیں جن کی تلاوت منسوخ ہوئی وہ قرآن پاک میں موجود بھی نہیں مگر ان کا حکم باقی ہے اور وہ حکم بھی شریعت میں تواتر کا حکم رکھتا ہے ان آیات کو منسوخ التلاوت باقی الحکم کہتے ہیں۔

ان آیات کے حکم کو باقی رکھنے میں ایک اور اصول نکھر کر سامنے آتا ہے جسے بعض علماء نے پہلی کتابوں کے بعض احکام کو باقی رکھنے کے بارے میں اختیار کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ پہلی شرائع کے وہ احکام جنہیں ہماری شریعت نے منسوخ نہیں کیا اب بھی باقی سمجھے جائیں۔ بشرطیکہ ہماری ان احکام پر اطلاع کسی یقینی واسطے سے ہو ہمارے اپنے پیغمبر کے واسطے سے ہو۔ اہل کتاب کی ان دستاویزات

سے نہ ہو جو عام انسانی ہاتھوں تحریفِ لفظی کا شکار ہو چکیں۔ ان احکام کو شریعت تسلیم کرنے میں واسطہ علم معصوم ہونا چاہیئے۔ واللہ اعلم وعلمہ اتم واحکم۔

نسخ وحی متلو اور وحی غیر متلو دونوں میں رہا

شریعت اپنی تکمیل میں ناسخ و منسوخ کے بہت سے مباحث سے گذری ہے ہم نے اس مضمون میں بہت سی آیات اور احادیث آپ کے سامنے رکھ دی ہیں جن میں صریح طور پر یہ دونوں فاصلے مذکور ہیں بعض لوگ اسے عظمتِ قرآن کے خلاف سمجھتے ہیں کہ اس میں ناسخ و منسوخ کی بحث چلے اگر اس بات کو کچھ بھی وزن دیا جائے تو پھر یہ مباحثِ حدیث میں بھی عظمت رسالت کے خلاف دکھائی دیں گے جس طرح وحی متلو کی عظمت ابدی ہے وحی غیر متلو کی عظمت بھی اپنی جگہ ابدی ہے اہلِ حق عظمتِ قرآن اور عظمتِ رسالت میں سے کسی کو بھی مجروح ہونے نہیں دیتے۔ اگر قرآن میں نسخ آنے سے عظمتِ قرآن مجروح ہوتی ہے تو حدیث میں نسخ آنے سے عظمتِ رسالت کیوں مجروح نہ ہوگی۔

آنحضرتؐ کے اپنے آخری وقت میں امت کو دونوں کی یکساں نصیحت فرمائی ہے۔

ترکت فیکم امرین لن تضلوا ما تمسکتم بھما۔

ترجمہ: میں تم میں دو چیزیں چھوڑے جارہا ہوں جب تک تم ان سے سہارا لو گے کبھی گمراہ نہ ہوگے۔

اسکی رو سے قرآن کریم اپنے آخری پیرایہ میں اور آپ کی سنت اپنے آخری نکھار میں اپنی ابدیت میں دو برابر کے ماخذ علم ہیں۔ اب نہ اس قرآن سے اور نہ آپ کی سنت سے کسی اعتبار سے کسی حکم کے منسوخ ہونے کا کوئی احتمال ہے۔ ناسخ و منسوخ کے گذشتہ مباحث سے عظمت قرآن اور عظمت رسالت میں سے کسی پر حرف نہیں آتا۔

جس طرح شریعت میں ابدالآباد تک کسی کمی کا کوئی احتمال نہیں اس میں کسی اضافے کی بھی قطعاً کوئی گنجائش نہیں۔ جس طرح پادریوں کی کونسل ہر دس سال بعد بائبل میں کمی بیشی کرتی ہے اسلام میں اب کتاب وسنت میں کسی کمی اور زیادتی کا کوئی احتمال نہیں۔ کتاب وسنت کی تاریخ میں ناسخ و منسوخ کے مباحث ہرگز ان کی عظمت میں کوئی کمی نہیں کرتے۔ یہی وجہ ہے کہ اس امت کے مجددین

نے قرآن کریم میں برابر نسخ کا اقرار کیا ہے، اور اسے کتاب و سنت کی عظمت کے منافی کبھی نہیں سمجھا۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے اس کی ضمنی اصطلاحات پر عبور پاتے ہوئے قرآن کریم کی منسوخ الحکم آیات میں بہت کمی کی ہے۔ تاہم وہ پانچ آیتیں جو حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کے ہاں منسوخ الحکم ہیں یہ ہیں:-

(۱) کتب علیکم اذا حضر احدکم الموت ان ترک خیر الوصیۃ للوالدین والاقربین۔

(پ۲ البقرہ ۱۸۰)

ترجمہ۔ تم میں سے جب کسی پر موت کا وقت آئے تو تم پر لکھ دیا گیا ہے کہ اگر مال چھوڑے تو وصیت کرے والدین اور اقربین کے لیے معروف طریق سے

یہ آیت منسوخ ہے آیت میراث سے یوصیکم اللہ فی اولادکم للذکر مثل حظ الانثیین (پ۴ النساء ۱۱) جس میں وارثوں کے حصے خود خدا نے مقرر کر دیئے ہیں حدیث لا وصیۃ لوارث کہ جو شرعًا وارث ہے اس کے لیے وصیت نہیں ہے اسی نسخ کو بیان کرتی ہے۔

(۲) والذین یتوفون منکم و یذرون ازواجًا وصیۃ لازواجھم متاعًا الی الحول غیر اخراج۔ (پ۲ البقرہ ۲۴۰)

ترجمہ۔ اور جو لوگ تم میں وفات پائیں اور بیویاں چھوڑ جائیں وہ وصیت کر جائیں اپنی بیویوں کے لیے ایک سال کے خرچے کا اور یہ کہ وہ گھر سے نکالی نہ جائیں۔

یہ آیت بھی آیت میراث سے منسوخ ہے عورت اپنا حصہ لینے کے بعد (وہ چوتھا ہو یا آٹھواں) اب سال تک کا نان و نفقہ اپنے شوہر کے گھر سے لینے کی حقدار نہیں۔ رہی رہائش تو وہ بھی شوہر والوں کے ذمہ نہ رہی۔

(۳) ان یکن منکم عشرون صابرون یغلبوا مائتین من الذین کفروا (پ۱۰ الانفال ۶۵) اپنے بعد والی آیت ان یکن منکم الف یغلبوا الفین باذن سے منسوخ ہوئی۔

اس پر حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ لکھتے ہیں:-

"میں کہتا ہوں بے شک منسوخ ہے۔" [1]

---

[1] الفوز الکبیر صہ ۳۱

(۴) اذا ناجیتم الرسول فقدموا بین یدی نجواکم صدقۃ ذٰلک خیر لکم واطہر.

(پ۲۸ المجادلہ ۱۲)

ترجمہ: جب تم رسول سے تنہائی میں کوئی بات کرو تو اپنے مشورہ کرنے سے پہلے کچھ صدقہ دے لیا کرو یہ تمہارے لیے بہتر ہے اور زیادہ پاک۔

یہ آیت اپنے اگلے حصے سے منسوخ ٹھہری۔ فان لم تجدوا فان اللّٰہ غفور رحیم۔ اگر تمہارے پاس یہ مال نہ ہو تو اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے اس پر بھی حضرت شاہ ولی اللہؒ لکھتے ہیں:۔

"یہ اپنے بعد والی آیت سے منسوخ ہے۔ یہ قول ٹھیک ہے۔"[1]

(۵) قم اللیل الا قلیلا۔ (پ۲۹ المزمل)

ترجمہ: آپ تھوڑے سے حصہ کے بغیر رات قیام میں رہا کریں۔

یہ حکم سورۃ کی آخری آیتوں سے منسوخ ہوا۔ واللّٰہ یقدر اللیل والنہار علم ان لن تحصوہ فتاب علیکم۔ اب اس میں تاکید کا نسخ کر کے استحباب غیر مؤکد کو باقی رکھا گیا ہے۔

علامہ جلال الدین سیوطی نے جو آیات متاخرین کی رائے پر منسوخ بتلائی ہیں، وہ شیخ محی الدین ابن عربی کے موافق تحریر کردہ ہیں اور بیس آیتیں ہوتی ہیں۔[2]

ان کے بارے میں حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں:۔

فقیر کو ان بیس میں اکثر کی نسبت کلام ہے...... میں کہتا ہوں ہماری تحریر کے موافق پانچ آیتوں میں آیتوں میں نسخ ثابت ہو سکتا ہے۔[3]

ان پانچ آیتوں میں سے چار کے بارے میں مولانا عبیداللہ سندھی نے کچھ مزید تفصیل فرمائی ہے اور پہلی آیت میں نسخ کو تسلیم کیا ہے پھر اس میں بھی یہ راہ نکلی ہے کہ اگر کسی کے والدین اور اقربین غیر مسلم ہوں اور وہ مسلمانوں کی وراثت نہ پا سکتے ہوں تو ان کے لیے وصیت کر کے اب بھی اس آیت پر عمل ہو سکتا ہے اور اس پہلو سے یہ بھی من جمیع الوجوہ منسوخ نہیں رہتی یہ کلامِ الٰہی کا اعجاز ہے کہ ہم اسے کلیۃً کہیں منسوخ نہیں پاتے یہ کلام اپنی شانِ اعجاز میں خود بولتا ہے۔

---

[1] الفوز الکبیر ص۳۷ [2] ایضاً ص۳۸ [3] ایضاً

تاثیرُ القرآن

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ اما بعد:

قرآن کریم اپنے اندر ایک عجیب شانِ تاثیر رکھتا ہے۔ یہ تاثیر اپنے ظاہری اثرات بھی رکھتی ہے اور باطنی اثرات بھی۔ اس کی تلاوت اور سماعت خشیتِ الٰہی اور خوفِ خدا کی دولت بخشتے ہیں کیا مسلمان اور کیا غیر مسلم جو بھی اسے سُن لیں اثر قبول کیے بغیر نہیں رہ سکتے۔ قرآن کریم ایک عجیب انداز میں آخرۃ کی فکر دلوں میں اُتارتا ہے اور جو بھی اسے سُن لے اپنے دل میں ایک عجیب کیفیت محسوس کرتا ہے خود قرآن میں اس کے نفسیاتی اثرات کا یہ تذکرہ ہے :۔

تقشعر منه جلود الذين يخشون ربهم ثم تلين جلودهم وقلوبهم
الى ذكر الله. (پ۲۳ الزمر۲۳)

ترجمہ۔ بال کھڑے ہوجاتے ہیں اس سے کھال پر اُن لوگوں کے جو خدا سے ڈرتے ہیں پھر نرم پڑجاتی ہیں ان کی کھالیں اور ان کے دل اللہ کی یاد پر۔

شیخ الاسلامؒ لکھتے ہیں :۔

اللہ کی یاد ان کے بدن اور روح ودلوں پر ایک خاص اثر پیدا کرتی ہے یہ حال اقویائے کاملین کا ہوا اگر کبھی ضعفاء وناقصین پر دوسری قسم کی کیفیات واحوال طاری ہوجائیں مثلاً غشی یا صعقہ وغیرہ تو اس کی نفی آیت سے نہیں ہوتی۔

قرآن کریم کی عجب شانِ تاثیر کے سینکڑوں عجیب واقعات ہیں یہاں ہم اسلاف کے ان اثرات کی چند حکایات لکھتے ہیں :۔

پہلی حکایت

ایک جماعت صحابہ رضی اللہ عنہم نے حضورؐ کے حکم سے حبشہ کو ہجرت کی مشرکین نے وہاں شاہِ حبشہ کے دربار تک اپنی باتیں پہنچائیں اور اسے اسلام کے بارے میں بدگمان کرنا چاہا۔ نجاشی

شاہ حبشہ نے بہت سے پادریوں اور راہبوں کو اپنے دربار میں جمع کیا اور ان مسلمانوں کو جو وہاں ہجرت کر گئے تھے بلا کر حضرت مسیح علیہ السلام کی نسبت ان کا عقیدہ دریافت کیا۔ اس پر حضرت جعفر بن ابی طالبؓ نے سورۃ مریم کی تلاوت کردی۔ بادشاہ نفیس اور سب راہب درویش سن کر بہت روئے۔ قرآن کریم نے ان پر ایک عجیب حال پیدا کر دیا۔ بادشاہ نے اقرار کیا کہ یہ واقعی اللہ کا کلام ہے اور مسلمان ہو گیا اور کہا کہ بے شک حضورؐ وہی نبی ہیں جن کی حضرت مسیح علیہ السلام نے خبر دی تھی۔ پھر حضورؐ نے بھی اس کے ایمان کی یہاں تک شہادت دی کہ جب وہ حبشہ میں فوت ہوا تو آپ نے مدینہ منورہ میں اس کی نماز جنازہ ادا کی۔

دوسری حکایت

ہجرت کے کئی سال بعد ایک وفد جو ستّر آدمیوں پر مشتمل تھا حضورؐ کی خدمت میں مدینہ میں حاضر ہوا۔ یہ لوگ نجاشی کے بھیجے ہوئے تھے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سورۃ یٰسین ان کے سامنے پڑھی وہ کلام الٰہی سن کر بے اختیار رو پڑے اور وقف گریہ و بکا ہو گئے۔ آنکھوں سے آنسو اور زبان پر ربنا اٰمنا (اے ہمارے رب ہم ایمان لے آئے) کے الفاظ جاری تھے[1]۔ ستّر کے ستّر مسلمان ہو گئے[2]۔ ساتویں پارے کی ابتدائی آیات انہی لوگوں کے حق میں نازل ہوئیں:۔

واذا سمعوا ما انزل الی الرسول تریٰ اعینھم تفیض من الدمع مما عرفوا من الحق۔ (پ المائدہ ۸۳)

ترجمہ: اور جب سنتے ہیں اسے جو اترا رسول پر تو دیکھے گا انہیں کہ ان کی آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے اس وجہ سے کہ انہوں نے حق کو پہچان لیا۔

تیسری حکایت

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے جنوں کو کچھ آسمانی خبریں معلوم ہو جاتی تھیں۔ جب حضورؐ پر وحی آنی شروع ہوئی تو وہ سلسلہ تقریباً بند ہو گیا۔ جنوں کو خیال ہوا کہ ضرور کوئی نیا واقعہ رونما

---

[1] فوائد القرآن للعلامۃ العثمانی ص ۱۹۵ [2] ازالۃ الشکوک للعلامہ رحمۃ اللہ الکیرانوی ثم المکی ص ۱۳۵ مطبوعہ مدراس

ہوا ہے جس کی وجہ سے آسمانی خبروں پر سخت پہرے بٹھلا دیئے گئے ہیں اس جستجو میں جنوں کے مختلف گروہ مشرق و مغرب میں پھیل گئے۔ ایک جماعت بطن نخلہ کی طرف سے گزری وہاں حضور پُرنور اپنے چند اصحاب کے ساتھ نماز فجر ادا کر رہے تھے۔ قرآن کی آواز ان جنوں نے سُنی اور وہ ان کو بہت عجیب مؤثر اور دلکش معلوم ہوئی اس کی عظمت اور ہیبت ان کے دلوں پر چھا گئی اور وہ قرآن کی آواز پر فریفتہ ہو کر اسی وقت ایمان لے آئے۔ اور اپنی قوم سے جا کر یہ سارا ماجرا بیان کیا۔

انا سمعنا قرآناً عجباً یھدی الی الرشد فاٰمنّا بہ (پ ۲۹ الجن)

ترجمہ: ہم نے سُنا ہے عجیب کلام جو نیک راہ سمجھاتا ہے سو ہم تو اس پر ایمان لے آئے ہیں۔

قرآن کی عجیب قوت تاثیر۔ شیریں بیانی اور حسنِ اسلوب نے ان کے لیے اسی وقت ہدایت کی راہیں کھول دیں۔ آئے تھے تجسّس کے لیے مگر اللہ تعالیٰ نے ایمان سے مالامال کر دیا۔ کس کی تاثیر تھی؟ قرآن کریم کی۔

چوتھی حکایت

مُلّا علی قوشجی ماوراء النہر کے ایک بہت بڑے عالم تھے ایک دفعہ وہ روم گئے اور وہاں کے ایک یہودی عالم سے صداقتِ اسلام پر گفتگو کی۔ ایک مہینے کے قریب ہر روز میں گفتگو جاری رہی مگر وہ یہودی قائل نہ ہوا۔ ایک دفعہ وہ یہودی گفتگو کے لیے ملّاجی کے پاس آرہا تھا۔ صبح کا وقت تھا اور ملّاجی قرآن پڑھ رہے تھے انہیں یہودی کے آنے کی کوئی خبر نہ تھی۔ وہ یہودی ٹھہر گیا اور بڑی توجہ سے قرآن سنتا رہا اس کے بعد وہ مُلّاجی کے پاس آیا اور کہنے لگا مجھے مسلمان بنا لو ملّاجی نے تعجب سے پوچھا کہ میری ایک ماہ کی گفتگو تو تم پر اثر نہ کر سکی اب فوراً کون سی چیز ہے جس نے تجھے متاثر کر دیا ہے۔ اس یہودی نے جواب دیا کہ میں نے عمر بھر تجھ سا کوئی بدآواز نہیں دیکھا مگر اس کے باوجود آج صبح جب تم قرآن پڑھ رہے تھے میں چپکے سے اُسے سُن رہا تھا تو اس نے میرے دل پر ایک عجیب اثر کیا۔ مجھے معلوم ہوا کہ یہ کلام الٰہی ہے اور میں مسلمان ہو گیا۔ [1]

---

[1] اس واقعہ کو قاضی نور اللہ شوستری دفین آگرہ نے اپنی تفسیر میں اور علامہ رحمۃ اللہ کیرانوی نے ازالۃ الشکوک میں نقل کیا ہے۔

پانچویں حکایت

حضرت جبیر بن مطعمؓ کہتے ہیں کہ اسلام قبول کرنے سے ایک دن پہلے میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو نمازِ مغرب میں سورۂ طور پڑھتے ہوئے سُنا جب میں نے یہ آیات سُنیں تو میرا دل میرے اختیار میں نہ رہا۔ قرآن کی یہ عجیب و غریب تاثیر میرے ایمان لانے کا سبب ہو گئی۔ وہ آیاتِ مبارکہ یہ تھیں:-

ام خلقوا من غیر شیء ام هم الخالقون ام خلقوا السموات والارض بل لا یوقنون ام عندهم خزائن ربك ام هم المصیطرون۔ (پ۲۷ طور ۳۵)

ترجمہ۔ کیا وہ بن گئے ہیں آپ ہی آپ یا وہی ہیں بنانے والے۔ کیا انہوں نے ہی آسمان اور زمین بنائے ہیں۔ کوئی نہیں پر وہ یقین نہیں کرتے۔ کیا ان کے پاس ہیں خزانے تیرے رب کے یا وہی ہیں ان کا پہرہ دینے والے۔

چھٹی حکایت

حضرت عمرؓ اسلام قبول کرنے سے پہلے کفر کی ایک بڑی طاقت تھے۔ حضورؐ کی مسلسل دُعا تھی کہ اللہ تعالیٰ ان کے ذریعے اسلام کو غلبہ دے۔ آپؓ ایک دفعہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو شہید کرنے کے ارادہ سے گھر سے نکلے۔ رستے میں کسی نے بتایا کہ پہلے اپنے گھر کی خبر لو۔ تمہاری بہن اور بہنوئی دونوں مسلمان ہو چکے ہیں۔ حضرت عمرؓ اس غصے میں اپنی بہن کے گھر گئے وہ قرآن کریم کی تلاوت کر رہی تھیں۔ بھائی کو دیکھ کر انہوں نے جلدی سے وہ اوراق کہیں رکھ دیئے۔ آپ نے کہا پڑھو تم کیا پڑھ رہی تھی۔ بہن نے اوراق کھولے اور سورۃ طٰہٰ کی ابتدائی آیات کی تلاوت کی:-

طٰهٰ ما انزلنا علیك القرآن لتشقیٰ الا تذکرۃ لمن یخشیٰ تنزیلا ممن خلق الارض والسموات العلیٰ۔ (پ۱۶ طٰہٰ)

ترجمہ۔ طٰہٰ ہم نے قرآن آپ پر اس لیے تو نہیں اُتارا کہ آپ سختیاں دیکھیں مگر یہ نصیحت ہے اس کے لیے جو (خدا سے) ڈرتا ہو۔ اُتارا ہوا ہے اس کا جس نے زمین بنائی اور آسمان اُونچے بنائے۔

حضرت عمرؓ پر ان آیات کا ایسا اثر ہوا کہ تاریخ ایک نئے موڑ پہ آگئی۔ حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور جو شکار کرنے نکلے تھے خود شکار ہو گئے۔ مرادِ رسول جن کے لیے آپؐ مدت سے دعائیں کر رہے تھے اب آپ کے قدموں میں تھی۔ آپ کا اسلام لانا قرآن کی عجب شان تاثیر کا ایک بڑا نشان ہے۔

ساتویں حکایت

حضرت عثمان بن مظعونؓ کہتے ہیں کہ میں اسلام کے بارے میں متردد تھا دل اسے قبول کرنے کے لیے آمادہ نہ ہوتا تھا یہاں تک کہ سورۂ نحل کی یہ آیت نازل ہوئی:۔

ان اللہ یامر بالعدل والاحسان وایتاء ذی القربیٰ وینہیٰ عن الفحشاء والمنکر والبغی یعظکم لعلکم تذکرون۔ (پ۱۴ النحل ۹۰)

ترجمہ۔ بے شک اللہ تعالیٰ حکم دیتے ہیں عدل و احسان کا۔ اہلِ قرابت کو دینے کا اور روکتے ہیں بے حیائی سے۔ بُرائی سے اور سرکشی سے۔ نصیحت کرتے ہیں تاکہ تم یاد رکھو۔

یہ آیات سُنتے ہی اسلام میرے دل میں اُتر گیا اور میں حضورؐ کی خدمت میں جا کر مسلمان ہو گیا پھر میں نے اس آیت کو ولید بن مغیرہ کے سامنے پڑھا اس نے سن کر کہا اے میرے بھتیجے! پھر پڑھ میں نے پھر پڑھی۔ اس نے کہا:۔

واللہ انّ لہ لحلاوۃً وان علیہ لطلاوۃً وانّ اعلاہ لمثمر وانّ اسفلہ لمغدق وماھو بقول البشر وان یعلوا ولا یعلیٰ۔

ترجمہ۔ بخدا یہ کلام بڑا میٹھا ہے اور بے شک اس پہ تازگی ہے اس کا اُوپر کا حصہ پھلدار ہے اور نچلا سیراب کرنے والا ہے اور نہیں یہ کسی انسان کا کلام۔ یہ غالب ہو کر رہے گا اور کبھی مغلوب نہ ہوگا۔

عرب کا مشہور حکیم اکثم بن صیفی بھی اس آیت کی فصاحت اور بلاغت سے متاثر ہو کر مسلمان ہوا تھا۔ یہ آیت باوجود کمال اختصار کے عقائد و اعمال اور اخلاق دین کی ہر نوع کو شامل ہے۔ حضرت

عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ خدا تعالیٰ نے ہر ایک خیر و شر کے بیان کو اس آیت میں اکٹھا کر دیا ہے گویا کوئی عقیدہ خلق، نیت، عمل، معاملہ اچھا یا بُرا ایسا نہیں جو امرًا و نہیًا اس کے تحت میں داخل نہ ہو گیا ہو۔ بعض علماء نے لکھا ہے کہ قرآن میں اگر کوئی دوسری آیت نہ ہوتی تو تنہا یہی آیت تبیاناً لکل شیٔ کا ثبوت دینے کے لیے کافی تھی۔

آٹھویں حکایت

ابُو عبید لغوی کہتا ہے کہ ایک اعرابی نے ایک شخص کو یہ آیت پڑھتے ہوئے سُنا ۔

فاصدع بما تؤمر۔ (پ۱۴ الحجر ۹۴) تو سُنا دے کھول کر جو تجھ کو حکم ہوا ہے۔

وہ یہ آیت سُنتے ہی سجدے میں گر گیا جب اس سے پُوچھا کہ تم نے سجدہ کیسے کیا اس نے کہا " اس کلام کی فصاحت کو "

قدر زر زرگر بداند قدر جوہر جوہری

حقیقت شناس لوگ اس کی حقیقتوں پر مطلع ہوئے اہل دانش اس کے معنی و مطالب سے متأثر ہوئے اور اہل ادب و عربیت نے اس کی فصاحت و بلاغت کے آگے گھٹنے ٹیکے۔ خدا کو سجدہ انہوں نے بعد میں کیا۔ پہلے وہ اس کلام کے آگے سجدہ ریز ہوئے۔

نویں حکایت

عتبہ بن ربیعہ ایک دن قریش کی مجلس میں بیٹھا تھا کہ اس نے حضورؐ کو ایک گوشے میں تنہا بیٹھے پایا۔ عتبہ نے اپنی قوم کو کہا کہ میں ابھی اس شخص کے پاس جاتا ہوں اور اسے مال و دولت کا لالچ دے کر اسے اس نئی تحریک سے روکتا ہوں۔ وہ حضرت کے پاس آیا اور مال و دولت کی پیشکش کی۔ حضرتؐ نے فرمایا کہ پہلے میں جو کچھ کہوں وہ سُنو۔ اس کے بعد اپنی کہنا۔ اس کے بعد حضورؐ نے سورۃ حم سجدہ (پ۲۴) کی تلاوت شروع کی۔ عتبہ سُنتے ہی حیرت زدہ اور مدہوش ہو گیا اور حضورؐ کی خدمت میں عرض کی کہ آپ اپنے کام میں مشغول رہیں اور کسی سے نہ ڈریں۔ مگر افسوس کہ برادری کے تعلق نے اسے اسلام قبول کرنے کی توفیق نہ دی۔ تاہم اس نے اپنی قوم کو آ کر کہا :-

بخدا میں نے وہ کلام سُنا کہ دنیا کبھی نہ سُنا تھا بخدا وہ شعر نہیں اور نہ کہانت ہے۔ اے گروہِ قریش! تم اس کو اس کے کام سے نہ روکو۔ بخدا اس کلام کو بڑی شان ہوگی اور تم جانتے ہو کہ وہ جو کچھ تمہارے بارے میں کہتا ہے جھوٹ نہیں کہتا اور جو دعا کرتا ہے وہ ردّ نہیں ہوتی۔ اب خوف یہ ہے کہ کہیں تم پر عذاب نہ آجائے۔

یہ بات وہ اپنی صف سے کہہ رہا ہے سو یہ کوئی جانبدارانہ شہادت نہیں ہے۔

دسویں حکایت

ابن مقنع جو اپنے وقت کا ایک بڑا بلند پایہ ادیب گزرا ہے اس نے دعویٰ کیا کہ قرآن بے شک فصاحت اور بلاغت کی انتہا پر ہے لیکن میں بھی اس طرز کا کلام لکھ سکتا ہوں اس نے اپنی کافی عمر اسی خیالِ خام میں ضائع کی اور اپنے خیال میں کچھ اس طرز پر لکھا بھی۔ ایک روز اُسے ایک مکتب کے پاس سے گزرنے کا اتفاق ہوا۔ وہاں ایک لڑکا سورۂ ہود کی یہ آیتِ مبارکہ پڑھ رہا تھا۔

وقیل یا ارض ابلعی ویا سماء اقلعی وغیض الماء وقضی الامر واستوت علی الجودی وقیل بعداً للقوم الظالمین۔ (پ۱۲ ہود ۴۴)

ترجمہ۔ اور حکم آیا اے زمین نگل جا اپنا پانی اور اے آسمان تھم جا اور سکھا دیا گیا پانی اور ہو چکا کام اور کشتی جودی پہاڑ پر جا ٹھہری۔ اور حکم ہوا دُوری ہے ظالم قوم کے لیے۔

ابن مقنع سُنتے ہی حیرت زدہ اور مدہوش ہوگیا اور گھر آکر اپنے سب لکھے کو مٹا دیا اور قسم کھا کر کہا کہ اس کلام کا کوئی معارضہ نہیں کر سکتا اور یہ کسی انسان کا کلام نہیں ——— من الشیخ رحمۃ اللہ قدس سرہ ——— اس آیت کی وجوہ فصاحت میں سے بعض وجوہ علامہ زمخشری نے کشاف میں اور قاضی بیضاوی نے اپنی تفسیر میں خوب بیان کیے ہیں۔

پھر جب یہ کام ہو چکا اور حضرت نوح علیہ السلام کو کشتی سے اُترنے کا حکم ہوا اور اللہ تعالیٰ نے

اپنی طرف سے عام سلامتی کی خبر دی کہ اب ساری نوعِ انسانی پر قیامت سے پہلے ایسی عام ہلاکت نہ آئے گی تو اس موقع پر قرآن کا پیرایہ بیان دیکھیئے :۔

قیل یانوح اهبط بسلام منا وبرکات علیك وعلیٰ امم ممن معك وامم سنمتعهم ثم یمسّهم منا عذاب الیم۔ (پ۱۲ ہود ۴۸)

ترجمہ۔ حکم ہوا اے نوح اُتر سلامتی کے ساتھ ہماری طرف اور برکتوں کے ساتھ۔ تجھ پر اور ان قوموں پر جو تیرے ساتھ رہیں اور ایسی قومیں بھی ہوں گی جنہیں ہم کچھ وقت تک متاع دیں گے پھر انہیں پہنچے گا ہماری طرف سے عذاب دردناک۔

ان عربی الفاظ کو پڑھیئے اور الفاظ کی شکوہ اور صولت پر غور کیجیے۔ اوّل تو ان کا پڑھنا بھی خاصی ہمت سے ہوتا ہے اور پڑھ بھی لے تو پڑھنے والے ان الفاظ میں کھو کر رہ جاتے ہیں۔

آنحضرتؐ پر قرآن کا اثر

قرآن کریم باوجودیکہ حضورؐ پر اُترا لیکن آپ پر بھی اس کے ایسے اثرات ہوتے تھے کہ آپ کبھی بے اختیار ہو جاتے اور اسے بار بار پڑھ کر ایک عجیب کیف محسوس فرماتے۔ حضرت ابوذر غفاریؓ کہتے ہیں کہ ایک رات آنحضرتؐ نماز کے لیے اُٹھے اور آپ نے ایک ہی آیت پر صبح کر دی۔ آپ اسے بار بار پڑھتے تھے اور اسی طرح صبح ہوتی چلی گئی۔ وہ آیت یہ تھی۔

ان تعذبهم فانهم عبادك وان تغفرلهم فانك انت العزیز الحکیم۔

(پ۷ الانعام ۱۱۸)

ایک دفعہ آپ نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے فرمایا کہ مجھے قرآن سناؤ انہوں نے عرض کی کہ حضرت آپ مجھ سے کیا سُنیں گے یہ تو آپ پر نازل ہوا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ میں اسے دوسرے سے سُننا چاہتا ہوں۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے سورت نساء پڑھنی شروع کی۔ جب اس آیت پر پہنچے۔ فکیف اذا جئنا من کل امّة بشهید وجئنا بك علیٰ هؤلاء شهیدا تو حضور اکرمؐ پر عجیب کیفیت طاری ہوگئی۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کہتے ہیں کہ میں نے سر اُٹھایا تو کیا دیکھتا ہوں

کہ آپ کے آنسو بہہ رہے ہیں[1]

یہ قرآن پاک کے نفسیاتی اور طبعی اثرات کا بیان تھا یہ چند حکایتیں بطور نمونہ مشتے از خروارے ہیں۔ ورنہ تاثیرِ قرآن کے اتنے واقعات اور عجائب وغرائب ہیں کہ اس مختصر مضمون میں اُن کی گنجائش نہیں۔

ان کے علاوہ قرآن کریم کے کچھ ایسے باطنی آثار بھی محسوس کیے گئے ہیں، معلوم ہوا کہ یہ کلام بہت قلبی امراض کی طرح بہت سے بدنی امراض کے لیے بھی عجیب نسخہ شفا ہے۔

وننزل من القرآن ما هو شفاء و رحمة للمومنين۔ (پ۱۵ بنی اسرائیل ۸۲)

ترجمہ۔ اور ہم اتارتے ہیں قرآن میں وہ جس سے کئی روگ دفع ہوں اور رحمت ایمان والوں کے لیے۔

قرآن کریم کا نسخہ شفا ہونا گو اصالۃً روحانی بیماریوں کے لیے ہے لیکن ضمنی طور پر اس کے آثار بدنی صحت کا بھی بارہا سبب ہوتے ہیں۔ ایسے اثرات قرآن پاک کے عجیب اسرار ہیں۔

شیخ الاسلامؒ لکھتے ہیں:۔

قرآن کی آیات سے جو بتدریج اترتی رہتی ہیں روحانی بیماریاں دُور ہوتی ہیں۔ دلوں سے عقائد باطلہ اخلاقِ ذمیمہ اور شکوک وشبہات کے روگ مٹ کر صحت باطنی حاصل ہوتی ہے بلکہ بسا اوقات اس کی مبارک تاثیر سے بدنی صحت بھی حاصل کی جاتی ہے جیسا کہ روح المعانی اور زاد المعاد وغیرہ میں اس کا فلسفہ اور تجربہ بیان کیا گیا ہے۔[2]

تاثیر القرآن کی اس فصل کو ہم علاج بالقرآن کے نام سے ایک مستقل عنوان کے تحت ذکر کریں گے۔ یہاں ہم صرف اس کے چند آثار اعمال القرآن کے نام سے ذکر کرتے ہیں۔ یہ مستقل مضمون انشاء اللہ العزیز دوسری جلد میں آئے گا۔

---

[1] صحیح مسلم جلد ۱ صـ۲۷۰ دہلی [2] فوائد القرآن صـ۳۸۴

اعمال القرآن

حضرت ابو سعید خدریؓ کہتے ہیں کہ صحابہ کرامؓ میں سے کچھ حضرات کسی عرب قبیلہ کے پاس سے گزرے۔ اتفاق سے قبیلے کے سردار کو سانپ نے ڈس لیا۔ قبیلے والوں نے صحابہ کرامؓ سے پوچھا کیا تم میں سے کوئی اس کا دم جانتا ہے اس پر ایک صحابی نے سورتِ فاتحہ پڑھ کر دم کیا اور اپنا لعاب دہن زخم پر لگایا اسے شفا ہوگئی۔ پھر انہوں نے یہ سارا واقعہ حضورؐ کی خدمت میں پیش کیا اور حضورؐ کی اجازت سے بکریوں کی صورت میں اس کا ہدیہ بھی قبول فرمایا۔[1]

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا :-

اذا رای احدکم شیئاً یکرہ فلینفث حین یستیقظ ثلٰث مرات ویتعوذ من شرھا فانھا لا تضرہ۔[2]

ترجمہ۔ جب تم میں سے کوئی برا خواب دیکھے تو جاگتے وقت تین دفعہ دم کرلے اور اس کے شر سے پناہ مانگے اس صورت میں وہ خواب اسے ضرر نہیں دیگا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کہتی ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو جب کوئی تکلیف ہوتی تو آپ اپنے اوپر قرآن کی سورتیں قل اعوذ برب الفلق اور قل اعوذ برب النّاس پڑھ کر دم کرلیا کرتے تھے۔[3]

حضرت ابوبکر صدیقؓ نے ایک عورت کو جو حضرت عائشہ صدیقہؓ کو دم کررہی تھی فرمایا :-

ارقیھا بکتاب اللہ۔[4]

ترجمہ۔ اسے قرآن کے ساتھ دم کرو۔

محدث جلیل علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ (۸۵۵ ھ) فرماتے ہیں کہ جو دم اسمائے الٰہی اور اس کی صفات کے بغیر ہوں وہ مکروہ ہیں۔ دم اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ کلام کے ساتھ ہونا چاہیئے۔ دم کی قطعیت کا یقین بھی مکروہ ہے جب تک اللہ تعالیٰ نہ چاہیں اس میں تاثیر نہیں آسکتی جن

---

[1] بخاری جلد ۲ ص ۸۵۴ [2] بخاری جلد ۲ ص ۸۵۵ [3] بخاری جلد ۲ ص ۸۵۷ [4] موطا امام مالک ص

احادیث میں دم نہ کرنے کی مدح کی گئی ہے ان میں وہی دم مراد ہیں جو کتاب اللہ کے بغیر ہوں اور ان کی تاثیر قطعی یقین کی جائے۔ دم کی وجہ سے ظاہری علاج میں سستی نہ آنی چاہیئے۔

قرآن پاک کی آیات اور سورتوں کے اسرار شفا انہی لوگوں پہ کھلتے ہیں جو انہیں اُن کے مخصوص طریق سے اس کے مناسب اوقات میں عمل کے لیے پڑھتے ہیں۔ ان اعمال کی کچھ شرائط ہوتی ہیں جو تجربہ کاروں سے ہی معلوم ہو سکتی ہیں۔ حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اعمالِ قرآنی کے نام سے ایک مستقل کتاب ترتیب دی ہے جس کے ٹائیٹل پر لکھا ہے فیہ شفاء للناس۔

پیشِ نظر رہے کہ آیاتِ قرآن سے یہ حصول شفا قرآن پاک کی برکات میں سے ہے لیکن یہ برکت قرآن پاک کے مقاصد اور حقوق میں سے نہیں۔ قرآن کریم کا پیغام معاش و معاد کی اصلاح و فلاح دارین ہے۔ قرآن کریم کے جن حقوق کے بارے میں ہم سے آخرت میں سوال ہوگا یہ تبرک اور روحانی تاثیرات ان کا جزو نہیں۔ علامہ اقبال نے اس ذہن کی یوں نشاندہی کی تھی ؎

با آیاتش ترا کارے جز ایں نیست   کہ از یٰسین او آساں بمیری

اس میں شک نہیں کہ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ نزع کے وقت سورت یٰسین کی تلاوت کی جائے۔ علامہ اقبال یہ سمجھانا چاہتے ہیں کہ ان خاص مواقع کی تلاوت نزول قرآن کا بنیادی موضوع نہیں محض برکت اور تبرک ہے۔ قرآن پاک کے حقوق جن کے بارے میں مسلمان آخرت میں مسئول ہوں گے۔ وہ یہ ہیں :-

(۱) — قرآن کریم کی تصدیق

اسے دل سے ارشادِ الٰہی یقین کرنا اور زبان سے اس کا اقرار

(۲) — قرآن کریم کا ادب و احترام

اسے رکھنے، لکھنے، چھونے، پڑھنے اور دیکھنے میں اس کی تعظیم و تکریم اور اکرام و اجلال۔

(۳) — قرآن کریم میں تذکر و تدبر

لہ ھم الذین لا یتطیرون ولا یسترقون ولا یکتوون علی ربھم یتوکلون۔ بخاری جلد ۲ صفحہ ۸۵۶

کتاب ہدایت میں غور اور فکر کر کے زندگی کی راہیں دریافت کرنا۔

④ قرآن کریم کے احکام پر عمل

عمل بالقرآن سے اپنے اخلاق و معاشرے کی اصلاح اور آخرت کی فلاح حاصل کرنا۔

⑤ قرآن کریم کی تبلیغ و تبیین

اسے آگے پہنچانا اور اس کی مرادات کو کھولنا۔

قرآن کریم کے ارشادات اور رسالت مآب کی تعلیمات میں کہیں یہ منقول نہیں کہ یہ اعمال و تاثیرات بھی قرآن کریم کے مقاصد میں شامل ہیں۔ ہاں اخیار امت نے عملاً ان کے بہت سے ثمرات دیکھے ہیں اور قرآن کی ان روحانی تاثیرات سے انکار ممکن نہیں۔ ہاں قرآن کریم کے مقاصد اور ہیں وہی قرآن پاک کے حقوق ہیں جو مسلمانوں پر عائد ہوتے ہیں اور ان کی تعمیل نے ہی قرآن کریم کو ایک انقلاب آفریں کتاب ثابت کیا تھا۔

اگلی جلد میں ہم مغرب کے چند غیر مسلم مستشرقین کی آراء پیش کریں گے جو ان کے نقطۂ نظر سے قرآن کریم کی عظمت و جامعیت کا اقرار واضح ہے۔

سہ ومليحة شهدت لها ضرّاتها
والفضل ما شهدت به الاعداء

تم الجلد الاوّل ويتلوه الثاني ان شاء الله العزيز واوّله ایک قرآن

ایک قرآن

صحابہؓ اور ائمہ اہلبیت کا ایک قرآن

الحمد للہ وسلامٌ علی عبادہ الذین اصطفیٰ اما بعد:

اسلام کی پہلی تین صدیاں صحتِ قرآن اور اس کی وحدت میں ہر اختلاف سے خالی ہیں۔ تیسری صدی کے آخر یا چوتھی صدی کے شروع میں بعض یہود شیعی علماء کے لباس میں سامنے آئے اور انہوں نے قرآن کریم کو مابہ الاختلاف بنانے کے لیے ائمہ کے نام سے ایسی روایات گھڑیں کہ اس قرآن میں بہت کمی کی گئی ہے اور اس کا بہت سا حصہ ضائع ہو گیا ہے۔ نیز یہ کہ حضرت علیؓ نے جو قرآن جمع کیا تھا وہ ترتیبِ نزول کے مطابق تھا یہ نہ تھا۔ (معاذ اللہ)

قرآن کو اختلافی بنانے کی یہ سازش یہودیوں نے کی تھی افسوس یہ کہ بعض شیعہ علماء بھی اس رَو میں بہہ گئے۔ اس اختلاف کو حضرت علیؓ سے شروع کرنا درست نہیں۔ تاریخ اس مفروضے کا ساتھ نہیں دیتی یہ صحیح ہے کہ سیدنا حضرت علیؓ اور حضرت معاویہؓ کے مابین اختلاف ہوا۔ اس سے پہلے حضرت علی المرتضیٰؓ کا خلفاء ثلثہ سے کوئی اختلاف نہ ہوا تھا۔ صحابہؓ میں یہ پہلا اختلاف تھا جو حضرت علی المرتضیٰؓ اور حضرت معاویہؓ میں ہوا۔ اس وقت تک سب صحابہؓ ایک تھے اور سب ایک ہی قرآن رکھتے تھے اور اسے اسی ترتیب سے نمازوں میں پڑھتے تھے۔ حضرت علیؓ اور حضرت معاویہؓ کا قرآن ایک تھا اور اس ایک قرآن کے سامنے لانے پر ہی جنگ صفین ختم ہوئی تھی۔ اگر دونوں کا قرآن علیحدہ علیحدہ ہوتا تو دونوں کسی ایک قرآن کے سامنے جنگ سے کیوں رُک گئے تھے۔

حضرت علی المرتضیٰؓ اور حضرت معاویہؓ کا ایک قرآن

(۱) جنگ صفین میں جب اہل شام نے بانسوں پر قرآن باندھ کر انہیں بلند کیا اور حضرت علیؓ نے اپنی فوجوں کو جنگ روکنے کا حکم دیا کہ میں قرآن کا مقابلہ کرنے کے لیے راضی نہیں تو یہ تبھی ہو سکتا ہے کہ فریقین کا ایک قرآن ہو۔ اگر دونوں فریق ایک قرآن کو ماننے والے نہ تھے تو ایک قرآن سامنے لانے پر

اس طرح جنگ کیسے ختم ہو سکتی تھی۔

(۲) پھر فریقین میں جب تحکیم پر بات پہنچی کہ دونوں فریقین اپنے اپنے حکم تجویز کریں اور وہ دونوں مل کر مابہ النزاع کا فیصلہ کریں، حضرت علی المرتضیٰؓ نے حضرت ابوموسیٰ الاشعریؓ کو پیش کیا تھا اور حضرت معاویہؓ نے فاتح مصر حضرت عمرو بن العاصؓ کا نام پیش کیا تھا تو دونوں پر یہ پابندی عائد کی گئی تھی کہ وہ قرآن کے مطابق فیصلہ کریں تو اگر دونوں کے ہاں قرآن ایک نہ تھا تو یہ تحکیم کیسے واقع ہوئی ہوگی۔ پھر جب خوارج حضرت علیؓ کے خلاف ہو گئے تھے کہ انہوں نے انسانوں کا فیصلہ کیوں اپنے اوپر لاگو کرنے کا اقرار کر لیا۔ تو آپ نے فرمایا:-

انا لم نحکم الرجال وانما حکمنا القرآن وھذا القرآن انما ھو خط مسطور بین الدفتین۔[1]

ترجمہ ہم نے انسانوں کو حکم نہیں بنایا ہم نے قرآن کو حکم مانا ہے اور یہ قرآن مسطور میں لکھا ہوا ہے۔

(۳) حضرت علی المرتضیٰؓ ایک خطبہ میں اپنے اور حضرت معاویہؓ کے اختلاف کا جائزہ لیتے ہوئے یوں فرماتے ہیں:-

ان ربنا واحد ونبینا واحد ودعوتنا فی الاسلام واحدۃ۔[2]

ترجمہ ہم دونوں کا رب ایک ہے اور ہم دونوں کے نبی بھی ایک ہیں اور ہماری دعوت فی الاسلام بھی ایک ہی ہے۔

دعوت فی الاسلام کا پہلا ماخذ قرآن کریم ہے سو وہ ایک ہی ہے جس پر ہم دونوں متفق ہیں معلوم ہوا کہ اس وقت تک سب مسلمانوں کے پاس باہم سیاسی اختلافات کے باوجود ایک ہی قرآن تھا کسی فریق کے پاس قرآن کا کوئی متبادل نسخہ نہ تھا۔

اس کی تصدیق ڈاکٹر اقبال مرحوم سابق پرنسپل اورینٹل کالج لاہور کی ایک شہادت سے بھی ہوتی ہے۔ آپ نے اپنے سفر ایران میں مشہد کے کتب خانہ میں حضرت علیؓ کے ہاتھ کا لکھا ہوا قرآن پاک دیکھا جو بعینہٖ اسی ترتیب پر تھا جو اس وقت ہمارے سامنے موجود ہے۔ ڈاکٹر صاحب مرحوم کی یہ رپورٹ کالج میگزین کے ۱۹۳۵ء کے شمارہ میں شائع ہوئی تھی۔

---

[1] نہج البلاغۃ جلد ۱ ص ۔ [2] ایضاً جلد ۲ ص ۱۱۴

حضرت علیؓ کی اولاد کا موقف

حضرت امام حسن اور حسین رضی اللہ عنہما نے جب حضرت معاویہؓ سے صلح کی تو اس میں ان حضرات نے یہ شرط رکھی تھی کہ حضرت معاویہؓ مسلمانوں میں کتاب اللہ کے مطابق معاملہ کریں گے۔ اس سے واضح ہوتا ہے دونوں کے ہاں (حضرت امام حسنؓ اور حضرت امیر معاویہؓ کے ہاں) ایک ہی قرآن تھا۔ حضرت حسن اور حسین رضی اللہ عنہما اگر کسی اور نسخہ قرآن کے مدعی ہوتے جو ترتیب نزول پر لکھا گیا ہوتا تو وہ امیر معاویہؓ کو کس طرح اس پیرایہ میں کتاب اللہ کا پابند کر سکتے تھے یہ اسی طرح ہو سکتا ہے کہ ان کے پاس بھی وہی قرآن ہو جو ان کے پاس تھا۔ یہ حالات کھلے طور پر بتلاتے ہیں کہ اس وقت تک امت میں قرآن کی قرآنیت اور اس کی ترتیب کبھی زیر بحث نہ آئی تھی۔ تیسری صدی ہجری تک ہم امت میں قرآن کریم کے بارے میں کوئی اختلاف نہیں دیکھتے۔

حضرت علی بن الحسین امام زین العابدینؒ

حضرت امام زین العابدینؒ سانحہ کربلا کے بعد جب مدینہ منورہ رہے تو روایت حدیث میں آپ دوسرے علماء امت کے ساتھ برابر کے شریک رہے۔ مسجد نبوی میں جب ان کی آمد ہوتی تو محدثین کی ایک پوری جماعت ان سے روایت لیتی اور ان سے استفادہ کرتی۔

روایت حدیث میں یہ اشتراک تبھی ہو سکتا ہے کہ دونوں ایک قرآن پر پہلے سے متفق ہوں اگر حضرت علی بن الحسین زین العابدین کسی اور قرآن کے مدعی ہوتے تو اہل سنت کے ساتھ یہ اشتراک فی الحدیث کیسے ہو سکتا تھا۔

حضرت امام محمد باقرؒ (۱۱۴ھ)

حضرت علی بن الحسینؒ کے بیٹے امام محمد باقرؒ اپنے وقت کی ممتاز علمی شخصیت ہیں۔ آپ کے سامنے بڑے بڑے علماء نے زانوئے تلمذ طے کیا۔ ان میں حضرت امام اعظم ابو حنیفہؒ (۱۵۰ھ) اور حضرت امام مالکؒ (۱۷۹ھ) بھی تھے۔ حضرت امام مالکؒ کی کتاب مؤطا حدیث کی پہلی باقاعدہ مدون کتاب ہے

اس کی ایک دو سندیں ملاحظہ فرمائیں۔ ان حضرات کا سلسلہ حدیث میں یہ اشتراک بتاتا ہے کہ ان میں اس وقت (اس موجودہ قرآن کے سوا) کسی اور قرآن کا تصور تک نہ تھا۔

مالک عن جعفر بن محمد عن ابیہ ان علی بن ابی طالب کان یقول
ما استیسر من الھدی شاۃ۔[1]

عن علی بن الحسین عن ابیہ حسین بن علی عن علی بن ابی طالب۔ صحیح بخاری جلد ۱ صـ۳۱۹ اخبرنی علی بن الحسین بخاری جلد ۱ صـ۱۵۲ آل ابی بکر و آل عمر و آل علی و ابن سیرین جلد ۱ صـ۲۱۳ عن جعفر بن محمد عن ابیہ عن جابر۔ سنن ابی داؤد جلد ۲ صـ۱۹۷ ان علی بن الحسین حدثہ انھم حسین قدموا المدینۃ جلد ۱ صـ۲۸۳ حدثنا یحیی عن جعفر بن محمد عن ابیہ سنن نسائی جلد ۱ صـ۴۰ حدثنا جعفر بن محمد عن ابیہ ترمذی جلد ۱ صـ۱۶

حضرت امام مالکؒ کے شاگردوں میں امام شافعیؒ (۲۰۴ھ) اور امام شافعیؒ کے شاگردوں میں حضرت امام احمد بن حنبلؒ (۲۴۱ھ) اور پھر ان کے شاگردوں میں امام بخاریؒ (۲۵۶ھ) کو لیجیے ان کی کتابوں میں بھی آپ حضرت امام محمد باقرؒ اور حضرت امام جعفر صادقؒ (۱۴۸ھ) کی روایات برابر دیکھیں گے امام بخاری اور امام مسلم کے شاگردوں میں پھر امام نسائی (۳۰۳ھ) اور امام ترمذی (۲۷۹ھ) آتے ہیں ان کے ہاں بھی ان ائمہ اہلبیت کی روایات دوسرے محدثین کے ساتھ مخلوط ملیں گی۔ ان حضرات سے یہ علمی اشتراک بتاتا ہے کہ ان کے مابین اسلام کے پہلے علمی ماخذ قرآن کریم کے بارے میں ہرگز کوئی اختلاف نہ تھا اور سب محدثین کا قرآن ایک تھا۔

قرآن کریم میں تھوڑی کمی بیشی کی پہلی آواز

امت مسلمہ میں اختلاف قرأت اور ناسخ و منسوخ کے کئی اختلاف تو بے شک رہے لیکن موجودہ قرآن میں کسی نے کسی قسم کی تحریف کا دعوے نہ کیا تھا نہ قرآن پاک کے بارے میں یہ آواز کہیں سُنی گئی تھی کہ اس میں تھوڑی کمی بیشی ہوئی ہے۔

قرآن کے خلاف یہ ناموس صدا یہودیوں کی ایک سازش ہے کوئی مسلمان اس کا ہمنوا نہیں ہو سکتا۔ سب سے پہلے یہ آواز چوتھی صدی میں ہم علی بن ابراہیم القمی (۳۰۷ھ) اور محمد بن یعقوب الکلینی (۳۲۸ھ)

---

[1] موطا امام مالک صـ۱۴۷

سنتے ہیں علی بن ابراہیم القمی اپنی تفسیر میں جگہ جگہ تحریف کی نشاندہی کرتے ہیں اور ان کے شاگرد علامہ کلینی بھی تھوک پیمانے پر قرآن کریم میں کمی بیشی کی روایات لاتے ہیں اور ہم اس پر اظہار افسوس کیے بغیر نہیں رہ سکتے کہ وہ اس نئے درآمد کردہ عقیدے کا سارا بوجھ امام باقرؒ اور امام جعفر صادقؒ پر ڈالتے ہیں۔ حالانکہ ائمہ اہلبیت میں سے کوئی بھی تحریف قرآن کا قائل نہ تھا اور یہ حضرات اہل السنۃ والجماعۃ سے ہرگز کسی اعتقادی فاصلے پر نہ تھے۔

اب قمی اور کلینی کی تحریفِ قرآن کی ان روایات کی بنا پر کل شیعہ آبادی کو تحریفِ قرآن کا معتقد ٹھہرانا درست نہیں۔ اثنا عشری اپنے کو جن بارہ اماموں کی طرف منسوب کرتے ہیں ان میں کوئی قرآن پاک میں کسی قسم کی تحریف اور تبدیل کا قائل نہ تھا اور ائمہ اہلبیت کے گرد جو علمی حلقہ تھا ان میں بہت سے ایسے رواتِ حدیث بھی ہوتے تھے جو ان حضرات کے لیے کسی آسمانی امامت کا عقیدہ نہ رکھتے تھے۔ جس طرح وہ امام ابو حنیفہؒ امام ابو یوسفؒ امام مالکؒ اور امام اوزاعیؒ کو علمی پذیرائی دیتے تھے۔ ملا محمد باقر مجلسی (۱۱۱۱ھ) لکھتا ہے:۔

> از احادیث ظاہر مے شود کہ جمعے از راویاں کہ در اعصار ائمہ بودہ اند از شیعاں اعتقاد بعصمت ایشاں نداشتہ اند بلکہ ایشاں را از علمائے نیکوکار مے دانستہ اند چنانکہ از رجال کشی ظاہر مے شود و مع ذلک ائمہ حکم بایمان بلکہ عدالت ایشاں مے کردہ اند [1]

ترجمہ۔ احادیث سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ ائمہ کرام کے اپنے زمانوں کے شیعہ راویوں کی جمعیت ان ائمہ کے معصوم ہونے کا عقیدہ نہ رکھتی تھی اور انہیں علمائے نیکوکار ہی سمجھا جاتا تھا جیساکہ رجال کشی سے ظاہر ہوتا ہے لیکن ان عقائد کے باوجود یہ ائمہ اطہار ان لوگوں کو نہ صرف مومن سمجھتے تھے بلکہ انہیں شاہد عدل بھی قرار دیتے تھے۔

قاضی نور اللہ شوستری بھی لکھتا ہے:۔

> اکثر اہل آں زماں را اعتقاد آں بود کہ امامت حضرت امیر علیہ السلام مبنی بر اعامت ایشاں است [2]

---

[1] حق الیقین صفحہ ۳۲۸ لکھنؤ صفحہ ۵۵۰ ایران [2] مجالس المومنین صفحہ ۲۴

محمد بن یعقوب کلینی نے گو ایک ذخیرہ حدیث علیحدہ جمع کیا تاہم اس میں بھی ائمہ اہلبیت کا دوسرے ائمہ علم سے عام ملنا جلنا مذکور ہے۔ امام ابو یوسفؒ اور امام موسیٰ کاظمؒ کی ملاقات جلد ۳ ص۳۵۲ پر امام سفیان الثوریؒ اور امام جعفر صادقؒ کی ملاقات جلد ۴ ص۳۴۴ ص۵۲۱ پر۔ امام قتادہؒ اور امام باقرؒ کی ملاقات جلد ۶ ص۲۵۶ جلد ۸ ص۳۱۱ امام باقرؒ کا امام ابوحنیفہؒ کے علم کا اعتراف کرنا جلد ۸ ص۲۹۲ امام ابوحنیفہؒ کا امام جعفرؒ سے روایت لینا جلد ۷ ص۳۴۴ جلد ۳ ص۵۴۶ ابو قرہ محدث اور امام رضا کی ملاقات جلد ۱ ص۹۶ امام زہری کی روایت امام زین العابدینؒ سے جلد ۴ ص۸۳ جلد ۱ ص۳۱ ص۱۰۸ ص۳۱۷ پر دیکھی جا سکتی ہے۔

اس پس منظر میں ایک قرآن کا عقیدہ اور بھی کھل کر سامنے آتا ہے۔ علامہ کلینی اور ان کے ہمنواؤں نے تحریفِ قرآن کی جو روایتیں لکھی ہیں ان میں علماء کو جھوٹا سمجھنا آسان ہے لیکن ائمہ اہلبیت کی طرف کسی ایسے عقیدے کی نسبت نہیں کی جا سکتی جو کفر پر منتج ہو یا اس میں انکارِ قرآن کی بُو پائی جائے۔ ایران کے اثنا عشری علماء ان تمام روایات کو جو ان کی معتبر کتابوں میں پائی جاتی ہیں اور وہ تحریف قرآن کے عقیدے پر دلالت کرتی ہیں جھوٹا اور موضوع کہتے ہیں۔ تاہم موجودہ قرآن کو غلط کہنے کے لیے وہ بھی تیار نہیں۔ ہاں جن کا عقیدہ قرآن کریم میں کمی بیشی کا رہا ان کے کفر میں کسی کو شبہ نہ ہونا چاہیئے۔

ان حالات میں ہم کہہ سکتے ہیں کہ جب تک کوئی فرقہ قرآن کریم کی کوئی اور متبادل کاپی نہ دکھائے جو ترتیبِ نزول پر جمع کی گئی ہو ہم نہیں کہہ سکتے کہ ایک قرآن کے مسئلے میں کوئی فرقہ مجموعی طور پر جمہور اہل اسلام سے جُدا ہوا ہو گا۔ کل اہل اسلام ایک قرآن پر متفق ہیں۔

اصول کافی کی صحت اثنا عشری علماء کے ہاں

اثنا عشری علماء کے ہاں اصول کافی کا وہ درجہ نہیں جو صحیح بخاری کا اہل السنۃ والجماعۃ کے ہاں ہے یہ صحیح ہے کہ دونوں کے ہاں ان کی صفِ اوّل کی کتابیں یہی ہیں اور شیعہ کے اصولِ اربعہ میں سب سے پہلا نام کافی کلینی کا ہی ہے لیکن صحیح بخاری اہل سنّت کے ہاں بیشتر صحیح روایات پر مشتمل ہے اور اصول کافی شیعہ علماء کے ہاں بہت سی ضعیف روایات کی حامل ہے اس کی کل احادیث میں سے ان کے ہاں صرف احادیث صحیح ہیں۔ سو ضروری نہیں کہ ان ضعیف روایات میں جو کچھ مروی ہے تمام شیعوں کا اپنا اعتقاد بھی وہی ہو جو شیعہ اصول کافی کی تحریف قرآن کی روایات

کا کھلم کھلا انکار کرتے ہیں ہمیں بھی اسے قرآن کی شانِ اعجاز کی ایک جھلک سمجھنا چاہیئے۔

اس پس منظر میں اسلامیات کے طلبہ کو چاہیئے کہ اس بات پر بخلوص قلب یقین رکھیں کہ اسلام کی پہلی تین صدیوں میں پوری امت ایک قرآن پر جمع رہی ہے اور بعد کے بعض سادہ لوح علماء نے جو یہود کی دسیسہ کاریوں کو نہ سمجھ پائے انہوں نے ان کی وضعی روایات کی اساس پر قرآن کو ایک مختلف فیہ دستاویز سمجھ لیا تاہم یہ قرآن کا اعجاز ہے کہ اب تک اس کے منکرین کو بھی یہ توفیق حاصل نہیں ہوئی کہ وہ ایک قرآن کے سوا اس کی کوئی متبادل کاپی کہیں پیش کرسکیں۔ ماسوائے اس کے کہ وہ اسے کسی غار میں چھپی بتائیں۔

حضرت امام حسن عسکریؒ (۲۶۰ھ) کے بیٹے محمد بن الحسن کی ولادت ۲۵۴ھ میں تیسری صدی کے نصف آخر میں ہوئی ظاہر ہے کہ اس وقت مسلمانوں میں بس ایک ہی قرآن تھا۔ سو ہم یہ بات نہیں مان سکتے کہ امام مہدی کے پاس کوئی اور قرآن ہو جسے وہ اپنے ظہور پر ظاہر کریں گے۔

اس پر ہم ایک قرآن کی اس بحث کو ختم کرتے ہیں۔ اسلام کی پہلی تین صدیوں میں مسلمانوں کے کسی حلقے میں بھی دو قرآن کا تصور ہوتا تو اس دور کے مسیحی علماء کی طرف سے کہیں تو اس کا دعوے عام کیا گیا ہو۔

قمی اور کلینی کا ایک دوسرے قرآن کا دعویٰ

سب سے پہلے علی بن ابراہیم القمی (۳۰۷ھ) اور محمد بن یعقوب الکلینی (۳۲۸ھ) اُٹھے جنہوں نے ایک دوسرے قرآن کی جو موافق تنزیل جمع کیا گیا خبر دی۔ یہ آواز چوتھی صدی میں لگی کہ اس قرآن کے علاوہ کوئی اور قرآن بھی ہے جو کسی امام کے پاس غار میں محفوظ رکھا ہے اور اللہ رب العزت کا یہ دعوے کہ ہمیں نے قرآن اُتارا ہے اور ہمیں اس کی حفاظت کرنے والے ہیں، اسی نسخہ قرآن سے متعلق ہے۔

سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا علامہ قمی اور کلینی اس دعوے کو ہم پوری شیعہ قوم کی آواز کہہ سکتے ہیں؟ ہم اثبات میں جواب دیتے اگر ان دونوں کے بعد انہی کے پایہ کے چار متقدر اثنا عشری عالم اس کے خلاف نہ اُٹھ کھڑے ہوتے (شیخ صدوق (۳۸۱ھ) شریف مرتضیٰ صاحب علم الہدیٰ (۴۳۶ھ)

ابن بابویہ القمی (۳۷۰ھ) اور شیخ مفید، بلکہ صاحب مجمع البیان برملا اس بات کے مدعی ہوئے کہ قرآن ایک ہی جو موافق ترتیب رسول پوری دنیا میں پڑھا جا رہا ہے ترتیب نزول پر کوئی دوسرا نسخہ کہیں موجود نہیں۔

کیا ائمہ اہلبیت میں سے بھی کوئی جمع قرآن موافق تنزیل کا قائل ہوا

ان ائمہ کرام نے خود کوئی کتاب نہیں لکھی جو ہمارے پاس محفوظ پہنچی ہو۔ ان کے نام سے جو روایات علی بن ابراہیم القمی اور محمد بن یعقوب الکلینی نے لکھی ہیں ان کی بنا پر ائمہ اہل بیت کو کسی دوسرے قرآن کا قائل نہیں کہا جا سکتا۔ ان میں سے کسی کو معلوم نہ تھا کہ حضرت علی المرتضیٰؓ اور حضرت امیر معاویہؓ کے واقعہ صفین میں دونوں کا قرآن ایک ہی تھا۔ افسوس کہ ان بزرگوں کی طرف ان لوگوں نے تحریف قرآن کی روایتیں منسوب کیں جن کا اپنا عقیدہ یہ تھا کہ خلاف واقعہ بات کہنا اور تقیہ اختیار کرنا ایک بڑی نیکی ہے ــــ پیش نظر رہے کہ ان ائمہ کے اصحاب سب امامت کے عقیدے پر ہرگز نہ تھے اور اس کا مجلسی نے خود اقرار کیا ہے۔

علامہ طبرسی نے تفسیر مجمع البیان، ا جلدوں میں لکھی اور یہ ترتیب نزول پر نہیں ترتیب رسول پر لکھی گئی اور اسے پوری شیعہ قوم نے قبول کیا۔ کوئی تاریخی شہادت نہیں ملتی کہ اس وقت کوئی شیعہ عالم علامہ طبرسی کے خلاف اٹھ کھڑے ہوتے ہوں اور انہوں نے طبرسی کو ملحد اور راہ سے اکھڑا بتایا ہو۔

سب قوم اسی مسلک پر چلی آرہی تھی یہاں تک کہ ایران میں صفوی انقلاب آیا اور اب لوگ اس عقیدے پر نہ رہے جو ان میں قرآن کے بارے میں پہلے سے چلے آرہا تھا۔ ملا محمد باقر مجلسی نے پھر وہی موقف اختیار کیا جو علامہ کلینی کا تھا۔ مجلسی نے حق الیقین میں مطاعن عثمان کی بحث میں ساتویں نمبر پر اسی عقیدہ کی ترجمانی کی ہے۔

ہندوستان میں برطانوی دور میں ملا محمد مقبول دہلوی نے قرآن کریم کا ایک اردو ترجمہ کیا اور اس پر ایک حاشیہ لکھا۔ اس نے اس میں جگہ جگہ تحریف قرآن کی روایتیں لکھیں ہم اس سے اتفاق نہیں کرتے لیکن ہم اس سے یہ پوچھے بغیر نہیں رہ سکتے کہ تم اس قرآن کا ترجمہ کیوں کر رہے

ہر جو موافق تنزیل جمع نہیں۔ اگر قرآن کا کوئی دوسرا نسخہ موافق تنزیل ہے تو تم نے اس کا ترجمہ کیوں لکھا
معلوم ہوا کہ قرآن ایک ہی ہے اور اس پر پوری امت مجتمع ہے۔ طلبہ کو چاہیئے کہ ہر اس عالم کی تحریر
اور تفسیر سے بچیں جو امت میں کسی دوسرے قرآن کا تصور پیش کرتا ہو۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے اختلاف کی حقیقت

تدوین قرآن میں حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تمام وہ نسخے جن میں قرآن کریم کے ساتھ کچھ اور بھی لکھا تھا (مثلاً کوئی تفسیری جملے یا تفسیری الفاظ یا اختلاف قرأت) اپنے قبضے میں لے لئے تھے اور ان میں قرآن کے ماسوا جو کچھ تھا اسے ان اوراق اور تحریرات سے کھرچ ڈالا گیا تاکہ آئندہ اور کسی وقت میں یہ الفاظ اور عبارات قرآن نہ سمجھ لی جائیں۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ (۳۲ھ) اپنے نسخہ قرآن کو ان زائد قیمتی معلومات کی بناء پر حضرت عثمانؓ کے سپرد کرنے کے تیار نہ ہوئے۔ یہ وہ موضوع ہے جسے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے اختلاف کے طور پر ذکر کیا جاتا ہے اس تفسیری ذخیرہ میں معوذتین نہ لکھی ہوئی تھیں اس کی وجہ بھی یہی ہوگی کہ کسی علمی دستاویز یا تفسیری ذخیرہ میں ضروری نہیں کہ پورا قرآن لکھا جائے حضرت علیؓ کے ہاتھ کا لکھا ہوا قرآن جو مشہد کے مخطوطات میں موجود ہے پورا قرآن نہیں ہے لیکن جو ہے وہ اسی ترتیب پر ہے جو اس وقت موجود قرآن میں پائی جاتی ہے سو اس میں تو اختلاف ہوسکتا ہے کہ یہ نسخہ پورا قرآن ہے یا نہیں لیکن اس میں کوئی شک نہیں کہ قرآن ایک ہی ہے گو کہیں پورا لکھا ہوا ہو یا نامکمل لکھا ہو۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا حضرت عثمانؓ سے اتفاق

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی علمی شخصیت کا تقاضا تھا کہ ان کے پاس وہ مصحف جس میں آپ کے تفسیری الفاظ اور جملے اور اختلاف قرأت بھی لکھا ہوا تھا ان کے پاس رہنے دیا جاتا لیکن حضرت عثمانؓ نے ان کی شخصی عظمت پر

اُمت کی حفاظت کو مُقدم جانا اور حضرت عبداللہؓ بن مسعودؓ سے برابر درخواست کرتے رہے کہ جب سب صحابہ ایک قرآن پر جمع ہو چکے ہیں آپ بھی اپنے اس اجماعی موقف پر آجائیں آپ نے حضرت عثمانؓ کی یہ بات تسلیم کرلی اور صحابہ کے اس اجماعی موقف کو قبول کرلیا حافظ ابن کثیرؒ (۷۷۴ھ) لکھتے ہیں۔

فکتب الیہ عثمان رضی اللہ عنہ یدعوہ الی اتباع الصحابۃ فیما اجمعوا علیہ من المصلحۃ فی ذٰلک وجمع الکلمۃ وعدم الاختلاف فاناب واجاب الی المتابعۃ وترک المخالفۃ رضی اللہ عنہم اجمعین[۱]

قرا سبعہ میں سے قاری عاصم کسائی اور حمزہ نے جو اپنی سندیں، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ تک پہنچائی ہیں اور ان اسانید کو صحیح ترین قرار دیا گیا ہے ان میں معوذتین برابر موجود ہیں جو اس بات کی کھلی شہادت ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ معوذتین کے قرآن ہونے کے ہرگز خلاف نہ تھے اپنے مُصحف میں انہیں نہ لکھنا ایک امر اتفاقی ہی ہو سکتا ہے کیونکہ اُنھوں نے اسے لکھنے میں جمع قرآن کا کہیں اعلان نہ کیا ہوا تھا یہ ایک ان کی اپنی علمی دستاویز تھی جسے انھوں نے اپنی مصلحت سے لکھا تھا اُن کا ایک قرآن سے ہرگز کوئی اختلاف نہ تھا۔

حضرت علی مرتضیٰ کا ایک قرآن کا اعلان ابراھیم تیمی اپنے والد یزید بن شریک تیمی سے روایت کرتے ہیں: — ایک دفعہ حضرت علی مرتضیٰ نے خطبہ دیتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ جو شخص یہ گمان کرتا ہے کہ ہمارے پاس کتاب اللہ اور اس صحیفہ کے علاوہ بھی کوئی اور کتاب ہے جسے ہم پڑھتے ہیں تو اس نے جھوٹ بولا[۲] آپ کے شاگرد ابوجحیفہ نے پوچھا کہ اس صحیفہ میں کیا لکھا ہوا ہے آپ نے فرمایا۔

اس میں دیت اور جرمانہ کے کچھ مسائل قیدیوں کو واگزار نے کے احکام اور قصاص کے احکام کہ کافر کے بدلے میں مسلمان کو قتل نہیں کیا جائے گا وغیرہ موجود ہیں[۳]

اس میں اس بات کی تصریح ہے کہ حضرت علی مرتضیٰ بھی ایک قرآن ہی رکھتے تھے اور آپ کے پاس کوئی اور قرآن نہ تھا جو موافق ترتیب نزول جمع کیا ہوا ہو۔

---

[۱] البدایہ والنہایہ جلد ۷ صفحہ ۲۱۸ [۲] کتاب السنۃ امام احمد صفحہ ۱۸۹ [۳] ایضاً صفحہ ۱۷۷

آداب القرآن

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ اما بعد:

قرآن کریم کلامِ الٰہی ہے کلام الملوك ملوك الكلام مشہور ضرب المثل ہے۔ بادشاہوں کا کلام کلاموں کا بادشاہ ہے۔ دنیا میں بادشاہوں کے فرامین عام پھینکے نہیں جاتے اور یہ تو بادشاہوں کے کے بادشاہ اور شہنشاہ حقیقی کا کلام ہے اس کے آداب کیوں نہ ہوں گے۔ قرآن کریم کو دیکھنے اور سننے سے ذہن فوراً اللہ تعالیٰ کی طرف چلا جاتا ہے سو یہ خدا کے نشانوں میں سے ایک نشان ہے اور اس کے شعائر میں سے ایک شعیرہ ہے اس کی ظاہری عزت بھی اللہ کے حضور اپنی بندگی کا اقرار اور اس کی عظمت کا اظہار ہے۔

اسلام کی نگاہ میں وہ تمام اشیاء اللہ تعالیٰ کے شعائر — اس کی عظمت کے نشان — اس کی معرفت کے عنوان — اور اس کے تقرب کی علامت ہیں — واجبُ التعظیم ہیں۔

ومن یعظم شعائر اللہ فانھا من تقوی القلوب۔ (پ۱۷ الحج ۳۲)

ترجمہ۔ اور جس نے اللہ کی حرمتوں کی تعظیم کی سو یہ بات دلوں کے تقویٰ سے ہے

منبر و محراب، کعبہ و مسجد، نماز و قربانی، قرآن اور اذان یہ سب اللہ کے دین کے نشان ہیں اور یہ سب اس کا پتہ دیتے ہیں۔ دینِ حق کی پہچان جن علامات سے ہوتی ہے انہیں اللہ رب العزت کے شعائر کہا جاتا ہے یہ اس کی پہچان کی حسی مرادیں ہیں۔

ومن یعظم حرمٰت اللہ فھو خیر لہ عند ربہ۔ (پ۱۷ الحج ۳۰)

ترجمہ۔ جو بڑائی رکھے اللہ کی حرمتوں کی سو یہ بہتر ہے اس کے لیے اس کے رب کے ہاں۔

ان شعائر کا تعلق اللہ کی ذات سے ایک رابطے کا ہے لیکن اس رابطے کے ساتھ ان کا ظاہری احترام و اجلال بھی شریعت کا ایک مستقل تقاضا ہے۔ مسجد میں جنابت کی حالت میں جانا جائز نہیں — کعبہ کی طرف رُخ کر کے پیشاب کرنے کی اجازت نہیں — قربانی کے لیے خریدا ہوا جانور

بیچا نہیں جاسکتا۔ اذان کو کسی دوسری قوم کی خاطر روکا نہیں جاسکتا۔ ان شعائر کے تعظیم و احترام سے دین حق کا رعب وجلال قائم ہوتا ہے۔

قرآن پاک کی عظمت کا تقاضا ہے کہ اس کے بھی کچھ آداب ہوں اسے صرف ایک ضابطہ قانون اور ایک محض پیغامِ حیات نہ سمجھا جائے بلکہ اس کے اجلال و احترام کے ظاہری آداب بھی ہونے چاہئیں ان آداب کا اس کتاب کی تعمیل احکام پر گہرا نفسیاتی اثر پڑتا ہے۔ یہ ظاہری آداب بھی انسان کی فکر ونظر اور قلب و جگر میں بہت دور تک اثر انداز ہوتے ہیں۔ یہ صحیح ہے کہ قرآن ایک ضابطۂ عمل ہے اس کی حقیقی تعظیم اس کے احکام کو تسلیم کرنا اور انہیں اپنی عملی زندگی میں لانا ہے لیکن اس کے نقوشِ کتابیہ Forms کا ادب و احترام بھی تکلف نہیں ہے اس کے بڑے اثرات ہیں۔ اس کی طرف پاؤں دراز کرنا بھی ایک بڑی بے ادبی ہے۔

ممکن ہے بعض مغرب زدہ ذہن ہم سے متفق نہ ہوں ہم ان کی خدمت میں عرض کریں گے کہ اس دورِ جدید میں بیسیوں وہ مرحلے ہیں جہاں تم ظاہری آداب کے اس انداز کو نہ صرف اپنا چکے ہو بلکہ انہیں اپنی تہذیب قرار دیتے ہو۔ ترانہ ملی پڑھے جانے کے وقت کس ملک کے باشندے اور کس مجلس کے حاضرین کھڑے نہیں ہوتے؟ بے شک یہ اپنے ملک سے وفا کی حقیقت نہیں لیکن کیا اسے اپنے ملک کی عظمت و محبت کا ایک نفسیاتی پیرایہ نہیں سمجھا جاتا؟ پھر قرآن کریم کے ظاہری آداب کے باب میں شریعت کے صریح احکام موجود ہونے کے باوجود ان حقائق کو نظرانداز کرنا کہاں کا انصاف ہے۔

اس میں شک نہیں کہ قرآن کریم کی حقیقی تعظیم اسے آخری قانون ہدایت تسلیم کرنا اور اس کے مقتضا پر عمل کرنا ہے لیکن اس کے ظاہری احترام کا بھی ہمیں اسلام نے حکم دیا ہے اور تاکید کی ہے کہ دشمنانِ اسلام کے ہاتھ اسے چھونے نہ پائیں مبادا وہ اس کی بے ادبی کریں اور شعائر اللہ کی توہین ہو جائے یہ توہین اس کے باطن اور اس کے تقاضوں کی نہیں اس کے ظاہری وجود کی ہے جسے دیکھتے ہی خدا کا ایک نشان ملتا ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ کہتے ہیں کہ :-

نہٰی ان یسافر بالقرآن الی ارض العدو مخافۃ ان ینالہ العدو۔[1]

ترجمہ: آنحضرتؐ نے منع فرمایا ہے کہ قرآن لئے دشمن کی سرزمین میں جاؤ اندیشہ ہے کہ وہ دشمن کے ہاتھ نہ لگ جائے۔

قرآن پاک اگر کفار محاربین کے ہاتھ لگ جائے تو وہ اس سے صداقت کے جوہر تو چھین نہیں سکتے اور نہ اس کے دلائل کا وزن کم کر سکتے ہیں. پھر اگر قرآن کا یہ ظاہری احترام مطلوب نہیں، تو شریعت آخر کس لیے اس کے کفار کے ہاتھ لگنے پر پابندی لگا رہی ہے؟

اسلام کی نظر میں قرآن پاک کا ظاہری ادب واحترام اگر ضروری نہ ہوتا اور شریعت کا یہ تقاضا نہ ہوتا کہ وہ زمین پہ گرنے نہ پائے، ناپاک جگہ پر رکھا نہ جائے، بغیر طہارت اسے ہاتھ نہ لگیں وغیرہ وغیرہ تو لسان شریعت اس کے کفار کے ہاتھ لگنے پر قدغن نہ لگاتی. ارشادِ نبوت صاف بتلا رہا ہے کہ قرآن پاک کے حقیقی احترام کے ساتھ اس کا ظاہری احترام قائم رکھنا بھی اسلام کا حکم ہے اور ہم مکلف ہیں کہ اس کے ان آداب کو بھی اسلامی ثقافت کا جزء سمجھیں۔

قرآن کریم کے آداب کی بھی مختلف جہات ہیں اس کو چھونے اس کو پڑھنے اس کو سننے اس کو رکھنے اور اس کو سمجھنے کے اپنے اپنے آداب ہیں انہیں ہم طہارت تلاوت، کتابت سماعت، امامت وغیرہ کے چند ذیلی عنوانوں سے یاد کریں گے۔

قرآن کریم کے آداب طہارت

طہارتِ کاملہ کے بغیر قرآن کریم کو نہ چھونا چاہیئے. طہارتِ کاملہ یہ ہے کہ انسان حدث اکبر اور حدث اصغر دونوں سے پاک ہو. نہ اس پر غسل فرض ہو اور نہ بے وضو ہو۔

حضرت امام شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ لکھتے ہیں۔

کان اعظم التعظیم ان لا یقترب منہا الانسان الا بطہارۃ کاملۃ۔[2]

ترجمہ: قرآن کریم کی بڑی تعظیم یہ ہے کہ انسان بغیر پوری طہارت کے اس کے قریب نہ آئے۔

---

[1] سنن ابن ماجہ ص۲۱۲ فالعلۃ المذکورۃ فی الحدیث من کلام النبی ﷺ من کلام مالک کما ظن ابوداؤد فی جلد ا ص۲۱۵
[2] حجۃ اللہ البالغہ ص

قرآن کریم کی آسمانوں میں شان یہ ہے کہ اسے صرف فرشتے چھو پاتے ہیں تو زمین پر بھی اس کی اتنی سطوت اور عزت ہونی چاہیئے کہ بغیر طہارت کاملہ کوئی اسے ہاتھ نہ لگائے۔

قرآن کریم میں ہے :-

انہ لقرآن کریم فی کتاب مکنون لا یمسہ الا المطھرون. تنزیل من رب العالمین۔ (پ۲۷ الواقعہ)

ترجمہ بے شک یہ قرآن ہے عزت والا۔ لکھا ہوا لوح[1] محفوظ میں۔ وہی چھوتے ہیں اسے جو پاک ہیں تنزیل ہے پروردگار عالمین کی طرف سے۔

(۱) لا یمسہ میں ضمیر مفعول لوح محفوظ کے قرآنی نقوش کے لیے ہو یا ان صحائف اوراق کے لیے جو اس وقت قرآن کی صورت میں ہمارے سامنے موجود ہیں امر واقع خواہ کچھ ہو اتنی بات یقینی ہے کہ قرآن اپنی عظمت اور شان کے اعتبار سے اس امر کا متقاضی ہے کہ اسے وہی ہاتھ چھوئیں جو پاک[2] ہوں۔

یہاں موضوع قرآن کی تعظیم ہے اس لیے غالب یہی ہے کہ لا یمسہ کی ضمیر مفعول موجودہ

---

[1] کتاب مکنون سے مراد لوح محفوظ ہو تو مطہرون سے فرشتے مراد ہوں گے کیونکہ انسانی ہاتھوں کی وہاں تک رسائی نہیں اور اگر صحائف اوراق مراد ہوں تو پھر مطلب یہ ہوگا کہ اسے نہ چھوئیں مگر پاک لوگ یعنی بدوں وضو کے ہاتھ لگانا جائز نہیں اس صورت میں لا یمسہ کی نفی نہی کے لیے ہوگی جیسا کہ رفث ولا فسوق ولا جدال فی الحج (پ البقرہ) میں نفی نہی کے لیے ہے (قالہ العلامۃ العثمانی)

[2] جب لوح محفوظ کے نقوش قرآنیہ کو پاک ہاتھوں کے سوا کوئی دوسرا نہیں چھوتا تو موجودہ تنزیل کے نقوش کتابیہ بھی اس حق کے متقاضی ہیں کہ انہیں پاک ہاتھوں کے سوا کوئی دوسرا ہاتھ چھونے نہ پائے لاشتراک العلۃ بینھما۔ ہاں لوح محفوظ مراد ہونے کی صورت میں ہمارا اسے بے وضو نہ چھونا دلالت التزامی پر مبنی ہوگا اور نقوش تنزیلیہ مراد ہونے کی صورت میں اس آیت کی اس مسئلے پر دلالت صریح ہوگی البتہ اس اختلاف کی وجہ سے اس دلالت میں قطعیت نہ رہے گی۔ قرآن کو چھونے کے لیے وضو عملاً تو واجب ہوگا لیکن اس کا منکر کافر نہ ہوگا۔ شامی میں ہے۔ لو انکر الوضوء لغیر الصلوٰۃ یکفر عندنا۔ (رد المحتار جلد ۱ صفحہ ۶۶)

قرآن کے لیے ہے۔ تنزیل من رب العالمین کا قرینہ بتلا رہا ہے کہ یہاں قرآن پاک کے نقوش تنزیلی مراد ہیں نہ کہ لوحِ محفوظ کے نقوش جن کی تنزیل کبھی نہیں ہوئی۔ قرآن پاک کا لوحِ محفوظ میں لکھا جانا یا پہلے آسمان پر آنا تدریجی ہرگز نہ تھا۔ تنزیل تدریجاً اترنے کو کہتے ہیں۔

(۲) پھر لا یمسّہ الا المطہّرون میں چھونے کے دو مفہوم ہیں۔

۱۔ جو لوگ صاف دل اور پاک اخلاق رکھتے ہیں وہی اس کے علوم و حقائق تک ٹھیک رسائی پا سکتے ہیں اس صورت میں مس کے معنی مجازی ہوں گے۔

۲۔ اس قرآن کو بغیر وضو کے ہاتھ لگانا جائز نہیں اس صورت میں مس کے معنی حقیقی ہوں گے اور مطہرون سے طہارتِ کاملہ کے حاملین مراد ہوں گے۔

مطہرون کی طہارت حدثِ اکبر اور حدثِ اصغر دونوں سے پاک ہونا ہے اللہ تعالیٰ وضو غسل جنابت اور پھر دونوں کے قائم مقام تیمم کے احکام بیان کر کے سب کی علتِ جامعہ یہ بیان فرماتے ہیں :-

مایرید اللہ لیجعل علیکم من حرج ولکن یرید لیطھّرکم۔ (پ المائدہ)

ترجمہ۔ اللہ تعالیٰ تمہیں تنگی میں ڈالنا نہیں چاہتے وہ چاہتے ہیں کہ تم پاک رہو۔

پس طہارت صرف یہی نہیں کہ انسان جنابت سے پاک ہو بلکہ وہ تیمم جو وضو کے بدل میں حدث اصغر کے لیے ہوتا ہے وہ بھی طہارت ہے اور حدثِ اصغر کی حالت میں آدمی باطہارت نہیں ہوتا۔ طہارت کا لفظ اگر کہیں محض جنابت سے پاک ہونے پر بولا جائے تو قرینہ لازمی ہوگا طہارت کا فردِ کامل یہی ہے کہ حدثِ اکبر اور حدث اصغر دونوں سے پاک ہو پس مطہرون کے معنی باوضو ہونے کے ہی ہوں گے۔ امام ترمذیؒ نے بھی طاہر کے معنی باوضو ہونا بیان کیے ہیں :-

ولا یقرأ فی المصحف الا وھو طاھر۔ [1]

ترجمہ۔ اور نہ چاہیئے کہ تم میں کوئی دیکھ کر قرآن پڑھے اور وہ غیر طاہر ہو۔

لا یمسّہ میں لوحِ محفوظ کے نقوش مراد ہوں یا صحائف موجودہ اتنی بات بالکل واضح

---

[1] جامع ترمذی جلد اصلا دہلی صنہ لکھنو دیوبند بترتیب ابن ماجہ فی صیم فراجع لہ

ہے کہ قرآن انہی ہاتھوں میں آتا ہے جو پاک ہوں اور لفظ مس کے حقیقی معنی تقاضا کرتے ہیں کہ اسے بے وضو نہ چھوا جائے طہارتِ کاملہ یہی ہے کہ انسان وضو سے ہو۔

علامہ شامی لکھتے ہیں ۔

ان فيه حمل المس على الحقيقة والاصل فى الكلام الحقيقة واحتمال غيرها بلا دليل لا يقدح فى صحة الاستدلال فلا ينافى ذلك القطعية[1]

ترجمہ۔ یہاں لفظ مس (چھونا) اپنے حقیقی معنوں پر محمول ہے اور کلام میں اصل یہی ہے کہ حقیقی معنی لیے جائیں کسی دوسرے معنی کا احتمال جس کے لیے دلیل بھی کوئی نہ ہو اصل استدلال کی صحت پر ہرگز اثر انداز نہیں ہوتا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مولودِ کعبہ حضرت حکیم بن حزامؓ کو جب یمن کی طرف بھیجا تو نصیحت فرمائی ۔

لا تمس القرآن الا وانت طاهر[2]

ترجمہ۔ قرآن کو بغیر طہارت ہاتھ نہ لگانا۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ کہتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ۔

لا يمس القرآن الا طاهر[3]

ترجمہ۔ کوئی شخص قرآن کو بغیر طہارت ہاتھ نہ لگائے۔

یہ روایات اس قرآنی حکم کی پُرزور تائید کرتی ہیں کہ قرآن پاک کو وہی ہاتھ چھوئیں جو پاک ہوں۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی لکھتے ہیں ۔

وجب ان لا يقربها الا مطهر ولم يشترط الوضوء لقرأة القرآن لان التزام الوضوء عند كل قرأة يخل فى حفظ القرآن وتلقيه.[4]

ترجمہ۔ ضروری ہے قرآن کے قریب انسان بغیر طہارت نہ جائے ہاں قرآن پاک

---

[1] رد المحتار جلد ۱ صـ ۲۲ مصر [2] رواہ الحاکم فی المستدرک جلد ۳ صـ ۴۸۵ اسنادہٗ صحیح (عزیزی جلد ۳ صـ ۴۴۷
[3] رواہ الطبرانی فی الکبیر والصغیر ورجالہ موثقون (مجمع الزوائد جلد ۱ صـ ۱۰۴ [4] حجۃ اللہ البالغہ صـ

کے (زبانی) پڑھنے کے لیے وضو کی شرط نہیں کیونکہ ہر قرأت کے وقت وضو
کا التزام قرآن کے حفظ اور اخذ میں خلل انداز ہوگا۔
امام ترمذی صحابہؓ و تابعین کا فیصلہ ان الفاظ میں لکھتے ہیں:۔

قالوا یقرأ الرجل القراٰن علیٰ غیر وضوء ولا یقرأ فی المصحف الا
وھو طاھر وبہ یقول سفیان الثوری والشافعی واحمد واسحٰق[1]

ترجمہ. وہ کہتے ہیں کہ انسان بغیر وضو کے قرآن پڑھ تو سکتا ہے لیکن اسے دیکھ کر
پڑھنے کی اجازت نہیں یہی فیصلہ امام سفیان الثوریؒ، امام شافعیؒ اور امام احمدؒ
کا ہے۔

یہ چار جلیل القدر مجتہدین کا فیصلہ آپ کے سامنے ہے امام ابو حنیفہؒ کی بات اس سے بھی
آگے ہے. حضرت علامہ شعرانیؒ (۹۷۳ھ) فرماتے ہیں:۔

ہم حضور اکرمؐ کی طرف سے پابند ہیں کہ کلامِ الٰہی کی تعظیم کے لیے وضو کا اہتمام
رکھیں اور دوسروں کو بھی اس بات کا حکم کریں[2]

ہاں نابالغ بچے جو قرآن کریم کے طالب علم ہوں انہیں بار بار وضو کرنے کی پابندی
نہیں کیونکہ اس سے تدریس و تعلیم کے ضائع ہونے اور طلبہ کے بدک جانے کا قوی احتمال ہے
بچے بغیر وضو کے بھی ہوں تو ہم ان کے ہاتھ میں قرآن کریم دے سکتے ہیں:۔

لا بأس بدفع المصحف الی الصبیان وان کانوا محدثین[3]

ترجمہ. بچوں کو قرآن کریم اس حالت میں دینا کہ ان کا وضو نہ ہو اس میں کوئی
حرج نہیں ہے۔

ہاں بالغ حضرات مکلف ہیں کہ وہ تعلیم تعلم اور تعلیم میں مصحف (قرآن کریم) کو بغیر وضو
کے نہ چھوئیں۔

---

[1] جامع ترمذی جلد ۱ صفحہ ۲۱ دہلی [2] لواقح الانوار القدسیہ صفحہ ۲۵۴ [3] الاکلیل علیٰ مدارک صفحہ ۶

پانچ سوال

(۱) قرآن مجید کے نرے اردو ترجمے کو چھونا کیسا ہے؟

(۲) کتبِ تفسیر جن میں متعدد آیاتِ قرآنیہ لکھی ہوتی ہیں انہیں بلا وضو ہاتھ لگانا کیسا ہے؟

(۳) فونوگراف کے ریکارڈ جن میں قرآن مجید کی قرأت بھری ہوتی ہے انہیں بلا وضو چھونا کیسا ہے؟

(۴) قرآن پاک کو زبانی (بغیر مصحف کے) بلا وضو پڑھنا کیسا ہے؟

(۵) ایسی جگہ جہاں صفائی نہیں وہاں قرآن پاک پڑھنے کا کیا حکم ہے؟

جوابات

(۱) خالص اردو ترجمہ کو حقیقۃً قرآن نہیں لیکن بہتر یہ ہے کہ اُسے بھی بلا وضو نہ چھوا جائے:۔

ولو کان القران مکتوبًا بالفارسیۃ یکرہ لھم مسّہ عند ابی حنیفۃ وکذا عندھما ھکذا فی الخلاصۃ۔ [۱]

ترجمہ۔ اگر قرآن پاک نری فارسی میں لکھا ہو تو اسے بلا وضو ہاتھ لگانا امام ابوحنیفہؒ اور صاحبینؒ کے نزدیک مکروہ ہے۔

(۲) کتبِ تفسیر میں تفسیری عبارت قرآنی عبارت سے زیادہ ہو تو اسے بلا وضو مس کرنا جائز ہے۔ شرح منیہ میں پوری بحث کر لے کے بعد آخر میں لکھا ہے:۔

والاصح انہ لایکرہ عند ابی حنیفۃ۔ [۲]

ترجمہ۔ صحیح بات یہی ہے کہ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک مکروہ نہیں۔

ہاں خاص اس مقام کو جہاں قرآن کی آیت لکھی ہوئی ہے بلا وضو چھوا نہ جائے۔ علامہ شامی لکھتے ہیں:۔

ان کتب التفسیر لایجوز مس موضع القران منھا۔ [۳]

---

[۱] فتاویٰ عالمگیری جلد ۱ ص۲۷ [۲] غنیۃ المستملی ص۵۸ [۳] رد المحتار جلد ۱ ص۱۲۹

ترجمہ۔ کتب تفسیر میں خاص آیات قرآن کے مواقع کو بلا وضو چھونا جائز نہیں۔

(۳) فونوگراف کے ریکارڈ میں ان نقوش کی دلالت نہ لفظی ہے نہ وضعی محض الفاظ کا ارتسام ہے پس یہ نقوش حروف مکتوبہ کے حکم میں نہیں ہیں انہیں بلا وضو چھونا جائز ہے۔[1] انسانی دماغ میں بھی اسی طرح الفاظ قرآن کا ارتسام ہوتا ہے پس جس طرح حافظ قرآن کو بلا وضو بلکہ جنابت میں بھی چھونا جائز ہے فونوگراف کے ریکارڈ کو بھی اس حالت میں چھونا ناجائز نہ ہوگا۔

(۴) حضرت علی المرتضیٰؓ کہتے ہیں کہ حضور اکرمؐ قرأت قرآن کے لیے وضو کا التزام نہ فرماتے تھے۔

لا یحجزہ عن القرآن شئ الا الجنابۃ[2]

ترجمہ۔ آپ کو قرآن پاک پڑھنے سے سوائے جنابت کے اور کوئی چیز نہ مانع ہوتی تھی۔

اس روایت سے یہ اُمور معلوم ہوئے:۔

(۱) مس مصحف نہ ہو تو زبانی قرآن پڑھنا بلا وضو بھی جائز ہے۔

(۲) جنابت کی حالت میں زبانی قرآن پڑھنا بھی جائز نہیں۔

(۳) غسل جنابت میں کلی کرنا فرض ہے اگر زبان ہر حال میں پاک رہتی تو حالت جنابت میں زبانی قرآن پڑھنا ممنوع نہ ہوتا۔

قرآن کریم کس جگہ پڑھا جائے؟

پاک کلام پاک جگہوں پر ہی پڑھا جانا چاہیئے جہاں اللہ کی یاد کی جائے وہاں اللہ کی رحمت اُترتی ہے اور رحمت کے فرشتے اس پڑھنے والے کو اپنے گھیرے میں لے لیتے ہیں حضرت ابوسعید خدریؓ اور حضرت ابوہریرہؓ دونوں کہتے ہیں کہ حضورؐ نے فرمایا:۔

ما جلس قوم مجلسًا یذکرون اللہ فیہ الا حفتہم الملئکۃ وتغشتہم

---

[1] کذا فی امداد الفتاویٰ [2] سنن ابن ماجہ ص۴۴ ابوداؤد جلد ۱ ص۳۰ ترمذی جلد ۱ ص۲۱ طحاوی ص۵۲ مستدرک حاکم جلد ۴ ص۱۰۷ مسند ابی داؤد طیالسی ص۱۰ مسند امام احمد جلد ۱ ص۸۳، ص۸۴، ص۱۱۰، ص۱۲۴

الرحمة وتنزلت عليهم السكينة۔[1]

ترجمہ۔ لوگ جب کسی مجلس میں اللہ کے ذکر کے لیے بیٹھیں انہیں فرشتے اپنے سائے میں لے لیتے ہیں رحمت ان پر چھا جاتی ہے اور ان پہ اللہ کی طرف سے سکینہ اُترتا ہے۔

قرآن کریم سے بڑا ذکر کیا ہوگا جس کے لیے لوگ مجلس میں بیٹھیں۔ حضرت براء بن عازبؓ کہتے ہیں کہ ایک شخص سورۃ کہف پڑھ رہا تھا اس نے اپنے گھر میں ایک تجلی اُترتے دیکھی اس نے اس کا حضورؐ سے ذکر کیا تو آپ نے فرمایا:-

انها السكينة تنزلت عند القرآن او تنزلت للقرآن۔[2]

ترجمہ۔ یہ سکینہ ہے (ایک خاص شان کا سکون) جو قرآن کے پاس اُترتا ہے یا قرآن کے لیے اُترتا ہے۔

سو قرآن کسی ایسی جگہ نہ پڑھا جائے جو اس نزولِ سکینہ کے لیے رکاوٹ ہو جہاں فرشتے نہ پہنچ سکیں۔ فرشتے اس گھر میں بھی نہیں آتے جس میں کتا رکھا ہو۔ وہ جگہیں جہاں گانے گائے جاتے ہوں یا وہ محفلیں جہاں عورتوں اور مردوں کا عام اختلاط ہو یا ایسی منڈیاں جہاں سودی کاروبار چلتا ہو وہاں قرآن کریم پڑھنا آدابِ قرآن کے خلاف ہے کیونکہ یہ ماحول فرشتوں کے لیے ایک بڑی رکاوٹ ہے۔

ایسا تعویذ جس میں قرآن کریم کی کوئی عبارت لکھی ہو اسے ساتھ لے کر بیت الخلاء نہ جائے یہ قرآن کے ادب کے خلاف ہوگا ہاں اگر وہ چاندی وغیرہ میں بند ہو تو اس کے لیے کچھ گنجائش ہو سکتی ہے۔[3]

سو یہ بے ادبی ہوگی کہ قرآن کریم پڑھتے ملائکہ رحمت کا ایسی جگہ استقبال کیا جائے جو ملائکہ رحمت کے لیے موجبِ اذیت اور صاف دل انسانوں کے لیے موجب گرانی ہو قرآن پڑھتے ہر ایسے ماحول سے اجتناب کیا جائے جو فہم قرآن اور توجہ الی اللہ سے مانع ہو۔[4]

---

[1] سنن ابن ماجہ ص۲۷۷ [2] صحیح مسلم جلد ۱ ص۲۶۹ [3] دیکھئے الطحطاوی علی مراقی الفلاح ص۳۰ [4] عین العلم جلد ۱ ص۱۴۲

مفسر جلیل علامہ قرطبی فرماتے ہیں :۔

لا یقرأ فی الاسواق ولا فی مواطن اللغط واللغو ومجمع السفہاء۔[۱]

ترجمہ: قرآن کریم بازاروں میں شور و شغب کی مجلسوں میں اور بے وقوف (گستاخ) لوگوں کے مجمع میں نہ پڑھا جائے۔

قرآن پڑھنے کے آداب

قرآن پاک کی تلاوت کرنے کے لیے کلام الٰہی کی تعظیم اور عظمتِ وحی کا احساس از بس ضروری ہے جس کلام کی شان یہ ہو کہ پہاڑوں پر اترے تو پہاڑ ریزہ ریزہ ہو جائیں اس کے لیے مسلمان کا دل انتہائی درجے میں مؤدب کیوں نہ ہو۔ اسی میں اپنے بارے میں یہ احساس ہے کہ میں وضو سے ہوں۔

تلاوتِ قرآن کے آداب کچھ ظاہری ہیں اور کچھ باطنی۔ باطن کے آداب سے مراد دل کی وہ کیفیت ہے جو پڑھنے والا پڑھتے ہوئے اپنے اندر محسوس کرے پہلی کتابوں کو بھی جنہوں نے پوری توجہ سے پڑھا اور دل کو حاضر رکھا انہیں ایمان نصیب ہو گیا اور جنہوں نے ان کے آدابِ تلاوت میں بے پرواہی کی وہ گھاٹے میں رہے۔

الذین اٰتینٰھم الکتاب یتلونہ حق تلاوتہ اولئک یومنون بہ ومن یکفر بہ فاولٰئک ھم الخاسرون۔ (پ البقرہ ۱۲۱)

ترجمہ: وہ لوگ جن کو دی ہم نے کتاب وہ اس کی تلاوت کرتے ہیں حق تلاوت ادا کرتے ہوئے وہی اس پر یقین لاتے ہیں اور جو اس سے بے پرواہ ہوئے وہ رہے گھاٹے میں۔

حضرت شیخ الہندؒ لکھتے ہیں :۔

انہوں نے تورات کو غور سے پڑھا انہی کو ایمان نصیب ہوا اور جنہوں نے انکار کیا کتاب کا یعنی اس میں تحریف کی وہ خائب و خاسر ہوئے۔

اس سے پتہ چلا کہ تلاوت کرتے وقت عظمتِ وحی کا احساس اور حضورِ قلب یہ دو چیزیں

---

[۱] الجامع لاحکام القرآن ص

ہیں جن کے بغیر حقِ تلاوت ادا نہیں ہو گا.

ویعظمہ فورد لو انزلنا ھٰذا القراٰن علیٰ جبل لرأیتہ خاشعًا متصدعًا من خشیۃ اللہ من قرأ القراٰن فرای ان احدًا اوتی افضل مما اوتی فقد استصغر ما عظم اللہ و یحضر القلب لما سبق انہ الاصل وبہ نسترما ورد یا یحییٰ خذ الکتاب بقوۃ۔ [۱]

ترجمہ. قرآن کریم کی عظمت سامنے رکھے اس کی شان میں فرمایا کہ اگر ہم اس قرآن کو پہاڑ پر اُتارتے تو وہ بھی اللہ کے خوف سے ریزہ ریزہ ہو جاتا. جس نے قرآن پاک کی تلاوت کی اور گمان کیا کہ کوئی شخص اس سے افضل چیز کا حامل ہے تو اس نے اس چیز کی توہین کی جس کی اللہ نے تعظیم فرمائی ہے اور اپنے دل حاضر رکھے کیونکہ جیساکہ پہلے گزر چکا یہی اصل ہے. حضرت یحییٰ کو خدا نے خطاب فرمایا تو ارشاد فرمایا کہ اے یحییٰ! کتاب کو (دل کی) پوری قوت سے لے.

آدابِ ظاہرہ

(۱) قرآن کریم کو خوب ٹھہر ٹھہر کر اور الفاظ کو صاف صاف کر کے پڑھے. ارشادِ الٰہی ہوا:-

ورتل القراٰن ترتیلًا. (پ۲۹ مزمل)

ترجمہ. سو آپ پڑھیں قرآن کو کھول کھول کر.

(۲) اذا قرأت القراٰن فاستعذ باللہ من الشیطٰن الرجیم. (پ۱۴ النحل)

ترجمہ. جب تم قرآن پڑھو تو پہلے اعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم پڑھ لیا کرو.

(۳) رکوع اور سجدے کی حالت میں قرآن نہ پڑھنا. حضورؐ فرماتے ہیں:-

نھیت ان اقرأ القراٰن راکعًا او ساجدًا. [۲]

ترجمہ. مجھے منع کیا گیا ہے کہ رکوع اور سجدے میں قرآن پڑھوں.

---

[۱] عین العلم جلد ۱ صفحہ ۸۸ [۲] صحیح مسلم جلد ۱ صفحہ ۱۹۱ نسائی جلد ۱ صفحہ ۱۱۸ ابوداؤد جلد ۱ صفحہ ۱۲۷

علامہ شامیؒ کہتے ہیں:۔

تکرہ قرأۃ القراٰن فی الرکوع والسجود والتشہد باجماع الائمۃ الاربعۃ۔[1]

ترجمہ: رکوع، سجدے اور تشہد میں قرآن پڑھنا ائمہ اربعہ کے نزدیک مکروہ ہے۔

اس ممانعت کی وجہ قرآن کریم کی حرمت عظیمہ اور اس کی شانِ امامت ہے رکوع اور سجدہ انتہائی عاجزی کے نشان ہیں۔ پس مناسب نہ تھا کہ قرآن کریم کو ان پیرایوں میں لایا جائے۔ تشہد میں رب اجعلنی مقیم الصلوٰۃ پڑھنا اس حکم کے خلاف نہ سمجھا جائے یہ الفاظ بطور دعا پڑھے جاتے ہیں بطور تلاوت نہیں اگر انہیں بہ نیت قرآن پڑھا جاتا تو اس سے پہلے اعوذ باللہ ضرور پڑھا جاتا۔

علامہ ابن تیمیہؒ لکھتے ہیں:۔

اما کلامہ فلہ حرمۃ عظیمۃ ولہذا ینہی ان یقرأ القراٰن فی حال الرکوع والسجود۔[2]

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کے کلام کی عزت بہت بڑی ہے اس لیے اسے رکوع اور سجدے کی حالت میں پڑھنے کی ممانعت ہے۔

ویویدہ ماصرح بہ الشیخ الاکبر فی الفتوحات ان القراٰن صفۃ اللہ تعالیٰ ومن اوصافہ القیام فانہ القیوم والقیام والقائم بالقسط فناسبت الصفۃ الصفۃ وحل القراٰن فی القیام بخلاف الرکوع السجود فلیسا من صفات اللہ تعالیٰ فلا یحل فیہما واللہ اعلم بالصواب۔[3]

ترجمہ: اور اسی کی تائید شیخ اکبر کی فتوحات سے ہوتی ہے کہ قرآن اللہ تعالیٰ کی صفت ہے اور اس کے اوصاف میں سے قیام ہے وہ قیوم بھی ہے اور قائم بالقسط بھی اور صفت صفت سے مناسب ٹھہری اور قرآن قیام میں اترا بخلاف رکوع و سجود کے یہ دونوں اللہ کی صفات میں سے نہیں۔ سو قرآن ان میں نہ لایا جائے۔

---

[1] رد المحتار جلد ۱ صفحہ ۳۸۶ [2] فتاویٰ ابن تیمیہؒ جلد ۲ صفحہ ۵۵ [3] ایضاً

④ تلاوت قرآن کا ایک ادب یہ بھی ہے کہ جہاں آیت رحمت ہو وہاں طلب کی کیفیت پیدا کرے اور جہاں وعید عذاب ہو وہاں اللہ کی پناہ مانگے۔

ویسأل امرًا مرجوًا مرعلیه ویتعوذ عن مخوف ویوافق ذکرًا و دعاءً ۔ ؎

ترجمہ۔ جب اس بات سے گزرے جس کی اُمید (طلب) ہو تو سوال کرے اور اس بات سے گزرے جس سے خوف آتا ہو تو پناہ مانگے اور حکم ذکر پر ذکر کرتا چلے اور دعا کے موقع پر دعا کرتا جائے۔

حضرت حذیفہ بن الیمانؓ کہتے ہیں کہ حضورؐ جب آیت عذاب سے گزرتے استعاذہ فرماتے جب آیت رحمت سے گزرتے تو رحمت مانگتے اور جب آیت تسبیح سے گزرتے تو تسبیح کرتے۔ (مسلم)

⑤ تلاوت قرآن کا ایک ادب یہ بھی ہے کہ ایسی جگہ اونچی آواز سے نہ پڑھے جہاں سننے والے اس کی طرف توجہ نہ کریں اور اس کا پڑھنا ان کی بے ادبی کا سبب بن جائے جہاں لوگوں کا انہماک اپنے کاموں میں ہو وہاں قرآن پاک کی تلاوت اس کی بے توقیری کا سبب ہوگی۔

⑥ جب کوئی شخص نماز پڑھ رہا ہو تو اس کے سامنے بھی تلاوت نہ کرے تاکہ اسے تشویش نہ ہو۔

⑦ تلاوت قرآن کا ایک حق یہ بھی ہے کہ جب سجدہ کی آیت آئے تو سجدہ تلاوت کرے حنفیہ کے نزدیک سجدہ تلاوت واجب ہے اور اس کے لیے وضو، قبلہ رُخ ہونا اور سربسجود ہونا لازمی ہیں مسلمان کے سجدہ ریز ہونے پر شیطان ہائے ہائے کرتا ہے۔

⑧ جب تلاوت سے فارغ ہو تو دعا کرے یہ وقت دعا کی قبولیت کا ہے۔

⑨ قرآن پاک کو بوسہ دینا اور محبتِ الٰہی میں ڈوب کر اسے چوم لینا جائز ہے۔

روی عن عمرؓ انه کان یاخذ المصحف کل غداة ویقبله ویقول عهد ربی ومنشور ربی عزوجل وکان عثمانؓ یقبل المصحف ویمسحه

؎ عین العلم جلد ۱ صفحہ ۸۴

علیٰ وجہہ۔[1]

ترجمہ۔ حضرت عمرؓ ہر صبح جب قرآن پاک کو ہاتھ میں لیتے اسے چومتے تھے اور کہا کرتے تھے کہ یہ میرے پروردگار کا عہد نامہ ہے اور میرے رب کی کتاب ہے۔ حضرت عثمانؓ بھی قرآن پاک کو چوما کرتے تھے اور اسے اپنے چہرے پر ملا کرتے تھے۔

حضرت مولانا تھانویؒ فرماتے ہیں :۔

ضروری نہیں لیکن ادب و احترام کا طریق ہے اور جائز ہے۔[2]

جن لوگوں کو محبت سے کچھ واسطہ پڑا ہے وہ جانتے ہیں کہ محبوب کے خط کی یا اس کے کسی بیان کی کسی دل کھوئے ہوئے کے یہاں کیا وقعت ہوتی ہے ۔

محبت تجھ کو آدابِ محبت خود سکھا دے گی

قرآن کریم حسنِ مطلق اور جمالِ حقیقی کا پیغام ہی نہیں احکم الحاکمین کا کلام اور سلطان السلاطین کا فرمان بھی ہے۔ اس پر بھی غور کیجئے کہ سلطانی فرمان کی ہیبت دلوں پر کیا ہو سکتی ہے۔ کلامِ الٰہی میں کلامِ محبوب اور کلامِ آقا دونوں کے آداب یکجا مطلوب ہیں اسے جس قدر احترام و محبت سے پڑھے کم ہے۔

ایک سوال

(۱۰) قرآن پاک لیٹ کر پڑھنا کیسا ہے یہ ادب کے خلاف تو نہیں ؟

جواب : قرآن پاک تلاوت کرنے والا اگر بیٹھ کر تلاوت کرے اور پھر تھک جائے تو اس کے لیے لیٹ کر تلاوت کرنا بھی جائز ہے لیکن بہتر یہ ہے کہ یہ تلاوت زبانی ہو اس حالت میں مصحف کا ادب قائم رکھنا بہت مشکل ہے۔ جو شخص بیٹھ کر تلاوت کرنے کی بجائے لیٹ کر تلاوت کرے تو یہ اندازِ ادب کے خلاف ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں لیٹ کر ذکر کرنے کو قیام و قعود کے ذکر کے بعد ذکر فرمایا ہے اور اس کا درجہ واقعی یہی ہے۔ قرآن کریم میں ہے :۔

---

[1] در مختار بحاشیہ شامی جلد ۵ صفحہ ۲۷۲ [2] امداد الفتاویٰ جلد ۴ صفحہ ۲

الذین یذکرون اللّٰہ قیامًا وقعودًا وعلیٰ جنوبھم۔ (پ آل عمران ۱۹۱)

ترجمہ۔ وہ اللہ کا کھڑے ہو کر بھی ذکر کرتے بیٹھ کر بھی اور اپنی کروٹوں کے بل پر بھی۔

عین العلم صـ۷۹ میں ہے :۔

ویجوز الاضطجاع۔

ترجمہ۔ اور لیٹ کر تلاوت کرنا بھی جائز ہے۔

محدث جلیل ملّا علی قاریؒ فرماتے ہیں :۔

حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ کھڑے ہو کر نماز میں قرآن پڑھنے سے ہر حرف کے بدلے سو نیکیاں ملتی ہیں بیٹھ کر پڑھنے سے ہر حرفِ قرآن پر پچاس نیکیاں ملتی ہیں اور نماز سے خارج با وضو تلاوت پر ہر حرف کے بدلے پچیس نیکیاں ہیں اور جو شخص بغیر وضو کے (زبانی) تلاوت کرے تو اسے ہر حرف کے بدلے دس نیکیاں ملیں گی (اور یہ سب سے نیچا درجہ ہے) [۱]

صوفیائے کرام فرماتے ہیں کہ جو شخص اپنے کو قرأت کے آداب سے قاصر سمجھتا رہے گا وہ قرب کے مراتب میں ترقی کرتا رہے گا اور جو اپنے کو رضا اور عجب کی نگاہ سے دیکھے گا وہ ترقی سے دُور ہو گا۔ مشائخ نے تلاوت کے کئی آداب ذکر فرمائے ہیں :۔

(۱) نہایت احترام اور حضورِ قلب سے باوضو قبلہ رو ہو کر پڑھے۔ قرآن پاک کو رحل یا تکیہ یا کسی اونچی جگہ پر رکھے۔

(۲) اگر یاد کرنا مقصود نہ ہو تو پڑھنے میں جلدی نہ کرے ترتیل سے پڑھے۔

(۳) کلام آقا کی تعظیم اور محبت کے احساس میں آب دیدہ ہونے کی کوشش کرے۔

(۴) آیاتِ رحمت پر رحمت کی دُعا اور آیاتِ عذاب پر مغفرت کی دعا مانگے۔ آیت سجدہ پر سجدہ کرے یہ ان آیات کا حق ہے۔

(۵) اگر ریا کا احتمال ہو یا کسی دوسرے مسلمان کے حرج کا اندیشہ ہو تو آہستہ پڑھے ورنہ آواز سے پڑھنا اولیٰ ہے۔

---

[۱] شرح عین العلم صـ۷۹

⑥ بساط کے مطابق خوش الحانی سے پڑھے۔ (لیکن گانے کا پیرایہ اختیار نہ کرے)۔
⑦ تلاوت کے دوران میں کسی سے کلام نہ کرے ضرورت پیش آئے تو کلام پاک کو بند کرکے بات کرے اور دوبارہ شروع کرنے پر پھر اعوذ باللہ پڑھے۔
(شیخ الحدیث سہارنپوریؒ)

③ قرآن پاک لکھنے کے آداب

① قرآن پاک کا رسم الخط وہی ہونا چاہیئے جو مصاحفِ عثمانیہ کا تھا اسے رومن یا کسی دوسرے حروفِ تہجی میں منتقل کرنا جائز نہیں. اگر اسے انگریزی حروف میں لکھا جائے تو عربی حروف بھی ساتھ رکھنے ضروری ہیں. قرآن کریم کو رومن رسم الخط میں لکھنے سے گو عربی تلفظ باقی رہے پھر بھی اس کی اجازت نہیں. حضرت امام مالکؒ سے پوچھا گیا کہ قرآن پاک کو کسی اور حروفِ تہجی کے رسم الخط میں لکھنا جائز ہے؟ تو آپ نے فرمایا:۔

لا ولکن یکتب علی الکتبۃ الاولی۔[1]

ترجمہ. ہرگز نہیں اسے پہلے رسم الخط میں ہی لکھا جائے۔

مشہور محدث علامہ سخاویؒ فرماتے ہیں:۔

والذی ذھب الیہ مالک ھو الحق وھٰذا مذھب الائمۃ الاربعۃ۔[2]

ترجمہ. جو کچھ امام مالکؒ نے فرمایا وہ صحیح ہے اور یہی چاروں اماموں کا فیصلہ ہے۔

علامہ عدادؒ لکھتے ہیں:۔

قد انعقد اجماع سائر الائمۃ من الصحابۃ وغیرھم علیٰ تلک الرسوم وانہ لا یجوز بحال من الاحوال العدول عن کتابۃ القران الکریم ولا نشرہ بصورۃ تخالف رسم المصاحف العثمانیۃ۔[3]

ترجمہ. صحابہ کرامؓ وغیرہم سب ائمہ دین کا اجماع اسی رسم الخط پر منعقد ہے اسے

---

[1] فتاویٰ ابن حجر و کذلک فی النفحۃ القدسیہ صد ۳۵ للعلامۃ الشرنبلالی صاحب نورالایضاح
[2] رسالہ النصوص الجلیہ۔

مصاحفِ عثمانیہ کے رسم الخط کے خلاف کسی اور رسم الخط میں لکھنا اور پھیلانا کسی طرح بھی جائز نہیں۔

(۲) قرآن کریم کو عربی متن کے بغیر کسی اور زبان میں لکھنا جائز نہیں جب اسے کسی دوسری زبان میں ترجمہ کیا جائے تو عربی متن TEXT بھی ساتھ ہی لکھا جائے ایک دو آیتیں کسی دوسری زبان میں علیحدہ بھی لکھی جا سکتی ہیں اور اس کی فقہاء نے اجازت دی ہے[1] جس زمانے میں بعض علماء نے ترجمہ قرآن کی مخالفت کی تھی اس کا مورد وہ ترجمہ تھا جس کے ساتھ عربی متن نہ ہو۔ کیونکہ اس سے اصل کتاب کے ضائع ہونے کا اندیشہ تھا اس کی تفصیل ہمارے بیان لسان القرآن میں ہو چکی ہے۔

(۳) قرآن پاک کو بلا وضو لکھنا

امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ قرآن پاک کو بلا وضو نہ لکھا جائے کیونکہ لکھنے والا قرآن پاک کو بلا وضو چھونے کا مرتکب ہوگا لیکن دوسرے ائمہ کے نزدیک نقوشِ قرآنیہ کو بواسطہ قلم چھونے سے قرآن کو بلا وضو چھونا لازم نہیں آتا ان کے ہاں یہ اسی طرح ہے جیسے کہ قرآن پاک کو بلا وضو کپڑے کے واسطہ سے چھوا جائے۔ درمختار میں ہے:۔

ولا تکرہ کتابۃ القرآن والصحیفۃ واللوح علی الارض عند الثانی خلافاً لمحمدٍ وینبغی ان یقال ان وضع علی الصحیفۃ ما یحول بینہا وبین یدہ یوخذ بقول الثانی والا فبقول الثالث۔[2]

ترجمہ: کاغذ یا تختی زمین پر قائم ہو تو اس پر قرآن پاک بغیر وضو کے لکھنا حضرت امام ابو یوسفؒ کے نزدیک جائز ہے بخلاف امام محمدؒ کے۔ بات یوں کہی جاتے

---

[1] فتح القدیر للعلامہ ابن الہمام جلد ۱ صفحہ ۱۰۲ [2] درمختار بحاشیہ شامی جلد ۱ صفحہ ۱۲۸ حلبی شرح منیہ جلد صفحہ ۱۸۱

قرآن پاک کو خونِ نکسیر سے لکھنا تداوی بالمحرم (حرام چیز سے علاج کرنا) کی تاویل سے بھی جائز نہیں اس میں صرف حرام عملی کا ارتکاب نہیں کتاب عزیزہ کی توہین بھی ہے جن علماء نے اس میں نرمی کی ہے وہ ہمارے امام فی المذہب نہیں۔ راقم الحروف ان ایک دو حضرات سے ہرگز متفق نہیں اپنا مذہب اہل سنت کے موافق ہے۔

کہ اگر کاغذ اور لکھنے والے کے درمیان حائل موجود ہے (جیسے قلم) تو فتویٰ امام ابو یوسفؒ کا لیا جائے گا ورنہ امام محمدؒ کے قول پر فتویٰ دیا جائے گا۔

④ قرآن سُننے کے آداب

آنحضرتؐ پر جب حضرت جبریلؑ امین وحی لے کر آتے تو آپ اسے جلدی لینے اور یاد رکھنے کے لیے ساتھ ساتھ خود بھی پڑھتے جاتے۔ اس پر ارشاد ہوا۔

لا تحرك به لسانك لتعجل به ان علينا جمعه وقرانه۔ (پ۲۹ القیامہ)

ترجمہ۔ آپ اپنی زبان کو حرکت تک نہ دیں۔ اس قرآن کا جمع کرنا اور پھر آپ کی زبان سے اسے پڑھا دینا یہ سب ہمارے ذمہ ہے۔

قرآن پاک کی تعظیم و تکریم اتنی ہے کہ جب پڑھا جا رہا ہو سننے والے اپنی زبان تک نہ ہلائیں ہمہ تن گوش اور پوری طرح خاموش رہیں۔

واذا قرئ القران فاستمعوا له وانصتوا لعلكم ترحمون (پ۹ اعراف ۲۰۴)

ترجمہ۔ اور جب قرآن پڑھا جا رہا ہو تو اس کی طرف کان دھرو اور بالکل چپ اور خاموش رہو تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔

جنات بھی قرآن کریم کو سن کر پکار اُٹھے تھے کہ سننے والو خاموش رہو۔

واذ صرفنا اليك نفرا من الجن يستمعون القران فلما حضروه قالوا انصتوا فلما قضى ولوا الى قومهم منذرين۔ (پ۲۶ احقاف ۲۹)

ترجمہ۔ اور جب ہم نے جنوں کا ایک گروہ آپ کی طرف متوجہ کیا تھا اور وہ قرآن سننے لگے تھے تو وہ بھی (اپنے ساتھیوں کو) کہہ اُٹھے تھے کہ چپ اور خاموش رہو۔ پھر جب قرآن کا پڑھا جانا ختم ہوا تو وہ اپنی قوم کی طرف واپس ہوئے تاکہ انہیں ڈرائیں۔

قرآن کریم کے احترام کا تقاضا ہے کہ جب بھی اصلاح و ارشاد یا ذکر و عبادت کے طور پر پڑھا جا رہا ہو تو اس ارشاد کے سامعین اور اس عبادت کے شاملین پوری طرح خاموش رہیں۔

اور ہمہ تن گوش بنیں۔ ہاں جو لوگ اس وقت مخاطب نہ ہوں یا وہ اس عبادت میں شامل نہ ہوں تو وہ اس حکم کے مکلف نہیں۔ طالب علم ایک جگہ بیٹھ کر سب کے سب اکٹھے پڑھتے ہیں یہ پڑھنا بطریق ارشاد نہیں بطریق مشق ہے پس اس صورت میں یہ پابندی نہیں ورنہ حفظِ قرآن اور مشق ناظرہ دونوں متاثر ہوں گے۔ اسی طرح جب نماز ہو رہی ہو تو جو لوگ اس جماعت میں شامل نہیں وہ بھی اس حکم کے پابند نہیں۔ یہ قرآنی آیات انہی لوگوں کو پابند کر رہی ہیں جو شرکائے مجلس ہوں۔ واللہ اعلم بالصواب۔

⑤ قرآن کی شانِ امامت

قرآن کریم شانِ الٰہی ہے اس کا تقاضا ہے کہ یہ کبھی ماتحتی میں نہ اُترے جہاں ہو امام بن کر رہے۔ بندہ بھی اسے پڑھے تو یہ نیاز بندہ نہیں تلاوتِ کلامِ الٰہی ہے خدا کا کلام ہے جو بندے کی زبان پر جاری ہے رکوع اور سجدہ انتہائی عاجزی کے محل تھے ان میں قرآن پڑھنا ممنوع قرار پایا تشہد میں بیٹھنا ایک انتہائی نیازمندی کی شکل ہے اس میں بھی قرآن پاک پڑھنا ممنوع ٹھہرا۔

مقتدی ہونا بھی ایک ماتحتی کا اقرار ہے اس میں بھی قرآن پاک کو نہ لانا چاہیئے۔ امام قرآن پڑھے منفرد قرآن پڑھے لیکن مقتدی نہ پڑھے وہ امام کے پڑھنے پر آمین کہے حضرت زید بن ثابتؓ صحابہ میں کتنی بڑی شخصیت تھے۔ جب آپ گھوڑے پر سوار ہوتے تو ترجمان القرآن حضرت عبداللہ بن عباسؓ ان کی رکاب تھام کر چلتے۔ آپ سے بڑا قرآن کا نکتہ شناس اور کون ہوگا۔ آپ نے مقتدی کو قرآن پڑھنے سے علی الاطلاق منع فرمایا۔ آپ نے کہا:

لا قرأۃ مع الامام فی شیء۔ [1]

ترجمہ۔ امام کے ساتھ قرآن پڑھنا نہیں کسی بھی حصے میں۔

نماز میں قرآن کے دو محل ہیں۔ ۱۔ سورۃ فاتحہ۔ ۲۔ دوسری کوئی سورت ـــــ سوان دونوں حصوں میں مقتدی نے قرآن کو ماتحتی میں نہیں لانا مقتدی امام کے پیچھے مطلقاً قرآن نہ پڑھے مظروف ظرف کے تابع ہوتا ہے۔ قرآن کو عاجزی اور ماتحتی کے ظرف میں نہ اُتاریئے۔

---

[1] صحیح مسلم جلد ا صــــ

سوال. امام انسان ہوتا ہے وہ جب قرآن پڑھتا ہے تو قرآن اس میں ڈھلتا ہے بیشک یہاں قرآن امام ہی رہتا ہے لیکن کتاب کو امام کہنے کی بھی تو کوئی سند چاہیئے ؟

جواب. اللہ تعالیٰ قرآن پاک میں تورات کے بارے میں فرماتے ہیں :-

ومن قبلہ کتاب موسیٰ اماماً ورحمۃ. (پ ۲۶ احقاف ۱۲)

ترجمہ. اور اس سے پہلے تورات امام تھی اور رحمت اور اب یہ کتاب ہے اس کی (اصولاً) تصدیق کرنے والی اور یہ عربی لسان ہے تاکہ ڈر سنائے زیادتی کرنے والوں کو اور خوشخبری دے احسان میں آنے والوں کو.

کیا اس آیت میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی کتاب کو امام نہیں کہا گیا اور کیا دینِ موسوی میں کسی مقتدی نے اسے مقتدی کے قالب میں ڈھالا ؟ پھر کیا اب (اس دور میں) اس کی بجائے قرآن کو امام اور رحمت ماننے کی دعوت نہیں دی گئی ـــــ سو یہ کسی طرح نہیں ہو سکتا کہ قرآن کریم مقامِ امامت میں ہوتے ہوئے کسی مقتدی کے قالب میں ڈھلے. ضروری ہے کہ نماز میں قرآن یا امام پڑھے یا منفرد ـــــ مقتدی کا وظیفہ تسبیحات و تکبیرات اور نماز کی حرکات ہیں قرآن پڑھنا نہیں. نہ سری نمازوں میں نہ جہری نمازوں میں. کیوں کہ ان دونوں صورتوں میں مقتدی مقتدی ہی رہتا ہے.

⑤ قرآن کے آداب حفظ

① قرآن پاک کا حفظ کرنا فرض کفایہ ہے۔[۱]

کچھ لوگ یاد کرتے رہیں تو حفظ کا بار سب سے ٹل جاتے گا ورنہ سب گنہگار ہوں گے. محدث کبیر ملا علی قاریؒ علامہ زرکشی سے نقل کرتے ہیں کہ جس شہر یا گاؤں میں کوئی قرآن پڑھنے والا نہ ہو وہاں سب مسلمان گنہگار ہیں. نئی تہذیب کے بعض مسلمان حفظ قرآن کو بے فائدہ سمجھتے ہیں اور اس کے الفاظ رٹنے کو فضول کہا جاتا ہے. یہ سب باتیں تعلیماتِ اسلام کے خلاف ہیں حفظِ قرآن کی آنحضرتؐ اور صحابہؓ سے بڑی فضیلت منقول ہے اور اتنا قرآن مجید حفظ کرنا جس سے نماز

---

[۱] شامی جلد ا صـ۲۹

ادا ہو جائے یہ ہر مسلمان پر فرض عین ہے۔

احیاء العلوم میں حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم سے منقول ہے کہ تین چیزیں حافظہ کو بڑھاتی ہیں:۔

۱۔ مسواک ۲۔ روزہ ۳۔ تلاوت کی کثرت

○ مجدد مائتہ دہم ملّا علی قاریؒ طبرانیؒ اور بیہقیؒ سے نقل کرتے ہیں کہ جو شخص قرآن کریم پڑھتا ہے اور وہ یاد نہیں ہوتا تو اس کے لیے دوہرا اجر ہے وہ اسے یاد کرنے کی تمنا کرتا ہے لیکن یاد کرنے کی طاقت نہیں رکھتا مگر وہ پڑھنا بھی نہیں چھوڑتا حق تعالیٰ اسے قیامت کے دن حافظوں کے ساتھ اٹھائیں گے۔

○ ملّا علی قاریؒ نے شرح السنۃ سے ابو امامہ کی یہ روایت نقل کی ہے :۔

قرآن شریف کو حفظ کیا کرو کیونکہ حق تعالیٰ اس قلب کو عذاب نہیں فرماتے جس میں کلام پاک محفوظ ہو۔

○ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ :۔

مجھ پر میری امت کے گناہ پیش کیے گئے میں نے اس سے بڑا کوئی گناہ نہ دیکھا کہ کوئی شخص قرآن پاک کی کوئی آیت یاد ہونے کے بعد اسے بھلا دے [۱]

○ امام بیہقیؒ روایت کرتے ہیں کہ حضور اکرمؐ نے فرمایا :۔

من قرء القرآن فقد استدرج النبوة بين جنبيه غير انه لا يوحى اليه [۲]

ترجمہ: جس شخص نے قرآن پاک حفظ کر لیا اس نے نبوت کو اپنے سینہ میں درج کر لیا۔ ہاں اس کی طرف وحی نہ آئے گی۔

○ امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ قرآن یاد کر کے بھلا دینا گناہ کبیرہ ہے کیونکہ یہ قرآن کریم سے بے پرواہی اور غفلت کی علامت ہے۔ یہ کہنا کہ میں نے قرآن کی فلاں آیت بھلا دی یہ بھی مکروہ ہے۔ ضرورت ہے تو یہ کہے کہ "میں بھلا دیا گیا ہوں"۔

---

[۱] ترمذی جلد ۲ صفحہ ۱۱۳ [۲] کتاب الاسماء والصفات صفحہ ۱۹۷ طبع الہ آباد

⑦ ختم قرآن کے آداب

قرآن کریم کا ختم بہت بڑی نیکی اور سعادت ہے اس وقت خدا کی رحمتیں برستی ہیں اور رحمتیں اترتی ہیں۔ حضرت انس بن مالکؓ ختم قرآن کے موقع پر اپنے اہل وعیال اور دوستوں کو جمع فرما لیتے، تاکہ وہ بھی خدا کی رحمتوں سے جھولیاں بھر لیں۔ (الاتقان)

ختمِ قرآن کی دُعا پر خدا کے فرشتے بھی آمین کہتے ہیں۔ (رواہ الدارمی)

فرشتوں کی دعا پھر سارا دن یا ساری رات پڑھنے والوں کے شاملِ حال رہتی ہے اس لیے ابتدائے دن یا ابتدائے رات میں ختم کرنا مستحب ہے تاکہ دعا زیادہ سے زیادہ ساعات کو محیط رہے سردیوں میں راتیں لمبی ہوتی ہیں ان دنوں رات کے شروع میں ختم کرنا بہتر ہے اور گرمیوں میں دن طویل ہوتے ہیں ان میں دن کے اوّل وقت میں ختم کرے[1]

قرآن کریم دیکھ کر پڑھنا زبانی پڑھنے سے افضل ہے[2] خلیفہ راشد حضرت عثمانؓ قرآن کریم کے حافظ ہونے کے باوجود دیکھ کر اس طرح تلاوت کرتے کہ قرآن پاک کے کئی نسخے ان کی کثرت تلاوت سے شہید ہو گئے تھے۔ حکیم ترمذی اور امام بیہقی حضرت اُبوسعید خدریؓ سے روایت کرتے ہیں:۔

اعطوا اعینکم حظّها من العبادة النظر فی المصحف والتفكّر فيه و الاعتبار عند عجائبه.[3]

ترجمہ۔ اپنی آنکھوں کو بھی ان کی عبادت کا حصہ دیا کرو۔ وہ قرآن پاک کو دیکھنا ہے اور (دیکھ دیکھ کر) اس میں غور کرنا اور اس کے عجائب سے سبق لینا ہے۔

ل حفظ کرنے اور حفظ کو باقی رکھنے کے لیے زبانی دور کرنا اور جلدی جلدی پڑھنا اپنے اصلی مقصد کے لیے بے شک صحیح ہے لیکن جب محض عبادت مقصود ہو تو ترتیل اور پوری توجہ سے

---

[1] البرہان للعلامہ الزرکشی جلد ۱ صد ۱۷۲ [3] عین العلم جلد ۱ صد ۸ لیکن نماز میں دیکھ کر پڑھنے سے جیسا کہ بعض امام رمضان میں دیکھتے ہوئے پڑھاتے ہیں حنفیہ کے نزدیک نماز نہیں ہوتی۔

پڑھنا چاہیئے۔ قرآن کریم کے ختم میں یہ سلامتی اور اعتدال بہت زیادہ مطلوب ہے۔ افسوس کہ لوگ اس سے غافل ہیں۔

ختمِ قرآن کے لیے اُس کے حصے

تین دنوں سے کم وقت میں ختم کرنا عام حالات میں درست نہیں کیونکہ اس جلدی میں قرآن کے احترام اور اس کی طرف توجہ کا حق ادا نہیں ہوگا۔ حضورؐ نے عبداللہ بن عمر بن عاصؓ کو سات دنوں میں ختم کرنے کے لیے ارشاد فرمایا تھا۔ حضرت عثمانؓ، حضرت زید بن ثابتؓ، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اور حضرت ابی بن کعبؓ کا (دیکھ کر پڑھنے) کا عمل یہی تھا۔ حضرت علیؓ نے قرآن کی سات حصوں میں تقسیم کو فمی بشوقٍ (میرا ذہن شوق سے پڑھنے میں لگا ہے) کی رمز میں بیان فرمایا۔ فاء سے مراد فاتحہ، میم سے المائدہ، یاء سے مراد یونس، باء سے مراد بنی اسرائیل، شین سے مراد الشعراء، واؤ سے مراد والصافات اور قاف سے مراد سورت قٓ مراد ہیں اور یہ سات منزلوں کی سات ابتدائیں ہیں۔

ایک شخص پُورا نہ پڑھ سکے اور کچھ لوگ مل کر قرآن کریم ختم کرلیں تو یہ بھی ختم قرآن ہے اور یہ بھی دُعا کی قبولیت کا وقت ہے۔ لیکن قرآن پڑھنے کے لیے طلبہ اور حفاظ کو اجرت دینا (گو یہ اُجرت خدمت کے عنوان سے ہو) اور اس طرح قرآن پاک کو ختم کرنا یہ درست نہیں۔ عبادت صرف عبادت کی نیت سے ہونی چاہیئے اور تلاوت میں انتہا درجے کا اخلاص درکار ہے۔ یہ کلامِ الٰہی کی تکریم ہے (تفصیل کے لیے حضرت علامہ خالد نقشبندی کی کتاب شفاء العلیل فی التحنات والتہالیل دیکھ لی جائے)۔

۱۔ یہیں سے قرآن کی سات منزلیں طے ہوتی ہیں۔ سورۃ فاتحہ کے بعد تین سورتیں۔ ۲۔ پانچ سورتیں۔ ۳۔ چھ سات۔ ۴۔ پھر نو۔ ۵۔ پھر اس کے بعد گیارہ۔ ۶۔ اگلے دن تیرہ۔ ۷۔ اور ساتویں دن ۶۵ سورتیں۔ یہ کل ۱۱۴۔

ارض القرآن

بیان الادیان عند نزول القرآن

الحمدللہ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ امابعد:

قرآن کریم نے اپنی دعوت کی صف جس زمین پر بچھائی اس میں کون کون سے تصورات موجود تھے اور کون کون سی ملتیں اپنے ڈیرے ڈالے ہوئے تھیں۔ فہم قرآن کے لیے ان تمام حالات کو پیش نظر رکھنا ضروری ہے۔ حضرت فاروق اعظمؓ نے ارشاد فرمایا:۔

جب مسلمانوں میں دورِ جاہلیت کو سمجھنے والے نہ رہیں گے تو اسلام کے اصول وفروع کی کڑیاں ایک ایک کر کے ٹوٹتی جائیں گی۔

ہم یہاں عہدِ جاہلیت کا وہ پس منظر پیش کرتے ہیں جس پہ قرآن عزیز نے اپنی دعوت کی پہلی صف بچھائی۔ یہاں ارض القرآن سے ہماری مراد یہی ہے کہ وہ کون سا ماحول تھا جہاں آفتابِ رسالت کی پہلی کرنیں پھوٹیں۔

اس وقت کی معروف دنیا بلحاظ اعتقاد ان طبقوں میں منقسم تھی:۔

عرب

ان میں ۱۔ دہریہ۔ ۲۔ مشرکین۔ ۳۔ یہود۔ ۴۔ نصاریٰ۔ ۵۔ مجوس آتش پرست۔ ۶۔ صابئین سب طرح کے لوگ تھے لیکن زیادہ لوگ بُت پرست تھے تاہم اپنے کو وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا پیرو ظاہر کرتے تھے۔

ایران

ان میں۔ ۱۔ پیروانِ زرتشت۔ ۲۔ پیروانِ مانی۔ ۳۔ نصاریٰ۔ ۴۔ یہود۔ ۵۔ مزدکی اور اشتراکی عقائد کے حامی پائے جاتے تھے زیادہ آبادی پیروانِ زرتشت کی تھی۔

رُوم

یہاں کے زیادہ لوگ عیسائی تھے، یونانی اثرات کے ماتحت اجرامِ فلکی کے پرستار یعنی

ستارہ پرست قومیں بھی موجود ہیں۔

ہندوستان

ہندو مشرکین اصنام، عناصر، اجرام فلکی، نباتات وحیوان وغیرہ کے پرستار تھے یہ لوگ ایک دینی تصور کے تحت مختلف ذاتوں میں بٹے ہوتے تھے۔ کچھ لوگ ہستی باری تعالیٰ کے منکر بھی تھے۔ مگر نوع انسانی کی شکتی کے لیے نظامِ عمل کے قائل تھے۔ بُدھ بھی ایک اچھی تعداد میں وہاں پائے جاتے تھے۔

جن جن ملکوں میں باقاعدہ مرکزی حکومتیں قائم تھیں ان میں دینی خیالات اس قدر منتشر نہ تھے جس قدر کہ دوسرے ملکوں میں تھے وہاں اعیانِ سلطنت اور حکومت کا مذہب ہی "عوامی دین" سمجھا جاتا تھا یہی وجہ ہے کہ روم وایران کی سلطنتیں باوجودیکہ صدیوں کی تہذیب اپنی وراثت میں لیے ہوئے تھیں اپنے دینی تصورات میں تقریباً وحدت کی حامل تھیں اور ان میں نظریات کی کثرت اور مذہبی گروہ بندی اس طرح نہ تھی جس طرح ان ممالک میں تھی جہاں کوئی مرکزی نظامِ حکومت نہ تھا۔ نزولِ قرآن کے وقت ادیانِ عالم کی کیا کیفیت تھی اس کے لیے اُوپر کے نقشے کو پھر دیکھئے۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ مختلف دینی تصورات اور طرح طرح کے عقائد میں سرزمینِ عرب کو جامعیت حاصل تھی۔ یہاں تقریباً ہر خیال کے لوگ موجود تھے ہندوستان کے مشرکین، روم کے نصاریٰ، ایران کے مجوس الغرض ہر طبقے کی اعتقادی جھلک عرب کے مشرکین یہود و نصاریٰ اور مجوس میں موجود تھی۔ پیروانِ مذاہب مذکورہ ظلمت والحاد کے طوفانوں میں غوطے کھا رہے تھے کہ قرآن کریم نے اسلام کی دعوت پیش کی۔ اس کے لیے سرزمینِ عرب کو ہی چُنا گیا اور پہلے یہی خطہ زمین "ارض القرآن" بنا جس نے تمام دنیا کے مذاہب اور تصورات کی کایا پلٹ کر رکھ دی۔ عرب میں خصوصاً شمالی عرب میں کوئی باقاعدہ نظامِ حکومت موجود نہ تھا اور آزادیٔ رائے اور حرّیتِ فکر وعمل کی راہ میں کسی تمدن کی زنجیریں حائل نہ تھیں ان حالات نے مختلف عقائد اور مختلف نظریات کے فروغ میں عرب کو جامعیت کا شرف بخشا اور پُورے کرہ زمین میں صرف عرب کی زمین ہی تھی جس کی تہ میں مختلف عقائد و تصورات کا عالمی خاکہ بچھا ہُوا تھا۔ عالمی ہادی آقائے نامدار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت اِسی

سرزمین میں ہوئی اور اسی سرزمین سے عالمی ہدایت کا آفتاب پوری آب و تاب کے ساتھ طلوع ہوا۔ اب ہم اس امر کی تفصیل کرتے ہیں کہ عرب میں اس وقت کون کون سی ملتیں اپنے ڈیرے ڈالے ہوئی تھیں۔

① عرب محصّلہ

یہ لوگ مستقل ملتیں رکھتے تھے اور کسی نہ کسی معروف مسلک کے پیرو تھے جیسے یہود و نصاریٰ اور مشرکین[1] و مجوس وغیرہ ان کی گمراہی میں قوتِ نظریہ کی بجائے قوتِ عملیہ کو زیادہ دخل تھا نظریات پھر اس کے مطابق ڈھلتے چلے گئے۔

② عرب معطّلہ

یہ لوگ کسی مذہب کے پیرو نہ تھے قوتِ نظریہ انتہائی پستی میں تھی اور یہ لوگ محض منفی موقف رکھنے کی وجہ سے کوئی ملت نہ بنے تھے۔ یہ پھر آگے خود مختلف طبقات میں منقسم تھے جیسے دہریہ، منکرینِ بعثت، منکرین رسالتِ بشریت، مشرکین عامہ وغیرہ۔

عرب معطّلہ کے مختلف طبقات

قرآن کریم میں ان کا ذکر اس پیرایہ میں ملتا ہے:۔

① دہریہ

قرآن کریم نے ان کا تعارف یوں کرایا ہے:۔

وقالوا ما ھی الا حیوتنا الدنیا نموت ونحیا وما یھلکنا الا الدھر وما لھم بذلک من علم ان ھم الا یظنون۔ (پ۲۵ الجاثیہ ۲۴)

---

[1] یہاں صرف وہ مشرکین مراد ہیں جو اپنے آپ کو ملت ابراہیمی سے وابستہ کرتے تھے دوسرے مشرکین عرب معطّلہ کے قریب ہیں۔

ترجمہ۔ وہ کہتے ہیں " اور کچھ نہیں" بس یہی ہے ہمارا جینا دُنیا کا ہم مرتے اور
زندہ رہتے ہیں ہماری موت صرف دہر (زمانے کے چکر) سے ہے اُن کو
کچھ خبر نہیں۔ محض اٹکلیں دوڑا رہے ہیں۔

اس نظر و فکر کے ابطال کے لیے قرآن کریم نے انہیں کارخانہ کائنات کی انفسی اور آفاقی آیات کی طرف متوجہ کیا۔ صرف اسی طریق سے ان کی قوت نظریہ کو جلا حاصل ہو سکتی تھی۔ قرآن کریم میں یہ مضامین مختلف مقامات پر پھیلے ہوئے ہیں ان آیات کا طرز بیان بہت مؤثر اور بڑا ہی دلآویز ہے:۔

ان فی خلق السموات والارض واختلاف اللیل والنہار۔ (پ۲ البقرہ ۱۶۴)

ترجمہ۔ بیشک زمین اور آسمان کی پیدائش میں اور رات دن کے آگے پیچھے آنے میں عقلمندوں کے لیے خدا کی قدرت کے کھلے نشان ہیں۔

اللہ الذی رفع السموات بغیر عمدٍ ترونہا۔ (پ۱۳ الرعد ۲)

ترجمہ۔ اللہ وہ ذات ہے جس نے آسمان کو بغیر ستونوں کے جنہیں تم دیکھ پاؤ اٹھا رکھا ہے۔

اولم ینظروا فی ملکوت السموات والارض۔ (پ۹ الاعراف ۱۸۵)

ترجمہ۔ کیا انہوں نے آسمان اور زمین نہیں دیکھا۔

اللہ الذی خلق السماء والارض وانزل من السماء ماء فاخرج به من الثمرات رزقاً لکم وسخر لکم الفلك لتجری فی البحر بامره وسخر لکم الانهار وسخر لکم الشمس والقمر دائبین وسخر لکم اللیل والنہار۔ (پ۱۳ ابراہیم ۳۲)

ترجمہ۔ اللہ ہے جس نے آسمان اور زمین کو بنایا اور آسمان سے پانی اُتارا سو نکالے اس پانی سے نکالے پھل رزق تمہارے لیے اور تمہارے لیے کشتیوں کو ماتحت کیا جو سمندر میں اس کے حکم سے چلتی ہیں اور کام میں لگایا ندیوں کو اور سورج اور چاند کو تمہارے لیے کام میں لگایا ایک دستور پر چلنے والے اور دن اور رات کو تمہارے لیے کام پر لگایا۔

(۲) منکرینِ آخرت

یہ لوگ خدا تعالیٰ کی ہستی کا انکار نہیں کرتے تھے۔ مگر دوسرے حیوانات کی طرح انسانوں کی موت کو بھی فنا کلی سمجھتے تھے موت کے بعد انسان کے پھر جی اُٹھنے کے قائل نہ تھے۔ اور حساب و کتاب کے منکر تھے۔

قرآن عزیز نے مفہوم موت پر ان کی اصلاح کی اور بتایا کہ موت فنا کلی کا نام نہیں بلکہ یہ انتقال من الدار الی الدار ہے۔ موت ایک عالم سے دوسرے عالم میں جانا ہے اس موضوع پر قرآن کریم نے تخلیق انسانی کے مختلف مراحل سے بھی استدلال کیا ہے:۔

ان کنتم فی ریب من البعث فانا خلقناکم من نطفۃ ثم من علقۃ ثم من مضغۃ۔ (پ۱۷ الحج ۵)

ترجمہ۔ اگر تم ہو پھر اٹھنے کے شک میں سو ہم نے پیدا کیا تم کو ایک قطرے سے پھر جمے خون سے اور پھر ایک لوتھڑے سے۔

وضرب لنا مثلاً ونسی خلقہ قال من یحی العظام وھی رمیم ہ قل یحیھا الذی انشاءھا اول مرۃ وھو بکل شیءٍ علیم۔ (پ۲۳ یٰسین ۷۹)

ترجمہ۔ اور انسان نے ہم پہ باتیں کرنی شروع کر دیں اور اپنی پیدائش کو بھول گیا کہنے لگا ان ہڈیوں کو جب وہ ریزہ ریزہ ہو چکی ہوں گی پھر سے زندہ کرے گا آپ انہیں کہدیں ان کو وہی زندہ کرے گا جس نے انہیں پہلی دفعہ پیدا کیا تھا اور وہ ہر چیز کو جاننے والا ہے

اور قرآن کریم نے اللہ رب العزت کی قدرتِ عامہ سے اس پر شہادتیں پیش کی ہیں۔ یہ لوگ بڑے تعجب سے کہتے تھے:۔

ءاذا متنا وکنا ترابًا وعظامًا ءانا لمدینون۔ (پ۲۳ صٰفّٰت ۵۳)

ترجمہ۔ کیا جب ہم مر جائیں گے اور مٹی اور ہڈیاں ہو جائیں گے تو کیا ہم جزاء دیئے جائیں گے؟

ان خیالات کی اصلاح کے لیے اللہ رب العزت نے اپنی قدرت کے عالمگیر نقشے کھینچے

ہیں۔ قرآن کریم نے آخرت کی جزا و سزا کا تفصیلی تعارف کرایا ہے کہیں انسان کی غایتِ تخلیق اور اس کے مقصدِ حیات کی طرف توجہ دلائی گئی ہے کہ جب جملہ حیوانات اپنی زندگی کا کوئی نہ کوئی مقصد رکھتے ہیں اور ہر ادنیٰ اپنے سے اعلیٰ کے کام آرہا ہے تو انسان بھی تو بے فائدہ پیدا نہیں کیا گیا اسے بھی تو اپنے سے اعلیٰ تر کے کام آنا چاہیئے :-

ایحسب الانسان ان یترک سدیٰ ۔ (پ۲۹ القیامۃ)

ترجمہ۔ کیا خیال کرتا ہے آدمی کہ اسے یونہی بے قید رکھا جائے گا۔

(۴) مُنکرینِ رسالت بشریہ

یہ لوگ خدا کی ہستی کے تو قائل تھے لیکن رسالت کو نہیں مانتے تھے ان کا خیال تھا کہ اگر خدا کی طرف سے انسانوں کے لیے کوئی ہدایت ہوتی تو اسے دُنیا کے سامنے فرشتے لے کر آتے تھے یہ نہیں ہوسکتا کہ انسانوں میں سے کسی انسان پر خدا اپنے احکام نازل کردے وہ رسالت بشری کے منکر تھے :-

وقالوا ما ھذا الرسول یاکل الطعام و یمشی فی الاسواق (پ۱۸ فرقان)

ترجمہ۔ اور انہوں نے کہا کیا ہوا اس رسول کو یہ کھانا بھی کھاتا ہے اور بازاروں میں بھی چلتا پھرتا ہے۔

ابعث اللہ بشرًا رسولًا ۔ (پ۱۵ بنی اسرائیل ۹۴)

ترجمہ۔ کیا خدا نے انسان کو پیغمبر اٹھایا ہے۔

ابشرٌ یھدوننا فکفروا ۔ (پ۲۸ تغابن ۶)

ترجمہ۔ کیا ایک انسان ہمیں راہ دکھاتا ہے سو وہ (اس کی رسالت کے) منکر ہوئے۔

قالوا ان انتم الا بشر مثلنا ..... قالت لھم رسلھم ان نحن الا بشر مثلکم ولکن اللہ یمن علیٰ من یشاء من عبادہ ۔ (پ۱۳ ابراہیم ۱)

ترجمہ۔ انہوں نے کہا تم بھی تو ہماری طرح انسان ہو..... انہیں ان کے رسولوں نے کہا بیشک ہم بھی تمہاری طرح انسان ہیں لیکن اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے جس پر چاہے احسان فرماتا ہے

وماقدروا اللّٰہ حق قدرہ اذ قالوا ما انزل اللّٰہ علیٰ بشر من شئ (پ۷ الانعام ۹)

ترجمہ۔ اور انہوں نے اللہ کی قدر نہ کی جو اس کی قدر کا حق تھا جب انہوں نے کہہ دیا کہ اللہ تعالیٰ نے بشر پہ کوئی چیز نہیں اُتاری۔ (یعنی انسان پیغمبر نہیں ہو سکتا)

اور ان کے اعتقاد میں بشریت اور رسالت ایک جگہ جمع نہ ہو سکتی تھیں۔ ان لوگوں نے پیغمبروں کو انسان کہہ کر ان کی پیغمبری سے انکار کر دیا۔ یہی انکار رسالت اور استبعادِ رسالت بشری ان کے کُفر کا موجب بن گیا۔

ان کا ابطال قرآن کریم نے کئی طریقوں سے کیا ہے

(۱) نوعِ انسانی کو بہترین مخلوق اور احسن تقویم[۱] قرار دیا حتیٰ کہ فرشتوں پر بھی اسے فوقیت عطا فرمائی اور اس کا فرشتوں کا مسجود[۲] الیہ ہونا بیان فرمایا۔

(۲) ان مقدس انسانوں کی عظمت اور عصمت کے شوائد پیش کر کے انہیں دوسرے عام انسانوں سے ممتاز کر دیا۔

(۳) دوسرے انسانوں کے لیے پیغمبروں کو نمونہ قرار[۳] دے کر واضح کر دیا کہ منصبِ رسالت نوعِ بشر کے لیے کیوں ہے۔

(۴) یہ بتلایا کہ فرشتے اس فریضہ رسالت کے متحمل نہیں ہو سکتے اگر انہیں بھیجا بھی جاتا تو وہ بھی صُورتِ بشری میں ہی ہوتے[۴] اور بات وہیں کی وہیں رہتی۔

(۴) مشرکین

یہ لوگ ہستی باری تعالیٰ کے قائل تھے اور اُسے ہی ساری کائنات کا

---

[۱] لقد خلقنا الانسان فی احسن تقویم۔ (پ۳۰ التین) [۲] پ۱ البقرہ) [۳] لقد کان لکم فی رسول اللّٰہ اسوۃ حسنۃ۔ (پ۲۱ الاحزاب) [۴] قل لو کان فی الارض ملٰئکۃ یمشون مطمئنین لنزلنا علیھم ملکا رسولا۔ (پ۱۵ بنی اسرائیل) [۵] ولو انزلنا ملکا لقضی الامر ثم لا ینظرون ولو جعلناہ ملکا لجعلناہ رجلا وللبسنا علیھم ما یلبسون۔ (پ۷ الانعام ۹)

خالقؔ مالکؔ رازقؔ اور مدبّر کائنات سمجھتے تھے کسی مخلوق کو وہ خدا کے ساتھ برابر کا شریک نہ مانتے تھے۔ البتہ بعض مقدس ہستیوں کو وہ عطائی طور پر خدائی صفتوں میں شریک کرتے تھے۔ ان کا اعتقاد تھا کہ تقرب الٰہی بزرگانِ دین کی اطاعت سے نہیں بلکہ ان کی عبادتؔ (غایت تعظیم) سے حاصل ہوتا ہے۔ چنانچہ بندگی کے تمام آداب وہ اُنہی سے وابستہ کرتے تھے جیسے :۔

① مافوق الاسباب ان کی پناہ میں آنا۔

② ان کے نام پر (ان کے تقرب کے لیے نہ کہ انہیں کھلانے کے لیے) جانور ذبح کرنا۔

③ ان کی منت ماننا۔

④ ان کے لیے اعتکاف کرنا۔

⑤ ان ناموں کے بتوں کا طواف کرنا۔

⑥ انہیں مشکل کے وقت پکارنا۔

⑦ ان کے نام کی قسم کھانا اور انہیں اپنے بواطن امور پر گواہ کرنا وغیرہ۔

انہیں یقین تھا کہ اللہ تعالیٰ نے ان مقدس ہستیوں کو کائنات کے نفع ونقصان کا مالک اور مختار بنایا ہوا ہے۔ فریادرسی اور حاجت روائی کے لیے انہیں اختیارات سونپ

لہ ولئن سألتہم من خلق السموٰات والارض لیقولن خلقھن العزیز العلیم (پ۲۵ زخرف ۹)
لہ قل لمن الارض ومن فیھا ان کنتم تعلمون سیقولون للہ۔ (پ۱۸ مومنون ۸۹) لہ قل من یرزقکم من السماء والارض امن یملک السمع والابصار ومن یخرج الحیّ من المیّت ویخرج المیّت من الحیّ ومن یدبّر الامر فسیقولون اللہ۔ (پ۱۱ یونس ۳۱) لہ وہ مشرکین اپنے حج میں یہ تلبیہ کہتے تھے۔ لبیک لاشریک لک الا شریکًا ھو لک تملکہ وما ملک۔ (مسلم عن ابن عباسؓ فتح الملہم جلد ۳ ص۲۱۷) اس سے واضح ہے کہ وہ اپنے معبودوں کو عطائی طور پر خدا کے ساتھ شریک کرتے تھے۔۔۔۔
لہ ما نعبدھم الا لیقربونا الی اللہ زلفی۔ (پ۲۳ الزمر)

دیئے ہیں، مختلف کام مختلف بزرگوں کے سپرد ہیں جنہیں وہ مافوق الاسباب[1] طریق پر سرانجام دیتے ہیں، وہ اپنے اور خدا کے مابین ان مقدس ہستیوں کو واسطہ فی الثبوت[2] سمجھتے تھے اور بر ضرورت کے وقت اس کے متعلقہ بزرگوں کی روحوں کی طرف توجہ کرنا ان کا طریق عمل تھا۔ اپنی پاکیزہ ہستیوں[3] کے ناموں پر ان لوگوں نے بت بنا رکھے تھے ان بتوں کے سامنے آ کر وہ ان بزرگوں کی طرف توجہ باندھتے تھے جن کی یاد میں انہوں نے وہ بت بنائے ہوئے ہوتے تھے۔ وہ اس حقیقت سے بے خبر نہ تھے کہ بت من حیث النقل بالکل بے جان اور اپنے آپ سے بھی بے خبر ہیں لیکن ان کا عقیدہ تھا کہ من حیث الاصل (یعنی جن بزرگوں کے نام پر یہ تراشے گئے ہیں) وہ ضرور ان کی فریاد کو پہنچیں گے اور ان کی مرادیں پوری کریں گے ان کا عقیدہ تھا کہ حقیقی فریاد رس بے شک اللہ تعالیٰ ہے۔ لیکن یہ بزرگ خود اپنے اختیار سے اس کے ہاں

---

[1] اس لیے کہ اسبابِ عادیہ کے ماتحت ایک دوسرے سے مدد لینا ہرگز محل کلام نہیں۔ [2] واسطہ فی العروض کے طور پر نہیں کہ ہر آن اور لمحہ رب العزت کا احتیاج رہے وہ سمجھتے تھے کہ بزرگان کرام اختیارات کے حصول میں تو خدا کے محتاج ہیں لیکن ان کے استعمال اور تصرف میں وہ اب پورے مختار ہیں کسی کے محتاج نہیں۔ [3] سورۃ نوح میں جن بتوں کا تذکرہ ہے۔ ولا تذرن ودًّا ولا سواعًا ولا یغوث و یعوق و نسرا۔ وہ سب قومِ نوح کے اولیاء اللہ تھے۔ اسماء رجال صالحین من قوم نوح (بخاری جلد ۲ صـ ۷۳۲) بنو کلب حضرت ودّ رحمۃ اللہ علیہ کے بت کی، ہذیل حضرت سواع رح کے بت کی، قبیلہ مذحج حضرت یغوث رح کے بت کی، قبیلہ ہمدان حضرت یعوق رح کے بت کی اور قوم حمیر حضرت نسر رح کے بت کی خصوصی طور پر پرستش کرتے تھے ان کے علاوہ اور بھی بہت سے بت تھے جن میں سے بعض نسبتوں کے حامل تھے اور بعض بغیر نسبت کے بذاتِ خود معبود سمجھے جاتے تھے شرک کی یہ دوسری صورت بعد کے عوامی ماحول کا نتیجہ تھا۔ جعلوا لہ من عبادہ جزءًا۔ (پ ۲۵ الزخرف) عباد امثالکم (پ ۹ الزخرف) وما یشعرون ایان یبعثون (پ ۱۴ النحل) وغیرھا من الآیات سے یہی پتہ چلتا ہے کہ ان مشرکین کے معبود بندگانِ خدا ہی تھے۔ گو اب ان کی نسبت سے یہ بے جان بت ان کے سامنے رکھے ہیں۔ علامہ ابن عابدین شامی رح نے درست لکھا ہے کہ بت پرستی ابتداء میں قبر پرستی تھی اسی لیے اب یہ شرک کی شکل پائی ہے۔

سفارش[1] کرتے ہیں اور جو کچھ اُن سے مانگا جائے وہ اللہ تعالیٰ سے لے دیتے ہیں ان کے ہاں بُت پرستی ایک تصور برزخی کا نام تھا۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رح لکھتے ہیں:۔

کانوا ینحتون من الحجر والصفر وغیر ذٰلک صورًا یتخذونھا قبلۃ التوجہ الی تلک الارواح حتٰی یعتقد الجھال شیاءً فشیاءً تلک الصور معبودۃ بذواتھا۔[2]

ترجمہ۔ وہ لوگ پتھر اور دھات سے مجسمے بناتے تھے انہیں بزرگوں کی ارواحِ مقدسہ کے لیے ایک قبلہ قرار دیتے تھے یہاں تک کہ اُن کے آئندہ آنے والے (مزید) جاہلوں نے آہستہ آہستہ ان بتوں کو ہی معبود بالذات سمجھنا شروع کر دیا۔

ایک شبہ اور اس کا جواب

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ مشرکین عرب کا نظریہ اگر یہی تھا کہ ان کے معبود دراصل وہ انسانی شخصیات ہیں جو رب العزت کے قربِ ولایت سے شرف یاب تھیں اور پتھروں کے یہ بت محض ایک قبلہ توجہ ہیں تو پھر قرآن پاک بعض مقامات میں اشراک باللہ کی تردید میں یہ اسلوب کیوں اختیار کرتا ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے باپ کو یوں مخاطب کرتے ہیں:۔

یاابت لم تعبد مالا یسمع ولا یبصر ولا یغنی عنک شیئًا

ترجمہ اے میرے باپ اس چیز کی عبادت کیوں کرتے ہیں جو نہ سن سکے نہ دیکھ سکے اور نہ آپ کے کسی کام آ سکے۔

ان لوگوں کے نزدیک اولیاء اللہ کی شخصیات کریمہ کا دُور سے نہ سننا اور نہ دیکھنا مسلمات

---

[1] ھؤلاء شفعاءنا عنداللہ (پ۱۱ یونس)

[2] الفوز الکبیر عربی ص۲

میں سے نہ تھا وہ انہیں یہی سمجھ کر پکارتے تھے کہ وہ حضرات مافوق الاسباب سنتے ہیں اور انہیں دیکھتے ہیں پھر انہیں مالا یسمع و لا یبصر کے ساتھ الزام دینا کسی طرح سمجھ میں نہیں آتا. مخالف کو الزام اس کے مسلّمات سے دیا جاتا ہے پس جب ان حضرات قدسیہ کا نہ دیکھنا اور نہ سننا ان کے مسلّمات میں سے نہ تھا تو ان کے اشراک باللہ کا رد اس انداز سے کیوں کیا گیا ہے ؟

الجواب : اشراک باللہ اپنی ابتدائی منزل میں تو یہی تھا کہ ان کے اصل معبود اولیائے کرام کی ہی شخصیات کریمہ تھیں اور یہ بت محض ایک قبلہ توجہ تھے لیکن رفتہ رفتہ نظر ان نسبتوں سے دور ہوتی چلی گئی اور عوام مشرکین ان پتھر اور سونے کے بتوں کو ہی معبود بالذات سمجھنے لگے بت پرستی اور اشراک باللہ کا اصل پس منظر صرف خواص مشرکین تک ہی محدود ہو کر رہ گیا. قرآن عزیز اشراک باللہ کی تردید کبھی اس کے اصل پس منظر کے پیش نظر کرتا ہے اور کبھی عوام مشرکین کے ذہن کو سامنے رکھتے ہوئے ان پتھر کے بتوں اور مورتیوں کو انسانی کمالات سے عاجز بتاتا ہے. اس میں انہیں یہ سوچنے کی دعوت ہے کہ جو معبود انسانی کمالات سے بھی عاجز ہیں وہ خدائی اختیارات کے مالک کس طرح ہو سکتے ہیں۔ اشراک باللہ کے اس انداز کی تردید میں قرآن کریم کا استدلال یہ ہے :-

حضرت شاہ صاحب ؒ ارشاد فرماتے ہیں :-

بیان شناعة عبادة الاصنام وسقوط الاحجار من مراتب الکمالات الانسانیہ فکیف بمرتبة الالوھیة وھذا الجواب مسوق لقوم یعتقدون الاصنام معبودین لذاتھم۔[1]

ترجمہ. قرآن پاک بتوں کی عبادت کی برائی اور پتھروں کے انسانی خوبیوں سے خالی ہونے کو بیان کرتا ہے پس جو انسانی خوبیوں سے خالی ہیں وہ خدائی کے درجہ پر کب ہو سکتے ہیں. یہ جواب ان لوگوں کے شرک کی تردید کے لیے ہے جو ان بتوں کو ذاتی طور پر عبادت کے لائق سمجھتے تھے۔

پس اس سے انکار نہیں ہو سکتا کہ مشرکین عرب میں جہاں اس قسم کا اشراک باللہ پایا جاتا تھا کہ وہ اولیاء اللہ کی ارواح مقدسہ کے لیے ان بتوں کو قبلہ توجہ قرار دیتے تھے. وہاں اس قسم کا

---

[1] الفوز الکبیر ص۵

اشراک بھی موجود تھا کہ وہ ان پتھر کے بتوں کو ہی معبود بالذات سمجھتے تھے یہ بُت پرستی کا انتہائی مقام ضلالت اور ایک گمراہ ترین موقف جہالت تھا۔

قرآن پاک جہاں ان دوسری قسم کے مشرکین کی تردید کرتا ہے اور بتاتا ہے کہ جو چیزیں انسانی مرتبے سے محروم ہیں وہ خدائی شان کی مالک کیسے ہو سکتی ہیں؟ اس سے یہ نتیجہ نہیں نکل سکتا کہ پہلی قسم کے مشرکین جن کے معبود بزرگانِ دین تھے اور وہ پتھروں کو محض قبلہ توجہ سمجھتے تھے ان کے معبود بھی انسانی خوبیوں سے یکسر خالی تھے۔

جو بُت مشرکین کا قبلہ توجہ تھے ان کی صورتیں تو پتھروں کی تھیں لیکن ان کے معانی اور مطالب بعض بزرگانِ دین کی شخصیات کریمہ تھیں لیکن اس شرک نے پھر ایسے شرک کو بھی جگہ دے دی تھی جس میں یہی جمادات معبود بالذات ہو جائیں اور ان پتھروں کے سوا ان کے کوئی اور معانی اور مصداق مراد نہ ہوں۔ ان بُتوں کے نام اُن کے اپنے رکھے ہوئے تھے۔

ماتعبدون من دونہ الا اسماء سمّیتموھا انتم واٰباء کم۔

(پ۱۲ یوسف)

ترجمہ: اللہ کے سوا تم جن کی عبادت کرتے ہو یہ سوائے اس کے نہیں کہ چند نام ہیں جو تم نے اور تمہارے باپ دادا نے رکھ لیے ہیں۔

ان مشرکین کے معبودوں کے نام تھے یہ محض ان کے اپنے گھڑے ہوئے تھے۔ ان ناموں کے مصداق پہلے کے کوئی بزرگ نہ تھے۔

مفسر جلیل علامہ قرطبیؒ لکھتے ہیں کہ ان کے معبود محض جمادات تھے:۔

بین عجز الاصنام وضعفہا ماتعبدون من دونہ ای من دون اللہ الا ذوات اسماء لا معانی لھا۔[۱]

ترجمہ: قرآن کریم نے یہاں بُتوں کا عجز اور ان کی کمزوری بیان فرمائی ہے اور کہا ہے کہ تم جن کی پرستش کرتے ہو وہ محض کچھ نام ہیں جن کا کوئی مصداق نہیں۔

قرآن پاک جہاں ایسے معبودوں کی کمزوری بیان کرتا ہے ان سے انسانی صفات کی بھی

---

[۱] الجامع لاحکام القرآن جلد ۹ ص ۱۹۲

نفی کرتا ہے اس طریق سے ان کی خدائی کی نفی از خود ہوجاتی ہے اور جہاں ان معبودوں کا عجز بیان کرتا ہے جو واقعی انسانی شخصیات تھیں تو ان سے خدائی صفات کی نفی کرتا ہے ان سے انسانی صفات اور کمالات کی نفی نہیں کی جاتی کیوں کہ یہ بات ان کے مسلمات میں سے نہ تھی کہ وہ دیکھتے اور سنتے نہیں پس یا ابت لم تعبد ما لا یسمع ولا یبصر میں ان دوسرے قسم کے مشرکین کا رد ہے جن کی نشاندہی حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے کی ہے۔

مقبولانِ بارگاہِ ایزدی کو خدا تعالیٰ کے ساتھ عطائی طور پر شریک کرنے والوں اور پھر ان بُتوں کو ہی معبود بالذات سمجھنے والے مشرکین کے علاوہ اس وقت ان نظریات کے مشرکین بھی موجود تھے۔

① فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں[1] قرار دے کر ان کی عبادت کرنے والے۔
② جنات[2] کو خدا کی اولاد کہہ کر ان کی پرستش کرنے والے۔
③ عناصر[3]، اجرامِ فلکی اور ارواحِ خبیثہ کے پرستار وغیرہم۔

فریق اول کی اصلاح کے لیے قرآن عزیز نے رب العزت کی ہمہ گیر قدرت اور اس کے علم محیط کی طرف توجہ دلائی۔ وزیروں اور مشیروں کو جو سلاطین کی طرف سے اختیارات ملتے ہیں وہ اس لیے ہوتے ہیں کہ سلاطین کے ہر کام کو خود پہنچنا اور ہر جگہ براہِ راست خود موجود ہونا عملاً محال ہوتا ہے، شہنشاہی کے باوجود وہ انسانی کمزوریوں سے بالا نہیں ہوتے ان کا علم صرف حاضر تک محدود ہوتا ہے اور رعایا کے غیب و شہود بیک وقت ان کے سامنے منکشف نہیں رہتے۔ پس وہ مجبور ہوتے ہیں کہ اپنے نائبین کو اختیارات تفویض کریں تاکہ تمام سلطنت مختل ہونے نہ پائے بخلاف اس کے رب العزت کی حاکمیتِ اعلیٰ ہر کمزوری سے پاک ہے

---

[1] وجعلوا الملئکة الذین هم عباد الرحمٰن اناثا (پ۲۵ الزخرف) ویجعلون لله البنات سبحٰنه ولهم ما یشتهون (پ۱۴ النحل) ثم یقول للملئکة اهؤلاء ایاکم کانوا یعبدون (پ۲۲ سبا)

[2] وجعلوا بینه وبین الجنة نسبا (پ۲۳ صافات) کان رجال من الانس یعوذون برجال من الجن (پ۲۹ الجن) [3] قال النبیؐ من قال مطرنا بنوءٍ کذا وکذا فذلک کافر بی مومن بالکواکب (بخاری جلد ا ص۱۱۷)

اور اسے دُنیا کے ان مادی اور فانی حکمرانوں پر قیاس نہیں کیا جا سکتا وہ مشرکین ان مقبولان بارگاہِ ایزدی کو (اور ان کے تصوّرِ برزخی میں) مٹی اور پتھر کے بتوں کو یہی کہہ کر پوجتے تھے کہ دنیوی نظامِ حکومت کی طرح یہ شخصیاتِ کریمہ اور یہ صورِ ظاہری بھی دربارِ رب العزت کے وسائل اور وسائط ہیں اس غلط فکری کی اصلاح یہ کہہ کر کی گئی کہ رب العزّت کی ہمہ گیر قدرت کے لیے کوئی دنیوی اور مادی مثال نہیں دی جا سکتی ایک ضابطے کے طور پر بیان فرمادیا:۔

لیس کمثلہ شیء وھو السمیع البصیر لہ مقالید السمٰوات و الارض یبسط الرزق لمن یشاء ویقدر انہ بکلّ شیء علیم ٥
(پ۲۵ شوریٰ ۱۲)

ترجمہ: نہیں ہے اس جیسا کوئی۔ اور وہی ہے ہر جگہ سامع و ناظر۔ اسی کے پاس ہیں آسمانوں کی اور زمین کی چابیاں جسے چاہے رزق فراخی سے دے اور جس کے لیے چاہے تنگ کر دے وہ ہر چیز کی خبر رکھنے والا ہے۔

کہیں فرمایا:۔

فلا تضربوا للّٰہ الامثال. (پ۱۴ النحل ۷۴)

ترجمہ: پس اللہ تعالیٰ کے لیے تم مثالیں ہرگز نہ لاؤ۔

رب العزت کی ہمہ گیر قدرت کا یوں اظہار فرمایا:۔

وھو الذی فی السماء الٰہ وفی الارض الٰہ. (پ۲۵ زخرف ۸۴)

ترجمہ: اور وہی ہے جس کی بندگی آسمان میں ہے اور وہی ہے جس کی بندگی زمین میں ہے۔

یعنی نہ آسمان میں فرشتے اور شمس و قمر معبود بن سکتے ہیں نہ زمین میں اصنام و اوثان وغیرہ سب زمین و آسمان والوں کا معبود اکیلا وہی خدا ہے جو فرش سے عرش تک کا مالک اور تمام عالم کون میں اپنے علم و اختیار سے متصرف ہے۔

اس کی شانِ قیومیت کو یُوں بیان کیا:۔

لا تأخذہ سنۃ ولا نوم...... ولا یؤدہ حفظھما. (پ۳ البقرہ ۲۵۵)

ترجمہ۔ نہیں آتی اس کو اُونگھ اور نہ نیند۔ اسی کا ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے اور نہیں تھکاتا اسے زمین و آسمان کا تھامنا اور وہی ہے سب سے برتر عظمت والا۔

اس کے علم محیط کو اس طرح بیان کیا۔

یعلم ما فی البر والبحر وما تسقط من ورقۃٍ الا یعلمھا ولا حبۃ فی ظلمٰت الارض ولا رطب ولا یابسٍ الا فی کتٰب مبین۔ (پ الانعام ۵۹)

ترجمہ۔ وہ جانتا ہے جو کچھ ہے جنگلوں اور دریاؤں میں اور نہیں گرنے پاتا کوئی پتہ بھی مگر یہ کہ وہ اسے جانتا ہے اور نہیں کوئی دانہ زمین کے اندھیروں میں اور نہ کوئی تر اور نہ کوئی خشک مگر یہ کہ اس کے ہاں لوحِ محفوظ میں موجود ہے۔

پھر فرمایا کہ سارے انسان اس کے دروازے کے محتاج ہیں اور وہی ذات ہے، جو بے پرواہ اور مختار ہے۔

واللہ الغنیّ وانتم الفقراء۔ (پ۲۶ محمد۳۸)

ترجمہ۔ اور اللہ ہی ہے بے پرواہ اور تم سب اس کے محتاج ہو۔

پھر قرآن کریم نے متعدد ایسے واقعات بیان فرمائے جن میں فرشتے کیا اور انبیاء و اولیاء کیا سب رب العزت کی نظرِ کرم کے محتاج نظر آتے ہیں۔ ساری مخلوق اسی کے دروازے پر فریاد خواہ کھڑی ہے انبیاء بھی اپنی ضرورتوں کے لیے اسے ہی پکار رہے ہیں۔ اسی کے سامنے اولاد کے لیے دستِ سوال دراز ہے اور زندگی کی مشکلات میں سب اسی کے حضور میں فریاد کرتے ہیں ہر تنگی اور کشائش کی چابی صرف اسی کے دستِ قدرت میں ہے۔

پھر قرآن کریم نے انبیاء کرام کی اپنی زندگیوں کو ان کی پوری کٹھن منزلوں کے ساتھ پیش کیا ان کی ابتلاؤں، قربانیوں اور مشکلات کو بہت کھول کھول کر بیان کیا۔ ان حقائق و واقعات میں ہر چشمِ بصیرت کے لیے یہ سُرمہ ہدایت پیش فرمایا کہ رب العزت اپنی صفات خاصہ میں عطائی طور پر بھی کسی کو شریک نہیں کرتے یہ مشرکین کے نظریات کا اصلاحی نقشہ عمل تھا۔

مشرکین کے دوسرے طبقے کے لیے خطابی انداز اختیار فرمایا۔ ان کے شبہات نہایت رکیک بلکہ تردید سے بھی مستغنی تھے۔ بس ان کی اصلاح اس خطابی انداز میں فرمائی۔

واذا بشّر احدھم بما ضرب للرحمٰن مثلاً ظلّ وجھہ مسودّاً وھو کظیم۔ (پ۲۵ زخرف ۱۷، پ۱۴ نحل ۵۸)

ترجمہ۔ اور جب ان میں سے کسی کو خبر دی جائے اس چیز کی جسے وہ رحمٰن کے نام لگاتے ہیں تو سارا دن ان کا چہرہ اترا ہوا رہتا ہے اور وہ دل ہی دل میں گھٹتا ہے۔

یعنی جب تمہارے لیے بیٹیاں باعث عار ہیں تو پھر تم خدا تعالیٰ کو اپنے سے اعلیٰ اور برتر ذات مانتے ہوئے اس کے لیے بیٹیاں کیوں تجویز کرتے ہو اپنے حالات پر غور کرو پھر اپنے اور اپنے خالق کے باہمی فرق پر نگاہ کرو اور پھر سوچو کہ تم خدا کے لیے بیٹیاں تجویز کر کے کتنی کمزور اور غلط بات کہہ رہے ہو ذرا سوچو تو سہی تم کہہ کیا رہے ہو۔

پھر قرآن کریم نے اس حقیقت کی طرف بھی متوجہ کیا کہ اولاد اور والدین ایک دوسرے کے ہم جنس ہوتے ہیں جب رب العزت کی شان لیس کمثلہ شیٔ ہے تو وہ صاحب اولاد کیسے ہو سکتا ہے اسی ضمن میں فریق ثالث کے نظریات کا بطلان بھی ہو گیا جو جنات کو خدا کی اولاد کہہ کر انہیں اس کی خدائی میں شریک کرتے تھے قرآن کریم نے یہ خطابی انداز اختیار فرمایا ہے۔

وجعلوا للّٰہ شرکاء الجنّ وخلقھم وخرقوا لہ بنین وبنٰتٍ بغیر علم ۔ سبحانہ وتعالیٰ عمّا یصفون ۰ بدیع السموات والارض ۔ انی یکون لہ ولد ولم تکن لہ صاحبہ ۔ خلق کل شیء ۔ وھو بکل شیء علیم ۰ ذٰلکم اللّٰہ ربّکم لا الٰہ الّا ھو خلق کل شیء فاعبدوہ وھو علی کلّ شیء وکیل ۰ (پ۷ الانعام ۱۰۰)

ترجمہ۔ اور ٹھہرائے انہوں نے اللہ کے شریک (اور وہ بھی) جن۔ حالانکہ اسی نے ان کو پیدا کیا۔ اور گھڑ لیے ان لوگوں نے خدا کے لیے بیٹے اور بیٹیاں جہالت کی

---

۱ فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں کہہ کر انہیں خدا کی عبادت میں شریک کرتے۔

وجہ سے اللہ تعالیٰ پاک ہے اور دُور ہے ان باتوں سے جو وہ خدا کے بارے
میں بیان کرتے ہیں وہ بنانے والا ہے آسمانوں کو اور زمین کو۔ کیوں کر ہو
سکتا ہے اس کے ہاں بیٹا حالانکہ اس کی تو کوئی بیوی نہیں۔ اور اسی نے بنائی
ہر چیز اور وہ ہر چیز کو جاننے والا ہے یہی اللہ تمہارا رب ہے نہیں کوئی معبود
اس کے سوا۔ وہ پیدا کرنے والا ہے ہر چیز کا۔ سو تم اسی کی عبادت کرو اور وہ
ہر چیز کا کارساز ہے۔

فریق چہارم[1] کے لیے ارشاد فرمایا :-

لا تسجدوا للشمس ولا للقمر واسجدوا اللذی خلقھن (پ۲۴ السجدہ ۲۸)

ترجمہ۔ تم نہ سُورج کے آگے جھکو اور نہ چاند کے آگے۔ سجدہ اسی ذات کو کرو جس
نے ان سب (اجرامِ فلکی) کو پیدا کیا۔

پھر قرآن عزیز نے سورج چاند اور ستاروں کے غروب ہونے سے ان کے معبود نہ ہونے پر استدلال کیا جو غروب ہو جاتے وہ محجوب ہو جاتا ہے اور جو محجوب ہو وہ مغلوب ہوتا ہے اور جو مغلوب ہو وہ معبود نہیں ہو سکتا۔ قرآن کریم نے کہیں کہیں ستارہ پرست قوموں پر غلبہ توحید کے دلچسپ نقشے بھی پیش کیے جن میں ہر طالب متبصر کے لیے وافی سامانِ ہدایت موجود ہے۔

عرب معطلہ کی اس تفصیل کے بعد اب کچھ عرب محصلہ کا بھی تعارف کیجئے :-

① عرب محصّلہ

ان میں بھی کئی گروہ تھے :-

ایک قلیل تعداد ان موحدین کی تھی جو اپنے آپ کو ملّتِ ابراہیمی سے وابستہ کرتے تھے۔
زید بن عمرو، قسؔ بن ساعدہ اور قیس بن عاصم تمیمی کے نام اس سلسلہ میں خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔

---

[1] عناصر اور اجرامِ فلکی کے پرستار

② نصاریٰ

یہ بھی من حیث الاصل ایک آسمانی مذہب تھا جس کی بنا وحیِ ربّانی اور کتب آسمانی پر تھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے شریعتِ تورات کو باقی رکھتے ہوئے اس کے بعض احکام کو منسوخ کیا[1] مگر پہلی صدی عیسوی میں ہی حالات ایسے ناسازگار ہوئے کہ اصل انجیل جس کے متاد حضرت مسیح تھے محفوظ نہ رہی اور ان کے شاگردوں کے شاگردوں کی ترتیب کردہ یادداشتیں انجیل کے قائم مقام سمجھی جانے لگیں۔ چنانچہ وہ انجیلیں ان صحابہ اور تابعین کے ناموں سے ہی موسوم ہوتیں۔ پھر تصنیف اناجیل کا بازار اس طرح گرم ہوا کہ ان کی تعداد ستر تک پہنچ گئی اب بھی بعض انجیلیں ہیں کہ کچھ عیسائی انہیں مانتے ہیں اور کچھ ان کے معتبر ہونے کے قائل ہیں[2]۔ پھر ان اناجیل مرتبہ میں بھی بے دریغ قطع و برید ہوتی رہی اور پھر معاملہ یہاں تک پہنچا کہ ان کی اصل بھی ترجموں کے سایہ تلے ناپید ہوتی چلی گئی۔

یہی وہ زمانہ تھا جب کہ دینِ مسیحی کے یہ تین بنیادی اصول ایجاد ہوئے ان میں سے ایک بات بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے منہ سے نکلی ہوئی نہ تھی۔

۱۔ تثلیث ۲۔ الوہیت مسیح ۳۔ تصلیب مسیح اور عقیدہ کفارہ۔

① تثلیث

یہ لوگ خدا تعالیٰ، روح القدس اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو "اقانیم ثلثہ" مانتے تھے اور تینوں کو ملا کر ازلیت اور ابدیت والا ایک خدا کہتے تھے۔ بالفاظ دیگر وہ تین علیحدہ علیحدہ خداؤں کے قائل نہ تھے بلکہ تینوں کو ملا کر وہ ایک خدا مانتے تھے اور اسے توحید فی التثلیث یا تثلیث فی التوحید کہتے تھے۔

اس سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ ان کا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا کا بیٹا کہنا محض ایک مجازی

---

[1] ولاحلّ لکم بعض الّذی حرّم علیکم (۳؍آل عمران ۵۰) وکذلک فی الانجیل متی ۵؍۸
[2] جیسے انجیل برنباس یہ آپ کے ایک حواری تھے۔

نسبت بھی کیونکہ حقیقی بیٹا اپنے باپ میں سے ہوتا ہے لیکن اس کے وجود کا جزو نہیں ہوتا اور نہ باپ بیٹا ایک ساتھ سے چلے آتے ہیں۔ بیٹا لازمی طور پر باپ سے متاخر ہوتا ہے۔ بخلاف اس کے ان کے ہاں ہر ایک اقنوم ازلی اور ابدی شان سے متصف ہے پس یہ نسبت محض ایک مجازی نسبت تھی یہی وجہ ہے کہ یہ لوگ کبھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو المسیح بن اللہ (پ۱۰، التوبۃ ۳۰) خدا کا بیٹا کہتے تھے تو دوسرے موقع پر عین خدا بھی کہہ دیتے تھے۔

لقد کفر الذین قالوا ان اللہ ھو المسیح ابن مریم (پ۶ المائدہ ۱۷)

ترجمہ۔ بیشک وہ لوگ کافر ہوئے جنہوں نے کہا کہ اللہ مسیح ابن مریم ہے۔

پس یہ ابنیت حقیقی ابنیت سے بھی بہت اوپر کا درجہ تھا پھر ان میں ایسے لوگ بھی تھے جو عوامی ذہن کے مطابق حقیقی ابنیت کا تصور بھی کرتے تھے اور بعض ایسے افراد بھی تھے جو روح القدس کی بجائے حضرت مریم طاہرہ کو اقانیم ثلثہ میں شامل کرتے تھے اور قرآن کریم کو عیسائی دنیا کے ان طرح طرح کے تصورات کا سامنا تھا۔

(۲) الوہیتِ مسیح

یہ اصول بھی دراصل عقیدہ تثلیث کا ہی ایک پہلو تھا عیسائی لوگ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو قاضی الحاجات اور دافع البلیات سمجھ کر پکارتے تھے۔ خداوند مسیح کا اطلاق ان کے ہاں عام تھا اور وہ حضرت مسیح کو بلا تاویل الٰہ یعنی خدا مانتے تھے۔ یہ ان کی الوہیت کا ایک کھلا دعوےٰ تھا۔

قرآن کریم نے الوہیت کی صفات بیان فرمادی ہیں ان میں سے کسی ایک کو بھی کسی مخلوق کے کے لیے ثابت مانا جائے تو یہ اس مخلوق کی الوہیت کا اقرار سمجھا جائے گا۔

(۱) امن خلق السموات والارض وانزل من السماء ماء۔ءالٰہ مع اللہ۔
(پ۲۰ النمل ۶۰)

ترجمہ بھلا کس نے زمین و آسمان بنائے؟ کیا کوئی اور بھی الٰہ ہے۔

امن جعل الارض قرارا۔ ءالٰہ مع اللہ۔ (پ۲۰ النمل ۶۱)

ترجمہ۔ کس نے زمین کو ٹھہرنے کے لائق بنایا؟ کیا کوئی اور بھی الٰہ ہے۔

③ امن یجیب المضطر اذا دعاہ ویکشف السوء ... ءالٰہ مع اللہ (پ۲۰ النمل ۶۲)

ترجمہ۔ کون پہنچتا ہے کسی بے کس کی فریاد کو اور کون دور کرتا ہے سختی کو؟ ....
کیا کوئی اور بھی الٰہ ہے۔

④ امن یھدیکم فی ظلمٰت البر والبحر ... ءالٰہ مع اللہ (پ۲۰ النمل ۶۳)

ترجمہ۔ کون ہے جو تمہیں جنگلوں اور دریاؤں کے اندھیروں میں رستہ دکھاتا ہے
کیا کوئی اور بھی الٰہ ہے؟

⑤ امن یبدؤ الخلق ثم یعیدہ ومن یرزقکم من السماء والارض .... ءالٰہ
مع اللہ (پ۲۰ النمل ۶۴)

ترجمہ۔ کون بناتا ہے سرے سے مخلوق کو اور پھر اسے دہراتا ہے؟ اور کون تمہیں
زمین و آسمان سے رزق پہنچاتا ہے؟ کیا کوئی اور بھی الٰہ ہے۔

⑥ قل لا یعلم من فی السموات والارض الغیب الا اللہ (پ۲۰ النمل ۶۵)

ترجمہ۔ کہہ دیجئے زمین و آسمان میں خدا کے سوا کوئی اور غیب داں نہیں۔

یہاں اللہ کی جتنی صفات مذکور ہوئیں نصاریٰ کا عقیدۂ الوہیتِ مسیح ان سب پر مبنی تھا لیکن خصوصیت کے ساتھ وہ تیسری صفت کی طرف زیادہ متوجہ تھے اور حضرت مسیح کو قاضی الحاجات اور دافع البلیات کہہ کر پکارتے تھے اللہ کی انہی صفات کو وہ ایک مخلوق میں مان کر الوہیتِ مسیح کا عقیدہ رکھنے والے اور پیغمبر کو خدائی میں شریک کرنے والے گردانے گئے:۔

واذ قال اللہ یاعیسیٰ بن مریم ءانت قلت للناس اتخذونی وامی الٰھین
من دون اللہ۔ (پ۷ المائدہ ۱۱۶)

ترجمہ۔ اور جب کہے گا اللہ تعالیٰ اے عیسیٰ بن مریم کیا تو نے لوگوں کو کہا تھا مجھے اور میری
ماں کو بھی تم اللہ کے سوا اور دو معبود بنا لو۔

یہاں حضرت مریم کی الوہیت ان لوگوں کے پیش نظر ہے جو اقانیم ثلٰثہ میں روح القدس کی بجائے حضرت مریم کو شامل کرتے تھے۔ واللہ اعلم بحقیقۃ الحال۔

③ تصلیبِ مسیح برائے کفارہ

مسیحی عقیدے میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام یہود کے ہاتھوں سولی پر لٹکائے گئے اور اس طرح سے وہ تمام بنی آدم کے گناہوں کا کفارہ ہوگئے۔ ان کے اعتقاد میں حضرت آدم علیہ السلام کا بہشتی درخت سے کچھ کھالینا پوری نسل آدم پر ایک بارِ عظیم تھا اور یہ اس گناہ کی پاداش تھی کہ انسان عالمِ تکلیفات میں لایا گیا ان کے اعتقاد میں حضرت مسیح علیہ السلام نے اپنے خون سے نسلِ آدم کے گناہوں کو دھو دیا اس نظریے کو عقیدہ کفارہ کہا جاتا ہے اس عقیدے کے ضمن میں اس خیال کو بھی جگہ ملتی ہے کہ شاید اللہ تعالیٰ بندوں کے گناہ از خود معاف کرنے پر قادر نہ تھا اسی لیے وہ مجبور ہوا کہ اپنے اکلوتے بیٹے کے خون سے نسلِ آدم کے گناہ دھودے۔ (معاذ اللہ ثم معاذ اللہ)

نصاریٰ اپنے ان تینوں نظریات (تثلیث، الوہیتِ مسیح اور عقیدہ کفارہ) میں نہایت فاش غلطی میں تھے۔ قرآن کریم نے ان کی یوں اصلاح فرمائی۔

قرآن کریم کا طریقِ ارشاد اور طور اصلاح :-

یا اهل الکتاب لا تغلوا فی دینکم ولا تقولوا علی الله الا الحق انما المسیح عیسیٰ بن مریم رسول الله وکلمته القاها الیٰ مریم وروح منه فامنوا بالله ورسله ولا تقولوا ثلثة ط انتهوا خیرًا لکم انما الله اله واحد سبحانه ان یکون له ولد له ما فی السموات وما فی الارض وکفیٰ بالله وکیلا ٥ لن یستنکف المسیح ان یکون عبدًا لله ولا الملئکة المقربون ط ومن یستنکف عن عبادته ویستکبر فسیحشرهم الیه جمیعًا۔ (پ النساء آخر)

ترجمہ: اے اہل کتاب اپنے دین کی باتوں میں مبالغہ نہ کرو اور اللہ کی شان میں پختہ بات کے سوا کچھ نہ کہو۔ بے شک مسیح ابن مریم اللہ کے رسول ہیں اور اس کا وہ کلمہ ہیں جسے مریم کی طرف ڈالا گیا اور وہ روح ہیں اس کے ہاں کی پس ایمان لاؤ

اللہ اور اس کے رسولوں پر اور نہ کہو کہ خدا تین ہیں ایسا کہنے سے رک جاؤ تمہارے لیے یہی بہتر ہے خدا یقیناً ایک ہی معبود ہے اس کی شان کے لائق نہیں کہ اس کی اولاد ہو۔ اسی کا تو ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے اور وہی کارساز کافی ہے مسیح کو تو اس سے عار نہیں کہ وہ خدا کے بندے ہوں اور نہ ملائکہ مقربین (جیسے روح القدس جبریل امین) اس کے بندے ہونے سے کچھ عار محسوس کرتے ہیں۔ اور جو بھی اس کا بندہ ہونے سے عار محسوس کرے گا اور اپنے کو اس سے بالا سمجھنے لگے تو اللہ تعالیٰ ان سب کو اپنے ہاں جلدی اکٹھا کریں گے۔

عقیدۂ تثلیث اور الوہیت مسیح کے ابطال کے لیے حضرت مسیح علیہ السلام کے خود اپنے موقف کی طرف توجہ دلائی۔ انہیں بندہ قرار دے کر پیغمبر بتلایا اسی طرح ملک مقرب روح القدس کے متعلق بتایا کہ وہ اپنے آپ کو خدا نہیں سمجھتے اور یہ کہ حضرت مسیح علیہ السلام کی تعلیمات میں کہیں ان دو کی الوہیت کا دعوےٰ نہیں۔ قرآن کریم نے یہاں متنبہ کیا کہ تم فرط عقیدت میں ان میں خدائی صفتیں کیوں لا رہے ہو یہ عیسائیوں کے اقانیم ثلٰثہ[1] خداوند قدوس، روح القدس اور حضرت مسیح میں سے پچھلے دو اقنوموں کی الوہیت کی نفی تھی اور ایک حکیمانہ انداز میں توحید کا اثبات تھا یہ اصلاح کا منقولی پہلو تھا اس کے ساتھ ساتھ معقولی پہلو کی طرف بھی توجہ دلائی کہ اللہ رب العزت سب کی حاجت برآری اور کارسازی کے لیے کافی ہیں اور سب زمین و آسمان اسی کے ہیں اسے کیا ضرورت پڑی کہ اس کا کوئی بیٹا ہو یا وہ اپنی کسی مخلوق کو بیٹا بنائے تو اس کی شان کے لائق نہیں جب وہ کارساز اپنی صفات میں وحدہ لاشریک ہے تو اس کی ذات وحدہ لاشریک کیوں نہ ہوگی۔

---

[1] بعض عیسائی خداوند قدوس، مریم صدیقہ علیہا السلام اور حضرت مسیح کو ارکان تثلیث قرار دیتے ہیں ان کی طرف اشارہ سورۂ مائدہ میں موجود ہے قرآن پاک تثلیث کے دونوں گروہوں کی تردید کرتا ہے مشہور پادری ایس ایم پال عیسائیوں کے ایک فرقے کے متعلق لکھتے ہیں "ان کا عقیدہ یہ تھا کہ خدا کے علاوہ مسیح اور اس کی ماں خدا تھے۔" (عربستان میں مسیحیت ص۴۶) حضرت مریم کی پرستش چوتھی صدی میں شروع ہوگئی تھی۔ (دیکھیے تواریخ مسیحی کلیسیا ص ۲۹۹)

عقیدہ کفارہ کے ابطال میں یہ اصولی ضابطہ پیش کیا۔

لا تزر وازرۃ وزر اخری۔ (پ۱۵ بنی اسرائیل ۱۵)

ترجمہ۔ کوئی نہیں اُٹھائے گا کسی دوسرے کا بوجھ

خدا کی شانِ کریمی ہے کہ توبہ قبول فرمالے اور ہمارے گناہ بخش دے وہ چاہے تو توبہ کے بغیر بھی بخش سکتا ہے۔ نیکیوں کا پلڑا جھک جائے تو گناہ خود بخود اُٹھ جائیں گے۔ آنحضرتؐ کی شفاعت سے بھی کئی گنہگار بخشے جائیں گے۔ ان تمام صورتوں میں گناہوں کی معافی تو ہوگی لیکن ان کا بوجھ کسی بے گناہ کی گردن پر نہیں آئے گا۔ مجرم کو معاف کر دینا یہ بے شک کریمی ہے مگر اسے چھوڑ کر اس کی سزا کسی بے گناہ پر رکھ دینی یہ نہ صرف ظلم ہے بلکہ ایک انتہائی قابلِ نفرت فعل ہے۔ تعالیٰ اللہ عن ذٰلک علوًا کبیرا۔

مسیحی قومیں اپنے گناہوں کا بوجھ ایک بے گناہ پیغمبر کی گردن پر رکھتی ہیں وہ کہتی ہیں کہ مسیح اولادِ آدم کے گناہوں کی سزا میں سُولی چڑھایا گیا۔ قرآن کریم نے لا تزر وازرۃ وزر اُخریٰ کہہ کر نہ صرف عقیدہ کفارہ کی تردید کی بلکہ دنیا کو ایک مستقل ذہن دیا کہ فیصلے کے دن کوئی کسی دوسرے کا بوجھ نہیں اُٹھائے گا اپنے اعمال کے نتائج ہر کسی کو خود دیکھنے پڑیں گے۔

ترکِ دنیا کے ذریعے خُدا کا قرب

حضرت عیسیٰ نے جس زہد و تقوےٰ سے اپنے دن گزارے وہ اپنی مثال آپ ہیں۔ آپ کا ان دنوں نکاح نہ کرنا ہی قرینِ حکمت تھا علمِ الٰہی میں آپ کا رفع الی السماء مقدر تھا اور نکاح کی صورت میں اس احتمال کو جگہ ملتی کہ دنیا میں ایک ایسی نسل بھی چلے جن کے باپ آدمؑ نہ ہوں[1] تاہم آپ نے اپنی قوم کو ترکِ دنیا کی راہ بتلائی اور نہ یہ حکم خداوندی تھا۔

حضرت عیسیٰؑ کے پیرو فریسیوں[2] کے زیرِ اثر سیرتِ مسیح کے ادراک میں غلطی کر گئے اور یہ خیال قائم کر لیا کہ وصول الی اللہ اور قربِ خداوندی کے لیے لذّاتِ دنیا اور اہلِ دنیا سے کنارہ کشی

---

[1] نزول کے بعد ان کا نکاح کرنا اور اولاد ہونا حدیث میں منقول ہے۔

[2] یہودیوں میں یہ لوگ پیر سمجھے جاتے تھے۔

لازمی ہے یہیں سے رہبانیت چلی اور عیسائی راہب بستیوں سے الگ جنگلوں اور خانقاہوں میں رہنے لگے

یہ اندازِ حیات نہ صرف نظامِ فطرت کے خلاف تھا بلکہ سب پیغمبروں کے طریق سے متصادم تھا چنانچہ ترکِ دنیا کے پردے میں وہ سب آلودگیاں اُبھریں کہ رندانِ بادہ خوار بھی حیا سے آنکھیں نیچی کر گئے۔ قرآنِ کریم نے اس مقام پر نہ صرف وحی کی عصمت بیان کی کہ ہم نے ترکِ دنیا ان کے ذمہ لگائی تھی بلکہ یہ بھی بیان فرمایا کہ یہ لوگ اپنی ایجاد کردہ بدعت سے بھی وفا نہ کر سکے۔ اور بدعت کسی کو نقطۂ یقین نہیں بخشتی۔

ثم قفینا علیٰ اٰثارھم برسلنا وقفینا بعیسی ابن مریم واتیناہ الانجیل وجعلنا فی قلوب الذین اتبعوہ رأفۃً و رحمۃ۔ ورھبانیۃ ابتدعوھا ماکتبنا ھا علیھم الا ابتغاء رضوان اللہ فما رعوھا حق رعایتھا۔

(پ۲۷ الحدید ۲۷)

ترجمہ: پھر پیچھے بھیجا ہم نے عیسیٰ بن مریم کو اور اس کو دی ہم نے انجیل اور اس کے پیروؤں کے دلوں میں نرمی اور مہربانی رکھ دی اور ترکِ دنیا۔ یہ ہم نے ان کے ذمہ لگائی تھی۔ انہوں نے یہ بدعت خود نکال لی تھی۔ اللہ تعالیٰ کی رضامندی حاصل کرنے کے لیے پھر اس کو بھی وہ ایسا نہ نبھا سکے جیسا کہ اس کے (ترکِ دنیا کے) نبھانے کا حق تھا۔

یہود

یہ قوم دین کی بجائے نسل کے لحاظ سے زیادہ جانی جاتی ہے انہیں حضرت یعقوب علیہ السلام کی اولاد ہونے پر بڑا ناز ہے عیسائیوں کی نسبت یہ لوگ اہلِ علم تھے ان کے مذہبی پیشوا احبار اور عیسائیوں کے رہبان کے طور پر مشہور تھے۔

قرآنِ کریم ہر دو طبقوں کا حال یوں بیان فرماتا ہے:۔

اتخذوا احبارھم ورھبانھم اربابًا من دون اللہ۔ (پ۱۰ التوبہ ۳۱)

ترجمہ۔ انہوں نے اپنے احبار (علماء) اور اپنے رُہبان (درویشوں) کو خُدا بنا رکھا ہے۔

اسلام کی تحریک علمی بنیادوں پر اُٹھی تھی اور مسلمان ایک مستقل شریعت کے ترجمان تھے اس لیے مسلمانوں سے بغض و عناد یہود کو زیادہ تھا عیسائی عقیدہ کفارہ کے سہارے شریعت سے جان چھڑا چکے تھے اس لیے وہ مسلمانوں کے ساتھ نسبتہً درویش منش تھے۔

ولتجدنّ اشدّ النّاس عداوۃً للّذین اٰمنوا الیھود والّذین اشرکوا ولتجدنّ اقربھم مودّۃ للّذین اٰمنوا الذین قالوا انا نصاریٰ۔ ذٰلک بانّ منھم قسیسین ورھبانًا وانّھم لا یستکبرون۔ (پ المائدہ آخر)

ترجمہ۔ اور آپ سب سے زیادہ مسلمانوں کا دشمن یہود اور مشرکین کو پائیں گے اور ان اہلِ کفر میں مسلمانوں میں سب سے زیادہ محبت کرنے والے آپ نصاریٰ کو پائیں گے یہ اس لیے کہ ان نصاریٰ میں کچھ مبلغ ہیں اور کچھ درویش اور یہ کہ وہ تکبر نہیں کرتے۔

آج کل کے عیسائیوں میں کتنے قسیس اور درویش ہیں یہ اس کی تفصیل کا موقع نہیں مسیحی قوموں میں جہاں کہیں اور جب کبھی یہ علت پائی جائے گی اس کا معلول بھی ضرور ظاہر ہو گا کہ وہ مسلمانوں سے محبت کرنے والے ہوں گے اور جب یہ اقوام بھی مسلمانوں کی دشمن ہو جائیں تو سمجھ لیجئے کہ یہ لوگ اپنی امتیازی صفات کھو چکے ہیں۔

یہود کی خاندانی نخوت یہاں تک تھی کہ اپنے آپ کو خدا کے بیٹے کہتے تھے۔ نحن ابناء اللہ واحباءہ۔ نسلی غرور نے انہیں اس غلط اُمید میں مبتلا کر رکھا تھا کہ لن تمسنا النار الا ایاما معدودۃ۔ ہم سات دن یا چالیس دن (جتنے دن بچھڑے کی پوجا ہوتی رہی تھی) یا چالیس سال (جتنی مدت وادی تیہ میں سزا یافتہ رہے) دوزخ میں رہ کر بالآخر ضرور جنت میں داخل ہوں گے نبوت کو یہ لوگ خاندانی وراثت سمجھتے تھے۔ واللہ یختص برحمتہ من یشاء میں ان کی اسی فکر کی اصلاح ہے۔

دوسرا بنیادی مرض ان میں حُبِ مال تھا اسی لیے وہ دین فروشی کرتے تھے۔ اور

مسائل پر بڑی بڑی رشوتیں لیتے تھے۔ اکلھم السحت انہی کے حق میں وارد ہے ان کا ضمیر مجرم تھا اور ذہن سازشوں کا گھر ہو چکا تھا۔ بدعملی میں یہاں تک بڑھ چکے تھے کہ انبیا تک کو قتل کر دیتے تھے۔ و یقتلون الانبیاء بغیر حق میں انہی کے سیاہ کردار کا تذکرہ ہے۔

ثم قست قلوبکم من بعد ذلك فهی کالحجارة او اشد قسوة میں ان کی اسی قساوت قلبی کا بیان ہے۔ شقاوت کی انتہا یہ تھی کہ آسمانی کتابوں میں تحریف کر دی۔

فویل للذین یکتبون الکتاب بایدیھم ثم یقولون ھذا من عند اللہ۔ (پ البقرہ ۷۹)

ترجمہ۔ سو خرابی ہے ان کی جو لکھتے ہیں کتاب اپنے ہاتھوں سے پھر کہہ دیتے ہیں یہ خدا کی طرف سے ہے۔

حضرت مسیح علیہ السلام اور حضرت مریم طاہرہ پر ان لوگوں نے بڑے گندے الزام لگائے بالآخر ان پر ذلت اور مسکنت مسلط کر دی گئی۔

ضربت علیھم الذلة والمسکنة وباءوا بغضب من اللہ۔ (پ البقرہ ۶۱)

ترجمہ۔ ان پر ذلت اور مسکنت مسلط کر دی گئی اور آئے وہ اللہ تعالیٰ کے غضب میں۔

یہاں تک کہ روئے زمین پر اب یہ لوگ اپنے پاؤں پر کھڑے کہیں عزت نہیں پا سکتے جہاں کہیں بھی ہیں دوسری قوموں کے سہارے پر کھڑے ہیں عیسائی لوگ اعتقادی گمراہی میں گو ان سے بڑھ کر تھے کہ انہوں نے مخلوق کو خالق کا درجہ دے رکھا تھا مگر عملی اعتبار سے یہود ان سے زیادہ پست ہیں۔ بداعمالیوں نے انہیں بداعمالیوں کی انتہا پر پہنچا رکھا تھا۔ سورۂ بقرہ میں ان کے سیاہ کردار کی پوری تصویر پیش کی گئی ہے۔ ان میں صرف چند لوگ تھے جو اس قساوت و شقاوت سے محفوظ تھے۔ قرآن کریم ان کا یوں تعارف کراتا ہے:-

لیسوا سواء من اھل الکتاب امة قائمة یتلون آیات اللہ آناء اللیل وھم یسجدون۔ (پ آل عمران ۱۱۳)

ترجمہ۔ یہ سب برابر نہیں ان میں کچھ ایسے لوگ بھی ہیں جو سیدھی راہ پر قائم ہیں وہ اللہ کی آیات رات کے اوقات میں پڑھتے ہیں اور سجدہ ریز بھی ہوتے ہیں۔

یہ چند حضرات مشرف باسلام ہوگئے تھے۔ باقی قوم یہود مجموعی طور پر انتہائی ناقابلِ اعتماد تھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آخر وقت میں جس وصیت کے لیے حضرت علی المرتضیٰؓ سے کاغذ طلب فرمایا تھا اس وصیت میں یہ ارشاد بھی شامل تھا:-

اخرجوا الیہود من جزیرۃ العرب۔[1]

ترجمہ: کوئی یہودی جزیرۂ عرب میں نہ رہنے پائے۔

بعض ان میں سے تشبیہ کے قائل تھے وہ اللہ تعالیٰ کے لیے جسم Body/Volume اور مکان ثابت کرتے تھے وہ کہتے تھے خدا چھ دن کام کرتا ہے اور ساتویں دن چھٹی کرتا ہے۔ ہفتہ کا دن اس کے آرام کے لیے ہے:-

ولقد خلقنا السمٰوات والارض وما بینہما فی ستۃ ایامٍ وما مسّنا من لغوب۔ (پ۲۶ ق ۳۸)

ترجمہ۔ اور ہم نے آسمان و زمین اور جو کچھ ان کے مابین ہے چھ دن میں بنائے اور تکان ہمارے قریب نہ آئی۔

کہیں فرمایا:-

ولا یؤدہ حفظہما وھو العلیّ العظیم۔ (پ۳ البقرہ ۲۵۵)

ترجمہ۔ اور اللہ تعالیٰ کو زمین و آسمان کی حفاظت کرنا تکان میں نہیں ڈالتا وہ بلند ذات ہے اور بہت عظمت کے لائق ہے۔

مخلوق کی صفتیں خالق میں ثابت کرنا تشبیہ کہلاتا ہے۔ کئی یہود اس کے قائل تھے نصاریٰ مخلوق کی صفتیں خالق میں نہیں خالق کی صفتیں مخلوق میں لاتے تھے۔ عرب محصلہ میں یہی دو گروہ ممتاز تھے۔ پیروانِ زرتشت اہل کتاب میں شمار نہ ہوتے تھے۔

مجوس — پیروانِ زرتشت

نامناسب نہ ہوگا کہ ہم یہاں ایران کے پیروان زرتشت کا بھی کچھ اعتقادی اور عملی تعارف کرادیں۔

---

[1] بخاری جلد ۲ صـ

دین زرتشت کی بنا اس پر تھی کہ روحِ خیر اور روحِ شر میں جنگ جاری ہے۔ زرتشت کا زمانہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے سات سو سال پہلے کا بتایا جاتا ہے زرتشت سے پہلے ایران کا مذہب مزدائیت تھا۔ زرتشت اسی اصلاح شدہ مزدائیت کے داعی تھے ان کا مذہب ایک ناکامل توحید تھا مزدا (معنی حکیم) سے مراد ذاتِ حق لی جاتی تھی اور دوسری ربانی ہستیاں اسی کی تجلیات اور صفات کو کہا جاتا تھا ان کا خیال تھا کہ مزدا کی ذات لاشریک ہے اور ثنویت (یزداں اور اہرمن کو مستقل بالذات ماننے کا تصور) فقط ایک ظاہری عقیدہ ہے کیونکہ روحِ خیر اور روحِ شر کی جنگ بالآخر روحِ خیر کی فتح پر ختم ہوگی۔ زرتشت کی کتاب کا نام اوستا تھا اس کے ۲۱ نسک تھے۔ یہ کتاب مدتوں ناپید رہنے کے بعد "ارداگ وزار" یا "ارداویراف" کے خواب میں یاد رہنے سے دوبارہ معرضِ وجود میں آئی۔ کلدانیوں کی ستھرائیت اسی مزدائیت پر علم نجوم کے اثرات تھے جس سے زروانی عقیدہ پیدا ہوا۔ اوستا میں آگ کی پانچ قسمیں دی گئی ہیں:۔

(۱) بَرزِسواہ (جو آتش کدوں میں جلتی ہے)
(۲) وسوفریان (وہ آگ جو انسان اور حیوان کے جسم میں ہے)
(۳) اُروازشت (جو آگ درختوں میں پائی جاتی ہے)
(۴) وازشت (وہ آگ جو بادلوں میں ہے مراد بجلی)
(۵) سپنشت (وہ تجلی جو بہشت میں اہورامزدا کے سامنے جلتی ہے)

شاہانِ ایران کا شکوہ وجلال اسی پانچویں آگ کا مظہر تھا اسے ہی فارسی میں فر کہتے تھے

آتش کدوں میں مراسمِ عبادت کی راہنمائی "ہیربذ" کرتے تھے خوارزمی انہیں خادم النار اور یعقوبی انہیں قیم النار کے نام سے ذکر کرتے ہیں۔ موبد، مغ اور طائفہ مجوس ان کے تدریجی مراتب تھے۔ اوستا کی تفسیر کا نام ژند تھا۔

مانی ۲۱۵ عیسوی میں پیدا ہوا اس نے زرتشتیت، عرفانیت اور عیسائیت کا گہرا مطالعہ کیا تھا اور پھر فرقہ مغتسلہ کو ترک کر کے فارقلیط ہونے کا دعوے کر دیا۔ وہ بدھ، زرتشت اور حضرت عیسیٰ

سب کو ماننا تھا مگر اس کا بھی عقیدہ یہی تھا کہ ابتدا میں دو جوہر اصلی موجود تھے ایک نیک اور دوسرا بد اور دونوں مستقل بالذات تھے یہ ثنویت خیر و شر کو ایک طاقت کے ماتحت نہ ماننے پر قائم تھی. اس لحاظ سے یہ بھی دینِ زرتشت کی ہی ایک بدلی ہوئی صورت تھی. جو لوگ مسلمان کہلا کر بھی خیر و شر دونوں کا خالق اللہ رب العزت کو نہیں مانتے وہ دراصل اسی دین مجوس سے متاثر ہیں.

القدریة مجوس هذه الامة . قدریہ لوگ اس امت کے مجوسی ہیں.

انجام کار مانویوں کو بزورِ اقتدار ختم کر دیا گیا تھا. ایرانیوں اور رومیوں کی باہمی جنگوں کے نتیجے میں جو رومی ایران میں لبائے گئے ان کی وجہ سے ایران میں عیسائیت پھیلی. چوتھی صدی عیسوی کے شروع میں سلوکیہ طیلفیوں کے بشپ نے ایران کے عیسائیوں کو ایک کلیسائی مرکز کے تحت جمع کرنے کی بڑی کوشش کی. ان کا بڑا تبلیغی مرکز اڈلیبہ (الرہا) تھا.

بخت نصر شاہ بابل نے جب یہودیوں کو فلسطین سے نکالا تو یہ آہستہ آہستہ میڈیا اور فارس تک آباد ہو گئے. پہلی صدی عیسوی میں شاہِ ایران نے انہیں ایک باقاعدہ ملت تسلیم کر لیا تھا تیسری صدی میں انہوں نے سورا کا مدرسہ قائم کیا اور تلمود نامی اپنی مذہبی روایات کی ترویج و اشاعت کی.

مسلمانوں کی آمد پر نئے مخلوط نظریے

آنحضرتؐ کی بعثت کے وقت ایران میں ساسانی دورِ حکومت تھا یہ لوگ بادشاہوں کے ربانی حق Divine right of Kings کا عقیدہ رکھتے تھے مسلمانوں کی آمد پر دونوں مذہبی نظریات میں اختلاط ہوا اور خلافت کے ربانی حق کا عقیدہ قائم ہوا. مجوسیوں میں پانچ قسم کی آگ کا تصور پہلے سے موجود تھا. نئے مخلوط نظریہ میں بھی پانچ کا تقدس قائم کر رکھا گیا.

یہ مذہبی خیالات اور دینی رجحانات پہلے سے موجود تھے دُنیا ان مختلف قوموں میں بٹی ہوئی تھی کہ سرزمینِ عرب سے قرآن کی روشنی چمکی اور قرآن کریم نے راہ سے بھٹکی ہر قوم کو دینِ فطرت کی دعوت دی. قرآن کریم کو سمجھنے کے لیے اس ارض قرآن کو پیش نظر رکھنا بہت ضروری ہے.

سکھ اور قادیانی دو قومیں بہت بعد وجود میں آئی ہیں اس لیے ہم نے ارضِ قرآن میں ان پر بحث نہیں کی سکھ ہندوؤں سے نکلی ایک نئی قوم ہے اور قادیانی مسلمانوں سے نکلی ایک دوسری قوم ہے انہیں مسلمانوں کے سکھ کہیں تو بے جا نہ ہوگا.

امثالُ القرآن

قصص القرآن من رسل الرحمٰن

الحمد للہ وسلامٌ علی عبادہ الذین اصطفی امّابعد :

قرآن کریم سے پہلے انجیل کا دور گزر رہا ہے۔ انجیل میں بہت سی باتیں تمثیل کے پیرایہ میں کہی گئی ہیں اور ان سے مقصد انسانی ذہن کو خدائی ہدایت کے قریب کرنا ہے۔ انسانی طبیعت کہانیوں اور مثالوں سے جلد متاثر ہوتی ہے۔ صرف حکمت کا بیان دانشوروں کی غذا تو بن سکتا ہے لیکن عوام کو اپنی طرف راغب نہیں کرتا۔ آسمانی کتابیں انسانوں کے لیے منبع ہدایت ہوتی ہیں تو ضروری ہے کہ ان میں مثالیں بھی دے کر باتیں سمجھائی گئی ہوں اور اس کے قصوں میں واقعی ایک انسانی راہنمائی ہو۔ قصے بھی صحیح ہوں۔ ان میں باتیں نہ بنائی گئی ہوں یہ خدا کی شان کے لائق نہیں تمثیل میں بات اپنی طرف سے کہی جاتی ہے تمثیل اور قصے میں یہی فرق ہے:۔

ولقد صرفنا للنّاس فی ھذا القراٰن من کل مثل فابی اکثر النّاس
الّا کفورًا۔ (پ۱۵ بنی اسرائیل : ۸۹)

ترجمہ۔ اور ہم نے انسانوں کے لیے اس قرآن میں پھیر پھیر کر مثل بیان کہی ہے
پر اکثر لوگ انکار کر گئے اور انہوں نے کفر کیا۔

اور یہ بھی فرمایا :۔

ولقد صرفنا فی ھذا القراٰن للنّاس من کل مثل وکان الانسان اکثر
شیٔ جدلًا۔ (پ۱۵ الکہف : ۵۴)

یہ انسان کی جدلی فطرت کیا ہے؛ انسان ہر دوسری مخلوق سے بڑھ کر بات سے بات نکالنے والا، وہ بات کو لمبا کرنے والا اور اس کے مختلف پہلو نکالنے والا واقع ہوا ہے۔

سو اس کے لیے مختلف تمثیلات کی ضرورت ہوئی اور وہ مختلف پیمانوں میں اس کے سامنے لائی گئیں۔ مگر یہ جدلیات میں اُلجھتا گیا۔ اگر انسان ان سے نکلنا چاہیے تو ایک ہی راہ ہے کہ اہلِ علم کی

پیروی میں اپنے سامنے لائے پہلو اور بنائی باتیں چھوڑ دے۔

وتلک الامثال نضربھا للناس وما یعقلھا الا العالمون. (پ۲۱ العنکبوت ۴۳)

یہ امثال ہیں تو سب لوگوں کے لیے مگر انہیں صرف عالم ہی سمجھ پاتے ہیں۔ دوسرے لوگ کیا کریں۔ وہ علماء کی پیروی میں ان پر چلیں جبل نام کو باقی نہ رہے گا۔

قرآن کریم میں تمثیلات سے زیادہ عبرت کی داستانیں ہیں۔ وقائع اور قصص تمثیلات سے زیادہ موعظہ عبرت ہیں۔ سو قرآن کریم میں پہلی قوموں اور انبیاء کے قصے بیان کیے گئے ہیں۔ ان قصوں کا مقصد قرآن کریم کو کوئی تاریخ کی کتاب بنانا نہیں ہے۔ جو مضمون پہلے سے چلا آرہا ہے اس پر بطور شواہد پہلی قوموں کے واقعات اور قصص سامنے لائے جاتے ہیں اور یہ قصے کوئی من گھڑت باتیں نہیں ہیں۔

لقد کان فی قصصھم عبرۃ لاولی الالباب ما کان حدیثا یفتری

ولکن تصدیق الذی بین یدیہ۔ (پ۱۳ یوسف ۱۱۱)

ترجمہ۔ ان قصوں میں اہل فہم کے لیے بڑی عبرت کی بات ہے یہ کوئی گھڑی ہوئی بات نہیں یہ تصدیق ہے اس کی جو اس سے پہلے نازل ہوئی تھی۔

وما کان ھذا القرآن ان یفتری من دون اللہ ولکن تصدیق الذی

بین یدیہ۔ (پ۱۱ یونس ۳۷)

ترجمہ۔ اور یہ قرآن ایسا نہیں کہ بدوں اللہ کے گھڑ لیا جائے لیکن یہ تصدیق ہے اپنے سے پہلی وحی کی۔

پہلے انبیاء کرام کو جن حالات اور مشکلات سے گزرنا پڑا وہ اس کائنات کا طبعی مزاج ہے۔ اس پر ان نفوس قدسیہ نے جس طرح صبر کیا اور حالات کا خندہ پیشانی سے مقابلہ کیا۔ یہ واقعات خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے بھی موجب سکینہ اور تسلی رہے۔ ان وقائع گذشتہ کا بار بار تذکرہ اسی لیے تھا کہ آپ کا دل تسلی پکڑے۔ اس میں آپ کو یہ سبق دیا گیا ہے کہ

آپ بھی انہی کی راہ پر چلیں۔ اصولاً سب انبیاء کی خلعت عمل ایک جیسی ہوتی ہے اور وہ اس کارِ رسالت پر کوئی معاوضہ طلب نہیں کرتے۔

اولٰئِكَ الذین ھدی اللہ فبھداھم اقتدہ قل لا اسئلکم علیہ اجرًا۔

(پ الانعام: ۹۰)

ترجمہ۔ یہ انبیاء کرام وہ لوگ ہیں جنہیں اللہ نے ہدایت دی سو آپ بھی انہی کی راہ پر چلیں۔ آپ کہہ دیں کہ میں اس رسالت کے کام پر تم سے کچھ نہیں مانگتا۔

قصّوں کی دو قسمیں

قرآن کریم میں اس کاروانِ عزیمت کے واقعات اور قصے بڑے حکیمانہ پیرائے میں بیان کیے گئے اور دہرائے گئے ہیں۔ ہر دفعہ کے بیان میں ان میں ایک نیا نکھار آتا ہے اور ذہن و فکر قرآن کریم کی شانِ اعجاز کے آگے سجدہ کرنے لگتے ہیں۔ کچھ قصے قوموں کے ہیں جیسے اصحاب الایکہ، قوم تبع، اصحاب مدین، اصحاب الاخدود، اصحاب الرس، اصحاب الکہف، قوم سبا، اصحاب فیل وغیرہ۔ ان میں بھی حق کی طرف لوٹنے کا عجب سامانِ عبرت ہے۔

قرآن کریم کا مطالعہ کرنے والے کسی ایک جگہ ان انبیاء کرام کا ذکر نہیں پاتے۔ اگر قرآن کریم ایک تاریخ کی کتاب ہوتا تو بے شک ایسا ہوتا۔ مگر یہ ایک کتابِ ہدایت ہے۔ اس کے شروع میں بتا دیا گیا ہے ھدی للمتقین۔ سو یہاں واقعات و قصص ہدایت کے ضمن میں لائے گئے ہیں اور ہدایت کی دعوت پورے قرآن میں یکسر رکھی گئی ہے۔ انبیاء کے ذکر میں ان کے معاندین کا ذکر بھی ساتھ چلتا ہے۔ سو نمرود و فرعون اور ہامان و شدّاد کا تذکرہ قرآن کریم کا کوئی موضوع نہیں۔ ان کا بیان جہاں بھی آیا ہے ضمناً آیا ہے۔ تاکہ قارئین خیر و شر کے معرکوں کو خود قریب سے دیکھ لیں۔

قرآن کریم کے طلبہ کے لیے ان واقعات کو اپنے مقامات سے تلاش کرنا خاصہ مشکل

ہوتا ہے۔ اس لیے ہم نے چاہا کہ ان کے لیے قصص القرآن کے عنوان سے تمام انبیاء کے اہم واقعات ایک اپنی ترتیب سے بیان کر دیں اور اس کے بعد کچھ ان قوموں کا بھی تعارف کرا دیں جو تاریخ کے مختلف ادوار میں گزری ہیں اور ان کا کچھ نہ کچھ ذکر قرآن کریم میں ملتا ہے۔ ان سے جو عبر و نصائح حاصل ہوں ان تک پہنچنا قارئین کا اپنا کام ہے۔

ہم نے اس رسالے میں جو قصص انبیاء ذکر کیے ہیں اس سے ان نفوس قدسیہ کا صرف تعارف کرانا مقصود ہے۔ جو نبوت اور رسالت کے ذکر میں قرآن کریم میں مذکور ہوئے ہیں۔ ورنہ اور بھی بہت سے پیغمبر گزرے ہیں جن کا قرآن کریم میں ذکر نہیں ہے۔

ورسلاً قد قصصناهم عليك من قبل ورسلاً لم نقصصهم عليك۔

(پ ۶ : النساء : ۱۶۴)

ترجمہ۔ اور ہم نے وہ رسول بھیجے جن کا حال ہم تمہیں سنا چکے ہیں اور ایسے بھی کئی ہیں جن کا ہم نے تم سے بیان نہیں کیا۔

قصص القرآن کی فہرست ترتیب دینے اور جہاں جہاں ان کا ذکر ہوا ان آیات کا احاطہ کرنے میں شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی لاہوری ؒ نے بہت بنیادی کام کیا ہے اور قصص القرآن کی تفصیل اور متعلقہ مباحث کی تکمیل میں دیوبند کے مشہور عالم مولانا محمد حفظ الرحمٰن سیوہاروی ؒ نے بنیادی خدمت سر انجام دی ہے۔ حیدر آباد دکن کے مولانا محمد عبد الرحمٰن نے ہدایت کے چراغ نام سے انبیاء کرام کی تاریخ دو جلدوں میں مکمل کی ہے۔ انبیاء کی عقیدت و محبت میں یہ وہ کارنامہ ہے جو علماء کا کوئی اور گروہ اس علمی اور تحقیقی پیرائے میں آگے نہیں لا سکا۔

ایں سعادت بزورِ بازو نیست　　　تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

راقم الحروف انبیاء کرام کے ان طویل وقائع کو اس مختصر پیرایہ میں صرف طلبہ کی مدد کے لیے پیش کر رہا ہے۔ تاکہ قرآن کریم میں ذکر کیے گئے ان انبیاء کرام کا تاریخی تعارف ہر وقت ان کے ذہن میں رہے۔ ان کے ساتھ وہ ان قوموں کو بھی پہچانیں جن کا ذکر قرآن کریم میں مختلف مقامات

پر آیا ہے۔

کالجوں کے اساتذہ اگر انبیاء کے ان وقائع حیات اور اُمم بائدہ و سالفہ کے اہم واقعات پر تنقیدی سوالات مرتب کرتے رہیں تو طلبہ کو قرآن کریم کے ان اہم تاریخی ابواب کو یاد کرنے اور ان سے عبر و نصائح اخذ کرنے میں بڑے قیمتی مواقع ملیں گے۔ وما ذلک علی اللہ بعزیز۔

سوالات کے چند نمونے

(۱) حضرت ابراہیمؑ سے بنو اسمٰعیل اور بنو اسرائیل کے دو سلسلے چلے حضرت شعیب علیہ السلام کن میں سے تھے؟

(۲) حضرت موسیٰؑ کو نبوت مصر میں ملی تھی یا اس وقت جب وہ حضرت شعیب کے ہاں مقیم تھے؟

(۳) اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد کے بارے میں فرمایا۔ انما فتنٰہ (پ۲۳ ص) یہ آزمائش کیا تھی؟

(۴) حضرت نوحؑ کے وقت جو طوفان آیا وہ کس کس علاقے پر محیط رہا۔ کیا وہ عالمگیر تھا؟

(۵) حضرت ابراہیم جب حضرت اسمٰعیل کو ذبح کے لیے لے گئے تو کیا انہیں علم تھا کہ اسمٰعیل ان کے ساتھ زندہ آئیں گے؟ اگر علم ہو تو کیا اسے آزمائش کہا جائے گا یا ڈرامہ؟

(۶) فلسطین بنو اسرائیل کا وطن تھا پھر مصر میں بنو اسرائیل کیسے جا آباد ہوئے؟

(۷) حضرت آدم اور حضرت حوا جب شجرۂ ممنوعہ کے پاس جا رہے تھے تو کیا انہیں علم تھا کہ اللہ تعالیٰ نے اس سے منع کیا ہوا ہے؟

(۸) حضرت سلیمان علیہ السلام کے دربار میں وہ کون تھا جو علم کتاب رکھتا تھا اور تختِ بلقیس کو آنکھ جھپکنے میں ملک سبا سے لے آیا تھا؟

(۹) حضرت موسیٰ علیہ السلام جب فرعون کے مقابلے میں آئے تو جب جادوگروں نے رسیاں پھینکیں حضرت موسےٰ اپنے جی میں کیوں ڈرے معلوم ہوئے؟

(۱۰) حضرت عیسیٰ علیہ السلام جب قیامت سے پہلے تشریف لائیں گے تو انہیں یہاں آکر کیا علم نہ ہو جائے گا کہ کچھ لوگوں نے انہیں خدا کا بیٹا بنا رکھا تھا۔ پھر قیامت کے دن کیا وہ اپنے اس علم کی نفی کریں گے؟

مؤلف عفا اللہ عنہ

قرآن کریم میں مذکور انبیائے کرام

حضرت آدم علیہ السلام

آپ پہلے پیغمبر ہیں اور جملہ بنی نوع انسان ان کی اولاد ہیں۔ آپ کی تخلیق اور حضرت حوا کی ملاء اعلیٰ میں ہوئی اور جنت میں دونوں رہتے تھے۔ ارادہ الٰہی پہلے سے تھا کہ آدم زمین پر بسے گا اور اللہ کی نیابت میں باقی ساری مخلوقات پر حکومت کرے گا۔ آپ کا زمین پر آنا بطور سزا نہیں پہلے سے ارادہ الٰہی یہی تھا۔ گو زمین پر اترنے کو اس واقعہ کے متصل بعد رکھا گیا۔ آسمانوں پر آپ سے جو لغزش ہوئی توبہ سے وہیں اس کی معافی ہو گئی اور آپ کو زمین پر اترتے بشارت دے دی گئی کہ آپ پر اور آپ کی نسل پر اللہ کی ہدایت اترا کرے گی۔

قرآن کریم میں پہلے پارے میں آپ کے مقصد تخلیق کا ذکر ہے۔ انی جاعل فی الارض خلیفۃ پھر سورۂ اعراف۔ الحجر، بنی اسرائیل اور سورۂ طٰہٰ اور ص میں آپ کے کچھ واقعات کا ذکر ہے۔

اس اشرف المخلوقات کے آگے آسمانی مخلوق بھی زیر ہوئی۔ علماً بھی اور عملاً بھی ـــ علماً اس وقت جب آدم علم اسماء پا چکے تھے اور فرشتے اس کے جواب میں لاجواب ہوئے ـــ اور عملاً اس وقت جب فرشتوں کو آدم کے تعظیمی سجدہ کا حکم ہوا۔

ابلیس کے انکار سجدہ سے تاریخ کا ایک نیا باب شروع ہوا۔ شر جو پہلے دبا ہوا تھا اب کھل کر سامنے آیا اور یہ دنیا خیر و شر کے معرکے کا میدان بنی۔ ابلیس گو فرشتہ نہ تھا مگر فرشتوں میں رہنے کے باعث وہ بھی سجدہ کے امر الٰہی میں مخاطب تھا۔

حضرت آدم کی لغزش اور خطاء انسان کے آگے توبہ کا دروازہ کھلا۔ گناہ کس طرح دھلتے ہیں یا دھوئے جا سکتے ہیں اس کے لیے توبہ کا دروازہ کھلا۔ اصول دین کا یہ سب سے اہم مسئلہ آدم کے زمین پر آنے سے پہلے ہی واضح ہو گیا۔ اسلام میں یہی راہ نجات ہے۔

آدم علیہ السلام کی اولاد میں بہن بھائی رہی تھے جو جُڑواں پیدا ہوئے. پہلے اور بعد میں پیدا ہونے والوں سے نکاح بہن بھائی کا نکاح نہ سمجھا جاتا تھا ــــ اولادِ آدم اسی طرح آگے پھیلتی رہی.

معاشرت کا سب سے اہم باب خاوند بیوی کا رشتہ ہے. اللہ تعالیٰ نے گو حضرت حواء سے آدم کو کثیر اولاد بخشی مگر بیوی کا مقصد وجود اولاد نہیں خاوند کا سکون قرار دیا. اولاد کبھی ہوتی ہے کبھی نہیں مگر مرد کو عورت سے سکون ہر حال میں ملنا چاہیئے. جو بیوی مرد کو سکون نہ دے سکی اس نے اپنا مقصد وجود نہ پایا. اسی طرح بیوی کی تمام ذمہ داریاں خاوند پر آئیں اور وہ ہمیشہ اس کے مسکن اور نان و نفقہ کا ذمہ دار رہے. قرآن کریم میں حضرت حواء کا مقصد وجود بایں طور ذکر کیا گیا ہے.

هوالذی خلقکم من نفس واحدة وجعل منها زوجها لیسکن الیها

(پ ۹ الاعراف ۱۸۹)

ترجمہ. وہ ہے جس نے تمہیں ایک جی سے پیدا کیا اور اسی سے اس کی بیوی بنائی تا وہ اس سے سکون پکڑے.

خیر اور شر کا پہلا معرکہ حضرت آدم اور ابلیس میں قائم ہوا. ابلیس نے مہلت مانگی وہ بھی اس کو دی گئی. اس نے پھر اولادِ آدم پر محنت کی اور قابیل کو اپنے ساتھ لگالیا. حق اور باطل کا دوسرا معرکہ ہابیل اور قابیل میں ہوا اور اس کے بعد شیاطین جنات کے سوا انسانوں میں سے بھی ہونے لگے. اسی نقطے سے زندگی کا آغاز ہوا تھا اور اسی پر قرآن کریم ختم ہوتا ہے. یوسوس فی صدور النّاس من الجنّة والنّاس.

حضرت آدمؑ کی عمر، اولاد اور وفات

حضرت آدم کی عمر ۹۳۰ سال ہوئی. آپ ۱۳۰ سال کے تھے جب آپ کے بیٹے حضرت شیث

علیہ السلام پیدا ہوئے۔ آپ اس پوری دُنیا کے آدم ثانی سمجھے جاتے ہیں۔ طوفان نوح کے بعد دُنیا انہی کی اولاد سے آباد ہوئی جس طرح آدم علیہ السلام پہلے نبی ہوئے یہ پہلے رسول ہیں جنہیں دوسروں کی طرف بھیجا گیا۔ (شفاعت کے لیے آپ کو اس عنوان سے توجہ دلائیں گے۔ یانوح انت اول الرسل الی الارض۔ صحیح مسلم جلد ۲ صـ)

آپ کا نسب نو پشت کے بعد حضرت آدم سے مل جاتا ہے جس طرح حضرت عمرؓ کا سلسلہ نسب نو پشت بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نسب نامہ سے متصل ہو جاتا ہے

آپ ان پیغمبروں میں پہلے ہیں جن کے نام کی سورتیں قرآن پاک میں ہیں۔ مگر ان کی ترتیب میں آپ کے نام کی سورت سب سے آخر میں ہے ۱۔ سورۂ یونس۔ ۲۔ سورۂ ہود۔ ۳۔ سورۂ یوسف۔ ۴۔ سورۂ ابراہیم۔ ۵۔ سورۂ محمد۔ ۶۔ سورۂ نوح۔

حضرت نوح علیہ السلام کے حالات واقعات سورۂ اعراف، ہود۔ مومنون۔ شعراء۔ قمر اور سورۂ نوح میں زیادہ تفصیل سے ملتے ہیں۔ حضرت آدم اور حضرت نوح کے مابین بڑے بڑے بزرگ بھی ہوئے جن میں حضرت ودّ۔ سواع۔ یغوث۔ یعوق اور نسر رحمہم اللہ تعالیٰ سرفہرست ہیں (بخاری صـ) شیطان کے شاگردوں نے ان کے نام پر بت بنا کر اپنے نفع و نقصان کے لیے ان کے آگے جھکنا شروع کر دیا تھا۔ سو دُنیا میں شرک کی ابتداء اس سے ہوئی کہ شیطان فطرت لوگوں نے بزرگوں کی قبروں کو عبادت کی جگہ بنا رکھا تھا۔ بت پرستی قبر پرستی سے شروع ہوئی ہے۔ (شامی جلد ۱ صـ)

حضرت نوُح کی تبلیغ

آپ نے اپنی قوم کو دن رات خدا کی طرف بلایا۔ مگر وہ اسی رفتار سے پیچھے ہٹتے رہے یہاں تک کہ حضرت نوح کا پیمانۂ صبر لبریز ہو گیا۔ اور اللہ تعالیٰ نے بھی بتلا دیا کہ جتنے لوگوں نے آپ پر ایمان لانا تھا لا چکے۔ اللہ رب العزت نے پہلے ہی ایک زبردست عذاب کی خبر دے رکھی تھی مگر آپ پر پہلے اللہ کے نام کی آواز لگانی ضروری تھی۔

انا ارسلنا نوحاً الی قومه ان انذر قومك من قبل ان یاتیھم عذاب الیم

ترجمہ ہم نے بھیجا نوح کو اس کی قوم کی طرف اس سے پہلے کہ ان پر دردناک عذاب اُترے۔

حضرت نوحؑ انہیں خدا کی پکڑ سے ڈراتے رہے۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے بتلا دیا۔

واوحی الی نوح انه لن یومن من قومك الا من قد امن (پ۱۲ ہود ۳۶)

ترجمہ۔ اور نوحؑ کی طرف وحی کی گئی کہ تیری قوم میں سے اب کوئی ایمان لانے والا نہیں مگر وہی جو ایمان لا چکے۔

طُوفانِ نُوحؑ

یہ طوفان اس لحاظ سے تو عالمی تھا کہ جہاں جہاں اولادِ آدم آباد ہے سب کو اپنی لپیٹ میں لے لے لیکن اس وقت اولادِ آدم کا اتنا وسیع پھیلاؤ نہ تھا کہ کینیڈا اور نیوزی لینڈ تک پہنچ گئی ہو۔ اس لیے صحیح بات یہ ہے کہ یہ طوفان عام معنیٰ میں عالمی نہ تھا۔ گو تمام عالمِ انسانی کو محیط تھا۔ مولانا ابو نصر احمد حسین بھوپالی نے تاریخ الادب الہندی میں اس پر تفصیل سے بحث کی ہے اور نوح علیہ السلام کو لکھا ہے "تمام نسلِ انسانی کا جدِ اعلیٰ"

جب کشتی کوہِ جُودی پر آ لگی

سورۃ ہود ع ۴ میں کشتی کے کوہِ جودی پر ٹھہر جانے کا ذکر ہے یعنی کشتی یہاں تھی جب پانی اُترنا شروع ہوا اور سمندر پھر سے بھر گئے۔ دجلہ اور فرات کے درمیان یہ کوئی اس وقت کا پہاڑ ہوگا۔ تورات کے مطابق یہ کوہِ اراراط کے پاس کی ایک جگہ ہے۔ تاریخ سے پتہ چلتا ہے کہ آٹھویں صدی عیسوی میں وہاں ایک معبد رہا ہے۔

حضرت نوح علیہ السلام نے ۹۵۰ سال تبلیغ کی (سورۃ العنکبوت) آپ پھر بھی ہمت

نہ ہوتے اگر آپ تک یہ الٰہی بات نہ پہنچتی کہ اب اور کوئی ایمان لانے والا نہیں رہا۔

بنی نوع انسان کے لیے اسباق عبرت

آپ کے وقائع حیات سے بنی نوع انسان کو یہ عبرت آموز سبق ملتے ہیں:۔

(۱) باپ بیٹے اپنے اپنے عمل کے ذمہ دار ہیں۔ باپ کی بزرگی بیٹے کے لیے لازم نہیں اللہ کے ہاں کوئی کسی کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔

(۲) انبیاء کرام بے شک ہر وقت خدا کے رنگ سے رنگین ہیں۔ مگر اس کے ساتھ وہ بشری تقاضوں سے (جیسے اولاد کی محبت اور ان کی عاقبت کی خواہش) بے تعلق نہیں ہوتے۔ پھر جب خدا کی بات سامنے آجاتی ہے تو پھر ان کا ہر تقاضا بدل جاتا ہے۔

(۳) اصل دار الجزاء آخرت ہے مگر کبھی یہاں دنیا میں بھی بدعملیوں کی سزا مل جاتی ہے اور اس سے آخرت کی سزا کی بھی نفی نہیں ہوتی۔

(۴) طوفان سے بچنے کے لیے کشتی بنانا توکل کے خلاف نہیں۔ اللہ رب العزت کا فطری قانون ترک اسباب کی تعلیم نہیں دیتا۔

حضرت ادریس علیہ السلام

ان کے زمانے میں بہت اختلاف ہے۔ بعض لوگ ان کا دور حضرت نوح سے پہلے کا بتاتے ہیں قرآن پاک نے انہیں حضرت اسماعیل علیہ السلام کے بعد ذکر کیا ہے:۔

واسمٰعیل وادریس وذالکفل کل من الصابرین۔ (پ۱۷ انبیاء۸۵)

لیکن واؤ کا ترتیب کے لیے ہونا بھی ضروری نہیں۔ ایک دوسرے مقام پر فرمایا آپ قرآن کریم میں ادریس کو یاد کریں:۔

واذکر فی الکتاب ادریس انہ کان صدیقا نبیا ورفعناہ مکانا علیا (پ۱۶ مریم ۵۶)

یہ آیت تقاضا کرتی ہے کہ قرآن کریم میں کہیں اور حضرت ادریس کا ذکر ضرور ہے اسے دیکھ لیں۔
عبرانی میں حضرت ادریس کا نام اخنوع یا حنوک ذکر کیا جاتا ہے۔ یہ واقعی حضرت نوح سے پہلے گزرے ہیں۔ امام بخاری لکھتے ہیں:۔

ویذکر عن ابن مسعود وابن عباس ان الیاس ھو ادریس۔[1]

امام بخاری نے اس پر یہ حدیث پیش کی ہے کہ معراج کی رات حضرت ادریس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مرحبا بالنبی الصالح والاخ الصالح کہا ابن الصالح نہ کہا سو یہ کوئی حضرت نوح سے پہلے کی شخصیت ہوتے تو حضورؐ کو الابن الصالح کہہ کر ذکر کرتے۔

آپ پہلے شخص ہیں جنہوں نے طلبہ جمع کیے اور سب سے پہلے ایک مدرسہ کی شکل قائم کی اور ان طلبہ کو دنیا میں صحیح طریق سے رہنے کے اصول و قواعد سکھائے۔ آپ کے شاگردوں نے پھر آگے شہر بسائے اور بستیاں آباد کیں۔ حضرت الیاس کا ذکر جس طرح قرآن کریم میں ملتا ہے۔ اس سے یہی متبادر ہوتا ہے کہ آپ حضرت ادریس کے علاوہ کوئی اور شخصیت ہیں اس کا ذکر ہم حضرت الیاس کے ذکر میں کریں گے۔

حضرت ادریسؑ کا رفع آسمانی

قرآن کریم میں ہے ہم نے ادریس کو اونچی جگہ اٹھالیا:۔

واذکر فی الکتاب ادریس انہ کان صدیقاً نبیا ورفعناہ مکاناً علیاً۔ (مریم)

ترجمہ۔ اور یاد کرو ادریس کو قرآن میں بے شک وہ ایک صدیق نبی تھے اور ہم نے ان کو ایک اونچی جگہ اٹھالیا۔

تورات سفر پیدائش میں ہے:۔

اور حنوک عمر ۳۶۵ برس کی ہوئی اور حنوک خدا کے ساتھ ساتھ چلتا تھا۔ اور غائب ہوگیا۔ اس لیے کہ خدا نے اسے لے لیا۔[2]

---

[1] بخاری جلد ا صفحہ ۴۷۰ [2] آیت ۲۱-۲۴

غائب کون ہوتا ہے؟ دفن ہونے والا یا جس کا نشان بھی دکھائی نہ دے؟ یہاں رفعناہ مکاناً علیاً سے رفع جسمانی مراد ہے. صرف اس صورت میں کوئی دنیا والوں سے کلیۃً غائب ہو سکتا ہے. قرآن کریم نے ان کے لیے لفظ رفع بڑی صراحت سے ذکر فرمایا ہے. رفع روحانی حقیقت ہے یا مجاز؟ خود فیصلہ کیجئے. حقیقی معنی مراد لینا جب تک متعذر نہ ہو مجاز کا اعتبار نہیں کیا جاتا.

حافظ ابن جریر طبری کہتے ہیں حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے اس آیت کا مطلب حضرت کعب احبارؓ سے دریافت کیا. وہ سمجھنا چاہتے تھے کہ تاریخ بنی اسرائیل میں اس سے کیا مراد لی گئی ہے. آپ نے جو جواب دیا اس سے پتہ چلا کہ پہلے بھی اس سے رفع جسمانی ہی مراد لیا جاتا رہا ہے. کعب احبارؓ کے بیان کے مطابق حضرت ادریس کی روح چوتھے آسمان پر قبض کی گئی تھی. اور وہ اس وقت ایک فرشتے کے کندھوں پر تھے. آپ ۸۲ سال کی عمر میں اُوپر اٹھائے گئے.

آپ ۸۲ سال کی عمر اُوپر اٹھائے گئے ہم حضرت ادریس علیہ السلام کے رفع جسمانی پر صرف اس روایت سے استدلال نہیں کر رہے اس کی سند میں کلام ہے. ہم اس روایت سے قرآن کریم کی اس آیت کا مطلب سمجھنے میں مدد لے رہے ہیں. ابن کثیرؒ نے اس روایت کو اسرائیلیات میں شمار کیا ہے.

حضرت عیسیٰ بھی جسمانی طور پر اُوپر اٹھائے گئے مگر ان کی وہاں وفات نہیں ہوئی. نزول فرمانے کے بعد کچھ عرصہ زمین پر زندہ رہیں گے اور یہیں ان کی وفات ہوگی اور پھر آپ مدینہ طیبہ کے گنبدِ خضریٰ میں دفن کیے جائیں گے.

آپ کس علاقے میں بھیجے گئے؟

اس میں مختلف اقوال ملتے ہیں. ۱. مصر. ۲. بابل. علامہ شہرستانی کہتے ہیں آپ نے حضرت شیث علیہ السلام سے تعلیم پائی. اس صورت میں ان کا وجود حضرت نوح علیہ السلام سے پہلے

ماننا پڑتا ہے۔ آپ کے بابل سے مصر ہجرت کرنے کی روایت بھی ملتی ہے۔

یہ روایت بھی ملتی ہے کہ آپ بہتر زبانیں جانتے تھے۔ تمدن کی یہ ترقی اور نسل انسان کا یہ پھیلاؤ حضرت نوح علیہ السلام کی بعثت سے پہلے وجود میں آچکا تھا۔ یہ بات بآسانی باور نہیں کی جا سکتی۔ اس لیے یہ بات زیادہ درست معلوم ہوتی ہے کہ آپ کا زمانہ حضرت نوح علیہ السلام کے بہت بعد کا ہے۔ مرزا غلام احمد نے انہیں بالکل دورِ آخر میں لا کھڑا کیا ہے۔ وہ توضیح مرام میں لکھتا ہے "یوحنا جس کا نام ایلیا اور ادریس بھی ہے" اس کے غلط ہونے میں کوئی شبہ نہیں کیا جا سکتا۔

آپ کے بارے میں یہ روایت بھی ملتی ہے کہ آپ علم نجوم کے بھی ماہر تھے۔ نجوم کے ماہر کو عبرانی میں ہرمس کہتے ہیں۔ آپ کے ناموں میں یہ نام بھی ملتا ہے۔

ایک روایت میں ہے کہ آپ پہلے شخص ہیں جنہوں نے قلم اٹھایا اور اس سے لکھا۔ ایسی صورتحال تبھی تسلیم کی جا سکتی ہے کہ آپ کا دور حضرت نوح کے بعد کا ہو — ایک روایت میں ہے حضورؐ سے علمِ رمل کے بارے میں سوال کیا گیا۔ آپ نے فرمایا یہ علم ایک نبی کو دیا گیا تھا۔ حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں آپ پہلے شخص ہیں جنہوں نے رمل کے کلمات ادا کیے۔ آنحضرتؐ نے معراج کی ان سے چوتھے آسمان پر ملاقات کی تھی۔[1]

اگر آپ جیسا کہ امام بخاری کا خیال ہے حضرت الیاس ہی ہیں اور یہ دو نام ایک ہی شخصیت کے ہیں تو آپ یقیناً حضرت نوح کے بعد کی شخصیت ہیں، کیونکہ حضرت نوح علیہ السلام کا پہلا رسول ہونا صحیح حدیث سے ثابت ہے اور حضرت الیاس علیہ السلام کا رسول ہونا قرآن کریم میں اس طرح مذکور ہے۔

وان الیاس لمن المرسلین ۔ (پ۲۳ ، الصافات)

---

[1] البدایہ جلد ۱ صہ ۹۹

حضرت ہُود علیہ السلام

حضرت ہود علیہ السلام قوم عاد کی طرف بھیجے گئے. عاد عرب کے قدیم لوگ تھے. انہی سے اُمم سامیہ دُنیا میں پھیلیں. یہ اپنے وقت کے ایک بڑی قوت والی اور مقتدر قوم تھے. پُرانے عہد نامے میں عرب کی قدیم اقوام کا کوئی ذکر نہیں ملتا. اس لیے علماء تورات لسبا امقات اس قوم کا لسبا امقات انکار کر دیتے ہیں. عاد اولیٰ اور عاد ثانیہ دونوں سامی قومیں تھیں. سام حضرت نوح علیہ السلام کے بیٹے کا نام تھا. عاد کا ذکر قرآن کریم میں نو سورتوں میں آیا ہے اور حضرت ہود جو ان کی طرف بھیجے گئے ان کا ذکر قرآن کریم میں سات جگہ ملتا ہے.

عرب کی قدیم قوم بنو سام اور عاد اولیٰ ایک ہی قوم ہے. قوم عاد کا زمانہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے تقریباً دو ہزار سال پہلے کا ذکر ہے. یہ قوم حضرت نوح علیہ السلام کے بعد قائم ہوئی. حضرت ہُود نے انہیں کہا :-

واذکروا اذ جعلکم خلفاء من بعد قوم نوح وزادکم فی الخلق بصطۃ.

(پ ۹ ، الاعراف ۶۹)

ترجمہ. تم یاد کرو جب خدا نے تمہیں قوم نوح کے بعد انکا وارث کیا.

ان کا مسکن احقاف کا علاقہ تھا. یہ حضرموت کے شمال میں واقع ہے. اس کے مشرق میں عمان ہے اور شمال میں ربع الخالی ـــــ یہ لوگ بُت پرست تھے جو انہوں نے بزرگوں کی یاد میں ان کے نام پر بنا رکھے تھے. ود. ہبار اور صدا ان کے بُت تھے اور یہ ان کے معبود تھے ان کا تصور رسالت یہ تھا کہ رسول انسانوں میں سے نہیں ہو سکتا. وہ کوئی مافوق الفطرت مخلوق ہو. ہم اپنے جیسے انسان کو کیسے نبی مان لیں.

جس طرح حضرت نوح کی قوم طوفان میں غرق ہوئی اس قوم پر بھی حضرت ہود کی نافرمانی کے باعث تند و تیز ہوا کے طوفان اُٹھے اور ان کی سب آبادیاں تہ و بالا کر دی تھیں.

علماء تاریخ کے حضرت ہود علیہ السلام کی وفات اور قبر کے بارے میں مختلف اقوال ہیں۔
۱۔ حضرموت کی وادی برہوت میں۔ ۲۔ حضرموت کے قریب کثیب احمر پر۔ ۳۔ فلسطین میں۔
یہ فلسطین کی روایت اہل کتاب کی اختراع معلوم ہوتی ہے جو اس علاقے کے کے علاوہ کسی اور زمین کو ارض انبیاء ماننے کے لیے تیار نہیں۔ عرب بائدہ کی اقوام عاد، ثمود، طسم اور جدیس کا ان کے ہاں کوئی تاریخی تذکرہ نہیں ہے۔
باغ ارم جو ستونوں پر لگایا گیا تھا قوم عاد کا شاہکار تھا اور وہ لوگ اپنے دور میں ترقی کی انتہا پر تھے

حضرت صالح علیہ السلام

قوم عاد کی تباہی کے بعد ثمود کو عروج ملا۔ قرآن کریم میں قوم ثمود کا ذکر نو مقامات پر ملتا ہے۔ حضرت صالح بن عبید بن جابر اس قوم کی طرف مبعوث ہوئے یہ بھی سامی اقوام میں سے تھے حجاز اور شام کے درمیان وادی قریٰ ان کا مسکن تھا اسے فج الناقہ بھی کہتے ہیں۔ انہوں نے پہاڑوں کو کاٹ کاٹ کر ان میں بستیاں بنائی تھیں۔ حضرت صالح علیہ السلام نے انہیں کہا۔

واذکروا اذ جعلکم خلفاء من بعد عاد و بوأکم فی الارض تتخذون من سھولھا قصورًا و تنحتون الجبال بیوتا۔ (پ۸ الاعراف ۷۴)

ترجمہ۔ اور یاد کرو جب کہ تمہیں قوم عاد کے بعد سردار کر دیا اور ٹھکانہ دیا تم کو زمین میں، تم بناتے ہو نرم زمین میں اونچے مکانات اور تراشتے ہو پہاڑوں میں گھر۔

عقائد میں یہ قوم بھی عاد کے نقش قدم پر چلے اور بتوں کی پرستش کرتے تھے۔ ان کا بھی عقیدہ تھا کہ بشریت اور رسالت جمع نہیں ہو سکتیں۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ہم میں سے ہی کوئی رسول ہو جائے۔

أَأُلقی علیہ الذکر من بیننا۔ (پ۲۷ القمر) کیا ہم میں سے اس پر اتارا گیا ہے ذکر

أبشرًا منا واحدًا نتبعه انا اذًا لفي ضلالٍ وسعرٍ أ القي الذكر عليه
من بيننا. (پ۲۷، القمر ۲۵)

ثمود کا صالح علیہ السلام سے نشان مانگنا

قوم عاد نے تو پہلے ہی عذاب مانگا تھا اگرچہ ہود انہیں ساری اقوام میں سے ہیں۔ لیکن قوم ثمود
نے پہلے ان سے صالح علیہ السلام سے ان کی صداقت کا نشان مانگا۔

ما انت الا بشر مثلنا فأت بآية ان كنت من الصادقين. قال هذه
ناقة لها شرب ولكم شرب يوم معلوم. (پ۱۹، الشعراء ۱۵۵)

ترجمہ۔ تو ہماری ہی طرح کا ایک انسان ہے کوئی نشان دکھا اگر تو سچوں میں سے
ہے اس نے کہا یہ ایک اونٹنی ہے ایک دن اس کے پینے کا اور ایک دن تمہارے پینے کا۔

یہ اونٹنی اس طرح نر اور مادہ سے پیدا نہ ہوئی جس طرح اور جانور پیدا ہوتے ہیں۔ اس کی
پیدائش ایک پہاڑ سے ہوئی اور یہ خدا کی قدرت کا نشان تھی۔ جب پانی پر آتی سارا تالاب پی جاتی
دوسرے سب حیوانات اُس سے ڈرتے تھے۔

اس نشان دکھانے پر قوم پر یہ شرط عائد کی گئی تھی کہ کوئی شخص اس اونٹنی کو کوئی نقصان
نہ پہنچائے۔ ان میں سب سے بدبخت وہ تھا جس نے ان کی کونچیں کاٹ ڈالیں اور پھر اس قوم
پر عذاب اُترا۔ تیسرے دن ایک چیخ نے ان سب کو آلیا۔ جہاں پڑے تھے وہیں دھرے کے
دھرے مرے۔

فكلا اخذنا بذنبه فمنهم من ارسلنا عليه حاصبًا ومنهم من اخذته
الصيحة ومنهم من خسفنا به الارض ومنهم من اغرقنا (پ العنکبوت ۴۰)

حضرت ابراہیم علیہ السلام

جس طرح حضرت نوح علیہ السلام کو آدم ثانی کہتے ہیں اور تمام بنی نوعِ انسان ان کی اولاد ہیں اس طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام بھی اپنے بعد کے تمام انبیاء علیہم السلام کی جدّ ہیں۔ آپ کے بعد جو نبی بھی آیا آپ کی اولاد میں سے آیا۔

ولقد ارسلنا نوحًا وابراهيم وجعلنا في ذريتهما النبوة والكتاب (پ۲۷ الحديد ۲۶)

ترجمہ۔ اور ہم نے نوح اور ابراہیم کو رسالت دی اور ہم نے نبوت اور کتاب ان کی ہی اولاد میں رکھی۔

پرانے عہد نامے میں آپ کے والد کا نام تارح بتایا گیا ہے اور قرآن کریم میں اسے آزر سے ذکر کیا گیا ہے۔ یہ تارح ایک بڑا پجاری تھا۔ کالدی زبان میں آدار بڑے پجاری کو کہتے ہیں یہی لفظ ذرا بدل کر آزر ہو گیا۔ تارخ اس کا اصل نام تھا اور آزر وصفی نام زیادہ معروف ہوا۔

چچا کو بھی عربی میں اب کہہ دیتے ہیں حضرت یعقوب علیہم السلام کے بیٹوں نے حضرت یعقوب کے چچا حضرت اسماعیل علیہ السلام کو اُن کے آباء میں شمار کیا ہے۔

قالوا نعبد الٰهك واله اٰباءك ابراهيم واسمٰعيل واسحٰق الٰهًا واحدًا۔

(پ۱ البقرہ ۱۳۳)

حضرت ابراہیم حضرت نوح کے بیٹے سام کی اولاد میں سے ہیں۔ نویں پشت میں آپ حضرت نوح علیہ السلام کے ساتھ جا ملتے ہیں۔ قرآن کریم کی سورۃ ابراہیم مکی سورت ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ مکرمہ میں رہتے ہوئے یہ موقف اختیار کیا کہ حضرت ابراہیم مکہ مکرمہ میں آئے اور آپ نے وہاں اپنی اولاد بسائی۔ وہیں اللہ کا گھر بیت اللہ شریف تھا اور وہیں حضرت ابراہیم نے حج کی آواز لگائی تھی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے بھی بیت اللہ شریف کا حج ہوتا تھا۔ حضرت ابراہیم نے دُعا کی تھی کہ اے اللہ کچھ لوگوں کے دل اس گھر کی طرف پھیر دے۔

ربنا انی اسکنت من ذریتی بواد غیر ذی زرع عند بیتک المحرم۔ ربنا لیقیموا الصلوٰۃ فاجعل افئدۃ من الناس تھوی الیھم۔ (پ۱۳ ابراہیم ۳۷)

ترجمہ۔ اے میرے رب میں نے اپنی کچھ اولاد ایسے میدان میں لابسائی ہے جہاں کھیتی نہیں، تیرے عزت والے گھر کے پاس۔ اے رب ہمارے اس لیے کہ وہ نماز قائم کریں۔ سو تو کچھ لوگوں کے دل ان کی طرف مائل کر دے۔

جب حضرت ابراہیم علیہ السلام مکہ میں یہ دعا کر رہے تھے اگر وہاں حضرت ابراہیم بانی کعبہ کی حیثیت میں معروف نہ ہوتے تو سننے والوں کے ذہن میں یہ سوال کیوں نہ اٹھا جو سالہا سال بعد مستشرق اسپنگر Spenger کو جس نے الاصابہ کا مقدمہ لکھا ہے اس طرح یاد آیا:-

اسپنگر نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ قرآن میں ایک عرصہ تک حضرت ابراہیم کی شخصیت کعبہ کے بانی اور دینِ حنیف کے ہادی کی حیثیت سے روشنی میں نہیں آئی البتہ عرصہ دراز کے بعد ان کی شخصیت کو ان صفات کے ساتھ متصف ظاہر کیا گیا۔[۱]

اس کے جواب میں ہم یہ کہنا کافی سمجھتے ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے مکہ میں آنے اور وہاں اپنی اولاد کے بسانے کا ذکر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی مکّی زندگی میں ہی کر دیا تھا اور یہ عام شہرت کہ حضرت ابراہیم ہی بانی کعبہ ہیں کسی اندھیرے میں نہ تھی۔

حضرت ابراہیم سے دو سلسلے چلے۔ بنو اسمٰعیل اور بنو اسرائیل ـــــ اسرائیل حضرت یعقوب علیہ السلام کا لقب تھا۔ جو حضرت ابراہیم کے پوتے اور حضرت اسحٰق کے بیٹے تھے۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام سے عرب آباد ہوا۔ ان دونوں سلسلوں کے مورثِ اعلیٰ حضرت ابراہیم تھے۔ ان کا اپنا وطن عراق کے قصبہ اُور میں تھا۔

ایک اعتراض اور اس کا جواب

عرب میں اگر حضرت ابراہیم آئے ہوتے تو قرآن کریم عرب قوم کے متعلق یہ کیوں کہتا:-

لتنذر قوماً ما اتاهم من نذیر من قبلك ۔ (پ۲۰ القصص ۴۶)

اس آیت کا اگر یہ مطلب ہوتا کہ سرزمین عرب میں واقعی حضورؐ سے پہلے کوئی نبی نہیں آیا تو اسی قرآن میں سورۂ ابراہیم سورۂ انعام ۔ اور سورۂ النمل میں حضرت اسمٰعیل کے عربی نبی ہونے کی شہادتیں کیوں ملتی ہیں ۔ سو آیت مذکورہ کا مطلب یہ ہوگا کہ مدتوں ان کے پاس کوئی ڈرانے والا نہیں آیا ۔ بنو اسرائیل پر بھی تو آخر ایک دور فترت کا گزرا ہے ۔ قرآن کریم میں پچیس سُورتوں میں اور ترسٹھ آیات میں حضرت ابراہیم کا ذکر موجود ہے ۔

حضرت ابراہیمؑ کے دو مناظرے

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے باپ کے ساتھ بھی مناظرہ کیا ۔ اور حاکم وقت نمرود کے ساتھ بھی جو خدا ہونے کا مدعی تھا مناظرہ کیا ۔ حضرت ابراہیم کے معجزات میں آگ کا ان کے پاؤں تلے گلزار ہو جانا بہت معروف ہے آپ نے اللہ تعالیٰ کی صفتِ احیاء کا چہرہ بھی بلا حجاب دیکھا جب آپ نے چار پرندوں کو ذبح کر کے اور ان کو ملا کر پہاڑ پر رکھ دیا ۔ پھر آپ نے انہیں آواز دی اور وہ چل کر آپ کے پاس آئے ۔

دین ابراہیم کے کھلے امتیازات اور ملّتِ ابراہیمی کا قیام

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا کھلا تعارف ان تین باتوں میں ملتا ہے ۔

(۱) توحیدِ خالص جس میں کوئی پیچیدگی نہیں اور اس میں کسی تاویل کو راہ نہیں ۔

(۲) ہجرت ۔ دین کی خاطر گھر بار کو چھوڑ نکلنا جب باپ نے آپ کو گھر سے نکالا تو آپ نکل کھڑے ہوئے ۔

(۳) قربانی میں انسانی جان کی پیش کش یہی وہ جذبہ ہے جس نے بالآخر جہاد کا نام پایا ۔ آنحضرت خاتم النبیین بھی آپ کی ملت پر تھے کہ توحیدِ خالص ۔ ہجرت اور جہاد کے علمبردار رہے ۔ عیسائی اقوام آپ کی ملت پر نہیں نہ ان کی توحید خالص رہی ۔ نہ ان میں جہاد اور قربانی کے آثار موجود ہیں ۔ یہود بھی

ملتِ ابراہیمی پر نہیں کہ بطور مشنری ان کی دین کی دعوت آفاقی نہیں وہ نسلی حدود میں کھو کر رہ گئے۔

شعائر اسلامی میں حج، عیدالاضحیٰ، دس ذوالحجہ کی قربانی اور عالمی تبلیغ حق مسلمانوں کے ملتِ ابراہیمی پر ہونے کے کھلے نشان ہیں۔ اور غور سے دیکھا جائے تو آج اس امتِ مسلمہ کے سوا اور کوئی امت ملتِ ابراہیمی پر نہیں رہی۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام پر صحیفوں کا نزول

جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت داؤد علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر تورات زبور اور انجیل اُتریں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام پر بھی صحیفے اُترے تھے۔ قرآن کریم میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کو دیئے گئے صحیفوں کا ذکر موجود ہے۔ اس امتِ مسلمہ کا تعلق اپنے نبی خاتم النبیینؐ کے بعد سب سے زیادہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ درود شریف میں ان دونوں نبیوں کا ذکر کرتے ہیں اور دونوں کی آل پر درود بھیجتے ہیں۔ مسلمانوں کے دو ہی بڑے تہوار ہیں۔ ۱۔ عیدالفطر ۲۔ عیدالاضحیٰ ــــ عیدالفطر وہ اپنے نبی کی امت کے طور پر اور عیدالاضحیٰ حضرت ابراہیم کی ملت ہونے کے احساس سے مناتے ہیں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ہجرت

حضرت ابراہیم علیہ السلام بابل کے قصبہ فدّان آرم میں پیدا ہوئے تھے اور وہیں سے آپ نے اپنی دعوت کا آغاز کیا۔ والد نے گھر سے نکل لنے کی دھمکی دی۔ آپ خود ہی نکل کھڑے ہوئے اور کہا میرا پروردگار خود ہی میرے لیے راستہ کھول دے گا۔ آپ دریائے فرات کے مغرب میں کلدانیوں کی بستی میں گئے۔ وہاں سے پھر حاران گئے۔ ان اسفار میں آپ کی بیوی حضرت سارہ اور بھتیجے حضرت لوط علیہ السلام ساتھ تھے۔ یہاں سے آپ فلسطین چلے آئے اور اس کے مغرب میں آباد ہوئے۔ ان دنوں یہاں کنعانی حکومت تھی کچھ عرصہ یہاں رہنے کے بعد آپ نابلس چلے گئے اور وہاں سے مصر پہنچے اور ابھی آپ کا

سفر جاری تھا۔ مصر کے حکمران فرعون کہلاتے تھے۔ فرعون نے حضرت سارہ کو اپنے پاس روکنا چاہا۔ لیکن اس نے کچھ ایسے آثارِ غیبی دیکھے کہ اپنی بات چھوڑ دی اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کو مع ان کی بیوی سارہ کے جانے کی اجازت دی۔

پُرانے عہدنامہ میں یہ واقعہ یُوں لکھا ہے :۔

پھر خداوند نے فرعون اور اس کے خاندان کو ابرام کی بیوی سارَیؔ کے سبب بڑی مار دی۔ تب فرعون نے ابرام کو بُلا کر اس سے کہا کہ تُو نے مجھ سے یہ کیا کیا کیوں نہ جتایا کہ یہ میری جورو ہے۔ تُو نے کیوں کہا کہ وہ میری بہن ہے یہاں تک کہ میں نے اُسے اپنی جورو بنانے کے لیے لیا — دیکھ یہ تیری جورو حاضر ہے اس کو لے اور چلا جا۔ [۱]

شاہِ مصر کو جب ابراہیم علیہ السلام کی بزرگی کا احساس ہوگیا تو اس نے اپنی بیٹی ہاجرہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو دی تاکہ یہ سارہ کی خدمت کرے — اس کا یہ مطلب نہیں کہ حضرت ہاجرہ لونڈی یعنی جاریہ تھیں — نہیں اُن کے لیے اگر کہیں باندی کا لفظ ہے تو وہ صرف خدمت گزار کے معنی میں اور یہ صحیح ہے کہ شاہِ مصر نے اپنی بیٹی ہاجرہ آپ کو آپکی بی بی حضرت سارہ کی خدمت کے لیے دی تھی۔ حضرت سارہ کی عمر اس وقت ستّر کے قریب تھی۔

نوٹ: مسیحی علماء اس پر بڑا اصرار کرتے ہیں کہ حضرت ہاجرہ اپنی اصل میں باندی تھیں۔ یہ درست نہیں ہے وہ شاہ مصر کی بیٹی تھیں اور ایک شاہی خاندان کی آزاد عورت تھیں۔ مولانا غلام رسول چڑیا کوٹیؒ نے اس پر براہین باہرہ فی حریۃ ہاجرہ ایک مستقل کتاب لکھی ہے۔ علامہ سید سلیمان ندویؒ نے بھی ارض القرآن کی دوسری جلد میں اس پر بحث کی ہے۔ حضرت مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی ؒ نے بھی ان کا ذکر کیا ہے۔ اس موضوع پر مسیحی علماء کے دلائل خاصے کمزور ہیں۔

---

[۱] کتاب پیدائش باب ۱۲ آیت ۱۷-۲۰

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بیویاں

توارت میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ایک تیسری بیوی قطورہ کا بھی ذکر ملتا ہے۔ اسی سے بنو قطورہ چلے۔ پرانے عہد نامہ کی کتاب پیدائش باب ۲۵ میں ہے کہ قطورہ کے بطن سے حضرت ابراہیم کے چھ بیٹے ہوئے ان میں ایک کا نام مدیان تھا جس کے نام سے اصحاب مدین چلے۔

اس سے پتہ چلتا ہے کہ ایک سے زیادہ بیویوں کا تصور عہدِ حاضر کے مسلمانوں کی ایجاد نہیں ہے کثرت ازدواج کی روایت حضرت ابراہیم سے پہلے سے چلی آ رہی ہے اور اس میں ہرگز کوئی عیب کا پہلو نہیں یہ صرف پرندوں اور درندوں میں چلا آرہا ہے کہ ایک نر اور ایک مادہ کے جوڑے ہیں، ورنہ جو جانور اور حیوانات انسانوں سے مانوس ہیں ان چوپایوں میں آپ کو یہ پابندی کہیں نظر نہ آئے گی۔ انسان کی فطرت ان کے ہاں پلنے والے جانوروں اور مرغوں مرغیوں میں بھی نمایاں نظر آتی ہے۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ انسان اپنی فطرت میں شروع سے دیگر حیوانات اور پرندوں سے کچھ مختلف چلا آرہا ہے۔ پھر نبیوں کا اس پر عمل اس کی بھی تصدیق کر دیتا ہے کہ ایک مرد کے لیے زیادہ بیویاں ہوں۔ اس میں ہرگز کوئی عیب کا پہلو نہیں ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا مقامِ علم

ملتِ ابراہیمی کے مُورثِ اعلیٰ ہونے کی حیثیت سے آپ کا علمی مقام بہت اُونچا تھا۔ چونکہ حضرت خاتم النبیینؐ جن کا امتیاز دائرۂ نبوت میں علم پہ ہوگا اور انما بعثت معلماً کا اعلان ہوگا۔ آپ کی اولاد میں ہونے والے تھے۔ اس لیے آپ کی حقائق اشیاء کے لیے جستجو فطری تھی۔ حضرت خاتم النبیینؐ کی دُعا اللّٰھم ارنی حقائق الاشیاء کما ھی اس نسبت کی ایک تاثیر تھا اور آپ کا یہ ذوقِ طلب بہت اُونچا تھا۔ اللہ تعالیٰ کی تمام صفات پر یقین رکھنے کے باوجود آپ کی طلب رب ارنی کیف تحی الموتیٰ آپ کے طبعی ذوق کا ایک سوال تھا۔ آپ علم الیقین اور عین الیقین کے بعد حق الیقین میں آنا چاہتے

تھے اسی کو آپ نے طمانیت قلبی بتایا۔

آپ کی قوت استدلال بہت اونچی تھی۔ اپنے والد کے سامنے جس طرح آپ نے بتوں کی عاجزی اور درماندگی ثابت کی اور اجرام فلکی کی پرستش کرنے پر ستاروں، چاند اور سورج کے بدلتے حالات سے استدلال کیا وہ اپنی مثال آپ ہے جو غروب ہوا مغلوب ہوا اور مغلوب محجوب ہوا اور یہ از خود ظاہر تھا کہ محجوب معبود نہیں ہو سکتا۔ نمرود حیات و ممات کا مسئلہ نہ سمجھ پایا اور دعوے کیا انا احیی و امیت تو آپ نے اس کی ذہنی سطح پر مطلع ہونے کے بعد اس مضمون سے جس طرح ان اللہ یأتی بالشمس من المشرق کہہ کر فأت بھا من المغرب کا مطالبہ کیا تو نمرود کی شکست طشت از بام ہو گئی۔ قرآن کریم نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے جو علمی موضوعات قرآن کریم میں ذکر کیے ہیں ان کی روشنی میں اگر آپ کو علم مناظرہ کا امام مانا جائے تو یہ بے جا نہ ہوگا۔ لیکن یہ وہ مناظرات تھے جو دلوں کو نور بخشتے تھے ایسے نہیں جو آج کل ہوتے ہیں ان میں ظلمت و فتور کے سوا کچھ نہیں ملتا۔ تاہم یہ ضرور ہے کہ اہل باطل سے مناظرہ کرنا سنت انبیاء ہے اور کسی شخص کو علم کی اس لائن کا استخفاف روا نہیں۔ اللھم صل علی محمد و علی ال محمد کما صلیت علی ابراھیم و علی ال ابراھیم انک حمید مجید۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دو بیٹے اور ایک بھتیجہ

حضرت لوط علیہ السلام

حضرت لوط بن ہاران حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بھتیجے اور شاگرد تھے۔ حضرت ابراہیم پر سب سے پہلے آپ ایمان لائے اور آپ ہجرت میں بھی حضرت ابراہیم کے ساتھ رہے۔ حضرت لوط مصر میں حضرت ابراہیم کے ساتھ تھے۔ آپ وہاں سے ہجرت کر کے شرق اردن چلے آئے۔ آپ نے یہاں عامورہ اور سدوم کی بستیوں میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی شریعت کی روشنی میں اللہ کے نام کی آواز دیتے رہے۔ اردن کی ایک جانب اب بھی بحر لوط موجود ہے اسے بحر بھی کہتے ہیں۔

سدوم میں ایک ایسی فاحش بُرائی پائی گئی جو شرفِ انسانی کے یکسر خلاف تھی. حضرت لوط نے انہیں اس سے منع کیا. اس کے جواب میں انہوں نے حضرت لوط کو وہاں سے نکالنے کی ٹھانی اور اُن کی پاکیزگی کو وہ اپنانے کے لیے تیار نہ ہوئے۔

پ۲۷ سورۂ ذاریات میں ہے کہ پھر اس قوم پر عذاب آیا اور خدا کی طرف سے ان پر پتھروں کی بارش ہوئی. جو فرشتے ان پر عذاب اُتارنے کے لیے مامور ہوتے وہ وہاں جاتے ہوئے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس بھی ٹھہرے. یہیں وہ واقعہ پیش آیا کہ حضرت ابراہیم نے اُن کے لیے ضیافت کا سامان کیا لیکن یہ فرشتے تھے کھانا نہ کھا سکے۔

حضرت لوط علیہ السلام پر کوئی نئی شریعت نہ اُتری. آپ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی شریعت لے کر ہی ان اقوام کی طرف بھیجے گئے تھے. قرآن کریم میں سورۂ اعراف، سورۂ ہود، سورۃ العنکبوت، سورۃ الشعراء اور سورۃ الذاریات میں ان کا ذکر ملتا ہے۔

فرشتے جب اُن پر عذاب اُتارنے کے لیے وہاں پہنچے تو حضرت لوط اپنے خاندان کے ساتھ وہاں سے نکل گئے. آپ کی بیوی گھر سے نکلنے پر آمادہ نہ ہوئی. ایک ہیبت ناک چیخ اُٹھی اور دیکھتے دیکھتے اس آبادی کو تہس نہس کر دیا گیا. اُوپر سے پتھروں کی بارش ہوئی. یہ سارا قصہ پ سورۂ ہود میں ملتا ہے۔

قوم کے انتہائی تمرد اور شدتِ مخالفت سے حضرت لوط علیہ السلام کی زبان سے یہ بات نکلی:

لو ان لی بکم قوۃً او اٰوی الیٰ رکن شدید. (پ۱۲ ہود ۸۰)

ترجمہ: کاش! مجھ میں تمہیں روکنے کی قوت ہوتی یا میں ٹھکانہ پالیتا کسی زبردست پناہ گاہ میں.

سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا حضرت لوط علیہ السلام خدا کی مدد سے بالکل نا امید ہو گئے تھے — جواب کسی پناہ گاہ کے سائے میں آنا چاہتے تھے؛ وہ پناہ گاہ اپنے قبیلے کی بھی ہو سکتی ہے. اور حقیقی پناہ گاہ تو اپنے پروردگار کی ذات ہے. آپ کے اس جملے کو ان الفاظ کے عام استعمال میں

دلیں جس درجے کا آدمی ہو اس کے کلام کے معنی اس کی شخصیت کے مطابق اور مناسب ہونے چاہئیں
کسی کی کوئی بات سُنو تو اچھے سے اچھے پیرایہ میں سمجھنے کی کوشش کرنی چاہیئے۔ حضور خاتم النبیینؐ
نے آپ کی اس صدا کے یہ معنی کیے کہ آپ کی زبردست قوت پناہ خود اللہ کی ذات تھی اور آپ اسی
کے سایہ میں آنا چاہتے تھے۔ آپ نے فرمایا۔

یغفر اللہ للوط ان کان یأ وی الی رکن شدید دھو ربہ وخالقہ[1]

ترجمہ۔ اللہ تعالیٰ لوط کو بخشے وہ ایک بڑی پناہ آ رہے تھے۔ رکن شدید ان کا
رب اور خالق تھا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قبر وادیٔ خلیل میں ہے۔ آپ نے سال عمر پائی۔

حضرت اسماعیل علیہ السلام

آپ حضرت ابراہیم کی خاص دُعا کا ثمرہ ہیں۔ عبرانی میں ایل اللہ کو کہتے ہیں۔ اسمع (سُن لی)
ایل (اللہ) نے۔ جب آپ پیدا ہوئے تو حضرت ابراہیم کی عمر ۸۶ سال کی تھی۔ آپ کی والدہ حضرت
ہاجرہ کو فرشتے نے بشارت دی تھی کہ وہ بچّہ جنے گی۔ تورات میں ہے۔

خداوند کے فرشتے نے اُسے کہا کہ تم حاملہ ہے اور ایک بیٹا جنے گی۔ اس کا نام
اسماعیل رکھنا کہ خُدا نے تیرا دُکھ سُن لیا ہے۔[2]

حضرت ہاجرہ کے بعد حضرت سارہ ہیں جنہیں بیٹے کی بشارت فرشتوں نے دی۔

پھر خدا تعالیٰ نے حضرت ابراہیم سے کہا

اسماعیل کے حق میں میں نے تیری سُنی دیکھ میں اُسے برکت دوں گا اور اُسے
برومند کروں گا اور اس کو بہت بڑھاؤں گا اور اس کے بارہ سردار پیدا ہوں
گے اور اس کو بڑی قوم بناؤں گا۔[3]

---

[1] صحیح بخاری جلد ۱ صفحہ ۴۷۸ [2] کتاب پیدائش باب ۱۶ آیت [3] ایضاً باب ۱۷ آیت ۲۰

اس پیرایہ بیان پر غور فرمائیں۔ اس کے پیش نظر کیا حضرت ہاجرہ کے باندی ہونے کا کیا ادنیٰ تصور بھی ہو سکتا ہے۔ کیا کبھی لونڈیوں سے بھی سردار پیدا ہوئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ جس کو آبرومند کریں کیا اس کے بارے میں لونڈی کا بیٹا ہونے کا خیال کیا جا سکتا ہے۔ اگر کسی جگہ حضرت ہاجرہ کے لیے حضرت سارہ کی خادمہ ہونے کے الفاظ لکھیں تو اسے حضرت ابراہیم کا اعزاز سمجھیں شاہی خاندان کی ایک بیٹی ان کی اہلیہ کی خدمت کریں۔ پھر حضرت ہاجرہ کا مکہ مکرمہ ہجرت کر جانا اس کی تائید کرتا ہے کہ وہ ان کی لونڈی ہرگز نہ تھیں۔ لونڈی ایک مستقل زندگی نہیں رکھتی جو حضرت ہاجرہ کو مکہ میں حاصل تھی۔ سید القوم خادمھم میں سرداری اور خدمت دونوں باتیں جمع ہیں اور یہاں کسی کے غلام ہونے کا تصور نہیں۔

حضرت ہاجرہ کی مکہ میں تشریف آوری

اللہ کے حکم سے حضرت ابراہیم حضرت ہاجرہ کو مکہ چھوڑ گئے۔ حضرت اسمٰعیل ان دنوں شیر خوار تھے۔ انہیں پیاس لگی تو ان کے لیے زمزم کا چشمہ جاری ہوگیا۔ اس چشمہ کو دیکھ کر وہاں بنو جرہم آباد ہوئے۔ حضرت ہاجرہ نے ان میں حضرت اسمٰعیل کی شادی کی اور آپ اپنے معاملات طے کرنے میں پوری آزاد تھیں کسی کی باندی نہ تھیں۔ قرآن کریم میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی صدا ملاحظہ فرمائیں:-

ربنا انی اسکنت من ذریتی بوادٍ غیر ذی زرع عند بیتك المحرّم۔

(پ۱۳ ابراہیم ۳۷)

ترجمہ۔ اے رب میں نے اپنی اولاد کو ایک ایسی وادی میں لا بسایا ہے جہاں کچھ نہیں اُگتا تیرے حرمت گھر کے سامنے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یہاں (مکہ میں) آنے جانے کا سلسلہ قائم رکھا یہاں تک کہ وہ واقعہ پیش آیا جب ابراہیم علیہ السلام حضرت اسمٰعیل کو اللہ کے حکم کے تحت ذبح کرنے

کے لیے لے گئے۔ اللہ تعالیٰ کا کرم حضرت اسمٰعیل کے شامل حال ہوا اور وہ بغیر ذبح ہوئے ذبیح اللہ کی شان پا گئے۔ یہ واقعہ مکہ کے قریب منا میں پیش آیا۔ حضرت ابراہیم کو حضرت اسمٰعیل کو قربانی کے لیے لے جاتے وقت علم نہ تھا کہ اللہ تعالیٰ اسمٰعیل کو زندہ واپس بھیجیں گے۔ وہ علم غیب نہ رکھتے تھے۔ وہ واقعی انہیں قربانی کے لیے لے کر گئے تھے۔

حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسمٰعیلؑ دونوں نے کعبہ کی تعمیر کی

واذ یرفع ابراھیم القواعد من البیت واسمٰعیل۔ (پ البقرہ ۱۲۷)

ترجمہ۔ اور جب ابراہیم اور اسمٰعیل بیت اللہ شریف کی بنیادیں اُٹھا رہے تھے۔

حضرت اسمٰعیل کے بارہ بیٹے ہوئے جن سے بارہ قبیلے بنے۔ ان میں زیادہ دو مشہور ہوئے ۱۔ نبایوت۔ ۲۔ قیدار — ان کی اولاد اصحاب الحجر اور اصحاب الرس کے نام سے بھی موسوم ہوئی — دوسری طرف حضرت ابراہیم کی اولاد حضرت یعقوب بن اسحٰق سے چلی۔ حضرت یعقوب کے بھی بارہ بیٹے ہوئے جن میں دو حضرت یوسف اور بنیامین کی والدہ اور تھیں۔

حضرت اسمٰعیل رسول اور نبی تھے ۱۳۶ سال عمر پائی۔ حرم میں دفن ہوئے۔ ان کی والدہ کی قبر بھی حرم میں کسی جگہ ہے

حضرت اسحٰق علیہ السلام

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عمر جب سو سال کی ہوئی تو حضرت سارہ کے ہاں حضرت اسحٰق پیدا ہوئے۔ جس طرح فرشتہ حضرت ہاجرہ کے پاس حاضر ہوا تھا فرشتے حضرت سارہ سے بھی ہمکلام ہوئے قرآن کریم میں پ۱۲ ہود، پ۱۴ الحجر، اور پ۲۶ الذاریات میں حضرت اسحٰق علیہ السلام کا ذکر موجود ہے۔ حضرت اسحٰق پیدا ہوئے تو حضرت ابراہیم نے آٹھویں دن ان کے ختنے کی سنت ادا کی۔

حضرت ابراہیم نے حضرت اسحٰق کی شادی اپنے خاندان میں کی۔ آپ کی بیوی کا نام رفقہ تھا۔ حضرت اسحٰق کے ہاں دو جڑواں بچے پیدا ہوئے۔ عیسو اور یعقوب — اس وقت حضرت اسحٰق کی عمر ساٹھ سال تھی۔ حضرت یعقوب اپنے ماموں لابان کے پاس چلے گئے اور عیسو اپنے چچا حضرت اسماعیل کے پاس چلے آئے۔ حضرت اسحٰق کے جانشین حضرت یعقوب ہوئے ان کا لقب اسرائیل تھا۔ یہیں سے بنو اسرائیل کا سلسلہ چلا۔

حضرت اسحٰق اور حضرت اسماعیل میں زیادہ تاریخی شرف کس کا

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ حضرت اسماعیل حضرت ابراہیم کی دُعا کا ثمرہ تھے اور آپ چودہ سال تک اپنے والد کے واحد اکیلے بیٹے رہے۔ خیر البقاع فی الارض (زمین کے سب سے بہترین قطعہ زمین) کی تولیت آپ نے پائی اور کعبہ کی بنیادیں اپنے والد کے اہتمام میں آپ نے ہی اُٹھائیں اور حضرت خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے جد اعلیٰ ہونے کا شرف بھی آپ کے نام ہی رہا تاہم اس سے انکار نہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اپنے گھر کا چراغ حضرت اسحٰق علیہ السلام اور ان کے بعد حضرت یعقوب علیہ السلام سے روشن ہوا۔

مسیحی علماء کہتے ہیں کہ قرآن میں حضرت اسحٰق کی بشارت بایں طور مذکور ہے کہ آپ نبی ہوں گے حضرت ابراہیم کو بیٹے کی خبر دی گئی جو نبی ہو گا اور حضرت ابراہیم کو جب اسماعیل کی بشارت دی گئی تو فرمایا فبشرناہ بغلام حلیم۔ ہم نے اسے ایک بُردبار لڑکے کی بشارت دی۔

دونوں بشارتوں میں فرق کی وجہ

جب اللہ تعالیٰ حضرت ابراہیم کو اسماعیل کی بشارت دے رہے تھے تو علم الٰہی میں تھا کہ ایک وقت آئے گا جب اللہ تعالیٰ ابراہیم سے اسی بیٹے کی قربانی مانگیں گے اور وہ اسماعیل کا لڑکپن ہو گا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ایک لڑکے کی بشارت دی۔ یہ نہ بتلایا کہ وہ نبی ہو گا تاکہ قربانی کے

کے وقت حضرت ابراہیم کو یہ گمان نہ گزرے کہ اللہ تعالیٰ نے تو مجھے اس کے نبی ہونے کی خبر دے رکھی ہے۔ اس لیے لازماً یہ ایک محض امتحان ہے حقیقۃً اسماعیل ذبح نہ ہوگا نبوت کی عمر تک پہنچے گا۔ اس صورت میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قربانی کا حق ادا نہ ہوتا۔ یہ واقعہ محض ایک ڈرامہ ہو کر رہ جاتا۔ حضرت اسحٰق علیہ السلام کی قربانی نہ مانگنی تھی۔ اس لیے پہلے سے بتا دیا گیا کہ یہ نبی ہوگا۔ ان کے بارے میں علم الٰہی میں کوئی ایسا درمیانی مرحلہ نہ تھا۔

حضرت موسیٰ پر بھی کوئی ایسا وقت نہ آنا تھا۔ اس لیے ان کی والدہ کو بھی پہلے سے بتا دیا گیا کہ یہ نبی ہوگا۔

انا رادوہ الیک وجاعلوہ من المرسلین۔ (پ۲۰ القصص ۷)

ترجمہ۔ بے شک ہم اسے تیری طرف پھیر دیں گے اور اسے پیغمبر بنائیں گے۔

حضرت یعقوب علیہ السلام

تاریخ انبیاء میں حضرت یعقوب علیہ السلام بھی ایک مرکزی حیثیت کے مالک ہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بعد حضرت یعقوب علیہ السلام تمام سلسلہ بنی اسرائیل کے جد اعلیٰ شمار کیے گئے ہیں۔ انہی سے آگے بنو اسرائیل کے بارہ سلسلے چلے۔ حضرت یعقوب یہود کے نام سے اپنا نسلی امتیاز ظاہر کرتے آئے ہیں۔ ان کا عقیدہ ہے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام کی اولاد کو جہنم کی آگ نہ چھُو نہ پائے گی۔ ایسا اگر کہیں ہوا بھی تو چند دنوں کے سوا نہ ہوگا۔ ہم تو اللہ کے بیٹے اور اس کے مصاحب ہیں۔

لن تمسنا النار الا ایاماً معدودات۔ (پ۱ البقرہ ۸۰)

ترجمہ: ہمیں سوائے چند گنتی کے دنوں کے آگ نہ چھوئے گی۔

وقالت الیہود والنصاریٰ نحن ابناء اللہ واحباءہ۔ (پ۶ المائدہ ۱۸)

ترجمہ: اور کہا یہودیوں اور نصرانیوں نے ہم خدا کے بیٹے اور اس کے پیارے ہیں۔

اسرائیل آپ کا لقب تھا جس سے بنو اسرائیل معروف ہوئے۔ حضرت اسحٰق علیہ السلام کے دو بیٹے عیص اور یعقوب ایک والدہ سے تھے۔ ان کی والدہ کا نام رلبقہ تھا۔ ماں کے زیادہ چہیتے حضرت یعقوب علیہ السلام تھے اور والد کی محبت عیص سے محبت تھی۔ عیص کا نام ادوم بھی ملتا ہے۔

دونوں بھائی وطن میں نہ رہے عیص اپنے چچا (حضرت اسماعیل علیہ السلام) کے ہاں عرب چلے گئے تھے اور یعقوب اپنی والدہ کے اشارہ پر فدان آرام چلے آئے تھے۔ حضرت یعقوب علیہ السلام کنعانیوں کی ہدایت کے لیے مبعوث ہوئے تھے۔ آپ کا ذکر قرآن پاک میں متعدد مقامات پر ملتا ہے لیکن زیادہ تر آپ دیگر انبیاء کے ساتھ عطفاً مذکور ہیں۔ چند مقامات پر آپ کا ذکر خصوصی پیرایہ میں کیا گیا ہے۔

(۱) آپ کی وصیت قرآن پاک میں اس طرح مذکور ہے:۔

اذحضر یعقوب الموت اذقال لبنیہ ماتعبدون من بعدی قالوا نعبد الٰھک والٰہ اٰبآئک ابراھیم واسمٰعیل واسحٰق الٰھًا واحدًا۔ (پ۱ البقرہ ۱۳۳)

ترجمہ۔ حضرت یعقوب پر جب سفر آخرت کا وقت آیا۔ آپ نے اپنے بیٹوں سے کہا میرے بعد تم کس کی عبادت کرو گے؟ انہوں نے کہا آپ کے خدا کی اور آپ کے آبا حضرت ابراہیم۔ اسمٰعیل اور اسحٰق کے خدا کی اور سب کا خدا ایک ہی ہے۔

(۲) اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں حضرت یعقوب کے علم کی بھی تعریف کی ہے:۔

وانہ لذو علم لما علمناہ ولکن اکثر الناس لا یعلمون۔ (پ ۱۳ یوسف ۶۸)

ترجمہ۔ اور وہ ہمارے بتانے سے علم والا ہوا لیکن اکثر لوگ جانتے نہیں۔

علم تعبیر میں حضرت یوسف علیہ السلام کے مرتبہ سے کون آگاہ نہیں۔ لیکن خود حضرت یوسف کو اس خواب کی عام اشاعت سے روکنے والے کون ہیں؟ یہی حضرت یعقوب علیہ السلام۔ معلوم ہوتا ہے آپ پر بھی یہ باب علم پوری وسعت سے کھلا تھا۔

(۳) جن پیغمبروں کو قرآن نے اولی الایدی والابصار کہا ہے ان میں آپ بھی ہیں:۔

واذکر عبادنا ابراھیم واسحٰق ویعقوب اولی الایدی والابصار۔ (پ ۲۳ ص ۴۵)

ترجمہ۔ اور یاد کریں ہمارے بندوں کو ابراہیم۔ اسحٰق اور یعقوب کو یہ سب ہاتھوں والے تھے اور آنکھوں والے تھے۔

(۴) آپ ایک وسیع سلسلہ اولاد کے مورث اعلیٰ ہیں۔ قرآن کریم میں جن انبیاء کو اللہ تعالیٰ نے آل کے ذکر سے مذکور کیا ہے ان میں آپ بھی ہیں جیسے آل ابراہیم۔ آل یعقوب۔

حضرت زکریا علیہ السلام نے جب بیٹے کے لیے دعا کی تو کہا تھا:۔

یرثنی ویرث من آل یعقوب۔ (پ ۱۶ ۲)

وعلیٰ آل یعقوب۔ (پ ۱۲ یوسف ۶)

ترجمہ۔ وہ میرا وارث ہو اور آل یعقوب کا وارث ہو۔

حضرت زکریا علیہ السلام کا بیٹا ساری آل یعقوب کا وارث کیسے ہو سکتا ہے۔ حضرت یعقوب کے تو خود اپنے بارہ بیٹے تھے؟ یہاں وراثتِ مالی مراد نہیں یہاں وراثت علمی مراد ہے اور انبیاء کی میراث

یہی ہوتی ہے۔ حضرت یعقوب علیہ السلام جب حضرت یوسف کے پاس مصر آتے تو آپ کے ساتھ کنبے کے ۷۲۔ افراد تھے۔

حضرت یعقوب کی ازواج و اولاد

حضرت یعقوب کے ماموں لابان کی دو بیٹیاں لیہ اور راحیل آپ کے نکاح میں تھیں اور ان دونوں کی دو باندیاں زلفا اور بلہا بھی ان کے ساتھ تھیں۔ آپ کی ان سب سے اولاد ہوئی آپ کی والدہ راحیل کو بہت چاہتی تھیں۔ ان کے بطن سے حضرت یوسف اور بنیامین پیدا ہوئے۔ اس پس منظر میں ان دو پر آپ کی زیادہ نظر عنایت تھی۔

یہ تفصیلات قرآن پاک میں نہیں ہیں۔ البتہ قرآن پاک میں گیارہ ستاروں کو حضرت یوسف علیہ السلام کو سجدہ کرتے بتلایا گیا ہے۔ جس سے پتہ چلتا ہے کہ آپ کے بارہ بیٹے تھے اور ایک حضرت یوسف کا حقیقی بھائی تھا جسے آپ نے ایک تدبیر سے اپنے ہاں ٹھہرا لیا تھا۔

حضرت یعقوب علیہ السلام کے وقائع حیات کا حضرت یوسف کے حالات سے علیحدہ ذکر بہت کم ملتا ہے۔ حضرت یوسف کے وقائع حیات کو قرآن کریم نے احسن القصص کہا ہے۔ سو نامناسب نہ ہو گا کہ ان سے متعلق باقی مباحث حضرت یوسف کے تذکرہ میں ذکر کیے جائیں۔ حضرت یعقوب کی اولاد میں آگے نبوت لاوی اور یہودا کی نسلوں میں چلی۔ حضرت یوسف کی اولاد میں آگے کوئی نبی نہ ہوا حضرت موسیٰ و ہارون لاوی بن یعقوب کی اولاد میں سے تھے۔ اور حضرت داؤد اور سلیمان یہودا بن یعقوب کی اولاد میں سے۔ اس پر ہم حضرت یعقوب علیہ السلام کا تذکرہ ختم کرتے ہیں۔

حضرت یوسف علیہ السلام

ولقد جآءکم یوسف من قبل بالبینات فما زلتم فی شک مما جآءکم به حتیٰ اذا هلک قلتم لن یبعث الله من بعده رسولاً کذٰلک یضل الله من هو مسرف مرتاب. (پ ۲۴ المومن ۳۴)

ترجمہ۔ اور بے شک تمہارے پاس یوسف بھی واضح دلیلوں کے ساتھ آئے پس تم
اس کے لائے پیغام میں شک میں ہی رہے جب ان کی وفات ہوئی تو تم نے کہا
اب ان کے بعد اللہ کوئی رسول نہ بھیجے گا۔ اسی طرح گمراہ کرتا ہے ان لوگوں کو جو حد
سے بڑھنے والے ہیں شک کرنے والے۔

جس طرح حضرت ابراہیم سے ایک سلسلہ آرہا تھا اب وہ حضرت یوسف پر آکر رُک گیا۔ حضرت ابراہیم، حضرت اسحٰق، حضرت یعقوب، حضرت یوسف یکے بعد دیگرے زیب رسالت ہوتے۔ مگر حضرت یوسف کی اولاد میں یہ سلسلہ آگے نہ چلا۔ اب جو لوگوں نے کہا کہ ان کے بعد اللہ تعالیٰ کسی کو رسول نہ بنائیں گے۔ اس سے مراد خاص حضرت یوسف کی اولاد میں رسالت کی نفی تھی۔ یہ نہیں کہ انہوں نے حضرت یوسف کو خاتم النبیین سمجھ لیا تھا یہ کرۂ ارضی میں آخری نبی ہیں۔ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ان چار پیغمبروں کو ایک سلسلہ میں ذکر کیا ہے۔ حضرت عبد اللہ بن عمرؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں :۔

الکریم بن الکریم بن الکریم یوسف بن یعقوب بن اسحٰق بن ابراھیم۔[1]

حضرت ابوہریرہؓ روایت کرتے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا ای الناس اکرمھم سب سے زیادہ کریم لوگ کون ہیں؟ آپ نے فرمایا۔ اکرمھم عند اللہ اتقاھم۔ جو ان میں سے زیادہ متقی ہوگا وہی سب سے زیادہ کریم ہے۔ انہوں نے کہا۔ حضورؐ ہم یہ نہیں پوچھ رہے۔ اس پر آپ نے کہا:۔

فاکرم الناس یوسف نبی اللہ بن نبی اللہ بن نبی اللہ بن خلیل اللہ۔[2]

ترجمہ۔ لوگوں میں سب سے زیادہ کریم اللہ کے نبی یوسف ہیں جو نبی کے بیٹے ہیں نبی
کے پوتے ہیں اور حضرت ابراہیم خلیل اللہ کے پڑپوتے ہیں۔

وہ لوگ کہنے لگے ہم یہ بھی نہیں پوچھ رہے۔ آپ نے ان سے پوچھا۔ تو کیا تم عرب خاندانوں کے بارے میں پوچھ رہے ہو؟ انہوں نے کہا۔ ہاں۔ پھر آپ نے فرمایا۔

---

[1] صحیح بخاری جلد ۲ صفحہ ۴۷۹ [2] ایضاً جلد ۱ صفحہ ۴۷۹

فعن معادن العرب تسألونی قالوانعم قال فخیارکم فی الجاھلیۃ خیارکم فی الاسلام اذا فقھوا[۱]

ترجمہ. تم میں جو جاہلیت کے دور میں اچھے لوگ تھے اسلام میں آکر بھی وہی سب سے اچھے رہیں گے جب وہ سمجھ جائیں۔

(نوٹ ۱) اسرائیلیوں کے یہ کہنے کی کہ اب حضرت یوسف کے بعد کوئی نبی نہ آئے گا. ایک یہ وجہ بھی ہوسکتی ہے کہ آل فرعون اس خطرے سے بے غم ہوجائیں کہ بنی اسرائیل میں ایسے نبی ہوں گے جو بادشاہ بھی ہوں گے (جیساکہ حضرت داؤد اور حضرت سلیمان بعد میں ہوئے) اس صورت میں آل فرعون کو اندیشہ تھا کہ اب کبھی عصا حکومت ان کے ہاتھ سے جاتا رہے گا. ہوسکتا ہے اسرائیلیوں نے آل فرعون سے اس اندیشہ کو دور کرنے کے لیے یہ عقیدہ وضع کرلیا ہو کہ اب ان میں حضرت یوسف کے بعد کوئی پیغمبر نہ آئے گا. فرعون کا یہ اندیشہ سنن نسائی کتاب التفسیر کی حدیث فتون میں مذکور ہے۔

(نوٹ ۲) یہاں جو حضرت یوسف کے معجزات کا ذکر ہے یہ کیا کیا تھے. قرآن کریم میں ان کی تفصیل نہیں ملتی. یہاں صرف ان کی حکایت ہے۔

فلسطین اور مصر میں تاریخی ربط

حضرت ابراہیم. حضرت اسحٰق اور حضرت یعقوب کا وطن فلسطین تھا یہیں ان کی اولاد ہوئی. تاریخ بنی اسرائیل کے سب سے نمایاں پیغمبر حضرت موسٰے کو مصر میں دکھاتی ہے کہ آپ وہیں پیدا ہوتے اور وہیں آپ کے فرعون سے معرکے پیش آئے. یہ کیسے ہوا کہ بنو اسرائیل قبطیوں کے پہلو بہ پہلو مصر میں نظر آتے ہیں یہ حضرت یوسف علیہ السلام کا واقعہ ہے جو فلسطین اور مصر میں جوڑ پیدا کرتا ہے. قرآن کریم میں حضرت یوسف کے مصر جانے کا واقعہ مذکور نہ ہوتا تو پتہ نہ چلتا کہ حضرت موسٰے علیہ السلام مصر میں کیوں پیدا ہوئے؟

---

[۱] صحیح بخاری جلد ۱ ص۴۷۸

حضرت یُوسف مصر کیسے پہنچے ؟

اللہ تعالیٰ نے حضرت یعقوب علیہ السلام کی اولاد میں حضرت یوسف کو بہت سے ظاہری اور باطنی کمالات سے نوازا تھا اور باپ کی نظر میں بھی آپ زیادہ مانوس تھے. آپ کی والدہ حضرت یعقوب کی والدہ کی بھتیجی بہو تھیں اور ان کا غیر معمولی اثر پورے خاندان پر تھا. کمال کو حسد کا سامنا بھی کرنا پڑتا ہے اور یہ صُورت حضرت یوسف کو بھی پیش آئی. بھائیوں نے ایک سیر کے بہانے حضرت یوسف کو والد سے لیا اور جنگل میں ایک کنوئیں میں گرا دیا. بھائی انہیں موت کے سپرد کر کے واپس گھر آ گئے اور باپ کو بتایا کہ ایک جنگلی درندے نے یوسف کو پھاڑ کھایا ہے اور آپ کی قمیص خون آلود کر کے سامنے رکھ دی.

یہاں کیا صورتِ حال پیش آئی اسے ابھی ایک طرف رکھیئے. اُدھر دیکھیئے حضرت یوسف پر کیا گذری ؟ اس کنوئیں کے پاس سے ایک قافلہ گزرا اور پانی لینے کے لیے کنوئیں پر پہنچا کنوئیں میں حضرت یوسف کے چاند جیسے چہرے پر نظر پڑی. انہوں نے آپ کو کنوئیں سے نکالا اور غلام بنا کر ساتھ لے گئے. انہیں مصر آنا تھا. اس طرح بنو اسرائیل کا یہ پہلا فرد مصر کی زمین پر اُترا کنوئیں سے نکالنے والے محسنین کے احساس احسان سے آپ نے ان سے بھاگ کر اپنے ہاں آنے کی کوشش نہ کی اپنے محسن کے آگے سراپا انقیاد بن گئے. یہ نہ سوچا کہ والد پر کیا گذرے گی. خیال کیا اور بھائی بھی تو آپ کے پاس موجود ہیں.

بعض روایات میں ہے کہ حضرت یوسف کے کچھ بھائی اس قافلے کے پیچھے دوڑے کہ یہ لڑکا جو تم نے چھپا لیا ہے ہمارا بھاگا ہوا غلام ہے. (رواہ مجاہد) اس پر ان لوگوں نے کہا. یہ ہمیں دے دو اور قیمت لے لو. قرآن کریم میں ہے :-

واسروہ بضاعۃ.... وشروہ بثمن بخس دراھم معدودہ . (پ۱۲ یوسف ۲۰)

ترجمہ. اور انہوں نے اس لڑکے کو چھپا لیا مال تجارت سمجھ کر..... اور بیچ آئے اس کو بھائی نہایت ناقص قیمت میں چند گنتی کے درہم.

سو ان حالات میں ان کا بھاگ کر اپنے گھر آ جانا کوئی آسان کام نہ تھے اور ان کی شرافت

اپنے محسنوں سے بھی بے وفائی نہ چاہتی تھی۔

مصر میں آپ پر کیا حالات گزرے؟

جب آپ مصر لاتے گئے تو مصر والے انہیں بازارِ مصر میں لے گئے۔ وہاں مصری فرعون کا ایک افسر کھڑا تھا۔ اس لیے آپ کو دیکھتے ہی منہ بولی قیمت پر خرید لیا۔ حضرت یوسف اس کے ہاں بیٹوں کی طرح پلتے رہے۔ جب آپ جوان ہوئے تو کہیں آپ پر خدا کی طرف سے نبوت اتری۔

اس افسر نے جسے عزیزِ مصر کہا گیا ہے اپنی بیوی کو پہلے ہی کہہ دیا کہ اس سے غلاموں کا سا معاملہ نہ کرنا اس کی ضرورتوں کا اچھا انتظام کرنا ہو سکتا ہے کہ اسے بیٹا بنا لیں۔ (یہ افسر لاولد تھا)۔

وقال الذی اشتراه من مصر لامرأته اکرمی مثواه عسیٰ ان ینفعنا او نتخذه ولدا وکذلک مکنا لیوسف فی الارض ولنعلمه من تاویل الاحادیث واللہ غالب علیٰ امره ولکن اکثر الناس لا یعلمون ولما بلغ اشده اتینه حکما وعلما۔

(پ ۱۲ یوسف ۲۱)

ترجمہ۔ اور جس نے اسے بازار میں خرید کیا۔ اس نے اپنی بیوی سے کہا اسے عزت سے ٹھہرا شاید ہمارے کام آئے یا ہم اسے بیٹا بنا لیں۔ اسی طرح ہم نے یوسف کو اس ملک میں قبضہ دیا اور اسے علمِ تعبیر بھی دیا اور اللہ اپنا کام جیت کر دیتا ہے لیکن اکثر لوگ (اس کے جیتنے کو) جانتے نہیں اور جب وہ اپنی جوانی کو پہنچا تو ہم اسے علمِ نبوۃ اور حکم رسالت دیا۔

عزیزِ مصر کے محل میں حضرت یوسف کی آزمائش

عزیزِ مصر کی بیوی راعیل (زلیخا) آپ کے حسن و شباب کی تاب نہ لا سکی اور یہاں حضرت یوسف کو ایک کڑی آزمائش سے گزرنا پڑا۔ قرآن کریم میں ہے ۔۔

ولقد راودته عن نفسه فاستعصم (پ۱۲ یوسف ۳۲)

ترجمہ۔ اور زلیخا چاہا اس عورت نے اس سے اس کا جی سو اس نے اپنی شانِ عظمت سنبھال لی۔

یہ انبیاء کا مقامِ عصمت ہے جو انہیں ایسے موقعوں پہ سنبھالتا ہے یہ انبیاء کی معصومیت کی شان ہے۔ اس امرأۃ عزیز نے اپنی بے بسی منوانے کے لیے مصر کی عورتوں کو بھی حسنِ یوسف کی جھلک سے بے بس کیا اور انہوں نے اپنی انگلیاں کاٹ لیں۔

غور کیجیے بجائے اس کے کہ زلیخا اپنی کمزوری پر پردہ ڈالتی۔ وہ اپنے آپ کو مجبور ثابت کرنے کے لیے ان عورتوں سے واقعات کی شہادت لیتی ہے اور وہ حضرت یوسف کو دیکھ کر بے خود ہو جاتی ہیں یہ اس وقت کی مصری تہذیب کی پستی ہے کہ اپنی بے حیائی پر پردہ ڈالنے کی جگہ اس کے حق میں دلائل مہیا کیے جا رہے ہیں۔ جب کسی ملک کی تہذیب اس درجہ گر جائے تو پھر اس ملک میں انقلاب آ کر رہتا ہے ـــــ اور عزیز مصر کا اقتدار حضرت یوسف کو منتقل ہو کر رہا۔

حضرت یُوسف کا معصیت پر جیل کی زندگی کو ترجیح دینا

قال رب السجن احب الیّ مما یدعوننی الیه والا تصرف عنی کیدهن اصب الیهن واکن من الجاهلین ۔ (پ۱۲ یوسف ۳۳)

ترجمہ۔ کہا حضرت یوسف نے اے میرے رب! میرے لیے قید خانہ بہتر ہے جس کام کی طرف وہ لوگ مجھے بُلا رہے ہیں اگر تو مجھ سے ان کا فریب نہ روکے گا میں ان کی طرف مائل ہو جاؤں گا اور جاہلوں میں سے ہو جاؤں گا۔

دو قیدیوں کا خواب اور حضرت یوسف کی تعبیر

حضرت یوسف کے ساتھ دو اور قیدی اس جیل میں تھے۔ ان پہ مقدمہ چل رہا تھا۔ دونوں نے خواب دیکھا۔ ایک نے دیکھا کہ میں انگور نچوڑ رہا ہوں۔ اور دوسرے نے دیکھا کہ اس کے سر پر روٹیوں کا

ٹوکرا ہے اور پرندے اُسے کھا رہے ہیں۔ انہوں نے حضرت یوسف سے اپنے اپنے خواب کی تعبیر پوچھی۔ آپ نے پہلے انہیں عقیدہ توحید کی دعوت دی اور شرک سے بچنے کی تلقین کی اور پھر بتایا کہ تم میں سے ایک اپنے آقا کو شراب پلائے گا اور دوسرے کو سولی پر لٹکنا ہے یہاں تک کہ پرندے اس کا سر نوچیں گے ـــــ اب ان میں سے جس کو رہائی ملی اس نے شہر جا کر آپ کے علمِ تعبیر کا خوب چرچا کیا۔

بادشاہ کا خواب اور اُس کی تعبیر کے لیے حضرت یُوسف کی تلاش

بادشاہ نے دیکھا کہ سات موٹی گائیں ہیں اور سات دُبلی ـــــ اور سات سبز خوشے ہیں اور سات خشک ـــــ بادشاہ نے درباروالوں سے اس کی تعبیر مانگی۔ اب اس شخص کو جو جیل سے رہا ہو کر آیا تھا حضرت یوسف یاد آ گئے۔ بادشاہ نے اسے حضرت یوسف کے پاس بھیجا اور اس نے آپ سے بادشاہ کے اس خواب کی تعبیر دریافت کی۔ آپ نے اس کی یہ تعبیر بتائی۔

سات موٹی گائیں وہ سات سال ہیں جن میں فصلیں خوب پکیں گی۔ اور سات دُبلی گایوں سے مراد اگلے سات سال ہیں جن میں قحط ہو گا۔ تم پہلے سات سالوں میں غلہ خوب جمع کرو اور اسے اُن کے سبز خوشوں میں ہی رہنے دو۔ تاکہ وہ خراب نہ ہو۔ اپنا گزارہ تھوڑے بہت غلے سے کرتے رہو۔ پھر جب سختی کے دن آئیں تو اس جمع شدہ غلے سے اپنی ضرورتیں پوری کرتے رہو۔ ان کے بعد پھر ایک سال آئے گا جب بارشیں خُوب ہوں گی اور لوگ اس میں رسی نچوڑیں گے۔

قرآن کریم میں سورۃ یوسف میں آیت ۴۷ سے لے کر ۴۹ تک اس تعبیر کا بیان ہے۔

علم کو اللہ تعالیٰ نے عجیب سربلندی بخشی ہے۔ دیکھیے بادشاہ بھی ایک تعبیر کی خاطر اپنے ایک قیدی کا محتاج ہو رہا ہے اور اس کا قاصد جیل میں اس سے ملاقات کر رہا ہے۔ علم وہ دولت ہے جو بادشاہوں کو بھی قیدیوں کا محتاج بنا دیتی ہے اور یہی وہ جوہر ہے جس سے انبیاء و دیگر افراد انسانی میں ممتاز ہوتے ہیں ـــــ اس تعبیر سے حضرت یوسف علیہ السلام کے علم کا سکہ سارے ملک میں بیٹھ گیا۔ اس کے بعد حضرت یوسف علیہ السلام کی قسمت کا ستارہ چمکا اور بادشاہ نے آپ کو رہا کر کے اپنے

مقربین میں جگہ دی اور کہا آج سے تو ہمارے ہاں بڑا معتمد اور معتبر ہے۔ آپ نے اسے کہا۔

اجعلنی علی خزائن الارض انی حفیظ علیم۔ (پ ۱۳ یوسف ۵۵)

ترجمہ۔ مجھے ملکی خزانوں پر عامل بنادو۔ میں خوب حفاظت کرنے والا اور جاننے والا ہوں۔

حضرت یوسف ملک کے با اختیار حکمران کی حیثیت سے

وکذٰلک مکنا لیوسف فی الارض یتبوأ منہا حیث یشاء نصیب برحمتنا من

نشاء ونضیع اجر المحسنین۔ (پ ۱۳ یوسف ۵۶)

ترجمہ۔ اور ہم نے اسی طور یوسف کو اس ملک میں با اختیار بنا دیا کہ آپ اس میں

جہاں چاہیں۔ ہم جس پر چاہیں اپنی رحمت متوجہ کر دیتے ہیں۔ اور ہم نیکی کرنے

والوں کا اجر ضائع نہیں کرتے۔

پھر جب کنعان میں قحط پڑا اور حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائی غلے کی طلب میں مصر آنکلے تو آپ انہیں پہچان لیا مگر وہ آپ کو نہ پہچان سکے۔ پھر جس طرح بھی ہو سکا آپ نے اپنے بھائیوں کی خدمت کی اور انہیں کہا کہ آئندہ آؤ تو اپنے اس بھائی کو جو باپ کی طرف سے تمہارا بھائی ہے ساتھ ضرور لانا۔ ان کے بغیر ہر کسی کو ناپ تول پورا نہیں دیا جا سکتا۔

حضرت یوسف کے بھائی حضرت یوسف کے دربار میں

دنیا میں حالات بے شک اسباب کے ساتھ چلتے ہیں لیکن ان کے پیچھے یقیناً ایک الٰہی حکمت کار فرما ہوتی ہے جسے تکوین کہتے ہیں۔ یہ انسانی ارادوں کے ساتھ ساتھ عمل کرتی ہے۔ اس کے دخل سے کبھی انسانی ارادے ٹوٹ بھی جاتے ہیں۔ حضرت علی المرتضیٰؓ فرماتے ہیں:۔

عرفت ربی بفسخ العزائم۔

ترجمہ۔ میں نے ارادوں کے ٹوٹنے سے اپنے رب کو پہچانا۔

حضرت یوسف کے بھائی انہیں ختم کرنا چاہتے تھے۔ تکوین الٰہی انہیں تخت مصر پر لانا چاہتی تھی۔ اسباب چلیتے رہے اور الٰہی فیصلے اترتے رہے۔ یہاں تک کہ وہ وقت آگیا کہ یہ بھائی خود محتاج ہو کر خود انہی کے سامنے آئے۔

اس سے ایک رازِ تکوین کھلا کہ دنیا میں حسد کی سزا محتاجگی ہے۔ جس سے حسد کرو گے ایک دن اسی کے سامنے محتاج ہو کر آنا پڑتا ہے۔

حضرت یوسف کے سامنے جب یہ آئے تو آپ نے حالات کی دریافت کے بعد ان کی پونجی انہیں واپس کر دی کہ جب تک پورے نہ آؤ گے پورا غلہ نہیں مل سکتا۔ پھر بھائی اسے بھی لے کر آئے اور حضرت یوسف نے ایک تدبیر سے اپنے حقیقی بھائی کو اپنے ساتھ ٹھہرا لیا۔ ان بھائیوں میں ٹھ اب سب سے زیادہ پریشان تھا۔ وہ اسی سوچ میں گم تھا کہ اب باپ کو کیا منہ دکھائے گا۔

قال کبیرھم الم تعلموا ان اباکم قد اخذ علیکم موثقا من اللہ ومن قبل ما
فرطتم فی یوسف فلن ابرح الارض حتی یأذن لی ابی او یحکم اللہ لی
وھو خیر الحاکمین۔ (پ۱۳ یوسف ۸۰)

ترجمہ۔ ان میں سے بڑے نے کہا کیا تمہیں معلوم نہیں کہ تمہارے باپ نے تم سے خدا کے نام پر عہد لیا تھا اور اس سے پہلے تم یوسف کے بارے میں بھی ایک قصور کر چکے ہو۔ سو میں تو اس ملک سے ہرگز نہ جاؤں گا جب تک کہ میرا باپ مجھے اجازت نہ دے یا خدا ہی میرے لیے کوئی فیصلہ نہ فرمائے اور وہ بہترین فیصلہ کرنے والا ہے۔

ادھر حضرت یعقوب پر کیا گزر رہی تھی

حضرت یعقوب علیہ السلام حضرت یوسف کے غم میں پہلے ہی پریشان تھے۔ روتے روتے ان کی آنکھیں بھی سفید ہو گئیں اور بینائی جاتی رہی۔ ہائے یوسف کی صدا اُن کے دل سے اٹھتی اور پھر

نبض ڈوب جاتی جب ہوش میں آتے تو پھر خدا کو یاد کرتے اور کہتے۔ انما اشکوا بثی وحزنی الی اللہ واعلم من اللہ مالا تعلمون معلوم ہوتا ہے انہیں دور سے کوئی امید کی کرن دکھائی دے رہی تھی. اور کوئی نہ جانتا تھا اور شاید اسی سہارے آپ میں زندگی کی رمق باقی تھی.

اس عظیم دنیوی سکون کے بعد حضرت یوسف کی اللہ کے حضور حاضری

حضرت یعقوب علیہ السلام کے مصر آنے پر حضرت یوسف کو وہ دنیوی مسرت ملی جو کسی مردِ حق آگاہ کو اس دنیا میں مل سکتی ہے۔ مصر کی حکومت ایک طرف ہو اور حضرت یعقوب کی روحانی سرپرستی دوسری طرف —— گویا آپ روحانی اور مادی ہر طرح کی دولت پاتے ہوئے تھے. جب تک حضرت یعقوب زندہ رہے آپ مصر میں حکومت کرتے رہے. جب والد کی وفات ہوئی آپ انتظامی امور میں جانشین مقرر کر کے خود ہمہ تن سفر آخرت کی تیاری میں لگ گئے. آپ کی یہ دعا اس وقت کے آپ کے سکون قلبی کی دل سے اٹھی صدا ہے۔

رب قد اٰتیتنی من الملک وعلّمتنی من تاویل الاحادیث فاطر السمٰوٰت والارض انت ولیّ فی الدنیا والاٰخرۃ توفّنی مسلمًا والحقنی بالصالحین (۱۳پ یوسف ۱۰)

ترجمہ. اے میرے رب! تو نے مجھے کچھ حکومت بھی دی ہے اور تاویل الاحادیث کا مجھے علم بخشا. اے آسمان اور زمین کے بنانے والے تو ہی میرا والی ہے. دنیا اور آخرت میں تو مجھے اسلام پر موت دے اور مجھے پہلے صالحین (حضرت ابراہیم، حضرت اسحٰق اور حضرت یعقوب) کے ساتھ ملا دے.

جب دوسرا بھائی بھی مصر رہ گیا تو آپ نے بیٹوں کو پھر ان کی تلاش میں بھیجا :-

یا بنیّ اذهبوا فتحسسوا من یوسف واخیه ولا تایئسوا من روح اللہ (۱۳پ یوسف ۸۷)

ترجمہ. اے میرے بیٹو! جاؤ یوسف اور اس کے بھائی کی تلاش کرو اور اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہو.

ان حالات سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت یعقوب نے اس بات کا یقین نہ کیا تھا کہ یوسف کو بھیڑیا کھا گیا ہے اور وہ اللہ کے حضور پوری امید سے تھے کہ ایک دن یوسف سے پھر ملنا ہو گا۔

بھائیوں کی حضرت یوسف کے سامنے آخری پیشی

حضرت یوسف کے بھائی پھر قحط کے نام سے مصر غلہ لینے گئے۔ ان کا خیال ہو گا شاید بنیامین کو لینے میں وہ کامیاب ہو جائیں۔ اب کی بار حضرت یوسف نے بات کھول دی اور اپنے آپ کو ظاہر کر دیا۔

قال ھل علمتم ما فعلتم بیوسف واخیہ اذ انتم جاھلون قالوا ءانک لانت یوسف قال انا یوسف وھٰذا اخی قد من اللہ علینا انہ من یتق ویصبر فان اللہ لا یضیع اجر المحسنین۔ قالوا تاللہ لقد اثرک اللہ علینا وان کنا لخاطئین۔ قال لا تثریب علیکم الیوم یغفر اللہ لکم وھو ارحم الراحمین۔ اذھبوا بقمیصی ھٰذا فالقوہ علیٰ وجہ ابی یأت بصیرا واتونی باھلکم اجمعین۔ (پ۱۳ یوسف ۹۰)

ترجمہ۔ آپ نے کہا کیا تمہیں یاد ہے کہ تم نے یوسف اور اس کے بھائی کے ساتھ کیا کیا جب تمہیں سمجھ نہ تھی۔ انہوں نے (اب کچھ پہچانا اور) کہا تو یوسف ہی ہے؟ آپ نے کہا ہاں میں ہی یوسف ہوں اور یہ میرا بھائی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہم پر احسان کیا۔ بے شک جو ڈرتا ہے اور صبر کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ نیکیوں کا اجر ضائع نہیں کرتا ان بھائیوں نے کہا بخدا اللہ تعالیٰ نے بے شک تجھے ہم پر بزرگی دی اور بیشک ہم خطا کار تھے۔ آپ نے کہا آج تم پر کوئی الزام نہیں۔ اللہ تعالیٰ تمہیں معاف فرمائے اور وہ سب سے زیادہ مہربان ہے۔ یہ کُرتا میرا لے جاؤ اور اسے میرے والد کے منہ پر ڈال دو اس کی بصارت لوٹ آئے گی اور اپنے سب کنبے کو لے کر میرے پاس آؤ۔

حضرت شعیب علیہ السلام

حضرت یعقوب علیہ السلام کے بعد مرکزی درجے کے پیغمبر حضرت موسےٰ علیہ السلام ہوتے ہیں۔ حضرت یعقوب علیہ السلام اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مابین حضرت شعیب علیہ السلام کا زمانہ ہے۔ آپ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی نسل بنو قطورہ میں سے تھے۔

حضرت شعیب کی بعثت مدین میں ہوئی۔ اہل مدین شہری لوگ تھے اور اصحاب الایکہ (جنگل بن اور درختوں کے جھنڈ کے معنی میں) مضافات کے دیہات کے لوگ تھے۔ مدین حجاز کے شمال مغرب اور فلسطین کے جنوب میں بحر احمر اور خلیج عقبہ کے کنارے پر واقع تھا۔ عرب کے قافلے مصر اور شام کے سفروں میں ان بستیوں کے پاس سے گزرتے تھے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا بھی یہاں چند سال قیام رہا۔

فلبثت سنین فی اھل مدین ثم جئت علیٰ قدر یاموسیٰ واصطنعتک لنفسی۔

(پ ۱۶ طٰہٰ آیت ۴۰)

ترجمہ: پھر تو مدین والوں میں کئی برس رہا پھر تو تقدیر سے یہاں آ نکلا اور میں نے اپنے لیے چن لیا۔

مدین حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ایک بیٹے کا نام تھا اور حضرت شعیب علیہ السلام انہی اہل مدین میں سے تھے۔

والیٰ مدین اخاھم شعیبا قال یٰقوم اعبدوا اللہ مالکم من الٰہ غیرہ۔ (پ ۱۲ ہود ۸۴)

ترجمہ: اور ہم نے قوم مدین کی طرف ان کے بھائی شعیب کو اس نے کہا اے میری قوم عبادت کرو ایک اللہ کی اس کے سوا کوئی معبود نہیں

دعوت توحید کے ساتھ حضرت شعیب کی دوسری بڑی دعوت یہ تھی کہ ناپ اور تول میں کمی یا زیادتی نہ کرو۔ معاملات ٹھیک ٹھیک رکھو۔ آپ کی قوم نے آپ کو جھٹلایا۔ اللہ تعالیٰ نے ہمیں اس کی خبر ان الفاظ میں دی ہے :-

كذب اصحاب الايكة المرسلين اذ قال لهم شعيب الا تتقون. (پ۱۹ الشعراء ۷۶)

ترجمہ: اصحاب ایکہ نے پیغمبروں کو جھٹلایا جب کہا ان کو شعیب نے تم خدا سے کیوں نہیں ڈرتے۔

قرآن نے یہاں ایک پیغمبر کے جھٹلانے کو سب پیغمبروں کے جھٹلانا کہا ہے۔ معلوم ہوا ایمان ایک بسیط حقیقت ہے۔ ہوگا تو پورا ورنہ کچھ بھی نہیں۔ اس کی کوئی اندرونی تقسیم نہیں۔ اسی طرح ایک زائد پیغمبر لانا (جو پیغمبر نہ ہو اسے پیغمبر بنانا) بھی سب پیغمبروں کو جھٹلانا ہے۔ صف انبیاء میں کسی کو لانا یا صف انبیاء میں سے کسی کو نکالنا یہ جمع و تفریق دونوں کفر ہیں۔

حضرت شعیب نے اپنی قوم کو دعوت توحید دینے کے بعد فرمایا :-

اوفوا الكيل ولا تكونوا من المخسرين وزنوا بالقسطاس المستقيم ولا تبخسوا الناس اشياءهم ولا تعثوا في الارض مفسدين. (پ۱۹ الشعراء ۱۸۲)

ترجمہ: پیمانہ پورا بھر کر دو اور کم دینے والے نہ ہو اور صحیح ترازو سے تولا کرو اور لوگوں کو خراب چیزیں نہ دو اور نہ زمین میں فساد کرتے پھرو۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ اس کرۂ ارضی پہ فساد کا موجب شرک کے بعد یہ ناپ تول کی کمی معاملات کی خرابی اور لوگوں کو دھوکے سے غلط چیزیں دینا ہے۔ یہ ظلم اور ناانصافی حقیقت میں فساد فی الارض ہے۔

اب بجائے اس کے کہ قوم حضرت شعیب کی اس نصیحت سے سبق لیتے، اُلٹا کہنے لگے کہ یہ تو بشر ہے یہ کیسے رسول ہو سکتا ہے، انہوں نے بشریت اور رسالت میں تنافی کا عقیدہ بنا لیا اور کھلم کھلا کہا کہ آپ بوجہ انسان ہونے کے رسول ہرگز نہیں ہو سکتے اور پھر انہیں کہا :-

فاسقط علينا كسفا من السماء ان كنت من الصادقين. (پ۱۹ الشعراء ۱۸۷)

ترجمہ: سو ہم پر آسمان کا کوئی ٹکڑا گرا دے اگر تو واقعی (دعویٰ نبوت میں) سچا ہے۔

پھر جب قوم نے جھٹلایا تو ان پر سائبان والے دن عذاب اُترا اور وہ واقعی بڑے دن

کا عذاب تھا:۔

فکذبوہ فاخذھم عذاب یوم الظلۃ انہ کان عذاب یوم عظیم۔ (پ الشعراء ۱۸۹)

یہ عذاب کس شکل میں آیا۔ سورۂ اعراف آیت ۹۱ میں ہے:۔

فاخذتھم الرجفۃ فاصبحوا فی دارھم جٰثمین۔ (پ اعراف ۹۱)

ترجمہ۔ پھر انہیں زلزلے نے آپکڑا۔ اب صبح کو وہ اپنے گھروں میں اوندھے پڑے ہوئے تھے۔

یہ دوسرا عذاب آگ کا عذاب تھا۔ آگ کس طرح برسی مفسرین نے اسے بڑی تفصیل سے بیان کیا ہے۔ عذاب یوم الظلۃ سے یہی عذاب مراد ہے۔ سائبان کی طرح ابر آیا اس سے آگ برسی۔ نیچے سے زمین کو بھونچال آیا اور سخت ہولناک آواز آئی اس طرح سب قوم تباہ ہوگئی۔ متعدد آیات کے جمع کرنے سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان پر ظلہ صیحہ اور رجفہ تین طرح کے عذاب آئے۔ اول بادل نے سایہ کردیا جس میں آگ کے شعلے اور چنگاریاں تھیں۔ پھر آسمان سے سخت ہولناک اور جگرپاش آواز آئی اور نیچے سے زلزلہ آیا۔ (ابن کثیر)[1]

ایک قابل غور تاریخی مسئلہ

حضرت موسیٰ علیہ السلام ایک قبطی کے قتل کے بعد مصر سے مدین چلے آئے تھے مدین فرعون کی عملداری میں نہ تھا۔ وہاں آپ ایک کنوئیں پر آنکلے۔ وہاں ایک شیخ کبیر کی دو لڑکیاں اپنے مویشیوں کو پانی پلانے کے انتظار میں کھڑی تھیں۔ حضرت موسیٰ اس شیخ کبیر کے پاس پہنچے اور وہاں کئی سال رہے یہ شیخ کبیر حضرت شعیب تھے یا کوئی اور۔ اس میں مورخین کو اختلاف ہے۔ مشہور بات یہ ہے کہ حضرت شعیب ہی تھے

۔ اگر کوئی شعیب آئے میتسر — شبانی سے کلیمی دو قدم ہے

---

[1] تفسیر عثمانی صد ۲۱۵ صہ ۵

حضرت موسیٰ علیہ السلام

حضرت یعقوب علیہ السلام مصر آنے کے بعد تیس سال حضرت یوسف کے ساتھ رہے۔ آپ کی وفات کے بعد حضرت یوسف علیہ السلام ۲۳ سال کارِ نبوت انجام دیتے رہے اور عمر میں وفات پائی۔ حضرت یوسف کے بعد نبوت حضرت یعقوب کے دو بیٹوں کے خاندانوں میں چلی۔ لاوی بن یعقوب کے خاندان میں حضرت موسےٰ اور حضرت ہارون ہوتے۔ اور یہودا ابن یعقوب کے خاندان میں حضرت داؤد اور حضرت سلیمان ہوئے۔ تاہم یہ سب انبیاء حضرت یعقوب علیہ السلام کی اولاد ہونے کے ناطے انبیاء بنی اسرائیل میں شمار ہوتے ہیں۔

حضرت موسےٰ کے والد عمران بن قاہر حضرت یعقوب علیہ السلام کے پڑپوتے اور لاوی بن یعقوب کے پوتے تھے (عمران دو تاریخی شخصیتوں کا نام ہے۔ حضرت موسےٰ کے والد کا نام اور حضرت عیسیٰ کے نانا کا نام — حضرت مریم انہی کی بیٹی تھیں۔ دونوں عمرانوں کے درمیان ہزار سے زیادہ سالوں کا فاصلہ ہے)۔

مصر میں بنو اسرائیل کی حیثیت

بنو اسرائیل حضرت یوسف کے زمانے سے ہی مصر میں آباد ہو گئے تھے۔ حضرت یوسف نے اپنا جانشین اسرائیلیوں میں سے نہ بنایا اور حکومت پھر مصریوں کے پاس چلی گئی۔ حضرت موسےٰ کے دور میں حکومت مصریوں کی تھی اور فراعنہ مصر نے مصر میں رہنے والے اسرائیلیوں کو غلام بنا رکھا تھا۔ حضرت موسےٰ جس فرعون کے گھر پلے اس کا نام ولید بن مصعب تھا۔ ولید کو علم نہ تھا کہ جو بچہ اس کے ہاں پل رہا ہے وہ اسرائیلی ہے۔ اسے صرف اتنا علم تھا کہ اسے ایک اسرائیلی عورت دودھ پلا رہی ہے۔

مصر میں اسرائیلیوں کے آنے سے دینِ ابراہیم کا یہاں خاصا تعارف ہو چکا تھا۔ اسرائیلی

حلقوں میں یہ بات عام تھی کہ آئندہ اسرائیلی نبیوں میں بادشاہ بھی ہوں گے۔ اس سے مصریوں کو ہر وقت غم لگا رہتا کہ معلوم نہیں وہ وقت کب آ جائے۔ اس خطرے سے بچنے کے لیے مصریوں نے قانون بنایا کہ بنی اسرائیل میں جو لڑکے پیدا ہوں انہیں قتل دیا جایا کرے۔ کیونکہ انبیاء ہمیشہ مردوں میں سے ہی ہوتے ہیں۔ حضرت موسےٰ اس وقت پیدا ہوئے جب مصر میں بنی اسرائیل کے لیے قتل اولاد کا قانون سختی کے ساتھ نافذ کیا تھا۔ حضرت موسےٰ کی والدہ (یوکابد) کو جب حضرت موسیٰ کا حمل ٹھہرا تو اس وقت سے وہ خاصی حیران رہنے لگیں کہ لڑکا پیدا ہوا تو وہ فرعون کا شکار ہو گا۔ گویا ابھی آپ پیدا بھی نہ ہوئے تھے کہ یہ امتحان کی گھڑی آ پہنچی۔

فرجعنٰك الی امك کی تقر عینها ولا تحزن وقتلت نفساً فنجینٰك من الغم وفتنٰك فتونًا۔ (پ۱۶ طٰہ ۴۰)

ترجمہ۔ پھر پہنچا دیا ہم نے تجھے تیری ماں کے پاس کہ ٹھنڈی رہے اس کی آنکھ اور وہ غم نہ کھائے اور تو نے مار ڈالا ایک شخص کو پھر ہم نے تجھے اس غم سے نجات دی اور ہم نے تجھے کئی طرح پر آزمائش میں ڈالا۔

حضرت سعید بن جبیرؒ نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے اس آیت کے آخری جملے وفتنٰك فتونًا کا مطلب پوچھا۔ آپ نے انہیں اگلے دن کا وقت دیا۔ وہ اگلے دن آئے تو آپ نے ایک طویل حدیث بیان فرمائی جسے امام نسائیؒ نے سنن کبریٰ جلد ۲ ص۳۹۶ سے ص۴۰۵ تک روایت کیا ہے اور آخر میں کہا ہے۔ رفع ابن عباس ھٰذا الحدیث الی النبیؐ وصدق ذلك عندی۔ اس میں آپ نے حضرت موسیٰ پر آنے والے وہ مرحلے ذکر کیے ہیں جب آپ پر آزمائش کی گھڑیاں آتی رہیں اور اللہ تعالیٰ آپ کو بچاتے رہے۔ قتل سے بچ کر خود فرعون کے گھر پلنا پہلا مرحلہ تھا۔

حضرت موسیٰ کے ہاتھوں قبطی کا قتل اور آپ کا مدین چلا جانا

آپ کہیں گزر رہے تھے کہ رستے میں ایک قبطی اور اسرائیلی کو لڑتے ہوئے پایا۔ اس میں

قبطی زیادتی پر تھا۔ آپ نے اسے ایک مکا لگایا۔ آپ کو علم نہ تھا کہ یہ اس مکے سے مر جائے گا جو لوگ انبیاء کے علم غیب کے قائل ہیں وہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ حضرت موسےٰ نے جان بوجھ کر ایک بے گناہ کو قتل کیا۔ حضرت موسےٰ اس سانحہ سے گھبرا کر مدین چلے گئے اور وہاں کئی سال حضرت شعیب علیہ السلام کے ہاں گزارے۔ یہیں ان کی شادی ہوئی اور انہیں نبوت ملی ــــ پھر حکم ہوا کہ مصر جائیں اور فرعون کو میرے نام کی آواز دیں۔ حضرت موسیٰ نے دعا کی۔ اے اللہ! میرے بھائی ہارون کو بھی میرے ساتھ شریک فرما۔

حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون فرعون کے دربار میں

پ۱۶ سورۂ طٰہٰ میں اذھبا الیٰ فرعون انہ طغیٰ (آیت ۴۳) سے لے کر فالقی السحرۃ سجداً قالوا آمنا برب ھارون وموسیٰ (آیت ۷۰) تک اس معرکے کا بیان ہے۔ اس میں فرعون سے مناظرہ اور جادوگروں سے مقابلہ مذکور ہے۔ حضرت موسیٰ کے عصا کے سانپ بننے کا بھی ذکر ہے۔

فرعون کو شکست دینے کے بعد آپ بنو اسرائیل کو لے کر مصر سے نکلے آلِ فرعون نے پیچھے سے تعاقب کیا۔

فاتبعھم فرعون بجنودہ فغشیھم من الیم ما غشیھم (پ۱۶ طٰہٰ ۷۸)

ترجمہ۔ پس فرعون نے اپنے لشکروں سمیت اسرائیلیوں کا تعاقب کیا۔ پھر فرعونیوں کو (دریا میں) ڈھانپ لیا جس نے بھی ڈھانپ لیا۔

بنو اسرائیل بحر قلزم کو عبور کر کے ایک بیابان میں

اسرائیلیوں کی تعداد چھ لاکھ کے قریب تھی۔ یہ دریا پار کر کے ایک بیابان میں اترے ــــ یہ وادی سینا تھی۔ یہیں حضرت موسےٰ کے لاٹھی مارنے سے پانی کے بارہ چشمے جاری ہوئے۔ یہیں ان پر بادلوں نے سایہ کیا۔ یہیں ان کے کھانے کے لیے من وسلویٰ اترا ــــ اور یہ وادی تیہ ان کے

لیے جنت کا نمونہ بن گئی۔

مگر بہت سے کم ظرف پھر سبزیوں کی طلب پر آ گئے اور چاہا کہ زمین سے پیاز اور مسور اُگائیں انہوں نے اعلیٰ خوراک کو ادنیٰ سے بدلنا چاہا۔ حضرت موسےٰ یہیں تھے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو کوہِ طور پر تیس راتوں کے لیے بُلایا۔ آپ نے وہاں تیس راتوں کا اعتکاف کیا تو اللہ تعالیٰ نے اسے ایک چلّہ کر دیا چالیس راتوں کے بعد آپ کو تورات لکھی ہوئی پتھروں میں کندہ دی گئی۔

حضرت موسےٰ کی عدم موجودگی میں حضرت ہارون بنی اسرائیل پر نگران رہے۔ اسی دوران وہ بچھڑے کی پُوجا کا واقعہ پیش آیا۔ حضرت موسےٰ واپس ہوئے تو قوم کو اس حال میں دیکھ کر آپ بہت ناراض ہوئے۔

بیابان سے فلسطین جا نکلنے کی دعوت

اس بیابان سے فلسطین جو حضرت یعقوب علیہ السلام کا اصل وطن تھا زیادہ فاصلے پر نہ تھا۔ ان دنوں اس پر عمالقہ قابض ہو چکے تھے۔ حضرت موسےٰ نے اسرائیلیوں کو ان کے ساتھ جنگ لڑنے کے لیے کہا مگر یہ تیار نہ ہوتے اور وہ ارضِ مقدس ان سے چالیس سال روک دی گئی اور وہ اسی وادی میں سرگرداں رہے۔ یہاں تک کہ حضرت ہارون علیہ السلام اور پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی وفات بھی اسی علاقے میں ہوئی ـــــ حضرت موسےٰ علیہ السلام کے بعد آپ کے جانشین یوشع بن نون ہوئے۔ جو حضرت یوسف علیہ السلام کی اولاد میں سے تھے۔ ابن جریر طبری کے بیان کے مطابق پھر ان کے جانشین حضرت حزقیل ہوئے۔

بنو اسرائیل تو انجام کار فلسطین آ نکلے لیکن ان لوگوں نے حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون کے ساتھ جو سلوک کیا وہ اس قوم کی سونے کی محبت عدم جرأت و ہمت اور قناعت پر مسکنت و ذلت کے باعث تھا اور دنیا اب تک اس قوم کے خدوخال کا مشاہدہ کر رہی ہے۔

حضرت داؤد علیہ السلام

حضرت شموئیل علیہ السلام کے عہد میں بنو اسرائیل کو جہاد کا شوق ہوا تو اللہ تعالیٰ نے حضرت طالوت کو ان کا سربراہ بنا دیا۔ حضرت طالوت کی سرکردگی میں داؤد ایک بہت بہادر اور جری سپاہی تھے۔ بڑی بے جگری سے لڑے اور انہوں نے جالوت کو قتل کیا۔ اس پر پورے بنی اسرائیل میں ان کی قوت و شجاعت کے تذکرے ہونے لگے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو پھر نبوت بھی عطا کی اور انہیں اس لقب سے نوازا جو ابتدائے آفرینش میں حضرت آدم کے لیے تجویز ہوا تھا۔

یا داؤد انا جعلناک خلیفۃ فی الارض فاحکم بین الناس بالحق (پ۲۳ ص ۲۶)

ترجمہ۔ اے داؤد ہم نے تجھے زمین میں خلیفہ بنایا ہے سو تو لوگوں میں سچائی کے فیصلے کر۔

آپ پہلے پیغمبر ہیں جنہوں میں نبوت اور حکومت دونوں صفتیں جمع ہوئیں اور جو حکمت تخلیق آدم میں مخفی تھی حضرت آدم پر آکر ظاہر ہوئی۔ قرآن کریم میں ہے:۔

واذکر عبدنا داؤد ذا الاید انہ اواب انا سخرنا الجبال معہ یسبحن بالعشی والاشراق والطیر محشورۃ کل لہ اواب وشددنا ملکہ و اتیناہ الحکمۃ وفصل الخطاب۔ (پ۲۳ ص ۲۰)

ترجمہ۔ اور آپ یاد کریں ہمارے بندے داؤد علیہ السلام کو وہ قوت والے بھی تھے اور اللہ کی طرف رجوع لانے بھی تھے ہم نے پہاڑ بھی ان کے تابع کر دیئے جو آپ کے ساتھ خدا کی پاکی بولتے تھے صبح شام اور اڑتے جانور جمع ہو کر آپ کے ساتھ خدا کی طرف جھکتے ہم نے اسے تدبیر کرنے والی حکمت اور فیصلہ کرنے والی بات عطا کی۔

یہ فصل الخطاب کوئی معمولی قسم کا اعزاز نہیں۔ یہ وہ زبردست قوت ہے جو کمزوروں کو ان کا

حق دلاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد کو یہ نعمتیں عطا فرمائیں اور آپ کے خاندان میں سلطنت اور نبوت جمع ہوئیں۔ حضرت سلیمان علیہ السلام آپ کے بیٹے اور وارث تھے۔

حضرت داؤدؑ حضرت یعقوب علیہ السلام کے بیٹے یہودا کی اولاد میں سے تھے۔ آپ کو اللہ تعالیٰ نے وہ لحن عطا فرمایا تھا کہ جب اللہ کی یاد میں زبور پڑھتے تھے تو دریا کا چلتا ہوا پانی رُک جاتا۔

حضرت داؤدؑ کی حدودِ سلطنت

شام عراق فلسطین شرق اُردن کے بیشتر علاقے آپ کی عملداری میں تھے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو حکومت، حکمت اور علم سے نوازا تھا۔ قرآن کریم میں ہے:۔

آتاہ اللہ الملک والحکمۃ وعلمہ مما یشآء (پ البقرہ ۲۵۱)

ترجمہ۔ اللہ نے اسے بادشاہی دی اور حکمت دی اور اسے وہ علم دیا جو اس نے چاہا۔

صحابہؓ میں حضرت ابو موسےٰ اشعریؓ کی تلاوتِ قرآن بڑی پُر شوکت تھی۔ اس پر حضورؐ نے فرمایا:۔

اللہ تعالیٰ نے ابو موسےٰ کو لحن داؤدی عطا فرمایا ہے۔ (رواہ عبدالرزاق جلد ص)

حضرت داؤدؑ کی زبان پر زبور کا ختم عجیب اعزازی شان رکھتا تھا۔ آپ جب گھوڑے پر زین کسنے لگتے تو شروع کرتے اور جب کس لیتے تو زبور ختم ہو چکی ہوتی:۔

قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم خفف عن داؤد القراٰن فکان یأمر بدوابہ فتسرج فیقرأ القراٰن قبل ان تسرج دوابہ[1]

ترجمہ۔ آنحضرتؐ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤدؑ پر زبور کا پڑھنا آسان فرمادیا تھا آپ اسے گھوڑوں کے بارے میں انہیں کسنے کا حکم دیتے اور اس دوران میں زبور کو پڑھ لیتے۔

---

[1] صحیح بخاری جلد ۱ ص ۴۸۵

زبور کس نوع کی کتاب ہے

زبور اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا تسبیح الٰہی اور تحمید باری تعالیٰ کا ایک دلگداز مرقع تھا کچھ اس میں اخبار غیبیہ بھی تھیں۔

ولقد کتبنا فی الزبور من بعد الذکر ان الارض یرثہا عبادی الصالحون۔

(پ الانبیاء ۱۰۵)

ترجمہ۔ اور ہم نے زبور میں بھی تورات کے بعد لکھ دیا تھا کہ اس ارض مقدس کو وہ لوگ اپنے قبضے میں لیں گے جو نیک ہوں گے۔

تاہم شریعت اور قانون کے طور پر تورات کے احکام ہی چلتے تھے۔ اسرائیلی انبیاء سب اسی کے مطابق فیصلے دیتے تھے۔

انا انزلنا التوراۃ فیہا ھدی ونور یحکم بہا النبیّون الذین اسلموا للذین ھادوا۔ (پ المائدہ)

ترجمہ۔ بے شک ہم نے تورات نازل کی اس میں نور اور ہدایت تھی آگے آنیوالے بنی اسرائیل اس کے مطابق فیصلے کرتے رہے ان لوگوں کے لیے جو ان کے تھے۔

حضرت داؤد کے علم کی شان

حضرت داؤد علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے دُعا مانگی کہ وہ بیت المال پر بوجھ نہ بنیں۔ اپنے ہاتھ سے اپنی روزی کمائیں۔ علامہ عینی لکھتے ہیں کہ حضرت داؤد کی اس خواہش کو اللہ تعالیٰ نے اس طرح پورا فرمایا کہ ان کے ہاتھ میں لوہے کو نرم کر دیا جب وہ کوئی چیز لوہے سے بنانا چاہتے تو بغیر دوسرے آلات اور اوزار کے جس طرح چاہتے فولاد کو ڈھال لیتے اور وہ ان کے ہاتھ میں آتے ہی موم کی طرح نرم ہو جاتا۔ یہ آپ کی ایک عجیب شان اعجاز تھی۔ قرآن کریم میں ہے۔

والنالہ الحدید ان اعمل سابغات وقدر فی السرد واعملوا صالحا انی بما تعملون

بصیر۔ (پ۲۲ السبا ۱۱)

ترجمہ۔ اور نرم کر دیا ہم نے اس کے آگے لوہا کہ بنائیں زرہیں کشادہ اور اندازے سے جوڑیں کڑیاں ___ اور کرو تم سب کام بھلا میں جو کچھ تم کرتے ہو میں دیکھ رہا ہوں۔

وعلمناہ صنعۃ لبوس لکم لتحصنکم من بأسکم فھل انتم شاکرون۔ (پ۱۷ انبیاء ۸۰)

ترجمہ۔ اور ہم نے سکھایا اس کو تمہارا لباس بنانا جو تمہاری لڑائی میں بچاؤ کرے سو کیا تم شکر کرتے ہو۔

یہ فن اور علم اس صنعت کے علاوہ تھا جس کے مطابق پہاڑ اور پرندے سب آپ کے ساتھ مل کر تسبیح کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے حکم دے رکھا تھا۔

یاجبال اوّبی معہ والطیر۔ (پ۲۲ السبا ۱۰)

ترجمہ۔ اے پہاڑو اور اے اڑتے جانورو خوش آوازی سے پڑھو تم اس کے ساتھ۔

حضرت داؤد کے فصل خصومات

(۱) ایک شخص کی بکریاں دوسرے کے پورے کھیت کو چر گئیں۔ مدعا علیہ نے اس کا اقرار کر لیا نرے ہرے کھیت اور بکریوں کی قیمت برابر برابر ٹھہرتی تھی۔ آپ نے فیصلہ دیا کہ یہ بکریاں اب اس کے حوالے کر دی جائیں۔ آپ کے بیٹے حضرت سلیمان نے مشورہ دیا کہ مدعا علیہ کا تمام ریوڑ عارضی طور پہ مدعی کے سپرد کیا جائے تاکہ وہ اس کے دودھ اور اُون سے فائدہ اٹھائے اور مدعا علیہ اس دوران اس کے کھیت میں کام کرے۔ جب کھیت کی پیداوار اپنی اصلی حالت پر آجائے تو کھیت اپنے مالک کے پاس اور بکریوں کا ریوڑ اپنے مالک کے پاس چلا جائے۔ حضرت داؤد علیہ السلام نے اس تجویز کو پسند کیا۔ اور اس کے مطابق فیصلہ دیا۔

(۲) دوسرا مقدمہ ایک عجیب صورت میں پیش آیا۔ دو شخص اچانک آپ کے محراب اعتکاف میں

میں داخل ہو گئے۔ آپ حیران ہو گئے کہ یہ یہاں کیسے چلے آئے؟ ایک نے بات شروع کر دی کہ میرے اس بھائی کی ننانوے دُنبیاں ہیں اور میری صرف ایک ـــ یہ مجھ سے مطالبہ کرتا ہے کہ وہ ایک بھی میں اس کو دے دوں تاکہ اس کی تو سو پوری ہو جائیں اور یہ گفتگو میں مجھ پر غالب آگیا ہے۔ آپ نے فرمایا۔ اس نے تیری دُنبی کا تجھ سے مطالبہ کر کے تجھ پر ظلم کیا ہے اور یہ حقیقت ہے کہ مل جل کر ساتھ رہنے والے اکثر اپنے ساتھیوں پر اسی طرح کی زیادتیاں کرتے ہیں۔ بس وہی لوگ اس سے بچے ہوئے ہیں جو ایمان رکھتے ہیں اور نیک عمل کرتے ہیں اور ایسے لوگ بہت کم ہیں حضرت داؤد علیہ السلام نے اس عمل کو دنیا کی عام بے انصافی اور ایک عالمی تعدی قرار دیا۔ آپ نے فرمایا:۔

لقد ظلمك بسؤال نعجتك الى نعاجه ط وان كثيرا من الخلطاء
ليبغي بعضهم على بعض الا الذين امنوا وعملوا الصالحات وقليل ما
هم ط وظن داؤد انما فتناه فاستغفر ربه وخر راكعا واناب ٥
فغفرنا له ذلك وان له عندنا لزلفى وحسن ماب. (پ ۲۳ ص)

ترجمہ۔ بے شک اُس نے تجھ سے تیری دُنبی مانگ کر کہ وہ اُسے اپنی دُنبیوں میں ملالے ایک ظلم کیا ہے اور بے شک اکثر شرکار اس طرح ایک دوسرے پر زیادتی کر جاتے ہیں مگر وہ جو یقین رکھتے ہیں (آخرت پر) اور کام کیے انہوں نے نیک اور ایسے لوگ بہت کم ہیں۔

قرآن کریم میں ہے اس وقت داؤد کو خیال آیا کہ ہم نے اسے آزمائش میں ڈالا ہے سو اس نے اسی وقت استغفار کیا اور سجدے میں گر پڑے اور وہ رجوع لایا اللہ کی طرف ٥ پھر ہم نے معاف کر دیا اس کو وہ کام ط اور بے شک اس کے لیے ہمارے ہاں ایک مرتبہ قرب ہے اور ایک اچھا ٹھکانہ۔

حضرت داؤد علیہ السلام پر ابتلاء کی گھڑی

وہ نقطۂ ابتلار کیا تھا جس میں حضرت داؤد علیہ السلام خداوندی جانچ میں آئے؟

اس پر مفسرین نے بہت کچھ اظہار خیال کیا ہے بعض نے اس کی تفسیر میں اوریا کا قصہ بھی لکھ دیا ہے۔ حافظ ابن کثیر اسے تسلیم نہیں کرتے۔ اس میں شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی رح کی تقریر بلا کسی تکلف کے سب سے احسن ہے۔ آپ لکھتے ہیں :-

ہمارے نزدیک اصل بات وہ ہے جو ابن عباس رض سے منقول ہے۔ یعنی داؤد علیہ السلام کو یہ ابتلاء ایک طرح کے اعجاب کی بناء پر پیش آیا۔ صورت یہ ہوئی کہ داؤد علیہ السلام نے بارگاہِ ایزدی میں عرض کیا کہ :-

اے پروردگار! رات اور دن میں کوئی ساعت ایسی نہیں جس میں داؤد کے گھرانے کا کوئی نہ کوئی فرد تیری عبادت یعنی نماز یا تسبیح و تکبیر میں مشغول نہ رہتا ہو۔

یہ اس نے کہا کہ انہوں نے روز و شب کے چوبیس گھنٹے اپنے گھر والوں میں نوبت بہ نوبت تقسیم کر رکھے تھے تاکہ ان کا عبادت خانہ کسی وقت عبادت سے خالی نہ رہنے پائے۔ اللہ تعالیٰ کو یہ بات پسند نہ آئی۔ ارشاد ہوا کہ داؤد یہ سب کچھ ہماری توفیق سے ہے اگر میری مدد نہ ہو تو اس بات پر قدرت نہیں پا سکتا۔ قسم ہے مجھے اپنے جلال کی میں تجھ کو ایک روز تیرے نفس کے سپرد کر دوں گا یعنی میں اپنی مدد ہٹا لوں گا۔ دیکھیں اس وقت تو کہاں اپنی عبادت میں مشغول رہ سکتا ہے اور اپنا نظام قائم رکھ سکتا ہے۔

داؤد علیہ السلام نے عرض کی کہ اے پروردگار مجھے اس دن کی خبر کر دیجئے بس اسی دن فتنہ میں مبتلا ہو گئے۔[۱] یہ روایت بتلاتی ہے کہ فتنہ کی نوعیت صرف اسی قدر ہونی چاہیئے کہ جس وقت داؤد عبادت میں مشتغل ہوں باوجود پوری کوشش کے مشتغل نہ رہ سکیں اور اپنا انتظام قائم نہ رکھ سکیں

---

[۱] اخرج ہذا الاثر الحاکم فی المستدرک وقال صحیح الاسناد واقرہ الذہبی فی التلخیص۔ نقلہ العلامۃ العثمانی رح فی تفسیرہ ص ۵۷۹

چنانچہ آپ پڑھ چکے ہیں کہ کس بے قاعدہ اور غیر معمولی طریقہ سے چند اشخاص نے اچانک عبادت خانہ میں داخل ہوکر حضرت داؤد کو گھبرا دیا اور انہیں ان کے شغل خاص (عبادت) سے ہٹا کر اپنے جھگڑے کی طرف متوجہ کر لیا۔ بڑے بڑے پہرے اور انتظامات ان کو داؤد کے پاس پہنچنے سے نہ روک سکے۔ تب داؤد کو خیال ہوا کہ اللہ نے میرے اس دعوے کی وجہ سے مجھے اس فتنہ میں مبتلا کیا۔

حضرت عثمانیؒ فرماتے ہیں میرے نزدیک آیت کی بے تکلف تقریر یہی ہے۔
رہا اوریا کا قصہ یا اس جیسے اور دوسرے قصے ان میں اصل بات دیکھنے کی یہ ہے کہ کیا یہ قصے واقعی شانِ نبوت سے لگا کھاتے ہیں اگر نہیں تو کوئی بات گو اسناداً صحیح ہی کیوں نہ ہو اگر شانِ نبوت سے ٹکراتی ہے تو ہم شانِ نبوت کو اصلاً قائم سمجھیں گے اور اس روایت کو کسی علت یا شذوذ پر محمول کریں گے۔

حافظ ابن کثیرؒ (۷۷۴ھ) اس مقام پر لکھتے ہیں :۔

قد رویت هذه القصه مطولة عن جماعة من السلف رضی الله عنهم .... وکلها متلقاة من قصص اهل الکتاب۔

ترجمہ۔ یہ لمبا قصہ سلف کی ایک جماعت سے مروی ہے لیکن یہ سب روایات اہل کتاب کے قصوں سے لی گئی ہیں۔

حضرت داؤدؑ حضرت یعقوبؑ کے ایک سلسلہ سے

حضرت یعقوب علیہ السلام سے آگے نبوت کسی ایک سلسلہ میں نہ چلی تھی۔ حضرت یوسفؑ کے بعد ان کے بیٹوں میں کوئی نبی نہ ہوا تھا حضرت یعقوب کے مختلف بیٹوں سے سلسلہ نبوت چلتا رہا۔ داؤد علیہ السلام یہودا ابن یعقوب کی اولاد میں سے تھے جب کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ہارون علیہ السلام لاوی بن یعقوب علیہ السلام کی اولاد میں سے تھے۔ اور حضرت داؤد علیہ السلام نے ایک معرکہ میں جالوت کو قتل کیا اور طالوت نے اپنی آدمی سلطنت

حضرت داؤد کو دے دی. پھر کچھ وقت گزرنے پر آپ پوری سلطنت کے مالک ہوئے بعض روایات میں ہے کہ اس کے چالیس برس بعد حضرت داؤد علیہ السلام نبوت سے سرفراز ہوئے اللہ تعالیٰ نے انہیں بڑی مستحکم سلطنت عطا فرمائی.

حضرت داؤد علیہ السلام کبھی جنگل میں نکلتے خدا کو یاد کرتے. خوفِ الٰہی سے روتے. تسبیح وتہلیل میں مشغول رہتے اور اپنی ضرب المثل خوش آوازی سے زبور پڑھتے. اسکی عجیب وغریب تاثیر سے پہاڑ بھی ان کے ساتھ تسبیح پڑھنے لگتے تھے اور پرندے بھی ان کے گرد جمع ہوکر اسی طرح آواز کرتے. حق تعالیٰ نے اپنے فضل سے ان کو یہ خاص بزرگی عطا فرمائی :-

ولقد اتینا داؤد منا فضلاط یاجبال اوبی معه والطیر والنا له الحدید ان اعمل سٰبغٰتٍ وقدر فی السرد. (پ ۲۲ السبا)

ترجمہ. اور ہم نے داؤد کو اپنی طرف سے فضل دیا. اے پہاڑو خوش آوازی سے پڑھو اس کے ساتھ (یہ حکم تکوینی تھا) اور ہم نے اس کے آگے لوہا نرم کر دیا. بنا زرہیں کشادہ اور اندازے سے جوڑ اُن کی کڑیاں.

حضرت سلیمان علیہ السلام

حضرت سلیمان علیہ السلام انہی داؤد علیہ السلام کے بیٹے اور وارث ہوئے. اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے ہوا کو بھی مسخر کر دیا. ایک صبح وہ مہینے کی مسافت طے کرتی اور ایک شام بھی اسی مسافت سے چلتی. پھر یہی نہیں جنات بھی ان کے ماتحت کر دیئے. یہ پہلے پیغمبر ہیں جن کا حکم جنات پر بھی چلتا تھا. حضرت شیخ الاسلامؒ لکھتے ہیں :-

حضرت سلیمان علیہ السلام کا تخت تھا جو ہوا میں اُڑتا. ہوا اُس کو شام سے یمن اور یمن سے شام لے چلتی. اللہ تعالیٰ نے ہوا کو ان کے لیے مسخر کر دیا تھا. ایک مہینہ کی مسافت ہوا کے ذریعہ سے آدھے دن میں طے ہوتی [1] قرآن کریم میں ہے :-

---

[1] ماخوذ از تفسیر عثمانی صد ۵۵۶

ولسلیمان الریح عاصفۃ تجری بامرہ الی الارض التی بارکنا فیھا ط وکنا بکل شیٔ عالمین ومن الشیاطین من یغوصون لہ و یعملون عملاً دون ذلک وکنا لھم حافظین۔ (پ۱۷ انبیاء ۸۱)

ترجمہ۔ اور سلیمان کے تابع کی ہوا۔ زور سے چلنے والی چلتی تھی اس کے حکم سے زمین کی طرف جہاں برکت دی ہے ہم نے۔ اور ہم کو ہر چیز کی خبر ہے اور تابع کیے ہم نے کتنے جن (ان کے) جو غوطہ لگاتے ان کے لیے اور بھی بہت سے کام بنائے اس کے سوا۔ اور ہم نے انہیں تھام رکھا تھا۔

حضرت شیخ الاسلامؒ لکھتے ہیں :-

حضرت سلیمان نے دُعا کی تھی۔ رب اغفرلی وھب لی ملکاً لا ینبغی لاحدٍ من بعدی (پ ص ۳۵) اللہ تعالیٰ نے ہوا اور جن ان کے لیے مسخر کر دیئے حضرت سلیمان نے ایک تخت تیار کرایا تھا جس پر مع اعیانِ دولت بیٹھ جاتے اور ضروری سامان بھی بار کر لیا جاتا پھر ہوا آتی زور سے اس کو زمین سے اُٹھاتی پھر اوپر جا کر نرم ہوا ان کی ضرورت کے مطابق چلتی۔ جیسا کہ دوسری جگہ فرمایا۔ رخاءً حیث اصاب (پ ص ۳۶)

قرآن نے یہاں یہ حقیقت بیان کی ہے کہ اس تخت کو زمین سے اُٹھوانے میں ہوا کا زور زیادہ لگتا اور اُوپر آکر پھر اس قوت کی ضرورت نہ پڑتی۔ کاروں تک چلنے میں پہلے گیئر میں پٹرول بہت خرچ ہوتا ہے پھر اگلے گیئروں میں حسب تقاضا نرمی آجاتی ہے۔ ہوائی جہازوں کے لیے بھی آغاز میں خاصی قوت درکار ہوتی ہے۔ راکٹ کو خلا میں پہنچانے کے لیے بڑی طاقت کی ضرورت ہوتی ہے۔ پھر وہ ایسی جگہ پہنچتا ہے جہاں کشش زمین کم ہو جاتی ہے۔ قرآن کریم نے اس سائنسی حقیقت کو یہاں کھول کر رکھ دیا ہے بہت ممکن ہے کہ سائنسدانوں نے طیارہ اُڑانے کا تصور اور پہلے شدت قوت کی ضرورت کی جھلک قرآن سے ہی لی ہو چودہ سو سال پہلے جب سائنسی

انکشافات اس درجہ میں نہ تھے ہوا میں اُڑنے کے لیے ہوا کے عصف و رخاء (شدت اور نرمی) کو اس وضاحت سے بیان کرنا قرآن کریم کے کتابِ الٰہی ہونے کا ایک کھُلا نشان ہے۔

حضرت شیخ الاسلامؒ لکھتے ہیں:۔

تعجب ہے کہ آج عجیب وغریب ہوائی جہازوں کے زمانہ میں بھی بہت سے زائغین اس قسم کے واقعات کا انکار کرتے ہیں۔ کیا یورپ جو کام اسٹیم اور الیکٹرک پاور سے کر سکتا ہے۔ خدا تعالیٰ ایک پیغمبر کی خاطر اپنی قدرت سے نہیں کر سکتا۔

حضرت سلیمان علیہ السلام نے اپنے عہد میں اللہ تعالیٰ کی بہت سی قدرتوں کو بے حجاب دیکھا۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں حضرت سلیمان علیہ السلام کے چار پانچ اور قصوں کو بھی بڑی تفصیل سے پیش کیا ہے :۔

(۱) ملکِ سبا کی خبر پانا اور وہاں سے تختِ بلقیس کا چلا آنا۔
(۲) چیونٹیوں کی صدر سے بات کرنا اور جانوروں کی بولیوں کو سمجھ لینا۔
(۳) جنات کے ہاتھوں بیت المقدس کی تعمیر کرانا۔
(۴) حضرت سلیمان علیہ السلام کے بدن کا بعد الوفات ریزہ ریزہ نہ ہونا۔

(۱) ملکِ سبا کی خبر پانا اور ملکۂ سبا کو حق کی دعوت

حضرت سلیمان علیہ السلام کے دربار میں پرندے بھی حاضری دیتے تھے ایک دفعہ دربار لگا اور ہدہد اس میں حاضر نہ ہو پایا۔ اس نے باز پُرس پر بتایا کہ وہ ملکِ سبا سے ایک دیدہ خبر لایا ہے۔ ہدہد نے کہا :۔

میں نے وہاں ایک عورت کو بادشاہی کرتے پایا اور اس کو ہر ایک چیز حاصل دیکھی اور اس کا ایک بڑا تخت دیکھا۔ میں نے اُسے اور اس کی قوم کو سورج کو سجدہ کرتے پایا۔

حضرت سلیمان علیہ السلام نے اسے ایک خط دیا اور کہا اسے ان لوگوں میں ڈال دے

اور اس کا جواب اُن سے لا وہ خط بسم اللہ الرحمن الرحیم سے شروع کیا گیا تھا اور اس میں کہا گیا تھا کہ کُفر کی شوکت نہ دکھاؤ اور حکم بردار ہو کر میرے سامنے آؤ۔

الا تعلوا علی واتونی مسلمین۔ (پ۱۹ النمل ۳۱)

ترجمہ۔ عذر نہ کرو میرے مقابلہ میں اور چلے آؤ میرے سامنے حکمبردار ہو کر۔

ملکہ نے پھر اپنی افواج سے مشورہ کیا۔ اُنہوں نے کہا ہم تیرے حکم پر حاضر ہیں ملکہ نے انہیں جنگ کے ہولناک انجام کی بات کہی اور بہت سا مال اور تحفے تحائف حضرت سلیمان کی خدمت میں بھیج دیئے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے جواب میں کہا:۔

فما اٰتانی اللہ خیر مما اٰتاکم بل انتم بھدیتکم تفرحون۔

(پ۱۹ النمل ۳۶)

ترجمہ۔ سو جو اللہ نے مجھ کو دیا ہے بہتر ہے اس سے جو تمہیں دیا ہے۔ بلکہ تم ہی اپنے تحفے پر خوش ہو رہے ہو۔

پھر ایک روحانی قوت سے ملکہ کا تخت اس کے آنے سے پہلے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کے پاس پہنچ گیا یہ پل بھر میں وہاں تخت کا پہنچ جانا بتلا رہا تھا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے پاس صرف مادی دولت ہی فراواں نہیں۔ آپ کا دربار روحانی قوتوں سے بھی پُورا آراستہ ہے۔

جب ملکہ خود وہاں آئی تو اپنا تخت دیکھ کر حیران رہ گئی اور جب محل میں داخل ہونے لگی تو شیشے کے بنے میدان کو پانی کا حوض سمجھا۔ ملکہ نے خدائی قُدرت کے ان حالات کو دیکھا۔ اسے اپنی درماندگی اور عجز سمجھ میں آگیا اور وہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے دین پر آگئی اور مانی کہ اللہ رب العزت ہی سارے جہانوں کا پالنے والا ہے۔

(۲) چیونٹیوں کے صدر کی بات سُن کر آپ مُسکرا دیئے

حضرت سلیمان کا لشکر جا رہا تھا جن میں انسان جنات اور ہوا کی مخلوق سبھی تھے جب یہ لوگ چیونٹیوں کی ایک وادی میں پہنچے تو ملکہ چیونٹی نے دوسریوں سے کہا۔

یاایھا النمل ادخلوا مساکنکم لا یحطمنکم سلیمان وجنودہ وھم
لا یشعرون۔ (پ۱۹ النمل ۱۸)

ترجمہ۔ اے چیونٹیو! اپنے گھروں میں چلی جاؤ۔ نہ کچل ڈالے تم کو سلیمان اور ان
کے لشکر اور ان کو خبر بھی نہ ہو۔

حضرت سلیمان یہ سُن کر مسکرا پڑے اور اللہ کے حضور میں کلمات شکر بجالائے اور
اللہ تعالیٰ سے اس کے نیک بندوں میں داخل ہونے کی دُعا کی۔ اس قصہ میں کتنے حقائق
دبے ملے:۔

① چیونٹی جیسی چھوٹی مخلوق بھی ایک نظام سے چل رہی ہے اور اُن کی بھی کوئی ملکہ
ہوتی ہے۔

② ملکہ اپنے تجربہ اور اپنی بصیرت میں ان میں بڑی ہوتی ہے۔

③ اس ملکہ نے کہا اندیشہ ہے کہ تم روند نہ دی جاؤ ۔۔۔ ایسا ہوا بھی تو یہ صرف بے خبری
میں ہوگا۔ حضرت سلیمان (بوجہ پیغمبر ہونے کے) اور ان کے ساتھی (بوجہ صحابہ ہونے کے)
جان بُوجھ کر تم پر ظلم نہ کر سکیں گے۔

④ قرآن کریم پیغمبروں کو ان کے صحابہؓ کے جلو میں رکھتا ہے اور انہی سے آگے اُن کی راہ
چلتی ہے:۔

لقد کان لکم اسوۃ فی ابراھیم والذین معہ۔ (پ۲۸ الممتحنہ ۴)

ترجمہ۔ بیشک تمہارے لیے ابراہیم میں اور ان کے صحابہ میں ایک نمونہ عمل ہے۔

محمد رسول اللہ والذین معہ اشداء علی الکفار رحماء بینھم (پ۲۶ الفتح ۲۸)

ترجمہ۔ محمد اللہ کے رسول ہیں اور جو لوگ ان کے ساتھ ہیں وہ کافروں پر بڑے بھاری
ہیں اور آپس میں ایک دوسرے کے خیر خواہ۔

مقام عبرت

چیونٹیوں جیسی ادنیٰ مخلوق بھی اتنا علم ضرور رکھتی ہے کہ کسی پیغمبر کے صحابی جان بُوجھ کر

کسی پر زیادتی نہ کریں گے مگر افسوس کہ بعض انسان اس بات کو نہ سمجھ پائے کہ حضرت خاتم النبیینؐ کے صحابی کسی دُنیا طلبی میں کسی سے خلافت غصب نہ کر سکیں گے۔

③ جنّات کے ہاتھوں بیت المقدس کی تعمیر

ومن الجن من یعمل بین یدیہ باذن ربّہ ط ومن یزغ منھم عن امرنا نذقہ من عذاب السعیر یعملون لہ ما یشاء من محاریب و تماثیل وجفان کالجواب و قدور الراسیات ط اعملوا اٰل داؤد شکرًا و قلیل من عبادی الشکور۔ (پ۲۲ سبا ۱۳)

ترجمہ۔ اور جنوں میں کتنے ہی تھے جو سلیمان کے حضور اس کے پروردگار کے اذن سے کام پر لگے ہوتے تھے اور جو کوئی ان میں سے پھرے ہمارے حکم سے تو اسے ہم آگ کا عذاب چکھائیں گے وہ جن بناتے تھے ان کے لیے جو حضرت سلیمان چاہیں قلعے اور تماثیل اور بڑے بڑے لگن جیسے تالاب ہوں اور بڑی بڑی دیگیں چولہوں پر رکھی جو اپنی جگہ سے نہ ہلیں، کام کرو داؤد کے گھر والو احسان مان کر اور تھوڑے ہیں میرے بندوں میں احسان ماننے والے۔

اس سے پتہ چلا کہ جن بھی انسانوں کی طرح کام کرتے ہیں اور ان کے کام مادیات سے بھی ملوث ہوتے تھے۔ ان کا انسانوں کے کام کرنا اذنِ الٰہی سے ہوتا ہے۔ ضروری نہیں کہ ان پر عامل کی توجہ بندھی رہے ــــ اللہ تعالیٰ جن کے لیے جنوں سے کام لے لیں ان پر اللہ تعالیٰ کا شکر بجالانا ضروری ہے۔

④ حضرت سلیمان علیہ السلام کا بدن بعد الوفات بھی قائم رہا

حضرت سلیمان علیہ السلام جنوں سے بیت المقدس بنوا رہے تھے۔ ابھی تکمیل نہ ہوئی تھی کہ انہیں سفرِ آخرت پیش آگیا۔ آپ نے اللہ کی ملاقات کو اپنے کام کی تکمیل سے مقدم جانا

اور سفر آخرت کے لیئے ہاں کردی. آپ اپنے عصا کے سہارے اس طرح کھڑے ہوئے کہ وزن عصا پر رہے اور آپ گرنہ پائیں. جنات آپ کو کھڑا دیکھ کر یہی سمجھتے رہے کہ آپ زندہ ہیں اور ان کے کام کی نگرانی کر رہے ہیں. وقت گزرتا گیا اور ان کے بدن میں کوئی تغیر نہ آیا یہاں تک کہ عصا کی لکڑی کو گھن لگا اور وہ نیچے گری تو آپ کا بدن بھی زمین پر آگیا.

فلمّا قضینا علیہ الموت ما دلّھم علیٰ موتہ الّا دابّۃ الارض تأکل منسأتہ فلمّا خرّ تبیّنت الجنّ ان لو کانوا یعلمون الغیب ما لبثوا فی العذاب المھین. (پ۲۲ السبا ۱۴)

ترجمہ: پھر جب ہم نے اس پر موت کا فیصلہ کیا نہ بتلایا جنات کو اس کا مرنا مگر گھن کے کیڑے نے وہ اس لاٹھی کو کھاتا رہا. پھر جب آپ گر پڑے تو جنوں کو پتہ چلا کہ اگر وہ غیب جانتے ہوتے تو اس ذلت کی تکلیف میں نہ پڑے رہتے.

اس سے یہ معلوم ہوا کہ جن علم غیب نہیں رکھتے ہاں اُن کی اُڑان بہت اونچی ہے اور سرعت رفتار بھی اپنی جگہ حیرت افزا. یہ آسمانوں کے قریب ہو کر یا دُنیا میں گھوم پھر کر کچھ حالات معلوم کر لیتے ہیں. جو علم اس طرح حاصل ہو اسے علم غیب نہیں کہتے. کیونکہ اس کا کوئی نہ کوئی سبب ہوتا ہے: علم غیب وہ ہے جو از خود ہو کسی کا بتایا ہوا نہ ہو.

اس قصہ سے یہ بھی پتہ چلا کہ انبیاء کے ابدان تغیر اور گلنے سڑنے سے محفوظ رہتے ہیں اللہ نے زمین پر حرام کر دیا ہے نبیوں کے جسموں کو کھائے.

حضرت زکریا علیہ السلام

حضرت زکریا حضرت یحیٰی کے والد تھے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے تھوڑا عرصہ پہلے ہوئے. حضرت مریم کی والدہ (حنہ بنت فاقوذ) جب اپنی بچی کو بیتُ المقدس کے لیے چھوڑنے آئیں تو حضرت زکریا علیہ السلام اس وقت بیت المقدس کے خدمت گزاروں میں سے تھے اور حضرت مریم کے وہی کفیل بنے.

فتقبلها ربها بقبول حسن وانبتها نباتا حسنا و کفلها زکریا ط کلما دخل
علیها زکریا المحراب وجد عندها رزقا قال یامریم انی لك هذا
قالت هو من عند الله ان الله یرزق من یشاء بغیر حساب۔

(پ۳ آل عمران ۳۷)

ترجمہ۔ پھر قبول کر لیا مریم کو اُس کے رب نے اچھا قبول کرنا اور بڑھایا
اسے اچھا بڑھانا اور سپرد کی وہ زکریا کو۔ جس وقت زکریا اس کے پاس
محراب میں آتے تو پاتے اس کے پاس کچھ (خلافِ موسم) کھانے۔ آپ نے
کہا اے مریم! یہ کہاں سے؟ مریم نے کہا یہ اللہ کے پاس سے آتا ہے اللہ
تعالیٰ جسے چاہتے ہیں بغیر حساب کے دیتے ہیں۔

یہاں بغیر حساب سے مراد بغیر اسباب عادیہ ہے محض اپنی قدرت کے اظہار سے۔
یہ خلاف موسم نقشہ دیکھ کر حضرت زکریا نے بھی اللہ تعالیٰ سے خلافِ موسم ایک طلب کی ——
بڑھاپے میں جوانی کا پھل چاہا — بیٹا مانگا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کی وہ دُعا قبول کر لی۔ ان کی اہلیہ
کو بڑھاپے میں جننے کے لائق کر دیا اور حضرت زکریا کو یحییٰ کا نام کا بیٹا دیا۔

حضرت زکریا نے خدا سے نشان چاہا کہ بچہ کب سے اپنی منزل میں آ لگا ہے۔ اللہ تعالیٰ
نے فرمایا کہ تم کسی سے تین رات کلام نہ کر سکو گے :۔

قال رب اجعل لی ایۃ ط قال ایتك الا تکلم الناس ثلث لیال سویا۔

(پ۱۶ مریم ۱۰)

ترجمہ۔ عرض کی اے میرے رب! مجھے کوئی نشانی دے۔ فرمایا تیری نشانی یہ
ہے کہ تو تین رات دن لوگوں سے کلام نہ کر سکے باوجود تندرست ہونے کے۔

پھر اللہ تعالیٰ نے آپ کو ایک یحییٰ نامی بیٹا دیا۔ حضرت یحییٰ علیہ السلام ان نبیوں میں سے
میں سے ہیں جنہیں بچپن میں نبوت ملی اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا پوری قوت سے تورات کو
سنبھالنا :۔

یا یحیی خذ الکتاب بقوۃ واتینٰہ الحکم صبیا۔ (پ۱۶ مریم ۱۲)

ترجمہ. اے یحییٰ! کتاب کو مضبوط طور پر تھام لے اور ہم نے اسے بچپن میں ہی
نبوت دے دی.

آپ نے حضرت عیسیٰ کے آنے کی خبر دی اور ان کی آمد کی راہ ہموار کی.

حضرت یونس علیہ السلام

حضرت یونس سرزمین موصل میں اہل نینوا کی طرف مبعوث ہوئے. وہاں کے لوگ بُت پرست تھے. حضرت یونس انہیں سالہا سال تبلیغ کرتے رہے. انہوں نے حضرت یونس علیہ السلام کی ایک نہ سُنی. پھر اللہ تعالیٰ نے حضرت یونس کو خبر دی کہ ان پر تین دن کے اندر عذاب اُترنے والا ہے. حضرت یونس کے وقائع حیات یاد رکھنے کے لائق ہیں :.

(۱) حضرت یُونس کی قوم کا اُترتے عذاب کو دیکھنا.

(۲) حضرت یونس کا مچھلی کے پیٹ میں چلے جانا اور وہاں زندہ رہنا.

پہلا واقعہ سورہ یُونس اور دوسرا پ ۲۳ صافات میں دیا گیا ہے.

قوم یونس نے سامنے عذاب اُترتے دیکھا مگر وہ ابھی اس میں ملوث نہ ہوئے تھے کہ وہ حضرت یونس پر ایمان لے آئے اور اللہ نے ان کی توبہ قبول کر لی. فرعون نے بھی توبہ کی تھی اور وہ بھی ربِ موسےٰ پر ایمان لے آیا تھا لیکن کب؟ جب عذاب اس پر اُتر چکا تھا اور وہ غوطے کھا رہا تھا. اس وقت کا ایمان معتبر نہیں. لیکن عذاب اگر صرف دیکھا ہوا ور لوگ ابھی اس میں گھرے نہ ہوں اور وہ قومی سطح پر اپنے نبی پر ایمان لے آئیں تو یہ ایمان یاس نہیں اللہ کے ہاں لائق قبول ہے. قوم یونس پر یہی حالت آئی تھی.

حضرت یونس علیہ السلام کا وہاں سے نکلنا اسی یقین سے تھا کہ قوم اب بھی ایمان نہ لائے گی اور عذاب اُن پر آکر رہے گا اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے انہیں اس بستی سے نہ نکلنے کا کوئی حکم نہ تھا. سو ان کا وہاں سے جلد نکل پڑنا اللہ کے کسی حکم کا خلاف نہ تھا. نہ اس لیے خدا نے اس قوم سے عذاب اُٹھا لیا تھا کہ حضرت یونس وہاں سے جلد نکل پڑے تھے.

(استغفر اللہ العظیم)

شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی رح لکھتے ہیں :-

جب تیسری شب آئی یونس علیہ السلام آدھی رات گزرنے پر بستی سے نکل کھڑے ہوئے صبح ہوتے ہی آثارِ عذاب نظر آنے لگے. آسمان پر نہایت ہولناک اور سیاہ بادل چھا گیا جس سے سخت دھواں نکلتا تھا وہ ان کے مکانوں کے قریب ہوتا جاتا تھا حتیٰ کہ ان کی چھتیں بالکل تاریک ہو گئیں. یہ آثار دیکھ کر جب انہیں ہلاکت کا یقین ہو گیا تو یونس کی تلاش شروع ہوئی وہ نہ ملے تو سب لوگ عورتوں بچوں سمیت بلکہ مواشی اور جانوروں کو بھی ساتھ لے کر جنگل کی طرف نکل آئے اور سچے دل سے خدا کی طرف رجوع ہوئے خوف سے چیخیں مارتے تھے اور بڑے اخلاص و تضرع سے خدا کو پکار رہے تھے چاروں طرف آہ و بکار کی آوازیں بلند ہو رہی تھیں اور کہتے جاتے تھے اٰمنا بما جاء بہ یونس جو کچھ یونس علیہ السلام لاتے ہم اس پر ایمان لاتے ہیں حق تعالیٰ نے ان کے تضرع اور بکاء پر رحم فرمایا اور آثارِ عذاب جو ہویدا ہو چکے تھے اُٹھا لیے گئے..... ابھی اصلی عذاب کا معائنہ ان کو نہ ہوا تھا صرف علامات و آثار نظر آئے تھے ایسے وقت کا ایمان شرعًا معتبر اور نافع ہے. ایمان یأس جو معتبر و مقبول نہیں اس سے مراد یہ ہے کہ عین عذاب کو دیکھ کر اور اس میں پھنس کر ایمان لائے جیسے فرعون نے سمندر کی موجوں میں پھنس کر اقرار کیا تھا[۱]

فلولا کانت قریۃ اٰمنت فنفعہا ایمانہا الا قوم یونس ط لما اٰمنوا کشفنا عنہم عذاب الخزی فی الحیٰوۃ الدنیا و متعنا ہم الیٰ حین ۔ (پ۱۱ یونس)

ترجمہ پھر کیوں نہ ہوا کہ کوئی بستی ایمان لاتے پھر کام آتا ان کو ایمان لانا مگر ایسا صرف قوم یونس پر ہوا جب وہ ایمان لائے ہم نے ان سے دنیا میں رسوائی کا عذاب اُٹھا لیا اور انہیں ایک وقت تک مہلت دی.

---

[۱] فوائد القرآن صـ۲۸۴

حضرت یونس کا دوسرا واقعہ

وان یونس لمن المرسلین ہ اذ ابق الی الفلك المشحون ہ فساھم فکان
من المدحضین فالتقمه الحوت وھو ملیم ہ رکوع ۲۳ الصافات

ترجمہ: اور بے شک یونس ہے رسولوں میں سے. جب وہ بھاگ کر پہنچا بھری کشتی پر. پھر قرعہ ڈلوایا تو وہ نکلا خطاوار. پھر لقمہ کیا اسے مچھلی نے اور وہ اپنے کو ملامت کر رہا تھا. پھر اگر نہ ہوتی یہ بات کہ وہ یاد کرتا تھا پاک ذات کو تو وہ رہتا اسی کے پیٹ میں اس وقت تک کہ مُردے اٹھائے جائیں گے. پھر ڈال دیا ہم نے اس کو ایک چٹیل میدان میں اور وہ بیمار ہو گیا تھا اور اُگا دیا ہم نے اس پر ایک درخت بیل والا.

یہ واقعہ کس طرح پیش آیا؟ انبیاء میں اسے اس طرح دیا گیا ہے:۔

وذاالنون اذ ذھب مغاضبا فظن ان لن نقدر علیه فنادیٰ فی الظلمت ان
لا اله الا انت سبحانك انی کنت من الظلمین۔ رکوع انبیاء

ترجمہ: اور یاد کرو مچھلی والے پیغمبر کو جب وہ (اپنی قوم سے) نکل گیا غصے ہو کر پھر سمجھا کہ ہم اسے نہ پکڑ سکیں گے (اور اسے اپنی قوم میں جانا نہ ہوگا) پس اس نے ان اندھیروں میں آواز دی اور آیت کریمہ پڑھی.

حضرت یونس علیہ السلام کا بستی سے نکل آنا کسی حکم خداوندی کے خلاف نہ تھا لیکن ان کا بدون اذنِ الٰہی ان لوگوں سے غصے ہو کر نکل آنا گو اس پر موقوف تھا کہ اللہ تعالیٰ ان پر عذاب اُترنے کی خبر دے چکے تھے، لیکن پھر بھی یہ ادب خداوندی کے خلاف تھا کیونکہ وہ بھیجے تو اسی قوم کی طرف گئے تھے ـــــ ان سے نکلنا انہیں کسی طرح زیبا نہ تھا. انہوں نے کشتی میں بیٹھ کر جہاں جانا چاہا انہیں وہاں جانے کا کوئی حکم خداوندی نہ تھا

اللہ تعالیٰ نے اسے اپنے ادب کے خلاف جانا اور حضرت یونس علیہ السلام پر یہ آزمائش کی گھڑی آ گئی. اپنے مالک سے بھاگے ہوئے ہونے سے مراد بدون اذنِ الٰہی ان سے نکل آنا ہے

حضرت شیخ الاسلام فظن ان لن نقدر علیہ پر لکھتے ہیں :۔

یہ مطلب نہیں کہ معاذ اللہ یونس علیہ السلام فی الواقع ایسا سمجھتے تھے۔ ایسا خیال تو ایک ادنیٰ مومن بھی نہیں کر سکتا بلکہ غرض یہ ہے کہ صورتِ حال ایسی تھی جس سے یوں منتزع ہو سکتے۔ حق تعالیٰ کی عادت ہے کہ کاملین کی ادنیٰ ترین لغزش کو بہت سخت پیرایہ میں ادا کرتا ہے۔ اس سے کاملین کی تنقیص نہیں ہوتی بلکہ اور جلالتِ شان ظاہر ہوتی ہے۔ [۱]

حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام

قرآن کریم نے بنی اسرائیل کے آخری پیغمبر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے وقائع حیات اُن کے پورے خاندان کے وقائع حیات کے ساتھ ذکر کیے گئے۔ آل عمران آپ کے ہی خاندان کا نام ہے آپ کے جو قصص و وقائع عمل میں آچکے وہ بجا لیکن یہ حقیقت ہے کہ آپ کے پُورے وقائع حیات ابھی کہیں دیئے نہیں جا سکتے۔ کیونکہ آپ کی زندگی کا ایک حصہ باقی ہے۔ آپ جب قیامت کا ایک نشان ہو کر ظاہر ہوں گے تو یہ ان کی زندگی کے تیسرے حصے کا آغاز ہو گا۔

۱۔ پہلی زمینی زندگی۔ ۲۔ آسمان میں دوسری زندگی ۳۔ آخری زمینی زندگی

اور آپ کی آخرت کی چوتھی زندگی وہ ہو گی جب آپ اللہ کے حضور پیش ہوں گے اور وہ یہاں دُنیا میں کیے گئے اعمال کے متعلق پُوچھے گا۔

دنیا میں حضرت عیسیٰ کے وقائع اس طرح گزرے :۔

① حضرت عیسیٰ کی پیدائش اور ان کا ماں کی گود میں کلام کرنا۔
② بن باپ پیدائش میں ان کا آدم کی مثال بننا۔
③ آپ پر انجیل کیسے اُتری پُوری ایک دفعہ یا تھوڑی تھوڑی۔
④ حضرت عیسیٰ کو اپنے مخالفین پر غلبے کی بشارت کیا دی گئی۔
⑤ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سُولی نہیں دیئے گئے۔

---

[۱] تفسیر عثمانی ص ۴۲۶

ان قصوں کو تفصیل سے بھی بیان کیا جا سکتا ہے لیکن چونکہ ان کی زندگی ابھی پوری نہیں ہوئی ہم یہاں ان تفصیلات کو نہیں لا رہے۔ اس پر ہم قصص القرآن کی اس بحث کو ختم کرتے ہیں۔

حضرت عیسیٰ کے وقائع حیات کیوں پورے نہ کیے گئے

علم الٰہی میں مقدر تھا کہ دنیا اپنی آخری کروٹ لینے سے پہلے ایک دفعہ پورے عدل و انصاف سے جگمگائے۔ جس طرح کبھی یہ ظلم و جور سے بھری رہی۔

یہ بھی مقدر تھا کہ دنیا کا وہ آخری امام المہدیؑ ہوگا اور اس کے دور میں پورے صفحہ کائنات پر اسلام کا حقیقی غلبہ ہوگا اور کوئی باطل اس وقت حق کا سامنا نہ کر سکے گا۔

اس پر سوال پیدا ہوتا ہے کہ خیر کے ایسے آثار تو کسی پیغمبر کے دور میں بھی نہیں دیکھے گئے کہ پوری دنیا انصاف سے بھر گئی ہو۔ حضرت نوح علیہ السلام کے دور میں ایسا ہوا۔ لیکن یہ ایک نہایت مختصر آبادی کی جلوہ ریزی تھی۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا اس سے مرتبہ امامت کی مرتبہ نبوت پر برتری کا ایہام تو نہیں ہوتا؟

حضرت عیسیٰ جو اسرائیلی پیغمبر تھے ان کا دوبارہ آنا

اللہ تعالیٰ نہ چاہتے تھے کہ مرتبہ نبوت پہ کوئی اور مرتبہ فائق ہو اس لیے ایک پچھلے پیغمبر کو آسمانوں پہ رکھا اور اسے حیات طویل بخشی جو قرب قیامت میں شریعت محمدی کے ساتھ اس زمین پر دوبارہ آئے اور دنیا کی باطل طاقتیں جن کا مرکز اس وقت دجال ہوگا ان کے ہاتھوں پامال ہوں دجال ان کے ہاتھوں قتل ہو صلیب ان کے ہاتھوں ٹوٹے کہ پھر اس کا کوئی پرستار نہ ہو۔ خنزیر کا کھایا جانا کلیتہً ختم ہو جائے۔ جزیہ کسی قوم پر نہ رہے۔ کیونکہ مسلمانوں کے سوا یہاں اس وقت کوئی اور قوم نہ ہوگی۔ یاجوج و ماجوج سب ختم ہو جائیں گے۔

دنیا کا وہ آخری انقلاب صرف حضرت مہدی کے ہاتھوں وجود میں نہ آئے گا بلکہ اُن کے ساتھ حضرت حضرت عیسیٰ بن مریم بھی خدا کے جلال کی تلوار بن کر چمکیں گے اور وہ بھی حضورؐ کے متبع ہونے کے دعوے سے تاکہ حق و باطل کے معرکے کی یہ آخری فتح حضورؐ کی طرف منسوب

ہو اور اب کسی کو یہ کہنے کا حق نہ رہے۔

" دنیا میں جو نبی بھی آئے وہ انصاف کے نفاذ کے لیے آئے لیکن وہ کامیاب نہ ہوئے یہاں تک کہ ختم المرسلینؐ جو انسان کی اصلاح اور انصاف کا نفاذ کرنے کے لیے آئے وہ بھی اپنے زمانے میں کامیاب نہ ہوئے۔ عدل و انصاف کے نفاذ میں کامیابی امام مہدی کے نام لکھی گئی۔" دیکھیے اتحاد و یکجہتی ص۱۵

حضرت عیسیٰ کا دوبارہ آنا اس لیے مقدر ہوا کہ کہیں مرتبۂ امامت مرتبۂ نبوت سے نہ بڑھ جائے۔ حضرت عیسیٰ بن مریم کے وہ وقائع حیات پورے نہ ہو پائے تھے۔ اس لیے ہم اب قصص القرآن کے مباحث کو یہاں ختم کرتے ہیں۔

الاصحاب المذکورون فی الکتاب

الحمدللہ وسلامٌ علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ امابعد:

قرآن کریم میں کئی قوموں کے واقعات اصحاب کے عنوان سے ملتے ہیں جیسے اصحاب مدین، اصحاب الایکہ، اصحاب الحجر، اصحاب السبت، اصحاب الرس، اصحاب الاخدود، اصحاب الجنۃ اور اصحاب الفیل وغیرہ۔ ان کے واقعات سے جہاں یہ پتہ چلتا ہے کہ مختلف ادوار میں کون کون سی قومیں صفحۂ زمین پر اُبھریں، یہ پتہ بھی چلتا ہے کہ پھر ایک ایسا وقت بھی آتا ہے کہ ان کا نام ونشان تک بھی مٹ جاتا ہے۔ قرآن کریم میں ایسی بعض قوموں کا تذکرہ نہایت عبرت کے پیرایہ میں کیا گیا ہے۔ ہم یہاں ان میں سے بعض کا ذکر ان کی تاریخی ترتیب کے بغیر کرتے ہیں۔

کچھ وہ تذکرے ہیں جو قوموں کے نام سے ہیں جیسے قوم عاد، قوم ثمود، قوم تبع، قوم بنی اسرائیل اور کچھ ہیں جو شخصیات ہیں جیسے ذوالقرنین، حضرت لقمان صاحب علم لدنی، حضرت خضر اور ہامان اور فرعون اور قارون وغیرہ۔۔۔ قرآن کریم کے طلبہ کو ان میں سے ہر ایک کا کچھ نہ کچھ علم ہونا چاہیئے تاکہ وقائع عالم کے جس پس منظر پر قرآن کریم کی ہدایت اُتری وہ اسے اچھی طرح جان اور سمجھ سکیں۔ شاید ہم اس وقت ان مختلف قوموں اور شخصیتوں پر تبصرہ نہ کر سکیں۔ آج کے بیان میں ان اقوام کا تذکرہ ہوگا جو مختلف قرون میں اصحاب کے نام سے اُبھریں اور قرآن کریم نے انہیں اصحاب کے نام سے ہی ذکر فرمایا ہے جیسے اصحاب الایکہ (اصحاب مدین) اور اصحاب الجنۃ

(۱) اصحاب الایکہ (جھنڈ والے)

عربی میں ایکہ سبز جھاڑیوں کے جُھنڈ کہتے ہیں۔ جھنڈ جنگلوں میں عام ہوتے ہیں۔ بحرِ قلزم کے کنارے عرب کے شمال مغرب میں ایک بستی تھی جہاں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد جو آپ کی بیوی قطورہ سے چلی آباد تھی۔ حضرت ابراہیم کے ایک بیٹے کا نام مدین تھا اور اس کی اولاد ہی

یہاں آباد ہوئی۔ انہیں اس نسبی امتیاز سے اہل مدین (یعنی آل مدین) بھی کہا گیا ہے اور باعتبار مسکن یہ اصحاب الایکہ کہلاتے ہیں۔ حضرت شعیب علیہ السلام انہی میں سے تھے اور انہی کی طرف مبعوث ہوئے تھے۔ یہیں حضرت موسیٰ بھی کچھ وقت آکر ٹھہرے تھے۔

نوٹ ۱ : چار پیغمبر حضرت ابراہیم علیہ السلام سے بہت قریب کی نسبت رکھتے ہیں۔ ا۔ حضرت اسمٰعیل، حضرت اسحٰق، حضرت لوط (آپ کے برادرزادہ) اور حضرت شعیب جو بنی قطورہ میں سے تھے۔ شام اور فلسطین میں حضرت اسحٰق، عرب میں حضرت اسمٰعیل، شرق اُردن کی جانب عامورہ اور سدوم کی بستیوں میں حضرت لوط اور حجاز کے شمالی کنارے کا علاقہ حضرت شعیب کا میدانِ عمل تھا۔ پھر اس میں جو علاقے متمدن تھے وہاں کے رہنے والوں کو اہلِ مدین کہا گیا۔ اور بستی کے رہنے والوں کو اہلِ ایکہ کہا جاتا تھا۔ کیونکہ درختوں کے زیادہ جھنڈ ادھر ہی تھے۔ سو اصحابِ مدین اور اصحابِ ایکہ دراصل ایک ہی لوگ ہیں یہ دونوں بڑی شاہراہ پر آباد تھے۔

وان کان اصحاب الایکۃ لظٰلمین۔ فانتقمنا منھم وانھما لبامامٍ مّبین۔

(پ۱۴ الحجر ۹)

ترجمہ۔ اور تحقیق تھے بَن کے رہنے والے گنہگار، سو ہم نے ان سے بدلہ لیا اور وہ دونوں بستیاں ایک کھلے راستہ پر واقع تھیں

سورۂ ہود میں اس قوم سے حضرت شعیب کا خطاب بایں طور منقول ہے۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ اُن پر عذاب آنے سے پہلے قوم نوح، قوم ہود، قوم ثمود اور قوم لوط پر عذاب آچکا تھا اور اب اصحابِ مدین بھی اس محرومی میں پڑے جہاں قوم ثمود جا چکی تھی۔

آپ نے فرمایا :۔

ویٰقوم لایجرمنکم شقاقی ان یصیبکم مثل ما اصاب قوم نوح اوقوم هود اوقوم صالح وما قوم لوطٍ منکم ببعید..... ولما جاء امرنا نجّینا شعیبًا والذین اٰمنوا معه برحمةٍ منّا واخذت الذین ظلموا الصیحة فاصبحوا فی

فی دیارھم جٰثمین. کان لم یغنوا فیھا الا بعداً لمدین کما بعدت ثمود۔

(پ ۱۲ ہود ۸۹-۹۴)

ترجمہ۔ اور اے میری قوم ضد تمہیں اس مقام پر نہ لے آئے کہ تم پر بھی وہی مار پڑے جو پہلے قوم نوح، قوم ہود، قوم صالح پر پڑ چکی ہے اور قوم لوط بھی تم سے کچھ دور نہیں رہی ..... اور جب ہمارا حکم آپہنچا تو ہم نے شعیب اور جو لوگ اُن کے ساتھ ایمان لائے انہیں اپنی رحمت سے بچالیا اور ان ظالموں کو (اصحاب الایکہ کو) ایک ہی چیخ نے پکڑا اور وہ اوندھے گرے گویا وہاں وہ کبھی بسے ہی نہیں سُن لو پھٹکار ہے اہل مدین کو جیسے پھٹکار پڑی قوم ثمود پر۔

اس سیاق سے اس قوم کی تاریخی حیثیت کا پتہ چلتا ہے کہ اس سے پہلے کتنی قومیں ہوچکی تھیں اور یہ کہ حضرت شعیب اُن کی طرف مبعوث ہوئے تھے۔

نوٹ ۲ اس چیخ سے یہ قوم تو ہلاک ہوگئی لیکن یہ بستیاں منہدم نہ ہوئی تھیں۔ اس واقعہ کے مدتوں بعد جب حضرت موسیٰ وہاں سے گزرے تو آپ نے وہاں ایک کنویں پر لوگوں کو پانی بھرتے دیکھا۔

ولما ورد ماء مدین وجد علیہ امۃً من الناس یسقون (پ ۲۰ القصص ۲۳)

ترجمہ۔ اور آپ جب ماء مدین پر پہنچے تو وہاں کچھ لوگوں کو کنویں پر موجود پایا۔

مدین کے وہ بزرگ جو بعد ازاں حضرت موسےٰ کے سسر بنے حضرت شعیب تھے یا ان کے بھتیجے یثرون یا یثرو جیسا کہ تورات میں ہے۔ اس میں علماء اسلام کا اختلاف ہے۔ حضرت حسن بصری رح کہتے ہیں وہ حضرت شعیب ہی ہیں۔ ابو عبیدہ کہتے ہیں وہ یثرون تھے۔ قرآن کریم میں اس شیخ کبیر کا نام ذکر نہیں کیا گیا۔ حضرت شعیب اور حضرت موسیٰ میں وقت کا بہت فاصلہ ہے۔ حضرت شعیب علیہ السلام کی قبر حضرموت میں بتائی جاتی ہے۔ اہل مدین کی ہلاکت کے بعد آپ یہیں آکر آباد ہوگئے تھے۔

② اصحاب القریہ (ایک بستی والوں کا تذکرہ

قرآن کریم پ۲۲ سورۂ یٰسین آیت ۱۳ میں ان بستی والوں کا ذکر ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا گیا کہ آپ لوگوں کے سامنے ان بستی والوں کا ذکر کریں کہ ان پہ کیا گزری۔ یہ کس شہر اور کس دور کا واقعہ ہے اس میں بہت اختلاف ہے۔ شیخ الاسلامؒ لکھتے ہیں۔

> یہ گاؤں اکثر کے نزدیک شہر انطاکیہ ہے اور بائبل کتاب اعمال کے آٹھویں اور گیارہویں باب میں ایک قصہ اسی قصہ کے مشابہ کچھ تفاوت کے ساتھ شہر انطاکیہ کا بیان ہوا ہے۔ لیکن ابن کثیر نے تاریخی حیثیت سے اور سیاقِ قرآن کے لحاظ سے اس پہ اعتراض کیئے ہیں۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی دعوت جن شہروں اور علاقوں میں پہنچی اور وہاں کے لوگوں نے اچھی تعداد میں اسے قبول کیا ان کے ہاں وہ چار شہر مقدس سمجھے جاتے ہیں۔ ۱۔ بیت المقدس، ۲۔ انطاکیہ ۳۔ اسکندریہ ۴۔ روما، جسے آج کل اٹلی کہتے ہیں اور وہ پوپ کا مسکن ہے۔ انطاکیہ (شام) کے لوگ حضرت عیسیٰ کی دعوت پر سب مسلمان ہو گئے تھے۔

قرآن پاک اصحاب القریہ کو پیغمبروں سے ٹکرانے والوں میں ذکر کرتا ہے۔ اگر یہ انطاکیہ کا واقعہ ہے تو ان پیغمبروں کا زمانہ حضرت عیسیٰ سے بہت پہلے کا ہوگا۔ کیونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد تو صرف حضور خاتم النبیینؐ کی ہی بعثت ہوئی ہے اور کسی پیغمبر کا پتہ نہیں ملتا۔

اس بستی میں پہلے دو رسول آئے اور پھر ان کی تائید میں ایک اور رسول بھیجا گیا۔ بستی والے ان تینوں کے خلاف اُٹھ کھڑے ہوئے اور اعتراض کیا کہ تم ہمارے جیسے انسان ہو، تم کیسے نبی ہو سکتے ہو۔۔۔ اُن کا اعتقاد تھا کہ بشر کبھی نبوت و رسالت کا منصب نہیں پاسکتا۔ اس بنا پہ انہوں نے ان کی رسالت کا انکار کر دیا۔ اور کہا جب سے تم آئے ہو ہم نحوست میں گھر گئے ہیں۔

اس بستی کے ایک سرے پہ ایک نیک آدمی رہتا تھا۔ اُسے اس صورتِ حال کا علم ہوا تو

وہ دوڑتا ہوا موقع پر آیا اور انہیں نصیحت کی کہ ان پیغمبروں کی بات مان لو۔ ان کی یہ مخلصانہ دعوت بایں طور کہ انہیں دُنیا کا کوئی لالچ نہیں بتا رہی ہے کہ یہ واقعی خدا کے بھیجے ہوئے ہیں اور وہ ان کی دعوت پر خود بھی ایمان لے آیا۔

جو تینوں کے منکر ہوں وہ بھلا اس چوتھے کی بات کیوں کر مان سکتے تھے انہوں نے اسے بھی مار ڈالا۔ وہ چوتھا بظاہر تو ان میں سے تھا۔ لیکن یہ اپنے کی بات ماننے والے بھی نہ تھے۔ شہید کو تو اس شہادت حق پر جو اعزاز ملا اس پر وہ حسرت سے کہنے لگا۔ کاش! میری قوم جان لے کہ مجھے خُدا نے اس پر کیسا نوازا ہے۔

پھر اس پُوری قوم نے ایک زبردست چیخ سُنی۔ یہ اُن پر ایک عذاب تھا جو اُترا اور وہ سب بُجھ گئے۔ ساری شوخی جاتی رہی۔ اسی وقت ہلاک ہو گئے۔

ان کانت الا صیحۃ واحدۃ فاذا ھم خٰمدون۔ (پ۲۳ یٰسین ۲۹)

یاد رکھنے کے لائق ایک نکتہ

اس تمام واقعہ میں ان بھیجے ہوؤں کے لیے مرسلون کا لفظ ہی آیا ہے اور اللہ تعالیٰ نے تصریح کی ہے کہ انہیں ہم نے بھیجا۔ ان تینوں کا ایک جگہ جمع ہونا بتلاتا ہے کہ یہ مستقل شریعتوں کے حامل رسول نہ تھے بلکہ اللہ تعالیٰ نے انہیں کسی نبی کی نیابت میں ان بستی والوں کے پاس بھیجا تھا۔ یہ وہ رسول ہیں جو انبیاء کے درجہ اور ان کے حکم میں ہیں۔ یہ اس معنی میں رسول نہیں جو خدا تعالیٰ کی طرف سے شریعت جدیدہ لاتے ہیں۔ اس اصطلاح میں پہلے رسول حضرت نوح علیہ السلام ہوئے ہیں۔ اس درجے کے رسول صرف ۳۱۳ ہوئے ہیں اور انبیاء ایک لاکھ اور کئی ہزار۔

اس تفصیل سے پتہ چلا کہ رسول اور رسول میں بھی فرق ہے کبھی لفظ مطلق انبیاء کے معنی میں بھی آجاتا ہے۔

تورات کو لے کر چلنے والے رسُول

بنو اسرائیل کی شریعت تورات تھی۔ آیندہ کے سب اسرائیلی نبی اسی کے مطابق فیصلے کرتے رہے۔ قرآن کریم میں ہے:-

انا انزلنا التوراۃ فیہا ھدیً و نور یحکم بہا النبیون۔ (پ۶ المائدہ)

پھر بنو اسرائیل قتل انبیاء کے بھی مرتکب ہوئے۔ ان کے بارے میں قرآن کریم نے خبر دی:-

یقتلون النبیین۔ (پ۱ البقرہ)

اور دوسرے مقام پر اس قتل انبیاء کی یوں حکایت فرمائی:-

افکلما جاء کم رسول بما لا تھوی انفسکم فغریقاً کذبتم و فریقاً یقتلون۔

(پ۱ البقرہ ۸۷)

ترجمہ: پھر بھلا جب تمہارے پاس کوئی رسول آیا وہ حکم لے کر جو تمہیں پسند نہ لگا تو تم کچھ پیغمبروں کو جھٹلاتے رہے اور کچھ رسولوں کو قتل کرتے رہے۔

یہاں رسول وہی مراد ہیں جو حضرت موسیٰ کے بعد آتے اور وہ شریعت تورات لے کر چلے ــــ ان رسولوں میں اور صاحب شریعت جدیدہ رسولوں میں بہت اصولی فرق ہے۔ یہ نکتہ ہمیشہ یاد رکھنا چاہیئے۔

اصحاب القریہ کے ذکر میں نصیحت و موعظت

① یہ عقیدہ کہ بشریت اور رسالت میں تنافی ہے غلط ہے یہ کسی کو مسلمان ہونے نہیں دیتا۔

② اسلامی عقیدہ یہ ہے کہ انبیاء انسانوں میں سے آتے ہیں اور انسان ہوتے ہیں حضرت عیسیٰ بھی انسان تھے خدا یا خدا کے بیٹے نہ تھے۔

③ پیدا کرنیوالے پر اور آخرت پر ایمان لانا ضروری ہے انبیاء اسی لیے آتے ہیں۔

(۳۰) اصحاب السبت (ہفتے والے لوگ)

جس طرح ہم مسلمان جمعہ والے لوگ کہے جاتے ہیں یہود ہفتے والے لوگ ہیں۔ ان کی عبادت کا خاص دن ہفتہ ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے وقت میں یہ خاص دن جمعہ تھا۔ مگر اللہ تعالیٰ نے ملّتِ ابراہیمی کی یہ پیروی حضور خاتم النبیینؐ کی امت میں رکھی اور یہود کے لیے ہفتہ کا دن عبادت کا خاص دن ٹھہرایا اور عیسائیوں کے لیے اتوار کا دن مقدس ٹھہرایا۔ تورات میں ہے:۔

تم سبت کو مانو اس لیے کہ وہ تمہارے لیے مقدس ہے۔ جو کوئی اس کو پاک نہ جانے وہ ضرور مار ڈالا جائے۔ جو اس میں کچھ کام کرے وہ اپنی قوم سے کٹ جائے چھ دن کام کرنا لیکن ساتواں دن آرام کے لیے سبت ہے۔[۱]

یہاں اصحاب سبت سے پوری قوم بنی اسرائیل مراد نہیں بلکہ ان کی وہ جماعت۔ جو بحرِ قلزم کے کنارے آباد تھے۔ مچھلی کا شکار ان کا پیشہ تھا۔ یہ لوگ چھ دن مچھلی کا خوب کاروبار کرتے اور ساتویں دن آرام کرتے اور عبادت میں وقت گزارتے۔

اُدھر خدا کی آزمائش تھی کہ ہفتہ کے دن مچھلیاں پانی میں خوب آتیں۔ یہاں تک کہ یہ لوگ ہاتھ سے بھی پکڑ سکتے۔ اب بعض نے یہ حیلہ تراشا کہ دریا کے کنارے بڑے بڑے گڑھے کھود دیئے جب مچھلیوں کا اُبھار آتا تو مچھلیاں ان گڑھوں میں آگرتیں اور جب پانی اُترتا تو وہ واپس دریا میں نہ جا سکتیں اور پھر یہ اتوار کے دن ان مچھلیوں کو پکڑ لیتے۔

سورۃ اعراف میں ہے:۔

واسئلهم عن القرية التي كانت حاضرة البحر اذ يعدون في السبت۔

(پ۹ الاعراف ۱۶۳)

ترجمہ۔ اور آپ ان سے اس بستی والوں کا حال پوچھیں جو دریا کے کنارے آباد تھی اور یہ لوگ ہفتے کے دن اپنی حد سے تجاوز کرنے لگے ہفتہ کے دن مچھلیاں

پانی کے اُوپر آتیں اور جب ہفتہ نہ ہوتا یہ نہ آتیں۔۔۔۔ پھر جب وہ بڑھنے لگے
اس کام میں جس سے وہ روکے گئے تھے۔ تو ہم نے حکم دیا کہ تم بندر ہو جاؤ ذلیل ہو کر۔

یہ واقعہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے تقریباً گیارہ سو سال پہلے کا بتایا جاتا ہے اور اس کا زمانہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت داؤد علیہ السلام کے درمیانی عرصہ میں کسی وقت کا ہے۔ اس بستی کا نام ایلہ ہے جو دریائے قلزم کے کنارے پر آباد تھی۔ اگر مصر سے مکہ کی طرف سفر کریں تو رستے میں یہ جگہ آتی ہے جہاں ان دنوں ایلہ کی بستی آباد تھی۔

اللہ تعالیٰ نے ان سے عہد لے رکھا تھا کہ ہفتہ کے دن زیادتی نہ کرنا اور ان سے نہایت پختہ عہد لیا تھا۔

وقلنا لهم لا تعدوا فی السبت واخذنا منهم میثاقا غلیظا (پ۶ النساء ۱۵۴)

ترجمہ۔ اور ہم نے انہیں کہا کہ ہفتہ کے دن کوئی زیادتی نہ ہو پائے اور ہم نے ان سے نہایت پختہ عہد لیا تھا۔

پ۱ البقرہ ۶۵، پ۵ النساء ۴۷، پ۶ المائدہ ۶۰، پ۱۴ النمل ۱۲۴ میں بھی اس قوم کا کچھ مختصر ذکر موجود ہے۔

ایک غور طلب بات

کسی قوم پر جب کوئی عذاب آتا ہے تو اس لیے نہیں کہ وہ کام اس قسم کا تھا کہ اس کے کرنے پر دھماکہ ہو۔ بسا اوقات اس میں نظر اس پر ہوتی ہے کہ کس قسم کا حکم توڑا جا رہا ہے۔ وہ اسے گناہ سمجھتے ہوئے یا اسے کسی حیلہ سے گناہ سے نکال کر اس حکم دینے والے کے حکم کو نہ ہونے کے درجے میں لایا جا رہا ہے ——— اس دوسری صورت میں یہ نہ صرف حکم عدولی ہے بلکہ حکم دینے والے سے ایک طور استہزاء بھی ہے۔ اگر یہ حکم اللہ رب العزت کا ہے تو یہ مسئلہ کبھی اس کی غیرت کا موضوع بھی بن جاتا ہے۔

زیر بحث واقعہ ہفتہ کے دن مچھلی کا شکار نہ کرنے کا اپنی ذات میں کوئی ایسا مسئلہ نہیں کہ جس

سے لاپرواہی لتنے بڑے عذاب کو دعوت دے کہ شکلیں مسخ ہو جائیں. لیکن یہ حیلہ جوئی خُدا کی ذات سے اتنا بڑا مذاق ہے کہ اب یہ مسئلہ اس کی عبرت بن گیا اور ان لوگوں کی صُورتیں مسخ کر دی گئیں.

دوسری غور طلب بات

یہ صورتوں کا مسخ ہونا حقیقتہً واقع ہوا یا اُن کی کے قلوب مسخ ہو کر بندروں کے سے ہو گئے حضرت قتادہ. حضرت ضحاک اور ربیع بن انس اس کے قائل ہیں کہ وہ سرکش لوگ صورتًہ بندر بنا دیے گئے تھے قلباً تو وہ پہلے ہی بندر صفت تھے جس کے مطابق انہوں نے حیلے کی یہ راہ اختیار کی. اتنی بڑی سرکشی کے بعد ان کے قلوب کا مسخ ہونا ہمیں سمجھ میں نہیں آتا. سو صحیح یہی ہے کہ یہاں ان نافرمانوں کی سزا واقعی بندر اور سوّر بن جانا ہو تا کہ وہ دیکھنے والوں کے لیے نشانِ عبرت ہوں.

اللہ تعالیٰ نے جب انہیں سزا دی تو اسے اگلوں پچھلوں کے لیے موعظت بنایا اور ظاہر ہے کہ کسی کے دلی احوال تو دوسروں کے لیے کبھی موعظ عبرت نہیں ہوتے اور یہاں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:-

فجعلناها نکالاً لما بین یدیها وما خلفها وموعظة للمتقین. (پ البقرہ ۶۶)

ترجمہ. پھر کیا ہم نے اس واقعہ کو عبرت ان لوگوں کے لیے جو وہاں تھے اور پیچھے آنے والوں کے لیے بھی.

پھر سورۃ اعراف آیت ۱۶۶ میں جب انہیں بندر ہونے کا حکم کُن دیا گیا تو ساتھ صفت خاسئین بھی ذکر فرمائی. یہ اس بات کا قرینہ ہے کہ یہاں وہ بندر مراد ہیں جو دیکھنے والوں کی نظر میں بھی ذلیل نظر آئیں اور یہ مسخ حقیقی سے ہی ہو سکتا ہے پھر سورۃ المائدہ آیت ۶۰ میں فرمایا:-

من لعنه الله وغضب علیه وجعل منهم القردة والخنازیر وعبد الطاغوت اولئك شر مکاناً.

ترجمہ. وہ جس پر لعنت کی اللہ نے اور اس پر غضب نازل کیا اور ان میں سے بعضوں کو بندر کر دیا اور بعضوں کو سُور. اور جنہوں نے بندگی کی شیطان کی وہی لوگ بدتر ہیں درجہ میں.

یہ بعضوں کی تقسیم کو کچھ بندروں کی صورت میں مسخ ہوئے اور کچھ سوروں کی صورت میں بتلاتی ہے کہ یہ صورتوں کا مسخ ہو جانا تھا اور قلباً تو اُن کا بدتر ہونا اُن کی بڑی مار تھا۔

تیسری غور طلب بات

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کہتے ہیں ہم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ یہ جو بندر اور سور موجود ہیں کیا یہ یہود کی نسل سے ہیں (جو مسخ ہوئے) آپ نے فرمایا:۔

لا ان اللّٰہ لم یلعن قوماً قط فیمسخھم فکان لھم نسل ۔ (رواہ احمد)

ترجمہ: نہیں اللہ تعالیٰ نے کبھی کسی قوم پر مسخ کی لعنت نہیں کی کہ اس کی نسل کو اس نے باقی رکھا ہو۔ یہ جانور جانور خدا کی مستقل مخلوق ہیں۔

④ اصحاب الرس

یہ لوگ کب گزرے؟ پ ۲۶ ق آیت ۱۲ میں ہے:۔

کذبت قبلھم قوم نوح واصحاب الرس وثمود وعاد وفرعون واخوان لوط واصحاب الایکۃ وقوم تبع ۔

ترجمہ: جھٹلا چکے ہیں ان سے پہلے قوم نوح، اصحاب الرس، قوم ثمود اور فراعنہ مصر اور اخوان لوط اور اصحاب الایکہ اور قوم تبع۔

اس سیاق سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ بہت پہلے کی قوم ہے جس کا ذکر عاد اور ثمود کے ساتھ کیا جا رہا ہے۔

وعاداً وثمود واصحاب الرس وقروناً بین ذلک کثیراً ۔ (پ ۱۹ الفرقان ۳۸)

رس عربی زبان میں کنویں کو کہتے ہیں۔ اس سرکش قوم نے اپنے نبی کو ایک کنویں میں گرفتار کر رکھا تھا۔ حضرت شاہ عبدالقادر محدث دہلوی لکھتے ہیں:۔

ایک امت نے اپنے رسول کو کنویں میں بند کیا، پھر ان پر عذاب آیا تب وہ رسول خلاص ہوا۔ (وہو مروی عن عکرمہ)

رس کے معنی غار کے بھی ہیں۔ اس لیے بعض لوگوں نے اصحاب الرس سے اصحاب الاُخدود مراد لیے ہیں لیکن یہ صحیح نہیں۔ اصحاب الاخدود حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد ہوئے ہیں۔ ابن عساکر کہتے ہیں اصحاب الرس قوم عاد سے بھی پہلے کے ہیں۔ ان کی طرف جو پیغمبر آئے ان کا نام حنظلہ تھا مسعودی کہتے ہیں اصحاب الرس حضرت ابراہیم کے بعد ہوئے ہیں۔ یہ لوگ حضرت اسمٰعیل کی اولاد میں سے تھے یہ اس طرح ہو تو ماننا پڑتا ہے کہ حضرت اسمٰعیل کے بعد بنو اسمٰعیل میں بھی اور پیغمبر ہوئے جنہیں اصحاب الرس نے جھٹلایا۔ کیونکہ ان کا تذکرہ اس تکذیب انبیاء کے جرم میں ہی کیا گیا ہے۔

⑤ اصحاب الکہف

شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ (ھ) لکھتے ہیں۔ چند نوجوان روم کے ظالم و جبار بادشاہ کے عہد میں تھے جس کا نام بعض نے دقیانوس بتلایا ہے۔ بادشاہ سخت غالی بُت پرست تھا۔ اور جبر و اکراہ سے بُت پرستی کی اشاعت کرتا تھا۔ عالم لوگ سختی اور تکلیف کے خوف اور چند روزہ دنیوی منافع کی طمع سے اپنے مذاہب کو چھوڑ کر بُت پرستی اختیار کرنے لگے ـــــ اس وقت چند نوجوانوں کے دلوں میں جن کا تعلق عمائد سلطنت سے تھا خیال آیا کہ ایک مخلوق کی خاطر خالق کو ناراض کرنا ٹھیک نہیں۔ ان کے دل خشیتِ الٰہی اور نُورِ تقویٰ سے بھرپُور تھے۔ حق تعالیٰ نے صبر واستقلال اور توکّل و تبتّل کی دولت سے مالا مال کیا تھا۔ بادشاہ کے روبرو جا کر انہوں نے نعرہ مستانہ لگایا:۔

لن ندعوا من دونه الٰهاً لقد قلنا اذاً شططاً ۔

ترجمہ: نہ پکاریں ہم اس ایک کے سوا کسی کو معبود، نہیں تو کہی ہم نے بات عقل سے دُور۔

اور ایمانی جرأت و استقلال کا مظاہرہ کر کے دیکھنے والوں کو مبہوت و حیرت زدہ کر دیا. بادشاہ کو کچھ ان کی نوجوانی پر رحم آیا (شاید اس لیے بھی کہ وہ عمائد سلطنت میں سے تھے) اور کچھ دوسرے مشاغل و مصالح مانع ہوئے کہ ان کو فوراً قتل کر دے. چند روز کی مہلت دی کہ وہ اپنے معاملہ میں غور و نظر ثانی کر لیں. انہوں نے مشورہ کر کے طے کیا کہ ایسے فتنہ کے وقت جب کہ جبر و تشدد سے عاجز ہو کر قدم ڈگمگا جانے کا خطرہ ہے. مناسب ہوگا کہ شہر کے قریب کسی پہاڑ میں روپوش ہو جائیں اور واپسی کے لیے مناسب موقع کا انتظار کریں ــــ دُعا کی کہ خداوندا تو اپنی خصوصی رحمت سے ہمارا کام بنا دے اور رُشد و ہدایت کی جادہ پیمائی میں ہمارا سب انتظام درست کر دے. آخر شہر سے نکل کر کسی قریبی پہاڑ میں پناہ لی اور اپنے میں سے ایک کو مامور کیا کہ بھیس بدل کر کسی وقت شہر جایا کرے تا ضروریات خرید کر لا سکے اور شہر کے احوال و اخبار سے سب کو مطلع کرتا رہے.

جو شخص اس کام پر مامور تھا اس نے ایک روز اطلاع دی کہ آج شہر میں سرکاری طور پر ہماری تلاش جاری ہے اور ہمارے اقارب و اعزہ کو مجبور کیا جا رہا ہے کہ ہمارا پتہ بتلائیں یہ مذاکرہ ہو رہا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے ان سب پر نیند طاری کر دی.

کہا جاتا ہے کہ سرکاری آدمیوں نے بہت تلاش کیا. پتہ نہ لگا. تھک کر بیٹھ رہے اور بادشاہ کی رائے سے ایک سیسہ کی تختی پر ان نوجوانوں کے نام اور مناسب حالات لکھ کر خزانہ میں ڈال دیئے گئے تاکہ آیندہ آنے والی نسلیں یاد رکھیں کہ ایک جماعت حیرت انگیز طریقے سے لاپتہ ہو گئی ہے. ممکن ہے آگے چل کر اس کا کچھ سُراغ نکلے اور بعض عجیب واقعات کا انکشاف ہو.

یہ نوجوان کس مذہب پر تھے؟ اس میں اختلاف ہوا ہے. بعض نے کہا ہے کہ نصرانی یعنی اصل دین مسیحی کے پیرو تھے. لیکن ابن کثیر نے قرائن سے اس کو ترجیح دی ہے کہ اصحاب کہف کا قصہ حضرت مسیح سے پہلے کا ہے.

اصحاب الکہف کو اصحاب الرقیم بھی کہا جاتا ہے. رقیم اس تختی کو کہتے ہیں جس پر اُن کے نام

لکھے گئے تھے. قرآن کریم میں ہے :-

ولبثوا فی کھفھم ثلث مائۃ سنین وازدادوا تسعا. (پ۱۵ الکہف ۲۵)

ترجمہ. اور مدت گزری اُن پر اُن کی غار میں تین سو برس اور ان کے اُوپر نو.

یہاں ہم ان پہ گزرے پورے واقعات نہیں بیان کر رہے. اس کے لیے قرآن پاک کی سورۃ کہف کا مطالعہ کریں. جو باتیں یہاں بطور سبق یاد رکھنے کے لائق ہیں. یہ ہیں :-

① اللہ تعالیٰ چاہے تو انسانوں کو بغیر کھانے پینے کے صدیوں زندہ رکھ سکتا ہے اور اس دوران ان کی حرارتِ عزیزی ختم نہیں ہوتی. جاگنے پر اُن کو پھر بھوک لگ آئے اور وہ اس رزق مادی کی تلاش میں نکلیں یہ کوئی ناممکن بات نہیں. اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام اگر فرشتوں کے کسی جہان میں صدیوں رہیں اور ان کو اس رزق مادی کا احتیاج نہ ہو تو یہ بھی کوئی ناممکن بات نہیں.

② یہ کائنات اللہ تعالیٰ کے جس نظامِ فطرت پر چل رہی ہے وہ عام عادت الٰہی ہے. لیکن اللہ تعالیٰ کبھی بعض حالات میں اپنی عادتِ خاصہ بھی ظاہر فرماتے ہیں جس میں پہلے نظام میں خرقِ عادت کا ظہور ہوتا ہے اسے معجزہ کہتے ہیں. جیسے آگ جلائے یہ اس کی فطرت ہے اور جب نہ جلائے تو یہ خرقِ عادت ہے. حضرت ابراہیم علیہ السلام کو جب آگ میں ڈالا گیا تو یہ خدا کی عادتِ خاصہ ظہور میں آئی کہ آگ ہو مگر جلائے نہ — عادتِ عامہ اور عادتِ خاصہ دونوں اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے سو معجزہ فعل خداوندی سے ظہور میں آتا ہے اس میں اعزاز و اکرام پیغمبر کا ہوتا ہے.

③ قرآن کریم نے اصحاب کے نام سے جن قوموں کا تعارف کرایا ہے وہ سب غلطی پر رہے ہیں. جیسے اصحاب القریۃ. اصحاب السبت. اصحاب الرس. اصحاب الایکہ. اصحاب الفیل. اصحاب الاخدود وغیرہ. صرف اصحاب کہف ہیں جو حق پر تھے اور اللہ تعالیٰ نے ان اپنی بے نظر رحمتیں فرمائیں.

⑨ اصحاب الحجر

اصحاب الحجر یہ قوم ثمود کا دوسرا نام ہے. حجر ان کا علاقہ تھا جو مدینہ سے شمال کی طرف واقع

ہے۔ ان کی طرف حضرت صالح علیہ السلام مبعوث ہوئے تھے۔ ایک نبی کا جھٹلانا سب نبیوں کا جھٹلانا ہے۔ قرآن کریم میں ہے:۔

ولقد كذب اصحاب الحجر المرسلين. وأتيناهم اياتنا فكانوا عنها معرضين وكانوا ينحتون من الجبال بيوتا آمنين. فاخذتهم الصيحة مصبحين.

(پ ۱۴ الحجر ۸۳)

ترجمہ۔ اور بے شک جھٹلایا حجر کے رہنے والوں نے رسولوں کو اور دیں ہم نے اُن کو اپنی آیات سو وہ ان سے منہ پھیر گئے وہ اپنے گھر پہاڑوں میں تراشتے رہے کہ وہاں وہ امن سے رہ سکیں گے (ان پر کوئی پکڑ نہ آئے گی) پھر انہیں صبح ہونے کے وقت ایک چیخ نے آ پکڑا۔

پہلے ان لوگوں نے حضرت صالح سے ان لوگوں کی سچائی کا نشان مانگا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے خرقِ عادت سے ایک پہاڑ سے اُونٹنی پیدا کردی۔ وہ اونٹنی خدا کی قُدرت اور حضرت صالح علیہ السلام کی صداقت کا ایک کُھلا نشان تھی۔ اب قوم پر پابندی تھی کہ یہ اونٹنی جدھر چاہے چلی جائے اسے کوئی شخص کوئی تکلیف نہ دے۔

ويقوم هذه ناقة الله لكم اية فذروها تاكل في ارض الله ولا تمسوها بسوء فياخذكم عذاب قريب۔ (پ ۱۲ ہود ۶۴)

ترجمہ۔ اے قوم یہ اللہ کی اونٹنی تمہارے لیے ایک نشان ہے سو چھوڑ دو اس کو کھاتی پھرے اللہ کی زمین میں اور نہ چھونا اس کو کوئی تکلیف دینے کے لیے پھر آ پکڑے گا تم کو عذاب بہت جلد۔

ان میں جو سب سے زیادہ بدبخت تھا اس نے اس اُونٹنی کی کونچیں کاٹ دیں یہ قدار بن سالف تھا۔ ان پر ایک زبردست چیخ آئی اور پہاڑ میں زلزلہ بھی آیا۔ وہ جو اس میں اپنی حفاظت کے لیے مکان تراشتے تھے وہیں دب کر رہ گئے۔ یہ ان پر خدا کی طرف سے ایک عذاب تھا۔

فاخذ تھم الرجفۃ فاصبحوا فی دارھم جثمین. (پ الاعراف ۷۸)

ترجمہ. سوان کو لے لیا ایک زلزلہ نے سو وہ رہ گئے اپنے گھروں میں اوندھے پڑے

کذبت ثمود بطغواھا. اذا نبعث اشقٰھا. فقال لھم رسول اللہ ناقۃ اللہ

وسقیٰھا. فکذبوہ فعقروھا. فدمدم علیھم ربھم بذنبھم فسوٰھا.

ولا یخاف عقبٰھا. (پ۳۰ الشمس)

ترجمہ. جھٹلایا قوم ثمود نے سرکشی سے جب ان میں کا سب سے بڑا بدبخت اُٹھا.
پھر کہا انہیں اللہ کے رسول نے خبردار رہو اللہ کی اونٹنی سے اور اس کے پانی
پینے کی باری سے. پھر انہوں نے حضرت صالح کو جھٹلایا اور اس اونٹنی کے پاؤں
کاٹ ڈالے پھر اُلٹا دیا ان پر ان کے رب نے بسبب ان کے گناہوں کے
پھر برابر کر دیا سب کو اور اُس کو اس بگڑ میں کسی کا خوف کاہے کو.

(۴) اصحاب الجنّۃ (باغ والے متمرّد اور مغرور لوگ)

دُنیا میں سبھی کچھ اسباب نہیں ان کے پیچھے اللہ تعالیٰ کی قدرت اور اس کی مشیت کام کرتی ہے. انسان اسباب پر فریفتہ ہو کر جب اس کو بھلا بیٹھتا ہے تو پھر بسا اوقات آسمانی پکڑ میں آجاتا ہے تب سمجھتا ہے کہ محض اسباب کچھ نہیں. قرآن کریم نے کچھ متمرد اور مغرور لوگوں کا ایک ایسا ہی واقعہ پ۲۹ القلم میں نقل کیا ہے.

ایک باغ والوں کا صبح کھیتی کاٹنے کا پروگرام تھا. مگر بھروسہ صرف اپنے اوپر تھا. انسانی ارادے کے آگے کوئی اور طاقت بھی حائل ہے اسے وہ نہ مانتے تھے. یہ ابھی سوئے ہی تھے کہ ایک جھکڑ آیا اور ہوا کے اس زور سے پورے کا پورا باغ برباد ہو گیا—صبح جب وہ وہاں پہنچے تو محسوس کرنے لگے گویا کسی اور جگہ آگئے ہیں. وہاں باغ تھا ہی نہیں. ایک کہنے لگا کیا میں نے تمہیں یہ نہ کہا تھا کہ اس نعمت پر تم خدا کی پاکی کیوں نہیں بولتے. اب اس نقصان کے بعد تمہیں خدا

یاد آ رہا ہے۔

قرآن کریم میں ایک سُونڈ والے بدبخت کا ذکر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اُسے بھی اور اس کی قوم کو جانچا۔ اس کے بعد فرماتے ہیں :۔

انا بلونٰھم کما بلونا اصحاب الجنۃ اذ اقسموا لیصرمنہا مصبحین۔ ولا یستثنون فطاف علیہا طائف من ربك وھم نائمون فاصبحت کالصریم۔

(ربؔ القلم)

ترجمہ۔ ہم نے ان کو جانچا جیسے ہم نے اصحاب الجنہ کو آزمایا تھا۔ جب انہوں نے قسم کھائی کہ اس باغ کے پھل صبح توڑیں گے اور یہ نہ کہا کہ اگر خدا چاہے پھر چکر لگایا اس باغ کا ایک چکر لگانے والے جھکڑ نے تیرے خدا کے حکم سے اور وہ سوتے ہی رہ گئے۔ پھر صبح کو وہ باغ بالکل کٹ کر رہ گیا۔ پھر جب صبح ہوئی انہوں نے آپس میں آواز دی آؤ سویرے اپنے کھیت پر چلو اگر تمہیں پھل توڑنا ہے۔

⑤ اصحاب الاخدُود

قرآن پاک میں اصحاب اخدود کا ذکر پ۳۰ سورہ بروج میں کیا گیا ہے۔ ان کا زمانہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مابین کا ہے بعض علمار نے اسے ۵۲۵ء کا واقعہ بتایا ہے۔ کچھ ظالم لوگوں نے اپنے وقت کے اہلِ حق کو جلانے کے لیے بڑی بڑی کھائیاں بنائیں۔ ان میں بہت سا ایندھن ڈال کر ان کو دھونکایا۔ اسی پر یہ اصحاب الاخدود کہلائے۔ خد اور اخدُود کھائی اور خندق کو کہتے ہیں۔ اس کی جمع اخادید آئی ہے۔ ان کھائیوں میں اس وقت کے مومن جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے صحیح دین پر تھے ڈالے گئے۔ جن کافروں نے اس وقت کے مسلمانوں کو آگ میں زندہ جلا دیا انہیں اصحاب الاخدود کہتے ہیں۔

حضرت شیخ الاسلام لکھتے ہیں :۔

پہلے زمانہ میں کوئی کافر بادشاہ تھا اس کے ہاں ایک ساحر (جادوگر) رہتا تھا جب ساحر کی موت کا وقت قریب ہوا اس نے بادشاہ سے درخواست کی کہ ایک ہوشیار اور ہونہار لڑکا مجھے دیا جائے تو میں اس کو اپنا علم سکھا دوں تاکہ میرے بعد یہ علم مٹ نہ جائے چنانچہ ایک لڑکا تجویز کیا گیا جو روزانہ ساحر کے پاس جا کر اس کا علم سکھتا تھا۔

راستہ میں ایک عیسائی راہب رہتا تھا جو اس وقت کے اعتبار سے دین حق پر تھا۔ لڑکا اس کے پاس بھی آنے جانے لگا اور خفیہ طور پر راہب کے ہاتھ پر مسلمان ہو گیا اور اس کے فیض صحبت سے ولایت و کرامت کے درجہ کو پہنچا — ایک روز لڑکے نے دیکھا کہ کسی بڑے جانور (شیر وغیرہ) نے راستہ روک رکھا ہے جس کی وجہ سے مخلوق پریشان ہے۔ اس نے ایک پتھر ہاتھ میں لے کر دعا کی کہ اے اللہ! اگر اس راہب کا دین سچا ہے تو یہ جانور میرے پتھر سے مارا جائے۔ یہ کہہ کر پتھر پھینکا جس سے اس جانور کا کام تمام ہو گیا۔ لوگوں میں شعور ہوا کہ اس لڑکے کو عجیب علم آتا ہے کسی اندھے نے سن کر درخواست کی کہ میری آنکھیں اچھی کر دو۔ لڑکے نے کہا میں اچھی کرنے والا نہیں۔ وہ اللہ وحدہ لاشریک ہے۔ اگر تو اس پر ایمان لائے تو میں دعا کروں۔ امید ہے وہ تجھ کو بینا کر دے گا چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

شدہ شدہ یہ خبریں بادشاہ کو پہنچیں۔ اس نے برہم ہو کر لڑکے کو مع راہب اور اندھے کے طلب کر لیا اور کچھ بحث و گفتگو کے بعد راہب اور اندھے کو قتل کر دیا اور لڑکے کی نسبت حکم دیا کہ اسے اونچے پہاڑ سے گرا کر ہلاک کر دیا جائے۔ مگر خدا کی قدرت جو لوگ اس کو لے گئے تھے سب پہاڑ سے گر کر ہلاک ہو گئے اور لڑکا صحیح و سالم چلا آیا۔ پھر بادشاہ نے دریا میں غرق کرنے کا حکم دیا۔ وہاں بھی یہی صورت پیش آئی کہ لڑکا صاف بچ کر نکل آیا اور جو لے گئے تھے وہ سب دریا میں ڈوب گئے۔ آخر بادشاہ نے لڑکے سے کہا، اس نے خود مرنے کی ترکیب بتلائی۔

آپ سب لوگوں کو میدان میں جمع کریں ان کے سامنے مجھے سولی پر لٹکائیں اور یہ لفظ کہہ کر میرے تیر ماریں۔ بسم اللہ رب الغلام (اس اللہ کے نام پر جو

رب ہے اس لڑکے کا) چنانچہ بادشاہ نے ایسا ہی کیا اور لڑکا اپنے رب کے نام پر قربان ہو گیا۔

یہ عجیب واقعہ دیکھ کر یک لخت لوگوں کی زبان سے ایک نعرہ بلند ہوا کہ امنا برب الغلام (ہم سب لڑکے کے رب پر ایمان لائے) لوگوں نے بادشاہ سے کہا کہ لیجیے جس چیز کی روک تھام کر رہے تھے وہی پیش آئی. پہلے تو کوئی اِکّادُکّا مسلمان ہوتا تھا. اب خلق کثیر نے اسلام قبول کر لیا. بادشاہ نے غصہ میں آکر بڑی بڑی خندقیں کھُدوائیں. اُن کو خوب آگ سے بھروا کر اعلان کیا کہ جو شخص اسلام سے نہ پھرے گا اس کو ان خندقوں میں جھونک دیا جائے گا. لوگ آگ میں ڈالے جا رہے تھے لیکن اسلام سے نہیں ہٹتے تھے.

یہاں اس بادشاہ اور اس کے ساتھ بیٹھے وزیروں اور مشیروں کو اصحاب الاخدود کہا گیا ہے جو مسلمانوں کے جلنے کا تماشا دیکھ رہے تھے اور بدبختوں کو ذرا رحم نہ آتا تھا.

حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ فرماتے ہیں کہ صحیح مسلم، جامع ترمذی، مسند احمد وغیرہ میں جو قصہ مذکور ہے اس کا خلاصہ یہ ہے. [۱]

⑨ اصحاب الفیل

یہ واقعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت سے چند روز پہلے کا ہے اس لیے وہ مکہ بلکہ پورے حجاز میں بہت مشہور تھا. یہ اس آخری دور کے سرکش چاہتے تھے کہ بیت اللہ شریف کو غارت کر کے اپنا مصنوعی کعبہ آباد کریں. اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کا اظہار فرمایا اور چھوٹے چھوٹے پرندوں سے بڑے بڑے ہاتھیوں اور ہاتھی والوں کو ہلاک کرا دیا. شیخ الاسلام لکھتے ہیں:۔

بادشاہِ حبشہ کی طرف سے یمن میں ایک حاکم ابرہہ نامی تھا اس نے دیکھا. کہ سارے عرب کعبہ کا حج کرنے جاتے ہیں. چاہا کہ ہمارے پاس جمع ہوا کریں

---

[۱] تفسیر عثمانی ص۸۵۷

امثال القرآن

الحمد للہ وسلامٌ علیٰ عبادہ الّذین اصطفٰی امّا بعد :۔

قرآن کریم نے زندگی کے اُونچے حقائق اور کائنات کی فطری صداقتیں عام فہم مثالوں سے ذہن میں اُتاری ہیں :۔

ویضرب اللہ الامثال للنّاس لعلّھم یتذکّرون۔ (پ۱۳ ابراہیم ۲۵)

ترجمہ۔ اور بیان کرتا ہے اللہ تعالیٰ مثالیں لوگوں کے واسطے تاکہ وہ سوچیں۔

دین فطرت کے عام تعارف اور تدبّر و تذکر پیدا کرنے کے لیے یہ اسلوب بہت بلیغ ہے ہم یہاں قرآن میں بیان کی گئی چند امثال ایک مستقل عنوان سے ہدیۂ قارئین کرتے ہیں، ایک حدیث میں ارشاد ہوا :۔

واتبعوا المحکم وآمنوا بالمتشابھۃ واعتبروا بالامثال۔[1]

ترجمہ۔ پیروی محکمات کی کرو متشابہات پہ ایمان لاؤ (ان پر عقیدے کا مدار نہ رکھو) اور مثالوں سے سبق حاصل کرو۔

نظری حقائق اور نتائج اعمال مثالوں کے تمثیلی نقشوں سے ذہن کے اتنے قریب ہو جاتے ہیں کہ قرآن بالکل آسان ہو جاتا ہے :۔

ولقد یسّرنا القرآن للذکر فھل من مدّکر۔ (پ۲۷ القمر)

ترجمہ۔ اور البتہ ہم نے نصیحت پانے کے لیے قرآن کو آسان کر دیا ہے۔ ہے کوئی نصیحت پکڑنے والا۔

یہ مثالیں اپنے اندر اسرار و رموز کے بھی بے شمار خزانے رکھتی ہیں اور سہل بیان کا حق بھی ادا کر جاتی ہیں۔ سو اسلامی علوم میں امثال القرآن کا موضوع بڑی اہمیت رکھتا ہے اور اس میں غور کرنا قرآن کے ہر طالب علم کے لیے از بس ضروری ہے۔

لوگوں کے حق سے محروم رہنے کی وجہ یا تو یہ ہوتی ہے کہ ان کی قوت نظری کمزور ہے۔ وہ

---

[1] رواہ البیہقی مرفوعاً کمافی البرہان للزرکشی جلد ۱ صہ ۴۸۶

ایمانی حقائق کا تفصیلی جائزہ نہیں لے سکتے اور نہ اپنی قوتِ عملی سے اس نظری کمزوری پر غلبہ پا سکتے ہیں یا ان کے حق سے محروم رہنے کی وجہ ان کا دنیوی لذتوں میں انہماک ہوتا ہے وہ عارضی مال و متاع اور فانی لذتوں میں کھو کر حقیقی زندگی اور ہمیشہ رہنے والے انعامات کو ضائع کر دیتے ہیں۔ قرآن کریم ان کمزوریوں کا تمثیلی پیرائے میں نقشہ کھینچتا ہے اور ایک ایک حالت کو محسوس بنا کر سامنے لاتا ہے۔

① ایمان کی ایک واضح اور محسوس مثال

نظری الجھاؤ سے نکال کر لوگوں کو ہدایت ایک محسوس شکل میں دکھا دینا اس کی مثال لیجئے جو لوگ غلط بیانی سے اپنے آپ کو مومن کہتے تھے ان کے لیے ایمان کی ایک محسوس صورت پیش کر دی بتلا دیا کہ ایمان کا معیار صحابہ کرامؓ کی شخصیاتِ کریمہ ہیں اگر تم خود حقیقتِ ایمان کو نہیں سمجھ سکتے تو اپنے آپ کو صحابہؓ کی کسوٹی پر پرکھ لو :-

① واذا قیل لھم اٰمنوا کما اٰمن النّاس قالوا انؤمن کما اٰمن السّفھاء الا انھم ھم السفھاء ولکن لا یعلمون۔ (پ البقرہ)

ترجمہ۔ اور جب انہیں کہا جائے کہ تم ان لوگوں (صحابہؓ) کی طرح[1] ایمان لاؤ تو کہہ دیتے ہیں کہ کیا ہم ان بے وقوفوں کو معیارِ ایمان سمجھیں ؟ خبردار یہ خود ہی بیوقوف ہیں مگر جانتے نہیں۔

دوسرے مقام پر اس مثال کو ان الفاظ میں پیش کیا :-

② فان اٰمنوا بمثل ما اٰمنتم بہ فقد اھتدوا وان تولّوا فانّما ھم فی شقاق (پ آخر البقرہ ۱۳۷)

---

[1] اس آیۃ شریفہ سے یہ باتیں معلوم ہوئیں۔ ۱۔ صحابہ کرامؓ معیارِ ایمان ہیں۔ ۲۔ صحابہؓ کو معیارِ ایمان نہ ماننا جاہلوں اور بیوقوفوں کا کام ہے۔ ۳۔ صحابہؓ پر تبرا سب سے پہلے منافقوں نے کیا اور انہیں بیوقوف کہا۔ ۴۔ صحابہؓ کو جس نے جو کچھ کہا آسمان کی طرف سے اس نے اپنے لیے وہی کچھ سنا جس نے انہیں السفہاء کہا۔ اس کو یہی جواب ملا۔ الا انھم ھم السفہاء۔

ہے یہ گنبد کی صدا جیسی کہو ویسی سنو

ترجمہ: پس اگر یہ لوگ اس طرح ایمان لائیں جیسا کہ تم (اے صحابۂ پیغمبر خاتم) ایمان لائے ہو تو بے شک یہ ہدایت پر ہیں اور اگر یہ اس اصول سے پھر جائیں تو پھر یہ محض ضد پر ہیں۔

② اہل تثلیث کے لیے ایک عام فہم مثال

جو لوگ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا کا بیٹا کہتے تھے ان کی قوتِ نظری اس غلط فہمی کا شکار تھی کہ حضرت مسیحؑ کا کوئی باپ نہیں اس لیے وہ خدا کے بیٹے ہیں۔ قرآن کریم یہاں ابطالِ الوہیت مسیح کے لیے منطقی مقدمات قائم کرنے کی بجائے ان کی غلطی کو اس تمثیلی رنگ کے اندر زائل کرتا ہے۔

ان مثل عیسیٰ عند اللہ کمثل ادم۔ (پ۳ آل عمران ۵۹)

ترجمہ: عیسیٰ کی مثال اللہ کے نزدیک ایسی ہے جیسے مثال آدم کی۔

یعنی عیسیٰ علیہ السلام کے خدا کا بیٹا ہونے کی اگر یہ وجہ ہے کہ ان کا باپ کوئی نہ تھا تو حضرت آدم علیہ السلام کا بھی تو کوئی باپ نہ تھا بلکہ ان کی تو ماں بھی نہ تھی اس حساب سے تو حضرت آدمؑ کو بھی خدا کا بیٹا کہنا چاہیے۔ حالانکہ اس کا کوئی بھی قائل نہیں۔ غور کیجیے کہ علمی نظریات کو مثال کے پیرایہ میں کس طرح عوامی ذہن کے قریب کر دیا ہے۔

③ منافقین کی ایک مثال

منافق وہ لوگ ہیں جن کی زبان پر اسلام اور دل میں کفر ہو وہ باہر کے نور سے آراستہ (الفاظ کلمہ کے قائل) اور اندر کے نور (تصدیق قلبی) سے خالی ہوتے ہیں ان کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی اندھا کسی روشن ماحول میں بیٹھا ہو کہ اس کے اردگرد تو روشنی ہو لیکن وہ خود اندر کی روشنی سے محروم ہو۔ اسی طرح منافقین نورِ ایمان سے محروم ہیں۔

مثلھم کمثل الذی استوقد نارا فلما اضاءت ما حولہ ذھب اللہ

بنورھم وترکھم فی ظلمات لا یبصرون۔ (پ۱ البقرہ ۱۷)

ترجمہ۔ ان کی مثال اس شخص کی سی ہے جس نے آگ جلائی پھر جب آگ نے اس کے تمام ماحول کو روشن کر دیا تو اللہ تعالیٰ نے انہیں ان کی روشنی سے محروم کر دیا اور انہیں ایسے اندھیروں میں چھوڑ دیا کہ کچھ بھی نہ دیکھ سکیں۔

وہ یہ نہ سمجھیں کہ ہم صرف فائدے سے محروم رہے۔ نہیں بلکہ انہوں نے اپنے لیے خطرے بھی بہت سے مول لے لیے جس طرح رات کے اندھیروں میں بادل کی گرج بجلی کی کڑک اور موسلا دھار بارش کے ہولناک مواقع کانوں میں انگلیاں دینے سے رک نہیں سکتے۔ اور قریب ہے کہ بجلی اُن کی آنکھیں اُچک لے جائے۔ اسی طرح منافقین کے اعمال انہیں نتائج اعمال سے بے نیاز نہیں کر سکتے۔

۴ منافقین کی ایک اور مثال

او کصیب من السماء فیہ ظلمت ورعد وبرق یجعلون اصابعھم فی اذانھم من الصواعق حذر الموت واللہ محیط بالکفرین۔ (پ البقرہ ۱۹)

ترجمہ۔ یا ان کی مثال ایسی ہے جیسے آسمان کی طرف سے زوردار بارش برس رہی ہو اس میں اندھیرے ہوں گرج ہو اور بجلی ہو اور یہ لوگ بجلی کی کڑک سے اپنے کانوں میں انگلیاں دینے لگیں کہ کہیں موت نہ آ جائے اللہ تعالیٰ ایسے کافروں کو پوری طرح احاطہ کرنے والے ہیں۔

اس مثال میں سمجھا دیا کہ منافقین کس طرح بیہودہ تدبیروں سے اپنا بچاؤ چاہتے ہیں مگر حق تعالیٰ کی قوت سب طرف سے کفار کا احاطہ کیے ہوئے ہے اس کی گرفت اور عذاب سے وہ کسی طرح بچ نہیں سکتے۔ غور کیجیے کہ غیر مرئی حقیقتیں کس طرح تمثیلی نقشوں سے عوامی ذہن کے قریب کر دی گئی ہیں۔

۵ حق اور باطل کی مثال

انزل من السماء ماءً فسالت اودیۃ بقدرھا فاحتمل السیل زبدًا رابیاً

ومما یوقدون علیه فی النّار ابتغاء حلیۃٍ او متاع زبدٌ مثلہ کذٰلک یضرب اللہ الحقّ والباطل فامّا الزبد فیذھب جفاءً وامّا ما ینفع النّاس فیمکث فی الارض کذٰلک یضرب اللہ الامثال۔

(پ۱۳ الرعد۱۷)

ترجمہ۔ آسمان سے بارش اُتری جس سے ندی نالے اپنے اپنے ظرف کے مطابق بہہ نکلے پھر چلنے سے جھاگ (اور کوڑا کرکٹ وغیرہ) پھول کر اُوپر آگیا جیسے تیز آگ میں (سونا چاندی تانبا لوہا اور دوسری) معدنیات پگھلاتے ہیں تاکہ زیور برتن اور ہتھیار وغیرہ تیار کریں تو ان میں بھی اسی طرح جھاگ اُٹھتا ہے یہی حق اور باطل کی مثال ہے جھاگ (تو تھوڑی دیر بعد) خشک (یا منتشر) ہو جاتا ہے اور جو چیز اصل کارآمد ہوتی ہے وہ زمین میں باقی رہ جاتی ہے اسی طرح بیان کرتا ہے اللہ تعالیٰ مثالیں۔

جب وحی آسمانی دینِ حق کو لے کر اترتی ہے تو قلوب بنی آدم اپنے اپنے ظرف اور استعداد کے مطابق فیض حاصل کرتے ہیں پھر حق اور باطل باہم بھڑ جاتے ہیں تو میل اُبھر آتا ہے بظاہر باطل جھاگ کی طرح حق کو دبالیتا ہے لیکن اس کا یہ اُبال عارضی اور بے بنیاد ہے تھوڑی دیر بعد اس کے جوش و خروش کا پتہ نہیں رہتا خدا جانے کدھر گیا جو اصلی اور کارآمد چیز جھاگ کے نیچے دبی ہوئی تھی (یعنی حق و صداقت) بس وہی رہ گئی۔

دیکھو خدا کی بیان کردہ مثالیں کیسی عجیب ہوتی ہیں کیسے مؤثر انداز میں سمجھایا کہ دُنیا میں جب حق و باطل بھڑتے ہیں یعنی دونوں کا جنگی مقابلہ ہوتا ہے تو گو بڑے چندے باطل اونچا اور پھولا ہوا نظر آتا ہے لیکن آخر کار باطل کو منتشر کر کے حق ہی ظاہر اور غالب ہو کر رہے گا کسی مومن کو باطل کی عارضی نمائش سے دھوکا نہ کھانا چاہیئے۔ اسی طرح کسی انسان کے دل میں جب حق اُتر جائے کچھ دیر کے لیے اوہام و وساوس زور شور دکھلائیں تو گھبرانے کی بات نہیں تھوڑی دیر میں یہ اُبال بیٹھ جائے گا اور خالص حق ثابت و مستقر

رہے گا۔ اس مثال میں حق و باطل کے مقابلہ کی کیفیت بتلادی۔[1]

(۲) حق اور باطل کی ایک اور مثال

الم تر کیف ضرب اللہ مثلا کلمۃ طیبۃ کشجرۃ طیبۃ اصلھا ثابت وفرعھا فی السماء ٥ توتی اکلھا کل حین باذن ربھا و یضرب اللہ الامثال للناس لعلھم یتذکرون ٥ ومثل کلمۃ خبیثۃ کشجرۃ خبیثۃ اجتثت من فوق الارض مالھا من قرار۔ (۱۳پ ابراہیم ۲۶)

ترجمہ: کیا تم نے نہیں دیکھا کیسی بیان کی اللہ نے مثال پاک بات ایسی ہے جیسے ایک نہایت ستھرا درخت ہو جس کی جڑیں بہت مضبوط ہوں (زمین کی گہرائیوں میں پھیلی ہوئی ہوں کہ زور کا جھکڑ بھی جڑ سے نہ اکھیڑ سکے) اور ٹہنیاں آسمان تک پھیلی ہوئی ہوں (بہت اونچی اور زمینی کثافتوں سے دور ہوں) اپنے پروردگار کے حکم سے وہ اپنا پھل ہر وقت لاتا ہو اور بیان کرتا ہے اللہ تعالیٰ مثالیں لوگوں کے لیے تاکہ وہ فکر کریں اور گندی بات (کلمہ کفر اور غلط بات) کی مثال ایسی ہے جیسے ایک خبیث درخت ہو جو زمین کے اوپر سے اکھڑا ہوا ہو اور اسے کچھ ٹھہراؤ نہ ہو۔

شیخ الاسلامؒ لکھتے ہیں:۔

دونوں مثالوں کا حاصل یہ ہوا کہ مسلمانوں کا دعوےٰ توحید و ایمان سچا اور سچا ہے جس کے دلائل نہایت صاف صحیح اور مضبوط ہیں موافق فطرت ہونے کی وجہ سے اس کی جڑیں قلوب کی پہنائیوں میں اتر جاتی ہیں اور اعمالِ صالحہ کی شاخیں آسمان قبول تک جالگتی ہیں۔ الیہ یصعد الکلم الطیب والعمل الصالح یرفعہ (پ فاطر) اس کے لطیف و شیریں ثمرات سے موحدین کے کام و دہن ہمیشہ لذت اندوز ہوتے ہیں۔ الغرض حق و صداقت اور توحید و

---

[1] فوائد القرآن شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ ص ۳۲۵

معرفت کا سدابہار درخت روز بروز پھولتا پھلتا اور بڑی پائیداری کے ساتھ اُونچا ہوتا رہتا ہے اس کے برخلاف جھوٹی بات اور شرک و کفر کے دعوے باطل کی جڑ بنیاد کچھ نہیں ہوتی ہوا کے ایک جھٹکے میں اکھڑ کر جا پڑتا ہے ناحق بات کے ثابت کرنے میں خواہ کتنے ہی زور لگائے جائیں لیکن انسانی ضمیر اور فطرت کے مخالف ہونے کی وجہ سے اس کی جڑیں دل کی گہرائی میں نہیں پہنچتیں تھوڑا دھیان کرنے سے غلط معلوم ہونے لگتی ہے اسی لیے مشہور ہے کہ جھوٹ کے پاؤں نہیں ہوتے یعنی سچ کی طرح اپنے پاؤں نہیں چلتا۔[1]

⑦ دُنیا کی زندگی کی مثال

انما مثل الحیوٰة الدنیا کماءٍ انزلنٰه من السماء فاختلط به نبات الارض مما یاکل الناس و الانعام ط حتیٰ اذا اخذت الارض زخرفها و ازینت وظن اهلها انهم قادرون علیها اتٰها امرنا لیلاً او نهارًا فجعلنٰها حصیدًا کان لم تغن بالامس کذٰلك نفصل الاٰیات لقوم یتفکرون۔ (پ یونس ع ۳)

ترجمہ۔ دنیا کی زندگی کی مثال ایسی ہے جیسے ہم نے آسمان سے پانی اُتارا، پھر رلا ملا نکلا اس سے سبزہ زمین کا جسے آدمی اور چارپائے سب کھاتے ہیں پھر جب زمین رونق لے آئی اور مزین ہو گئی مالک سمجھنے لگے کہ یہ سب ہمارے ہاتھ لگے گی کہ اتنے میں ہمارا حکم آ پہنچا رات ہو یا دن پھر ہم نے اُسے اس طرح کٹی ہوئی کر دیا گویا کہ وہ کل تھی ہی نہیں اسی طرح ہم کھول کر بیان کرتے ہیں اپنی نشانیاں ان لوگوں کے لیے جو غور سے کام لیں۔

یعنی ناگہاں خدا کے حکم سے دن میں یا رات میں کوئی آفت آ پہنچی مثلاً بگولا آ گیا اولے پڑ گئے یا ٹڈی دل پہنچ گیا وعلیٰ ہذا القیاس جس نے تمام زراعت کا ایسا

---

[1] فوائد القرآن صـ

صفایا کر ڈالا گویا یہاں ایک تنکا بھی نہ اُگا تھا ٹھیک اسی طرح حیاتِ دُنیا کی مثال سمجھ لو خواہ کتنی ہی حسین تر وتازہ نظر آئے حتیٰ کہ بے وقوف لوگ اس کی رونق اور دلربائی پر مفتون ہو کر اصل حقیقت کو فراموش کر دیں لیکن اس کی یہ شادابی اور زینت و بہجت محض چند روزہ ہے جو بہت جلد زوال و فنا کے ہاتھوں نسیاً منسیا ہو جائے گی۔ حضرت شاہ صاحبؒ نے اس مثال کو نہایت لطیف طرز میں خاص انسانی حیات پر منطبق کیا ہے یعنی پانی کی طرح روح آسمان (عالم بالا) سے آئی کالبد خاکی میں مل کر پھر قوت پکڑی دونوں کے ملنے سے آدمی بنا پھر کام کیے انسانی اور حیوانی دونوں طرح کے جب پر ہنر میں پورا ہوا اور اس کے متعلقین کو اس پر بھروسہ ہو گیا ناگہاں موت آ پہنچی جس نے ایک دم میں سارا بنا بنایا کھیل ختم کر دیا پھر ایسا بے نام و نشان ہوا گویا کبھی زمین پر آباد بھی نہ ہوا تھا۔ [۱]

⑧ دنیا کی زندگی کی ایک اور مثال

واضرب لهم مثل الحيٰوة الدنيا كماءٍ انزلناه من السماء فاختلط به نبات الارض فاصبح هشيمًا تذروه الرياح وكان الله على كلّ شيءٍ مقتدرًا۔ (پ ۱۵ الكهف ۴۵)

ترجمہ۔ اور بتلا دے ان کو دنیا کی زندگی کی مثال ایسی ہے جیسے ہم نے اُوپر سے پانی اتارا پھر اس کے ساتھ زمین کا سبزہ رلا ملا نکلا پھر اگلے دن ہو گیا چورا چورا جسے ہوائیں بکھیر رہی ہوں اور اللہ تعالیٰ کو ہر چیز پر قدرت ہے۔

دنیا کی عارضی بہار اور فانی و سریع الزوال تروتازگی کی مثال ایسی سمجھو کہ خشک اور مُردہ زمین پر بارش کا پانی پڑا وہ یک بیک جی اُٹھی۔ گنجان درخت اور مختلف اجزاء سے رلا ملا سبزہ نکل آیا لہلہاتی کھیتی آنکھوں کو بھی بھلی معلوم ہونے لگی مگر چند روز ہی گزرے کہ زرد ہو کر سوکھنا شروع

---

[۱] فوائد القرآن صد ۲۷۳

ہوئی۔ آخر ایک وقت آیا کہ کاٹ چھانٹ کر برابر کر دی گئی پھر ریزہ ریزہ ہو کر ہوا میں اڑائی گئی یہ حال دنیا کے دیدہ زیب اور ابلہ فریب بناؤ سنگار کا سمجھو چند روز کے لیے خوب ہری بھری نظر آتی ہے آخر میں چورہ ہو کر ہوا میں اُڑ جائے گی اور کٹ چھٹ کر سب میدان صاف ہو جائے گا۔

⑨ دُنیا کی زندگی کی ایک اور مثال

اعلموا انّما الحیٰوۃ الدنیا لعب ولھو وزینۃ وتفاخر بینکم وتکاثر فی الاموال والاولاد کمثل غیث اعجب الکفّار نباتہ ثم یھیج فتراہ مصفرًا ثم یکون حطاما وفی الاخرۃ عذاب شدید ومغفرۃ من اللہ ورضوان وما الحیٰوۃ الدنیا الامتاع الغرور۔ (رکوع۲ الحدید)

ترجمہ۔ جان رکھو دُنیا کی زندگی (اوّلاً) ایک کھیل پھر تماشا (اس کے بعد) بناؤ سنگار اور پھر بڑائی حاصل کرنا ہے اور (پھر آخر عمر میں) مال و اولاد کی بہتات طلبی یہ اسی طرح ہے جیسے بارش ہو کسانوں کو اس کا سبزہ اچھا لگ رہا ہو پھر اس کا اگنا زور پر ہو اور پھر اُسے تو زرد دیکھنے لگے یہاں تک کہ پھر وہ چُورا چُورا ہو جائے اور آخرت میں سخت عذاب بھی ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے مغفرت اور رضامندی کا مقام بھی ہے اور دُنیا کی زندگی تو محض ایک دھوکے کا سامان ہے۔

⑩ اپنے بنائے معبودوں کی کمزوری کی مثال

اللہ کے سوا جن کو معبود بنایا گیا ان کی مثال قرآن سے سُنیے۔ اس سے زیادہ ان کی کمزوری اور کس پیرائے میں لائی جا سکتی ہے:۔

یاایّھا النّاس ضرب مثل فاستمعوا لہ ۰ ان الذین تدعون من دون اللہ لن یخلقوا ذبابًا ولو اجتمعوا لہ وان یسلبھم الذباب شیئًا لا

یستنقذ وہ منہ ضعف الطالب والمطلوب ما قدروا اللہ حق قدرہ
ان اللہ لقویٌ عزیز۔ (پ۱۷ الحج ۷۳)

ترجمہ۔ اے لوگو! ایک مثال بیان کی گئی ہے جسے کان لگا کر سنو! اللہ کے سوا تم جن جن کو پکارتے (پوجتے) ہو وہ ایک مکھی بھی نہیں بنا سکتے۔ خواہ سارے کے سارے اس کے لیے کیوں نہ جمع ہو جائیں اور اگر مکھی ان سے کوئی چیز اُچک لے جائے تو یہ اس سے بھی اسے نہ چھڑا سکیں یہاں طالب اور مطلوب دونوں کمزور ہیں۔ یہ لوگ اللہ کی قدر کو نہیں سمجھے جیسا کہ اس کی قدر کا حق ہے بے شک اللہ تعالیٰ ہی قوی اور غالب ہیں۔

بعض لوگ بُتوں کو پکارتے ہیں بعض آگ کو اپنا مشکل کشا سمجھتے ہیں بعض پانی کو پُوجتے ہیں بعض انبیاء و اولیاء کو مافوق الاسباب پکارتے ہیں مسیحی قوم میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی حاجت روائی کا دم بھرتی ہیں اللہ تعالیٰ نے خالق ہونے کی وحدانیت کو بیان کرتے ہوئے ان سب کے بارے میں فرما دیا کہ ان میں سے کوئی بھی یہ قدرت نہیں رکھتا کہ ایک مکھی کو بھی پیدا کر سکے۔ اگر کسی کو بھی اتنا اختیار ہوتا تو اللہ تعالیٰ ان سب کی نفی کو اپنی شانِ توحید اور شان قدر سے ہرگز و البتہ نہ فرماتے تخلیق کے باب میں سب کمزور ہیں بُت ہوں یا درخت، آگ ہو یا پانی، سورج ہو چاند، پیغمبر ہوں یا فرشتے اگر ان میں سے کوئی بھی مستقل قدرت اور اختیار رکھتا تو رب العزت ان سب کی یک قلم نفی نہ فرماتے۔ یہ شبہ نہ کیا جائے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام پرندے بنا کر اُڑا دیتے تھے اور بعض فرشتے بھی تکوینی طور پر ایسے کاموں پر مامور ہیں اس لیے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا کام فقط پرندے کی صورت بنانا تھا اس میں جان ڈالنا اور اُڑا دینا یہ اللہ رب العزت کی شان تھی اہل سنت کے عقیدہ میں معجزہ اللہ تعالیٰ کا فعل ہے جو پیغمبروں کے اکرام و اعزاز اور ان کی تصدیق کے لیے ان کے ہاتھوں سے ظاہر کیا جاتا ہے اسی طرح فرشتے بھی ایسے کاموں پر تکویناً مامور ہونے کے باوجود اپنے مستقل ارادے اور اختیار سے ایک مکھی بنانے کی بھی قدرت نہیں رکھتے۔

(۱۱) مکڑی کے جالے کی مثال

مثل الذین اتخذوا من دون اللہ اولیاء کمثل العنکبوت اتخذت بیتاً وان اوھن البیوت لبیت العنکبوت لو کانوا یعلمون (پ۲۰ عنکبوت ۴۱)

ترجمہ۔ ان لوگوں کی مثال جنہوں نے اللہ کے سوا اور کارساز بنا رکھے ہیں ایک مکڑی کی سی ہے جس نے اپنا گھر بنا رکھا ہو اور بے شک سب گھروں میں بودا (اور سب سے کمزور سہارا) مکڑی کا گھر ہے اگر یہ جانتے ہوتے۔

اس مثال سے مشرکین کے کمزور سہاروں کا نقشہ پوری طرح سامنے آجاتا ہے۔

(۱۲) آخرت پر ایمان نہ لانے والوں کی مثال

للذین لا یؤمنون بالآخرۃ مثل السوء وللہ المثل الاعلیٰ وھو العزیز الحکیم۔ (پ۱۴ النحل ۶۰)

ترجمہ۔ جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں لاتے اُن کی بُری مثال ہے اور اللہ کی شان تو سب سے اُوپر ہے اور وہ زبردست حکمت والا ہے۔

اب ان مثالوں کو سُنیئے

صمٌّ بکمٌ عمیٌ فھم لا یرجعون۔ (پ۱ البقرہ ۱۸)

ترجمہ۔ بہرے ہیں گونگے ہیں اندھے ہیں سو وہ نہ لوٹیں گے۔

پھر ایک دوسرے مقام پر ہے :۔

افانت تھدی العمی ولو کانوا لا یبصرون۔ (پ۱۱ یونس ۴۳)

ترجمہ۔ کیا آپ راہ دکھائیں گے اندھوں کو اگرچہ وہ سوجھ نہ رکھتے ہوں۔

ان کفار کو بہرے گونگے اور اندھے کہا گیا جو نہ حق سُن سکیں نہ مان سکیں اور نہ دیکھ سکیں پھر یہ بھی فرمایا کہ کافر اور مومن کا فرق وہی ہے جو بینا اور نابینا یا بہرے اور سننے والے کا ہے۔

مثل الفریقین کالاعمی والاصم والبصیر والسمیع ھل یستویان مثلاً۔

(پ ۱۲ ہود ۲۴)

ترجمہ۔ مثال ان دونوں فرقوں کی ایسے ہے جیسے ایک اندھا اور بہرا ہو اور دوسرا دیکھتا ہو اور سنتا بھی ہو۔ کیا یہ دونوں برابر ہو سکتے ہیں۔

وما یستوی الاحیاء ولا الاموات ان اللہ یسمع من یشاء و ما انت بمسمع من فی القبور۔ (پ ۲۲ فاطر ۲۲)

ترجمہ۔ اور برابر نہیں جیتے اور نہ مُردے بے شک اللہ تعالیٰ جسے چاہے سُنوائے اور آپ ترقبر والوں کو سُنانے والے نہیں ہیں۔

ولما ضرب ابن مریم مثلاً اذا قومك منه یصدون بل ھم قوم خصمون۔

(پ ۲۵ الزخرف ۵)

ترجمہ۔ اور جب مثال لائی جائے مریم کے بیٹے کی سو تیری قوم اس سے چلانے لگتے ہیں.... اور بے شک وہ علامات قیامت میں سے ہے۔

(۱۴) علماء سوء کی ایک مثال

مثل الذین حملوا التورات ثم لم یحملوھا کمثل الحمار یحمل اسفاراً۔ (پ ۲۸ الجمعہ ۱)

ترجمہ۔ مثال ان لوگوں کی جن پر لادی گئی تورات پھر نہ اُٹھائی انہوں نے ایسے ہے جیسے گدھا کتابیں اُٹھائے ہوئے ہو۔

بھلا یہ دونوں برابر ہو سکتے ہیں پھر ان کفار کو مُردے بھی کہا گیا جو قبروں میں پڑے ہوں کہیں نصاریٰ کے لیے جھگڑالو کی تعبیر اختیار کی گئی اور ان حاملین تورات (یہود) کو جو اس کے مقتضا پر عمل نہ کریں اس گدھے سے تشبیہ دی گئی جس پر کتابیں لدی ہوں اور وہ ان سے مستفید نہ ہو سکے۔ ان اللہ کی آیات جھٹلانے والوں کے لیے مثالیں ایسی ہی ہیں اور وہ کسی اچھے کلمے کے ہرگز مستحق نہ تھے۔

بئس مثل القوم الذین کذبوا بآیات اللہ۔ (پ ۲۸ الجمعہ ۵)

ترجمہ۔ ان لوگوں کی مثال بہت بُری ہے جنہوں نے اللہ کی باتیں جھٹلا دیں۔
ساءَ مثلِ القوم الّذین کذّبوا بآیٰتنا وانفسھم کانوا یظلمون۔
(پ۹ الاعراف ۱۷۷)
ترجمہ۔ ان لوگوں کی مثال بہت بُری ہے جنہوں نے ہماری آیات جھٹلا دیں اور اپنا ہی نقصان کرتے رہے۔

⑭ بُلندی سے گرنے والے بدقسمت کی مثال

ایک شخص جو پہلے خدا پرست اور درویش تھا لیکن اس کے بعد ہدایتِ خداوندی سے منہ موڑ کر عورت کے اغوا، یا دولت کے لالچ میں گھر گیا تھا اس کے زمینی شہوات اور لذات کی طرف جھک پڑنے اور نفسانی خواہشات کے پیچھے چلنے کی مثال اس کتے کے حال سے دی گئی جس کی زبان باہر لٹکی ہو اور وہ بدحواسی اور پریشانی میں ہانپ رہا ہو۔

ولو شئنا لرفعناہ بہا ولکنہ اخلد الی الارض واتبع ھواہ فمثلہ کمثل الکلب ان تحمل علیہ یلھث او تترکہ یلھث ذٰلک مثل القوم الذین کذبوا بآیٰتنا۔ (پ۹ الاعراف ۱۷۶)

ترجمہ۔ ہم چاہتے تو اس کا مرتبہ بلند بھی کر دیتے لیکن وہ تو زمین کا ہی ہو رہا تھا اور اپنی خواہش کے پیچھے ہی چلا جا رہا تھا اس کی مثال ایسی ہو گئی جیسے ایک کتّا ہو اس پر تم بوجھ لادے تو ہانپے اور بوجھ اُٹھا دے تو تب بھی ہانپے یہ مثال ہے ان لوگوں کی جنہوں نے ہماری باتوں کو جھٹلا دیا۔

شیخ الاسلامؒ لکھتے ہیں :۔

اسی طرح سفلی خواہشات میں منہ مارنے والے کتے کا حال ہوا کہ اخلاقی کمزوری کی وجہ سے آیات اللہ کا دیا جانا اور نہ دیا جانا یا متنبہ کرنا اور نہ کرنا دونوں حالتیں اس کے حق میں برابر ہو گئیں۔ سواءٌ علیھم ءانذرتھم ام لم تنذرھم لا یؤمنون۔ حرص دنیا سے اس کی زبان باہر لٹک پڑی اور ترکِ آیات کی نحوست

سے بدحواسی اور پریشانی خاطر کا نقشہ برابر ہانپتے رہنے کی مثال میں ظاہر ہوا۔
—— یہاں ایسے ہوا پرستوں کا انجام بتلایا گیا جو حق کے قبول کرنے یا پوری طرح سمجھ لینے کے بعد محض دنیوی طمع اور سفلی خواہشات کی پیروی میں احکامِ الٰہیہ کو چھوڑ کر شیطان کے اشاروں پہ چلنے لگیں اور خدا کے عہد و میثاق کی کچھ پرواہ نہ کریں —— علماء سوء کے لیے ان آیات میں بڑا عبرتناک سبق ہے اگر دھیان کریں۔[1]

⑮ کفّار کے اعمال کی مثال

والّذین کفروا اعمالھم کسراب بقیعۃ یحسبہ الظمآن ماءً حتّٰی اذا جاءہ لم یجدہ شیئًا ووجد اللّٰہ عندہ فوفّاہ حسابہ واللّٰہ سریع الحساب ۝ اوکظلماتٍ فی بحرٍ لجّیٍّ یغشٰہ موج من فوقہ موج من فوقہ سحاب۔ ظلمات بعضھا فوق بعض اذا اخرج یدہٗ لم یکد یراھا ومن لم یجعل اللّٰہ لہ نورًا فمالہ من نور۔ (پ۱۸ النور ۴)

ترجمہ۔ جو لوگ کافر ہیں اُن کے اعمال یُوں ہیں۔ ۱۔ جیسے جنگل میں ریت ہو اور پیاسا اسے پانی سمجھ رہا ہو یہاں تک کہ جب وہ اس کے پاس پہنچے اسے کچھ نہ پائے اور دیکھے کہ اللہ تعالیٰ اس کا حساب لینے کے لیے وہاں موجود ہے اور اللہ تعالیٰ جلد حساب لینے والا ہے۔ ۲۔ یا جیسے گہرے دریا میں اندھیرے ہوں اس کے اُوپر لہر پہ لہر چڑھی آ رہی ہو پھر اس کے اُوپر گہرا بادل ہو۔ اندھیرے ہی ہوں ایک دوسرے کے اُوپر یہاں تک کہ ہاتھ سجھائی نہ دے اور جسے اللہ ہی روشنی نہ دے تو اسے روشنی کہاں سے مل سکتی ہے۔

کافروں کے اعمال دو قسم کے ہیں ایک وہ جنہیں وہ اپنے خیال میں اچھا سمجھ کر کرتے ہیں اور گمان کرتے ہیں کہ ان کے یہ اعمال اُن کی آخرت میں کام آئیں گے دوسرے وہ اعمال

[1] فوائد القرآن صـ۲۲۴

ہیں جو خود ان کے اپنے نزدیک بھی فسق و کفر اور ظلم و عصیاں ہیں وہ ظاہری چمک بھی نہیں جو سراب میں ہوتی ہے اس آیت شریفہ میں ہر دو قسم کے اعمال کی تمثیل فرمائی۔ پہلی قسم کے اعمال بظاہر اچھے بھی ہوں تو کفر کی وجہ سے وہ اللہ کے ہاں مقبول و معتبر نہیں اکائی کے بائیں طرف لگنے والے صفر خواہ کتنے ہی کیوں نہ ہوں سب بے قیمت ہوتے ہیں جو اعمال بغیر ایمان کے ہوں ان کی کوئی قیمت نہیں ایسے اعمال کی مثال اس چمکتی ریت کی سی ہے جو کسی فریب خوردہ کو پانی دکھائی دے رہی ہو اور دوسری قسم کے لوگ تو تہ بر تہ اندھیروں کے نیچے دبے ہیں وہاں کسی جہت اور ظاہر کے لحاظ سے بھی روشنی کی کوئی کرن نہیں ہر طرف اندھیرا ہی اندھیرا ہے۔

دیکھئے کس نفیس انداز میں اعمال کفار کی تمثیل و تشبیہ بیان کی جا رہی ہے اور کس طرح یہ مثال ہر دو قسم کے کافروں کو شامل ہے قرآن کریم کی تمثیلات اور تشبیہات عجیب قسم کی لطافت اور نہایت نفیس شان بلاغت کا مظہر ہیں۔ ان سے مضمون بھی آسان ہو جاتا ہے اور بات بھی پوری طرح ذہن میں اتر جاتی ہے۔

(۱۶) اعمال کفّار کی ایک اور مثال

مثل الّذین کفروا بربّھم اعمالھم کرماد اشتدت به الریح فی یوم عاصف لا یقدرون مما کسبوا علیٰ شیء ذٰلك ھو الضلال البعید۔ (پ۱۳ ابراہیم ۱۸)

ترجمہ۔ کافروں کے اعمال کی مثال اس راکھ کی سی ہے جس پر زور کی ہوا چلے اور وہ دن بھی آندھی کا ہو جس طرح ان کے ہاتھ ان کی کمائی میں سے کچھ نہیں لگے اسی طرح یہ بھی بہک کر دور جا پڑنا ہے۔

بعض کفار کو یہ خیال ہو سکتا تھا کہ آخر ہم نے دنیا میں بہت سے اچھے کام صدقہ و خیرات کی مد میں کیے۔ ہماری خوش اخلاقی لوگوں میں مشہور ہوئی بہتیرے آدمیوں کی مصیبت میں کام آئے اور کسی نہ کسی عنوان سے خدا کی پوجا بھی کی کیا یہ سب کیا کرایا اور دیا دلایا اس وقت کام نہ آئے گا اس کا جواب اس تمثیل میں دیا یعنی جب خدا کی صحیح معرفت نہیں محض فرضی اور وہمی

خدا کو پوجتا ہے اس کے تمام اعمال بے روح اور بے وزن ہیں وہ محشر میں اسی طرح اڑ جائیں گے جس طرح آندھی کے وقت جب زور کی ہوا چلے تو راکھ کے ذرات اڑ جاتے ہیں۔

⑰ اعمال کفّار کی ایک اور مثال

مثل ماینفقون فی هٰذه الحیٰوة الدنیا کمثل ریح فیها صرٌّ اصابت حرث قوم ظلموا انفسهم فاهلکته وما ظلمهم الله ولٰکن انفسهم یظلمون.

(پ۴ آل عمران ۱۱۷)

ترجمہ: یہ لوگ جو دُنیا کی زندگی میں خرچ کرتے ہیں ان کی مثال ایسی ہے جیسے ہوا ہو جس میں پالا ہو اور وہ جا لگے اس قوم کی کھیتی کو جس نے اپنے حق میں بُرا کیا ہوا تھا اور اسے تباہ کر دے اور اللہ نے ان پر (کافروں پر) ظلم نہیں کیا بلکہ وہ خود ہی اپنے اوپر ظلم کر رہے تھے۔

شیخ الاسلام لکھتے ہیں:۔

عمل کی ابدی حفاظت کرنے والی چیز ایمان وایقان ہے اس کے بدون عمل کی مثال ایسی سمجھو جیسے کسی شریر ظالم نے کھیتی یا باغ لگایا اور اس کو برف پالے سے بچانے کا کوئی انتظام نہ کیا چند روز اس کی سرسبزی شادابی کو دیکھ کر خوش ہوتا اور بہت کچھ اُمیدیں باندھتا رہا یکایک اس کی شرارت و بدبختی سے سرد ہوا چلی برف پالا اس قدر گرا کہ ایک دم میں ساری لہلہاتی کھیتی جلا کر راکھ کر دی آخر اپنی کلی تباہی و بربادی پر کفِ افسوس ملتا رہ گیا نہ اُمیدیں پوری ہوئیں نہ احتیاج کے وقت اس کی پیداوار سے منتفع ہوا اور چونکہ یہ تباہی ظلم و شرارت کی سزا تھی اس لیے اس مصیبت پر کوئی اجر اُخروی بھی نہ ملا، جیسا کہ مومنین کو ملتا ہے۔ [۱]

مسلمان کی کھیتی کو برف پالا لگ جائے تو تباہ وہ بھی ہو جاتی ہے لیکن یہ تکلیف اس کے

---

[۱] فوائد القرآن ص۹۴

بہت سے گناہوں کا کفارہ یا اس کی نیکیوں میں ایک اضافہ ہو کر اس کھیتی کے کچھ اثرات یا ثمرات ضرور باقی رکھتی ہے دوسرے لفظوں میں یوں سمجھئے کہ مومن کی کھیتی کلی طور پر تباہ ہوتی ہی نہیں یہ کفار ہی ہیں جن کی اس تباہی پر کوئی ثمرہ مرتب نہیں ہوتا۔ ضائع ہونے والے اعمال کی اس سے بلیغ مثال کیا ہوگی کہ انہیں یہاں کی عام بربادی کے مشابہ نہیں کیا بلکہ اس بربادی کی تمثیل پیش کی جس سے بڑھ کر تباہی و بربادی کا یہاں تصور بھی نہیں ہو سکتا۔

اعمال کفار کی ایک اور مثال

حاصل اینکہ قرآن پاک کی مثالیں انتہائے بلاغت کی شان رکھتی ہیں اور پورے مضمون کو سمیٹتی ہوئی دل کی گہرائیوں میں جگہ پالیتی ہیں۔ مثالوں سے ہدایت پالینا یہ خوش قسمت لوگوں کی برات ہے اور یہ سرمایۂ علمی بھی قرآن سے ملتا ہے (اور اس سے بھی ان پر قرآن کا رازِ ہدایت پوری شانِ اعجاز سے کھلتا ہے)

سائنس کے طلبہ پہلے Theory پڑھتے ہیں پھر انہی چیزوں کو وہ Practical میں دیکھتے ہیں۔ ان عملی مشقوں سے اصلاحی بات اور نکھر کر سامنے آتی ہے اور بات بالکل صاف ہو جاتی ہے قرآن کریم نے بنی نوع انسان کی ہدایت کے لیے جو سبق دیئے انہیں پھر مختلف مثالوں سے بھی واضح کیا ہے زندگی کے یہ تمثیلی پیرائے عام انسانوں کو بھی ابدی صداقتوں کی گود میں لے آتے ہیں۔ ضابطے کو سمجھنا ہر کسی کے بس کی بات نہیں ہوتی لیکن نقشہ دیکھنے سے عام آدمی بھی بات کو سمجھ لیتا ہے۔ غافل انسانوں کو جگانے کے لیے قرآن کریم کی یہ مثالیں ایک ہمہ گیر دعوت ہدایت ہیں اور انسان جتنا ان مثالوں میں غور کرتا جائے اسی کے مطابق سعادتِ اخروی اس کے دل و دماغ میں اترتی جائے گی۔

اس امت کے واعظین اور خطیب حضرات ان مثالوں پر جتنا غور کریں گے اور انہیں کھول کھول کر بیان کریں گے قرآن کا رازِ ہدایت پوری شانِ اعجاز سے کھلتا جائے گا۔

اِصطلاحاتُ القرآن

اِصطلاحاتُ القرآن

الحمد للّٰہ وسلامٌ علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ امّابعد :-

قرآن کریم ایک ضخیم کتاب ہے جس میں بیک وقت کئی مضامین کی لہریں چل رہی ہیں اس میں لاتعداد حقیقتوں کا نشان اور متعدد اصولی ہدایتوں کا بیان ہے اس میں کئی ایسے الفاظ ملتے ہیں جو مختلف پیرایوں میں ایک ہی حقیقت کی ترجمانی بھی کرتے ہیں وہ حقیقتیں ان کے اصل معانی ہیں اور انہیں سے قرآن کریم کی Termminology قائم ہوتی ہے الفاظ کے یہ قالب ایک خاص قرآنی مراد کی نشاندہی کرتے ہوئے قرآن کریم کی اصطلاحات بن جاتے ہیں۔ ان الفاظ کے بیان کے لیے محض لغت عرب کافی نہیں ان کے قرآنی استعمال پر گہری نظر درکار ہے۔

دیکھنا چاہیئے کہ قرآن کریم ان الفاظ کو کن کن حقیقتوں کے لیے اختیار کرتا ہے اور اگر یہ الفاظ کہیں اپنے تخاطب لغوی میں استعمال ہوں تو اس سے ان کی شرعی حقیقت متاثر نہیں ہوتی قرینہ بتادیتا ہے کہ یہ لغوی تخاطب ہے شرعی حقیقت اپنی جگہ ایک علیحدہ حقیقت ہے اور وہ حقیقت متعدد پیرایوں میں پھیل کر پھر بھی ایک ہی رہتی ہے۔ پھر کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ حقیقت اور اس کے تقاضے علیحدہ علیحدہ صورتوں میں سامنے آتے ہیں یہی مختلف TERMS قرآن کریم کی وہ بنیادی اصطلاحیں ہیں جن کا مطالعہ قرآن کے ہر طالب علم کے لیے از بس ضروری ہے۔

زمانہ بعثت کے عرب الفاظ کے جھمیلوں سے آشنا نہ تھے بلاغت کے متعدد مدارج کے باوجود بات سمجھنے میں کوئی اختلاف نہ ہوتا تھا۔ اخذ معانی اور فہم مطالب کے لیے انہیں لفظوں سے کھیلنے کی عادت نہ تھی ان کی فطرت رومی تاویل اور ایرانی تصنع سے آشنا نہ تھی۔ قرآن کریم حضورؐ کی تربیت قدسیہ کے سائے میں ان کے دلوں میں ٹھیک ٹھیک بس گیا تھا، ہر لفظ کی نشست اور مراد ان کے سادہ اور صاف ذہنوں میں پوری اتر جاتی تھی۔ وہ قرآن کریم کو سنتے ہی اس کے بنیادی مقصد کو پالیتے تھے۔ کسی لفظ کا لغوی استعمال اور پھر اس کا شرعی حقیقت کو بیان کرنا ان کے نزدیک کسی الجھاؤ کا موجب نہ تھا۔ بہت کم ایسے مواقع آئے جن میں انہوں نے حضورؐ سے بعض الفاظ کی

مرادات معلوم کیں۔

صحابہؓ کے بعد مسلمانوں میں رومی اور ایرانی تمدن کے اثرات پھیلنے شروع ہو گئے یہاں تک کہ بعض مسلمانوں نے قرآن کی لازوال صداقتوں کو بھی اسی آئینہ میں دیکھنے کی کوشش کی کچھ لوگ قرآنی تعلیمات میں بھی الحاد کی راہیں چلنے لگے۔ یہاں تک کہ بعض بنیادی حقیقتیں بھی اختلافی مسائل کے قالب میں ڈھلنے لگیں۔

ان حالات میں ضرورت محسوس ہوتی ہے کہ قرآن کریم کی کچھ اصطلاحات قرآن کی روشنی میں بیان کر دی جائیں اور ہر اصطلاح میں جو غلط تصور راہ پا گیا ہے اس کی بھی کچھ اصلاح کر دی جائے۔ واللہ الموفق۔

ایمان

ایمان کے لغوی معنی یقین کرنے اور ماننے کے ہیں لیکن اس کی شرعی حقیقت یہ ہے کہ انسان آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جملہ تعلیمات کو صحیح اور سچ تسلیم کرے اس میں تو اختلاف ہو سکتا ہے کہ یہ بات حضور اکرمؐ سے ثابت ہے یا نہیں؟ لیکن جو امور آنحضرتؐ سے پورے یقین اور تواتر سے ثابت ہو جائیں ایمان شرعی کے لیے ان سب کی تصدیق ضروری ہے ان میں سے کسی ایک کا انکار بھی دائرہ ایمان میں داخل ہونے سے مانع ہے۔ آنحضرتؐ سے جو باتیں اجمالاً منقول ہیں اُن کی اجمالی تصدیق اور جو اُمور تفصیلاً منقول ہیں ان کی تفصیلی تصدیق مومن ہونے کے لیے از بس ضروری ہے حضورؐ کو آپ کی جملہ تعلیمات میں خواہ وہ اصولی ہوں یا فروعی — اعتقادی ہوں یا عملی — اخلاقی ہوں یا قانونی — ہمیشہ کے لیے سچا ماننے کے بغیر کوئی شخص مومن نہیں ہو سکتا۔ ایمان کی یہی شرعی حقیقت ہے جس پر ایمان کے احکام[1] کا مدار ہے۔ اگر کوئی شخص حضورؐ کی سب تعلیمات کو سچا مانے لیکن صرف روزِ قیامت کو نہ مانے یا فرشتوں کے وجود کا انکار کرے تو وہ شخص قطعاً کافر قرار پائے گا ایمان شرعی

---

[1] جیسے مومن متوفی کی وراثت پانا (غیر مومن کو مومن کی وراثت نہیں جا سکتی) مومنہ کے نکاح کا اہل ہونا (کوئی مومن لڑکی کسی غیر مسلم کے نکاح میں نہیں آسکتی (لا تنکحوا المشرکین حتی یومنوا۔ رپ البقرہ ۲۲۱) اس کی نماز جنازہ پڑھنا (کسی غیر مومن کی نماز جنازہ پڑھنی مسلمانوں کے لیے جائز نہیں) وغیرہا من الاحکام

کے لیے حضورؐ کی جملہ تعلیمات کی تصدیق ضروری ہے ایمان میں جمیع کی قید ہے لیکن کفر کے لیے جمیع کی قید نہیں حضورؐ کی کسی ایک بات کے انکار سے بھی انسان کافر ہو جاتا ہے۔ بشرطیکہ وہ بات حضورؐ سے یقینی طور پر ثابت ہو۔ ایمان لانے کے لیے مومن بہ امور (وہ امور جن پر ایمان لانا ضروری ہوتا ہے) آج بھی وہی ہیں جو صحابہؓ کے وقت میں مومن بہ تھے یہ نہیں ہو سکتا کہ صحابہؓ کے لیے تو دس باتوں پر ایمان لانا ضروری ہو اور آج کوئی شخص صرف نو باتوں کو تسلیم کر کے مومن کہلا سکے۔ ایمان آئے گا تو پورا آئے گا ورنہ کچھ بھی نہیں۔ ایمان کی شرعی حقیقت سب کے لیے ایک ہے اس میں کوئی جزو بندی نہیں اور نہ اس میں کوئی کمی بیشی ہو سکتی ہے۔ ہاں اس میں اپنے اپنے یقین کے مطابق قوت و ضعف کے درجات مختلف ہو سکتے ہیں لیکن اس کی شرعی حقیقت بہرحال ایک ہے اور کفر و اسلام کی حدِ فاصل وہی ایک ہے۔

پھر ایمان کے کچھ اعمال ہیں اور کچھ اس کی علامات ہیں ان میں کمی بیشی ہوتی رہتی ہے اور ان میں سے بعض کا ترک تکذیب پیغمبر کی وجہ سے نہیں محض عملی سستی کی وجہ سے ہوتا ہے ایمان کے یہ اعمال اور علامات مطلوب تو ہیں لیکن ایمان کی حقیقت شرعی نہیں ایمان کے تقاضے ہیں۔ قرآن کریم بعض مقامات پر ان اعمال کے لیے بھی ایمان کا لفظ اختیار کرتا ہے اور یہ مجاز شرعی ہے جس میں ایمان اقرار و عمل کے مجموعہ کا نام ہے۔ اس اعتبار سے ایمان میں کمی اور زیادتی ہوتی رہتی ہے۔ پھر کچھ ایمان کی علامات ہیں جیسے السلام علیکم کہنا یہ علامات ایمانِ حقیقی کا محض ایک نشان ہیں خود ایمان نہیں۔ قرآن کریم بعض مقامات جہاں ایمان کی حقیقت کا علم نہ ہو ان علامات کو بھی ایمان کہہ دیتا ہے پس یہ اطلاق بھی ایک مجاز شرعی ہو گا جس کا اعتبار صرف اس وقت تک ہے جب تک کہ ایمان کی حقیقت کا پتہ نہ چل جائے۔ ملحدین اپنے کفریہ عقائد کو چھپانے کے لیے ان اعمال و علامات سے استدلال کرتے ہیں۔ حالانکہ حقیقت معلوم ہو جانے کے بعد اعمال و علامات کا کوئی اعتبار نہیں رہتا۔ ایسے موقعوں پر قرآن کریم کے ہر طالب علم کا فرض ہے کہ ایمان کے قرآنی اطلاق کے ان بنیادی فرق کو ضرور پیش نظر رکھے تخاطب لغوی میں لفظ مومن کا معنی سمجھیے۔

---

[1] حضرت شیخ الہندؒ لکھتے ہیں "ایمان کا تجزیہ ممکن نہیں بعض احکام کا انکار کرنے والا بھی کافر مطلق ہو گا صرف بعض احکام پر ایمان لانے سے کچھ بھی ایمان نصیب نہ ہو گا۔ (موضح الفرقان ص ۲۱)

وما انت بمؤمن لنا ولو کنا صادقین۔ (پ۱۲ یوسف ۱۷)

یہ ایمان کی حقیقتِ لغوی کا بیان ہے یہاں ایمانِ شرعی مراد نہیں۔

فلا وربک لا یومنون یحکموک فیما شجر بینھم۔ (پ۵ النساء ۶۵)

میں ایمان کی حقیقتِ شرعی کا بیان ہے۔

ان الذین امنوا وعملوا الصٰلحٰت (پ۳ البقرہ ۲۷۷)

میں بھی ایمان کی حقیقت شرعی مراد ہے کیونکہ اعمال اس پر معطوف ہیں اور اس سے علیحدہ ہیں۔

ما کان اللہ لیضیع ایمانکم۔ (پ۲ البقرہ ۱۴۳)

میں ایمان سے مراد نماز ہے یہاں عمل کو ایمان کہا گیا ہے جو مجازِ شرعی ہے اس ایمان میں (جو اقرار اور عمل کے مجموعہ کا نام ہے) اعمال کی کمی بیشی سے کمی بیشی ہوتی رہتی ہے مگر ایمان کی حقیقتِ شرعی میں کمی بیشی کو کوئی راہ نہیں۔ ہوگا تو پورا ہوگا ورنہ کچھ بھی نہیں یہ کفر کی حالت ہے۔

ولا تقولوا لمن القیٰ الیکم السلام لست مؤمنًا۔ (پ۵ النساء ۹۴)

میں السلام علیکم کہنے کو ایمان کی علامت بتایا گیا ہے ایمان کی حقیقت نہیں کہا گیا ہے سیاق وسباق اس کی قوی شہادت ہے۔ پس جب حقیقت کا پتہ چل جائے تو علامت کا اعتبار باقی نہ رہے گا۔ ایمان کے ان اعمال اور علامات کے نام سے ایمان کی حقیقتِ شرعی کو مشتبہ کرنا اور ان علامات سے ایمان کی حقیقت پر دلیل لانا قرآن کے ان مختلف اطلاقات اور اس کی شرعی اصطلاحات نہ پہچاننے کی وجہ سے ہے۔ ہر اطلاق کا ایک اپنا محل ہے اور حقیقت شرعیہ اپنی جگہ قائم ہے جس میں کسی شک اور کمی بیشی کو راہ نہیں۔

ماکنت تدری ما الکتاب ولا الایمان ولکن جعلناہ نورًا۔ (پ۲۵ شوریٰ ۵۲)

میں ایمان سے مراد اعمالِ ایمان کی تفاصیل ہیں نفسِ ایمان ہرگز مراد نہیں۔ کیونکہ پیغمبر کسی وقت بھی ایمان سے خالی نہیں ہو سکتا۔ کہ کہا جائے کہ اسے ایمان کا پتہ نہ تھا۔ (معاذ اللہ)

آنحضرتؐ سے بھی ایمانِ شرعی کی یہی تعریف منقول ہے کہ آپ کی جملہ تعلیمات کو سچا تسلیم کیا جائے۔ آپؐ نے فرمایا:۔

امرت ان اقاتل الناس حتیٰ یشھد وا ان لا الٰہ الا اللہ ویو منوا بی و بما جئت بہ۔[1]

ترجمہ۔ لوگ اس وقت تک امن میں نہیں جب تک کہ توحید کے ساتھ مجھے اور میری جملہ تعلیمات کو برحق تسلیم نہ کریں۔

ایمان اور اسلام

یہ صحیح ہے کہ ایمان ایک فعل قلب ہے اور اسلام ظاہری انقیاد کا نام ہے لیکن شریعت کی اصطلاح میں ایمان اور اسلام ایک ہیں جو مومن نہیں وہ مسلمان بھی نہیں اور جو مسلمان نہیں وہ مومن بھی نہیں دونوں کی حقیقت ایک ہے مبدأ کے اعتبار سے اسے ایمان کہہ دیتے ہیں اور ظاہر کے لحاظ سے اسے اسلام کہہ دیا جاتا ہے۔

قرآن کریم میں جہاں یہ لفظ ایک دوسرے کے مقابلے میں ہوں تو دونوں میں سے کسی ایک کا حقیقی معنی مراد نہیں ہوگا کیونکہ حقیقت شرعی دونوں کی ایک ہے اختلاف تبھی ہو سکے گا کہ ایک اپنے حقیقی معنی پر ہو اور دوسرے کے محض لغوی معنی مراد ہوں جیسے:۔

قالت الاعراب اٰمنا قل لم تؤمنوا ولکن قولوا اسلمنا۔ (پ ۲۶ الحجرات ۱۴)

یہاں اسلام کے حقیقی معنی مراد نہیں صرف ظاہر جھکاؤ مراد ہے۔ اسلام کے حقیقی معنی ایمان سے جدا نہیں۔ امام بخاریؒ لکھتے ہیں:۔

اذا لم یکن الاسلام علی الحقیقۃ وکان علی الاستسلام او الخوف من القتل لقولہ تعالیٰ قالت الاعراب اٰمنا قل لم تومنوا ولکن قولوا اسلمنا فاذا کان علی الحقیقۃ فھو علیٰ قولہ جل ذکرہ ان الدین عند اللہ الاسلام۔[2]

ایمان کو اگر صرف قلب تک محدود رکھا جائے تو وہ معاملات جو مومنین سے وابستہ ہیں کبھی سرانجام نہیں پا سکتے کیونکہ دل کی بات تک کسی دوسرے کو رسائی نہیں ہوتی مثلاً

---

[1] صحیح مسلم جلد ۱ صـ   [2] صحیح بخاری جلد ۱ صـ ۸

لا تنکحوا المشرکین حتیٰ یؤمنوا۔ (پ۲ البقرہ ۲۲۱)

میں حکم دیا گیا ہے کہ لڑکیوں کا نکاح صرف انہی مردوں سے کرو جو مومن ہوں۔ یہاں ایمان کو اگر فعل قلب تک محدود رکھیں تو اس آیت پر عمل کی کوئی صورت باقی نہیں رہتی۔ ہاں ایمان اور اسلام کو ایک حقیقت سمجھیں تو بے شک اس پر عمل ہو سکتا ہے۔

آنحضرتؐ نے حدیث جبریل میں ایمان اور اسلام کے دو مختلف جواب ارشاد فرمائے۔ مگر جب وفد عبدالقیس حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے ایمان کی[1] تفصیل وہ فرمائی جو حدیث جبریل میں اسلام کے جواب میں کہی تھی۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ شارع کی نظر میں ان کا فرق صرف اعتباری ہے۔ حقیقت دونوں کی ایک ہے جب ایک نہ ہو تو دوسرے کا بھی اعتبار نہیں۔

کُفر کی حقیقت

کُفر کے لغوی معنی چھپانے اور انکار کرنے کے ہیں۔ کُفران کے معنی ناشکری کے آتے ہیں قرآن کریم میں ہے:۔

لئن شکرتم لا زیدنکم ولئن کفرتم۔ (پ۱۳ ابراہیم ۷)

ترجمہ۔ اور اگر تم نے شکر کیا تو میں تمہاری نعمت بڑھا دوں گا اور اگر تم نے ناشکری کی تو میری پکڑ بڑی سخت ہے۔

یہاں کُفر ناشکری کے معنی میں ہے۔ پھر ایک دوسری جگہ ارشاد فرمایا:۔

قتل الانسان ما اکفرہ من ای شئ خلقہ۔ (پ۳۰ عبس ۱۸)

ترجمہ۔ مارا جائے انسان کس قدر ناشکرا ہے اسے پیدا کرنے والے نے کس چیز سے پیدا کیا۔

کفر کی شرعی حقیقت یہ ہے کہ آنحضرتؐ کی تعلیمات میں کسی بات کا حضورؐ سے یقینی طور پر منقول ہوا انکار کر دیا جائے۔ جو خبر واحد سے منقول ہو اس سے اختلاف آپ کا انکار نہیں ہے۔

---

[1] ما الایمان باللہ وحدہ قالوا اللہ ورسولہ اعلم قال شہادۃ ان لا الٰہ الا اللہ وان محمداً رسول اللہ واقام الصلوٰۃ وایتاء الزکوٰۃ وصیام رمضان الحدیث۔ (بخاری جلد ۱ صفحہ ۱۳)

یہ کھلم کھلا انکار ہو ـــــ یا کفر الحاد ہو ـــــ ہاں عملی ترک انکار نہیں ہے صرف انکار[1] موجب کفر ہے

اسلام سے پھر جانے کے لیے تبدیل ملت کا اعلان ضروری نہیں اور نہ یہ ضروری ہے کہ اسلام کی تمام تعلیمات کا انکار ہو. ہو سکتا ہے یہ کفر الحاد ہو ـــــ اسلام کی ایک یقینی بات کا انکار اور الحاد انسان کو کفر کے دائرہ میں داخل کر دیتے ہیں. ہاں عملی ترک صرف کوتاہی ہے انکار نہیں، انکار موجب کفر ہے.

امام الائمہ امام محمدؒ (۱۸۹ھ) فرماتے ہیں:-

من انکر شیاءً من شرائع الاسلام فقد ابطل قول لا الہ الا اللہ۔[2]

ترجمہ جس نے شرائع اسلام میں سے کسی ایک بات کا انکار کیا تو اس نے اپنے لا الہ الا اللہ پڑھنے کو باطل کر دیا۔

یہ نہ کہا جائے گا کہ اس نے صرف ایک بات چھوڑی ہے اس کے پورے دعویٔ اسلام کو کالعدم تصور کیا جائے گا.

دین

قرآن کریم میں دین کا لفظ کئی معنوں میں آیا ہے کبھی یہ محض لغوی معنوں میں آتا ہے اور کبھی تخاطب شرعی میں اپنے اصل معنوں میں استعمال ہوتا ہے یہیں سے اس کی شرعی اصطلاح قائم ہوتی ہے کہیں یہ اپنے اصل معنی اور اس کی جملہ تفصیلات کے مجموعہ پر بھی بولا جاتا ہے تاہم اس کے اصل معنی اور اس کے تقاضے کبھی ہموزن نہیں ہوتے اور نہ دین کے یہ مختلف مفہوم دین کے مختلف

---

[1] خواہ یہ انکار عناداً ہو جیسے ابوجہل کا کفر تھا یا الحاداً جیسے مسیلمہ کذاب اور مسیلمہ پنجاب کا کفر تھا کیونکہ یہ بھی بالآخر تعلیمات پیغمبر میں سے بعض کے انکار پر منتج ہے اسی طرح وہ کفر جسے چھپا کر ایمان کا اظہار کیا جائے وہ بھی کفر ہے گو اس کا معروف نام نفاق ہے اور اسی طرح وہ کفر جو ایمان کے بعد آئے وہ بھی کفر ہے اس کا معروف نام ارتداد ہے. اہل کتاب گو کتابی کہلاتے ہیں اور ان کے لیے بعض رعایات بھی ہیں مگر وہ اہل کفر ہیں. پس کتابی، منافق، مرتد، ملحد، زندیق اور کافر اصلی سب کفر کی ہی مختلف صورتیں ہیں.

[2] سیر کبیر جلد ۳ صفحہ ۳۶۵

اجزاء بنتے ہیں جن سے دین کی کوئی مجموعی حیثیت قائم ہوتی ہو۔ اجزاء آپس میں برابر کی نسبت رکھتے ہیں اور تفصیلات اور تقاضے اصل کے لیے بمنزلہ فروع کے ہیں۔ دین کی اصل حقیقت ایک ہے اور ہمیشہ سے ایک ہے تمام انبیاء اس میں مشترک رہے ہیں اور یہی پیغمبرانہ تاریخ کا اجتماعی نقطہ ہے۔ ہاں اس کی تفصیلات مختلف زمانوں میں مختلف ملتی رہی ہیں اور اس کے تقاضے مختلف حالات میں مختلف رُخ اختیار کرتے رہے ہیں۔ بایں ہمہ دین کی اصل حقیقت اپنی جگہ ایک ہے اور اصطلاحاً اسے ہی دین کہا جاتا ہے۔ دین میں قوت وضعف کی کیفیات تو پیدا ہوتی ہیں لیکن اس کی کوئی جزو بندی نہیں اور نہ یہ مختلف اجزاء کے مجموعہ کا نام ہے۔

نہایت افسوس ہے کہ بعض لوگوں نے قرآن پاک میں لفظ دین کو مختلف معنوں میں دیکھ کر انہیں دین کے مختلف اجزاء سمجھ لیا وہ دین کی حقیقت ان سب کے مجموعے کو سمجھتے رہے ان کے خیال کے مطابق لازم آتا ہے کہ لفظ دین کا متفرق استعمال اپنے اصل مفہوم کی نسبت سے ناقص رہے اور دین کی اصل حقیقت وہ ہے جو ان سب کے مجموعے سے حاصل ہو ایسا ہرگز نہیں۔ قرآن پاک میں دین کا لفظ جہاں بھی وارد ہے وہ اپنی جگہ دین کا صحیح مفہوم ہے گو کہیں محض لغوی معنی مطلوب ہوں اور کہیں شرعی اور کہیں دین سے اس کے تقاضے مراد ہوں لیکن اپنے ہر استعمال میں قرآن کریم کا یہ لفظ اپنی جگہ کامل ہے۔

دین کے لغوی معنی جھکنے اور ماتحت ہونے کے ہیں۔ اسلام اپنے مخالفوں سے دو ہی مطالبے کرتا ہے :-

① وہ اسلام قبول کرلیں یا
② مسلمانوں کی ماتحتی قبول کرلیں

جہاد کُفر کو ختم کرنے کے لیے نہیں کُفر کی شوکت توڑنے کے لیے ہے یا کبھی محض دفاع کے لیے ہے۔

قرآن کریم اس مسئلے کے لیے دانَ یدین کا لفظ اس کے لغوی معنوں میں پیش کرتا ہے

ولا یدینون دین الحق من الذین اوتوا الکتاب حتیٰ یعطوا الجزیۃ عن ید وھم صاغرون۔ (پ التوبہ ۲۹)

ترجمہ۔ اور وہ نہیں جھکتے دینِ حق کے آگے۔ ان اہلِ کتاب سے جہاد کرتے رہو جب تک کہ وہ ماتحت ہو کر اور چھوٹے بن کر جزیہ دینا منظور نہ کر لیں۔

امامِ عربیت ابُو عبیدہ یدینون کا معنی یہ بیان کرتے ہیں :۔

لا یطیعون طاعة اهل الاسلام وكل من كان فی سلطان ملك فهو على دينه وقد دان له وخضع۔[1]

ترجمہ۔ اور وہ لوگ اسلام کی طاعت قبول نہیں کرتے اور جو شخص کسی بادشاہ کے تسلط میں ہو وہ اس کے دین پہ ہے اور اس کے آگے جھکا ہوا ہے، اور پست ہے۔

حافظ ابن جریر طبری لکھتے ہیں :۔

كل مطيع ملكاً او ذا سلطانٍ فهو دائن له يقال منه دان فلان لفلان فهو يدين له ديناً۔[2]

ترجمہ۔ جو شخص بھی کسی بادشاہ یا حاکم کے ماتحت ہو وہ اس کے آگے جھکا ہوا ہے دان یدین کے معنی یہی ہیں کہ وہ اس کے آگے پست ہے۔

اس مقام پر لا یدینُون کے الفاظ دین کے لغوی معنی میں ہیں اور دین الحق کے الفاظ اپنے شرعی معنی کے لیے استعمال ہوئے ہیں، حضورِ اکرمؐ نے فرمایا :۔

الكيّس من دان نفسه وعمل لما بعد الموت۔[3]

ترجمہ۔ عقلمند وہ ہے جو اپنے نفس کو ماتحت کرے اور موت کے بعد کی زندگی کا سرمایہ تیار کرے۔

دین کی اصل حقیقت اور اُس کا شرعی معنی

شرع لكم من الدّين ما وصّٰى به نوحًا والذی اوحينا اليك وما وصّينا به ابراهيم وموسٰى وعيسٰى ان اقيموا الدين ولا تتفرقوا فيه كبر

[1] البحر المحیط جلد ۵ ص ۲۹ [2] ابن جریر جلد ۱۰ ص ۶۸ [3] مسند احمد ص

علی المشرکین ما تدعوھم الیہ اللہ یجتبی الیہ من یشاء و یھدی
الیہ من ینیب۔ (پ۲۵ شوریٰ ۱۳)

ترجمہ۔ تمہارے لیے بھی وہی دین مقرر کیا ہے جس کا حکم نوح کو کیا تھا اور جس کا حکم بھیجا ہم نے تیری طرف اور جس کا حکم ہم نے حضرت ابراہیم کو کیا تھا اور موسےٰ اور عیسیٰ سب کو یہی حکم دیا تھا کہ اس دین کو قائم رکھنا اور اس میں ہرگز علیحدہ علیحدہ نہ ہوجانا۔ بھاری ہے شرک کرنے والوں کو وہ چیز جس کی طرف تو انہیں بلاتا ہے اللہ چن لیتا ہے اپنی طرف سے جس کو چاہے اور راہ دیتا ہے اپنی طرف اسے جو رجوع لائے۔

اس آیت شریفہ نے بتلایا کہ دین سب پیغمبروں کا ہمیشہ سے ایک رہا ہے اسی کو قائم کرنے کے لیے سب پیغمبر یہاں تشریف لائے اور اسی دین کی اقامت پیغمبروں کی نیابت میں ان کی امتوں پر فرض رہی۔ آنحضرت ارشاد فرماتے ہیں:۔

الانبیاء اخوۃ لعلات امھاتھم شتّٰی و دینھم واحد (او کما قال)[1]

ترجمہ۔ تمام پیغمبر آپس میں اس طرح ہیں جیسے سوتیلے بھائی ہوں ان کی مائیں (شریعتیں) تو مختلف ہیں مگر دین سب کا ایک ہے۔

وہ دین کیا ہے؟ ابوحیان اندلسی (ھ) لکھتے ہیں:۔

ھو ما شرع لھم من العقائد المتفق علیھا من توحید اللہ وطاعتہ و الایمان برسلہ وبکتبہ وبالیوم الاٰخر والجزاء فیہ۔[2]

ترجمہ۔ دین ان عقائد کا نام ہے جن پر سب پیغمبروں کا اتفاق رہا ہے مثلاً اللہ کی توحید اور اس کی اطاعت، اس کے رسولوں، کتابوں اور قیامت اور جزاء و سزا پر ایمان لانا۔

امام رازی (۶۰۶ھ) فرماتے ہیں:۔

یجب ان یکون المراد الامور التی لا تختلف باختلاف الشرائع وھی الایمان

---

[1] رواہ احمد [2] البحر المحیط جلد ص

باللہ وملئکتہ وکتبہ ورسلہ والیوم الآخر والایمان یوجب الاعراض عن الدنیا والاقبال علی الآخرۃ والسعی فی مکارم الاخلاق والاحتراز عن رذائل الاحوال [1]

ترجمہ۔ دین سے مراد وہ امور ہیں جو شریعتوں کے اختلاف سے نہیں بدلتے اور وہ یہ ہیں۔ (اللہ) اس کے فرشتوں، اس کی کتابوں اور پیغمبروں اور قیامت پر ایمان لانا۔ اور ایمان دنیا سے منہ پھیرنے اور آخرت کی طرف متوجہ ہونے اور اچھے اخلاق کی کوشش اور بُرے احوال سے بچنے کا نام ہے۔

پس یہ دین ہے کہ انسان اپنے آپ کو خدا کے سامنے پُوری طرح جھکا دے اپنے آپ کو اس کے حضور Surrender کر دے۔ اپنے آپ کو اس کے آگے اس طرح جھکا دے کہ اس کی رضا اور آخرت کی فلاح اس کی زندگی کا موضوع بن جائے۔ اللہ تعالیٰ کو وحدہ لاشریک سمجھے اور اسے ہی اپنے نفع ونقصان کا واحد مالک اعتقاد کرے۔ آخرت اور اس کی جزا سزا پر پُورا یقین رکھے۔ جس شخص کو دین کی یہ دولت مل جائے پھر وہ اللہ تعالیٰ کا بہت مشتاق ہو جاتا ہے اس کے آگے جھکنے میں عبادت اور انابت میں صحیح لذت محسوس کرتا ہے۔ اس کے نزدیک نماز کی غایت پانچ وقت کی پاکیزگی، پابندی اوقات اور ایک نظام کی ماتحتی کا ہی تصور نہیں بلکہ وہ اپنے پیدا کرنے والے کے ساتھ شوق ومحبت کا ایک ایسا ربط ہے کہ وہ اس کے سامنے پست اور عاجز ہونے کو اپنی سب سے بڑی سعادت اور سب سے بڑی لذت سمجھتا ہے۔

اس سے انکار نہیں کہ اس کے ساتھ پانچ وقت کی پاکیزگی، پابندی اوقات کی سیرت اور ایک امام کی ماتحتی بھی حاصل ہو جائے گی مگر یہ سب امور نماز کے اثرات اور ثمرات ہیں جو اپنی جگہ محمود ہیں مگر نماز کا مقصود نہیں۔ نماز کی حقیقت وہ خاص تعلق ہے جو بندے اور خدا کے مابین قائم ہوتا ہے اسی معنی میں حضرت ابراہیمؑ اور تمام انبیائے کرام اللہ کے سامنے جھکے ہوئے تھے اور یہی ان سب کا دین تھا اور وہ سب اللہ کے حضور اس کے بندے تھے۔ پیغمبر کتنی ہی اونچی شان میں ہو وہ بندگی سے نہیں نکلتا۔

---

[1] تفسیر کبیر جلد ۷ ص ۳۸۲

دین اور اُس کے تقاضے

یہ صحیح ہے کہ اس دین کے تقاضے بھی ان کی زندگیوں میں پوری طرح روشن تھے۔ زندگی کے ہر نئے موڑ پر دین کا تقاضا ایک نئی صورت میں سامنے آتا اور ان حضرات قدسی صفات کی تعلیمات زندگی کے ہر باب میں خیر کے نقوش چھوڑتی جاتیں تاہم دین کی اصل حقیقت اور اس کے تقاضوں نے برابر کی صورت کبھی اختیار نہیں کی۔ پیغمبروں کی اجتماعی تاریخ میں دین کی اصل حقیقت ہمیشہ اُبھری رہی اور دین کے تقاضے ان کی دعوت کا اساسی موضوع کبھی نہیں بنے۔ انہوں نے ہمیشہ اصل دین کی دعوت دی تقاضے صرف ضمنی صورت میں سامنے آتے رہے یہ دین کے ثمرات ہیں دعوت کا اصل موضوع نہیں۔ اصل دین اللہ کے آگے جھکنا اور جزا سزا کے اعتقاد کے ساتھ اللہ رب العزت کے لیے اپنے دل میں اشتیاق و محبت کی ایک کیفیت پیدا کرنا ہے۔

دین ہر وقت مطلوب ہے مگر اس کے تقاضوں پر عمل اسی وقت مطلوب ہوتا ہے جب ان کے مناسب حالات پیدا ہوں۔ تجارت میں جاؤ تو اس طرح کاروبار کرو جس طرح اسلام کی تعلیمات ہیں۔ فوج میں جاؤ تو اس طرح لڑو جس طرح اسلام کی تعلیم ہے حکومت ملے تو اس طرح عدل و انصاف قائم کرو کہ ہر حقدار کو اس کا حق ملنے لگے مگر ان سب امور پر عمل درآمد اسی وقت تمہارے ذمہ آئے گا جب اس عمل کی باگ تمہارے ہاتھ میں آجائے اس کے برعکس اصل دین ہر لحظہ اور ہر وقت مطلوب و معمول رہتا ہے وہ حالات سے مشروط نہیں۔ حالات بننے اور بگڑنے پر دین کے تقاضے دبتے اور اُبھرتے ہیں۔ اصل دین تو حالات سے کنارہ کشی کے بعد بھی اپنے درجے میں محفوظ رہ سکتا ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:-

یوشك ان یکون خیر مال المسلم غنم یتبع بها شغف الجبال و مواقع القطر یفر بدینه من الفتن [1]

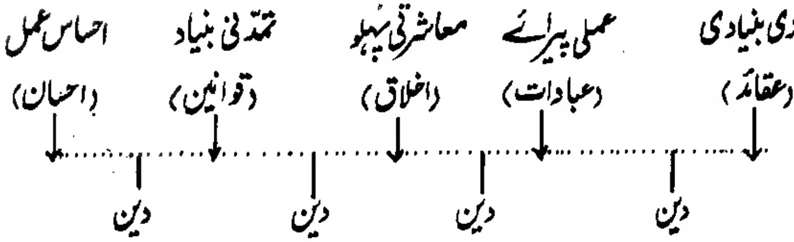
ترجمہ۔ قریب ہے کہ مسلمان کا بہترین مال چند بکریاں رہ جائیں جن کو وہ پہاڑوں

---

[1] رواہ البخاری فی کتاب الایمان عن ابی سعید الخدریؓ

کی گھاٹیوں اور بارش کے مواقع میں لے جائے اور اپنے دین کو فتنوں سے بچا بھاگے۔

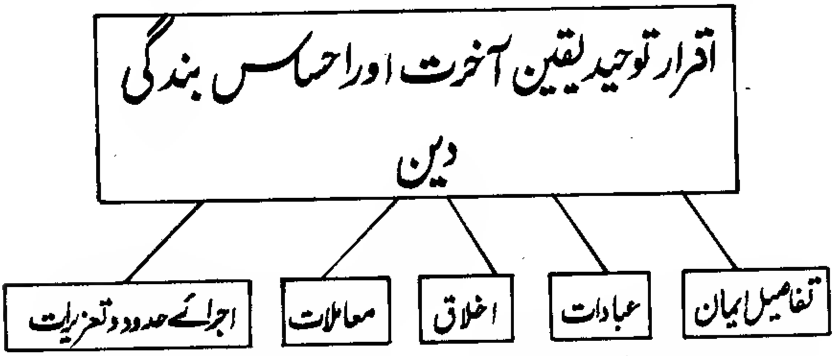
دین کا غلط تصوّر



اس تصور میں ان مختلف امور کو ایک نظام میں لایا گیا ہے وہ لڑی جو ان مختلف امور کو یکجا کرتی ہے اس کا نام دین ہے اس تصور میں دین بندے اور خدا کے مابین ایک خاص تعلق کا نام نہیں بلکہ اس نظام کا نام ہے جو ان مختلف پہلوؤں کو یکجا کر رہا ہے اس تصور میں دین ایک نظام کے طور پر اُبھر رہا ہے اور تعبدی پہلو جو اصل دین تھا بہت دب کر رہ گیا ہے۔ دوسرے مکاتبِ فکر ان مختلف امور کے باہمی تعلق کو حکمت سے تعبیر کرتے ہیں۔ ان کے نزدیک حکمت میں تبدیلی ہو سکتی ہے اور ہوتی رہتی ہے مگر دین اپنی جگہ ایک لازوال حقیقت ہے۔ دین کے غلط تصوّر کے حامی اس بات کے قائل ہیں کہ دین ایک نظام ہے اور نظام کے عام اصولوں میں بوقت ضرورت تبدیلی کی جا سکتی ہے۔ سو یہ تصوّرِ دین تحریفِ دین کی ایک راہ ہے۔ دین کے غلط تصور کا یہ ایک جلی نتیجہ ہے۔ یہ لوگ اس تصور کے مطابق دین کے ان مختلف پہلوؤں کو عملاً قائم بھی کر لیں اور اس میں ترمیم نہ بھی کریں تو زیادہ سے زیادہ اسے اقامتِ شریعت کہہ سکیں گے۔ اقامتِ دین ہم اسے پھر بھی نہیں کہہ سکتے کیونکہ یہاں دین کا صحیح تصور سرے سے ہے ہی نہیں۔ اس سے لوگ کسی درجے میں پابند شریعت تو ہو سکتے ہیں دیندار نہیں بن سکتے۔ دین کا کوئی عمل عقائد کی صحیح بنیاد کے بغیر دینی عمل نہیں ہو سکتا۔

دین کا صحیح تصور

دین پیغمبرانہ دعوت یہ اقرار توحید اور یقین آخرت کا نام ہے اس سے بندے اور خدا کے مابین ایک خاص ربط قائم ہوتا ہے یہی اصل دین ہے اور یہی تمام پیغمبروں کا اجتماعی کردار رہا ہے۔



یہ دین کے ارکان ہیں جو کسی اجتماعی زندگی پر موقوف نہیں ہر حال میں مطلوب ہیں۔

یہ دین کے تقاضے ہیں اور اجتماعی زندگی سے متعلق ہیں۔ حالات پیدا ہوں تو دین ان کے متعلقہ اعمال کا تقاضا کرتا ہے۔

ایک سوال

دین کے جو اعمال خاص حالات میں ہمارے ذمہ آتے ہیں ان حالات کو خود پیدا کرنا تاکہ ان کے متعلقہ احکام پر عمل کیا جا سکے کیا ہمارے ذمہ نہیں ؟ اسلام کے وہ احکام جو حکام کے ذمہ ہیں جیسے اجرائے حدود وغیرہ ان پر عمل کر سکنے کے لیے حکومت حاصل کرنے کی کوشش کرنا کیا یہ ہمارے ذمہ ہے ؟

جواب : ایسی کوشش ایک انتظامی مسئلہ ہے اور مندوب و مستحسن ہے لیکن فرض نہیں اور نہ یہ دین کی اساسی دعوت ہے حکومت ملی ہو تو اس کے متعلقہ احکام پر عمل کرنا فرض ہے اللہ کے بندوں کی شان یہی ہے ۔

الذین ان مکنٰھم فی الارض اقاموا الصلوٰۃ واٰتوا الزکوٰۃ وامروا بالمعروف ونھوا عن المنکر۔ (پ۱۷ الحج ۴۱)

ترجمہ۔ اگر ہم ان کو زمین میں قوت دیں تو وہ نمازیں قائم کریں گے اور زکوٰۃ دیں گے نیکی کا حکم کریں گے اور برائیوں سے روکیں گے۔

لیکن ان تقاضوں پر عمل کرنے کی خاطر اقتدار لینے کی کوشش کرنا اس کی قرآن پاک میں کہیں دعوت نہیں ملتی۔ مال جمع کرنے کی اس لیے کوشش کرنا کہ انسان زکوٰۃ دے سکے اس کی اسلام میں کہیں ترغیب نہیں۔ ہاں مال اگر جمع ہو جائے تو پھر زکوٰۃ ادا کرنے کی پوری پابندی کرنی ہوگی۔ مال کا جمع کرنا ہرگز فرض نہیں بعض شرطوں کے ساتھ صرف جائز ہے۔ جہاد اسلام کا ایک بڑا مسئلہ ہے اور یہ اسلام کے کوہان کی چوٹی ہے اس کا ترک ذلت کا پیغام اور اس پر عمل زندگی کا نشان ہے لیکن ایسے حالات خود پیدا کرنا کہ اس مسئلے پر عمل کرنے کی نوبت آجائے یہ امت کے ذمے فرض نہیں۔ ہاں حالات خود پیدا ہو جائیں تو پھر اس پر ڈٹ جانا اور اللہ کے نام پر زندگی سے کھیل جانا یہ نہایت ضروری ہے۔ جہاد فرض ہے لیکن اس فرض پر عمل کرنے کے لیے حالات پیدا کرنا یہ فرض نہیں۔ حالات پیدا ہونے پر جو شہادت ملے وہ بے شک مطلوب ہے لیکن حالات خود پیدا کرلے کی قرآن نے کہیں دعوت نہیں دی۔ حضورؐ فرماتے ہیں:۔

لا تتمنوا لقاء العدو فان لقیتم فاثبتوا۔ [۱]

ترجمہ۔ تم خود دشمن سے لڑنے کی تمنا نہ کرو لیکن اگر لڑنا پڑ جائے تو پھر ثابت قدم رہو۔

نفاق

قرآن کریم میں کافروں اور مسلمانوں کے علاوہ ایک تیسرے گروہ کا بھی وسیع تذکرہ ہے یہ منافق لوگ تھے جو اصل میں کافر تھے مگر دھوکے سے اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کرتے تھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں بھی کبھی کبھار آتے اور اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کرتے تھے۔

ومن الناس من یقول اٰمنا باللہ وبالیوم الاٰخر وما ھم بمومنین۔

---

[۱] ...

یخادعون اللہ والذین اٰمنوا۔ (پ البقرہ ۹)

ترجمہ۔ اور لوگوں میں سے ایسے بھی ہیں جو کہتے ہیں کہ ہم اللہ پر اور یوم آخرت پر ایمان لائے مگر وہ مومن ہرگز نہیں وہ اللہ سے اور ایمان والوں سے دھوکہ کر رہے ہیں۔

یہاں ایک نازک مرحلہ درپیش ہے نفاق چونکہ اظہار اسلام اور اخفار کفر کی ایک باطنی کیفیت کا نام ہے اور ایک امر مخفی ہے اس لیے ہر مسلمان کے متعلق یہ گمان ہو سکتا ہے کہ شاید وہ اندر سے مسلمان نہ ہو اور اگر اس بدگمانی کو چلنے دیا جائے تو ساری ملت ہی مشتبہ ہو کر رہ جائے گی بس ضروری ہے کہ قرآن کریم میں منافقین کے کچھ ایسے نشان تلاش کیے جائیں جن سے اہل حق مشتبہ ہونے سے بچ سکیں کچھ لوگ تو ہوں جو پیغمبر کے ساتھ اٹھتے بیٹھتے ہوں اور ان کے بارے میں یقین سے کہا جا سکے کہ وہ اندر سے مومن ہیں، اور واقعی وہ پیغمبر کے ساتھی ہیں! اور واقعی وہ پیغمبر کے ساتھی ہیں۔

قرآن کریم کے پہلے پارے کے شروع میں منافقوں کی مفصل داستان ملتی ہے اس میں یہ بھی مذکور ہے۔

اذا قیل لھم اٰمنوا کما اٰمن النّاس قالوا انؤمن کما اٰمن السفھاء۔

(پ البقرہ ۱۳)

ترجمہ۔ جب انہیں کہا جاتا ہے کہ تم بھی اس طرح ایمان لاؤ جس طرح دوسرے لوگ ایمان لائے ہوئے ہیں تو وہ کہتے ہیں کیا ہم اس طرح ایمان لائیں جس طرح یہ بے وقوف لوگ ایمان لائے؟

اس سے پتہ چلتا ہے کہ منافقین کے دعوئ اسلام سے پہلے مسلمانوں کا ایک ایسا طبقہ ضرور موجود تھا جن کا اسلام معروف تھا اور وہ لوگ آئندہ مسلمان ہونے والوں کے لیے ایک معیار کی حیثیت رکھتے تھے۔ منافقوں کا مسلمانوں میں گھسنا یہ بعد کا ایک عمل ہے۔ سب سے پہلے جو لوگ ایمان کی صف میں آئے وہ یقیناً معیاری مسلمان تھے جیسے حضرت ابوبکرؓ حضرت عثمانؓ حضرت علیؓ اور حضرت بلالؓ وغیرہم۔ پھر حضرت عمرؓ بھی چالیسویں مسلمان تھے اور قرآن کی چالیسویں سورت المومن ہے۔ اس سے واضح ہوا کہ سابقین اوّلین کے دامن پر نفاق کا کوئی چھینٹا نہیں ہے وہ سب

کے سب حقیقی معنوں میں مسلمان اور مومن تھے ورنہ قرآن کریم ان کے ایمان اور منافقین کے دعویٰ ایمان کا اس ترتیب سے ذکر نہ کرتا اور ان پہلوں کو ان پچھلوں کے لیے معیار ایمان نہ ٹھہراتا۔

(۱) جب کوئی تحریک شروع ہوتی ہے تو اس کا پہلا دور محنت و تکلیف اور ہموم و مصائب کا دور ہوتا ہے کوئی مخالف ایسا بے وقوف نہیں ہوتا جو اس وقت محض مار کھانے کے لیے ان میں شامل رہے۔ ہاں جب اس کی کامیابی کے آثار کھلنے لگیں تو پھر بعض مخالف اس میں گھس کر ففتھ کالم کا کام کرتے ہیں پس وہ لوگ جو سب سے پہلے مسلمان ہوئے جیسے حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ حضرت ابوبکر صدیقؓ حضرت علی المرتضیٰؓ حضرت بلالؓ وغیرہم ان تمام حضرات کا دامن شائبہ نفاق سے کلیۃً پاک مانا جائے گا۔ منافقین کے دعوے ایمان کو کاٹنے کے لیے قرآن کریم انہی سابقین اولین کے ایمان کو بطور معیار پیش کرتا ہے اور انہیں انہیں کی اتباع میں آنے کا حکم دیا۔

(۲) منافقوں کا دوسرا نشان یہ ہے کہ وہ مکہ کے رہنے والے نہ تھے مدینہ یا اس کے مضافات کے رہنے والے تھے۔ مدنی زندگی میں ہی اسلام کو قوت حاصل ہوئی تھی اور اسی دور میں منافقوں کو مسلمانوں میں گھسنے کی ضرورت تھی۔ قرآن کریم میں ہے۔

وممن حولکم من الاعراب منافقون ومن اھل المدینۃ مردوا علی النفاق۔ (پ التوبہ ۱۰۱)

ترجمہ: تمہارے گرد و نواح کے بعض دیہاتی منافق ہیں اور کچھ لوگ مدینہ کے ہیں جو منافقت پر اڑے ہوئے ہیں۔

اس آیت سے پتہ چلا کہ نفاق کا فتنہ مسلمانوں کی مدنی زندگی میں ہی ابھرا تھا پس جو لوگ مکہ میں مسلمان ہوئے تھے جیسے حضرت ابوبکرؓ حضرت عمرؓ حضرت علیؓ اور دوسرے مکی مسلمان وہ سب کے سب نفاق کے ہر شائبے سے پوری طرح محفوظ سمجھے جائیں گے۔ قرآن کی رو سے منافقین کے لیے اہل مدینہ میں سے ہونا ضروری ہے۔

(۳) منافقین جو مسلمانوں کی مخبری کے لیے اس دائرہ میں گھسے۔ اسلام کی راہ میں مال خرچ کرنے سے پوری طرح گریزاں رہے۔ ان کا مقصد مسلمانوں کو نقصان پہنچانا تھا نہ کہ کسی قسم کا فائدہ دینا۔ اس سلسلہ میں وہ بڑے محتاط رہتے تھے۔

ھم الذین یقولون لا تنفقوا علیٰ من عند رسول اللّٰہ حتٰی ینفضوا و للّٰہ خزائن السمٰوات والارض ولٰکن المنافقین لا یفقھون۔ (پ۲۸ منافقون۷)

ترجمہ۔ وہ لوگ کہتے ہیں کہ مت خرچ کرو ان پر جو رسول اللہ کے ساتھ رہتے ہیں یہاں تک کہ یہ متفرق ہو جائیں۔ اور اللہ ہی کے لیے ہیں خزانے زمین اور آسمان کے لیکن یہ منافق سمجھتے نہیں۔

المنافقون والمنافقات بعضھم من بعض یأمرون بالمنکر وینھون عن المعروف ویقبضون ایدیھم۔ (پ۱۰ التوبہ ۶۷)

ترجمہ۔ منافق مرد اور منافق عورتیں سب کی چال ایک ہے بُری باتیں سکھاتے ہیں اور باتیں چھڑاتے ہیں اور موقعہ پر اپنی مٹھی بند رکھتے ہیں۔

(۴) قرآن کریم کی اس نشاندہی سے پتہ چلتا ہے کہ وہ حضرات جنہوں نے آنحضرتؐ پر اور مہمات اسلام پر اپنا مال خرچ کیا جیسے حضرت ابو صدیقؓ اور حضرت عثمان غنیؓ وغیرہما من الاکابر سب پکے مومن تھے ان کی سیرت شبہ کے ہر شائبہ سے پاک اور پوری طرح محفوظ مانی جائے گی۔ منافقین کی بنیادی علامت یہ ہے کہ وہ حضورؐ پر کچھ خرچ نہ کرتے ہوں۔ نیز یہ آیت دلالت کرتی ہے کہ منافقین نمایاں طور پر نیک کام سے دور تھے اور بُرے کاموں میں عمداً کوشاں رہتے تھے۔ اکابر صحابہ کرامؓ کا عمل بالمعروف اس قدر نمایاں تھا کہ ان کی سیرت کی چادر نفاق کے ہر چھینٹے سے پاک نظر آتی ہے۔ علامہ ابن میسم بحرانی نہج البلاغہ کی شرح میں حضرات خلفاء ثلٰثہؓ اور حضرت امیر معاویہؓ میں فرق کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

ان الفرق بین الخلفاء الثلٰثة وبین معاویة فی اقامة حدود اللّٰہ والعمل بمقتضی اوامرہ ونواھیہ ظاھر [۱]

ترجمہ۔ خلفائے ثلٰثہؓ اور امیر معاویہؓ کے زمانہ حکومت میں نمایاں فرق یہ تھا کہ خلفائے ثلٰثہ اقامت حدود الٰہی میں اور اوامر و نواہی کے تقاضوں پر عمل کرنے میں پوری طرح کوشاں تھے۔

---

[۱] شرح نہج البلاغہ لابن میسم بحرانی جلد ص

⑤ آنحضرتؐ کے زمانے میں منافقوں نے ایک علیحدہ مسجد بنائی اور اسے مستند قرار دینے کے لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس میں نماز پڑھنے کی دعوت دی۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے آپ کو ہدایت فرمائی :-

لا تقم فیہ ابداً لمسجد اسس علی التقویٰ من اول یوم احق ان تقوم فیہ فیہ رجال یحبون ان یتطہروا۔ (پ۱۱ التوبہ ۱۰۸)

ترجمہ۔ آپ اس مسجد میں کبھی کھڑے نہ ہوں وہ مسجد جس کی بنیاد پہلے دن سے ہی پرہیزگاری پر رکھی گئی ہو آپ کا حق یہی ہے کہ وہیں کھڑے ہوں اس میں ایسے لوگ رہتے ہیں جو پاک رہنے کو ہی پسند کرتے ہیں۔

قرآن کریم کی اس نشاندہی سے پتہ چلا کہ آنحضرتؐ کی مسجد مبارک کی تعمیر میں شریک ہونے والے اور پھر اس میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہنے والے ـــ نمازوں میں آپ کے ساتھ رہنے والے اور اس مسجد میں تعلیم و تربیت پانے والے سب کے سب پکے مومن تھے۔ اگر اس مسجد کے بسانے والوں پر بھی نفاق کا کوئی دھبہ ہو تو اللہ رب العزت منافقوں کی مسجد میں جانے سے حضور اکرمؐ کو اس طرح منع نہ فرماتے۔ بس منافقوں کی بنیادی علامت یہ ہے کہ وہ آنحضرتؐ سے قلیل المخالطت ہوں آپ سے اکثر ملنا جلنا نہ ہو آپ کی مسجد میں بہت کم آتے ہوں علیحدہ مسجد بنانے کے درپے ہوں۔

⑥ منافقوں کا ایک واضح نشان یہ ہے کہ وہ انجام کار مغلوب ہوئے ہوں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ہی ذلیل اور رسوا ہو گئے ہوں۔ جو لوگ آنحضرتؐ کے حضور میں آخر دم تک مسلمانوں کے اہم امور میں دخیل اور کارفرما رہے اور حضور اکرمؐ کے بعد بھی وہ مسلمانوں کا مرکز بنے رہے وہ سب بالیقین پکے مومن تھے اور ان کے دامنِ سیرت پر نفاق کا کوئی دھبہ نہیں ہو سکتا۔ قرآن کریم نے بڑی ذمہ داری سے اس کا اعلان کیا ہے :-

لئن لم ینتہ المنافقون والذین فی قلوبھم مرض والمرجفون فی المدینۃ لنغرینك بھم ثم لا یجاورونك فیھا الا قلیلا ملعونین اینما ثقفوا اخذوا وقتلوا تقتیلا (پ۲۲ الاحزاب ۶۰)

ترجمہ. اگر منافق باز نہ آئے اور وہ لوگ جن کے دلوں میں روگ ہے اور مدینہ میں جھوٹی خبریں اُڑانے والے تو ہم تمہیں ان سب پر مسلط کر دیں گے پھر وہ تیرے ساتھ مدینہ میں رہ بھی نہ سکیں گے مگر تھوڑے دن اور ان دنوں میں بھی وہ ملعون ہو کر ہی رہیں گے جہاں پائے جائیں گے پکڑے جائیں گے اور مارے جائیں گے۔

⑦ منافقین کا ایک نشان یہ بھی ہے کہ ان کی زندگیوں میں تسلسل نہیں ہوتا اور ان کا کردار شب و روز بدلتا ہے ایسے منافقین زیادہ تر یہود میں سے تھے۔

وقالت طائفة من اهل الكتاب امنوا بالذی انزل علی الذین اٰمنوا وجه النهار واكفروا اٰخره لعلهم يرجعون. (پ آل عمران ۷۲)

ترجمہ. بعض اہل الکتاب نے سکیم بنائی کہ جو اُترا ہے مسلمانوں پر اسے صبح کو مان لو اور شام کو اس کا انکار کر دو. شاید کچھ اور لوگ بھی اس طرح اسلام سے پھر جائیں۔

ان المنافقين يخٰدعون الله وهو خادعهم واذا قاموا الی الصلوٰة قاموا كسالٰی يراءون الناس ولا يذكرون الله الا قليلا. مذبذبين بين ذٰلك لا الٰی هٰؤلاء ولا الٰی هٰؤلاء. (پ النساء ۱۴۲)

ترجمہ. منافق دغابازی کرتے ہیں اللہ سے اور وہی اُن کو دغا دے گا اور جب کھڑے ہوتے ہیں نماز کو تو کھڑے ہوتے ہیں سُستی سے ـ لوگوں کے دکھانے کو. یاد نہیں کرتے اللہ کو مگر برائے نام مذبذب ہیں دونوں کے بیچ. نہ اُدھر کے نہ اِدھر کے۔

ان کی نماز کے لیے سُستی محض ایک عمل کی سُستی نہ تھی جیسے کہ آج کل کے بے نماز مسلمانوں میں یہ عملی سُستی پائی جاتی ہے بلکہ اس کی وجہ ان کی بدنیتی تھی اور مسلمانوں کو دھوکہ دینا تھا اسی طرح ان منافقوں کا جنگ کے وقت کنارہ کش ہونا بُزدلی اور کمزوری کی وجہ سے نہ ہوتا تھا بلکہ اس کی وجہ دوسرے مسلمانوں کو بدگمان کرنا اور افواجِ اسلام کو عملاً نقصان پہنچانا تھا. جنگِ احد میں مسلمانوں

بکھر جانا ایک غلط فہمی اور زیادہ سے زیادہ ایک طبعی کمزوری کی وجہ سے تھا مگر جنگ احزاب میں ایک پورے فریق کی کنارہ کشی کمزوری کی وجہ سے نہ تھی ایک سازش اور منافقت کے نتیجہ میں تھی۔ یہی وجہ ہے کہ رب العزت کا معاملہ دونوں موقعوں پر مختلف رہا ہے۔

اظہارِ رسالت

قرآن کریم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کو ایک کامیاب رسالت کے طور پر پیش کیا ہے۔ ابتدائی مشکلات اور عملی صعوبتوں کے بعد انجام کار اسے غالب بتلایا ہے۔ قرآن کریم کی روشنی میں رسالت کا یہ انجام ہرگز نہیں کہ حضورؐ آخر وقت میں بالکل مجبور اور مغلوب ہو کر رخصت ہوئے ہوں اور آپ کے گرد و پیش منافق ہی منافق ہوں نہ آپ وصیت کر سکیں نہ اپنی مرضی سے نماز کے لیے امام بنا سکیں۔ یہاں تک کہ آپ کا جنازہ بھی رکھا رہ جائے اور اس وقت سچے مسلمان صرف چند آدمی ہی ہوں۔ معاذ اللہ ثم معاذ اللہ۔ اس طرح کی باتیں تاریخ کی جھوٹی روایات تو ہو سکتی ہیں لیکن حقیقت نہیں۔ قرآن کریم آپ کی رسالت کو ایک نہایت کامیاب مشن کے طور پر پیش کرتا ہے اور بتاتا ہے کہ آنحضرتؐ کے لیے ہر بعد کی منزل پہلی سے زیادہ روشن تھی۔ حضورؐ مکہ مکرمہ میں جب مشکلات میں گھرے ہوئے تھے تو آپ کو بشارت دی گئی :-

(۱) وللاٰخرۃ خیر لک من الاولیٰ۔ (پ ۳۰ الضحیٰ)

ترجمہ۔ اور بے شک بعد کی حالت آپ کے لیے پہلی سے بہتر ہوگی۔

حضورؐ پہلے یتیم تھے اللہ نے ٹھکانا دیا مفلس تھے اللہ نے غنی کر دیا۔ راہِ عمل کے جویا تھے اللہ نے راہیں روشن کر دیں، دشمنوں سے تنگ تھے اللہ رب العزت نے آپ کے تمام مخالفین کو آپ کے ہی رحم و کرم پر کر دیا۔

قرآن کی روشنی میں اس خیال کے لیے کوئی گنجائش نہیں کہ حضورؐ کے عہد میں حقیقی ایمان لانے والے صرف پانچ یا چھ آدمی تھے اور مومنین کی تعداد بعد کے ادوار میں فیصد نسبت میں زیادہ تھی۔ رب العزت اپنے مقربین کی صفت میں فرماتے ہیں :-

(۲) ثلۃ من الاولین وقلیل من الاٰخرین۔ (پ ۲۷ الواقعہ)

ترجمہ۔ اکثریت ہے پہلوں میں سے اور تھوڑے ہوں گے پچھلوں میں سے۔
مسلمان تعداد میں گو پچھلوں میں سے زیادہ ہوں گے لیکن حقیقی مومن فیصد نسبت کے اعتبار سے پہلوں میں زیادہ ہیں۔ نسبت فیصد مقربین کی زیادہ ہوگی اور پچھلوں میں یہ نسبت کم ہوجائے گی شیخ الاسلامؒ لکھتے ہیں:۔

ہر امت کے پہلے طبقے میں نبی کی صحبت یا قرب عہد برکت سے اعلیٰ درجہ کے مقربین جس قدر کثرت سے ہوئے ہیں پچھلے طبقوں میں وہ بات نہیں رہی۔[1]

(۳) کتب اللہ لاغلبنّ انا و رسلی۔ (پ۲۸ المجادلہ ۲۱)

ترجمہ۔ اللہ کا فیصلہ ہے کہ میں اور میرے رسول غالب آکر رہیں گے۔

جو صرف نبی ہوں وہ تو ظاہراً مجبور بھی کیے جا سکتے ہیں جیسے کہ بہت سے نبی شہید بھی ہوئے لیکن جو پیغمبر رسالت کا درجہ پائیں محال ہے کہ وہ آخر دم تک مغلوب رہیں۔

(۴) ولقد سبقت کلمتنا لعبادنا المرسلین۔ انھم لھم المنصورون۔ وان جندنا لھم الغالبون۔ (پ۲۳ الصافات ۱۷۱)

ترجمہ۔ ہمارا فیصلہ ہوچکا ہے ان بندوں کے حق میں جو رسول ہیں بے شک ان کو مدد دی جاتی ہے اور یہ گروہ بے شک غالب آکر رہتا ہے۔

کوئی شخص یہ نہ سمجھے کہ اس غلبے سے آخرت کا غلبہ مراد ہے آخرت انعامات کا گھر ہے وہاں غلبے کے کوئی معنی نہیں ہاں وہاں حق کی فتح ہونا یہ حقیقت مسلمہ ہے پس غلبے سے مراد یہاں اسی جہاں کا غلبہ ہے۔

(۵) انا لننصر رسلنا والذین اٰمنوا فی الحیوٰۃ الدنیا و یوم یقوم الاشھاد۔ (پ۲۴ المومن ۵۱)

ترجمہ۔ بے شک ہم مدد کرتے ہیں اپنے رسولوں کی اور (ان کے ساتھ) ایمان لانے والوں کی دُنیا کی زندگی میں بھی اور اس دن بھی جس دن گواہ کھڑے ہوں گے۔

---

[1] فوائد القرآن ص۸۹۷

پھر آنحضرتؐ کی زبان مبارک سے اعلان کرایا۔

قل للذین کفروا ستغلبون و تحشرون الیٰ جھنم وبئس المھاد۔

(پ۳ آل عمران ۲)

ترجمہ۔ کافروں سے کہہ دیجئے کہ تم عنقریب مغلوب ہو کر رہو گے اور ہانکے جاؤ گے دوزخ کی طرف اور وہ بُرا ٹھکانا ہے۔

(۷) قل للذین کفروا ان ینتھوا یغفر لھم ما قد سلف وان یعودوا فقد مضت سنّۃ الاولین۔ (پ الانفال ۳۸)

ترجمہ۔ کافروں سے کہہ دیجئے کہ اگر وہ باز آجائیں تو جو کچھ پہلے ہو چکا سب معاف ہے اور اگر وہ پھر وہی کچھ کریں تو ایسے لوگوں کا انجام پہلے سے فیصلہ شدہ چلا آرہا ہے۔

یہ نہ سمجھا جائے کہ یہ غلبہ رسالت صرف کھلے کافروں کے متقابل تھا۔ یہ دعوے بلا دلیل ہے جب منافق بھی حقیقت میں کافر ہیں تو اس تخصیص کے لیے ویسی ہی قطعی دلیل چاہیئے ثانیاً اللہ رب العزت حضور اکرمؐ کے غلبہ رسالت کے باب میں منافقین کا نام لے کر خبر دیتے ہیں کہ رسولوں کو غالب کرنے میں سُنّۃ اللہ کیا چلی آرہی ہے۔

(۸) لئن لم ینتہ المنافقون والذین فی قلوبھم مرض والمرجفون فی المدینۃ لنغرینّک بھم ثم لا یجاورونک فیھا الا قلیلاً ○ ملعونین اینما ثقفوا اخذوا وقتلوا تقتیلا ○ سنّۃ اللہ فی الذین خلوا من قبل ولن تجد لسنّۃ اللہ تبدیلا ○ (پ۲۲ احزاب ۶۰)

ترجمہ۔ اگر منافق اور وہ لوگ جن کے دلوں میں روگ ہے اور مدینہ میں جھوٹی خبریں اُڑانے والے اپنی شرارتوں سے باز نہ آئے تو ہم آپ کو اُن مسلط کر دیں گے پھر وہ آپ کے ساتھ مدینہ میں رہ بھی نہ سکیں گے مگر تھوڑے دن اور ان دنوں میں بھی وہ ملعون ہو کر ہی رہیں گے جہاں پائے جائیں گے پکڑے جائیں گے اور مارے جائیں گے یہی سُنّۃ اللہ ہے ان رسُولوں کے بارے میں جو پہلے

ہو چکے اور آپ بھی اس سُنتہ اللہ میں کوئی تبدیلی نہ پائیں گے۔

اس سے پتہ چلا کہ یہ عقیدہ کہ اللہ کے رسول اپنے اپنے وقت میں سب ناکام رہے یہ عقیدہ ہرگز اسلام کا نہیں۔ حضور خاتم النبیینؐ کا اپنے مشن میں کامیاب ہونا اور اپنے مخالفین پر غلبہ پانا یہ قطعیات میں سے ہے۔

کتاب

قرآن کریم میں کتاب کا لفظ لوحِ محفوظ کے لیے بھی آتا ہے جیسے :-

لا رطب ولا یابس الا فی کتابٍ مبین۔ (پ۷ الانعام ۵۹)

یا جیسے :-

فی کتابٍ مکنونٍ۔ (پ۲۷ الواقعہ ۷۸)

مگر جب اس کی صفت مبارک یا مصدق ہو یا اس کے ساتھ حکمت کا لفظ آجائے تو اس سے قرآن کریم مراد ہو گا۔ یعلمہم الکتاب والحکمۃ۔

کتاب سے کبھی پوری کتاب مراد ہوتی ہے جیسے :-

ذٰلک الکتاب لا ریب فیہ۔ (پ۱ البقرہ)

اور کبھی ایک ایک سورت کو بھی کتاب کہہ دیا جاتا ہے جیسے :-

یتلوا صحفاً مطہرۃ فیہا کتب قیمۃ۔ (پ۳۰ البینہ)

ترجمہ۔ یہ رسول وہ پاک صحیفے پڑھتا ہے جن میں کئی سچی کتابیں ہیں۔

اہل کتاب کے ذکر میں کتاب کا لفظ تورات اور انجیل کے لیے علیحدہ علیحدہ آتا ہے لیکن کبھی تورات اور انجیل دونوں کے لیے بھی کتاب کا اطلاق ہوتا ہے جیسے :-

انما انزل الکتاب علی طائفتین من قبلنا۔ (پ۸ الانعام ۱۵۶)

بعض مقامات پر کتاب سے اعمالنامہ بھی مراد ہوتا ہے :-

من اُوتی کتابہ بیمینہ۔ (پ۲۹ الحاقہ ۱۹)

الکتاب والحکمۃ سے قرآن کریم اور آنحضرتؐ کی ہمیشہ رہنے والی سنت مراد ہے کتاب

کا لفظ حکمت کے ساتھ جب بھی آتا ہے وہاں قرآن کریم ہی مراد ہے۔ ملائکہ نے حضرت مریم کو حضرت عیسیٰؑ کی بشارت دیتے ہوئے حضرت عیسیٰؑ کی یہ صفت بھی بیان فرمائی تھی۔

ویعلمه الکتاب والحکمة والتوراة والانجیل۔ (پ۳ آل عمران ۴۸)

یہ اس لیے کہ حضرت مسیح علیہ السلام اپنی آمد ثانی پر قرآن وسنت کے مطابق حکم کریں گے سو ضروری تھا کہ اللہ تعالیٰ آپ کو (آسمانوں میں) قرآن وسنت سکھلا دیں۔

آیت

آیت سے مراد قرآن کریم کے فقرات اور جملے بھی ہوتے ہیں۔ جیسے :۔

فاتوا بآیة من مثله (پ) — اس جیسی ایک سورت بنالاؤ۔

یا جیسے :

تلك آیات الکتاب۔ (پ۱۱ یونس ۱)

یا جیسے :

لولا ارسلت الینا رسولاً فنتبع آیٰتك من قبل ان نذل ونخزی۔ (پ۱۶ طٰہٰ)

یا جیسے :۔

اذا تلیت علیهم آیاته (پ۹ انفال ۲)

یہ تنزیلی آیات ہیں اور کبھی اس سے قدرت کے کھلے نشان مراد ہوتے ہیں جیسے :۔

ان فی خلق السموات والارض ..... لآیات لقوم یوقنون۔ (پ۲ البقرہ ۱۶۴)

یہ اللہ رب العزت کی تکوینی آیات ہیں۔

جب لفظ آیت انبیاء کی طرف نسبت ہو تو اس سے عام طور پر معجزات اور خرق عادت امور مراد ہوتے ہیں جیسے :۔

فلما جاءهم بآیاتنا۔ (پ۲۵ زخرف ۴۷)

ولقد ارسلنا موسیٰ بآیاتنا۔ (پ۲۴ مومن ۲۳)

ما تاتیهم من آیة من آیات ربهم۔ (پ۷ انعام ۴)

من اظلم ممن افتریٰ علی الله کذباً او کذب بآیاته۔ (پ۷ انعام ۲۱)

وان یروا کلّ اٰیۃ لا یؤمنوا بھا۔ (پ الانعام ۲۵)

فارسلنا علیھم الطوفان والجراد والقمّل والضفادع والدّم اٰیاتٍ مفصّلات (پ اعراف ۱۳۳)

واذا جاءتھم اٰیۃ قالوا لن نؤمن حتّٰی نوتیٰ مثل ما اوتی رسل اللّٰہ۔ (پ الانعام ۱۲۴)

واذا راوا اٰیۃ یستسخرون۔ (پ۲۳ الصافات ۱۴)

اس میں آنحضرتؐ کے بھی معجزات کا بیان ہے مسیحی علماء اس حقیقت کو دبانے کی کوشش کرتے ہیں کہ آیت سے مراد معجزہ ہو وہ اس کے معنی ہمیشہ فقرے اور جملے کے ہی ظاہر کرتے ہیں۔ اور یہ محض اپنے اس دعوے کو سچا کرنے کے لیے ہے کہ آنحضرتؐ کے اپنے زمانے میں ان سے خرقِ عادت امور ظاہر ہونے کا کہیں تذکرہ نہیں ملتا یہ دعوےٰ بالکل غلط ہے۔ آنحضرتؐ سے آیات صادر ہونے کا خود قرآن میں بیان موجود ہے اور قرآن کریم اس تعبیر سے پہلے انبیاء کے معجزات بھی پیش کرتا ہے۔ حضورؐ سے خرق عادت امور ظاہر نہ ہوتے تو آپ کے مخالفین آپ کو جادوگر کیوں کہتے؟

بُرہان

قرآن کریم میں بُرہان کا لفظ دلیل کے لیے بھی آتا ہے جیسے :۔

ھاتوا برھانکم ان کنتم صادقین۔ (پ البقرہ ۱۱۱)

مگر جب اس کی نسبت پیغمبروں کی طرف ہو تو اس سے عام طور پہ خرقِ عادت امور بیان ہوتے ہیں جیسے :۔

یاایّھا النّاس قد جاءکم برھانٌ[1] من ربّکم وانزلنا الیکم نورًا مّبینا۔ (پ النساء ۱۷۴)

یا جیسے :۔

فذانک بُرھانان من ربّک۔ (پ۲ القصص ۳۲)

میں معجزہ عصا اور ید بیضا مراد ہیں۔ حضرت شاہ عبدالقادر محدّث دہلویؒ فرماتے ہیں کہ یہ دونوں باتیں حضرت موسیٰؑ کے پاس سند نبوت کے طور پر تھیں

---

[1] عنی بالبرہان المعجزات وبالنور القرآن (بیضاوی)

عبادت

عبادت کا لفظ قرآن کریم میں کئی صیغوں میں آیا ہے۔ یہاں ہم تین لفظوں کی کچھ وضاحت کیے دیتے ہیں، عبادت، عبودیت اور عبدیت۔ یہ تینوں لفظ آپس میں بہت قریب ہیں۔

عبودیت کا معنی "اپنے رب پر راضی رہنا ہے" وہ جو چاہے کرے بندہ رضا بالقضا رہے۔ اور عبادت کا معنی ہے ایسے کام کرنا جن سے رب راضی ہو۔ عبدیت وہ بندگی ہے جس میں اپنی حاجت مندی اور محتاجی کا اقرار ہو۔

وہ رب ہے جو مختار کل ہے جو بندہ ہے اُس کا محتاج ہے۔ پیغمبروں سے اسی لیے عبدیت کی نفی نہیں ہوتی کہ وہ بھی ہر وقت اللہ تعالیٰ کے محتاج رہتے ہیں۔ اگر ان میں حاجت مندی نہ ہو وہ عبد نہیں رہتے۔ تمام پیغمبروں کے سردار حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھے۔ بایں ہمہ ہم ہر نماز میں اقرار کرتے ہیں کہ وہ اللہ کے بندے اور رسول تھے عبدہٗ ورسولہ آپ کے بارے میں کہا جاتا ہے۔ عبدیت کے یہ معنی امام غزالی (۵۰۵ھ) نے جواہر القرآن میں اور عبودیت اور عبادت کے مذکورہ معنی امام نسفی (۷۰۰ھ) نے بیان فرمائے ہیں۔

قرآن کریم میں عبدہٗ کا لفظ غلام کے معنی میں بھی آیا ہے اور یہ لفظ بندہ کے معنی میں بھی آتا ہے مگر دونوں میں فرق ہے:۔

① غلام غلامی سے نکل بھی سکتا ہے بایں طور کہ مالک اسے آزاد کر دے لیکن بندہ بندگی سے نکل نہیں سکتا جب تک رب رب رہے بندہ بندہ رہے گا بندہ میں کبھی کوئی خدائی صفت نہیں آئی۔

② غلام اپنے مالک کی فرمانبرداری دل سے نہیں کرتا وہ زرخرید ہوتا ہے اور اپنے آپ کو مجبور سمجھتا ہے۔ بندہ اپنے رب کی فرمانبرداری دل سے کرتا ہے ناپسندیدگی سے نہیں کرتا۔ بندہ بندگی سے نہیں نکلتا گو وہ کتنی روحانی ترقیات نہ کر جائے۔۔

سو عبادت اللہ تعالیٰ کی وہ فرمانبرداری ہے جو دل سے ہو یہ غلامی کی سی فرمانبرداری نہیں جو قہراً بھی ہوتی ہے یہ قلب سلیم سے اللہ کے حضور حاضر ہونا ہے الا من اتی اللہ بقلبٍ سلیم

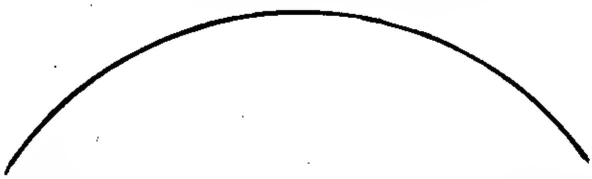
جو عبادت کے لائق ہے وہ الٰہ ہے یہ اُلوہیت سے فعال کے وزن پر ہے اور مفعول کے معنی میں ہے
الوہیت، اسی شان کا نام ہے جو عبادت کے لائق ٹھہرے۔

اِلٰہ کا لفظ أَلَہَ سے بنا ہے یا وَلِہَ سے۔ أَلَہَ کا معنی لائق عبادت ہونا ہے۔ اور
وَلَہ کا معنی انتہائے محبت کے لائق ہونا ہے والہانہ محبت کا لفظ آپ نے عام سنا ہوگا۔ اِلٰہ
کا لفظ مألوہٌ بمعنی معبود ہوگا اور معبود بھی وہ جس سے شدید محبت ہو۔

والذین امنوا اشد حبا للہ۔

بندہ اللہ تعالیٰ کے لائق عبادت ہونے کے اعتقاد سے اس کی محبت کے باعث
اور اپنی محتاجی اور حاجت مندی کے اقرار سے اس کے حضور اپنی عاجزی اور اپنے تذلل کا اقرار کرتا
ہے عبادت اسی خشوع اور تذلل کا نام ہے۔

اللہ کی عبادت میں ان دو چیزوں کو قطب کی حیثیت حاصل ہے عبادت ایک پھیلاؤ ہے جس
کے ایک قطب میں اللہ رب العزت کی انتہائی محبت اور دوسرے قطب میں اپنی حاجت مندی اور
عاجزی کا اقرار ۔۔۔ عبادت کا آسمان انہی دو قطبوں پر پھیلتا ہے۔



انتہائے محبتِ باری تعالیٰ — بندے کی انتہائی عاجزی اور تذلل

حافظ ابن قیم حنبلی (۷۵۱ھ) فرماتے ہیں:

وعبادة الرحمٰن غاية حبه   مع ذل عابده هما قطبان

وعليهما فلك العبادة دائر   مادار ما دارت القطبان

سو عبادت صرف اسی صورت میں ہو سکتی ہے کہ بندہ کی یہ انتہائی محبت ایک خدا کے سوا کسی
اور سے نہ ہو اور اپنی یہ عاجزی اور درماندگی بھی ایک خدا کے سوا کسی اور کے سامنے نہ ہو۔ انبیاء
اور اولیاء کی محبت بھی صرف اس لیے ہے کہ وہ اللہ رب العزت کی محبت کا سبب بنتے ہیں اور اللہ
کے حضور وہ خود بھی اپنی عاجزی اور حاجت مندی کا اقرار کرتے ہیں تاکہ ان کے ماننے والے کبھی اپنے

آپ کو صرف اسی کے آگے عاجز اور حاجت مند جانیں۔

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی (۱۰۵۲ھ) لکھتے ہیں:

اس عقیدہ کا فائدہ یہ ہے کہ انسان کی توجہ نفع و نقصان کے معاملہ میں ساری مخلوق سے ہٹ کر خالق کی طرف پھر جاتی ہے اور مخلوق کے موجود یا معدوم ہونے کی طرف بھی توجہ نہیں رہتی۔ ؎

کیا اس لفظ مخلوق میں انبیاء کرام، اولیاء عظام اور ملائکہ نظام سب نہیں آجاتے۔ حق یہ ہے کہ عبادت کے لائق صرف ایک اللہ رب العزت ہے اور کوئی مخلوق بڑا ہو یا چھوٹا اس کے ساتھ کسی کام میں شریک نہیں۔

محدث شہیر مجدد مائۃ دہم ملا علی قاری (۱۰۱۴ھ) لکھتے ہیں:

معلوم ہوا کہ صرف ایک خدا کا ماننا توحید نہیں ہے بلکہ اعتقاد اور قول و عمل پھر یقین و معرفت سے یہ ثابت کرنا کہ کوئی مخلوق خداوند تعالیٰ کے ساتھ کسی صفت میں مشابہ اور ملتی جلتی نہیں۔ ؎

بندہ قرآن کریم کی رُو سے موت تک اسی دائرہ عبادت میں رہنے کا مکلف ہے زندگی کے کسی مرحلہ میں بھی وہ عبادت کے اس دائرہ یقین سے نہیں نکل سکتا۔

واعبد ربک حتی یاتیک الیقین۔ (پ۱۴ الحجر)

ترجمہ۔ اور تو اپنے رب کی عبادت میں لگا رہ یہاں تک کہ تو دوسرے جہان کو دیکھ لے۔

جب تک بندہ اس عالم میں ہے وہ نبی ہو یا ولی دائرہ عبادت سے نکلنے کی کسی کو راہ نہیں دی گئی نہ کسی فرشتہ یا انسان کو اس کی اجازت دی گئی ہے۔ بندے جن اور فرشتے سب اسی لیے ہیں کہ تا حیات بندگی میں رہیں۔

وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون۔ (پ۲۷ الذاریات آیت ۵۶)

؎ اشعۃ اللمعات جلد ۱ صـ ؎ دیکھیے مرقات جلد ۱ صـ۴۶

تعمیمِ خاص

قرآن کریم بعض مقامات پر کسی خاص فرد کو ذکر کرتا ہے اور مقصود اس سے کوئی فرد معین نہیں ہوتا بلکہ ان صفات کا حکم بیان کرنا پیش نظر ہوتا ہے وہ صفات حسن و قبح جس میں بھی پائی جائیں وہ اس حکم کا مصداق ہوگا۔

ضرب اللّٰہ مثلاً قریۃً کانت اٰمنۃ مطمئنۃ۔ (پ۱۴ النحل ۱۱۲)

اس میں قریۃ گو لفظاً خاص ہے مگر اس سے کوئی خاص بستی مراد نہیں اسے تعمیم خاص کہتے ہیں۔

فلما تغشّٰہا حملت حملاً خفیفاً۔ (پ۹ الاعراف ۱۸۹)

میں بھی کوئی خاص آدمی مراد نہیں جس میں یہ اوصاف پائے جائیں وہی اس کا مصداق ہوگا۔

ووصّینا الانسان بوالدیہ احساناً۔ (پ۲۱ لقمان ۱۴)

میں بھی کوئی فرد معین مراد نہیں بعض اوقات لفظ خاص ہوتا ہے اور کنایۃً اس کا خطاب عام ہوتا ہے جیسے :۔

لئن اشرکت لیحبطنّ عملك۔ (پ۲۴ الزمر ۲۵)

میں حضورؐ کی ذات مراد نہیں سب کے لیے یہ حکم عام ہے مگر پیرایہ بیان خاص ہے۔

تخصیص عام

قرآن کریم کا خطاب بعض مقامات پر عام ہے مگر اس سے مراد ایک فردِ خاص ہے جیسے :

ولقد خلقناکم ثم صوّرناکم ثم قلنا للملٰئکۃ اسجدوا۔ (پ۸ الاعراف ۱۱)

یہاں خلقناکم میں کم سے تجوّزاً آدم علیہ السلام مراد ہیں کیونکہ ہماری پیدائش فرشتوں کے آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے سے مؤخر ہے اس سے پہلے کی نہیں۔

ہاں اس مقام پر اسے واحد کی بجائے جمع سے ذکر کرنے میں یہ حکمت ہے کہ کل بنی نوع انسان کو مسجود ملائکہ سمجھا جائے۔ آدم علیہ السلام کو اس حیثیت میں کہ تمام نوعِ انسانی کے باپ ہیں تمام فرشتوں نے سجدہ کیا تھا۔ ولقد خلقنا اٰدم کہنے کی بجائے ولقد خلقناکم کہنے میں اس طرف اشارہ ہے۔ کہ

خلیفۃ اللہ یا مسجود ملائکہ ہونے کا شرف حضرت آدم کا انفرادی درجے میں نہ تھا۔ وہ کل بنی نوع انسان کے باپ ہونے کی حیثیت میں اس سے مشرف ہوئے تھے۔

شیخ الاسلام لکھتے ہیں :۔

آدم علیہ السلام جن کا وجود تمام افراد انسانی کے وجود پر اجمالاً مشتمل تھا۔ (۵ہ)
خلیفۃ اللہ اور مسجود ملائکہ بنے لہ

کذٰلك اور کما

عام طور پر یہ لفظ تشبیہ کے لیے معروف ہے لیکن قرآن کریم میں یہ تشبیہ کے علاوہ کبھی تعلیل کے لیے بھی آتا ہے اور کذلك کے معنی دیتا ہے جیسے :۔

کذٰلكَ حقت کلمۃ ربكَ علی الذین کفروا انھم من اصحاب النّار۔ (پ۲۴ المومن ۶)

صاحب جلالین کہتے ہیں کہ یہاں کاف تشبیہ کی بجائے تعلیل کے لیے ہے اسی طرح :

واذکروہ کما ھدٰکم۔ (پ۲ البقرہ ۱۹۸) اسے یاد کرو بایں وجہ کہ اس نے تمہیں ہدایت دی میں بھی کاف تعلیل کے لیے ہے :۔

کما اخرجكَ ربكَ من بیتكَ بالحق۔ (پ۹ الانفال ۵)

میں علامہ ابوحیان اُندلسی کے بیان کے موافق کاف تعلیل کے لیے ہے۔

کبھی یہ کاف تشبیہ اور تعلیل کے علاوہ اظہار کمال کے لیے بھی آتا ہے جیسے :۔

کذٰلكَ انزلناہ حکمًا عربیًا۔ (پ۱۳ الرعد ۳۷)

یعنی "ہم نے اسے ایسا باکمال حکم اتارا ہے" یہ اسی طرح ہے جیسے کسی باکمال کام کو دیکھ کر کہتے ہیں کہ کام ایسا ہوتا ہے یہاں ایسا تشبیہ کے لیے نہیں بیانِ کمال کے لیے وارد ہوا ہے۔

آل اور اہلبیت

قرآن کریم میں آل کے معنی پیروی کرنے والوں کے آتے ہیں صلبی اولاد ضروری نہیں۔

واذ نجینٰکم من آل فرعون۔ (پ۱ البقرہ ۴۹)۔

اور کبھی یہ لفظ خاندان کے معنوں میں بھی آتا ہے جیسے :۔

ویتم نعمتہ علیك وعلیٰ آل یعقوب۔ (پ۱۲ یوسف ۶)

یہاں حضرت یعقوب علیہ السلام کا گھرانا مراد ہے۔ عربی زبان میں آل کے دونوں معنی ملتے ہیں۔ قاموس میں ہے :۔

آل الرجل اتباعہ واولیاءہ۔

دونوں معنوں میں امتیاز یوں کیجئے کہ جب گھر میں بات ہو رہی ہو تو آل سے مراد خاندان ہے اور جب قومی سطح پر بات ہو رہی ہو تو آل سے مراد پیروی کرنے والے ہیں اور پیروی سے مراد بھی ظاہری نسبت ہے نہ کہ کامل پیروی۔ قرآن کریم ایک شخص کو جو دل سے مومن تھا مگر ظاہر میں فرعون کے ساتھ تھا آلِ فرعون میں سے ہی ذکر کرتا ہے :۔

وقال رجل مومن من آل فرعون یکتم ایمانہ۔ (پ۲۴ مومن ۲۸)

قرآن کریم کی رُو سے اہل بیت بیوی کو کہتے ہیں۔ فرشتوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بیوی کو اہلبیت کہہ کر خطاب کیا تھا :۔

قالوا اتعجبین من امر اللہ ورحمۃ اللہ وبرکاتہ علیکم اھل البیت۔ (پ۱۲ ہود ۷۳)

یہ وہم نہ ہو کہ حضرت سارہ تو عورت تھیں ان کے لیے علیکم مذکر کی ضمیر کیوں ہے اس لیے کہ اہل اپنی لفظی حیثیت میں مذکر رہے گا گو اس کا مصداق مؤنث ہو پس اس کے لیے مذکر کی ضمیر آتی ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام جب آگ لینے کے لیے چلے تو آپ نے اپنی بیوی کو کہا تھا :۔

فقال لاھلہ امکثوا انی انست نارًا۔ (پ۱۶ طٰہٰ ۱۰)

یہاں امکثوا اہل کی لفظی حیثیت کی وجہ سے مذکر کا صیغہ ہے۔ قرآن کریم اسی طریق سے حضور اکرمؐ کی ازواجِ مطہرات کو خطاب فرماتا ہے :۔

انما یرید اللہ لیذھب عنکم الرجس اھل البیت ویطھرکم تطھیرًا۔ (پ۲۲ احزاب ۳۳)

آنحضرتؐ نے بعد ازاں اس فضیلت میں اپنی اولاد کو بھی شامل کر لیا تھا مگر اصالۃً اس آیت اہل بیت سے مراد ازواج مطہرات ہی تھیں۔ حضورؐ نے جب اپنی اولاد کو ایک چادر کے نیچے جمع کیا اور ان پر آیت تطہیر تلاوت فرمائی تو حضرت ام سلمہؓ نے پوچھا کہ کیا میں ان حضرات

اہل بیت میں سے نہیں؟ تو آپ نے فرمایا۔ بلیٰ کیوں نہیں، تو اپنی جگہ خیر پر ہے۔[۱]
ازواج مطہرات کا اہل بیت میں سے ہونا قرآن کریم میں تصریح سے موجود ہے سو اس کا انکار قرآن کریم کا انکار ہوگا۔ حدیث میں ہے کہ آپ نے اپنی اولاد کو ایک چادر میں لے کر انہیں بھی اس شرف میں داخل فرمایا

الم تر

قرآن کریم بعض ان واقعات کو جو کسی گذشتہ دور میں واقع ہوئے تھے ان کی شہرت عام اور تواتر کی بنا پر اس درجہ یقین میں بیان کرتا ہے گویا کہ یہ واقعات مخاطب کے اپنے چشم دید ہیں نہ دیکھی بات انتہائے یقین کی بنا پر دیکھی کے درجے میں بیان کی جاتی ہے۔ عرب کا یہ عام محاورہ ہے۔ آنحضرتؐ کے عہد مبارک میں مجزز نامی ایک مشہور قیافہ شناس تھا اس نے ایک شخص (جس کے نسب میں کچھ لوگ طعن کرتے تھے) کے پاؤں دیکھ کر اس کے باپ کے پاؤں پہچان لیے تھے اور بتا دیا تھا۔

ان ھٰذہ الاقدام بعضھا من بعض۔

آنحضرتؐ نے اس واقعہ کی خبر حضرت عائشہ صدیقہؓ کو ان الفاظ میں دی:۔

الم تری ان مجززًا نظر انفًا الٰی ـــ زید۔[۲]

اس سے پتہ چلتا ہے کہ الم تر کا محاورہ شہرت عام کی وجہ سے نہ دیکھی بات کو دیکھی کے درجے میں لانے کے لیے بھی ہے اس کا مطلب یہ ہے۔ "کیا تم نے نہیں دیکھا نہیں تو اب سن لو"

الم ترکیف فعل ربُّکَ باصحٰب الفیل۔ (پ۳۰ الفیل)

اور

الم ترالی الذین خرجوا من دیارھم وھم الوفٌ حذر الموت۔ (پ۲ البقرہ ۲۴۶)

میں اسی رویت قلبی کا بیان ہے۔

بعض مخالفین اسلام ان آیات سے قرآن کی تاریخی غلط بیانی پر استدلال کرتے ہیں حقیقت یہ ہے کہ وہ خود اس محاورے سے ناواقف ہیں۔ قرآن کریم نے جو کہا وہ بالکل صحیح اور اسلوب عرب کے عین مطابق ہے۔

---

[۱] بحار الانوار جلد ۱۰ صفحہ ۲۶۹ طبع قدیم [۲] طحاوی جلد ۲ صفحہ ۲۹

انّما

یہ کلمہ حصر ہے علمائے معانی اسے ما الّا کے معنوں میں لیتے ہیں لیکن کبھی یہ لفظ حصر کے بغیر محض تاکید کے معنوں میں بھی استعمال ہوتا ہے. علامہ رضی اس کے معنی پختہ بات کے کرتے ہیں. حصر ہو یا نہ ہو اور یہ معنی زیادہ مناسب اور آسان ہیں. حضرت جبریل نے حضرت مریم کو خطاب کرتے ہوئے کہا تھا :-

انّما انا رسول ربّك (پ۱۶ مریم ۱۹)

حالانکہ حضرت جبرئیل پیرایۂ رسالت کے بغیر بھی نزول فرماتے تھے :.

تنزّل الملٰئکة والروح. (پ۳۰ قدر) میں اسی پیرایہ میں آنے کا بھی ذکر ہے.

اسی طرح

انّما حرّم علیکم المیتة والدم ولحم الخنزیر. (پ۲ البقرہ ۱۷۳)

میں بھی حصر کے معنی نہیں ان کے سوا اور بھی محرمات ہیں جن کا ذکر سورۃ المائدہ میں موجود ہے پس بہتر یہی ہے کہ اس کے معنی پختہ بات کے کیے جائیں.

ثمّ اور واو عاطفہ

ثمّ کا لفظ عام طور پر ترتیب کے لیے آتا ہے جیسے :-

خلقناکم من ترابٍ ثم من نطفةٍ ثم من علقةٍ ثم من مضغة. (پ۱۷ الحج ۱۵)

لیکن کبھی کبھی معنی استبعاد کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے جیسے کسی بڑے انعام کا تذکرہ کر کے کہا جائے کہ "پھر تم ناشکری کرتے ہو" یعنی اتنے بڑے انعام کے بعد ناشکری ہونا ایک امر بعید ہے ثم استبعاد کا مطلب یہ ہے کہ ماقبل اور مابعد میں کوئی جوڑ نہیں ہو سکتا ہے جیسے :

الم تر الی الذین اوتوا نصیبًا من الکتاب یدعون الی کتاب اللہ لیحکم

بینھم ثم یتولّی فریق منھم. (پ۳ آل عمران ۲۳)

الحمد للہ الذی خلق السموات والارض وجعل الظلمٰت والنور ثم الذین کفروا بربھم یعدلون ۔ (پ الانعام)

میں ثم کا ماقبل اور مابعد کے ساتھ جوڑ نہیں کھاتا بعض نادر صورتوں میں ثم محض تعقیب ذکری کے لیے بھی آسکتا ہے واؤ عاطفہ ترتیب کے مطابق آئے تو یہ ایک امر اتفاقی ہے لیکن یہ ترتیب کو لازم ہرگز نہیں جیسے :-

یامریم اقنتی لربک واسجدی وارکعی ۔ (پ آل عمران ۴۲)

حذف

۱۔ حذف یا مضاف کا ہوگا جیسے :-

لیس البر ان تولوا وجوھکم قبل المشرق والمغرب ولکن البر من اٰمن باللہ ۔ (پ البقرہ ۱۷۷)

یعنی ولکن البر بر من اٰمن باللہ

۲۔ یا حذف موصوف کا ہوگا جیسے :-

واٰتینا ثمود الناقۃ مبصرۃ ۔ (پ بنی اسرائیل ۵۹)

یعنی اٰیۃ مبصرۃ یہ نہیں کہ وہ اونٹنی بینا تھی نابینا نہیں تھی ۔

واشربوا فی قلوبھم العجل بکفرھم ای حب العجل (پ البقرہ ۹۳)

ضعف الحیات وضعف الممات ۔ (پ بنی اسرائیل ۷۵) ای ضعف عذاب الحیاۃ

۳۔ یا حذف جار ہوتا ہے جیسے :-

واختار موسٰی قومہ ای من قومہ ۔

۴۔ یا حذف فعل ہوتا ہے :-

مانعبدھم الا لیقربونا الی اللہ زلفٰی (ای یقولون) الزمر ۳

۵۔ یا حذف مفعول ہوتا ہے جیسے :-

ان الذین اتخذوا العجل سینالھم (ای اتخذوا العجل الٰھا) اعراف ۷

یا حذف معطوف ہوتا ہے جیسے :۔

تاتوننا عن الیمین (ای وعن الشمال) وغیر ذلک۔ (پ۲۳ الصافات ۲۸)

ابدال

۱. کبھی ایک فعل کو دوسرے فعل کی جگہ کسی غرض کے لیے نقل کر کے لاتے ہیں جیسے :۔

اھذا الذی یذکر الھتکم۔ ای یسب الھتکم۔ (پ۱۷ انبیاء ۳۶)

یسب کی جگہ یذکر لایا گیا ہے اسی قبیل سے یہ قول بھی ہے کہ "فلاں کے دشمنوں کے ساتھ یہ کیا گیا" اصل میں یہ ہے کہ اس کے ساتھ یہ کیا گیا۔ ادب کی بنا پر اس کا نام نہیں لیا گیا۔

ثقلت فی السموات والارض۔ ای خفیت (پ۹ الاعراف ۱۸۷)

۲. کبھی شبہ فعل میں ابدال ہوتا ہے جیسے :۔

فظلت اعناقھم لھا خاضعین۔ (پ۱۹ الشعراء ۴)

حالانکہ بجائے خاضعین کے خاضعات کہنا چاہیے تھا کیونکہ اعناق مؤنث ہے مگر جب اعناق سے مراد جزو بول کر کل لیا گیا یعنی "وہ لوگ" تو ان کے لیے خاضعین جمع مذکر کا صیغہ لانا بلاغت کے مطابق ہوگیا۔

اسی طرح حضرت مریم علیہا السلام کے متعلق فرمایا :۔

کانت من القٰنتین یعنی ان میں مردوں جیسی صفات تھیں۔ (پ۲۸ التحریم ۱۲)

۳. اور ابدال کبھی حرف کا ہوتا ہے جیسے :۔

ولاصلبنکم فی جذوع النخل (ای علیٰ جذوع النخل) (پ۱۶ طٰہٰ ۷۱)

فسیروا فی الارض (ای علی الارض)

اس میں نکتہ یہ ہے کہ حروف میں مجاز اکثر تضمین کے لیے ہوتا ہے کہ ایک لفظ میں دوسرے لفظ کے معنی ضمناً آجاویں۔

۴. اسی طرح کبھی مستقبل کو ضروری الوقوع ہونے کے سبب ماضی کے لفظ سے تعبیر کرتے ہیں

ونفخ فی الصور۔ وسیق الذین کفروا الیٰ جھنم زمرًا۔ (پ۲۴ الزمر ۷۱)

۵. اور کبھی حالت قبیحہ کو جملہ دُعائیہ سے تعبیر کرتے ہیں۔

قتل الانسان ما اکفرہ تبت یدا ابی لہب وتب۔ (پ عبس ۱۷)

۶. اور کبھی کسی بات کو مخاطب کے علم کے موافق ظنی وتخمینی الفاظ سے تعبیر کرتے ہیں جیسے:۔

مأئۃ الف او یزیدون (پ الصافات ۱۴۷)

انا او ایاکم لعلیٰ ھدیً او فی ضلٰل مبین۔ (پ السبا ۲۴)

۷. ولا ھم منا یصحبون (ای لا ینصرون) (پ الانبیاء ۴۳)

چونکہ نصرت بغیر اجتماع اور صحبت کے ممکن نہیں اس لیے لا ینصرون کی جگہ لا یصحبون فرمادیا۔

۸. کبھی جملہ کو بجائے جملہ کے لاتے ہیں جیسے:۔

وان تخالطوھم فاخوانکم (ای وان تخالطوھم لا بأس بذٰلک) البقرہ ۲۲۰

ان یسرق فقد سرق اخ لہ من قبل (ای ان یسرق فلا عجب فقد سرق الی اخرہ۔

۹. کبھی اصل کلام میں تنکیر ہوتی ہے مگر لام یا اضافت لے آتے ہیں اور تنکیر بدستور باقی رہتی ہے جیسے

قیلہ یا رب ای قیل لہ یا رب اختصار کی وجہ سے قیلہ فرمادیا گیا۔

لحق الیقین ای حقٌ یقینٌ بوجہ اختصار اضافت کردی گئی۔

۱۰. کبھی مذکر کے بجائے مؤنث و بالعکس۔ اور مفرد کی جگہ تثنیہ و جمع بالعکس لے آتے ہیں جیسے:۔

فلما رالشمس بازغۃً قال ھذا ربی۔ (پ الانعام ۷۸)

نیز فرمایا گیا:۔

وخضتم کالذی خاضوا۔ (پ التوبہ ۶۹)

اسی طرح احادیث میں کثرت سے یہ جملہ آتا ہے۔ اللہ ورسولہ اعلم۔

۱۱. کبھی مخاطب کی جگہ غائب و بالعکس آتا ہے جیسے:۔

حتیٰ اذا کنتم فی الفلک وجرین بھم۔ (پ یونس ۲۲)

۱۲. اور کبھی جملہ خبریہ کی جگہ جملہ انشائیہ آتا ہے:۔ و بالعکس

ھو الذی جعل لکم الارض ذلولاً فامشوا فی مناکبھا۔ ای تمشوا۔ الملک ۱۵

اور کبھی اعراب میں بجائے "و" کے "ی" بھی آتی ہے۔ جیسے :-

والمقیمین الصلوٰۃ والموتون الزکوٰۃ بجائے مقیمون لایا گیا ہے۔ (پ النساء ۱۶۲)

لیکن آج کل کے بعض علماء سیبویہ وغیرہ کے قواعد صرف و نحو کو اتنا صحیح سمجھتے ہیں کہ آیت کو کھینچ تان کر ان کے مطابق کرنا ضروری جانتے ہیں اور یہ نہیں سمجھتے کہ اہل زبان کا محاورہ اسی طرح ہے اور یہ صحیح ہے۔ علاوہ ازیں قواعد کی صحت کا مدار قرآن پر ہے نہ کہ قرآن کا مدار صرف و نحو پر۔ نیز قرآن عرب اول کی لغت پر نازل ہوا۔ اس میں یہ تقیدیں کم ہیں ان ھذان لسحران اسی لغت پر ہے جس کی تاویل کی ضرورت نہیں کی۔ (پ۱۶ طٰہٰ ۶۳)

اختلاف معمولین

بعض جگہ ایک معمول کے ساتھ ایک فعل کا تعلق ہوتا ہے اور دوسرے معمول کے ساتھ دوسرے فعل کا۔ اور یہ دوسرا فعل چونکہ محذوف ہوتا ہے اس لیے بظاہر دونوں مختلف معمول ایک ہی فعل کے ماتحت دکھائی دیتے ہیں اور ان کے معنی کرنے میں الجھن پیش آجاتی ہے۔ اختلاف معمولین کی صورت میں ضروری ہوتا ہے کہ دوسرے معمول کا فعل محذوف مان لیا جائے جیسے کسی کا قول :

علفتھا تبناً وماءً بارداً۔

یعنی "میں نے اس کو بھوسہ اور پانی کھلا دیا"

حالانکہ کھلانے کا فعل ماءً (پانی) کے ساتھ صحیح نہیں ہوتا۔ پانی پلایا جاتا ہے، نہ کہ کھلایا جاتا ہے۔ چنانچہ اس اشکال کو دور کرنے کے لیے ماءً بارداً کا فعل اشربتُ محذوف مانا جائے گا اور تقدیر عبارت یوں ہوگی۔ علفتھا تبناً واشربتھا "ماءً بارداً" (میں نے اس سواری کو بھوسہ کھلایا اور پانی پلایا) اس طرح ایک فعل کے ساتھ دو مختلف معمولوں کا لانا اگرچہ ترکیب نحوی کے لحاظ سے دقت طلب ہوتا ہے لیکن محاورہ اور بلاغت کے لحاظ سے اس کا مقام بلند اور پسندیدہ ہے۔

قرآن کریم میں اس کی مثال یہ ہے :-

وله ما سکن فی اللّیل و النّھار ۔ (پ الانعام ۱۳)

سکون رات کے ساتھ مخصوص ہے نہ کہ دن کے ساتھ بھی۔ اس لیے سکن کا تعلق فی اللّیل کے ساتھ تو درست ہے لیکن "والنّھار" کے ساتھ اس کا تعلق درست نہیں ہے۔ کیونکہ دن حرکت کے لیے ہے نہ کہ سکون کے لیے۔ اس اشکال کو بھی اسی طرح دور کیا جائے گا کہ "و النّھار" کا فعل محذوف مان لیا جائے اور کہا جائے وله ما سکن فی اللّیل و "و نشر" فی النّھار۔

دوسری مثال:

یوم یاتی بعض ایات ربّك لا ینفع نفسًا ایمانها لم تکن امنت من قبل او کسبت فی ایمانها خیرًا۔ (پ سورۃ انعام ۵۸)

یعنی جس دن آئے گی ایک نشانی تیرے رب کی، کام نہ آوے گا کسی کے اس کا ایمان لانا جو کہ پہلے سے ایمان نہ لایا تھا یا اپنے ایمان میں کچھ نیکی نہ کی تھی۔

اس آیت کو اگر اپنے ظاہری معنی پر چھوڑ دیں تو اس سے معتزلہ کا یہ مذہب ثابت ہوتا ہے کہ عملِ صالح کے بغیر ایمان معتبر اور نافع نہیں ہے کیونکہ آیت کا خلاصہ اس طرح ہوتا ہے کہ:

یوم یاتی بعض ایٰت ربّك لا ینفع نفسًا ایمانها، او امنت و لم تکسب فی ایمانها خیرًا۔

جو شخص طلوعِ شمس سے پہلے ایمان نہیں لایا اس کو بعد طلوعِ شمس ایمان لانا مفید نہ ہو گا۔ یا ایمان تو طلوع سے قبل لے آیا لیکن عمل صالح نہ کیے تھے تو اس کو بھی محض ایمان بلا عمل نافع نہ ہو گا۔ (کذا قرّر الزمخشری) اور یہی معتزلہ کا مذہب ہے۔

لیکن ابن المنیر نے اس کا جواب دیتے ہوئے عبارت کی تشریح اس طرح کی ہے کہ:

لا ینفع نفسًا ایمانها او کسبها خیرا لم تکن امنت من قبل او لم تکن کسبت فی ایمانها خیرا۔

یعنی جو شخص پہلے سے ایمان نہیں لایا تو اس وقت اس کا ایمان مفید نہ ہو گا اور جس نے پہلے سے عملِ صالح نہیں کیے اب اس کے عملِ صالح معتبر نہ ہوں گے یعنی توبہ قبول نہ ہو گی۔ اس

تقریر کی بنا پر عمل صالح کی نفی ہوئی نہ کہ اصل ایمان کی جس کا خلاصہ یہ ہے کہ لا ینفع نفسًا ایمانها کے بعد او کسبها کا لفظ محذوف مانا جائے آیت کی اس تقریر کے مطابق معتزلہ کا مذہب ثابت نہ ہوا. اور اشکال رفع ہو گیا۔[1] اس آیت کے اور بھی متعدد جوابات ہیں روح المعانی میں دیکھ لیے جائیں.

اختلاف معمولین کی ایک اور مثال

لقد کفر الذین قالوا ان الله هو المسیح ابن مریم ، قل فمن یملك من الله شیئًا ان اراد ان یهلك المسیح ابن مریم و امّه و من فی الارض جمیعا۔ (پ۶ المائدہ ۱۷)

ترجمہ. بیشک وہ لوگ کافر ہوئے جو کہتے ہیں کہ اللہ مسیح بن مریم ہی ہے آپ کہیں کہ پھر اللہ کا کوئی کیا کر سکتا ہے اگر وہ مسیح کی موت کا ارادہ فرمالے اور اس کی ماں پر تو وہ موت وارد کر ہی چکا اور پھر جو لوگ ہی زمین پر ہیں ان سب کو موت دے دے (کون اس کا ہاتھ روک سکے گا)

اس آیت میں ان اراد ان یهلك کے تین معمول ہیں :-

۱. مسیح ۲. اس کی ماں ۳. دنیا کے تمام زندہ لوگ

مسیح پر جو کہ ابھی تک موت نہیں آئی وہ اس فعل (ان یهلك) کے تحت ہو سکتا ہے لیکن وامّه پر اس کا عمل نہ ہو گا کیونکہ وہ تو فوت ہو چکی اب اس کے لیے دوسرا فعل محذوف ماننا پڑے گا اور وہ (وقد اهلك) ہو گا یہاں ماں کا ذکر استشہاداً لایا جا رہا ہے کہ جب اللہ نے مسیح کی والدہ پر موت وارد کی تھی اس وقت مسیح نے اس کا کیا کر لیا تھا. اگر وہ خدا ہوتا تو کیا اپنی والدہ سے موت کو نہ روک سکتا تھا.

علامہ ابوالسعود (ھ) لکھتے ہیں :-

---

[1] حذف، ابدال اور اختلاف معمولین کے تین مباحث بیشتر حضرت خواجہ عبداللہ نقشبندی سے ماخوذ ہیں. فجزاہ اللہ عنا خیر الجزاء

وتخصیص امه بالذکر مع اندراجها فی ضمن من فی الارض لزیادہ تاکید عجز المسیح ولعل نظمها فی سلك من فرض ارادة اهلاکهم مع تحقق هلاکها قبل ذلك لتاکید التبکیت.... کانه قیل قل فمن یملك من الله شیئاً ان اراد ان یهلك المسیح وامه ومن فی الارض وقد اهلك امه فهل مانعه احد وکذا حال من عداها من الموجودین [۱]

ترجمہ۔ گویا یوں کہا گیا آپ کہہ دیں اللہ کے ہاں کون کس چیز کا مالک ہے اگر وہ حضرت مسیح کو اور اس کی والدہ کو اور تمام زمین کے رہنے والوں کو موت دینا چاہے تو کون اسے روک سکتا ہے اور وہ اس کی والدہ کو تو وفات دے ہی چکا ہے کون ہے اسے روکنے والا۔

سو امه کا ذکر استشہاداً ہے۔ شیخ الاسلام علامہ ابوالسعود (۹۸۴ھ) کی اس بات کی علامہ آلوسی نے روح المعانی میں اس طرح تائید کی ہے:۔

ولعل نظمها فی سلك من فرض اهلاکهم مع تحقق هلاکها قبل لتاکید التبکیت و زیادہ تقریر مضمون الکلام بجعل حالها انموذجا لحال بقیه من فرض هلاکه [۲]

ترجمہ۔ اور ہو سکتا ہے کہ حضرت مریم کو اس لڑی میں ذکر کرنا جن کی وفات فرض کی جا رہی ہے حالانکہ ان پر تو موت ہو چکی۔ تاکید تبکیت کے لیے ہو یہ حضرت عیسیٰ کے اس وقت (موت کے وقت) بے بس ہونے کی تاکید کے طور پر ہے اور مضمون کلام کو مزید پختہ کرنے کے لیے ہے مریم کا حال ان لوگوں کے لیے جن کی موت ابھی آنے والی ہے بطور نمونہ ذکر کیا گیا ہے۔

مراد یہ ہے کہ جس طرح حضرت مریم پر ہم موت مسلط کر چکے حضرت مسیح اور دوسری سب مخلوق پر بھی اسے مسلط کر دینا اسی طرح ہمارے قبضہ میں ہے۔ [۳]

تاکید تبکیت کی اپنے ہاں کی ایک مثال

دو شخص آپس میں جھگڑ رہے تھے ایک نے طیش میں آکر دوسرے کو کہا آ سامنے آ تجھے دیکھتا

[۱] تفسیر ابی السعود جلد ۳ ص ۲۰ [۲] روح المعانی جلد ۶ ص ۹۹ [۳] معارف القرآن جلد ۳ ص ۸۸

ہوں اور اپنے باپ کو بھی بُلا لے۔ اب کوئی تمہیں میری گرفت سے نہ نکال سکے گا۔ وہ اس طرح اپنی قوت اور قدرت کا رعب ڈال رہا تھا معلوم کرنے پر پتہ چلا کہ اس کا باپ بیس سال پہلے مرچکا ہوا ہے لیکن اس شخص کا اس پر ڈالنا اس کے والد کو زندہ ثابت کرنے کے لیے نہ تھا اسے عاجز ثابت کرنے کے لیے تھا اگر وہ زندہ بھی ہوتا۔

علامہ قرطبی (۶۷۱ھ) علامہ ابوالسعود سے پہلے بھی یہ بات کہہ چکے ہیں:۔

فاعلم اللہ تعالیٰ ان المسیح لوکان الٰھاً لقدر علی دفع ما نزل بہ او لغیرہ و قدامات امہ ولم یتمکن من دفع الموت عنہا۔ (الجامع لاحکام القرآن ج ۶ ص ۱۱۹)

ترجمہ۔ سو اللہ تعالیٰ نے بتلا دیا کہ مسیح اگر معبود ہونے کے لائق ہوتا تو اس پر یا اس کے دوسروں پر جو تکلیفیں آئیں وہ ان کے دفع کرنے پر ضرور قادر ہوتا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی ماں پر موت اُتاری اور وہ اسے اس سے نہ روک سکا۔

اس تفصیل سے پتہ چلا کہ مفعول معہ کا اپنے ماقبل کے ساتھ فعل میں شریک ہونا ضروری نہیں امہ کا ان ارادان یھلک کے تحت ہونا ضروری نہیں۔ اس کے لیے یہ دوسرا فعل متقدر مانا جاسکتا ہے وقد اھلک امہ — ابوالسعود جلد ۳ ص ۲۰

مفعول معہ کی چند اور مثالیں

(۱) ایک نہر میں پانی کی بلندی بتانے کے لیے ایک لکڑی گڑی تھی۔ نہر میں پانی آیا اور اس لکڑی کے سر تک آگیا۔ ایسے موقع پر کہنے والے نے کہا۔ استوی الماء والخشبۃ پانی لکڑی کے سرے تک آگیا۔ استوی کا عمل صرف پانی پر ہوا لکڑی پر نہیں مفعول معہ کا اپنے ماقبل کے ساتھ فعل میں شریک ہونا ضروری نہیں ہے۔

(۲) ایک شخص کہتا ہے میں نے نیل کے کنارے کنارے سیر کی۔

سرت والنیل یہاں والنیل مفعول معہ واقع ہوا ہے پانی کا کام سیر کرنا نہیں چلنا ہے یہ کہنا ہوتا تو یوں کہا جاتا۔ سرت وجری النیل۔ یہ واؤ عاطفہ ہے اور جمع کے لیے ہے۔

(۳) کہتا ہے تم اپنے چچازاد بھائیوں کے ساتھ اس طرح مل کر رہو جیسے گُردے تلی کے ساتھ ملے ہوتے

ہیں اس موقع پر عرب یُوں کہیں گے۔

کونوا انتم وبنی ابیکم مکان الکلیتین من الطحال۔

اس میں بنی ابیکم مفعول معہ ہے اور یہ فعل امر کونوا کے تحت نہیں۔

(۴) سورج نکلنے کے وقت زید مرگیا اسے عربی میں اس طرح کہیں گے مات زید وطلوع الشمس یہاں طلوع الشمس مفعول معہ ہے۔ سو اس جملے کا یہ معنی غلط ہوگا کہ زید مرگیا اور طلوع الشمس بھی مرگیا۔ مفعول معہ کا فعل میں اپنے ماقبل کے ساتھ شریک ہونا ضروری نہیں۔ یہ مثالیں امام سیوطی نے پیش کی ہیں۔

سو قرآن کریم کی آیت مذکورہ سورۃ مائدہ میں وامّہ ___ المسیح بن مریم کے ساتھ ان اراد ان یھلک میں شریک نہیں۔ یہ تاکید تبکیت کے لیے ہے کہ مسیح بن مریم کے ساتھ ان کی والدہ اور تمام دنیا والے بھی کھڑے ہو جائیں تو اس سے موت کو نہ روک سکیں گے۔ آپ علاماتِ قیامت میں سے ہیں وانہ لعلم للساعۃ (پ۲۵ الزخرف) نزول فرمالے پر ان پر موت آئے گی اور کوئی طاقت ان سے اس کو نہ روک سکے گی۔ مفسرین نے اس آیت کو اسی طرح سمجھا ہے اور یہ آیت صریح طور پر بتلا رہی ہے کہ اس کے نزول کے وقت حضرت عیسٰی زندہ تھے اور ان پر ابھی موت نہ آئی تھی۔

قادیانی جو حیاتِ مسیح کے منکر ہیں کبھی اس پر آجاتے ہیں کہ اس آیت میں حضرت عیسٰی علیہ السلام سے ہلاکت کی نفی ہے جس سے مراد ذلت کی موت ہے۔ ایسا نہیں یہاں اہلاک سے مراد مطلق اماتت ہے۔ علامہ آلوسیؒ لکھتے ہیں :-

المراد باھلاک الاماتۃ والاعدام مطلقًا لاعن سخط وغضب۔[1]

ترجمہ۔ اہلاک سے مراد موت دینا اور پھانسی دینا دونوں ہو سکتے ہیں لیکن اہلاک سے مراد ناراضگی اور ذلت کی موت نہیں۔

وفات کی دو قسمیں ہو سکتی ہیں موت کی کوئی دو قسمیں نہیں۔[2] واللہ اعلم وعلمہ اتم واحکم

---

[1] روح المعانی جلد ۶ صفحہ ۹۹ [2] علامہ خازن نے فلما توفیتنی کے تحت لکھا ہے المراد بہ وفاۃ الرفع لا الموت (تفسیر خازن جلد ۱ صفحہ ۵۰۸) قادیانیوں کا یہ کہنا درست نہیں کہ علامہ خازن عربی نہ جانتے تھے اور انہیں توفیتنی کے صحیح معنی معلوم نہ ہو سکے وہ یونہی لفظ کو اس کے مادہ سے پہچانتے تھے۔ نعوذ باللہ من الجھل وسوء الفھم۔

لاجناح علیکم کا ایک استعمال

اس کا اردو ترجمہ یہ ہے "تم پر کوئی گناہ نہیں" بظاہر یہ الفاظ صرف جواز کا پتہ دیتے ہیں لیکن قرآن پاک میں یہ الفاظ درجہ واجب کے لیے بھی استعمال ہوتے ہیں۔ حج اور عمرہ میں کوہِ صفا اور مروہ کے درمیان سعی (دوڑنا) واجب ہے مگر قرآن کریم اسے ان الفاظ میں لاتا ہے۔ یہاں انسانی فکر اور گہرائی میں اترتی ہے اور ایک حکم کی مختلف جہات میں نظر جاتی ہے کہ ایک جہت سے یہ سمجھانا مقصود ہو کہ اس میں کوئی حرج نہیں اور دوسری جہت سے وہ ایک حکم ہو جو اصل میں واجب کے درجے میں ہو۔

کرنے اور نہ کرنے کے کام اَمر اور نہی میں دائر ہیں واجب امر کے تحت چلتا ہے اسے بطور رخصت بیان نہیں کیا جاتا۔ رخصت نہی کے تحت ایک پہلو ئے جواز ہے ایک استثناء ہے جو ایک "منع" میں لایا جا رہا ہے۔ مثلاً کہا جائے کہ لہسن کھا کر مسجد میں نہ آیا کرو پھر کہا جائے کہ اگر کھانا ہی ہو تو پکا کر کھاؤ کچا نہیں تاکہ اس کی ہوا دوسروں کو بُری نہ لگے۔ سو یہ ایک رخصت ہے جو نہی کے بعد سامنے آتی ہے۔ یا کہا جائے کہ امام کے پیچھے قرآن نہ پڑھا کرو ہاں سورۂ فاتحہ پڑھ لیا کرو یہاں کوئی نہ کہے گا کہ سورۂ فاتحہ پڑھنا ضروری ہے۔ نہی سے جب استثناء ہو تو وہ مفید اباحت ہوتا ہے نہ کہ مفید وجوب۔

اسلام نے جاہلیت کے مقابل بُتوں اور پتھروں کو کوئی درجہ تعظیم نہیں دیا۔ کوہِ صفا اور کوہِ مروہ اور حجرِ اسود بھی تو آخر پتھر ہی ہیں۔ پھر ان کی تعظیم کس پہلو سے روا رکھی گئی۔ صفا اور مروہ کو شعائر اللہ میں قرار دیا گیا اور شعائر اللہ کی تعظیم تقویٰ قلوب ٹھہرائی گئی؟

صفا اور مروہ بایں طور تو شعائر اللہ میں سے ہیں کہ ان کے پاس ایک وقت اللہ کی قدرت بے حجاب ظاہر ہوئی جب حضرت ہاجرہ یہاں دوڑ رہی تھیں اور اسماعیل کی ایڑیوں کے پاس زمزم کا چشمہ پھوٹ رہا تھا۔ اس پس منظر میں یہ پہاڑیاں بے شک شعائر اللہ میں سے ہیں لیکن اس سے بھی انکار نہیں کہ یہ خود پتھر ہیں اور کسی کو نفع و نقصان نہیں دے سکتے۔

اب شعائر اللہ ہونے کے اعتبار سے بے شک ان دو پہاڑیوں کے درمیان دوڑنا ضروری قرار پایا لیکن ان ذہنوں کو بھی جو اپنے ہاں پتھروں کو کوئی عزت دینے کے لیے تیار نہ تھے۔ اس کے لیے تیار کرنا ضروری تھا۔ سو بتلایا گیا ہے کہ اللہ کے حکم کے تحت ان دو پہاڑیوں کو سعی کا اوّل اور آخر بنانا اس میں ہرگز ہرگز کوئی وجہ شرک نہیں۔ یہ صرف حکم خداوندی کی تعمیل ہے اور حجر اسود کو بھی اس لیے بوسہ دینا ہے کہ حضورؐ نے اسے بوسہ دیا تھا۔ اب جو سعی کا حکم دیا گیا ہے اسے حدیث میں تو ضروری ٹھہرایا گیا لیکن مسلمان جو جاہلیت کی سیرا سے طبعاً نفور تھے انہیں یوں سمجھایا گیا۔

فمن حج البيت او اعتمر فلا جناح عليه ان يطوف بهما۔ (پ۲ البقرہ ۱۵۸)

ترجمہ۔ سو جو حج یا عمرہ کرے اسے ان دونوں پہاڑوں کے ساتھ گھومنے میں کوئی گناہ نہیں ہے۔

پھر اللہ تعالیٰ سے اس کا فضل مانگنے کی تلقین کی گئی وہاں بھی یہ تعبیر اختیار کی۔ حالانکہ اللہ رب العزت سے اس کے فضل کی طلب کسی کے ہاں بھی کوئی مکروہ عمل نہ تھا اس میں بتا دیا گیا کہ قرآن کریم کے محاورے میں لا جناح علیکم کسی ایسی بات پر ہی نہیں آتا جس سے اس کی کراہت اور ناپسندیدگی اٹھانی مقصود ہو۔ ارشاد ہوتا ہے :-

ليس عليكم جناح ان تبتغوا فضلاً من ربكم فاذا افضتم من عرفات فاذكروا الله عند المشعر الحرام۔ (پ۲ البقرہ ۱۹۸)

ترجمہ۔ تم پر کوئی گناہ نہیں کہ تم اللہ تعالیٰ سے اس کا فضل چاہو۔ سو جب تم عرفات سے چلو تو مشعر حرام کے پاس اللہ کا ذکر کرو۔

حج اور عمرہ ہمارے ملتِ ابراہیمی ہونے کے نشان ہیں اپنے آپ کو حضرت ابراہیم علیہ السلام سے وابستہ رکھنے کے لیے حضرت ابراہیمؑ کے بعض وقائع دینی کا ان اعمال میں مشمول و معمول ہونا ضروری تھا۔ اس لیے طوافِ کعبہ، رمی جمار، کوہِ صفا و مروہ میں سعی، مشعر الحرام کے پاس اللہ کی یاد اور پیٹ بھر کا زمزم پینا ان تمام اعمال کو اسلام میں عبادت میں جگہ دی گئی۔

صفا اور مروہ میں دوڑنا ان پتھروں کی تعظیم کے لیے نہیں

نشانِ منزل اور محل تعظیم ہونے میں جوہری فرق ہے۔ کہ صفا اور مروہ سعی کے لیے نشانِ منزل تو ہیں مگر محل تعظیم نہیں مسلمان اگر انہیں محل تعظیم سمجھتے تو ان پر کبھی نہ چڑھتے۔ حالانکہ سعی کا آغاز کوہِ صفا پر چڑھ کر کیا جاتا ہے اور مروہ پر چڑھ کر ہی ایک چکر پورا ہوتا ہے

حجرِ اسود کی کتنی تعظیم ہے کہ لوگ ٹوٹ ٹوٹ کر طواف کرتے ہوئے اسے بوسہ دے رہے ہیں لیکن حضرت عمرؓ اسے مخاطب کر کے کہتے ہیں کہ میں جانتا ہوں تو ایک پتھر ہے تو نہ کسی کو کوئی نفع دے سکتا ہے نہ نقصان۔ ہم تجھے بوسہ اس لیے دے رہے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تجھے بوسہ دیا ہے۔

جن مسلمانوں کو شروع سے پتھروں سے دور رکھا گیا تھا انہیں پتھروں کے درمیان دوڑانے کے لیے پہلے یہی انداز سامنے لانا ضروری تھا۔ لا جناح علیہ ان یطوف بھما اور جب اس گمان کے بادل چھٹ گئے تو اس سعی کو واجب کا درجہ دیا گیا جس کے بغیر نہ عمرہ مکمل ہوتا ہے نہ حج۔

اس ایک پس منظر کے سوا قرآن پاک میں لا جناح علیکم اپنے اصل معنی میں بھی استعمال رہا۔

(۱) جو عورت طلاق مغلظہ سے خاوند سے جدا ہو چکی اور پھر دوسرے خاوند سے بھی اس کا نبھاہ نہ ہو سکا اب پہلے خاوند کی طلاق مغلظہ اس کے لیے اس سے نکاح کرنے میں مانع نہ ہوگی اسے اسی پیرایہ میں بیان کیا گیا۔

فلا جناح علیھما ان یتراجعا ان ظنا ان یقیما حدود اللہ۔ (پ۲ البقرہ ۲۳۰)

ترجمہ: سب ان دونوں پر اس میں کوئی گناہ نہیں کہ اگر وہ سمجھیں کہ ہم اللہ کی حدود قائم رکھ سکیں گے تو وہ آپس میں رجوع (نکاح) کر لیں۔

(۲) جاہلیت میں ایک یہ ذہن تھا کہ عورت کو نکاح کے بعد گھر لانا ضروری ہے اس حال میں اسے طلاق نہیں دی جا سکتی۔ اس کے ازالہ کے لیے فرمایا۔

لا جناح علیکم ان طلقتم النسآء ما لم تمسوھن۔ (پ۲ البقرہ ۲۳۶)

ترجمہ: تم پر کوئی گناہ نہیں اگر تم عورتوں کو گھر لانے سے پہلے ہی طلاق دے دو۔

(۴) قرآن مجید میں ماؤں کو حکم دیا گیا کہ اپنے بچوں کو پورے دو سال دودھ پلائیں۔ خاوند بیوی میں اگر طلاق ہو جائے تو پھر بھی بچے کی بہبود کے لیے یہ حکم باقی رکھا جا سکتا ہے:۔

وان اردتم ان تسترضعوا اولادکم فلاجناح علیکم اذا سلمتم ما اتیتم بالمعروف ۔ (پ۲ البقرہ ۲۳۳)

ترجمہ۔ اگر تم اپنے بچوں کو دودھ پلانا چاہو تو تم پر گناہ نہیں اگر تم سونپ دو جو دینا کیا ہے اچھے طریق سے۔

قرآن کریم میں یہاں فلاجناح علیکم کو اپنے اصل معنی میں رکھا گیا ہے۔ عمرہ اور حج کے مسائل میں اصل حکم کے ساتھ جو دوسرے مسائل اٹھ سکتے تھے انہیں حل کرتے ہوئے اصل حکم وارد کیا گیا ہے اس میں اس باریک بات پر توجہ دلائی گئی کہ بعض دفعہ ایک حکم میں کئی جہات پیش نظر ہوتی ہیں کسی جہت میں نقطہ اباحت اٹھایا جاتا ہے اور کسی دوسری جہت سے اسے واجب ٹھہرایا جاتا ہے۔ سو قرآن کریم کی اصطلاح کو جاننا بھی ضروری ہے جس کے تحت عمرہ اور حج کرنے والے کے لیے سعی واجب ہونے کے باوجود لاجناح علیہ کی تعبیر اختیار کی گئی۔

فی کو لام کے معنی میں نہ لینے کی غلطی

قرآن کریم میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے امیین Uneducated میں اپنے رسول کو بھیجا ان امیین سے مراد مکہ کے لوگ ہیں جہاں پڑھنے لکھنے کا کوئی رواج نہ تھا نہ وہاں کوئی تعلیم گاہیں موجود تھیں بخلاف شام یمن شام اور مصر کے۔ اس کے بعد یہ بھی فرمایا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ان میں بھی ہے جو ابھی ان امیین سے نہیں ملے وہ لوگ آئندہ آنے والے ہیں ان کے لیے قرآن کریم میں یہ الفاظ اختیار کیے گئے:۔

واخرین منھم لما یلحقوا بھم۔ (پ۲۸ الجمعہ ۴)

ترجمہ۔ اور کچھ لوگ اور بھی ہیں جو ابھی ان سے نہیں ملے

واخرین کا عطف امیین پر ہے پہلے ھوالذی بعث فی الامیین کے الفاظ ہیں۔ حاصل آیت کا یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت امیین میں بھی ہے اور آخرین میں بھی۔ اب ظاہر ہے کہ حضور

صلی اللہ علیہ وسلم تو انہی (امیین) میں پیدا ہوئے نہ کہ آخرین میں۔ سو معلوم رہے کہ لفظ فی کبھی لام کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے یعنی ان کے واسطے نہ کہ ان میں۔ سو آنحضرتؐ کی بعثت امیین کے لیے بھی ہے اور آخرین کے لیے بھی۔ یہ نہیں کہ آپ آخرین میں بھی مبعوث ہوئے اور ان میں موجود رہے۔

حضرت مفتی اعظم لکھتے ہیں :-

ان میں بھیجنے سے مراد اُن کے لیے بھیجنا ہے کیونکہ فی عربی زبان میں لام کے معنی کے لیے بھی آتا ہے [۱]

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے یہ بات آئی کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام جب وفات پائیں گے تو کہاں دفن ہوں گے؟ آپ نے فرمایا :-

یدفن معی فی قبری۔ [۲]

ترجمہ۔ آپ میرے ساتھ میری قبر میں دفن کیے جائیں گے۔

یہاں قبر اگر مقبرہ کے معنی میں نہیں تو فی عند کے معنی میں لیا جائے گا۔ اس سے معلوم ہوا کہ فی جس طرح لام کے معنی میں بھی آتا ہے عند کے معنی میں بھی آتا ہے۔

ای فی مقبرتی وعبر عنھا بالقبر لقرب قبرہ بقبرہ فکا ھما فی قبر واحد فاقوم انا وعیسیٰ فی قبر واحد) ای من مقبرہ واحدہ ففی القاموس ان فی تاتی بمعنی من وکذا فی المغنی۔ [۳]

آنحضرتؐ نے فرمایا میں اور ابو بکرؓ اور عمرؓ ایک ہی مٹی میں دفن ہوں گے۔ ظاہر ہے کہ قبریں ان حضرات کی تین ہیں حضرت عیسیٰ کے دفن ہونے پر یہ چار ہو جائیں گی مگر ان سب کو غایت قرب کے باعث ایک قبر بمعنی ایک مقبرہ کہا جا سکتا ہے۔

قادیانی سورۂ جمعہ کی اس آیت کو اس طرح بیان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو امیین اور آخرین دونوں میں بھیجا۔ امیین میں آپ اصالۃً تشریف لائے اور آخرین میں آپ کی بعثت اصالۃً نہیں ایک مثالی صورت میں ہوئی اور یہ غلام احمد کی بعثت ہے

وہ اس الحاد کا شکار کیوں ہوئے؟ صرف اس لیے کہ وہ نہ سمجھ سکے کہ فی کا لفظ کبھی لام کے

---

[۱] معارف القرآن جلد ۸ صد ۴۳۶ [۲] مشکوٰۃ صد ۴۸۰ [۳] مرقات جلد ۱۰ صد ۲۳۳

معنی میں آتا ہے۔ حضور امیین میں خود تشریف فرما ہوئے اور آپ کی بعثت آخرین کے لیے بھی ہے۔ اور آپ تمام بنی نوع انسان کے لیے وہ امیین ہوں یا آخرین، عربی ہوں یا عجمی پیغمبر ٹھہرے نبوت اور رسالت ان سب میں آپ کی ہی رہے گی۔ قیامت تک آپ کا کلمہ ہی پڑھا جائے گا اور آپ کی امت ہی قیامت تک جانے والی امت ہے نہ کوئی نبی پیدا ہوگا نہ کسی اور نبی کی امت بنے گی۔ اس پہلی امت کا دور قیامت سے پہلے کبھی ختم نہ ہوگا آپ نے فرمایا۔

انا آخر الانبیاء وانتم آخر الامم او کما قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔

فی کے اور قرآنی اطلاقات

ولاصلبنکم فی جذوع النخل۔ (پ ۱۶ طٰہٰ)

یہاں فی علیٰ کے معنی میں ہے۔

فسیروا فی الارض

یہاں بھی فی علیٰ کے معنی میں ہے۔

حروف ذراسی مناسبت سے مجازاً دوسرے حروف کا معنی اختیار کر لیتے ہیں اس میں کسی تعجب میں نہ پڑنا چاہیئے۔

ماضی اور مضارع کے مورد

ما ادراک اور ما یدریک میں ماضی اور مضارع کے سوا اور کیا فرق ہے؟ قرآن کریم نے اپنے استعمال میں یہاں بھی ایک باریک فرق روا رکھا ہے۔

محدث جلیل حضرت سفیان بن عیینہ (۱۹۸ھ) فرماتے ہیں:۔

ماکان فی القرآن وما ادراک فقد اعلمہ وما قال وما یدریک فانہ لم یعلمہ[1]

ترجمہ: قرآن میں جو ماضی کے ساتھ آپ سے علم کی نفی کی گئی اس کا علم آپ کو دے دیا گیا اور جہاں اس کی نفی مضارع کے ساتھ ہے اس بات کا علم آپ کو بعد میں بھی نہ دیا گیا۔

---

[1] صحیح بخاری جلد ۱ صفحہ ۲۷

لیلۃ القدر کے بارے میں فرمایا وما ادراک مالیلۃ القدر تو اس سے یہ سمجھا جائے گا کہ اللہ تعالیٰ نے بعد میں آپ کو لیلۃ القدر پر مطلع فرما دیا تھا۔

وما ادراک مایوم الفصل سے پتہ چلا کہ فیصلے کے دن کے حالات بھی اللہ تعالیٰ نے بعد میں آپ پر کھول دیئے ہوں گے۔

لیکن خاص جو قیامت کی گھڑی ہے اللہ تعالیٰ نے اس نقطہ وقت سے کسی کو مطلع نہیں فرمایا نہ کسی فرشتہ کو نہ کسی پیغمبر کو۔ اس کے لیے قرآن پاک میں وما ادراک نہیں وما یدریک کی تعبیر اختیار کی گئی۔

یسئلک الناس عن الساعۃ قل انما علمها عند الله وما يدريك لعل الساعة تكون قريبا (پ۲۲ الاحزاب ۶۳)

ترجمہ. لوگ آپ سے قیامت کی گھڑی کا پوچھتے ہیں آپ کہہ دیں کہ اس علم بس اللہ کو ہی ہے اور آپ کیا جانیں ہو سکتا ہے کہ یہ قریب ہی ہو۔

قرآن میں آئے لفظ لعلّ کی تحقیق

مولانا محمد یعقوب صاحب فرماتے تھے کہ لعلّ قرآن شریف میں اس واسطے آیا ہے کہ قرآن شریف ہمارے محاورہ پر نازل ہوا ہے جس جگہ انسان لعلّ کا لفظ بولتا ہے ایسے ہی مقامات میں اللہ تعالیٰ نے بھی لعلّ فرمایا ہے اس کی ترتیب یہ ہے کہ مسبب کا ترتب اسباب پر تین قسم کا ہے ایک کلی جیسے احراق (جلانا) کا ترتب نار پر. دوسرے اکثری جیسا ترتب شفا کا دوا پر. تیسرا اتفاقی جیسے شکار کا جال پر۔ اور لعلّ کا لفظ انسان کے کلام میں وہاں آتا ہے جہاں کسی مسبب کا ترتب اپنے سبب پر اکثری ہو یعنی اس سے قطع نظر کہ متکلم کو عواقب (انجام) کا علم ہے یعنی صرف ذات مسبب کی طرف نظر کر کے اس لفظ کا اطلاق کر دیا۔[۱]

اس سے پہلے اس اصطلاح پر کلام ہو چکا ہے۔[۲]

---

[۱] الکلام الحسن جلد ا صـ۱ [۲] اصطلاحات صـ

تراجمِ قرآن

الحمد للہ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ اما بعد:

قرآن کریم وہی ہے جو عربی میں ہے، ترجمہ قرآن ترجمہ ہے قرآن نہیں ہے۔ قرآن سے عربیت جُدا نہیں کی جا سکتی۔ ترجمہ کے الفاظ قرآن نہیں ان میں ہرگز کوئی شانِ اعجاز نہیں۔ تاہم یہ ضروری ہے۔۔ ابتدائی معلومات کے لیے غیر عربی قوموں میں قرآن کے ترجمہ کی اشد ضرورت ہے۔ علماء ہند اس میں سبقت لے گئے اور انہوں نے قرآن کریم کے فارسی اور اردو ترجمے کیے۔ لیکن عربی کو ساتھ قائم رکھا۔ برصغیر پاک و ہند میں فکری صلابت کی ضرورت زیادہ گیارہویں صدی میں محسوس ہوئی اور بارہویں صدی کے مجدد حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی (۱۱۴۶ھ) نے فتح الرحمٰن کے نام سے قرآن کا فارسی ترجمہ کیا۔ یہ علماء ہند کا عملاً فتوے تھا کہ ترجمہ قرآن جائز ہے۔ کسی نے حضرت شاہ ولی اللہ رح کے اس فتوے کا انکار نہیں کیا۔ پھر ان کے صاحبزادے حضرت شاہ عبدالقادر محدث دہلوی اور حضرت شاہ رفیع الدین محدث دہلوی اس راہ پر چلے اور انہوں نے قرآن کریم کے اردو ترجمے کیے اور ایک علمی ضرورت کو پورا کیا۔

وہ لوگ ملتِ اسلامی کے لیے نہایت خطرناک ہیں جو علماء پاک و ہند کے خلاف یہ پروپیگنڈا کرتے ہیں کہ یہ ابتداءً ترجمہ قرآن کے خلاف تھے اور پھر انہوں نے مجبوراً اس کے جواز کا فتوے دیا۔ بات یوں نہیں علماء ہند اجماعاً ترجمہ قرآن کے حق میں رہے ہیں لیکن یہ ان انسانی الفاظ کو تقدس کا وہ درجہ نہیں دیتے تھے جو عربی کو حاصل ہے اور قرآن وہی ہے جو عربی میں ہے۔ مسیحی قومیں چاہتی تھیں کہ مسلمان ترجمہ قرآن کو وہی درجہ دیں جو انہوں نے ترجمہ بائبل کو دے رکھا ہے وہ اسے ہی کتابِ مقدس کہتے ہیں۔

ہاں عرب علماء کے ہاں یہ مسئلہ بہت زیر بحث رہا کہ قرآن کا ترجمہ کیا جائے یا نہ۔ اور وہ ابھی تک اس مسئلہ میں متفق الرائے نہیں ہو سکے۔ بقتمۃ البیان مقدمہ مشکلات القرآن کی یہ عبارت ہم پہلے کہیں نقل کر آئے ہیں:۔

وبالجملة علماء الهند مجمعون علیٰ جواز تراجم القران فی هذا العصر و
علماء مصر ومشیخة الازهر افردوا هذه المسئلة بالتالیفات ولم
ینفضهم فیهم الی الاٰن امرها۔[1]

ترجمہ. حاصل اینکہ علماء ہند ترجمہ قرآن جائز قرار دینے پر سب متفق رہے ہیں
اور علماء مصر اور ازہر کے مشائخ نے اس مسئلہ پر کئی کتابیں لکھی ہیں اور بات
اب تک طے نہیں ہو سکی۔

ترجمۃ القرآن کے زیرِ عنوان ہم کچھ بحث کر آئے ہیں وہاں ہم نے اردو کے بیس تراجم کے نام دیئے ہیں تاکہ طلبہ اس باب میں اس محنت پر مطلع ہو جائیں جو مختلف مکاتبِ فکر کے علماء نے اس باب میں کی ہے۔ ترجمہ کی صحت ترکیب اور الفاظ کی صحت نزاکت پر ہم نے وہاں بحث نہیں کی۔ طلبہ کے لیے یہ جاننا ضروری ہے کہ غلط ترجمہ کس طرح ہوتا ہے اور اس سے کیا غلط نتائج نکل سکتے ہیں اور اس ضمن میں ہم بعض تراجم کے حوالے بھی دیں گے تاکہ طلبہ کو صحیح اور غیر محتاط تراجم میں فرق کرنے کی استعداد پیدا ہو جائے اور وہ آگے تفسیر میں صحیح طور پر چل سکیں جب مترجم معنی بگاڑ سکتے ہیں تو تفسیروں میں کیا کچھ نہ ہو سکے گا۔ یہ ہم سب کے سوچنے کی بات ہے۔

ترجمہ میں غلطی کر جانے کی مثالیں

① اللہ یستہزئ بھم ویمدھم فی طغیانھم یعمھون۔ (پ البقرہ ۱۵)
ترجمہ۔ اللہ ہنسی کرتا ہے ان سے اور کھینچتا ہے ان کو ان کی سرکشی میں
اور وہ عقل کے اندھے ہو رہے ہیں۔
یہاں تین جملے ہیں درمیانے جملے پر غور کریں:
"اور اللہ انہیں کھینچتا ہے ان کی سرکشی میں" یعنی انہیں ڈھیل دیتا ہے ان کی سرکشی میں۔

---

[1] یتیمۃ البیان ص۲۷

وہ اپنی گمراہی کا موجب تو خود ہوتے کہ مسلمانوں سے استہزاء کیا پھر اللہ تعالیٰ نے انہیں ان کی اس سرکشی میں اور مہلت دی لیکن وہ عقل کے اندھے ہی رہے سرکشی سے واپس نہ ہوتے توبہ نہ کر پائے۔

خیر و شر دونوں کی تخلیق اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے ہدایت اور گمراہی دونوں اس کی قدر کے فیصلے سے ہیں یہ مذہب اہل سنت کا ہے۔ معتزلہ اور نیچری اس کے قائل ہیں کہ انسان اپنے افعال کا خود خالق ہے۔ اہل سنت کہتے ہیں اللہ خالق کل شئ ایک خدا کے سوا کوئی دوسرا خالق نہیں۔ یہ آیت اہل سنت کے عقیدے کو بیان کر رہی ہے۔ معتزلہ اس کا ترجمہ یوں کرتے ہیں کہ فی طغیانھم کو یعمھون کے متعلق کر جاتے ہیں کہ وہ اپنی سرکشی میں عقل کے اندھے ہو رہے ہیں۔ فی طغیانھم اصل میں یمدھم کے متعلق ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں ان کی سرکشی میں اور مہلت دے رہے ہیں۔

ڈپٹی نذیر احمد صاحب کا ترجمہ ملاحظہ ہو:

اس آیت کے پہلے جملے میں لفظ استہزاء پر غور کیجئے اس کے عربی میں معنی ہنسی کرنے کے ہیں اور اردو میں اسے مذاق کرنے کے معنی میں لیتے ہیں اب جب اس کے دو معنی ہو سکتے ہیں۔ ۱۔ ہنسی کرنا۔ ۲۔ مذاق کرنا۔ تو اردو میں اللہ تعالیٰ کے لیے لفظ استہزاء نہ لایا جا سکے گا گو عربی میں اسے ہنسی کرنا سے ذکر کر دیں گے اور جب لوگوں کے لیے یہ لفظ آئے تو ان کے لیے استہزاء کا لفظ لایا جا سکے گا۔ اب اس آیت کے دو ترجمے ملاحظہ ہوں:

۱۔ ترجمہ حضرت شیخ الہندؒ:

"اللہ ہنسی کرتا ہے اُن سے اور ترقی دیتا ہے ان کو ان کی سرکشی میں۔

۲۔ ترجمہ مولانا احمد رضا خاں:

"اللہ ان سے استہزاء فرماتا ہے (جیسا کہ اس کی شان کے لائق ہے) اور انہیں ڈھیل دیتا ہے کہ اپنی سرکشی میں بھٹکتے رہیں۔"

اللہ کے لیے لفظ استہزاء اختیار کرنے پر یہ مفسر یہ استدلال کرتا ہے:

سزائے جرم کو جرم کے لفظ سے تعبیر فرمایا فصاحت و بلاغت کے طور پر

ان کا جُرم کیا تھا؟ استہزاء اس کی سزا کیا ملی؟ بقول مفسر استہزاء جو خود ایک جُرم ہے ــــ اس کی اللہ کی طرف نسبت کیوں کی؟ مشاکلت کے طور پر۔

اب اگر کوئی مترجم مکروا ومکراللہ میں بھی بطور مشاکلت اللہ کے لیے یہ لفظ لے آئے تو چاہیئے کہ وہاں بھی اسے بطور مشاکلت (فصاحت و بلاغت) قائم رکھا جائے۔ مولانا محمد جوناگڑھی تو لفظ یخادعون کو لے اُڑے اور ترجمہ قرآن میں اسے بالکل چھوڑ دیا۔ ہو سکتا ہے ان کے قرآن میں یہ سہو قرآن سے رہ گیا ہو۔

(۴) اھدنا الصراط المستقیم صراط الذین انعمت علیھم۔

ا۔ ترجمہ حضرت شیخ الہندؒ:

"بتلا ہم کو سیدھی راہ، ان لوگوں کی جن پر تُو نے فضل فرمایا جن پر نہ تیرا غصہ ہوا اور نہ وہ گمراہ ہوئے۔"

اس آیت میں اللہ تعالیٰ سے اس راستے پر چلانے کی دُعا مانگی گئی ہے جس پر پہلے انعام یافتہ لوگ چل چکے۔ وہ انعام یافتہ لوگ کون تھے؟ وہ وہ تھے جن پر نہ خدا کا غضب بھڑکا اور نہ وہ گمراہ ہوئے۔

ایک دوسرا ترجمہ ملاحظہ ہو:

"ہم کو سیدھا راستہ چلا۔ راستہ ان کا جن پر تُو نے احسان کیا نہ ان کا جن پر غضب ہوا اور نہ بہکے ہوؤں کا۔"

غیر المغضوب علیھم یہ جُملے الذین انعمت علیھم کا بدل ہے یا ان کی صفت ہے جن پر اللہ کا انعام ہوا یہ صراط کی صفت نہیں کہ یوں کہا جائے "نہ ان کا جن پر غضب ہوا اور نہ بہکے ہوؤں کا۔

یہی ترجمہ مولانا محمد جوناگڑھی نے کیا ہے۔

حضرت مولانا سید عبدالحیؒ نے مولانا محمد جوناگڑھی کا تعارف ان الفاظ میں کرایا ہے سو ہمیں ان پر اعتراض نہیں لیکن ہم اس بات پر اظہارِ افسوس کیے بغیر نہیں رہ سکے کہ مولانا احمد رضا خاں نے کنزالایمان میں ان علمائے اہلحدیث کی کیوں پیروی کی ہے۔

③ قرآن کریم نے ان حاجیوں کو جو عمرہ اور حج جمع کریں (حج تمتع کریں یا حج قران) شکرانے کا ایک جانور اللہ کی راہ میں دینے کا حکم دیا ہے انہوں نے ایک سفر میں حج اور عمرہ کو جمع کیا۔

فمن تمتع بالعمرة الی الحج فما استیسر من الھدی فمن لم یجد فصیام ثلثة
ایام فی الحج وسبعة اذا رجعتم تلک عشرة کاملة۔ (پ۲ البقرہ ۱۹۶)

ترجمہ۔ سو جو حج سے عمرہ ملانے کا فائدہ اُٹھائے اس پر قربانی ہے جیسی میسر آئے پھر جسے مقدور نہ ہو تو تین روزے حج کے دنوں میں رکھے اور سات جب اپنے گھر پلٹ کر جائے یہ پُورے دس ہوئے۔

ترجمہ کے الفاظ (جب اپنے گھر پلٹ کر جائے) قرآن کریم میں نہیں ہیں۔ یہ مترجم نے اپنی طرف سے ڈالے ہیں۔ مترجم یہاں فقہ حنفی کی تردید کرنا چاہتا ہے۔ فقہ حنفی میں سبعة اذا رجعتم کا معنی یہ دیا گیا ہے جب وہ واپس لوٹے۔

سو یہ سات روزے واپسی کے سفر میں بھی رکھے جا سکتے ہیں گھر پہنچنا ضروری نہیں مگر اہلحدیث حضرات کے نزدیک یہ سات روزے گھر پہنچنے پر ہی رکھنے ہوں گے معلوم نہیں مولانا احمد رضا خاں یہاں فقہ حنفی کے خلاف کیوں چل رہے ہیں انہوں نے گھر پلٹنے کا ترجمہ کیا ہے۔

(نوٹ) حج کے موقعہ پہ جو جانور بطور شکرانہ اللہ کی راہ میں ذبح کیا جاتا ہے یہ وہ قربانی نہیں جو پُوری دُنیا کے اسلام میں حضرت ابراہیم کی سنت کے طور پر کی جاتی ہے نہ اسے قربانی کہنا درست ہے۔ یہ دمِ شکر ہے جو ایک سفر میں عمرہ اور حج ملنے پر اللہ کی راہ میں کیا جاتا ہے۔ معلوم نہیں اسے قربانی سے کیوں موسوم کر دیا گیا ہے۔

④ ولقد اتینٰک سبعًا من المثانی والقران العظیم۔ (پ۱۴ الحجر ۸۷)

ترجمہ مولانا محمد جوناگڑھی: یقیناً ہم نے آپ کو سات آیتیں دے رکھی ہیں کہ دہرائی جاتی ہیں اور قرآن عظیم بھی دے رکھا ہے۔

یہاں "بھی" کا لفظ بتلاتا ہے کہ مترجم سورۂ فاتحہ کو قرآن کے علاوہ ایک دوسری وحی سمجھتا ہے۔ یہ سورۃ فاتحہ کے قرآن ہونے کا انکار ہے۔ قرآن کے کسی دوسرے مترجم نے یہاں بھی کا لفظ نہیں لکھا۔ یہاں سورۂ فاتحہ کو ہی قرآن عظیم کہا گیا ہے۔ صحیح بخاری میں اس پہ کھلی شہادت

موجود ہے۔ قرآن کے کسی حصے کا انکار بھی مسلمان کے لیے زیبا نہیں۔

⑤ مرزا بشیرالدین محمود نے اس آیت کا ترجمہ اس طرح کیا ہے ۔

والذین یؤمنون بما انزل الیك وما انزل من قبلك ج وبالاخرۃ هم یوقنون ۔ (پ البقرہ)

ترجمہ۔ اور وہ جو ایمان لائے ہیں اس پر جو آپ کی طرف اُتارا گیا اور اس پر جو آپ سے پہلے اتارا گیا اور وہ آخرت پہ ایمان رکھتے ہیں۔

یہاں صرف دو طرح کی وحی مذکور ہے۔ ۱۔ قرآن کی اور ۲۔ قرآن سے پہلے کی۔ جیسے تورات انجیل وغیرہ۔ آگے ج کا وقف صاف نظر آرہا ہے۔ اگلا مضمون یہ ہے کہ وہ آخرت پر یقین رکھتے ہیں جو چیز نظر آسکے اس پر اس کے آنے سے پہلے یقین ہوتا ہے۔ سو آخرت پر مسلمان یقین رکھتے ہیں کہ وہ خود اسے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں گے۔ وحی کی دونوں قسموں کے لیے تو ایمان کا لفظ فرمایا اور آخرت کے لیے یقین کا ـــ مرزا بشیرالدین نے وحی کی یہ تیسری قسم صرف اس لیے نکالی ہے کہ وہ اسے اپنے باپ کی وحی کہہ سکیں۔

اس وقت ہمارے پیشِ نظر مختلف تراجم کا تقابلی مطالعہ نہیں ہم طلبہ کو صرف یہ سمجھانا چاہتے ہیں کہ صحیح ترجمہ کرنا کتنا مشکل کام ہے اور یہ مختلف تراجم ہی ہیں جو مختلف نظریات کو جنم دیتے ہیں اور پھر ہر شخص کسی نہ کسی نظریے یا فرقے کی تائید میں قرآنی آیات کو پیش کرتا جاتا ہے۔

یہ کہنا ہرگز صحیح نہیں کہ اختلاف ترجمہ میں نہیں تفسیروں میں ہے اگر ترجمہ قرآن میں اختلاف نہ ہوتا تو تفسیروں میں بھی اختلاف نہ ہوتے۔ یہ جو تفسیریں ہیں وہ بھی اپنے اپنے حالات میں اپنے اپنے نظریات کے تحت لکھی گئی ہیں۔ طلبہ کو چاہیئے کہ وہ تفسیروں کے مطالعہ میں دین کے اصل ماخذ پر نظر رکھیں اور تحقیق کریں کہ کون سی بات اللہ اور اس کے رسول کی ہے اور کون سی بات ہے جسے وقت کے طالع آزماؤں نے اپنی طرف سے خدا کے ذمہ لگا دیا ہے۔

اس پر ہم تراجم القرآن کی اس بحث کو ختم کرتے ہیں۔ آگے تفسیر القرآن کا موضوع آرہا ہے ہم تفسیروں میں بھی کسی خاص تفسیر کو نشانہ نہ بنائیں گے۔

تفسیر القرآن

الحمد للہ وسلام علیٰ عبادہ الّذین اصطفیٰ اما بعد :

قرآن پاک کے علوم و مقاصد صرف اس کے منطوق اور ظاہر میں منحصر نہیں اگر ایسا ہوتا تو تلاوت اور عبادت کے بعد اس کے بیان و تبیان اور پھر اس میں تدبر کی قطعاً کوئی ضرورت نہ تھی۔ حالانکہ قرآن عزیز خود اس ضرورت کا اعلان کرتا ہے :۔

(۱) وانزلنا الیک الذّکر لتبیّن للنّاس ما نزّل الیهم ولعلّهم یتفکّرون۔

(پ۱۴ النحل ۴۴)

ترجمہ۔ اور ہم نے آپ پر یہ ذکر اس لیے اتارا کہ آپ بیان فرما دیں[1] لوگوں کے سامنے۔ ان آیات کو جو اُن کی طرف نازل کی گئی ہیں اور یہ کہ وہ اس میں غور کریں۔

(۲) وما انزلنا علیک الکتٰب الّا لتبیّن لهم الّذی اختلفوا فیه وهدًی ورحمةً لقوم یومنون۔ (پ النحل ۶۴)

ترجمہ۔ اور ہم نے آپ پہ کتاب اسی لیے اُتاری ہے کہ آپ بیان کر دیں ان کے سامنے۔ وہ بات جس میں اُن کا اختلاف ہے اور یہ کتاب سیدھی راہ بتانے کے لیے ہم نے نازل کی ہے۔ اور رحمت ان لوگوں کے لیے جو ایمان لائے۔

(۳) لا تحرّک به لسانک لتعجل به ○ ان علینا جمعه وقرانه ○ ثم انّ علینا بیانه۔ (پ۲۹ القیامہ ۱۹)

ترجمہ۔ آپ قرآن کو جلدی لینے کے لیے اپنی زبان کو حرکت نہ دیں۔ اس کو

---

[1] قال الحافظ ابن تیمیہؒ یجب ان یعلم ان النبیّ صلی اللہ علیہ وسلم بیّن لاصحابہ معانی القراٰن کما بیّن لهم الفاظه فقوله تعالیٰ لتبیّن للناس ما نزل الیهم یتناول هٰذا وهٰذا۔ (رسالہ اصول تفسیر للحافظ ابن تیمیہؒ صفحہ)

جمع کرنا اور پھر آپ کی زبان سے پڑھانا یہ ہمارے ذمہ ہے پھر جب ہم (فرشتہ کی زبان سے) پڑھیں تو آپ اس کے پڑھنے کے ساتھ ساتھ رہیں پھر اس کا (آپ کے ذریعہ) بیان کرا دینا یہ بھی بے شک ہمارے ذمہ ہے۔

(۴) لقد من اللہ علی المؤمنین اذ بعث فیھم رسولاً من انفسھم یتلو علیھم ایاتہ ویزکیھم ویعلمھم الکتاب والحکمۃ وان کانوا من قبل لفی ضلٰل مبین۔ (پ۴ آل عمران ۱۶۴)

ترجمہ۔ بے شک اللہ تعالیٰ نے مومنین پر بڑا احسان کیا جو بھیجا ان میں ایک رسول انہی میں سے (نوعِ انسانی سے) جو ان پر اللہ تعالیٰ کی آیات تلاوت کرتا ہے اور ان کے دلوں کو بھی پاک کرتا ہے اور انہیں قرآن کریم کی تعلیم بھی دیتا ہے اور اس کی حکمت بھی سکھلاتا ہے یہ لوگ اس سے پہلے واقعی کھلی گمراہی میں تھے۔

(۵) ھو الذی بعث فی الامیین رسولاً منھم یتلوا علیھم ایاتہ ویزکیھم ویعلمھم الکتٰب والحکمۃ وان کانوا من قبل لفی ضلٰل مبین۔ (پ۲۸ الجمعہ ۲)

ترجمہ۔ وہی ذات ہے جس نے اِن اَن پڑھوں میں ایک رسول اسی نوعِ انسانی میں سے مبعوث فرمایا جو ان کے سامنے خدا کی آیات تلاوت بھی کرتا ہے اُن کے دلوں کو پاک بھی کرتا ہے اور اُنہیں کتاب اور حکمت سکھلاتا بھی ہے بے شک اس سے پہلے وہ صریح بھول میں پڑے تھے۔

ان پانچ آیاتِ کریمہ سے پتہ چلتا ہے کہ قرآن عزیز کی فقط تلاوت اور عبادت ہی اس کا مقصد نزول نہیں بلکہ منصبِ رسالت میں یہ جزو بھی شامل ہے کہ آپ قرآن پاک کو بیان کریں اور سمجھائیں اس کی باقاعدہ تعلیم دیں۔ اصحابِ صفہ ایک مدرسہ میں بیٹھیں اور آپ انہیں قرآن کریم کے مطالب پڑھائیں۔

عہدِ رسالت میں کتاب اللہ کی مراد بتلانے کی جب بھی ضرورت پیش آتی یا کسی لفظ میں تبادرِ عام اور محاورہ کے لحاظ سے صحابہؓ کو کوئی اشکال پیش آتا تو آنحضرتؐ ان خاص علوم و معارف

کی روشنی میں جو ربّ العزت نے آپ کے قلب مبارک میں وحی غیر متلو کے طور پر اُتار رکھے تھے اسے حل فرما دیتے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس خاص "اراءتِ ربّانی" کی روشنی میں ہی حکم فرماتے تھے اور بیان کرتے تھے۔

انا انزلنا الیک الکتٰب بالحق لتحکم بین الناس بما ارٰک اللّٰہ (پ۵ النساء ۱۰۵)

ترجمہ۔ بے شک ہم نے اُتاری آپ کی طرف کتاب سچی تاکہ آپ لوگوں میں اس کے علم کے مطابق فیصلہ فرمادیں جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو دکھا رکھا ہے۔

قرآن صرف اپنے ظاہر میں محدود نہیں کہ صرف اس کی تلاوت اور عبادت کافی ہو۔ ہر ظہر کے ساتھ ایک بطن ہے جس کی تفسیر و تشریح اپنے پیرایہ میں درکار ہے۔ قرآنی علوم و مقاصد ظاہراً واضح ہوتے تو پھر قرآن عزیز میں تفکّر و تدبّر کی بھی ہرگز حاجت نہ تھی۔ حالانکہ قرآن کریم تدبر اور تفکّر کی دعوت دیتا ہے:۔

(۱) کتٰبٌ انزلنٰہ الیک مبارکٌ لیدبّروا اٰیاتہ ولیتذکّر اولوا الالباب۔ (پ۲۳ ص ۲۹)

ترجمہ۔ ایک کتاب ہے جو ہم نے آپ کی طرف نازل کی ہے یہ برکت والی ہے تاکہ لوگ اس کی آیات میں تدبر کریں اور سمجھ والے اسے سمجھیں۔

(۲) افلا یتدبّرون القراٰن ام علیٰ قلوب اقفالھا۔ (پ۲۶ محمد ۲۴)

ترجمہ۔ کیا وہ قرآن میں تدبّر نہیں کرتے یا دلوں پر اُن کے تالے پڑے ہوئے ہیں۔

قرآن پاک کو سمجھنا اگر صرف لغت کے ذریعہ کافی ہوتا اور اس کے مقاصد صرف ظاہری تعبیر میں واضح ہوتے تو صحابہ کرامؓ جو اہل زبان تھے اور عربیت اپنی پوری وضاحت کے ساتھ ان کے گھر کی باندی تھی تو اُن کے لیے قرآن پاک کی صرف تلاوت اور عبارت ضرور کافی سمجھی جاتی حالانکہ بعض صحابہؓ نے قرآن پاک پر بڑی بڑی مدتیں صرف کیں۔ حضرت امام مالکؒ کی بلاغات میں ہے:۔

ان عبداللّٰہ بن عمر مکث علیٰ سورۃ البقرۃ ثمانی سنین یتعلمھا [1]

ترجمہ۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ آٹھ سال صرف سورۂ بقرہ کو ہی سیکھتے رہے

---

[1] مؤطا امام مالک ص۱۷۹ طبع ہند

ظاہر ہے کہ اس سے مراد ظاہری اخذ و حفظ نہیں بلکہ اس کاوش میں متعدد قرآنی علوم و معارف آپ کے سامنے تھے۔ تابعی کبیر مفسر جلیل حضرت مجاہد (متوفی ۱۰۰ھ) کہتے ہیں:-

عرضت القران على ابن عباس ثلثين مرة۔[1]

ترجمہ: میں نے اپنے استاد حضرت ابن عباسؓ کے سامنے تیس مرتبہ قرآن کریم بیان کیا ہے۔

حضرت مجاہدؒ کے جمع کردہ تفسیری نوٹ تفسیر مجاہد کے نام سے چھپ چکے ہیں۔

سیدنا حضرت انس بن مالکؓ کہتے ہیں:-

كان رجل اذا قرء البقرة وال عمران جلّ فى اعيننا۔[2]

ترجمہ: جب کوئی شخص سورۂ بقرہ اور آل عمران پڑھ لیتا تھا تو ہماری نظروں میں وہ بڑا ہو جاتا تھا۔

مشہور تابعی حضرت ابو عبدالرحمٰن سلمیؒ کہتے ہیں کہ جن لوگوں نے ہمیں قرآن پڑھایا جیسے حضرت عثمان بن عفان اور حضرت عبداللہ بن مسعود وغیرہما رضی اللہ عنہم اجمعین انہوں نے ہمیں بتلایا کہ:-

انهم كانوا اذا تعلموا من النبى عشر ايات لم يتجاوزوها حتى يعلموا ما فيها من العلم والعمل قالوا فتعلمنا القران والعمل جميعا ولهذا كانوا يبقون مدة فى حفظ السورة۔[3]

ترجمہ: جب وہ آنحضرتؐ سے دس آیتیں حاصل کر لیتے تو اس وقت تک آگے نہیں بڑھتے تھے جب تک جان نہ لیتے کہ ان میں علم اور عمل کا کیا تقاضا ہے انہوں نے بتایا کہ اس طرح ہم نے قرآن اس کا علم اور عمل سب اکٹھے سیکھے چنانچہ یہی وجہ ہے کہ وہ ایک ایک سورت کے حفظ میں اتنی مدت لگے رہتے تھے۔

ان حقائق سے یہ بات کھل جاتی ہے کہ قرآن پاک اپنے ابتداء نزول سے ہی اس پیرایہ میں تھا کہ آنحضرتؐ اسے پیش فرمانے کے ساتھ اس کی شرح و تفصیل بھی بیان کرتے۔ حضور اکرمؐ کی

---

[1] الاتقان وکذلک فی تہذیب التہذیب جلد ۱ صفحہ ۴۳ [2] مسند امام احمد جلد ۳ صفحہ [3] الاتقان عن الحافظ ابن تیمیہؒ

وفات کے بعد خاص خاص صحابہؓ تفسیر قرآن کا مرجع بنے جن میں حضرت عثمان غنیؓ، حضرت علی المرتضیٰ، حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت عبداللہ بن عباس، حضرت زید بن ثابت، حضرت ابو موسےٰ اشعری، حضرت جابر بن عبداللہ، حضرت عبداللہ بن زبیر، حضرت عبداللہ بن عمر، حضرت ابی بن کعب اور حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہم اجمعین کے اسمائے گرامی خاص طور پر قابل ذکر ہیں سب سے زیادہ جن بزرگوں پر تفسیر کا مدار رہا وہ حضرات عبداللہ بن مسعودؓ (۳۲ھ) اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ (۶۸ھ) ہیں۔ حضرت ابن عباسؓ کے راویوں میں ثقہ ترین راوی علی بن ابی طلحہ الہاشمیؒ (۱۴۳ھ) ہیں ان سے امام بخاریؒ نے بھی اپنی صحیح میں روایات لی ہیں بعض محققین نے کہا ہے کہ علی بن ابی طلحہؒ نے خود حضرت ابن عباسؓ سے کچھ نہیں سنا بلکہ ان کے اور حضرت ابن عباسؓ کے مابین مجاہدؒ (۱۰۰ھ) یا سعید بن جبیرؒ (۹۵ھ) واسطہ ہیں اور وہ دونوں ثقہ ہیں۔ حضرت ابن عباسؓ سے تفسیری روایات کا سلسلہ کلبی عن ابی صالح عن ابن عباسؓ محدثین کے نزدیک ضعیف سمجھا جاتا ہے۔

صحابہ کرامؓ کے بعد تفسیر قرآن کے دو مرکز تھے۔ ۱۔ مکہ معظمہ اور ۲۔ کوفہ۔ مکہ معظمہ میں حضرت ابن عباسؓ کے شاگرد مجاہدؒ (۱۰۰ھ) سعید بن جبیرؒ (۹۵ھ) عکرمہ (۱۰۷ھ) طاؤس بن کیسانؒ (۱۰۵ھ) اور حضرت عطا بن ابی رباحؒ (۱۱۵ھ) (یہ حضرت امام ابو حنیفہؒ کے اُستاد تھے) تفسیر کا درس دیتے تھے۔ اور کوفہ کا تفسیری درس حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے تلامذہ حضرت علقمہ بن قیسؓ، اسود بن یزیدؒ اور ان کے تلامذہ علامہ شعبیؒ اور حضرت امام ابراہیم نخعیؒ کے دم سے آباد تھا۔ ابو العالیہ رفیع بن مہرانؒ (۹۰ھ) ضحاک بن مزاحمؒ (۱۰۲ھ) قتادہ بن دعامہؒ (۱۱۷ھ) اور حضرت امام حسن بصریؒ (۱۲۱ھ) کے اسمائے گرامی بھی اس طبقہ مفسرین میں بہت اہم اور معروف ہیں۔

حافظ ابن تیمیہؒ لکھتے ہیں:۔

> تابعین نے تفسیر کا علم بھی اسی طرح صحابہ کرامؓ سے حاصل کیا ہے جس طرح علم سنت ان سے پایا ہے تابعینؒ حضرات جس طرح استنباط و استدلال کی راہ سے بعض سُنّتوں پر گفتگو کرتے ہیں اسی طرح وہ تفسیر میں بھی بعض اوقات استنباط و استدلال کی راہ اختیار کرتے ہیں۔

تابعین مفسرین کے بعد ان کے شاگردوں نے تفسیر کی طرف توجہ کی یہ حضرات صرف صحابہؓ

و تابعین کی تفسیرات آگے نقل کرتے تھے۔ اس دور کا تفسیری موضوع یہی ہوتا تھا کہ کون سی بات صحابہؓ اور ان کے شاگردوں سے منقول ہے اور کون سی نہیں۔ ان ایام میں تفسیر کا یہی تحقیقی انداز تھا۔ تبع تابعین کے طبقہ مفسرین میں سفیان بن عیینہؒ (۱۹۸ھ) امام شعبہؒ (۱۶۰ھ) وکیع بن جراحؒ (۱۹۷ھ) یزید بن ہارونؒ (۲۱۷ھ) عبدالرزاق بن ہمامؒ (۲۱۱ھ) آدم بن ابی ایاسؒ (ھ) اسحٰق بن راہویہؒ (۲۳۸ھ) یحییٰ بن سعیدؒ (۱۹۸ھ) اور روح بن عبادہؒ (۲۰۵ھ) خاص طور پر ممتاز ہیں ان میں سے کئی حضرت امام ابوحنیفہؒ کے شاگرد بھی ہیں۔ اس طبقہ طبع تابعین کے بعد علم تفسیر کی باقاعدہ تدوین شروع ہوئی۔

تیسری صدی ہجری میں امام ابن جریر طبری (۳۱۰ھ) نے اپنی مشہور ضخیم تفسیر لکھی۔ یہ عباسی حکومت کا زمانہ تھا اور اسی دور میں تفسیر کی باقاعدہ کتابیں لکھی جانی شروع ہوئیں۔ امام طبری نے پہلے یہ کتاب تین سو جلدوں میں لکھی اور پھر اس کی تیس جلدوں میں تلخیص کی۔ یہ تفسیر محدثین کی طرز پر ہے اور سلسلہ اسناد تقریباً ہر روایت کے ساتھ مذکور ہے۔ علمائے محققین جس طرح مرویات حدیث میں اسناد کی تحقیق کرتے ہیں اسی طرح تفسیر ابن جریر میں بھی صحیح وضعیف کی باقاعدہ تحقیق ہوتی ہے بعد کی بیشتر تفسیروں کا ماخذ یہی ہے۔

تفسیر ابن عباسؓ

بعض حضرات تفسیر ابن عباسؓ کو سب سے پہلی تفسیر قرار دیتے ہیں لیکن حق یہ ہے کہ حضرت ابن عباسؓ نے کوئی تفسیر نہیں لکھی ان کی مرویات تفسیریہ کو مختلف کتابوں اور روایتوں سے جمع کرکے تنویر المقباس کے نام سے مرتب کیا گیا ہے ان روایات اور تفسیرات کی جانچ پڑتال ہو سکتی ہے اس کتاب کو حضرت ابن عباسؓ کی تفسیر سمجھ لینا صحیح نہیں۔ ہاں اسے مستر دبھی نہیں کیا جاسکتا۔

علم تفسیر سے مراد

تفسیر کا لفظ فسر سے ماخوذ ہے جس کے معنی کسی بات کو کھول دینے کے ہیں۔ اصل عبارت متن کہلاتی ہے اور اس کے کھولنے اور بیان کرنے کو تفسیر کہتے ہیں۔

ابوحیان اندلسی تفسیر کے متعلق لکھتے ہیں :-

التفسیر علم یبحث عن کیفیۃ النطق بالفاظ القرآن ومدلولاتھا و احکامھا الافرادیۃ والترکیبیۃ ومعانیھا التی تحمل علیھا حالۃ الترکیب وتتمات لذلک۔[1]

ترجمہ۔ یہ ایک ایسا علم ہے جس میں الفاظ قرآن کی کیفیت ۔ ان کے مدلولات (معنی مراد) ۔ ان کے افرادی اور ترکیبی احکام اور ان کے وہ معانی جن پر انہیں ترکیب میں محمول کیا جاسکے اور ان کے تتمات سے بحث کی جاتی ہے۔

کیفیت نطق میں علم قرأت نزول کے سات پیرائے (سبعۃ احرف) وغیرہ جملہ مباحث آ گئے ۔ ان کے مدلولات کی بحث میں علم لغت، قواعد عربیت، معانی و بیان اور ادب کے جملہ پیرائے آ گئے۔ الفاظ کے افرادی احکام میں پورا علم صرف اور ترکیبی احکام میں پورا علم نحو آ گیا اور ان علوم کے تتموں میں ناسخ و منسوخ کی بحث ظاہر نص عام و خاص، محکم و متشابہ اور قصص و احکام کے جملہ مباحث آ گئے۔

تتمات سے گویا وہ علوم مراد ہیں جو اس کی تفہیم کو مکمل کریں۔ اس میں اسباب نزول کی معرفت ناسخ و منسوخ کا بیان درجات نصوص (عبارۃ النص دلالۃ النص اشارۃ النص اقتضاء النص وغیرہ کے مراتب مختلفہ) کی تعیین ظاہر و خفی کی تشریح، متشابہات کی توضیح، مبہمات کی تفصیل اور احکامات کی تنقیح وغیرہ سب امور داخل ہیں۔ متقدمین کی اصطلاح میں زیادہ تر انہی باتوں کے جاننے کو علم تفسیر کہا جاتا تھا اور ان تفسیری علوم کا مدار صحابہؓ و تابعینؒ اور تبع تابعینؒ کی روایات پر تھا۔ امام ابوالمنصور ماتریدی فرماتے ہیں کہ تفسیر میں ایک معنی پر یقین کر لینا ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی یہی مراد ہے۔ ظاہر ہے کہ یقین کا یہ درجہ روایات صحیحہ پر اعتماد کرنے کے بغیر کسی طرح ممکن نہیں۔

علامہ سیوطیؒ (۹۱۱ھ) نے علم تفسیر کی اس طرح تعریف کی ہے :-

علم التفسیر علم یبحث فیہ عن معنی نظم القرآن بحسب القوانین العربیۃ والقواعد الشرعیۃ بقدر الطاقۃ البشریۃ۔[2]

---

[1] ماخوذ از الاتقان جلد ۲ صفحہ ۱۷۴ [2] ایضاً

ترجمہ: علم تفسیر وہ علم ہے جس میں نظم قرآنی (آیات کی باہمی ترتیب اور ترکیب الفاظ) سے قواعدِ عربیہ اور قواعدِ شرعیہ کے مطابق بشری حد تک بحث کی جاتی ہے۔

حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ لکھتے ہیں کہ تفسیر میں ان تین چیزوں کی رعایت از حد ضروری ہے۔

① ہر ہر کلمہ کے متعلق یہ جاننا کہ اس کا لغوی معنی کیا ہے اور یہ کہ اس کے مجازی استعمال کی وسعت کہاں تک ہے۔

② سیاق و سباق پر پوری نظر رکھنا تاکہ کلام اول آخر سے مربوط رہے کسی مرحلہ پہ بے معنی نہ ہونے پائے۔

③ نزولِ وحی کے وقت جو لوگ موجود تھے انہوں نے اس سے کیا سمجھا تھا کوئی تشریح حضورؐ کے بیان اور صحابہؓ کی تفسیر کے خلاف نہ ہو۔

شرطِ اول کا لحاظ نہ رہے تو یہ تاویل قریب ہے۔ دوسری شرط فوت ہو تو یہ تاویل بعید ہے اور تیسری بھی ملحوظ نہ رہے تو یہ تفسیر نہیں تحریف ہوگی۔

طلبہ حضرات سمجھ گئے ہوں گے کہ تفسیر سے کیا مراد ہے عرب کہتے ہیں اسفر الصبح صبح روشن ہوگئی۔ بات واضح ہو جائے تو یہ اس کی تفسیر ہے۔ قرآن کریم کی بات کھلنے کو تفسیر کہتے ہیں۔

قرآن کریم میں فسر اور تفسیر کا استعمال

والصّبح اذا اسفر. (پ۲۹ المدثر ۳۴)

ترجمہ: اور قسم ہے صبح کی جب وہ اچھی طرح کھل جائے۔

جوں جوں دن آگے بڑھتا ہے روشنی اور تیز ہوتی جاتی ہے نصف النہار پر پہنچ کر پھر اس کا ڈھلنا شروع ہو جاتا ہے۔

تفسیر اور تاویل

اصل بات کھلے تو یہ تفسیر ہے اور کوئی اور مضمون ادھر لوٹے تو یہ تاویل ہے۔ تفسیر فسر سے

ہے اور تاویل اَوْل سے ہے جس کے لغوی معنی رجوع کے ہیں۔ قرآن پاک اپنی بلاغت میں بہت سے مضامین کو چھوتا ہے اور یہ مضامین بھی اس کی طرف لوٹتے ہیں۔ معانی کی وسعت ان کو شامل ہوتی ہے یہ تاویل مقبول ہے اور اگر یہ تفسیر سے ٹکرائے تو یہ تاویل مردود ہے۔ قرآن کریم نے احسن تفسیر اور احسن تاویل سے دونوں کو ساتھ لیا ہے۔

ولا یاتونک بمثل الا جئنٰک بالحق واحسن تفسیرا۔ (پ۱۹ الفرقان ۳۳)

ترجمہ۔ اور نہیں وہ لاتے تمہارے پاس کوئی مثل مگر یہ کہ ہم لے آتے ہیں تمہارے پاس سچائی اور اس سے بہتر بات کھول کر۔

فردوہ الی اللہ والرسول ان کنتم تؤمنون باللہ والیوم الاٰخر ذٰلک خیر واحسن تاویلا۔ (پ۵ النساء ۵۹)

ترجمہ۔ سو تم لوٹاؤ اس قضیئے کو اللہ کی (کتاب کی) طرف اور رسول کی طرف (آپ کی سنت کی طرف) اگر تم اللہ تعالیٰ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتے ہو یہ بہتر ہے اور مراد کو پہنچنے کی بہترین راہ ہے

ضرورتِ پیش آمدہ میں جہاں قرآن کریم کی نص نہیں ملتی نہ اس خاص جزئیہ میں کوئی واضح حدیث موجود ہو تو اپنی اس ضرورت کو قرآن وحدیث کی طرف لوٹاؤ۔ قرآن وحدیث کے بیان کردہ مسائل میں اگر اس ضرورت پیش آمدہ پر کچھ دلالت اور رہنمائی ملے تو قرآن وحدیث کی طرف لوٹنا ہے لیکن از راہِ تاویل نہ کہ از راہِ تفسیر۔ قرآن کریم میں یہاں احسنِ تاویل اسی کو کہا گیا ہے۔ خدا کی طرف سے حضورؐ کی جو رہنمائی ہوتی تھی وہ وحی متلو اور اس کی تفسیر (وحی غیر متلو) ہوتی تھی اللہ تعالیٰ نے آنحضرتؐ کو تاویل پر نہیں لگایا۔ حضورؐ جس راہ پر چلے وہ سنت ہے۔ آپ نے قرآن کریم کی روشنی میں امت کو سنّت اور تاویل پر لگایا۔ آپ نے ایک پیشگوئی میں کہا تھا تم میں ایسے لوگ بھی ہوں گے جو تاویل قرآن (مراداتِ قرآن) کی حفاظت کے لیے اسی طرح جہاد کریں گے جس طرح میں الفاظِ قرآن پر قوموں سے مقابلہ کرتا رہا۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جہاں سنّت سے امّت کو روشنی بخشی آپ نے مراداتِ قرآن کی وسعت میں تاویل کو بھی پذیرائی عطا فرمائی ہے۔

علامہ راغب اصفہانی کی رائے

آپ مفردات میں لکھتے ہیں کہ تفسیر کا اکثر استعمال الفاظ اور مفردات میں ہوتا ہے ان کی باہمی تالیف اور ترکیب اس کا موضوع نہیں ہم علامہ کی اس رائے سے اتفاق نہیں کرتے۔ الفاظ اور مفردات کو کلام نہیں کہتے کلام ان کی تالیف اور ترکیب سے بنتا ہے اور تفسیر کلام کی ہوتی ہے مفردات کی نہیں علامہ کے ہاں معانی اور جملوں میں لفظ تاویل مراد کو واضح کرتا ہے۔

علامہ ابونصر قشیری کی رائے

علامہ قشیری کہتے ہیں کہ تفسیر کا تعلق قرآن کریم کے بیان پر روایت اور حضورؐ کی واضح ہدایت سے ہے اور تاویل اپنی وسعت میں اجتہاد اور لطائف و معارف کے استنباط کو بھی شامل ہے متقدمین کی اصطلاح میں تفسیر واقعی ایک مختصر پیرایہ بیان کا نام تھا اور تاویل بیان کا ایک وسیع دائرہ تھا لیکن متاخرین میں تاویل کا لفظ صرف عن الظاہر کے معنی میں زیادہ استعمال ہونے لگا ظاہر ہے کہ یہ معنی عوامی سطح پر کچھ اچھے نہیں سمجھے جاتے ہر لفظ اور جملے کا واضح معنی وہی ہوتا ہے جو ظاہر الفاظ میں سمجھ میں آئے۔

تاویل کا ایک اپنا دائرہ ہے لیکن تاویل اگر صرف عن الظاہر کے معنی میں ہو تو یہ تاویل باطل ہوگی اور جو اصل الفاظ اور واقعات کو کھولے وہ ویعلمک من تاویل الاحادیث (پ۱۲ یوسف ۲) کے قبیل سے ہوگی۔ جس کی غایت اصل بات کو پہنچنا ہے۔

یہ صحیح ہے کہ متاخرین پہلے دور کی تفسیر اور تاویل دونوں کو تفسیر کے لفظ میں لاتے رہے ہیں اور تاویل کے جو معنی متقدمین میں لیے جاتے تھے اسے بیان کرنے کے لیے وہ اس کے ساتھ لفظ اعتبار (جو فاعتبروا یا اولی الابصار سے ماخوذ ہے) ساتھ لانے لگے اسی کو اعتبار کہتے ہیں۔

لفظ تفسیر متاخرین کے ہاں

اب یہ ایک اصطلاح ہے اور اس میں عربی لغات اور قواعد عربیت کے علاوہ آیات کے

کی اور مدنی ہونے کی بحث سبب نزولِ آیات ناسخ و منسوخ محکم و متشابہ عام و خاص مجمل و مفصل وغیرہ جملہ پہلوؤں پر بحث ہوتی ہے اور ان سب امور کو لفظ تفسیر سے بیان کیا جاتا ہے۔

رہی یہ بات کہ قرآن کریم کے ان مضامین کو عصرِ حاضر کے تقاضوں پر کس طرح منطبق کیا جائے تو اس کے لیے جو وسعت بھی اختیار کی جائے اس کے لیے ضروری ہے کہ ان مباحثِ لطیفہ کا اصل تفسیر سے کہیں ٹکراؤ پیدا نہ ہوتا ہو۔

الاعتبار والتاویل

جیساکہ ہم بیان کر آئے ہیں تاویل کے معنی "رجوع کرنے اور لوٹانے" کے ہیں الفاظ جتنے معانی کے محتمل ہو سکیں ان میں سے بذریعہ قرائن کسی ایک معنی کی طرف رجوع کرنا تاویل کہلاتا ہے اس میں ضروری ہے کہ تاویل کا مصداق اصول اسلام اور تفسیر سلف سے کسی انداز میں بھی متصادم نہ ہو اس قسم کی تاویل مقبول ہے۔ ارشادِ نبوت کی رُو سے قرآن کے لیے ایک ظہر ہے اور ایک بطن اس بطن سے علمائے محققین اور فضلائے عارفین نے ایسے ایسے حقائق دریافت کیے ہیں اور ایسے ایسے عجائب و غرائب معلوم کیے ہیں کہ ان میں سے ایک ایک حقیقت قرآن عزیز کی شانِ اعجاز اور حضورؐ ختمی مرتبت کی عظمت و صداقت کی ایک کھلی برہان ہے۔ قرآن حقائق و معارف کا ایک دریائے ناپیدا کنار ہے اور اس کے عجائب کبھی ختم ہونے کے نہیں۔ لاکھوں اور کروڑوں موتی اس میں سے دریافت ہو چکے ہیں اور ابھی تک اس کی اتھاہ گہرائیوں کی کوئی تحدید نہیں۔ کلام مخلوق کسی انداز میں بھی کلام خالق کا احاطہ نہیں کر سکتا۔ ابن ابی حاتم حضرت ابن عباسؓ سے روایت کرتے ہیں کہ حضورؐ نے فرمایا:۔

فظهره التلاوة وبطنه التاويل فجالسوا به العلماء وجانبوا به السفهاء۔[۱]

ترجمہ: قرآن کا ظاہر اس کی تلاوت ہے اس کا باطن اس کے مطالب ہیں اس کے لیے علماء کے پاس بیٹھو اور بے وقوفوں سے کنارہ کش رہو۔

یہ امر پیشِ نظر ہے کہ ایسے حقائق "الاعتبار والتاویل" کے نام سے پیش ہوتے ہیں اور

---

[۱]

ان میں سے کسی ایک موقع پر یہ نہیں کہا جا سکتا کہ خدا تعالیٰ کی مراد اس مقام پر یقیناً یہی ہے یہ درجہ صرف تفسیر کو حاصل ہے جس کا مدار آثار سلف پر ہے۔ آنحضرتؐ نے حضرت ابن عباسؓ کے لیے خاص طور پر یہ دعا فرمائی تھی :۔

اللّٰھم فقھہ فی الدین وعلمہ التاویل۔

ترجمہ۔ اے اللہ! اسے دین کی سمجھ عطا فرما اور قرآن کی صحیح مراد سمجھا۔

ظاہر ہے کہ یہاں تاویل سے مراد اصل بات کو پہنچنا ہے نہ کہ اس کے معنی ظاہر کو چھوڑنا حضرت علامہ خازن (۷۴۱ھ) لکھتے ہیں :۔

اما التاویل وھو صرف الاٰیۃ علیٰ طریق الاستنباط الیٰ معنی یلیق بھما محتمل لما قبلھا وبعدھا وغیرہ مخالف الکتاب والسنۃ فقد رخص فیہ اھل العلم فان الصحابۃ قد فسروا القراٰن واختلفوا فی تفسیرہ علی وجوہ ولیس کل ما قالوہ سمعوہ من النبیؐ ولکن علیٰ قدر ما فھموا من القراٰن تکلموا فی معانیہ وقد دعا النبی صلی اللہ علیہ وسلم لابن عباس فقال اللّٰھم فقھہ فی الدین وعلمہ التاویل۔[1]

ترجمہ یعنی وہ تاویل جس میں قرآن پاک کی آیت کو استنباط اور استدلال کے طریقے سے کسی ایسے معنی کی طرف لوٹایا جائے جس کی وہ آیت اپنے سیاق وسباق کے لحاظ سے محتمل ہے اور گنجائش رکھتی ہے تو اس قسم کی تاویل کی اہل العلم نے اجازت دی ہے صحابہ کرامؓ جب تفسیر کرتے تھے تو اس میں ہر ایک بات تو حضورؐ سے سُنی ہوئی نہ ہوتی تھی بلکہ وہ اپنے اپنے فہم کی روشنی میں ان مطالب و معانی میں کلام فرماتے تھے۔ حضور اکرمؐ نے اس قسم کی تاویل مقبول کے لیے حضرت ابن عباسؓ کے حق میں دُعا فرمائی تھی کہ اے اللہ! اسے دین کی سمجھ عطا فرما اور اسے تاویلِ کتاب کا علم عطا فرمایا۔

---

[1] تفسیر خازن جلد ۱ صــــ

ہاں جو تاویل ظاہر الفاظ قرآن سے ماخوذ نہ ہو اور الفاظ قرآن اس کے کسی طرح محتمل نہ ہوں یا وہ تاویل اسلام کے کسی بنیادی اصول سے متصادم ہو یا قرآن پاک کی دوسری نصوص صریحہ اور احادیث صحیحہ کے خلاف ہو تو یہ تاویل "تاویل باطل" ہے جس کی اسلام میں کوئی گنجائش نہیں ایسی تاویل باطل کو تحریف کہا جاتا ہے۔

تفسیر بالرائے

آنحضرتؐ نے ارشاد فرمایا:۔

من قال فی کتاب اللہ برأیہ فاصاب فقد اخطاء[1]

ترجمہ: جو شخص اپنی خواہش کے مطابق قرآن کی تفسیر کرے تو اگر وہ بات صحیح بھی کہہ جائے تو اس نے صحیح طریقہ تفسیر سے انحراف کیا۔

بعض روایات میں یہاں تک وعید وارد ہے کہ جو شخص قرآن کریم کی تفسیر اپنی رائے سے کرے اسے چاہیئے کہ اپنا ٹھکانا جہنم میں بنالے۔

آٹھویں صدی ہجری کے مفسر جلیل حضرت علامہ علاؤ الدین علی بن محمد بن ابراہیم البغدادی ارشاد فرماتے ہیں:۔

والنہی عن القول فی القرآن بالرای انما ورد فی حق من یتاول القرآن علی مراد نفسہ وما ھو تابع لھواہ وھذا لا یخلوا اما ان یکون عن علم اولا فان کان عن علم کمن یحتج ببعض آیات القرآن علی تصحیح بدعۃ وھو یعلم ان المراد من الآیۃ غیر ذلک لکن غرضہ ان یلبس علی خصمہ بما یقوی حجتہ علی بدعتہ کما یستعملہ الباطنیۃ والخوارج وغیرھم من اھل البدع فی المقاصد الفاسدۃ لیغرّوا بذلک الناس وان کان القول فی القرآن بغیر علم لکن عن جہل وذلک بان تکون الآیۃ محتملۃ لوجوہ فیفسر بما بغیر ما تحتملہ من المعانی

[1] ابوداؤد جلد ۲ صفحہ ۱۵۹

والوجوہ فھذان قسمان مذمومان وکلاھما داخل فی النھی والوعید الوارد فی ذٰلک[1]

ترجمہ۔ تفسیر بالرائے کی یہ نہی اس شخص کے حق میں وارد ہے جو قرآن پاک کو اپنی خواہش اور نفسانی مراد کے مطابق پھیرتا ہے پھر اس کی دو صورتیں ہیں۔ ۱۔ علم کے سہارے جیسے وہ لوگ جو اپنی بدعات کی تائید کے لیے بعض آیات قرآن کا سہارا لیتے ہیں حالانکہ انہیں پتہ ہوتا ہے کہ آیت کی مراد یہ نہیں لیکن ان کا مقصد اپنے مخالف کو مغالطہ دینا اور اپنی من گھڑت بات کو ثابت کرنا ہوتا ہے یہ عادت فرقہ باطنیہ خوارج اور دوسرے بدعتی فرقوں کی ہے اس کا مقصد لوگوں کو محض دھوکا دینا ہے۔ ۲۔ دوسری صورت تفسیر بالرای کی "علم کے بغیر" ہے مثلاً ایک آیت کئی مطالب کی محتمل ہے لیکن کوئی شخص اس کی ایسی تفسیر کرتا ہے جس کی اس آیت میں کوئی گنجائش نہیں۔ تفسیر بالرائے کی یہ دونوں قسمیں مذموم ہیں اور دونوں اس نہی اور وعید میں داخل ہیں۔ جو اس باب میں شارع علیہ السلام سے وارد ہے۔

ہاں قرآن پاک کے ایسے حقائق و معارف بیان کرنا جن میں اپنی کسی مراد نفس اور کسی من گھڑت موقف کی تائید کرنا پیش نظر نہ ہو اور آیت کے الفاظ بھی ان مطالب و معانی کی گنجائش رکھتے ہوں تو باوجودیکہ وہ امور اور بیانات پہلے سے منقول نہ ہوں انہیں استنباط اور استدلال کے انداز میں پیش کرنا تفسیر بالرائے میں داخل نہیں اگر ایسا ہوتا تو صحابہ کرامؓ اور تابعین عظامؒ قرآن پاک کو استنباط اور استدلال کے طریق سے کبھی بیان نہ فرماتے اور فہم کے اختلاف سے ان میں کبھی تفسیر کا اختلاف نہ ہوتا۔

حضرت مولانا علامہ سید انور شاہ صاحبؒ ارشاد فرماتے ہیں:۔

ان التفسیر اذا لم یوجب تغییرًا لمسألة او تبدیلاً فی عقیدة السلف فلیس تفسیرًا بالرای فاذا اوجب تغییرًا لمسألة متواترةٍ او تبدیلاً

---

[1] مقدمہ تفسیر ص۲ مطبوعہ مکتبہ تجاریہ مصر

لعقیدہ مجتمع علیھا فذلک ھو التفسیر بالرای وھذا الذی یستوجب صاحبہ النار[1]

ترجمہ: تفسیر جب کسی مسئلہ کو نہ بدلے اور نہ عقیدہ سلف میں کوئی تبدیلی کرے تو وہ تفسیر بالرائے نہیں ہاں جب کسی متواتر مسئلے کو بدلے یا کسی اجماعی عقیدے کو تبدیل کرے تو وہ ضرور تفسیر بالرائے ہے اور ایسا کرنے والا بیشک دوزخ کی آگ کا مستوجب ہے۔

حضرت علامہ طاہر گجراتیؒ (۹۸۶ھ) اپنی مایہ ناز کتاب مجمع البحار میں لکھتے ہیں:۔

حدیث من قال فی کتاب اللہ برایہ فاصاب فقد اخطاء لا یجوز ان یراد ان لا یتکلم احد فی القرآن الا بما سمعہ فان الصحابۃؓ قد فسروہ واختلفوا فیہ علی وجوہ ولیس کلما قالوہ سمعوہ منہ ولانہ لا یفید حینئذٍ دعائہ اللھم فقھہ فی الدین وعلمہ التاویل فالنھی لوجہین احدھما ان یکون لہ رای والیہ میل من طبعہ و ھواہ فیتاول علی وفقہ لیحتج علی تصحیح غرضہ وقد یکون لہ غرض صحیح کمن یدعوالی مجاھدہ القلب القاسی ویستدل بقول اذھب الی فرعون انہ طغٰی ویشیر الی قلبہ ویستعمل الوعاظ تحسیناً وترغیباً وھو ممنوع[2]

ترجمہ: حدیث من قال فی کتاب اللہ برائہ کا مطلب یہ نہیں ہوسکتا کہ کوئی شخص قرآن کے متعلق سوائے سُنے ہوئے کے اور کچھ نہ کہے کیونکہ صحابہؓ نے قرآن کریم کی تفسیر بیان کی اور اس میں اختلاف بھی کیا اور تفسیر میں وہ جب کبھی کچھ کہتے ایسا نہ تھا کہ وہ ہر بات انہوں نے حضورؐ سے سُنی ہوئی ہو اور اس لیے بھی تفسیر بالرائے کا مطلب یہ نہیں ہوسکتا کہ اس صورت میں حضورؐ کی اس دُعا کا مطلب کہ "یا اللہ! اسے دین کی سمجھ عطا فرما اور قرآن کریم کی مرادات سمجھا" کچھ

---

[1] فیض الباری جلد ۴ صفحہ ۱۵۱

باقی نہیں رہتا پس رائے سے تفسیر کرنے کی ممانعت دو صورتوں میں ہے ایک یہ کہ کسی شخص کی کوئی رائے پہلے سے قائم ہے۔ اور اس کی طرف اس کا طبعی میلان ہے اور وہی اس کی غرض ہے اور وہ تفسیر اس لیے کر رہا ہے کہ اپنی غرض کو صحیح ثابت کرنے کے لیے دلیل لائے اور کبھی تفسیر بالرائے کرنے والے کی غرض صحیح بھی ہوتی ہے جیسے کوئی شخص مجاہدہ قلبی کی دعوت دیتے ہوئے اذھب الیٰ فرعون انه طغیٰ سے استدلال کرنے لگے کہ فرعون طاغی سے مراد سخت ہوا دل ہے واعظ لوگ ایسی باتیں بہت کہتے ہیں ایسی تفسیر بالرای صحیح غرض کے لیے بھی منع ہے۔

تفسیر بالرائے کی چند مثالیں

قرآن عزیز میں متعدد مقامات پر ارشاد ہے۔ اطیعوا اللّٰہ واطیعوا الرسول کہ اللہ کی اطاعت اور اس خاص رسول کی اطاعت کرو" اب ایک شخص اس کے یہ معنی بیان کرتا ہے کہ اطاعت رسول سے مرکز ملت (مسلمانوں کی قومی اسمبلی) کی اطاعت مراد ہے۔ حضور رسالت مآب کی اطاعت ہرگز مراد نہیں۔ اب ظاہر ہے کہ الفاظ قرآن ان معنی کے ہرگز محتمل نہیں اور نہ ان آیات کا سیاق و سباق ایسے من گھڑت معنی کی گنجائش پیش کرتا ہے۔ علاوہ ازیں اس سے مقصود بھی "اطاعت رسول فرض ہونے" کے قطعی عقیدے کا ابطال ہے تو ایسی تفسیر جو محض مراد نفس اور ذاتی خواہش کے تابع ہو۔ یقیناً تفسیر بالرائے ہے اور ایسے ہی غلط مفسرین کے بارے میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ وعید وارد ہے کہ وہ اپنا ٹھکانا جہنم میں بنالیں۔ اسی طرح قرآن عزیز نے ایک مقام پر رب العزت کے ایک عالم ارواح کا خطاب کا ذکر فرمایا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ابتدائے آفرینش میں کل ارواح بنی آدم کو مخاطب کر کے ارشاد فرمایا تھا :-

یا بنی آدم اما یاتینکم رسل منکم یقصون علیکم آیاتی۔ (پ ۸ الاعراف)

ترجمہ اے اولاد آدم اگر تمہارے پاس رسول آئیں تم میں سے جو سنائیں تم کو میری آیتیں تو جو ڈرے اور نیکی کرے اسے کوئی خوف نہ ہوگا۔

اس سے دو رکوع پہلے حضرت آدمؑ اور حواؑ کے جنت سے نکلنے کا بیان ہے جب وہ عارضی طور پر نعیم جنت سے دُور کیے گئے تو ان کی مخلصانہ توبہ و انابت پر نظر کرتے ہوئے مناسب ہوا کہ کل اولادِ آدم کو ان کی آبائی وراثت واپس دلانے کے لیے کچھ بشارات دے دی جائیں اور کچھ ہدایات کر دی جائیں۔ چنانچہ رب العزت نے فرمایا کہ وہ سلسلہ رسالت قائم کر کے اولادِ آدم کو اپنی مرضیات سے مطلع فرمائے گا "قرآن پاک کے بعض مقامات بعض دوسرے مقامات کی تفسیر کرتے ہیں" ایک دوسرے موقع پر بھی رب العزت نے اس ارسال ہدایت کا ذکر فرمایا ہے اور وہاں بھی اسے ہبوط آدم کے واقعہ سے وابستہ کیا ہے :۔

قلنا اھبطوا منھا جمیعا فامّا یاتینکم منی ھدًی۔ (پ البقرہ)

ترجمہ تم سب جنت سے نیچے اُترو پھر اگر تمہارے پاس میری طرف سے ہدایت آئے تو جو میری ہدایت کی پیروی کریں گے انہیں کوئی خوف نہیں ہوگا۔

دونوں آیتیں ایک دوسری کی تفسیر ہیں اور واضح طور پر بتلا رہی ہیں کہ ارسال ہدایت کا یہ وعدہ ہبوطِ آدم کے متصل بعد وجود میں آیا ابن جریر ابویسار سلمی سے نقل کرتے ہیں۔ کہ اما یاتینکم رسل منکم کا خطاب کل اولادِ آدم کو عالم ارواح میں ہوا تھا۔

اب جو شخص اس آیت کریمہ کو اپنے محل سے جُدا کر کے سیاق و سباق سے بے نیاز کر کے اور قرآن عزیز نے خود جو اس کی تفسیر فرمائی اسے یکسر نظر انداز کر کے اسے اپنی مرادِ نفس کے مطابق ڈھالتا ہے اور کہتا ہے کہ اس میں امّت محمدیہ کو سلسلہ نبوت کے جاری رہنے کی خبر دی جا رہی ہے تو یہ تفسیر بالرائے نہ صرف اس کی خواہش کے تابع ہے بلکہ قرآن و سنّت کی سینکڑوں نصوص قطعیہ اس سے متصادم ہو رہی ہیں۔ قرآن کے ایسے محرفین کے متعلق ہی حضور ختمی مرتبتؐ فرماتے ہیں کہ وہ اپنا ٹھکانا جہنم میں بنالیں۔ اس سے بڑھ کر تفسیر بالرائے کی اور کون سی مثال ہوگی۔

ایک اور مثال

سورہ مریم میں ہے کہ حضرت جبریل جب مریم طاہرہؑ کے پاس آئے اور کہا :۔

قال انما انا رسول ربكِ لاھب لكِ غلامًا زكیًا۔ (پ۱۶ مریم)

ترجمہ میں بھیجا ہوا ہوں تیرے رب کا تاکہ دے جاؤں تجھے ایک لڑکا۔

اس آیتِ کریمہ میں یہ بات واضح ہے کہ حضرت جبریل خود مختار نہ تھے بلکہ وہ اپنے رب کے بھیجے ہوئے تھے اور اسی کے مامور تھے اور لڑکے کی بشارت بھی وہ اسی کی طرف سے دے رہے تھے۔

قرآن عزیز میں یہی مضمون دوسری جگہ اس طرح وارد ہے :۔

یامریم ان اللہ یبشرکِ بکلمۃ منہ اسمہ المسیح عیسیٰ ابن مریم۔ (پ۳ آل عمران)

ترجمہ اے مریم اللہ تجھے بشارت دیتا ہے اپنی طرف سے ایک کلمہ کی اس کا نام عیسیٰ بن مریم ہوگا

اب اگر کوئی شخص پہلی آیت کا یہ مطلب بیان کرے کہ حضرت جبریلؑ میں دوسروں کو اولاد دینے کی طاقت ہے اور یہ کہ وہ اس میں پوری طرح خود مختار تھے۔ دوسروں کا نفع ونقصان ان مقربان بارگاہِ ایزدی کے اپنے اختیار میں ہوتا ہے تو ظاہر ہے کہ وہ شخص قرآن کو مرادِ نفس اور اپنی خواہش کے تابع کر رہا ہے اور اسے لیسے معنی پہنا رہا ہے کہ خود قرآن عزیز میں ہی اس کی واضح طور پر تردید موجود ہے۔ ایسی تفسیر کو تفسیر بالرای کہتے ہیں اور اسی قسم کے غلط مفسرین کے متعلق حضورؐ کی یہ وعید وارد ہے کہ وہ اپنا ٹھکانا جہنم میں بنالیں۔

صوفیہ کرام کے لطائف و اشارات اور ملحدوں کی تفسیر میں فرق

صوفیہ کرام یا اہل ولایت قرآن کریم کی کسی آیت میں اگر کوئی معنی لطیف اور دقیق دیکھتے ہیں تو اس سے ان آیات کے ظاہر معنی مراد کا انکار نہیں ہوتا نہ وہ کسی طرح شریعت سے تصادم چاہتے ہیں باطنیہ اور ملاحدہ قرآن کے ظاہر معنی مراد کا انکار چاہتے ہیں اور اپنے معنی مقصود کو قرآن پاک کی مراد بتاتے ہیں یہ سراسر تفسیر بالرای ہے۔ روح المعانی میں ہے :۔

واما کلام الصوفیہ فی القرآن فھو من باب الاشارات تنکشف علی ارباب السلوک ویمکن التطبیق بینھا وبین الظواھر المرادۃ وذلک من کمال الایمان ومحض العرفان لا انھم اعتقدوا ان الظواھر غیر المراد

اصلاً وانما المراد الباطن فقط اذ ذٰلک اعتقاد الباطنیۃ الملاحدۃ توصلوا بہ الیٰ نفی الشریعۃ بالکلیہ.[1]

ترجمہ۔ اور صوفیہ کرام جو تفسیر میں اپنی بات کہتے ہیں وہ اشارات کا ایک باب ہے جو اہل سلوک پر کھلتا ہے ان کے بیان کردہ اشارات اور ظاہر مراد آیات میں تطبیق دی جا سکتی ہے اور ایسی بات کہنا کمال ایمان اور صحیح عرفان کے باعث ہے یہ نہیں کہ وہ صوفیہ اعتقاد کیے بیٹھے ہوں کہ یہاں ظاہر معنی مراد نہیں ہیں قرآن میں صرف وہ باطنی اشارات ہی مراد ہیں یہ تو باطنیہ ملاحدہ کا اعتقاد ہے جن کے رستے وہ شریعت کی بالکلیہ نفی کرنے کے درپے ہوئے ہیں۔

ہاں یہ کہنا کہ قرآن کریم میں ظہر وبطن دونوں ہیں شریعت ظواہر احکام پر مبنی ہے اور قرآن کریم کے اشارات بھی برحق ہیں جن سے قرآن پاک کے رموز کھلتے ہیں تو یہ تفسیر بالرای نہیں ہے۔

تفسیر بالرای کے مختلف وجوہ

(۱) وہ علوم جن کا جاننا علم تفسیر کے لیے ضروری ہے وہ نہ جانتا ہو جیسے آج کل کے اخبار نویسوں اور لیڈروں کی تفسیریں ہیں۔

(۲) متشابہات جن کے معنی مراد اللہ ہی کو معلوم ہیں ان کی قطعی انداز میں تفسیر کرنا اور معنی مراد کا تعین کرنا جیسے اللہ کی ذات کو نور قرار دینا اور آیت اللہ نور السمٰوات سے استدلال کرنا حالانکہ یہ آیت آیاتِ متشابہات میں سے ہے۔ (تفسیر کبیر)

(۳) اپنی رائے پہلے سے قائم کر رکھی ہو اور اسے ثابت کرنے کے لیے قرآن سے آیات ومقامات تلاش کرنا اور ان سے اپنی بات ثابت کرنا جیسا کہ قادیانیوں کا طریقہ ہے۔

(۴) کسی آیت میں مختلف پہلوؤں کی گنجائش ہو ان میں سے کسی ایک کو یقینی پیرایہ میں لانا اور اسے ایسی مراد بتلانا کہ اس کے خلاف بات نہ ہو سکے۔

(۵) اپنی خواہش اور ضرورت کے لیے کسی آیت سے تائید لینا۔[2]

---

[1] روح المعانی جلد [2] ملخصاً من الاتقان جلد ۲ صد ۱۸۳

قرآن کریم ایک متشابہ کلام ہے[1] اس کے مضامین جگہ جگہ مختلف پیرایوں میں پھیلائے گئے ہیں قرآن کریم کا ہر ہر مضمون کئی کئی جگہوں پر ملتا ہے۔ اب ایک آیت میں اگر کئی پہلو ہیں اور ہم کوئی ایک پہلو لیں اور وہ ہمیں قرآن پاک کے کسی دوسرے مقام پر مطلق نظر نہ آئے اور اس آیت میں لپیٹے دوسرے پہلو اور مقامات سے بھی تائید یافتہ ہوں تو اب اس ایک پہلو پر اصرار ایک انسان کو تفسیر بالرای کی غلط محنت میں داخل کر دیتا ہے قرآن کا معنی مراد کیا ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ آسمانی حق ہے اور حق ناقابل تقسیم ہے اس میں اپنے لیے حق نکالنا ایک بڑی جسارت اور جرأت ہے۔ یہ تغیر ہے جس کے مرتکب کو جہنم میں ٹھکانہ کرنے کی وعید سنائی گئی ہے۔

قرآن کریم کی آیات کی ایک تقسیم

وہ آیات جن میں اعتقاد یا کسی عمل کا ایسا حکم ہو کہ وہ سنتے ہی ہر کسی کو سمجھ میں آسکے جیسے:۔

① فاعلم انہ لا الٰہ الا اللہ۔ پ۲۶ محمد ۱۹)

② محمد رسول اللہ والذین معہ۔ پ۲۶ الفتح ۲۹)

③ قل انما انا بشر مثلکم یوحیٰ الیّ۔ پ۱۶ الکہف ۱۱۰)

④ ولکن رسول اللہ وخاتم النبیّین۔ رپ۲۲ الاحزاب ۴۰)

⑤ قل اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول۔ رپ۵ النساء)

⑥ واقیموا الصلوٰۃ واٰتوا الزکوٰۃ۔ رپ۱ البقرہ ۴۳)

⑦ فمن شہد منکم الشہر فلیصمہ۔ رپ۲ البقرہ ۱۸۵)

⑧ وللہ علی النّاس حجّ البیت۔ رپ۴ آل عمران ۹۷)

⑨ قل لا یعلم من فی السمٰوٰت والارض الغیب الا اللہ۔ رپ۲۰ النمل ۶۵)

⑩ والسابقون الاولون من المہاجرین والانصار والذین اتبعوھم باحسان رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ۔ رپ۱۱ التوبہ ۱۰۰)

اس قسم کی واضح آیات میں کسی خاص تفسیر کی ضرورت نہیں جس نے بھی ان پہ کچھ لکھا اس

---

[1] اللہ نزل احسن الحدیث کتاباً متشابہاً مثانی۔ پ۲۳ الزمر ۲۳)

کے ظاہر معنی کی حمایت میں ہی لکھا۔ دین کی عمومی سمجھ کے لیے ان کا ترجمہ جان لینا کافی ہے۔

دوسری قسم کی آیات وہ ہیں جو آیات و کلیات اور اشباہ امثال کے درجہ میں ہیں ان کی گہرائی میں اُترنا اسی طرح ہے جس طرح کنویں کے اندر اُتر کر وہاں سے پانی لانا اسے استنباط اور استخراج کہتے ہیں یہ عام آدمیوں کے بس کی بات نہیں مجتہدین اس گہرائی میں اُترتے ہیں قرآن ہے تو سب کے لیے مگر اس کی بیان کردہ امثال کو ان عالموں کے سوا اور کوئی سمجھ نہیں پاتا۔

وتلک الامثال نضربها للناس وما یعقلها الا العالمون (پ۲۰ العنکبوت ۴۳)

ترجمہ۔ اور یہ امثال ہیں قرآن کی جنہیں ہم سب لوگوں کے لیے بیان کر رہے ہیں مگر سمجھتے انہیں صرف (اونچے درجے کے) عالم ہیں۔

ان کلیات سے احکام فقہی کا استنباط احادیث کی روشنی میں قرآن کے مجملات کا بیان، تخصیص عام، تقیید مطلق، حقیقتہ شرعیہ اور حقیقت لغویہ کے موارد کو پہچاننا تخاطب شرعی تخاطب لغوی اور تخاطب عرفی کے فرق کو جاننا سب اسی ذیل میں آتا ہے ان آیات کی مراد پالینے کو کبھی تاویل بھی کہتے ہیں یہ تاویل صرف عن الظاہر کے معنوں میں نہیں ہے مجتہد قرآن پاک کی اس قسم کی آیات کی تشریح میں علم عربیت، احادیث و آثار اور وقت کے تقاضوں کو ساتھ لے کر چلتا ہے۔

تیسری قسم کی آیات متشابہات ہیں ان کا بیان بڑا نازک اور موضوع احتیاط کا ہوتا ہے ان میں سلف کا مسلک یہ ہے کہ تاویل سے بچو اس کے ظاہر الفاظ پر ایمان لاؤ ان کے مرادات اللہ کے سپرد کردو اور ان کی مزید پڑتال کو بدعت سمجھو۔ سلف جس درجے میں انہیں بیان کر گئے بس وہیں تک رہو۔

وما یعلم تاویلہ الا اللہ والراسخون فی العلم یقولون اٰمنا بہ کل من عند ربنا وما یذکر الا اولوا الالباب۔ (پ۳ آل عمران ۷)

ترجمہ۔ اور اس کی مراد کو صرف اللہ تعالیٰ ہی جانتے ہیں اور جو علم میں پختہ لوگ ہیں وہ کہتے ہیں ہم اس پر ایمان لائے دونوں طرح کی آیات خدا کی طرف سے ہیں۔ لیکن اسے عقلمند لوگوں کے سوا کوئی نہیں سمجھ پاتا۔

چوتھی قسم کی آیات میں اقوامِ سابقہ کی تاریخ کے اہم پہلو، سابق پیغمبروں کے قصص و واقعات آخرت کی مجازات اور جنت اور دوزخ کے احوال ہیں ان سے انسان کی اخلاقی تعلیم کی تکمیل ہوتی ہے یہ آیات عام فہم ہیں اور انہیں عوام کے نصیحت پکڑنے کے لیے آسان رکھا گیا ہے۔

نوٹ: جس آیت کی تاویل کی جائے ضروری ہے کہ اسے اس سے پہلی آیت کے ساتھ موافق رکھا جائے۔ بعد کی آیت سے بھی اس کی مطابقت ہو اور وہ اصولاً کتاب و سنت سے کہیں نہ ٹکرائے اور اس سے قرآن کریم کی معجزانہ بلاغت میں کوئی نقص واقع نہ ہونے پائے۔

التاویل صرف الآیة الی معنی موافق لما قبلها وما بعدها تحتمله الآیة غیر مخالف للکتاب والسنة۔[1]

ترجمہ: تاویل آیت میں آیت کو اس بات کی طرف پھیرنا ہے جو اس سے پہلے بیان ہوئی اور جو بات بعد میں آ رہی ہے یہ آیت اس کو بھی جگہ دے اور کتاب و سنت کے بھی کہیں خلاف نہ ہو۔

اس سے پہلے ہم تاویل پر تفصیلی بحث کر آئے ہیں۔

نوٹ: ضروریاتِ دین میں تاویل کسی پہلو سے قابلِ قبول نہیں۔ انہیں اپنے ظاہر پر رکھا جائے گا جو ان میں تاویل کرے اور ان کے معنی ظاہر سے پھیرے وہ راہ سے بھٹکا ہوا ملحد ہے قرآن کریم میں ان ملحدین کی خبر دی گئی ہے۔

ان الذین یلحدون فی اٰیاتنا لا یخفون علینا۔ (پ فصلت ۴۰ حم سجدہ)

ترجمہ: بے شک جو لوگ ہماری آیتوں میں ٹیڑھے چلتے ہیں وہ ہم پر مخفی نہیں رہتے کیا وہ جو آگ میں ڈالا جائے گا وہ بہتر ہے یا وہ جو قیامت کے دن امن سے آئے اب تم جو چاہو کرتے رہو۔

صحیح مفسر ہونے کی شرطیں

علامہ سیوطیؒ ایک طبقہ علماء سے نقل کرتے ہیں کہ قرآن کریم کی تفسیر کرنا صرف اسی کے لیے جائز ہے جو ان پندرہ علوم میں جامعیت رکھتا ہو۔

① عربی زبان کا علم ② علم نحو ③ علم تصریف
④ علم اشتقاق ⑤ علم معانی ⑥ علم بیان و بدیع
⑦ علم قرأت ⑧ علم اصولِ دین ⑨ علم اسباب النزول
⑩ علم اصول فقہ ⑪ قصص کا علم ⑫ معرفت ناسخ و منسوخ
⑬ فقہ ⑭ علم حدیث ⑮ علم موہبت ربّانی

علم موہبت سے مراد وہ علم ہے جو اسلامی علوم پر عمل پیرا ہونے والے خوش قسمت کو موہبت اور بخشش کے طور پر خدا تعالیٰ کی طرف سے ملتا ہے۔ حدیث میں وارد ہے کہ آپ نے فرمایا:۔

جو شخص اپنے علم کے مقتضا پر عمل کرے تو اللہ تعالیٰ اسے ایک اور ایسا علم عطا فرماتے ہیں جو اسے پہلے سے حاصل نہیں ہوتا۔

جو شخص ان پندرہ علوم میں شان جامعیت سے ممتاز اور ان کی علمی وسعتوں میں سباق الغایات نہ ہو اسے کوئی حق نہیں کہ وہ مفسر بن بیٹھے جب تک ان علوم میں پوری مہارت نہ ہو تفسیر لکھنے کا قصد بھی نہ کرنا چاہیئے۔

عوام کے لیے راہِ ہدایت

بے دینی کے اس دور میں مادیت کی بادِ صرصر نے علم حقیقت کے چراغ مدھم کر رکھے ہیں علم کے طول و عرض میں تو ترقی ہے لیکن اس کی گہرائیوں میں ناقابلِ تلافی حد تک کمی ہو رہی ہے۔ عوام ان پانزدہ علوم بلکہ ان کے مبادیات سے بھی اس قدر بے خبر ہیں کہ وہ ایک عمومی شہرت کے سوا ان کے مصداق کا تعین نہیں کر سکتے کہ کون اس مرتبہ علمی پر فائز ہے اور کون نہیں۔ ان عوام کے لیے راہِ ہدایت یہی ہے کہ وہ ایک مفسر کے لیے دیانت اور تدین کی شرط کو سب شرطوں سے مقدم سمجھیں مفسر ہونے کے ہر مدعی کی قبائے عمل پر نظر ڈالیں۔ اسلام میں غیر متدین شخص کی شہادت دنیوی امور میں بھی معتبر نہیں۔ پس دینی امور بالخصوص کتاب اللہ کی ترجمانی میں اس کا اعتبار کیسے ہو سکتا ہے کتاب اللہ کا علم اگر اس کے اپنے علم میں کوئی تبدیلی پیدا نہیں کر سکا تو وہ دوسروں کے لیے ایک

انقلاب آفریں پیغام کیسے بن سکتا ہے پھر ایسے بے دین بسا اوقات اپنے اندازِ تحریر میں ایسے مکار ہوتے ہیں کہ وہ بعض عمدہ اور صحیح خطاب کو بھی اپنے پیرایہ بیان میں نہایت مد مماکر کے پیش کرتے ہیں اور ان کے لیے ایسی تعبیر اختیار کرتے ہیں کہ خواہ مخواہ ان حقائق سے نفرت ہونے لگے۔ اسی طرح بعض نہایت غلط نظریات کو ایسے ادبی اور نفسیاتی انداز میں پیش کرتے ہیں۔ کہ تشکیک کے ان کانٹوں سے بچ نکلنا بہت مشکل ہو جاتا ہے ایسے حالات میں عوام کا فرض ہے کہ ایسے غلط فکر خانہ ساز مفسرین کے دامنِ عمل پہ گہری نگاہ رکھیں یہ لوگ بزعم خود نئی روشنی کے علمبردار بنتے ہیں لیکن عمل کے اندھیروں میں ان کا کوئی سراغ نہیں ملتا۔ ایسے لوگ علوم مذکورہ سے کلیتہً بے خبر اعمالِ اسلام سے بے پرواہ اور خود رائی اور پندار نفس کے مرض میں بُری طرح مبتلا ہیں مسلمانوں کو ان کے تراجم و تفاسیر پہ اعتبار نہ کرنا چاہیئے تفسیرِ قرآن کوئی بچوں کا کھیل نہیں اصول میں اس کے اپنے مراتب ہیں عبارۃ النص دلالۃ النص اشارۃ النص اقتضاء النص میں فرق کرنا ہر کسی کا کام نہیں۔

اصولِ تفسیر

① قرآن کی کسی آیت کی تفسیر کے لیے قرآن پاک کا اپنا ہی بیان کسی دوسرے مقام پہ مل جائے۔ اسے تفسیر القرآن بالقرآن کہتے ہیں۔ یفسر بعضہ بعضاً کا یہ پہلا اصول ہے۔

② حضور ختمی مرتبتؐ کے ارشاد یا عمل سے اس کی تفسیر یا توضیح مل جائے۔

③ صحابہ کرامؓ یا حضرات تابعینؒ نے علماً یا عملاً اس کی تشریح فرمادی ہو۔

④ ان اجلہ مفسرین نے جن کے علم اور تقوٰے پر سلف میں اعتماد رہا ہو وہ اسے بیان کریں اور جہاں رُکنا چاہیئے وہاں وہ رُکے ہوں۔

⑤ الفاظ آیات ان معانی کے محتمل ہوں اور ان کا اصول اسلام اور تفسیر سلف سے کہیں کوئی تصادم نہ ہوتا ہو۔

ان اصولوں کے مطابق صحیح تفسیر تک رسائی صرف اسی صورت میں ہو سکتی ہے کہ ان پانزدہ علوم میں جو صحیح مفسر بننے کی شرائط کے طور پر اوپر مذکور ہوئے ان پہ پُوری مہارت اور غزارت ہو۔ اور پھر وہ تفسیر کرے۔

تفسیر کی ضرورت

قرآن کے بعد بیانِ قرآن بھی آسمانی رہنمائی اور آسمانی ہدایت سے ہی چلے گا اس پر ہم پہلے کچھ بحث کر آئے ہیں. یہاں ہم اس کی تفصیل مزید کیے دیتے ہیں کہ ترجمہ قرآن ہوتے ہوئے یہاں تفسیر کی ضرورت کیا ہے کیا قرآن کریم خود ایک کھلی کتاب نہیں.

قرآن عزیز جب "بلسان عربی مبین" اُترا ہے اور اس کی عربی کوئی معمہ اور ابہام نہیں بلکہ عربی مبین ہے جو اپنی جگہ بڑی واضح اور بلیغ ہے تو پھر اس کی تفسیر کی کیا حاجت رہ جاتی ہے ہر زبان دان اسے بآسانی کیوں نہیں سمجھ پاتا؟

جواب: یہ ٹھیک ہے کہ قرآن کریم کی زبان عربی مبین ہے. مگر یہ امر بھی پیش نظر رہے کہ قرآن کریم نے جہاں اپنے متعلق "عربی مبین" ہونے کا دعوٰے کیا ہے وہاں یہ بھی ارشاد فرمایا ہے کہ تنزیل کی صرف عبارت کافی نہیں بلکہ اس کے بیان و تفصیل کے لیے حضور ختمی مرتبتؐ کی راہنمائی کی بھی اشد ضرورت ہے. آنحضرتؐ قرآن کریم کی جو بھی تفصیل و تفسیر فرمائیں وہ سب کچھ رب العزت کا ہی اعلام و ارادت ہے یہ وحی غیر متلو ہے جو وحی متلو (الفاظ قرآن) کی تفصیل کرتی ہے. قال اللہ تعالیٰ :۔

انا انزلنا الیك الکتاب بالحق لتحکم بین الناس بما اراك اللہ.

(پ۵ النساء ۱۰۵)

ترجمہ: بے شک ہم نے آپ کی طرف سچی کتاب اُتاری تاکہ آپ لوگوں میں اس علم کے مطابق فیصلہ فرمادیں جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو دکھایا ہے.

جو کلام فصاحت اور بلاغت کی انتہا پر ہو اور بے شمار حقائق و مطالب چند مختصر عبارتوں میں سمو دیئے گئے ہوں تو بیان کا کمال اس امر کا مقتضی ہے کہ وہ اپنے آئینہ میں بعض غیر محسوس اشیاء کی جھلک بھی دکھائے احکام کو بھی اس انداز میں پیش کرے کہ پیش آمدہ ضرورتوں کو پورا کرنے کے ساتھ ان احکام کے اسباب و علل آئندہ کی ہر نئی ضرورت کو بھی پوری طرح حل کر سکیں ظاہر ہے کہ اس صورت میں عموم و خصوص کے امتیازات بھی ہوں گے. حقیقت و مجاز کی معرکہ آرائی

بھی ہوگی اور مجمل و مفصل کی نسبتیں بھی قائم ہوں گی پس اس اقرار سے چارہ نہیں کہ لیسے کلام کی توضیح و تفسیر کی اشد ضرورت ہے۔

قرآن عزیز کی آیات کچھ محکمات ہیں (جو اپنے معنی و موضوع میں اتنی پختہ اور واضح ہیں کہ ان میں کسی اور معنی کا احتمال نہیں) اور کچھ متشابہات ہیں (جہاں اشتباہات اور احتمالات کا بہت زیادہ دخل ہے) ان مواقع میں ایک فاضل مفسر کا فرض ہے کہ دونوں میں امتیاز پیدا کرے اور متشابہات کو بالاستقلال بیان کرنے اور ان سے استخراج و استدلال کرنے سے پوری طرح پرہیز کرے بیان کرنے کی ضرورت ہو تو انہیں محکمات کی طرف لوٹائے ان کے مطالب خدا کے سپرد کرے یا انہیں محکمات کے تابع کر کے بیان کرے کیونکہ اصل ان کی مراد صرف اللہ رب العزت ہی جانتے ہیں :۔

هو الذی انزل علیك الكتاب منه آیات محكمات هن ام الكتاب واخر متشابهات فامّا الذین فی قلوبهم زیغ فیتبعون ما تشابه منه ابتغاء الفتنة و ابتغاء تاویله ومایعلم تاویله الا الله۔ (پ۳ آل عمران)

ترجمہ. وہ اللہ ہے جس نے آپ پر یہ کتاب اُتاری، اس میں وہ آیتیں بھی ہیں جو محکمات ہیں. یہ محکمات کتاب کی بنیاد ہیں اور ۲. متشابہات پس جن کے دلوں میں کجی ہے وہ فتنہ پیدا کرنے اور مطلب برآری کے لیے متشابہات کے پیچھے ہو لیتے ہیں حالانکہ ان کی بالاصل مراد صرف اللہ تعالیٰ ہی جانتے ہیں۔

ایک اور شبہ اور اس کا جواب

سوال پیدا ہوتا ہے کہ رب العزت نے سارے قرآن کریم کو ہی محکمات کی صورت میں کیوں نہ آتارا۔ آیاتِ متشابہات نے بہت سی اختلاف کی راہیں کھول رکھی ہیں۔ اگر کل آیات ہی محکمات ہوتیں تو امت کسی اختلاف کا شکار نہ ہوتی. آیات کی اس تقسیم میں آخر کون سی حکمت منطوی تھی؟

جواب: قرآن کریم بہتر انسانی زندگی کا آخری نصاب اور ایک جامع ضابطہ حیات ہے جب تک یہ دنیا آباد ہے کائنات اس کی شدید محتاج ہے جب اس میں ہر ضرورت کا حل اور ہر

طلب کا جواب ہے تو ظاہر ہے کہ محدود جزئیات ان تمام ضرورات کا احاطہ نہیں کر سکتیں پس لازمی طور پر ان مواقع میں جہاں قرآنی ہدایت ایک واضح جزئی کی شکل میں موجود نہیں. ہم قرآن عزیز کی عمومی ہدایت اور بیان سنت کی اصولی حیثیت کی طرف رجوع کریں گے اس صورت میں غیر منصوص کو منصوص کی طرف یا مجمل کو مفصل کی طرف لوٹانا ضروری ہوگا. یہی موضوع اجتہاد ہے جس سے قرآن پاک ایک مکمل ضابطہ حیات ہونے کا دعوےٰ قائم کرتا ہے اجتہاد و استدلال کے اس طریق کو نظر انداز کر دیا جائے تو قرآنی ہدایت حالات پیش افتادہ میں محدود ہو کر رہ جائے گی.

خدا کی حکمت ہماری اس اساسی ضرورت کی طرف متوجہ ہوئی اور قرآن عزیز اپنے پہلے اظہار میں ہی محکمات اور متشابہات میں تقسیم ہو گیا تاکہ متشابہات کو محکمات کی طرف لوٹانے میں علمی تیقظ پیدا ہو قوتِ اجتہاد بیدار ہو اور امت کی مذکورہ بالا بنیادی ضرورت کی راہیں ابتدا سے ہی ہموار ہو جائیں اور اہلِ علم اپنے اپنے درجات میں امت کی رہنمائی کریں.

اگر "اس منقولی اجتہاد" (متشابہات کو محکمات کی طرف یا مجملات کو مفصلات کی طرف لوٹانے) کے متعلق سوال پیدا ہوتا ہے کہ آخر اس کی ضرورت کیا تھی. آیات سب محکمات قرار دینی چاہئیں تو کیا تفکر و تدبر کے "معقولی اجتہاد" کے متعلق بھی یہ سوال بعینہٖ پیدا نہیں ہوتا کہ قرآن پاک اپنی ہر بات میں اتنا واضح اور صاف کیوں نہیں کہ کسی قسم کے فکر و تدبر کی کوئی ضرورت ہی درپیش نہ ہو. نہایت افسوس ہے کہ منقولات میں غور و فکر تو قابلِ اعتنا نہیں سمجھا جاتا اور جو فکر و تدبر ان سے پورا بے نیاز ہو اس کی حوصلہ افزائی کی جاتی ہے حالانکہ غور و فکر صرف وہی معتبر ہے جو بیان سنت کی روشنی میں ہو.

خلاصہ اس کہ قرآن کریم کی کچھ آیات محکمات ہیں کچھ متشابہات کچھ عام ہیں جہاں احکام عمومی شان رکھتے ہیں اور کچھ خاص ہیں جو کسی خاص واقع یا جزئیہ پر مشتمل ہیں. اسی طرح بعض آیات مجمل ہیں کہ صرف وصف عنوانی کا بیان ہے اور بعض مفصل ہیں کہ ان میں طریق عمل کا پورا نقشہ موجود ہے. اسی طرح ناسخ و منسوخ کو بھی ایک مستقل موضوع کے ساتھ زیر بحث لایا جاتا ہے پھر عام آیات بھی بعض ایسی ہیں کہ ان سے بعض مخصوص افراد مستثنیٰ ہیں اور کچھ اپنے عموم پر اپنی پوری عمومی شان سے باقی ہیں آیات قصص کی شان اور ہے اور آیاتِ احکام کا انداز اور پس ایک

ایسے علم سے چارہ نہیں جو ان تمام تقسیمات اور باہمی فرق بیان کرنے میں فہم قرآن کی شان پیدا کرے یہی علم علمِ تفسیر کہلاتا ہے اور انہی تفسیری اصولوں کی روشنی میں علمِ تفسیر کے مدون اور مرتب ذخیروں سے استفادہ کیا جاسکتا ہے۔ ان حقائق کی روشنی میں علمِ تفسیر کی ضرورت بکمال ہویدا ہے۔

تفسیر سلف میں اختلاف کی نوعیّت

اور

موارد نزول میں اختلاف کی حقیقت

ہمارے زمانے کے بعض وہ لوگ جو سلف صالحین کی تفسیر سے مستغنی اور نصوص قرآنیہ میں الحاد کی راہ چلنے کے عادی ہیں یہ پراپیگنڈہ عام کرتے ہیں کہ سلف صالحین کے تفسیری ذخائر آپس میں بہت مختلف ہیں ان میں سے کس کس پہ اعتماد کیا جائے۔

جواباً گذارش ہے کہ یہ دعوے حقیقت کے مطابق نہیں سلف صالحین کا تفسیر میں بہت کم اختلاف ہے قرآن کا بیان جو "الاعتبار والتاویل" کے درجہ میں ہو اس میں تو بے شک بہت سے عنوان مختلف ہیں لیکن جہاں تک تفسیر کا تعلق ہے ان میں سلف کا بہت کم اختلاف ہوا ہے۔

حافظ ابن تیمیہؒ لکھتے ہیں :-

> سلف کے مابین تفسیر میں اختلاف کم ہوا ہے احکام* میں تفسیر سے زیادہ اختلاف ہے اور تفسیر میں بھی جو اختلاف صحیح طور پر ان سے مروی ہے وہ تنوع کا ہے نہ کہ تضاد کا[1]

---

* مگر ضروری احکام سب لوگوں کو معلوم ہیں بلکہ تواتر سے معلوم ہیں اور ان میں کوئی اختلاف نہیں جیسے نماز کی تعداد رکعات، اوقاتِ رکوع، خود نمازوں کے اوقات، زکوٰۃ اور نصاب زکوٰۃ کے احکام، رمضان کے روزے، حج میں طواف، وقوف، رمی الجمار وغیرہ اور صحابہؓ میں جو اختلاف نانا دادا بھائیوں اور مشرکہ وغیرہ کے بارے میں ہوا ہے تو اس سے فرائض (میراث) کے اکثر و بیشتر مسائل میں کوئی شک و اضطراب پیدا نہیں ہوتا۔

[1] رسالہ اصول تفسیر للحافظ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ

مثال کے طور پر صراطِ مستقیم کو لیجئے بعض سلف کہتے ہیں کہ اس سے مراد قرآن ہے اور بعض دوسرے بزرگوں کا قول ہے کہ صراط مستقیم اسلام ہے۔ صراطِ مستقیم کی یہ دونوں تفسیریں ظاہر میں مختلف معلوم ہوتی ہیں لیکن حقیقت میں مختلف نہیں بلکہ متفق اور ایک ہیں۔ دینِ اسلام " اتباعِ قرآن " ہی کا دوسرا نام ہے۔ اسی طرح صراطِ مستقیم کی تفسیر سنّت وجماعت کے طریقے سے بھی کی گئی ہے اسے خدا اور اس کے رسولؐ کی اطاعت کے نام سے بھی پیش کیا گیا ہے۔ مگر یہ لفظ ایک ہی ذات کی طرف اشارہ کرتے ہیں ان مفسروں میں کوئی اختلاف نہیں ہر ایک نے کسی ایک صفت کو بیان کر دیا ہے۔ قالہ الحافظ رحمۃ اللہ علیہ۔

انا اعطیناك الکوثر میں بعض بزرگوں نے کوثر سے مراد قرآن کریم لیا ہے جو شانِ جامعیت اور کثرت کا حامل ہے اور بعض روایات کی رو سے یہ جنّت کا ایک حوض ہے جس سے پینے والا پھر کبھی پیاسا نہ ہو گا۔ ان میں بھی کوئی حقیقی اختلاف نہیں اور ایک معنی کا اقرار دوسرے معنی کا انکار نہیں۔ قرآن کی معنویت آخرت میں جو صورت محسوسہ اختیار کرے گی وہ جنت کا ایک حوض ہو گا جس سے وہ سعادت مند سیراب ہوں گے جو اس دنیا میں اس حوض سے جرعہ نوشی کرتے رہے۔ یہاں وہ قرآن کی دولت سے مستفید اور مستفیض ہوتے رہے ــــــ یہ اختلاف بھی تنوع کا اختلاف ہے تضاد کا نہیں۔ واللہ اعلم بحقیقۃ الحال۔

قرآن کریم میں ہے :۔

من اعرض عن ذکری فانّه له معیشةً ضنکاً۔ (پ۱۶ طٰہٰ)

ترجمہ۔ جو میرے ذکر سے رُوگردانی کرے اس کے لیے ہے تنگ روزی۔

اس میں ذکر سے کیا مراد ہے ذکر کی اضافت خدا کی طرف ہے یہ " اضافت الی المفعول " ہو تو اس سے مراد وہ الفاظ ہوں گے جن سے کوئی شخص خدا کو یاد کرے مثلاً سبحان اللہ، الحمد للہ وغیرہ یہاں ذکر سے مراد خدا کا ذکر کیا جانا ہے اور اگر یہ " اضافت الی الفاعل " ہو تو ذکر خدا سے مراد خود خدا کی جانب سے ذکر ہو گا اور یہ ذکر خدا کا کلام ہے۔ اس صورت میں یہاں خدا کی اُتاری ہوئی ہدایت کو ہی خدا کا ذکر کہا جا رہا ہے بسیاق وسباق سے اس دوسرے معنی کی تائید ہوتی ہے آیت کے ماقبل میں خدا کی طرف سے ہدایت کے اُترنے کا بیان ہے اور مابعد میں بھی آیاتِ ربانیہ کے نزول

کا تذکرہ ہے۔ اب اس صورت میں تفسیر میں کچھ خفیف سا اختلاف ہے لیکن دو مفہوم اپنی جگہ تعلیمات اسلام کے عین مطابق ہیں ایسے مواقع میں راجح و مرجوح کی صورتیں تو پیدا ہو سکتی ہیں لیکن اس اختلاف سے کسی فرقہ بندی اور علیحدہ علیحدہ حکمت نظری کی راہیں ہرگز نہیں کھل سکتیں۔ راجح معنی کے پیش نظر اب یہاں "میرے ذکر" سے مراد "میری کتاب" "میری ہدایت" "قرآن" وغیرہ جو کچھ مراد لیا جائے سب اسماء کا مسمیٰ ایک ہی رہے گا اور یہ تفسیر کا اختلاف کوئی حقیقی اختلاف نہیں۔

حافظ ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں کہ پھر بسا اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ سلف کسی مسمیٰ کا بیان ایسی عبارت سے کر جاتے ہیں جو بعینہٖ ذات مسمیٰ پر دلالت کرتی ہے مگر اس کے ساتھ ساتھ اس عبارت سے ایک ایسی صفت کا بھی اظہار ہوتا ہے جو دوسرے اسم میں نہیں ہوتی جیسے کوئی کہے کہ "قدوس وہ ہے جو غفور رحیم ہے۔" اب قدوس کا لفظ عین ذات مسمیٰ پر دلالت کرتا ہے لیکن اس میں ایک ایسی صفت کا اظہار بھی ہو رہا ہے جو غفور رحیم کے الفاظ سے ظاہر نہیں ایسے مواقع پر سلف کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ مسمیٰ تو ایک ہی ہے گو دونوں صفتیں ایک نہ ہوں ایسے مقامات پر دونوں صفتوں کے ایک ہونے کا دعوے بے شک ایک زیادتی ہوگی لیکن یہ اختلاف تضاد کا اختلاف ہرگز نہیں۔ سلف کی روش پہچان کر ان کی صحیح مراد معلوم کرنی چاہیئے۔

اختلاف کی ایک اور قسم

بعض اوقات یوں بھی ہوتا ہے کہ ایک مفسر کسی اسم عام یا حکم عام کے تحت مثال دینے کے لیے کسی ایک فرد یا کسی ایک نوع کو ذکر کر دیتا ہے اور دوسرا مفسر اسی اسم عام یا حکم عام کے تحت کسی دوسری جزئی یا کسی دوسری نوع کو نقل کر دیتا ہے۔ ہر دو صورتوں میں مفسرین کا مقصد ایک دوسرے سے اختلاف کرنا نہیں بلکہ یہ ہے کہ آیت کے عموم میں یہ یہ افراد اور یہ یہ انواع بھی داخل ہیں ظاہر ہے کہ یہ اختلاف تضاد کا اختلاف نہیں محض تنوع کا اختلاف ہے۔ ایسے اختلافات کو اچھال کر عوام کو سلف کے تفسیری سرمایہ سے بدگمان کرنا صرف انہی لوگوں کا کام ہے جنہیں قسام ازل نے علم و فہم کا کوئی حصہ نہیں دیا اور وہ شاہراہ سلف میں شک کے کانٹے بچھا کر اپنے مخصوص ذہنی الحاد کے لیے راہیں ہموار کرنا چاہتے ہیں۔

حافظ ابن تیمیہؒ اس قسم کے اختلاف کی مثال میں اس آیت کو پیش کرتے ہیں۔

ثم اورثنا الکتاب الذی اصطفینا من عبادنا فمنھم ظالم لنفسہ ومنھم مقتصد ومنھم سابق بالخیرات۔ (پ۲۲ فاطر)

ترجمہ: پھر ہم نے کتاب کا وارث انہیں بنایا جنہیں ہم نے اپنے بندوں سے چُن لیا تھا پھر ان میں ایسے بھی ہوئے جو ظالم لنفسہ تھے ایسے بھی تھے جو مقتصد (میانہ رَو) تھے اور ایسے بھی ہوئے جو نیکیوں میں آگے بڑھے ہوئے تھے سابق بالخیرات۔

اب ایک مفسر کہتا ہے کہ "سابق" سے مراد وہ ہے جو اوّل وقت نماز پڑھتا ہے "مقتصد" وہ ہے جو دورانِ وقت میں نماز پڑھتا ہے اور "ظالم لنفسہ" وہ ہے جو نمازِ عصر میں یہاں تک تاخیر کر دیتا ہے کہ دھوپ زرد پڑ جائے۔ دوسرا مفسر کہتا ہے کہ صدقہ دینے والا شخص جو واجبات کے ساتھ مستحبات بھی بجا لاتا ہے وہ "سابق بالخیرات" کا مصداق ہے۔ سود کھانے والا یا زکوٰۃ روک لینے والا "ظالم لنفسہ" ہے اور "مقتصد" وہ ہے جو فرض زکوٰۃ ادا کرتا ہے اور سود نہیں کھاتا۔

اب دیکھیئے کہ دونوں مفسر آیت کے عموم میں ایک ایک نوع کا تذکرہ کر رہے ہیں ان کا مقصود باہمی اختلاف نہیں بلکہ یہ سمجھانا ہے کہ آیت کے مفہوم میں یہ بات بھی داخل ہے حسنات وطاعات یا ارتکاب محرمات میں سے کسی ایک نوع کا تذکرہ کر دینا محض تنوع کا اختلاف ہے تضاد کا نہیں آیت کریمہ اپنی پوری وسعتوں کے ساتھ تمام متعلقہ جزئیات و انواع کو شامل ہے

مواردِ نزول میں اختلاف کی حقیقت

سلف کے تفسیری سرمایہ سے بدگمان کرنے والے یہ بھی کہا کرتے ہیں کہ ایک ہی آیۃ کے متعلق ایک مفسر سببِ نزول کوئی بیان کرتا ہے اور دوسرا اس کے شانِ نزول میں کچھ اور کہتا ہے اب ہم کس پر یقین کریں اور کس کا اعتبار کریں۔

جواباً گذارش ہے کہ اس غلط فہمی کا منشا اسبابِ نزول کے متعلق متقدمین کی اصطلاح

اور روش کو نہ پہچاننا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اس باب میں متقدمین اور متاخرین کی اصطلاح مختلف ہے اور اس اصول سے انحراف نہیں کیا جا سکتا کہ ہر دور کے علمی سرمایہ کو سمجھنے کے لیے اسی دور کی اصطلاح اور روش کو پیش نظر رکھنا ضروری ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ ارشاد فرماتے ہیں۔

والذی یظھر من استقراء کلام الصحابة والتابعین انھم لا یستعملون نزلت فی کذا لمحض قصة کانت فی زمنه صلی اللہ علیه وسلم وھی سبب نزول الآیة بل ربما یذکرون بعض ما صدقت علیه الآیة مما کان فی زمنه صلی اللہ علیه وسلم او بعده صلی اللہ علیه وسلم یقولون "نزلت فی کذا" ولا یلزم ھناک انطباق جمیع القیود بل یکفی انطباق اصل الحکم وقد یقرر حادثه تحققت فی تلک الایام المبارکة واستنبط صلی اللہ علیه حکمها من آیة وتلاھا فی ذلک الباب ویقولون نزلت فی کذا[1]

ترجمہ صحابہؓ اور تابعینؒ کے بیانات کا استقراء کرنے سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ وہ "نزلت فی کذا (یہ آیت اس باب میں نازل ہوئی) کے الفاظ محض اس واقعہ کے لیے ذکر نہیں کرتے جو حضور اکرمؐ کے سامنے پیش آیا اور نزول آیت کا سبب بنا بلکہ وہ بسا اوقات ان مواقع میں بھی یہ الفاظ بول دیتے تھے جن پر وہ آیت (اپنی دلالت کے اعتبار سے) صادق آ رہی ہو ایسے مواقع خواہ آنحضرتؐ کے سامنے کے ہوں یا آپ کے بعد کے۔ صحابہؓ و تابعین ایسے تمام موقعوں پر بھی "نزلت فی کذا"، کے الفاظ بول دیتے تھے ان مواقع میں تمام قیود کا انطباق ضروری نہ تھا صرف "اصل حکم" کا انطباق ضروری سمجھا جاتا تھا اور پھر ایسا بھی ہوتا تھا کہ خود آنحضرتؐ کے سامنے کوئی واقعہ پیش آیا اور آنحضرتؐ نے اس خاص موقعہ کا حکم کسی آیت سے استنباط فرمایا (گو وہ آیۃ

---

[1] الفوز الکبیر عربی صـ۲۲

پہلے سے نازل شدہ ہو) اور اس آیت کو تلاوت فرمادیا تو صحابہؓ ایسے مواقع کے لیے بھی "نزلت فی کذا" کے الفاظ بول دیتے تھے (گو وہ موقع اصل سبب نزول نہ ہو صرف آیت کے معنی ومفہوم کا ایک اور مصداق ہو)۔

حافظ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں :-

جب سلف کہتے ہیں کہ یہ آیت فلاں معاملے میں نازل ہوئی ہے تو ان کی غرض کبھی یہ ہوتی ہے کہ آیت کا سبب نزول یہ ہے اور کبھی مقصد یہ ظاہر کرنا ہوتا ہے کہ وہ معاملہ اس کے حکم میں داخل ہے اگرچہ خود وہ معاملہ سبب نزول نہ بھی ہو۔

پھر یہ بھی یاد رہے کہ سلف میں سے ایک شخص جب یہ کہتا ہے کہ "آیت اس بارے میں نازل ہوئی" اور دوسرا شخص کسی اور بارے میں نزول بتاتا ہے تو اس سے لازم نہیں ہوتا کہ دونوں میں اختلاف ہے جب کہ آیت کے مفہوم میں دونوں قول داخل ہوں۔ اسی طرح جب ایک صحابی ایک سبب نزول بتاتا ہے اور دوسرا صحابی دوسرا سبب بیان کرتا ہے تو اسے بھی اختلاف پر محمول نہیں کرنا چاہیئے۔

شانِ نزول ـــ موارِدِ نزول

(خواہ اولین مواقع کے ہوں یا مصداق آیت ہونے کے اعتبار سے بعد کے ہوں) قرآن سمجھنے میں بہت مدد دیتے ہیں لیکن اس کا یہ معنی ہرگز نہیں کہ ان آیتوں کے احکام انہی اشخاص سے مخصوص یا انہی پیش آمدہ جزئیات میں محدود ہیں جن کے باب میں وہ آیات نازل ہوئیں اور دوسرے افراد خواہ ویسے ہی اعمال کے مرتکب اور ان جیسی ہی جزئیات سے دوچار ہوں تو وہ ان آیات کے تحت نہیں

لہ جیسے کہ آیت تطہیر (پ ۲۲ احزاب) آنحضرتؐ نے اپنی بعض اولاد پر تلاوت فرمائی حالانکہ وہ اس سے کافی عرصہ پہلے سے نازل شدہ تھی اور اس کا مصداق اول حضور اکرمؐ کی ازواج مطہرات تھیں مگر آپ نے اپنی اولاد کے نفوس قدسیہ کو بھی اہل بیت میں داخل فرمادیا اور ان پر یہ آیت تلاوت فرمادی اب یہ تلاوت بھی چونکہ آنحضرتؐ سے ہی ثابت ہے اس لیے ایسے مواقع پر بھی "نزلت فی کذا" کے الفاظ متقدمین کی اصطلاح میں بہت ملتے ہیں۔

آتے اس قسم کی بات کوئی مسلمان بلکہ کوئی ہوشمند نہیں کر سکتا۔ نہایت لائق افسوس ہے کہ مشرکین عرب کی روش سے بچنے کی جب مسلمانوں کو نصیحت کی جائے تو بعض نادان یہ کہتے سُنے جاتے ہیں کہ یہ آیات تو مشرکین سے متعلق ہیں ہم سے ان کا کوئی تعلق نہیں ایسے خیالات مقاصدِ قرآن اور موارد نزول کو نہ سمجھنے کی وجہ سے ہیں اور ان کا منشا جہالت کے سوا کچھ نہیں علمِ تفسیر کا مشہور قاعدہ ہے:۔

العبرة لعموم اللفظ لا لخصوص السبب۔

ترجمہ۔ اعتبار عموم الفاظ کا ہے خصوص سبب کا نہیں[۱]

جس آیت کا سبب نزول معلوم و متعین ہو اگر وہ امر یا نہی کی آیت ہے تو اس کا حکم یقیناً ان سب لوگوں پہ جاری ہو گا جو اس شخص متعین سے ملتے جلتے ہیں۔ اسی طرح اگر آیت میں مدح و ذم کی بنا پہ کوئی خبر دی گئی ہے تو وہ بھی اس شخص کے مشابہ تمام لوگوں کے حق میں عام ہے۔[۲]

آنحضرتؐ نے بیان قرآن کی پوری ذمہ داری ادا کی

آنحضرتؐ کے ذمہ جس طرح امت کو قرآن پہنچانا تھا اسی طرح آپ کے ذمہ قرآن کا بیان کرنا اور اس کا سمجھانا بھی تھا۔ آیت کریمہ ویعلمھم الکتاب والحکمة (پ آل عمران) اور آیت کریمہ لتبین للناس مانزل الیھم (پ۱۴ النحل ۴۴) میں حضورؐ کے اس فرض منصبی کا ذکر موجود ہے۔ آپ نے بیانِ قرآن کی یہ ذمہ داری ادا فرمائی اور صحابہؓ میں مفسرین کی ایک جماعت تیار کی جن میں حضرت ابی ابن کعبؓ، حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ، حضرت علی المرتضیٰؓ اور حضرت عبد اللہ بن عباسؓ سرفہرست ہیں پھر ان کے بعد ان کے تلامذہ میں تابعین کا ایک طبقہ اٹھا جس نے جس طرح اکابر صحابہؓ سے قرآن کی تفسیر سُنی یا سمجھی تھی

---

[۱] حضرت علامہ حافظ ابن دقیق العیدؒ اس مقام پر تنبیہ فرماتے ہیں۔ یجب ان ینبه للفرق بین دلالة السیاق والقرائن الدالة علی تخصیص العموم وعلی مراد المتکلم وبین مجرد ورود العام علی السبب ولا تجریھما مجری واحدا فان مجرد ورود العام السبب لا یقتضی التخصیص به۔ (احکام الاحکام جلد ۲ ص۲۲۵)

[۲] اصولِ تفسیر ص۲۰ للحافظ ابن تیمیہؒ

اسے اپنے طور پر بیان کیا یہ اس پہلے دور کے مفسرین کرام ہیں۔

ان میں علقمہ بن قیس (۶۱ھ) مسروق بن اجدع (۶۳ھ) سعید بن المسیب (۶۳ھ) ابوالعالیہ (۹۳ھ) سعید بن جبیر (۹۴ھ) حضرت عمر بن عبدالعزیز (۱۰۰ھ) حضرت مجاہد (۱۰۰ھ) حضرت حسن بصری (۱۱۰ھ) حضرت قتادہ (۱۱۸ھ) ابوالاسود الدئلی (۱۰۱ھ) حضرت ضحاک (۱۰۲ھ) عکرمہ (۱۰۵ھ) طاؤس بن کیسان یمانی (۱۰۶ھ) قاسم بن محمد (۱۰۷ھ) سالم بن عبداللہ (۱۰۶ھ) عطا بن ابی رباح (۱۱۴ھ) محمد بن کعب القرظی (۱۱۸ھ) اور زید بن اسلم (۱۳۶ھ) اٹھارہ حضرات سرفہرست ہیں۔

ان حضرات سے تفسیر قرآن کے اجزاء بصورت روایت چلے اور جس طرح مجتہدین فہم سنت میں محنت کرتے رہے محدثین نقل حدیث میں آگے چلتے رہے ان مفسرین حضرات کی تفسیرات بھی آگے روایۃً چلتی رہیں یہاں تک کہ حافظ عبدالرزاق بن ہمام (۲۱۰ھ) اور نابغہ روزگار حافظ ابن جریر طبری (۳۱۰ھ) نے ان کا بیشتر تفسیری مواد اپنی تفسیروں میں سمو دیا۔

عربی والوں کو ان تفسیری اجزاء کی کیا ضرورت تھی؟

علامہ ابن خلدون (۸۰۸ھ) لکھتے ہیں :-

ان العرب لا تستوی فی المعرفۃ بجمیع ما فی القرآن من الغریب والمتشابہ بلیٰ ان بعضہا یفضل فی ذٰلک علیٰ بعض لان العرب لا یکفیھم فی معرفۃ معانی القرآن معرفتھم بلغتہ بل کانوا فی کثیر من الاحیان بحاجۃ الی توقیف من الرسول صلی اللہ علیہ وسلم[1]

ترجمہ۔ قرآن میں جو غریب اور متشابہ الفاظ ہیں عرب ان سب کی پہچان میں ایک جیسے نہ تھے بلکہ ان میں سے بعض دوسرے بعضوں سے اس میں فائق تھے عربوں کو قرآن کی معرفت میں صرف اس کی لغات نہ تھی بہت سے مواقع پر انہیں ضرورت پڑتی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس باب میں کیا منقول ہے۔

اس سے پتہ چلا کہ تفسیر قرآن کریم میں لغت عربی کو ثانوی درجہ حاصل ہے اصل یہ ہے کہ حضور خاتم النّبیینؐ نے کسی آیت کو کیسے سمجھا اور صحابہؓ نے اسے کس ذہن سے قبول کیا۔ امام عربیت شیخ عبدالقادر جرجانی (۸۱۶ھ) لکھتے ہیں:۔

ومن عادة قوم من يتعاطى التفسير بغير علم ان توهموا ابدًا فى الالفاظ الموضوعة على المجاز والتمثيل انها على ظواهرها فيفسدوا المعنى بذلك ويبطلوا الغرض۔[1]

ترجمہ: کچھ لوگ عادی ہوئے کہ بغیر علم کے تفسیر کرنے لگے وہ الفاظ جو مجاز اور تمثیل کے پیرائے میں تھے انہوں نے انہیں ان کے ظاہر معنی پر محمول کیا اس طرح انہوں نے قرآن میں بگاڑ پیدا کیا اور جو ان آیات سے غرض تھی اس کی نفی کر دی۔

امام نحو علامہ اصمعی (۲۱۷ھ) قرآن کریم کی تفسیر میں صرف عربیت کافی نہ جانتے تھے ان کے ہاں تفسیر قرآن میں یہ دیکھنا ضروری تھا کہ اللہ اور اس کے رسول برحق کے ہاں اس بات سے کیا معنی مراد لیے گئے۔ آپ اکثر کہہ دیتے:۔

العرب تقول هٰذا هٰكذا ولا اعلم المراد منه فى الكتاب والسنة۔[2]

ترجمہ: عرب یہ یہ کہہ دیتے ہیں اور کتاب و سنت میں وہ بات مجھے کہیں کہی گئی نہیں ملتی۔

علامہ راغب اصفہانی مفردات کے شروع میں تفسیر جاننے کے لیے جن علوم کو ضروری سمجھتے ہیں ان میں ساتویں نمبر پر لکھتے ہیں:۔

والسابع معرفة الناسخ والمنسوخ والعموم والخصوص والاجماع والاختلاف المجمل والمفسر والقياسات الشرعية والمواضع التى يصح فيه القياس والتى لا يصح فيه۔[3]

ترجمہ: ساتویں بات ناسخ و منسوخ۔ عام و خاص۔ اتفاق و اختلاف۔ مجمل و مفسر اور قیاسات شرعیہ اور وہ مقامات جہاں قیاس ہو سکتا ہے اور جہاں نہیں ہو

---

[1] دلائل الاعجاز ص ۳۲۶ [2] وفیات الاعیان لابن خلکان ص ۲۸۹ [3] مقدمہ ص ۲۰۵

سکتا ان سب امور کی پہچان ہے۔

تیسری صدی کے نامور مفسرین

روح بن عبادہ البصیری (۲۰۵ھ) ابوزکریا یحیٰی بن زیاد الفرا الدیلمی (۲۰۷ھ) امام کسائی کے شاگرد تھے۔ عبدالرزاق بن ہمام (۲۱۱ھ) ابوالحسن سعید بن جعدۃ الاخفش (۲۱۵ھ) اسحٰق بن راہویہ (۲۳۸ھ) عبد بن حمید (۲۴۹ھ) امام دارمی (۲۵۵ھ) محمد بن سحنون القیروانی (۲۵۶ھ) امام ابن ماجہ (۲۷۹ھ) بقی بن مخلد (۲۷۶ھ) ابن قتیبہ (۲۷۶ھ) اسماعیل بن اسحٰق القاضی (۲۸۲ھ) مالکی مسلک کے تھے۔ امام نسائی کے استاد تھے۔ علامہ مبرد کہتے تھے ھو اعلم بالتصریف منی. سہل بن عبداللہ تستری (۲۸۳ھ) ابوحنیفہ دینوری (۲۸۲ھ) ابوالعباس احمد بن یحیٰی ثعلب (۲۹۱ھ) اخفش اصغر کے استاد تھے۔ ابراہیم بن معقل بن حجاج (۲۹۵ھ) وغیرہم۔

چوتھی صدی کے نامور مفسرین

ابن جریر طبری (۳۱۰ھ) ابن المنذر (۳۱۶ھ) سلیمان بن الاشعث ابوداؤد السجستانی (۳۱۶ھ) امام طحاوی (۳۲۱ھ) ابومنصور الماتریدی (۳۳۳ھ) امام طبرانی (۳۶۵ھ) حافظ ابومحمد الاصبہانی ابوالشیخ (۳۶۹ھ) امام ابوبکر الجصاص (۳۷۰ھ) ابوحفص بن شاہین (۳۸۵ھ) نصر بن محمد ابواللیث سمرقندی (۳۹۳ھ) ان کی تفسیر کا ترکی میں ترجمہ ہوا اس کی روایات کی تخریج قاسم بن قطلوبغا (۸۷۹ھ) نے کی ہے۔ خلف بن احمد سیستانی (۳۵۵ھ) نے دوسرے علماء کو ساتھ ملا کر سو جلدوں میں ایک ضخیم تفسیر لکھی۔ احمد بن علی الباغانی الاندلسی (۴۰۱ھ) ابوعبید الکاشانی (۴۰۱ھ)

پانچویں صدی کے نامور مفسرین

محمد بن حسن بن فورک (۴۰۶ھ) احمد بن موسیٰ بن مردویہ (۴۱۰ھ) ابواسحٰق احمد بن ابراہیم نیشاپوری الثعالبی (۴۲۷ھ) مکی بن ابی طالب القیسی القرطبی (۴۳۷ھ) امام بیہقی (۴۵۸ھ) علی بن احمد الواحدی (۴۶۸ھ) شہفور بن طاہر الاسفرائنی (۴۷۱ھ) عبداللہ بن محمد الاصفہانی الہروی (۴۸۱ھ)

علی بن محمد بن الحسین البزدوی (۴۸۲ھ) علی بن حسن نیشاپوری (۴۸۴ھ) محمد بن عبدالجبار السمعانی المروزی (۴۸۹ھ) اور ناصر خسرو (۴۸۱ھ) نے فارسی میں ایک مستقل تفسیر لکھی۔

علامہ شریف رضی (۴۰۶ھ) نے حقائق التاویل فی مشابہۃ التنزیل اور تلخیص البیان فی مجازات القرآن لکھیں۔

چھٹی صدی میں علامہ بغوی (۵۱۶ھ) نے معالم التنزیل۔ ابن عربی مالکی (۵۴۳ھ) نے احکام القرآن۔ شیخ ظہیر الدین نیشاپوری (۵۷۷ھ) نے البصائر اور امام فخر الدین رازی (۶۰۶ھ) نے تفسیر کبیر لکھی۔ ابو جعفر محمد بن حسن الطبرسی (۵۶۱ھ) کی تفسیر مجمع البیان بھی اسی دور کی ہے۔ یہ شیعہ مسلک کے تھے۔

ساتویں صدی ہجری میں ابن حیان اندلسی (۶۵۴ھ) نے البحر المحیط۔ علامہ قرطبی (۶۷۱ھ) نے الجامع لاحکام القرآن اور علامہ نسفی (۷۰۱ھ) نے مدارک التنزیل لکھی۔ شیخ عبدالعزیز بن احمد الدمیری الشافعی (۶۹۴ھ) نے عربی نظم میں قرآن کریم کی تفسیر ساڑھے تین ہزار اشعار میں لکھی۔ یہ استامبول سے ۱۳۰۰ھ میں شائع ہو چکی ہے۔

آٹھویں صدی میں فن قرأت کے مشہور امام برہان الدین ابراہیم بن عمر الجبیری (۷۳۲ھ) نے پورے قرآن کریم کے شان نزول کو ایک طویل قصیدہ میں قلم بند کیا اس کا نام تقریب المامول فی ترتیب النزول ہے۔ علامہ سیوطی نے الاتقان میں اس کے بعض اشعار نقل کیے ہیں تفسیر ابن کثیر (۷۷۴ھ) اپنی نوع کی بے نظیر تفسیر بھی اسی عہد میں لکھی گئی۔ حافظ ابن قیم (۷۵۱ھ)

نویں صدی ہجری میں ہندوستان میں قاضی شہاب الدین دولت آبادی ثم الدہلوی (۸۴۷ھ) نے بحر مواج کے نام سے ایک تفسیر دو جلدوں میں فارسی میں لکھی۔ شیخ علاء الدین علی بن محمد شاہرودی (۸۷۵ھ) نے سلطان روم کے حکم سے فارسی میں ایک تفسیر لکھی۔ علامہ ناصر الدین قرماس (۸۸۲ھ) نے فتح الرحمٰن فی تفسیر القرآن عربی نظم میں لکھی۔ ملا حسین بن علی الکاشفی (۹۰۶ھ) نے بھی تفسیر حسینی (فارسی) اسی دور میں لکھی۔ یہ تفسیر محدثین دہلی کے ہاں خاصی مقبول رہی ہے۔

دسویں صدی میں علامہ جلال الدین السیوطی (۹۱۱ھ) نے قرآن کریم کی محدثین کے انداز میں الدر المنثور کے نام سے ایک نہایت مبسوط تفسیر لکھی۔ علامہ جلال الدین محلی کی تفسیر کو مکمل کیا۔ یہ تفسیر جلالین ہے۔ امام سیوطی نے الاتقان فی علوم القرآن بھی لکھی۔ ایسی کتاب اب تک قرآن پر نہیں لکھی گئی۔ شیخ بدالدین

الغزی الدمشقی (۹۸۵ھ) نے نظم میں تفسیر قرآن لکھی۔ اس کی تکمیل پر جامع مسجد دمشق میں ایک بڑی مجلس کا اہتمام کیا گیا۔ ملا فتح اللہ کاشانی (۹۸۸ھ) نے تفسیر منہج الصادقین لکھی۔ اس کا ایک اختصار خلاصۃ المنہج کے نام سے کئی دفعہ شائع ہو چکا ہے۔ یہ اثنا عشری عقائد کی تفسیریں ہیں۔

گیارہویں صدی میں قاضی نور اللہ شوستری (۱۰۱۹ھ) نے تفسیر بیضاوی کا حاشیہ لکھا ہے۔ شیخ زین الدین شیرازی نے تفسیر مرتضوی فارسی میں لکھی۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی (۱۰۵۲ھ) نے التعلیق الحاوی علی التفسیر البیضاوی لکھی۔ شیخ محمد علی بن محمد علوان (۱۰۵۷ھ) نے ضیاء السبیل الی معالم التنزیل لکھی۔ سید محمد بن حسین الیمنی (۱۰۶۷ھ) نے منتہی الکلام فی شرح آیات الاحکام لکھی۔ حضرت مولانا عبدالحکیم سیالکوٹی (۱۰۶۷ھ) نے تفسیر بیضاوی کا حاشیہ لکھا۔ مولانا یعقوب بنانی (۱۰۹۰ھ) (یہ الخیر الجاری فی شرح صحیح البخاری کے مصنف ہیں) نے بھی بیضاوی کا ایک حاشیہ لکھا۔ حافظ عصام الدین (۱۰۹۵ھ) نے بھی بیضاوی کا ایک مفصل حاشیہ تحریر فرمایا۔ شیخ شہاب الدین الخفاجی (۱۰۷۰ھ) نے بیضاوی کا مفصل حاشیہ لکھا۔ لاہور کے شیخ منور الدین (۱۰۱۱ھ) نے الدر النظیم فی ترتیب الآی وسور القرآن الکریم لکھی۔ تفسیر بحر مواج کا بھی فارسی سے عربی میں ترجمہ کیا۔ مولانا سید محمد رضوی (۱۰۵۴ھ) نے بادشاہ جہانگیر کے حکم سے قرآن کا فارسی میں ترجمہ کیا۔ شیخ نعمت اللہ فیروز پوری نے بھی قرآن کریم کا فارسی ترجمہ کیا۔ اور علامہ معین الدین کاشمیری (۱۰۸۵ھ) نے اور علی بن محمد دمشقی (۱۲۰۰ھ) نے بھی قرآن کریم کے فارسی تراجم لکھے۔

بارہویں صدی میں شیخ جمال الدین ولد رکن الدین (۱۱۲۴ھ) نے تفسیر مدارک، تفسیر بیضاوی اور تفسیر حسینی پر حاشیے لکھے۔ شیخ احمد ملا جیون (۱۱۳۰ھ) نے تفسیرات احمدیہ۔ شیخ اسماعیل حقی (۱۱۲۷ھ) نے تفسیر روح البیان، سید عبدالغنی النابلسی الدمشقی (۱۱۴۳ھ) نے التحریر الحاوی فی شرح تفسیر البیضاوی لکھی۔ (ذخائر المواریث فی الدلالۃ علی مواضع الحدیث بھی آپ کی تالیف ہے) شیخ محمد ناصر الہ آبادی (۱۱۶۲ھ) نے تفسیر احکام القرآن لکھی۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی (۱۱۷۶ھ) نے الفوز الکبیر فی اصول التفسیر اور فتح الرحمٰن فارسی ترجمہ قرآن کریم لکھا۔ سلیمان بن عمر بن منصور الشافعی الازہری (۱۲۰۴ھ) نے تفسیر جلالین کا حاشیہ جمل لکھا۔ شیخ مخدوم عبداللہ سندھی نے تفسیر ہاشمی سندھی زبان میں لکھی۔ بارہویں صدی میں اردو نے بھی ایک زبان کی شکل اختیار کی اور شاہ مراد اللہ انصاری سنبھلی (۱۱۸۴ھ) نے پہلا اردو ترجمہ کیا۔

تفسیر اور اصولِ تفسیر کے ان مباحث کے بعد اب ان علمائے اعیان اور مفسرین کرام کی خدمات جلیلہ کا نہایت مختصر تعارف ہدیۂ قارئین ہے جن کے تفسیری ذخائر کسی نہ کسی بات میں علوم قرآنی کے ہر مخلص طالب علم کے لیے بجاطور پر مفید ہیں۔ ان تفسیروں کے مطالعہ سے تفسیر کا کوئی عالم مستغنی نہیں

① وہ تفاسیر جن کا مطالعہ ترکیب کلام ادب وعربیت اور نحوی مباحث کے لحاظ سے بہت مفید ہے۔

① تفسیر جلالین

علامہ جلال الدین محلی اور علامہ جلال الدین سیوطی نے پندرہ پندرہ پاروں کی یہ تفسیر لکھی ہے۔

② انوار التنزیل معروف بہ تفسیر بیضاوی

قاضی ناصر الدین ابوعبداللہ بن عمر بیضاوی (۶۹۱ھ) معانی اور بیان کے بھی امام ہیں۔

③ تفسیر کشاف

جاراللہ محمود بن عمر زمخشری (۵۱۸ھ) مفسر کے نظریہ اعتزال کی تردید اس کے حاشیہ انتصاف سے ہوجاتی ہے علامہ زمخشری عربیت اور لغت کے بھی امام ہیں۔

④ مدارک التنزیل

علامہ نسفی (۷۰۱ھ) عقائد کے باب میں بڑی معتمد تفسیر ہے۔

⑤ المفردات

علامہ راغب اصفہانی (۵۰۲ھ) لغات القرآن پر اس سے بڑھ کر کوئی معتمد اور مستند کتاب نہیں مصنف کی ایک کتاب تفصیل النشأتین بھی ہے۔

⑥ تفسیر ابُوالسعود

قرآن کریم کی نحوی ترکیبات میں بہت ہی مفید ہے۔

⑦ وہ تفاسیر جن کا مطالعہ فقہی مسائل اور استخراج احکام کے سلسلہ میں بہت مفید ہے:۔

① احکام القرآن

امام ابوبکر احمد بن علی جصاص رازی (۳۷۰ھ) تین جلدوں میں ہے۔ مسائل کے ساتھ دلائل بھی دیئے گئے ہیں۔ حنفیہ کرام میں بہت معتمد ہے۔

② احکام القرآن

علامہ ابوبکر بن محمد بن العربی المالکی الاندلسی (۵۷۳ھ) دو جلدوں میں ہے بہت بلند پایہ کتاب ہے۔ ائمہ اربعہ کے مسالک منقول ہیں۔

③ تفسیراتِ احمدیہ

مُلّا احمد المعروف بہ مُلّا جیون استاد عالمگیر تالیف (۱۰۷۵ھ) یہی مفسر اصول کی کتاب نورُ الانوار کے مصنف ہیں۔

④ تفسیر مظہری

حضرت قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی۔ (۱۲۲۵ھ) اپنے وقت کے امام بیہقی تھے۔

⑤ احکام القرآن

باہتمام حکیم الامۃ حضرت مولانا اشرف علی تھانوی۔ اسے مولانا ظفر احمد عثمانی، مفتی محمد شفیع صاحب عثمانی، مولانا محمد ادریس کاندھلوی، مفتی جمیل احمد تھانوی اور مفتی عبدالشکور ترمذی نے منزل بہ منزل لکھا ہے۔

③ وہ تفاسیر جن کا روایتی پہلو بہت ممتاز ہے ان کے مصنف محدثین کے طرز پر چلتے ہیں۔

① تفسیر ابن جریر طبری (۳۱۰ھ)

یہ بہت مبسوط اور مفصل تفسیر ہے لغت اور ادبیت پر بھی تحقیقی نظر ہے۔

② معالم التنزیل

محی السنۃ حسین بن مسعود البغوی شافعی (۵۱۶ھ) مشہور محدث گزرے ہیں۔ ان کی یہ تفسیر آٹھ جلدوں میں ابن کثیر کے حاشیہ پر طبع ہے۔

③ بحر محیط

اثیر الدین ابو عبد اللہ محمد بن یوسف بن حیان اندلسی (۷۵۴ھ) محدثانہ طرز پر چلتے ہوئے غلط روایات کی خوب تردید کرتے ہیں ادیب اور متکلم بھی ہیں۔

④ تفسیر جامع لاحکام القرآن للقرطبی (۶۷۱ھ)

⑤ تفسیر ابن کثیر

حافظ عماد الدین ابن کثیر دمشقی (۷۷۴ھ) اسی مصنف نے البدایہ والنہایہ تاریخ کی مشہور ترین کتاب بھی لکھی ہے۔

⑥ تفسیر مظہری

قاضی ثناء اللہ محدث پانی پتی روایت و درایت کا جامع امتزاج ہیں۔ (۱۲۲۵ھ)

⑦ تفسیر فتح القدیر (قاضی شوکانی) (۱۲۵۰ھ)

ان تفاسیر کی حدیثی روایات معتمد ہیں تاہم مسائل مختلف فیہ میں جرح و تعدیل اور اصل کتابوں کی طرف لوٹنا چاہیئے۔

④ وہ تفاسیر جو ایک موضوع پر نہیں کئی کئی موضوعات پر حاوی ہیں اور جامع ضخیم تفسیری ذخائر پر مشتمل ہیں۔

① تفسیر ابن جریر

② تفسیر بحر محیط

③ تفسیر کبیر امام فخرالدین رازی (۶۰۶ھ)

④ تفسیر قرطبی (الجامع لاحکام القرآن)

⑤ روح المعانی علامہ شہاب الدین محمود آلوسی (۱۲۹۱ھ) کی بے نظیر تفسیر ادبی روایتی فقہی اور اور کلامی ہر اعتبار سے ایک عظیم جامع تفسیری ذخیرہ ہے۔

⑤ اُردو تفاسیر

① تفسیر موضح القرآن

حضرت شاہ عبدالقادر محدث دہلوی کی یہ عظیم قرآنی خدمت مابعد کی تمام اردو تفسیروں کی اصل ہے اپنے اختصار اور گہرائی میں اپنی مثال آپ ہے۔ ۱۲۳۰ھ

② تفسیر مواہب القرآن

حضرت مولانا امیر علی صاحبؒ جنہوں نے ہدایہ اور فتاویٰ عالمگیری کے ترجمے کیے ہیں یہ اُن کی تالیف ہے۔ زیادہ تر ابن جریر اور ابن کثیر کے تراجم پر مشتمل ہے۔ ۱۳۳۷ھ

③ تفسیر فتح المنان

یہ تفسیر حقانی کے نام سے معروف ہے آٹھ جلدوں میں ہے مذاہب باطلہ خاص طور پر آریوں اور عیسائیوں کے عقائد و افکار کا تجزیہ کیا ہے۔ اس کے مصنف حضرت علامہ ابو محمد عبدالحق دہلویؒ ہیں جو اپنے زمانہ کے مشہور محقق ہیں۔ ۱۳۳۵ھ

④ تفسیر الاکسیر الاعظم قاضی احتشام الدین مرادآبادی (۱۳۱۴ھ) نو جلدوں میں لکھی۔

ہندوستان میں تیرہویں صدی میں اردو ایک باقاعدہ زبان بن چکی تھی اس میں متعدد تراجم قرآن اور کیے گئے تاہم علوم کے لیے ابھی تک عربی اور فارسی ہی تھی۔ حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی (۱۲۲۵ھ) نے عربی میں تفسیر مظہری لکھی اور حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی (۱۲۳۹ھ) نے تفسیر فتح العزیز فارسی میں لکھی۔ افسوس کہ اس تفسیر کا بہت سا حصہ اس وقت کے سیاسی انقلاب میں ضائع ہو گیا۔ شیخ محمد بن عبدالوہاب (۱۲۰۶ھ) نے بھی ایک تفسیر لکھی اور حکیم شریف الدین خاں دہلوی (۱۲۲۲ھ) نے بھی فارسی میں تفسیر قرآن لکھی۔ علامہ احمد بن محمد الصاوی المالکی (۱۲۴۱ھ) نے تفسیر جلالین کا ایک حاشیہ لکھا۔ قاضی محمد علی شوکانی زیدی (۱۲۵۰ھ) کی تفسیر فتح القدیر بھی اسی دور کی تالیف ہے۔ پھر اسی صدی میں علامہ ابو الثنا شہاب الدین محمود آلوسی (۱۲۷۰ھ) کی تفسیر روح المعانی لکھی گئی جو عالمی سطح پر علم تفسیر کا ایک شاہکار ہے جس کی سطح پر علوم کے سارے چشمے اچھل رہے ہیں۔ محمد تقی کرمانی الملقب مظفر علی شاہ (۱۲۱۵ھ) نے بحر الاسرار فارسی میں لکھی۔

نواب صدیق حسن (۱۳۰۷ھ) نے تفسیر فتح البیان لکھی جو مصر سے دس جلدوں میں شائع ہوئی ہے۔ مولوی محمد حسن بن کرامت علی امروہوی (۱۳۲۳ھ) نے فارسی میں تفسیر معالم الاسرار لکھی سید قطب شہید (۱۳۸۵ھ) نے فی ظلال القرآن عربی میں لکھی۔ محمد امین بن مختار الشنقیطی (۱۳۹۳ھ) نے اضواء البیان دس جلدوں میں لکھی۔ شیخ طنطاوی جوہری (۱۳۵۸ھ) کی تفسیر جواہر القرآن۔ شیخ محمد مصطفیٰ المراغی (۱۳۶۴ھ) کی تفسیر مراغی اور مفتی محمد عبدہٗ کی تفسیر المنار (جو صرف بارہ پاروں کی ہے) بھی اہم تفسیریں ہیں

تیرہویں اور چودہویں صدی میں ہندوستان میں تفسیر پر جو کام ہوا وہ زیادہ اردو میں ہے۔ تفسیر کے طلبہ کے لیے ہم یہاں بعض تفسیروں کے نام لکھے دیتے ہیں تا ضرورت کے وقت وہ انہیں دیکھ سکیں۔

تیرہویں صدی میں اُردو میں تفسیر قرآن کی محنت

① شاہ عبدالقادر محدث دہلوی (۱۲۳۰ھ) نے تفسیر موضح القرآن لکھی اور قرآن کریم کا بامحاورہ اردو ترجمہ کیا۔

② شاہ رفیع الدین (۱۲۳۳ھ) نے قرآن کریم کا لفظی ترجمہ کیا اور الفاظ کی پوری رعایت کی ہے۔

(۳) قاضی سید نور الحق (۱۲۲۳ھ) نے نواب فیض اللہ خاں کی فرمائش پر ترجمہ کیا اور تفسیر لکھی۔
(۴) شاہ رؤف احمد رامپوری (۱۲۵۳ھ) خلیفہ شاہ غلام علی نے تفسیر رؤفی لکھی۔

(۵) سید ظہیر الدین بلگرامی (۱۲۹۰ھ) نے قرآن کریم پر ایک تفسیری حاشیہ لکھا۔
(۶) نواب قطب الدین (۱۲۸۹ھ) صاحب مظاہر حق نے اردو میں جامع التفاسیر چار جلدوں میں لکھی یہ بمبئی کے حیدری پریس سے شائع ہوئی۔
(۷) مولانا کرامت علی جونپوری (۱۲۹۰ھ) کے اردو ترجمے کا نام کوکب دری ہے۔
(۸) سید علی مجتہد بن سید دلدار علی (ھ) نے توضیح مجید فی تنقیح کلام اللہ الحمید لکھی۔
(۹) سید عمار علی رئیس سونی پت (۱۳۰۴ھ) نے تفسیر عمدۃ البیان لکھی۔
(۱۰) نواب صدیق حسن خاں (۱۳۰۷ھ) نے ترجمان القرآن بلطائف البیان چار جلدوں میں لکھی۔

چودہویں صدی میں اُردو میں تفسیر قرآن کی محنت

(۱) مولانا عبد الرحیم (۱۳۱۱ھ) نے اعظم التفاسیر سات جلدوں میں لکھی۔
(۲) مولانا فیروز دین ڈسکوی نے (۱۳۱۲ھ) ترجمہ اور حواشی ۱۲۲۲ صفحات میں لکھے۔
(۳) ڈاکٹر عبد الحکیم پٹیالوی نے ۱۳۱۸ھ میں تفسیر القرآن بالقرآن لکھی۔
(۴) مولانا فتح محمد جالندھری نے اپنے ترجمہ قرآن پر تفسیر نور ہدایت لکھی۔
(۵) تفسیر وحیدی مع ترجمہ ۱۳۲۳ھ میں لکھی گئی۔
(۶) مولوی حمید الدین میرٹھی (۱۳۳۱ھ) نے حدیث التفاسیر ۷۶ صفحوں میں لکھی۔
(۷) مولوی عبد المقتدر بدایونی (ھ) نے تفسیری حاشیہ آگرہ کے انوری پریس سے شائع کیا ہے۔ مؤلف نے ترجمہ مولوی عبد القادر کا لیا ہے۔
(۸) تفسیر فتح المنان المعروف بہ تفسیر حقانی۔ از مولانا ابو محمد عبد الحق دہلوی (۱۳۳۵ھ)
(۹) تفسیر بیان القرآن

حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رح کی یہ عظیم دینی خدمت بارہا زیورِ طبع سے آراستہ ہو چکی ہے تحقیق جامعیت اور قرآن کی ترجمانی میں اپنی مثال آپ ہے تفسیری تفصیلات سے بچتے ہوئے نفس قرآن کا بیان مصنف کا موضوع و مقصد ہے۔ اور بیان القرآن میں اس کا نام ہے۔ (مرحوم ۱۳۶۲ھ)

(۱۰) تفسیر فوائد القرآن علامہ شبیر احمد عثمانی رح

شیخ الہند حضرت مولانا محمود الحسن رح کے ترجمہ قرآن پر نہایت تحقیقی اور فاضلانہ حاشیہ ہے جس میں مصنف نے سمندروں کو کوزے میں بند کر دیا ہے۔

(۱۱) تفسیر معارف القرآن

حضرت مولانا علامہ محمد ادریس کاندھلوی رح شیخ الحدیث والتفسیر جامعہ اشرفیہ لاہور۔ اس کی پانچ جلدیں سورت تک مصنف علام کے قلم حقیقت رقم سے ہیں۔ آپ کے صاحبزادے مولانا محمد مالک نے مکمل کی ہے۔

(۱۲) تفسیر معارف القرآن ۱۳۹۶ھ

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندی عثمانی رح۔ آٹھ ضخیم جلدوں میں ہے۔ بارہا چھپ چکی ہے

(۱۳) تفسیر ماجدی

مولانا عبد الماجد دریاآبادی رح کا یہ حاشیہ قرآن بہت سی تحقیقات مفیدہ پر مشتمل ہے مغربی مصنفین کے حوالجات اور یورپین معترضین کے جوابات اس تفسیر کے امتیازی ابواب ہیں۔ ۱۳۹۸ھ

(۱۴) تفسیر ثنائی

حضرت مولانا ثناء اللہ مرحوم کی یہ تفسیر سات جلدوں پر مشتمل ہے آریوں اور عیسائیوں کے مقابلے میں بہت سی مفید بحثیں اس میں ملتی ہیں مصنف اہلحدیث (باصطلاح جدید) مسلک کے ہیں

(۱۵) تفسیر ترجمان القرآن

مولانا ابوالکلام آزاد رح۔ ادبی اور تاریخی پہلو میں بہت ممتاز ہے اور فکر و شعور کو بیدار کرتی ہے بعض مقامات جمہور علماء کے نزدیک محل کلام ہیں ۱۳۷۷ھ

(۱۶) تفسیر مواہب الرحمٰن۔ مولانا محمد امیر علی

اردو میں یہ سب سے بڑا تفسیری ذخیرہ ہے۔

یہ تفسیریں بھی اسی دور کی ہیں۔

(۱) تفسیر القرآن سر سید احمد خاں

سورۂ بنی اسرائیل تک چھ جلدیں شائع ہیں۔ یہ تفسیر مکمل نہ ہوئی تھی کہ مصنف کا انتقال ہو گیا۔ مولانا حالی اس تفسیر کی تعریف کرنے کے باوجود لکھتے ہیں کہ "سر سید نے اس تفسیر میں جا بجا ٹھوکریں کھائی ہیں" (حیات جاوید حصہ اول ص ۱۸۴ آگرہ)

(۲) تفسیر سرور ی مولوی سرور شاہ (قادیانی) طبع ۱۹۱۲ء

(۳) ترجمہ عبد اللہ چکڑالوی مع تفسیری نوٹ طبع ۱۳۲۶ھ سٹیم پریس لاہور

(۴) تفسیر بیان للناس از خواجہ احمد الدین امرتسری سات جلدوں میں ہے۔

(۵) سید شریف حسین حیدری ترجمہ و تفسیر امامیہ کتب خانہ بمبئی

(۶) عام فہم تفسیر قرآن خواجہ حسن نظامی ۱۹۵۳ء میں شائع ہوا۔

(۷) تفسیر بیان القرآن مولوی محمد علی لاہوری پیرو مرزا غلام احمد قادیانی

(۸) تفسیر صغیر و ترجمہ قرآن مرزا بشیر الدین محمود قادیانی

(۹) تفسیر معارف القرآن غلام احمد پرویز

یہاں تک ہم نے بلا امتیاز مسلک ان تالیفات کا ذکر کیا ہے جو قرآن پاک پر ترجمہ یا تفسیر کی صورت میں مختلف الخیال لوگوں نے لکھیں۔ نامناسب نہ ہو گا کہ ہم یہاں شیعہ تفاسیر کا علیحدہ بھی ذکر کریں تاکہ شیعہ طلبہ اپنا مسلک معلوم کرنے میں کسی پریشانی کا شکار نہ ہوں۔ ہم پہلے ان کی ان تفاسیر کا ذکر کریں گے جو عربی یا فارسی میں ہیں۔ ازاں بعد ان کی اردو تفاسیر کا بھی کچھ ذکر کیا جائے گا۔

شیعہ تفاسیر

① تفسیر امام حسن عسکری

منتخب آیات پر مختصر تفسیری کلام ہے۔ اہل سنّت اسے حضرت امام کی تصنیف تسلیم نہیں کرتے یہ تفسیر تفسیر قمی کے حاشیہ پر شائع ہوئی ہے۔

② تفسیر علامہ فرات کوفی

فرات علامہ قمی کے دو واسطوں سے استاد ہیں تفسیر فرات قدیمی تفسیر ہے۔

③ تفسیر علامہ علی بن ابراہیم قمی۔

مصنف علامہ کلینی کے اساتذہ کے طبقہ میں شمار ہوتے ہیں۔

④ تفسیر مجمع البیان

علامہ ابو علی طبرسی چھٹی صدی کے مقتدر عالم ہیں یہ تفسیر دس جلدوں میں ہے۔

⑤ تفسیر منہج الصادقین

اس مبسوط تفسیر کا اختصار خلاصۃ المنہج کے نام سے قرآنی حاشیہ کی صورت میں بھی چھپا ہے۔

⑥ تفسیر صافی

گیارہویں صدی کے مقتدر عالم ملا فیض کاشانی (۱۱۱۲ھ) کی تالیف ہے۔

⑦ تفسیر نور الثقلین

عراق اور ایران میں بڑے اعتماد کی نظر سے دیکھی جاتی ہے احادیث کا بڑا ذخیرہ ہے۔

⑧ تفسیر لوامع التنزیل

یہ ضخیم تفسیر فارسی میں ہے ہندوستان اور پاکستان میں رائج ہے۔

⑨ شریف رضی (۴۰۶ھ) کی تفسیر حقائق التاویل

⑩ ابو مسلم محمد بن علی بن ابی جعفر الطوسی (۴۶۰ھ) کی تفسیر تبیان۔

⑪ بحر فضل (۶۴۰ھ) صاحب لطائف التفسیر فارسی میں ہے۔

⑫ تفسیر عباسی سردار محمد عباس خاں کابلی ۱۳۳۴ھ (فارسی میں ہے۔

شیعہ اُردو تفاسیر

(۱) تفسیر عمدۃ البیان

علامہ سید عمار علی کی یہ اردو تفسیر پہلے پندرہ پندرہ پاروں کی دو جلدوں میں شائع ہوئی تھی اب یہ پھر دس دس پاروں کی تین جلدوں میں شائع ہوئی ہے۔

(۲) تفسیر ملا مقبول دہلوی

قرآن کے حاشیہ پر ملا مقبول دہلوی نے قرآن کے متعلق شیعہ نقطہ نظر کو بہت نمایاں کیا ہے۔ اس سے شیعہ سُنی اختلافات بہت بڑھے ہیں۔ اس کا ضمیمہ بھی ایک مبسوط کتاب ہے اسے خلافِ قانون قرار دے دیا گیا ہوا ہے۔

قرآن پاک کے فارسی تراجم و تفاسیر

(۱) تفسیر ابن جریر (۳۱۰ھ) کا منصور بن نوح سامانی (۳۵۰ھ) نے علماء کی ایک جماعت سے اس کا فارسی میں ترجمہ کرایا۔

(۲) ناصر خسرو (۴۸۱ھ) نے قرآن کریم کی ایک مستقل فارسی تفسیر لکھی۔

(۳) شیخ ظہیر الدین نیشاپوری (۵۷۷ھ) نے البصائر کے نام سے فارسی میں ایک تفسیر لکھی۔

(۴) قاضی شہاب الدین دولت آبادی (۸۴۰ھ) بحر مواج فارسی میں دو جلدوں میں لکھی۔

(۵) شیخ علاء الدین علی بن محمد شاہرودی (۸۷۵ھ) نے سلطانِ روم کے حکم سے فارسی میں تفسیر لکھی۔

(۶) ملا حسین بن علی الکاشفی (۹۰۶ھ) نے تفسیر حسینی لکھی۔ یہ تفسیر ہندوستان میں بھی کافی مقبول رہی ہے۔

(۷) مولانا سید محمد رضوی (۱۰۵۴ھ) نے بادشاہ جہانگیر کے حکم سے قرآن کا فارسی ترجمہ کیا۔ اور تفسیری نوٹ لکھے۔

(۸) شیخ نعمت اللہ فیروز پوری (۱۰۷۲ھ) نے فارسی میں ترجمہ قرآن کیا اور علامہ معین الدین کشمیری (۱۰۸۵ھ) نے اس پر تفسیر لکھی۔

(۹) شیخ محمد بن جعفر گجراتی (۱۱۱۱ھ) نے ائمہ اہلبیت کی روایت سے قرآن کی ایک فارسی تفسیر لکھی۔

(۱۰) شیخ عبدالواحد بن کمال الدین (ھ) نے بھی فارسی میں ایک تفسیر لکھی۔

(۱۱) علی بن دمشقی (۱۲۰۰ھ) نے فارسی میں ترجمہ کیا اور منعم خان (۱۲۰۱ھ) نے اس پر تفسیر لکھی۔

(۱۲) ملا محمد سعید (۱۲۰۸ھ) نے بھی قرآن پاک کا فارسی ترجمہ کیا اور مرتضیٰوں کے لیے اس کا نام مفاتیح البرکات رکھا۔

(۱۳) مولانا محمد تقی کرمانی الملقب مظفر علی شاہ (۱۲۱۵ھ) نے فارسی میں تفسیر لکھی۔

(۱۴) حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی (۱۲۳۹ھ) نے تفسیر فتح العزیز فارسی میں لکھی۔ افسوس کہ اس کا بہت سا حصہ وقت کے سیاسی انقلابات میں ضائع ہو گیا۔

(۱۵) مولانا محمد سعید مدراسی (۱۲۷۲ھ) نے چار جلدوں میں فارسی میں تفسیر لکھی۔

(۱۶) مولانا محمد حسن بن کرامت علی امروہی (۱۳۲۳ھ) نے معالم الاسرار کے نام سے فارسی میں ایک تفسیر لکھی۔

(۱۷) تفسیر نور الثقلین چھ جلدوں میں ایران سے شائع ہوئی ہے۔

(۱۸) تفسیر لوامع التنزیل ضخیم فارسی تفسیر ہے۔

(۱۹) حکومتِ افغانستان کے حکم سے شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی کی اردو تفسیر کا فارسی میں ترجمہ کیا گیا۔ یہ فارسی تفسیر تین جلدوں میں حکومت کے انتظام سے شائع کی گئی ہے۔

(۲۰) تفسیر زاہدی

معنف پانچویں صدی کے ہیں۔ ابھی تک یہ تفسیر چھپ نہیں پائی۔ کراچی میں جامعہ احسن العلوم میں اس کا ایک قلمی نسخہ موجود ہے۔

قرآن کریم کے منظوم تراجم وتفاسیر

الحمدللہ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ اما بعد،

نظم اظہارِ خیال کا ایک دلآویز پیرایۂ بیان ہے اس میں صرف خیالات نہیں واقعات نہیں جذبات بھی بولتے ہیں مسلمانوں نے قرآن کریم سے صرف عقائد ونظریات اور احکام و واقعات تک واسطہ نہیں رکھا قرآن کریم کو اپنے جذبات میں بھی جگہ دی ہے اور عقائد وعملیات کا ساز اپنے احساساتِ لطیفہ پر بھی رکھا ہے۔ مسلمانوں کا یہ جذبہ جب عروج کو پہنچتا ہے تو مومن نماز میں محسوس کرنے لگتا ہے کہ گویا وہ خدا کو دیکھ رہا ہے اور یہ نہ ہو تو اس کا کم ازکم یہ درجہ ضرور ہوتا ہے کہ خدا اسے دیکھ رہا ہے یہ بھی نہ ہو تو مسلمان کے اسلام میں کیا حسن رہا۔ اسی جذبہ احسان سے اسلام کا نور آتا ہے اور اسے ہی احسان کہتے ہیں۔

تاریخ میں مومنین کے ان جذبات کی تصویر کبھی یوں بھی دکھائی دی کہ مسلمانوں نے تاریخ کے مختلف موڑوں پر قرآن کریم کو منظوم ترجمہ وتفسیر میں اتارا ہے۔ آج کی اس مجلس میں ہم ایسے چند نظم نگاروں کا تذکرہ کرتے ہیں جو قرآن کریم کو اس جذباتی انداز سے دل سے لگائے ہوئے تھے یہ حضرات حقیقت میں قرآن کو دل دیئے ہوئے تھے۔

ع خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را

(۱) مصر صدیوں سے اسلامی علوم کا گہوارہ چلا آرہا ہے اس میں ساتویں صدی میں ایک شافعی المذہب عالم شیخ عبدالعزیز بن احمد الدمیری (۶۹۴ھ) نے ساڑھے تین ہزار اشعار میں قرآن کریم کی تفسیر لکھی یہ تفسیر استنبول سے ۱۳۰۰ھ میں شائع ہوئی۔

(۲) پھر اگلی صدی میں فن قرأت کے مشہور امام علامہ برہان الدین ابراہیم بن عمر الجعبری (۷۳۲ھ) نے قرآن کریم کی ترتیب نزول کو ایک طویل قصیدہ میں قلم بند کیا ہے اس کا نام "تقریب المامول فی ترتیب النزول" ہے۔ اس کے بعض منتخب اشعار تفسیر اتقان میں بھی ملتے ہیں۔

(۳) پھر اگلی صدی میں علامہ ناصرالدین قرماس (۸۸۲ھ) نے فتح الرحمٰن فی تفسیر القرآن منظوم لکھی

④ پھر اگلی صدی میں شیخ بدرالدین محمد بن رضی الدین الغزی الدمشقی (۹۸۵ھ) نے ایک منظوم تفسیر لکھی، اس کی تکمیل پر جامع مسجد اموی (دمشق) میں ایک بڑی مجلس تنقید کا اہتمام کیا گیا اور اس میں مصنف مرحوم کی بہت زیادہ قدر افزائی کی گئی۔

آیئے اب ہم آپ کو گیارہویں صدی میں لے چلیں :۔

⑤ شاہ غلام مرتضیٰ بن شاہ محمد تیمور اللہ آبادی نے (۱۱۹۴ھ) میں پورے قرآن کا فارسی ترجمہ کیا۔

⑥ پھر مولوی ملی اللہ بن مفتی سید احمد علی الحسینی (۱۲۴۹ھ) نے فارسی نظم میں قرآن کریم کی تفسیر لکھی۔

⑦ قاضی عبدالسلام بدایونی (۱۲۵۷ھ) نے دو لاکھ اشعار میں اردو نظم میں تفسیر لکھی۔

⑧ ڈاکٹر عبدالخالق بھٹی و التھم سٹڈ ولندن منظوم ترجمہ قرآن (اردو میں) روزنامہ جنگ لندن میں ہفتہ وار شائع ہو رہا ہے۔

⑨ ابوزرعہ نے الفیہ فی غریب القرآن نظم کی، یہ ابوحیان اندلسی کی کتاب اتحاف الاریب بما فی القرآن من الغریب کا پیرایہ نظم ہے اہل علم میں اس کی بہت قدردانی رہی ہے۔

علاقائی زبانوں میں تفسیر قرآن

⑩ حافظ محمد بارک اللہ لکھوی نے (۱۳۱۱ھ) نے تفسیر محمدی پنجابی نظم میں سات جلدوں میں لکھی۔

⑪ حافظ محمد ادریس خاں (۱۳۵۸ھ) نے پشتو میں تفسیر کشاف لکھی۔

⑫ حضرت مولانا تاج محمود امروٹی (۱۳۴۸ھ) نے قرآن مجید کو سندھی میں ترجمہ کیا۔

⑬ تفسیر منظہری کا بنگلہ میں ترجمہ کیا گیا ہے۔

وننزل من القران ما هو شفاء ورحمته للمؤمنين ولا يزيد الظالمين الا خسارا

علاج بالقرآن

ڈاکٹر علامہ خالد محمود ڈائریکٹر اسلامک اکیڈمی مانچسٹر

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفی - اما بعد

یہ صحیح ہے کہ کتابیں علم کا خزانہ ہوتی ہیں اور انکا مقصد انسان کی علمی رہنمائی ہوتا ہے - قرآن کریم بھی بطور ایک کتاب کے اپنا ایک مقصد رکھتی ہے یہ اللہ کی کتاب ہے اور اس سے ڈر رکھنے والوں کیلئے ایک راہ عمل ہے - قرآن کریم میں اسکا تعارف ھدی للمتقین الذین یومنون بالغیب سے کرایا گیا ہے لیکن اس سے بھی انکار نہیں ہوسکتا کہ قرآن پاک عجیب شان اعجاز کا حامل ہے - اسکا معجزہ ہونا صرف اسی جہت سے نہیں کہ کوئی انسان ایسی کتاب نہیں لکھ سکتا بلکہ اسکے اعجاز کی اور بھی متعدد وجوہ ہیں -

(۱) اسکی ابدی حفاظت موعود ہے اور اسکی یہ شان اب تک اپنے اور ہر غیر کے سامنے ہے

(۲) اس سے دلوں پر سکون اترتا ہے اور یہ اسکی علمی رہنمائی کی علاوہ اسکی شان ہے اسے جتنی دفعہ پڑھاجائے طبیعت اکتاتی نہیں ہربار یہ ایک تازہ کلام معلوم ہوتا ہے

(۳) اسکے کمالات صرف اسکے مطالب میں نہیں اسکے قوالب بھی اپنے میں وہ شان رکھتے ہیں کہ اسکا بہتر سے بہتر ترجمہ اس شان کا متحمل نہیں ہوسکتا اسی لئے اسکے ترجمہ کو ترجمہ قرآن کہتے ہیں قرآن نہیں کہتے - قرآن وہی ہے جو عربی مبین میں ہے کسی کو اسکا ترجمہ آئے یا نہ آئے وہ عبادت میں اسے عربی میں ہی پڑھے گا اور اسی راہ سے اسکی اللہ کی حضور حاضری ہوگی

اس میں ایک ایسا خفی علم بھی ہے جو اسکے الفاظ میں نہایت باریک پیرائے میں لپٹا ہے - چونکہ یہ خدائی کلام ہے بندہ جب اسے اس جہت سے پڑھتا ہے تو اسکے الفاظ خدائی کلام کی صورت میں اثر دکھاتے ہین - خدائی کلام سے تسخیر اور تاثیر کیفیتیں ظاہر ہوتی ہے - دونوں خدائی فعل ہین جو پڑھنے والے کی زبان سے متصل صادر ہوتے ہیں اور

اپنا اثر دکھاتے ہیں - مندرجہ ذیل صورت عمل سامنے رکھئے اور یقین کیجئے کہ علم کتاب کی وسعتیں احاطہ انسانی میں نہیں آسکتیں

زمین سمٹتی ہے یا زمانہ سمٹتا ہے؟

حضرت سلیمان علیہ السلام نے چاہا کہ ملکہ سبا کا تخت آنافانا انکے سامنے آجائے ایسا تبھی ہوسکتا تھا کہ یا زمین سمٹ جائے اور وہ تخت بالکل قریب آجائے اور یہاں کے لوگ اسے اٹھاکر حضرت سلیمان کے سامنے رکھدیں - اور یا زمانہ سمٹ جائے کہ وہاں سے تخت آنے میں گو کئی ماہ لگ جائیں لیکن اس دوران زمین کی حرکت کو روک لیا جائے - ظاہر ہے کہ نہ زمین سمٹتی ہے نہ زماں - ہم دیکھتے ہین کہ وہ تخت آنکھ جھپکنے میں حضرت سلیمان علیہ السلام کے سامنے تھا - وہ تخت کیسے آیا؟ یہ ایک ایسا مخفی علم ہے جو نہ مادہ پرستوں کے پاس ہے نہ سائنسدانوں کے پاس اور نہ قانون‌دانوں کے یہاں اسکی رسائی ہے - یہ علم کتاب کا کوئی ایسا پیرایہ ہے جس کے پڑھتے ہی اللہ تعالیٰ اپنا حکم صادر کردیتا ہے اور جس کی شان کن کہکر پل بھر میں جہاں بنادیتا ہے اسکے کلام کی تاثیر سے تخت بلقیس سلیمان کے پاس آجاتا ہے یہ جو ہوا خدائی فعل سے ہوا اور اسکا فعل خود اسکے کلام کا اثر تھا

قرآن علم کتاب کے ساتھ اس قسم کے اور تصرفات کی بھی تصدیق کرتا ہے اور مسلمانوں کیلئے ضروری ہے کہ وہ علم کتاب کی ان تاثیرات پر یقین رکھیں - جن تو ایسے کام خدا کی دی ہوئی قوت سے بذریعہ پرواز بھی کرسکتے ہین لیکن انسان جو علم کتاب پاجائے لوگوں کو وہ خدا کی قدرت سامنے دکھادیتا ہے - قرآن میں ہے

قال عفریت من الجن انا اتیک بہ قبل ان تقوم من مقامک وانی علیہ لقوی عزیز (پ ۱۹ النمل ۳۹)

(ترجمہ) جنوں میں سے ایک دیو کہنے لگا میں وہ لائے دیتا ہوں تجھے پیشتر اسکے کہ تو اپنے مقام سے اٹھے اور میں بیشک ہوں اس پر زور آور اور امانتدار

قال الذی عندہ علم من الکتاب انا اتیک بہ قبل ان یرتد الیک طرفک

فلما راه مستقرا عنده قال هذا من فضل ربی (آیت نمبر ۴۰)
(ترجمہ) وہ شخص بولا جس کے پاس کتاب کا ایک علم تھا میں وہ لائے دیتا ہوں تجھے پیشتر اسکے کہ پھر آئے تمہاری طرف تمہاری آنکھ پھر جب دیکھا اسکو دھرا ہوا اس کے پاس تو کہا یہ میرے رب کا فضل ہے میرے جانچنے کو کہ میں شکر کرتا ہوں یا ناشکری

قرآن کا اثر شفاء

علم من الکتاب کے اس اثر کے ساتھ قرآن کے اثر شفاء پر بھی غور فرمائیں ۔ قرآن بیشک کتاب ہدایت ہے اللہ سے ڈرنے والوں کیلئے اور یہ ایک علمی رہنمائی ہے ۔ لیکن اسکے ساتھ ساتھ یہ رحمت بھی ہے اور اس میں شفاء بھی ہے اور شفا کی بھی روحانی بیماریوں سے تخصیص نہیں ۔ قرآن کریم اسے جامع پیرائے میں شفاء کہتا ہے اور یہ ہر پیمانہ شفاء (روحانی ہو یا جسمانی) کا اعلان ہے
وننزل من القرآن ماهو شفاء ورحمه للمومنين ولايزيد الظالمين الا خسارا (پ ۱۵ بنی اسرائیل)
(ترجمہ) اور ہم اتارتے ہیں قرآن میں جس سے روگ (بیماری) دفع ہوں اور وہ رحمت ہے مومنین کیلئے اور گناہگاروں کو تو اس سے نقصان ہی بڑھتا ہے
شیخ الاسلام حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں
دلوں سے عقائد باطلہ اخلاق ذمیمہ اور شکوک وشبہات کے روگ مٹ کر صحت باطنی حاصل ہوتی ہے بلکہ بسا اوقات اسکی مبارک تاثیر سے بدنی صحت بھی حاصل کی جاتی ہے جیسا کہ روح المعانی اور زاد المعاد وغیرہ میں اسکا فلسفہ اور تجربہ بیان کیا گیا ہے (فوائد القرآن ص ۳۷۶

بشارت شفاء سے صحابہ نے کیا سمجھا؟

صحابہ کرام نے قرآن کریم کی اس شفاء کی بشارت سے کیا سمجھا ؟ حضرت ابوسعید

الخدریؓ کے سامنے سانپ کے ڈسنے کا ایک کیس آیا آپ نے سورہ فاتحہ پڑھکر اس پر پھونکی اسے صحت ہوگئی بعد میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں یہ واقعہ لایا گیا آپ نے بھی اسکی تصویب فرمائی (دیکھئے صحیح بخاری ج ۲ ص ۷۴۹) نیز صحابہ کرام سانپ بچھو یا اس طرح کے جانور کے کاٹے ہوئے شخص پر اسی طرح مجنون اور مرگی والے پر یہ سورت پڑھکر دم کرتے تھے تو مریض تندرست ہوجاتا تھا (تفسیر حقانی ج ۲ ص ۵۲)

اس سے پتہ چلتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام قرآن کو بدنی اعتبار سے بھی ایک نسخہ شفاء سمجھتے تھے اور قرآن پاک سے بھی علم کتاب کی ایک نہایت دوررس خفی تاثیر کا پتہ چلتا ہے

حضرت عثمان بن ابی العاصؓ کو شدید قسم کا سردرد تھا آپ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے آپ نے فرمایا

امسحه بيمينك سبع مرات وقل اعوذ بعزة الله وقدرته من شر ما اجد (مسند امام احمد ج ۱۷ ص ۱۷۷ مبوب)

(ترجمہ) اپنا دایاں ہاتھ اپنے سر پر سات دفعہ پھیر اور یہ کلمات پڑھ ... میں نے پڑھے اور اللہ نے میرا درد دور کردیا آپ کہتے ہیں کہ پھر میں ہمیشہ اپنے گھر والوں کو اور دوسروں کو اسکا سبق دیتا رہا ہوں

حافظ ابن قیم رحمہ اللہ سے بھی سن لیجئے - فرماتے ہیں کہ

مکہ مکرمہ میں رہائش کے دوران مجھ پر ایک ایسا وقت بھی آیا کہ میں بیمار ہوگیا اور طبیب وعلاج کچھ میسر نہ آیا چنانچہ آب زمزم پر سورہ فاتحہ دم کرکے اس سے علاج کیا کرتا اور بار بار اس پر (سورہ فاتحہ) پڑھتا پھر اسے پی لیتا مجھے اس سے شفائے کامل نصیب ہوئی اسکے بعد تو میں زیادہ تر امراض میں اسی سے علاج کرنے لگا اور خوب فائدہ حاصل کیا (زاد المعاد ج ۳ ص ۳۲۳ اردو)

اسکا یہ مطلب نہیں کہ اسلام میں دوسرے طرق علاج سے صرف نظر کی تعلیم دی گئی ہے - ایسا نہیں ہے خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی کئی دفعہ مختلف امراض کیلئے مختلف نسخے تجویز فرمائے - بعض ایم بی بی ایس (M.B.B.S) ڈاکٹروں نے بھی

طب نبوی کے ان نسخوں سے فائدہ پانے کی شہادت دی ہے - ہم اس وقت صرف یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ جس طرح علاج کے کئی طریقے ہیں - ایلو پیتھی - یونانی - ویدک - ہومیو پیتھی - سوئیوں کے ذریعہ چینی علاج - اسی طرح علاج بالقرآن بھی ایک روحانی طریق علاج ہے جسے صحابہ کرام نے مختلف مواقع پر اختیار فرمایا اور پھر سب لوگوں نے اسکی جلی تاثیر دیکھی - اسکا عمل بیشک خفی ہے کہ قرآن کریم کی آیات یا برکت کے کلمات کس مخفی پیرائے میں اپنا عمل کرتے ہیں لیکن اسکی تاثیر جلی ہے اور ہم نے کئی دفعہ دیکھا ہے کہ بعض غیر مسلم بھی مسلمانوں کی طرف علاج بالقرآن کیلئے رجوع کرتے ہیں

خاوند بیوی میں تفریق پیدا کرنے کا سفلی عمل

قرآن کریم نے ایک ایسے سفلی عمل کی بھی خبر دی ہے جس کے ذریعہ بد طینت لوگ دوسرے لوگوں کو نقصان پہنچاتے ہیں قرآن نے جادو کے اس عمل کو کفر ٹھرایا ہے - جب اس کارخانہ اسباب میں ایسے علم کو بھی ایک راہ ملی ہوئی ہے جس کے ذریعہ بدکار لوگ خاوند اور بیوی میں تفریق پیدا کر سکیں تو نیک انسانوں کے پاس بھی تو کوئی ایسا نوری علم ہونا چاہئے جس کے ذریعہ وہ انسانوں میں شفا اور رحمت کے پھریرے پھرا سکیں - نیک مسلمانوں کے پاس ایسا روحانی عمل علاج بالقرآن ہے جس سے نورانیت پھیلتی ہے اور سفلی عمل کے اندھیرے چھٹ جاتے ہیں

حضرت امام محمد روایت کرتے ہیں کہ ایک دن حضرت ابوبکر صدیقؓ ام المومنین حضرت عائشہؓ کے پاس آئے آپ بیمار تھیں اور ایک یہودی عورت آپ کو دم کر رہی تھی آپ نے فرمایا

فقال ارقیها بکتاب الله قال محمد وبهذا ناخذ لاباس بالرقی بما کان فی القرآن وما کان من ذکر الله (موطا امام محمد ص ۳۷۳)

(ترجمہ) میں اسے (یعنی حضرت عائشہؓ کو) قرآن پڑھ کر دم کرتا ہوں امام محمد کہتے ہیں کہ ہمارا فتوی یہی ہے کہ قرآن اور جو کلام اللہ کے ذکر پر مشتمل ہو اس سے دم کرنے

میں کوئی حرج نہیں ہے
امام محمد نے اس حدیث پر جو دم کے جواز کا فتوی دیا ہے اس سے پتہ چلتا ہے کہ یہاں کتاب اللہ سے مراد قرآن ہے تورات نہیں ورنہ ترجمہ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ آپ نے اس یہودی عورت سے کہا کہ اور دموں کو چھوڑ تورات سے دم کر۔ امام محمد کا یہاں صراحت سے قرآن کا لفظ لکھنا بتلاتا ہے کہ انکے ہاں حضرت ابوبکرؓ علاج بالقرآن کا یہ سبق دے رہے تھے اور آپ خود دم کررہے تھے

سانپ کے ڈسے کا قرآن سے علاج

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض صحابہ ایک سفر پر نکلے وہ ایک قبیلے کے ہاں گئے انہوں نے انکو مہمان نہ بنایا (اس بے قدری کا نتیجہ یہ نکلا) کہ انکے سردار کو سانپ نے کاٹ لیا اور کسی طرح اسکا علاج نہ ہوپایا انہوں نے اب ان قافلہ والوں سے پوچھا کیا تمہارے ہاں اسکا کوئی چارا ہوسکے گا صحابہ نے کہا ہاں لیکن اس پر انہیں فیس ادا کرنی ہوگی اسی بکریوں پر بات طے پاگئی انہوں نے سورہ فاتحہ پڑھ کر دم کیا اسے آرام آگیا انہوں نے طے کردہ فیس ادا کی دم کرنے والے نے کہا کہ ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھے بغیر باہم تقسیم نہیں کرتے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے انہوں نے پوچھا تو آپ نے انہیں اسکے بانٹ لینے کی اجازت مرحمت فرمادی (دیکھئے صحیح بخاری ج ۱ ۳۰۴ – ج ۲ ص ۸۵۵)
امام بخاری نے ان روایات پر اس طرح باب باندھے ہیں – باب الرقی بالقرآن والمعوذات – باب الرقی بفاتحه الکتاب – باب الشرط فی الرقیه بقطیع من الغنم – باب رقیه العین – باب رقیه الحیه والعقرب – باب رقیه النبی – باب النفث فی الرقیه وغیرها من الابواب۔
ان سے پتہ چلتا ہے کہ اللہ تعالی نے قرآن کریم میں بنی نوع انسان کی رہنمائی کے علاوہ بدنی شفا کی بھی تاثیر رکھی ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام قرآن کریم اور دوسرے متبرک کلمات سے مریضوں کا علاج کرتے رہے ہیں – صحیح مسلم ج ۲

ص ۲۲۴ پر باب بندھا ہے جواز اخذ الاجرہ علی الرقیہ بالقرآن والاذکار اور اس میں وہ حدیث موجود ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سورہ فاتحہ پڑھ کر دم کرنے والے سے خود اپنے لئے بھی حصہ مانگا۔ اس سے پتہ چلا کہ دم اور تعویذ پر لیا مال اسی طرح پاک وحلال ہے جس طرح ڈاکٹروں اور حکیموں کیلئے علاج کرنے پر اجرت لینی جائز ہے دم اور تعویذ بھی تو آخر ایک طریق علاج ہے۔

علی الاطلاق قرآن سے علاج

حضرت علی المرتضیٰؓ کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا
خیر الدواء القرآن (سنن ابن ماجہ ص ۲۵۰) (ترجمہ) بہترین دوا قرآن ہے
اس میں دوسرے طریق علاج سے ہٹانا مقصود نہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود بھی کئی مواقع پر مختلف ادویات تجویز فرمائیں لیکن خیر الدواء قرآن کریم کو فرمایا جو سینکڑوں روحانی اور بدنی امراض کا روحانی علاج ہیں۔ آپ نے یہ بھی فرمایا
علیکم بالشفاء من العسل والقرآن (رواہ ابن ماجہ)
اس میں آپ نے دوا اور دم دونوں سے علاج کی تعلیم دی ہے حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی (۱۰۵۲ھ) لکھتے ہیں
اعظم رقیہا قرآن عظیم است وافضل آن سورہ فاتحہ است وقرات معوذتین و آیہ الکرسی و آیاتیکہ مشتمل اند بر معنی استعاذہ (اشعۃ اللمعات)
(ترجمہ) سب سے بڑا دم قرآن کریم ہے اور اس میں افضل سورہ فاتحہ اور آخری دو سورتیں اور آیت الکرسی ہیں اور وہ آیات بھی جو استعاذہ کے معنی پر مشتمل ہیں
ایک مرتبہ حضرت ابوھریرہؓ بیمار تھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم آپ کی عیادت کیلئے تشریف لائے آپ نے فرمایا
الا ارقیک برقیہ جاء نی بھا جبرئیل (سنن ابن ماجہ ص ۲۵۱)
(ترجمہ) کیا میں تجھے وہ دم نہ کروں جو جبرئیل میرے پاس لائے ہیں
آپ نے کہا ہاں میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں کیوں نہیں۔ آپ نے پھر تین بار

یہ کلمات پڑھے

بسم الله ارقیک والله یشفیک من کل داء فیک من شر النفثت فی العقد ومن شر حاسد اذا حسد

حضرت شیخ عبدالغنی المجددی انجاح الحاجہ میں لکھتے ہیں

خیر الدواء القرآن کونه خیر الدواء للتنزیل وننزل من القرآن ماهو شفاء ورحمه للمومنین بل فی کل سوره او آیه شفاء ورحمه مملو ومشحون کما قال المخبر الصادق فی فضائل الفاتحه انها دواء من کل داء علی ان فی کل لفظ وحرف منه شفاء لکل داء ظاهرا وباطنا حسیا او معنویا تعجز فی تحریر فضائلها الاقلام (حاشیہ سنن ابن ماجہ ص ۲۵۱)

(ترجمہ) بہترین دوا قرآن ہے اسکا خیر الدواء ہونا قرآن کریم کی آیت شفاء کے بالکل مطابق ہے بلکہ اسکی تو ہر سورت میں اور ایک ایک آیت میں شفاء ہے اور بھرپور رحمت ہے جیسا سچ خبر دینے والے ہمارے آقا نے سورہ فاتحہ کے فضائل میں فرمایا ہے کہ یہ ہر مرض کا علاج ہے بلکہ اسکے ہر لفظ اور ہر حرف میں شفا ہے ہر مرض کی خواہ وہ ظاہری ہوں یا باطنی - حسی ہوں یا معنوی - قلم اسکے فضائل لکھنے سے عاجز آرہے ہیں

جن مریضوں پر جادو کا عمل ہو یا ان پر جنات کا اثر ہو

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر جادو کا اثر تھا اور پھونک لگانے والیوں نے اس پر جادو کی گرہیں باندھیں تھیں اللہ تعالی نے ان اثرات کے ازالہ کیلئے معوذتین (قل اعوذ برب الفلق - اور قل اعوذ برب الناس) اتاریں اس سے معلوم ہوا کہ جو امراض جادو کے عمل سے ہوں علاج بالقرآن سے انکا ازالہ بھی ہوسکتا ہے - یہود جادو کے عمل میں بہت طاق تھے

حضرت کعب بن احبارؓ انہی سے نکل کر صف اسلام میں آئے تھے اسلئے انکے خلاف انکی جادو کی کوششیں بہت سخت تھیں انکا اپنا عمل بھی بہت تیز تھا سو یہود کا ان پر کچھ اثر

نہ ہوسکا وہ آپ کی شکل مسخ کرنے کے درپے تھے۔ آپ فرماتے ہیں
لولا کلمات اقولهن لجعلتني اليهود حمارا (موطا امام مالک ص)
(ترجمہ) اگر وہ کلمے میرے پاس نہ ہوتے جنہیں میں پڑھتا ہوں تو یہود مجھے گدھے کی صورت میں ڈھال دیتے

پھر آپ نے وہ کلمات بیان بھی کردیئے اس سے پتہ چلتا ہے کہ بڑے سے بڑے جادو کا علاج بھی اللہ تعالیٰ کے پاک کلمات سے ہوسکتا ہے

حضرت یحیٰ بن سعید کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو معراج کی رات ایک بڑا دیو نظر آیا گویا اسکے ہاتھ میں آگ کا شعلہ تھا حضرت جبرئیل علیہ السلام نے پھر آپ کو کچھ کلمات بتلائے کہ انکے پڑھنے سے اس جن کا یہ شعلہ بجھ جائے گا وہ کلمات یہ تھے

اعوذ بوجه الله الكريم وبكلمات الله التامات التي لايجاوزهن بر ولافجر من شر ماينزل من السماء ومن شر مايعرج فيها وشر ماذراء من الارض وشر مايخرج منها ومن فتن الليل والنهار ومن طوارق الليل والنهار الا طارقا يطرق بخير يارحمن (رواہ مالک ص۳۷۷)

(ترجمہ) میں اللہ کریم کی پناہ میں آتا ہوں اور اللہ کے ان کامل کلمات کی جن سے کسی نیک وبد کو مخلصی نہیں اس شر سے جو آسمان سے اترتا ہے اور جو اس میں چڑھتا ہے اور اس سے جو زمین نے اگلایا اور اس سے جو زمین نے اگلا اور رات اور دن کے فتنوں سے مگر وہی وارد جو خیر سے گذر جائے اے رحم کرنے والے

سنن نسائی کی ایک روایت سے پتہ چلتا ہے کہ جب آپ نے یہ کلمات پڑھے تو وہ دیو گر گیا اور آگ کا شعلہ بجھ گیا

اس سے پتہ چلتا ہے کہ اللہ کے پاک اور طیب کلمات کو جادو اور جنات کے اثرات دفع کرنے میں خاص دخل ہے

دم اور دوا کا مقابلہ

باطنی انداز میں آنے والے سفلی اثرات وہ جادو سے ہوں یا جنات سے - یا اچانک ہونے والے خطرناک واقعات جیسے سانپ کا یا بچھو کا ڈسنا یا اچانک کسی وبا کا آنا ان سب کے دفاع میں پاک کلمات کی روحانی تاثیر اور علاج بالقرآن زیادہ مفید ہے

رہے وہ امراض جو اخلاط فاسدہ کے سبب سے یا غذا کی بے اعتدالی سے پیدا ہوتے ہیں انکا ازالہ مناسب دواوں سے کیا جائے گو ان میں بھی برکات الہیہ اور کلمات قدسیہ سے استفادہ کیا جاسکتا ہے البتہ ان روحانی اعمال کیلئے کچھ شرائط ہیں جنکی پاسداری ضروری ہے -. شیخ المحدثین حضرت علامہ بدر الدین العینی (۸۵۵ ھ) لکھتے ہیں

ان الرقى يكره منها ماكان بغير اللسان العربي وبغير اسماء الله تعالى وصفاته وكلامه فى كتبه المنزله وان يعتقد ان الرقيه نافعه لامحاله فيتكل عليها واياها (عمدہ القاری ج ۱۱ ص ۲۶۲)

(ترجمہ) دم وہی مکروہ ہے جو عربی الفاظ کے بغیر ہو اور اللہ تعالی کے ناموں اور اسکی صفات اور اسکے کلام سے جو اسکی نازل کردہ کتابوں میں ہے نہ ہو اور یہ کہ وہ اعتقاد رکھے کہ دم ضرور ہی اثر دکھائے گا اور وہ اس پر بھروسہ کیئے رہے

علامہ عبدالروف مناوی جامع صغیر کی شرح میں لکھتے ہیں

لكن مع الاخلاص وفراغ القلب من الاغيار واقباله على الله بكليته وعدم تناول الحرام وعدم آثام واستيلاء الغفله على القلب فقراءه من هذا حاله مبرى الامراض وان اعيت الاطباء (فیض القدیر شرح جامع صغیر ج ۴ ص ۵۶۲)

(ترجمہ) شرط یہ ہے کہ اخلاص ہو یعنی دل کو غیروں سے فارغ اور خالی کرکے اللہ تعالی کی طرف پورے طور پر توجہ کے ساتھ ہو حرام کا تناول اور معاصی میں ابتلاء نہ ہو اور قلب پر غفلت کا غلبہ نہ ہو جس کا یہ حال ہوگا اسکی قرات جملہ امراض سے شفاء بخشنے والی ہے اگرچہ ان امراض کے علاج سے اطباء عاجز آچکے ہوں

پہنے کپڑوں میں باریک روحانی اثرات

آپ نے دیکھا ہوگا کہ بسا اوقات علاج بالقرآن کرنے والے مرض کی صحیح تشخیص کیلئے پہنا کپڑا جو بدن سے لگا ہو اس فن کے ماہرین اس سے بھی مرض کے اثرات معلوم کرتے ہیں اسے بعض اوقات ایک ظاہری عمل کہہ کر لوگ اہمیت نہیں دیتے لیکن قرآن کریم کا جب یہ واقعہ سامنے آتا ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائیوں کو اپنی قمیص دی تھی اور کہا تھا کہ اسے میرے والد کے چہرے پر ڈال دینا - حضرت یعقوب علیہ السلام کو اس سے سالہا سال کے بچھڑے بیٹے کی خوشبو آگئی اور انکی بینائی لوٹ آئی - سو اس باریک سلسلہ اسباب کو صرف وہی لوگ جان سکتے ہیں جو اس لائن سے مناسبت رکھتے ہوں دوسروں کو اسے محض ایک دل لگی نہ سمجھنا چاہئے

ہمیں اس سے انکار نہیں کہ ہر لفظ کے وہی معنی ہیں جن کیلئے لغت میں اسکی وضع ہوئی لیکن ہم اس سے بھی انکار نہیں کرسکتے کہ انہی الفاظ کو جب کوئی پیرائے (باہم اشارے کی حیثیت) میں استعمال کرتے ہیں تو اس میں اسکا ایک باطنی پیرایہ مراد ہوتا ہے جس پر اسکی دلالت لفظی نہیں ہوتی - ممکن ہے کہ قرآن کریم کے ہر ہر لفظ کا ایک ظہر ہو اور ایک بطن - اسکی لفظی دلالت اسکے ظاہر سے ہو اور اسکی اثری سرایت اسکے بطن سے ہو

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

لکل آیہ منہا ظھر وبطن (صحیح ابن حبان حدیث ۷۴ مجمع الزوائد ج ۷ ص ۱۵۲)

(ترجمہ) قرآن کریم کی ایک ایک آیت کا ایک ظاہر ہے اور ایک باطن ہے

ظاہر سے مراد اسکی عبارت اور اسکا حکم ہے یہ اسکا علمی اثر ہے اور بطن سے مراد اسکا اندرونی اثر ہے جو بسا اوقات کئی حقائق کا پتہ دیتا ہے اور بعض مرتبہ بڑے بڑے صدموں کو روکتا ہے اس میں وہ معنی مراد نہیں ہوتے جن کیلئے بات کہی گئی اور الفاظ وضع ہوئے بلکہ یہ ان الفاظ کے باطنی پیرائے ہیں جو آیت کے معنی مذکور کے امثال کی طرف راجع ہورہے ہیں اور ان حقائق کا روحانی اثر پھر بڑے بڑے صدموں کا مقابلہ کرلیتا ہے

مثال لیجئے - سورہ کہف میں اصحاب کہف کے چند خرق عادت امور کا تذکرہ ہے اس میں حضرت خضر کے کچھ اسرار علم بھی مذکور ہیں ان آیات کا ظاہر خدا کی قدرت کا بیان

اور اسکے کچھ بندوں کا امتحان ہے مگر ان آیات کا باطن استدراج کے خرق عادت امور اور اسکے پوشیدہ پہلوؤں کا سد باب ہے۔ سو جو شخص سورہ کہف پڑھے گا اس کے باطنی پیرائے اس سے دجال کے فتنہ اور اسکے خرق عادت استدراجات کو روکیں گے۔ حضرت نواس بن سمعانؓ کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دجال کے ذکر میں فرمایا

فمن ادرک منکم فلیقراء علیہ فواتح سورہ الکھف (صحیح مسلم ج ۲ ص ۴۰۱)

(ترجمہ) تم میں سے جو اسے پائے اسے چاہئے کہ اس پر سورہ کہف کے فواتح (یعنی ابتدائی آیات) پڑھ دے

فواتح سورہ کہف میں جو مضمون مذکور ہے وہ ان آیات کا ثمر ہے اور جو روحی اثر ان میں منطوی ہے وہ آئندہ کے استدراجی فتنوں کا سد باب ہے۔ قرآن بے شک ایک راہ عمل ہے لیکن اللہ کا کلام ہونے کے پہلو سے اس میں زمین و آسمان ہلادینے تک کی اثرات ہیں جو عارفین ان اثرات کو پہچان لیتے ہیں وہی اسکے باطنی اثرات کی خبر دے سکتے ہیں۔ حضرت ابوالدرداءؓ کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا

من حفظ عشر آیات من اول سورہ الکھف عصم من الدجال (رواہ مسلم مشکوہ ص ۱۸۵)

(ترجمہ) جس نے سورہ کہف کی پہلی دس آیتوں کا وظیفہ کیا وہ دجال کے فتنہ سے بچا رہا

اگر قرآن کی تاثیر اس طرح ظاہر ہوتی کہ پہاڑ اس سے چلنے لگتے۔ اس سے زمین کے قطعات بنتے اور مردے اس سے بول پڑتے تو یہ سب کام اللہ کے ہاتھ میں ہیں وہ کتاب سے ایسے ایسے اثرات بھی دکھا سکتا ہے لیکن اس نے چاہا کہ قرآن مجید ان چند ظاہری عجائب سے بالا رہ کر پوری دنیا کو تسخیر کرنے کی تاثیر دکھادے اور وہ اس نے دکھادی

ولو ان قرآنا سیرت بہ الجبال لو قطعت بہ الارض لوکلم بہ الموتی بل للہ الامر جمیعا (پ ۱۳ الرعد ۳۱)

(ترجمہ) اور اگر قرآن ہوتا کہ چلیں اس سے پہاڑ یا ٹکڑے ہووے اس سے زمین یا

بول اٹھیں اس سے مردے تو کیا ہوتا بلکہ یہ سب کام اللہ کے ہاتھ میں ہیں
شیخ الاسلام حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں
یعنی اگر کوئی ایسی کتاب اتاری جاتی جس سے تمہارے یہ فرمائشی نشان پورے ہوجاتے تو وہ بجز قرآن کے اور کونسی ہوسکتی تھی - یہی قرآن ہے جس نے روحانی طور پر پہاڑوں کی طرح جمے ہوئے لوگوں کو انکی جگہ سے ہٹایا قلوب بنی آدم کی زمینوں کو پھاڑ کر معرفت الٰہی کے چشمے جاری کردئے - وصول الی اللہ کے رستے برسوں کی منٹوں میں طے کراوئے مردہ قوموں اور دلوں میں ابدی زندگی کی روح پھونک دی جب ایسے قرآن سے تم کو شفاء وہدایت نصیب نہ ہوئی تو فرض کرو تمہاری طلب کے موافق اگر یہ قرآن مادی اور حسی طور پر وہ سب چیزیں دکھلادیتا جنکی فرمائش کرتے ہو تب بھی کیا امید ہے کہ تم ایمان لے آو (فوائد القرآن)
اس سے پتہ چلا کہ ایک کتاب سے ایسی مادی اور حسی تاثیرات دکھانا خدا کی قدرت میں ہے اور اس نے اس سے بڑھ کر اس کتاب کی سریع روحانی تاثیرات دکھائیں مگر ایسے اثرات پر پھر آخرت کا سنورنا متوقع نہ تھا تاہم ایک کتاب کے ایسے اثرات سے انکار نہیں کیاجاسکتا

ایک سوال اور اسکا جواب

جب ہر بیماری کی کوئی نہ کوئی دوا ہے تو اس دوا کو چھوڑ کر آیات سے علاج کرنا اور متبرک کلمات پڑھ کر دم کرنا کیا فطرت سے انحراف نہیں حضرت جابر کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا
لکل داء دواء فاذا اصیبت دواء الداء برء باذن اللہ تعالی (رواہ احمد ج ۵ ص ۹۳)
(ترجمہ) ہر بیماری کیلئے کوئی دوا ہے جب تجھے کسی بیماری کی دوا ملے تو اس سے تندرستی ہوگی اللہ کے حکم سے
الجواب - دوا صحت کیلئے اصل نہیں صحت کیلئے اصل چیز اذن الٰہی ہے اگر یہ اذن دوا

سے متعلق ہو سکتا ہے تو کلمات مبارکہ سے متعلق کیوں نہیں ہو سکتا اللہ تعالی نے اپنے بعض کلمات میں بھی بڑی گہری تاثیر رکھی ہے اور ان کلمات کی تاثیر اور اس سے علاج ہو سکنے پر امت کا اجماع ہے سو اسکے ذریعہ علاج نہ ہو سکنے پر کسی کا اختلاف ہے اور نہ ہی اسکی تاثیرات میں کوئی شبہ ہے

تاہم اس روحانی علاج کے باعث عنصری علاج سے بے پروا ہونا درست نہیں اور دعا اور دوا کے جمع ہونے میں کوئی قبح نہیں - لیکن وہ بیماریاں جو اخلاط فاسدہ کے باعث نہ ہوں وہ علاج بالقرآن سے ہی درست ہوتی ہیں اور وہ پاک اور طیب کلمات جو گو قرآن کے نہیں مگر احادیث میں ان سے دم کرنے کی تاکید وارد ہوئی وہ بھی سب علاج بالقرآن کے حکم میں داخل ہیں

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جو باطل کا ہر طلسم توڑنے اور انسانی واہمہ سے ہر وہم کو دور کرنے کیلئے تشریف لائے تھے آپ کا پاک کلمات کے دم اور پھونک کو باقی رکھنا بتلاتا ہے کہ ان دلوں کی تاثیر اور علاج بالقرآن میں ہرگز کسی وہم کو دخل نہیں - یہ وہ راہ علاج ہے جسے اس دور کے پاکیزہ دل انسانوں نے بھی اختیار کیا تھا

دم اور تعویذ میں فرق

بعض مرتبہ طلبہ میں یہ سوال اٹھتا ہے کہ دم میں اور تعویذ میں کیا فرق ہے سو یاد رکھئے کہ ان میں وہی فرق ہے جو کلام الٰہی اور کتاب میں ہے قرآن کریم لکھا جارہا ہے اور کلام اللہ پڑھا جارہا ہے یہ کتاب اللہ ہے - جس طرح ہم کلام اللہ کی عزت کرتے ہیں ناپاک ہونے کی حالت میں اسے زبان پر نہیں لاتے ہیں قرآن کریم کتاب کی صورت میں ہے تو اسے چھو بھی نہیں سکتے - اگر یہ لکھا ہوا قرآن واجب الاحترام نہ ہوتا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یہ نہ فرماتے کہ جب تم دشمن کے علاقے میں جاؤ تو لکھا ہوا قرآن (مصحف) وہاں نہ لے جاؤ کہیں وہ دشمن کے ہاتھ لگے اور وہ اسکی بے احترامی کریں - علاج بالقرآن دم سے ہو سکتا ہے تو لکھے ہوئے پاک اور طیب کلمات سے کیوں نہیں ہو سکتا وہاں بھی اس میں تاثیر اذن الٰہی سے آتی ہے اور تعویذ میں بھی

حروف وکلمات موثر بالذات نہیں - اثر خدا کی طرف سے آتا ہے جب وہ چاہے - رہا پاک کلمات کو حروف میں لکھنا تو اس میں ناجائز ہونے کی کوئی وجہ نظر نہیں آتی ان کلمات اور آیات پر دلالت لفظی ہو تو یہ وہ صورت ہے جو ہمیں عیاناً (کھلی ہوئی) نظر آتی ہے اور دلالت وضعی ہو تو یہ ان کلمات کے حروف ابجد ہیں اور ان میں بھی اثر خدا کی طرف سے ہی آتا ہے - یہ حروف بالذات کوئی اثر نہیں رکھتے

تعویذ میں روحانی اثرات

حضرت عبداللہ بن عمروؓ کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص اپنی نیند میں گھبراجائے اسے چاہئے کہ وہ یہ کلمات پڑھے

اعوذ بکلمات الله التامات من غضبه وعقابه وشر عباده ومن همزات الشياطين وان يحضرون

تو وہ خواب اسے ہرگز نقصان نہ دے گا - آپ کے پوتے کہتے ہیں کہ حضرت عبداللہ کی اولاد میں جو بالغ ہوجاتا آپ اسے یہ کلمات سکھلادیتے اور جو نابالغ ہوتا آپ اسکے گلے میں یہ دعا لکھ کر لٹکادیتے تھے

وكان عبدالله بن عمرو يعلمها من بلغ من ولده ومن لم يبلغ منهم كتبها في صك ثم علقها في عنقه رواه ابو داود والترمذی (مشکوۃ ص ۲۱۷)

اس سے معلوم ہوا کہ کلام پاک کا پڑھنا اور کلمات مبارکہ تعویذ لکھکر بنانا اور اسے بدن سے باندھنا دونوں عمل جائز ہیں اگر ان تعویذات کا لکھنا اور گلے میں لٹکانا ناجائز ہوتا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جلیل القدر صحابی کبھی اپنے بچوں کے گلے میں تعویذ نہ ڈالتے

حضرت عبداللہ بن عمروؓ کے اس عمل سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ آپ تعویذات کے اثر کے قائل تھے جبھی تو آپ نے تعویذ لکھا اور اسے اپنے بچوں کے گلے میں ڈالا یہ کلمات کوئی روحانی تاثیر نہ دیتے تو آپ ہی بتلائیں کیا صحابی رسول ایسا عمل کرتے ؟ - ہاں اس تاثیر میں اذن الہی کو شرط جاننا ضروری ہے

مجدد ماۂ دہم حضرت ملا علی قاری (۱۰۱۴) اس حدیث پر لکھتے ہیں کہ
وھذا اصل فی تعلیق التعویذات التی فیھا اسماء اللہ تعالی (مرقات ج ۵ ص ۲۳۶)

اس سے واضح ہوتا ہے کہ وہ تعویذات جو اسمائے الٰہیہ اور کلمات مبارکہ پر مشتمل ہوں اپنے اندر ایک روحانی اثر رکھتے ہیں اور اس سے مریضوں کا علاج کرنا علاج بالقرآن ہی ہے - ہاں وہ تعویذات جو شرکیہ الفاظ پر مشتمل ہوں انکی قطعا اجازت نہیں - جن روایات میں تمائم اور رقی کو شرک کہاگیا ہے اس سے مراد اسی قسم کے دم اور تعویذ ہیں جن میں شرکیہ الفاظ واعمال کا دخل پایا جائے التمائم میں الف لام انہی کیلیئے ہے - اور جو دم اور تعویذ اس سے خالی ہوں انکا استعمال جائز ہے اور اسکے روحانی اثرات ثابت ہیں - حضرت عوف بن مالکؓ کہتے ہیں کہ ہم دور جاہلیت میں دم کیا کرتے تھے ہم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بابت پوچھا تو آپ نے ارشاد فرمایا
اعرضوا علی رقاکم لاباس بالرقی مالم یکن فیہ شرک (رواہ مسلم مشکوہ ص ۳۸۸)

(ترجمہ) مجھے اپنے دم بتاو ان دموں میں کوئی حرج نہیں بشرطیکہ ان میں کوئی کلمہ شرک نہ ہو

اس سے پتہ چلتا ہے کہ دم اور تعویذ میں اصل وجہ منع کفروشرک ہے جب یہ نہ ہو تو وہ دم اور تعویذ جائز ہیں - علامہ شوکانی ابن ارسلان سے نقل کرتے ہیں کہ
قال ابن لرسلان فالظاھر ان ھذا جائز لااعرف الان ماینمعہ فی الشرع (فتاوی اہل حدیث ج ۱ ص ۱۹۳)

ابن ارسلان کہتے ہیں کہ ظاہریہی ہے کہ یہ جائز ہیں شریعت میں اسکے منع کی کوئی دلیل میں نہیں جانتا

شفاء بنت عبداللہ سے روایت ہے کہ میں ام المومنین حضرت حفصہؓ کے پاس بیٹھی تھی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے آپ نے مجھے کہا
الا تعلمین ھذہ رقیہ النملہ کما علمتھا الکتابہ (مسند امام احمد ج ۱۷ ص ۱۷۹ مبوب)

اے شفاء کیا تو انہیں (یعنی حضرت حفصہؓ کو) نملہ کا دم نہیں سکھادیتی جیساکہ تونے انہیں لکھنا سکھادیا ہے
اس سے واضح ہوتا ہے کہ وہ دم اور تعویذ جس میں کفرو شرک اور غیر معروف الفاظ نہ ہوں اور الفاظ میں ذاتی تاثیر نہ سمجھی جائے اسکے منع پر کوئی دلیل وارد نہیں ۔ شیخ احمد عبدالرحمن البناء لکھتے ہیں کہ یہ ہرگز ممنوع نہیں بلکہ سنت ہے فلانھی فیہ بل ھو سنہ (ایضاً ص ۱۷۷)

ہاتھوں پر دم کرنا اور پھر ہاتھوں کا بدن پر ملنا

ام المومنین حضرت عائشہؓ کہتی ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے آخری مرض میں اپنے اوپر معوذتین پڑھ کر دم کرتے تھے (اور ہاتھ کو اپنے بدن پر پھیرتے) اور جب آپ کیلئے بوجہ تکلیف یہ گراں ہوا تو میں آپ پر ان سورتوں کا دم کرتی
انفث علیہ بھن وامسح بیدہ نفسہ لبرکتھا (صحیح بخاری ج ۲ ص ۸۵۴)
(ترجمہ) میں آپ پر ان سورتوں سے دم کرتی اور آپ کا ہاتھ آپ کے بدن پر پھیرتی کہ اسکی برکت حاصل ہو
محدث کبیر حضرت مولانا بدر عالم مہاجر مدنی رحمہ اللہ اس پر لکھتے ہیں
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دست شفا میں شفا کی خاصیت عام معجزات کی طرح وقتی اور غیر اختیاری نہ تھی بلکہ اسکا طبعی اثر تھا یہاں حضرت عائشہ کی فہم کتنی قابل داد ہے کہ وہ اس رمز کو جانتی تھیں اور اس لئے آپ کی بیماری کے معمول کو اس طرح پورا کرتی تھیں کہ جہاں تک معوذات کا تعلق تھا وہ تو خود پڑھ لیتیں اور بیماری میں آپ کو اسکی تکلیف نہ دیتیں لیکن جہاں دیکھتیں کہ اب یہاں وہ نیابت سے قاصر ہیں وہاں مجبور ہوکر آپ ہی کے دست مبارک کو استعمال کرتیں معلوم ہوا کہ نبی کے ہاتھ میں کوئی خاص امتیازی خاصیت ہوتی ہے جس میں عام بشر تو کیا امہات المومنین بھی شرکت نہیں رکھتیں (ترجمان السنہ ج ۳ ص ۲۵۱)
نواب صدیق حسن خان نے الدین الخالص میں اس پر تفصیلی بحث کی ہے ۔ اور انہوں

نے بھی دم اور تعویذ کو جائز قرار دیا ہے البتہ ان سے پرہیز کرنے کو افضل کہتے ہیں اور یہ اپنے آپ کو ان ابرار میں لاتا ہے جو اسباب اختیار نہیں کرتے ۔ حافظ عبد اللہ روپڑی صاحب نواب صاحب کی یہ عبارت پیش کرکے لکھتے ہیں

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ صرف شرک والی صورتیں منع ہیں باقی جائز ہیں ہاں پرہیز افضل ہے (فتاوی اہلحدیث ج ۱ ص ۱۹۳)

مولانا ثناء اللہ صاحب امرتسری لکھتے ہیں

راجح یہ ہے کہ آیات یا کلمات صحیحہ دعائیہ جو ثابت ہوں انکا تعویذ بنانا جائز ہے ۔ ہندو ہو یا مسلمان ۔ صحابہ کرامؓ نے ایک کافر بیمار پر سورہ فاتحہ پڑھکر دم کا تھا (فتاوی ثنائیہ ج ۱ ص ۳۳۹)

مشہور اہلحدیث (باصطلاح جدید) عالم مولانا شرف الدین دہلوی اسکی تائید میں لکھتے ہیں کہ

عبد اللہ بن عمرو بن العاص صحابی اعوذ بکلمات اللہ الخ ساری دعا لکھ کر اپنے بچوں کے گلے میں لٹکادیا کرتے تھے (ایضا)

ہم اس وقت خاص مسئلہ تعویذ پر گفتگو نہیں کررہے ہیں یہاں صرف یہ بتانا ہے کہ علاج بالقرآن کی ایک قسم تعویذ بھی ہے اور اسکے روحانی اثرات کا انکار نہیں کیاجاسکتا ۔ بہت سے مریض تعویذوں میں لکھی گئی آیات قرآنیہ اور کلمات دعائیہ کی برکت سے کئی لاعلاج امراض سے نجات بھی پائے ہیں ۔ ہاں ان میں تاثیر ان کلمات کی ذات سے نہیں اللہ رب العزت کے حکم سے ہی آتی ہے

اگر ان تعویذات اور دموں میں کوئی روحانی تاثیر نہ ہوتی اور اسکا باطنی نفع نہ ہوتا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سونے سے پہلے قرآن کی آخری تین سورتیں پڑھ کر اپنے ہاتھوں پر پھونک نہ مارتے اور انہیں اپنے بدن پر نہ ملتے ۔ آپ یہ عمل تین مرتبہ فرماتے حتی کہ مرض الموت میں جب آپ خود کمزوری کی وجہ سے ایسا نہ کرسکے تو حضرت عائشہ صدیقہؓ نے انہی سورتوں کو پڑھا اور آپ کے ہاتھوں پر پھونک لگائی اور پھر آپ کے ہاتھوں کو آپ کے بدن مبارک پر مل لیا

ایک مرتبہ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے بھی آپ کو دم کیا تھا (رواہ مسلم)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ان سورتوں کو پڑھ کر ہاتھوں پر دم کرنا اور پھر اپنے ہاتھوں سے پورے بدن کو ملنا اس بات کا پتہ دیتا ہے کہ ان آیات میں ضرور روحانی اثر ہے اور یہ شیطانی اثرات سے بچانے کا ایک خاص عمل ہے جو بظاہر نگاہوں سے مخفی ہوتا ہے لیکن باطنی آنکھ والے انکی تاثیرات کھلے طور پر دیکھتے ہیں - اور پڑھنے کے ساتھ ہاتھ پھیرنا یہ بھی ہرگز منع نہیں

یاد رہے کہ دم اور تعویذ میں وہی فرق ہے جو کلام میں اور کتاب میں ہے - دونوں کا اپنا اپنا مقام ہے اور دونوں کا اپنا اپنا احترام ہے

(نوٹ) اہل حدیث (باصطلاح جدید) عالم مولانا عبدالوہاب دہلوی کے نزدیک شرکیہ الفاظ سے بھی دم کیا جاسکتا ہے - موصوف لکھتے ہیں

سانپ بچھو کتے وغیرہ زہریلے جانوروں کے کاٹے ہوئے پر شرکیہ الفاظ سے غیر مسلم یا مسلم دم جھاڑا کردے تو کوئی مضائقہ نہیں (دیکھئے صحیفہ اہل حدیث جمادی الثانی - ۱۹۴۶ء بحوالہ ظل محمدی)

مولانا کے صاحبزادے مفتی عبدالستار لکھتے ہیں

اگر کسی مسلمان کی خیر خواہی کیلئے بوقت ضرورت و مجبوری کربھی دے تو کوئی مضائقہ نہیں - (ایضا)

علاج بالقرآن کے پاکیزہ عنوان کے تحت ہم اہل حدیث (باصطلاح جدید) حضرات کے اس فتوی سے موافقت نہیں کرسکتے - شرک شرک ہے وہ جس شکل میں بھی اور جس راہ سے بھی آئے ہمیں اس سے بچنا چاہئے

روحانی علاج پر اجرت لینا

مادی دواوں سے علاج کرنا یہ بھی ایک انسانی خیرخواہی ہے اور اس پر وقت لگتا ہے معالج کو اپنے آپ کو فارغ کرنا پڑتا ہے اور اسے اس فراغت وقت پر قیمت دی جاتی ہے اسکی فنی قابلیت پر بھی اسکا حق تسلیم کیا جاتا ہے اسی طرح مریض کے روحانی علاج میں بھی ایک انسانی خیرخواہی ہے اور اس پر بھی وقت لگتا ہے اور اس میں بھی فنی قابلیت کا

کسی درجہ میں دخل ہے سو کوئی وجہ نہیں کہ اس پر اجرت لینا جائز نہ ہو صحابہ کرام سے ایسا ثابت ہے اور فقہاء کرام نے بھی اسکی اجازت دی ہے شارح مسلم امام نووی (۶۷۶ھ) لکھتے ہیں

هذا تصريح بجواز اخذ الاجره على الرقيه بالفاتحه والذكر وانها حلال لاكراهيه فيها وكذا الاجره على تعليم القرآن وهذا مذهب الشافعي ومالك واحمد واسحق وابى ثور وآخرين من السلف ومن بعدهم ومنعها ابوحنيفه فى تعليم القرآن واجازها فى الرقيه (شرح صحیح مسلم ج ۲ ص ۲۲۴)

(ترجمہ) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد میں کہ دم سے لی گئی ان بکریوں میں میرا حصہ بھی رکھو یہ صراحت ہے کہ دم پر جو سورہ فاتحہ پڑھ کر کیا جائے یا اور کسی ذکر سے اس پر اجرت لینا جائز ہے اور یہ حلال ہے اس میں کسی قسم کی کراہت نہیں اسی طرح تعلیم قرآن پر اجرت لی جاسکتی ہے یہ جمہور ائمہ کا مذہب ہے البتہ امام ابوحنیفہ تعلیم قرآن پر اجرت لینے کو منع کرتے ہیں اور دم کرنے پر اجرت لینے کو وہ بھی جائز کہتے ہیں

تعلیم قرآن امام ابوحنیفہ کے نزدیک محض عبادت ہے اور یہ تلاوت کے حکم میں ہے انکے ہاں جس طرح تلاوت پر اجرت نہیں لی جاسکتی تعلیم قرآن پر اجرت لینا جائز نہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی نے پوچھا اخذ على كتاب الله اجرا کیا میں کتاب اللہ پر (قران پڑھنے پر) اجرت لے سکتا ہوں؟ آپ نے ارشاد فرمایا

ان احق ما اخذتم عليه اجرا كتاب الله - (صحیح بخاری ج ۲ ص ۸۵۴)

امام بخاری نے اسے کتاب المرضی میں ہی روایت کیا ہے - سو یہاں مراد علاج کے طور پر قرآن پڑھنا ہے تلاوت اور عبادت کے طور پر نہیں - حافظ ابن تیمیہ رحمہ اللہ لکھتے ہیں

المراد الرقيه لا التلاوه (فتاوی ج ۲ ص ۱۹۸)

علاج اور تشریع میں فرق

علاج مریض کے اپنے حالات کے پیش نظر ہوتا تشریع شریعت کے تقاضوں سے ہوتی ہے مثلاً ایک بے نماز شخص اپنے شیخ سے کہتا ہے میں صرف دو نمازوں کا وعدہ کرتا ہوں مجھ سے پانچ نہیں پڑھی جاتیں تو اگر شیخ اسے کہتا ہے تم دو ہی پڑھ لیا کرو تو یہ وہ بطریق علاج کہتا ہے کہ اگر یہ دو پر آگیا تو پانچ پر بھی آجائے گا اسے دو پر لانا علاج ہے اور پانچ پر لانا شریعت ہے۔

جب شیخ نے اسے دو نمازیں پڑھنے کی اجازت دی تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ پیر اور مرید پانچ نمازوں کے قائل نہ رہے تھے شریعت وہ پانچ نمازوں کو ہی سمجھتے تھے مگر اس نیکی پر لانے کے لیے شیخ نے اسے دو نمازوں کی ادائیگی بطریق علاج کہی تھی۔

آنحضرتؐ بھی اگر کسی خاص شخص کو عام حکم شریعت کے خلاف کسی بات کی اجازت دیں تو وہ علاج اور مصلحت پر محمول ہوگی یہ نہیں کہ آپ نے اس شخص کی خاطر شریعت کو بدل دیا، حلال وحرام اور فرض ومندوب کا سرچشمہ الٰہی ہدایت ہے پیغمبر اس کے ترجمان ہیں۔ وہ اس الٰہی قانون کے خلاف کوئی بات نہیں کہہ سکتے اگر کبھی کہیں تو وہ علاج کے درجہ میں ہوگی اسے الٰہی قانون میں تبدیلی نہیں کہہ سکتے۔

ہاں فقہاء جو بات کہیں وہ علاج اور حکمت کی رو سے نہیں شریعت کی بات کہتے ہیں وہ نص سے کہیں یا استنباط سے (یہ اجتہاد کی راہ بھی تو شریعت کی ہی بتلائی ہوئی ہے) حضرت جنیدؒ کی بات اور حضرت امام ابوحنیفہؒ کی بات یہ جوہری فرق ہے۔ مسائل میں فقہاء کی بات مانی جائے گی صوفیہ کی نہیں حضرت امام ربانی مجدد الف ثانیؒ لکھتے ہیں:۔

> صوفیہ کا عمل حلت وحرمت میں سند نہیں ہے۔ ہمیں اتنا کافی ہے کہ ہم ان کو معذور سمجھیں اور ملامت نہ کریں اور ان کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد کریں۔ (دفتر اول صہ۱۲۷)

من احدث فی امرنا ھذا

"جس نے ہمارے اس کام میں کوئی نئی راہ نکالی" ان الفاظ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہؓ کو اپنے ساتھ رکھا ہے۔ ہمارے کام سے مراد وہی راہ ہے جو آپؐ کی اور آپؐ کے صحابہ کرامؓ کی ہو۔

امرنا میں نا، جمع متکلم ہے۔ صرف حضورؐ کی بات ہوتی تو آپ امری فرماتے امرنا نہ فرماتے۔

حضورؐ نے ختم نبوت کی خبر لا نبی بعدی سے دی تھی، فرمایا میرے بعد کوئی نبی پیدا نہ ہوگا بدعت کے لیے یہ نہ کہا، من احدث فی امری ھذا (جس نے میرے اس طریقہ میں کوئی نئی راہ نکالی) بلکہ فرمایا فی امرنا ھذا (ہمارے اس طریقہ میں) اس سے پتہ چلا کہ صحابہؓ بدعت کا موضوع نہیں ہیں بدعت کی حد صحابہؓ کے بعد سے شروع ہوگی۔

صحابہؓ جن امور میں متفق ہوں وہ سبیل المؤمنین ہے اور قرآن کریم کی رو سے اس کے خلاف چلنا جہنم میں جانے کی راہ ہے۔ حضرت عمرؓ کے عہد میں سب صحابہؓ با جماعت تراویح پورا مہینہ پڑھنے پر جمع ہوئے۔ سب صحابہؓ نہ لسانی بیوی کو ایک مجلس میں دی گئی تین طلاق کو تین طلاق قرار دینے پر جمع ہوتے حضرت عثمانؓ کے عہد میں سب صحابہؓ جمعہ کی دو اذانوں پر جمع ہوئے۔ سو صحابہؓ کے یہ اجماع پوری امت کے لیے دین ہوں گے دین میں نئی بات شمار نہ ہوں گے۔

اس میں حضورؐ کے عہد حیات کی بات نہیں۔ حضورؐ کے بعد بھی صحابہؓ کے کسی اجماعی عمل کو نشانہ طعن نہ بنایا جاسکے گا۔ حضورؐ نے یہ بھی فرمادیا "لا تتخذوھم بعدی غرضاً" میرے بعد انہیں کسی اعتراض کا نشانہ نہ بنانا۔ اب جو کوئی ان کے کسی اجتماعی عمل کے خلاف کوئی بات کہے گا تو کیا اس نے انہیں اعتراض کا نشانہ نہ بنایا اور کیا اس نے اس ارشاد نبوت کی مخالفت نہ کی۔ دین ہے ہی وہ جو صحابہؓ نے اختیار کیا اور اللہ تعالیٰ نے بھی اسی دین کو مکمل فرمایا جو صحابہؓ کی عملی راہ تھی۔ الیوم اکملت لکم دینکم میں دین کی اضافت صحابہؓ کی طرف کی گئی ہے صرف نبوت کی طرف نہیں۔

ہاں جس بات پر صحابہؓ کا اجماع نہ ہو بعض کا اپنا اپنا عمل ہو ان میں سے جس کی چاہو پیروی کرلو لیکن ہمیں برا کہنے کی ان کو بھی اجازت نہیں جو اس کے خلاف رائے اختیار کریں۔ اجتہادی امور میں حضورؐ نے مختلف رائے اختیار کرنے والوں میں سے کسی کی سرزنش نہیں فرمائی ولم یعنف احدا (رواہ البخاری)

مالیس منہ میں منہ کی ضمیر کس چیز کی طرف لوٹتی ہے؟ امرنا کی طرف اور وہ وہی دین ہے جو ما انا علیہ و اصحابی کا مصداق ہے اس میں ہمیں یقین دلایا گیا ہے کہ صحابہ کا کوئی مجموعی موقف عمل رسالت کے خلاف نہیں ہوسکتا۔

مالیس منہ کی شرح

ما لیس منہ بہت فصیح بات کہی یہ نہ کہا ما لیس فیہ یعنی جو بات اس دین میں نہیں وہ بدعت ہے یہ فرمایا جو اس میں سے نہیں وہ بدعت ہے یعنی کوئی نئی بات جو اس دین کے اُصولوں پر مستنبط کی گئی گو وہ اس دین میں بصورت حاضرہ موجود نہ تھی وہ بدعت نہ ہوگی بدعت شرعیہ وہ ہے جس کے لیے کتاب و سُنّت میں نہ کوئی دلیل نہ کوئی اس کی کوئی نظیر ہو۔ جس عمل کا ماخذ (نظیر بالمعنی الاعم) شریعت میں موجود ہو وہ بدعت شمار نہ ہوگی۔ حضرت علامہ شاطبی (۷۹۰ھ) لکھتے ہیں

لیس من شان العلماء اطلاق لفظ البدعۃ علی الفروع المستنبطۃ التی لم تکن فی ماسلف وان دقت[1]

(ترجمہ) عُلماء کے مناسب نہیں کہ وہ کتاب و سُنّت سے استنباط کردہ فروع کو بدعت کہیں جو پہلے سے اس طرح موجود نہ تھیں اور بیشک وہ مسائل بہت باریک صورت میں اصل میں موجود تھے۔

بدعت وہی ہے جس پر ما لیس منہ کے الفاظ ٹھیک بیٹھ سکیں کہ وہ چیز دین میں کوئی جڑ نہ رکھتی ہو اگر اس کی کوئی جڑ ہے تو وہ دین میں سے ہوئی ما لیس منہ سے نہ ہوئی اجتہاد و استنباط کتاب و سُنّت کی گہرائیوں کے نکھارنے والے ہیں خود بات پیدا کرنے والے نہیں مجتہد کی دقت نظر سے شریعت کے فروع کھلتے ہیں مجتہد ان کا صرف مظہر ہوتا ہے۔ موجد نہیں ہوتا۔ امام ربانی حضرت شیخ احمد سرہندی لکھتے ہیں۔

اما القیاس والاجتہاد فلیس من البدعۃ فی شئ فانہ مظہر للنصوص لا مثبت لا ازائد[2]

(ترجمہ) قیاس اور اجتہاد کسی طرح بدعت نہیں بنتا وہ نصوص میں چھپے معنی کو سامنے لاتا ہے کسی نئی چیز کو وجود نہیں دیتا۔

اصل سے قائم رہیں تو نئی چیز بھی بدعت نہیں بنتی اور اپنی عائد کردہ عادات اور قیود سے ثابت شدہ اعمال بھی بدعت بن جاتے ہیں۔ مثلاً

---

[1] کتاب الاعتصام۔ جلد اوّل صفحہ ۲۷۵ ، [2] مکتوبات شریف دفتر ۲ مکتوب ۱۸۲ صفحہ ۲۶۰

شریعت میں اذان کا وجود ہے۔ سُنّت قائمہ میں یہ نماز کے لیے کہی جائے گی یا نومولود کے کان میں کہی جائے گی۔ وبا کے دنوں میں بھی کہیں بلاعادت مستمرہ کہہ دی جاتی ہے اس کی حقیقت شرعی سے کسی کو انکار نہیں لیکن اگر کوئی گروہ اسے نماز جنازہ میں بھی کہنے لگے یا دفن کے وقت قبر کے پاس کہے تو ایک نئی تخصیص پیدا کرنے سے یہ ثابت حقیقت شرعی بھی بدعت ہو جائے گی یہ اس لیے نہیں کہ اذان بدعت ہے اذان کا یہ التزام اور اسے اس وقت اپنانا بدعت ہے اور یہ یقیناً ایک نئی بات ہے جسے قرون ثلثہ (پہلے ادوار) میں عادت نہیں بنایا گیا۔

اسلام میں کسی ثابت کردہ نیکی کو کسی ایسے وقت سے خاص کر دینا جس کے لیے شریعت میں کوئی اصل وارد نہیں اور اس عمل کو اس وقت سے خاص کرنے والا مجتہد نہیں کہ اس نے کسی وارد کی علت کو پا لیا ہو تو اس کا یہ عمل استنباط نہیں ایجاد سمجھا جائے گا۔ ہاں نئے حالات میں دین کے تقاضوں کو نئی شکل دینا جیسا کہ ان دنوں دینی مدارس کی شکل ہے اسے بدعت نہ کہا جا سکے گا۔ نہ مسجدوں میں گھڑیاں لگانا لاؤڈ سپیکر لگانا اور پنکھے لگا کسی طرح بدعت شمار ہوگا۔ یہ انتظامی چیزیں ہیں۔ عملی مسائل نہیں ہیں۔ بدعات اعمال کا نام ہے چیزوں کا نہیں۔

بست بابی فہرست مضامین قرآن

تالیف

ڈاکٹر علامہ خالد محمود

فہرست بست بابی
مضامین القرآن

کتاب القرآن
آٹھ ذیلی عنوان

تعارف

قرآن اللہ کا کلام ہے جو اُس نے اپنے بندے پر اُتارا

وانہ لتنزیل رب العلمین (پ۱۹ الشعراء ۱۹۲)

وانزل الفرقان علی عبدہ (پ۱۸ الفرقان ۱)

یہ وہی کتاب ہے جو لوحِ محفوظ میں ہے۔

ذٰلک الکتاب لاریب فیہ (پ۱ البقرہ ۲)

بل ھو قراٰن مجید فی لوح محفوظ (پ۳۰ الطارق ۲۲)

یہ ایک ہی دفعہ نہیں تھوڑا تھوڑا اُتارا گیا

وقراٰناً فرقنٰہ لتقرأہ علی الناس علیٰ

الناس علیٰ مکثٍ ونزلناہ تنزیلا (پ۱۵ بنی اسرائیل)

جمع القرآن

ان علینا جمعہ وقراٰنہ (پ۲۹ القیٰمہ)

نزل بہ الروح الامین علیٰ قلبک

نزل علیک الکتاب بالحق مصدقالما بین یدیہ

اٰیاتٍ بیّنٰت فی صدور الذین اوتوا العلم (پ۲۱ العنکبوت)

فاقرءُوا ما تیسر منہ۔ (پ۲۹ المزمل)

تلاوت القرآن

ورتل القراٰن ترتیلا (پ۲۹ المزمل)

یتلوا صحفاً مطھرۃ فیہا کتب قیمۃ (پ۲۹ القیٰمہ)

الذین یتلونہ حق تلاوتہ

واذا قرئ القراٰن فاستمعوا لہ وانصتوا (پ۹ الاعراف)

حفاظت القرآن
قرآن کریم مشکل ہے آسان ؟
ایمان بالقرآن ۔طرق فہم قرآن
آداب القرآن ۔

۲. کتاب الایمان چھ ذیلی عنوان
ایمان کی حقیقت اجمالی اور تفصیلی ۔ ایمان اور عمل جُدا جُدا کبھی ایمان میں داخل ۔ گناہ کبیرہ سے ایمان سے نہ نکلنا ۔ کفر اور ایمان میں واسطہ نہیں ۔ صرف علامات سے ایمان کی پہچان ۔

۳. کتاب الکفر والالحاد چھ ذیلی عنوان
الکفر ملۃ واحدۃ ۔ ایمان کا ہر دعویدار ضروری نہیں کہ مومن ہو ۔ کفر کبھی الحاد کی صورت میں ۔ نکاح میں کفر و الحاد کا فاصلہ نہیں ۔ کفر و اسلام میں عدم موالات ۔ کافر کے لیے مغفرت اور نجات نہیں ۔

۴. کتاب المنافقین چھ ذیلی عنوان
صحابہ اور منافقین مخلوط نہیں رہے ۔ نماز و انفاق میں منافقوں کا انداز ۔ منافقوں اور کافروں کی ملاقاتیں مسلمانوں کی کامیابی پر اُن کے اُداس چہرے جنگوں میں ان کے اطوار ۔ منافقوں کی چال ناکام ہونے کا قرآنی وعدہ ۔

۵. کتاب التوحید دس ذیلی عنوان
خالق ایک ہی ہے ۔ مالک وہی ایک ہے رازق وہی ایک ہے ۔ ہر چیز پر قادر ہے وہی مختار کُل ہے علم غیب اور علم محیط اسی کو ۔ ہر چیز پر نگران وہی ایک ہے ۔ ما فوق الاسباب اسی ایک کو پکارا جائے ۔ مشرکین کا عقیدۂ توحید الٰہ صرف ایک ہے ۔

۶. کتاب النبوۃ والرسالۃ دس ذیلی عنوان
بشریت رسالت ۔ کفار کا عقیدہ کہ بشریت اور رسالت جمع نہیں ہوسکتیں ۔ فرائضِ رسالت غلبۂ رسالت ۔ تربیتِ رسالت ۔ اطاعتِ رسالت شانِ رسالت محمدی ۔ ادبِ رسالت ۔ عصمتِ رسالت ۔ ختم نبوت حضور خاتم النبیین ۔

۷. کتاب المعجزات والکرامات چھ ذیلی عنوان
عناصر کے خواص بدلنا ۔ پتھر سے پانی جاری ہونا سُرعت رفتار اور وقت کا سمٹنا ۔ غیبی خبریں

معجزات ۔ از قرآن کریم ، معجزہ شق القمر ، پہلے نبیوں سے ملاقاتیں ، حضرت عیسیٰ کے معجزات غیبی خبروں کی تصدیق ۔ انقلاب ماہیت۔

۸۔ کتاب الصحابہ آٹھ ذیلی عنوان

عام امت اور پیغمبر کے درمیان صحابہ واسطہ۔
صحابہ کے ایمان اور تقویٰ کی گواہی جنّت کا وعدہ سب صحابہ سے ۔ جو ان مومنین کیخلاف چلا وہ جہنمی صحابہ کی باہمی اخوت اسلامی۔
باہمی قتال میں بھی یہ مومن رہے صحابہ تربیت کے دور میں ۔ ان کے عمل کو خدا نے اپنا عمل کہا۔

۹۔ کتاب السیر دس ذیلی عنوان

اسلامی سلطنت تسلسل سے چلے گی آنحضرتؐ کی خلافت کی خبر
حضورؐ کی خلافت صحیح ہونے کے قرآنی شواہد
اولی الامر معصوم نہیں اس سے تنازع ہوسکتا ہے
مسلمانوں کی ولایت صرف مسلمانوں کا حق ہے
اسلام کا تصور حکومت جغرافیائی نہیں عالمی ہے
اقتدار کی امانت اہل لوگوں کے سپرد کرو
انتخابات کی بنا انسانوں کے مساوی حقوق پر
اسلام کا شورائی نظام حکومت
ذرائع معیشت میں ہر ایک ترقی کی جدوجہد کرے
سلطنت معیشت میں برابری مسلط نہ کرے۔

۱۰۔ کتاب الجہاد والھجرۃ آٹھ ذیلی عنوان

خلافت ارضی میں نیابت خداوندی ۔ ظلم کا سدباب
دفاعی تیاریاں جتنی بھی کرسکو کرو دشمن ڈرا رہے
مظلوم قوموں سے ظلم اٹھانے کے لیے مجموعی جہاد
معاہد قوم کے خلاف کسی قوم کی مدد جائز نہیں
مال غنیمت کی تقسیم اور خمس سربراہ سلطنت کے انتظام میں۔
جہاد کے فضائل اور اس پر جنت کا وعدہ
اسلام میں مقام شہادت
جہاد کی قدرت نہ ہو تو ہجرت کر جانے کا حکم

۱۱۔ کتاب خلق العالم

زمین و آسمان کی پیدائش چھ دن میں
زمین کی پیدائش دو دن میں
سات آسمان دو دن میں
ہر آسمان میں وحی کا نزول
ہر زمین میں وحی کا نزول
زمینیں بھی آسمان کی طرح سات
بنی نوع انسان ایک جی سے پیدا کیے گئے
عورتیں بھی نوع انسان سے ہیں
انسان کی پیدائش کھنکھناتی مٹی سے
جنات کی پیدائش آگ سے

فرشتوں کی پیدائش نور سے
جمادات کی نشو و نما مٹی سے
نباتات کی نشو و نما پانی سے
حیوانات کی نشو و نما نسل کشی سے
جنت دوزخ کی پیدائش بھی ہو چکی

خلق عالم ارواح

تمام ارواح سے اپنی ربوبیت کا اقرار
جنت دوزخ کی پیدائش ہو چکی

١٢۔ کتاب البرزخ

آلِ فرعون کی روحیں صبح و شام آگ پر پیش
عذاب الہون مرنے کے وقت سے ہی
العذاب الادنیٰ اور العذاب الاکبر
قبر میں ایمان پر ثابت قدمی

١٣۔ کتاب المعیشۃ   چھ ذیلی عنوان

سب پیداوار مشترکہ سرمایہ
درجۂ معیشت سب ایک سا نہیں
اہل ثروت دوسروں کو دیں
امیروں کے مال میں غریبوں کا حق
وراثت میں حصے یکساں نہیں
وسائل معیشت میں سب کا حصہ

١٤۔ کتاب المعاشرت   آٹھ ذیلی عنوان

ماں کے حقوق۔ اولاد کے حقوق۔ خاوند
بیوی کے حقوق۔ نکاح کے لیے وحدتِ دین

بعض کو بعض پر فضیلت، مقروض کو سہولت دو
خرچ کرنے میں میانہ روی۔
سلام کا جواب بہترین پیرائے میں

١٥۔ کتاب التقلید والاجتہاد   بارہ ذیلی عنوان

یا خود علم ہو یا علم والوں کی پیروی ہو
دین کو پورے طور پر صرف عالم ہی جانتے ہیں
جو عالم نہیں وہ عالموں سے پوچھے
پیروی صرف انبیاء کی نہیں جو خدا کے آگے جھکے
اس کے پیچھے چلو
انبیاء کے ساتھیوں میں بھی تمہارے لیے اسوہ ہے
صحابہ کے خلاف چلنا جہنم کی راہ پر پڑنا ہے
حضورؐ اور صحابہؓ کے بعد ائمہ مجتہدین کی پیروی
اہل علم مسائل پیش آمدہ میں اجتہاد کریں
ہر ایک فقیہ بنے یہ اسلام میں ضروری نہیں
پیروی آباء کی بشرطیکہ وہ خدا والے ہوں
درست ہے (پ ١٢ یوسف ٣٨)
آباء النبی کی پیروی میں چلنا تقلید مذموم ہے
قالوا حسبنا ما وجدنا علیہ آباءنا (پ ٧ المائدہ ١٠٤)

١٦۔ کتاب اعمال القلب   آٹھ ذیلی عنوان

قرآن میں احوال قلب کا بیان
دلوں کے دھونے کی دعوت۔

اثبات الالہام والبیعۃ۔ علم لدنی اور علم نبوت
بیعت توبہ و سلوک۔ بیعت جہاد
التزام مجالس خیر

۱۷۔ کتاب اشراط الساعۃ چند ذیلی عنوان

زلزلوں کی آمد۔ یاجوج و ماجوج
دابۃ الارض کا خروج۔ نزول عیسیٰ بن مریم
حضرت عیسیٰ کا قرآن و حدیث کا علم
حیات مسیح کا بیان

۱۸۔ کتاب الآیات المظلومہ

جن آیات پر ظلم در ظلم ہوتے گئے۔
نصاریٰ قسیسین کے ہاتھوں میں
قادیانی مبشرین کے ہاتھوں میں
رافضی مبلغین کے ہاتھوں میں
نیچریوں اور معتزلہ کے ہاتھوں میں
اہل بدعت واعظوں کے ہاتھوں میں
منکر حدیث پرویزیوں کے ہاتھوں میں
ان پڑھ غیر مقلدین کے ہاتھوں میں

۱۹۔ کتاب القواعد العلمیہ فی فہم العبارات العربیہ

واو ترتیب کے لیے نہیں
ماضی مضارع کے معنی میں
مضارع جب عین مرجع نہ ہو
انتشار ضمائر
استشہاد و استطراد
جعل تکوینی تشریعی نہیں
استعمال الفاظ علی سبیل المشاکلۃ
الفاظ کا لغوی اور اصطلاحی استعمال
التفات

۲۰۔ کتاب الانبیاء

حضرت آدم۔ حضرت نوح۔ حضرت ادریس۔
حضرت ہود۔ حضرت صالح۔ حضرت ابراہیم
حضرت اسماعیل۔ حضرت اسحٰق۔ حضرت یعقوب
حضرت یوسف۔ حضرت شعیب علیہم السلام۔

انبیاء بنی اسرائیل

حضرت موسیٰ۔ حضرت ہارون۔ حضرت داؤد۔
حضرت سلیمان۔ حضرت زکریا۔ حضرت یحییٰ۔
حضرت عیسیٰ بن مریم

حضرت خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم

قریش آپ کے قرابتدار تھے
آپ کا حق قرابت میں نرمی کا مطالبہ
بچپن دور یتیمی میں گزرا
آپ امیین میں بھیجے گئے
آپ ہاتھ سے لکھنا نہ جانتے تھے
آپ پر حرا میں کیا گزری؟
آپ کے سفر ہجرت کا بیان
آپ کو اللہ نے غنی کر دیا

یہ عربی قرآن ہے عربیت اس سے جدا نہیں کی جا سکتی

هذا لسان عربی مبین (پ۱۴ النحل ۱۰۳)

(پ۲۶ الاحقاف ۱۲)

قرآن پاک کے کئی نام ہیں۔ ۱۔ قرآن پ ۱۶ طٰہٰ

۲۔ الفرقان پ۳ آل عمران ۳۔ پ۱۸ الفرقان ۱

۳۔ الذکر پ۱۴ النحل۔ الحجر۔ پ۲۶ الحجرات۔ پ۲۵

الزخرف۔ ۴۔ النور پ۶ المائدہ۔ پ۹ الاعراف

۱۵۷۔ ۵۔ الکتاب پ۱ البقرہ ۱۲۹۔

قرآن پاک کی ابدی حفاظت موعود ہے۔

انا نحن نزلنا الذکر وانا لہ لحافظون (پ۱۴ الحجر ۹)

لا یاتیہ الباطل من بین یدیہ (پ۲۴ حم سجدہ ۴۲)

قرآن پاک آسان ہے یا مشکل؟

نصیحت پکڑنے اور فکر آخرت پیدا کرنے کے لیے آسان ہے

ولقد یسرنا القرآن للذکر فھل من مدکر (پ۲۷ القمر ۱۷)

فذکر بالقرآن من یخاف وعید۔ (پ۲۶ ق ۴۵)

مسائل اور سمجھ کے پہلو سے بہت گہرا اور مشکل ہے

وما یعقلھا الا العالمون (پ۲۰ العنکبوت ۴۳)

وما یذکر الا اولوا الالباب (پ۳ آل عمران ۷)

لعلمہ الذین یستنبطونہ (پ۵ النساء ۸۳)

آیات بینٰت فی صدور الذین اوتوا العلم

(پ۲۱ العنکبوت ۴۹)

والراسخون فی العلم یقولون اٰمنا بہ (پ۳ آل عمران ۷)

والذین اوتوا العلم درجٰت (پ۲۸ المجادلہ ۱۱)

فانما یسرناہ بلسانک لعلھم یتذکرون

(پ۲۵ الدخان ۵۸)

افلا یتدبرون القرآن (پ۲۶ محمد ۲۴)

مشکل مسائل میں عوام کیا کریں؟

فاسئلوا اھل الذکر ان کنتم لا تعلمون (پ۱۷ الانبیاء ۷)

〃 〃 〃 (پ۱۴ النحل ۴۳)

لتبین للناس ما نزل الیھم (پ۱۴ النحل ۴۴)

فانما یسرناہ بلسانک (پ۲۵ الدخان ۵۸)

ثم ان علینا بیانہ (پ۲۹ القیمہ)

بذریعہ مجتہدین بھی مسائل حل ہوتے ہیں

ولو ردوہ ... الی اولی الامر منھم (پ۵ النساء ۸۳)

ایمان بالقرآن

یؤمنون بما انزل الیک (پ۱ البقرہ ۴)

والذین یؤمنون بالاٰخرۃ یؤمنون بہ (پ۷ الانعام ۹۲)

اہل کتاب پر بھی ایمان بالقرآن لازم ہے

یا اھل الکتب لستم علی شیء حتی تقیموا

۱۔ تورات۔ ۲۔ انجیل۔ ۳۔ قرآن } (پ۶ المائدہ ۶۸)

فہم قرآن

۱۔ بذریعہ وحی غیر متلو
ثم ان علینا بیانہ (پ۲۹ القیمہ)

۲. بذریعہ رسالت

لتبین للناس مانزل الیھم (پ۱۴ النحل ۴۴)

۳. بذریعہ صحابہؓ

ویتبع غیر سبیل المومنین (پ۵ النساء ۱۱۵)

۴. بذریعہ مجتہدین

ولو ردوہ ... الیٰ اولی الامر منھم (پ۵ النساء ۱۵)

آداب القرآن

۱. لا یمسہ الا المطھرون (پ۲۷ الواقعہ ۹)

۲. واذا قرأت القرآن فاستعذ باللہ (پ۱۴ النحل ۹۸)

۳. ورتل القرآن ترتیلا (پ۲۹ المزمل ۴)

۴. واذا قرئ القرآن فاستمعوا لہ (پ۹ الاعراف ۲۰۴)

کتابُ الایمان

۱. ایمان حضورؐ کی سب باتوں کی تصدیق کا نام ہے

فلا وربک لا یؤمنون حتی یحکموک فیما شجر
بینھم. (پ۵ النساء ۶۵)

کل اٰمن باللہ وملٰئکتہ وکتبہ ورسلہ.
(پ۳ البقرہ ۲۸۵)

۲. ایمان اور اسلام حقیقۃً ایک ہیں.

فاخرجنا من کان من المؤمنین (پ۲۷ الذٰریٰت ۳۵)

اسلام کبھی استسلام کے معنی ہیں

قل لم تؤمنوا ولکن قولوا اسلمنا.
(پ۲۶ الحجرات ۱۴)

۳. ایمان کی زیادتی سکینہ اور طمانیت میں ہے، مؤمن بہ امور کی کمی بیشی کے پہلو سے نہیں (پ۲۶ الفتح)

تلاوت سے جو سکون ملے وہ ایمان کی زیادتی ہے

واذا تلیت علیھم اٰیاتہ زادتھم ایمانا.
(پ۹ الانفال ۲)

ایمان میں کمی آنے کا بیان پورے قرآن میں نہیں سو زیادتی بھی کمًا نہیں قوت وضعف میں ہے.

ایمان اور عمل دو الگ الگ حقیقتیں ہیں.

ان الذین اٰمنوا وعملوا الصٰلحٰت (پ۱۶ کہف ۱۰۷)

ایمان کا لفظ جب وسیع معنی میں ہو تو عمل اس میں آجاتا ہے

وما کان اللہ لیضیع ایمانکم (پ۲ البقرہ ۱۴۳)

۴. گناہ کبیرہ سے انسان ایمان سے نہیں نکلتا.

وان طائفتان من المؤمنین اقتتلوا.
(پ۲۶ الحجرات ۹)

۵. کفر اور ایمان میں کوئی واسطہ نہیں کہ انسان نہ مؤمن ہو نہ کافر.

ھو الذی خلقکم فمنکم کافر ومنکم مؤمن (پ۲۸ تغابن ۲)

ایک کلمہ کفر کہنے سے بھی انسان ایمان سے نکل جاتا ہے

قالوا کلمۃ الکفر وکفروا بعد اسلامھم (پ۱۰ التوبہ ۷۴)

۶. حقیقت معلوم نہ ہو تو صرف علامات سے بھی مسلمان پہچانا جاسکتا ہے.

ولا تقولوا لمن القیٰ علیکم السلام لست
مؤمنا. (پ۵ النساء ۹۴)

الکفر و الالحاد

۱. کافر ایک ملت ہیں گو کئی اقسام میں بٹے ہوں.
هوالذی خلقکم فمنکم کافر ومنکم مؤمن.
(پ۲۸ التغابن ۲)
هادوا والصابئین والنصاریٰ والمجوس و
الذین اشرکوا ... ھذان خصمان اختصموا
فی ربھم. (پ۱۷ الحج ۱۷- ۱۸)
اہل کتاب اور مشرکین دونوں اہل کفر ہیں.
لم یکن الذین کفروا من اھل الکتاب والمشرکین.
(پ۳۰ البینۃ ۱)
۲. ایمان کا ہر دعویدار ضروری نہیں کہ مومن ہو
وماھم بمؤمنین ۔ یخدعون اللہ والذین
آمنوا. (پ۱ البقرہ ۸)
واللہ یشھد ان المنافقین لکاذبون.
(پ۲۸ المنافقون ۱)
۳. کفر کی ایک قسم زندقہ والحاد بھی ہے گو ظاہراً
اسلام کا نام لے.
ان الذین یلحدون فی آیاتنا لایخفون علینا.
(پ۲۴ حم سجدہ ۴۰)
۴. مومنات کا نکاح کافر مردوں سے نہیں ہو سکتا.
فان علمتموھن مومنات فلا ترجعوھن الی الکفار
لاھن حل لھم ولا ھم یحلون لھن (پ۲۸ الممتحنہ ۱۰)
ولاتنکحوا المشرکین حتی یؤمنوا. (پ۲ البقرہ ۲۲۱)
۵. مومن اور کافر میں رشتہ ولایت نہیں مدارات ہے
لا یتخذ المومنون الکافرین اولیاء من دون
المؤمنین. (پ۳ آل عمران ۲۸)
۶. کافر کے لیے دعاء مغفرت اور نجات نہیں
ان اللہ لایغفر ان یشرک (پ۵ النساء ۴۸- ۱۱۶)
ماکان للنبی والذین آمنوا ان یستغفروا (پ۱۱ التوبہ ۱۱۳)
وماھم بخارجین من النار (پ۲ البقرہ ۱۶۷)

کتاب المنافقین

صحابہؓ اور منافق مخلوط نہیں بیٹھے

منافق آتے جاتے رہے مگر حضورؐ کی ہم مجلسی نہ پا سکے
۱. اذا جاءک المنافقون (پ۲۸ المنافقون ۱)
۲. لا تقعد بعد الذکریٰ مع القوم الظالمین
(پ۷ الانعام ۶۸)
حضورؐ کی مجلس سے ان کی دوری کی خواہش
لووا رؤسھم ورأیتھم یصدون (پ۲۸ المنافقون ۵)
حضورؐ کی معیت صحابہؓ کے لیے تھی منافق اسے نہ پا سکے
والذین معہ اشداء علی الکفار رحماء بینھم.
(پ۲۶ الفتح ۲۹)
معیتؐ اولیٰ کو معیار بنانے کی دعوت اور منافقوں کا انکار
اذا قیل لھم آمنوا کما آمن الناس (پ۱ البقرہ ۱۳)
یہ بھی ہو سکتا ہے کہ دونوں گروہ مخلوط نہ بیٹھتے ہوں

فان آمنوا بمثل ما آمنتم به فقد اهتدوا

(پ البقرہ ۱۳۷)

صحابہؓ کی سوسائٹی مخلوط نہ رہنے دی جائے گی

قسمیں کھا کھا کر اپنے کو مسلمان جتلانا

ویحلفون باللہ انہم لمنکم وما ہم منکم (پ التوبہ ۵۶)

یہ بھی ہو سکتا ہے کہ دونوں طبقے مخلوط نہ بیٹھے ہوں

ظاہراً ملنے کو بھی انجام کار ختم کر دیا گیا

۱. ماکان اللہ لیذر المؤمنین علی ما انتم علیہ

(پ۴ آل عمران ۱۷۹)

۲. ولیعلم المؤمنین ولیعلم الذین نافقوا (پ۴ آل عمران ۱۶۶)

نماز اور انفاق میں منافقوں کے علیحدہ اطوار

۱. ولا یاتون الصلوٰۃ الا وہم کسالیٰ (پ التوبہ ۵۴)

۲. ہم الذین یقولون لا تنفقوا علی من عند رسول اللہ

(پ۲۸ المنافقون ۷)

علیٰ من عند رسول اللہ کا دائرہ صرف صحابہ کے لیے تھا

منافقوں اور کافروں کی خفیہ ملاقاتیں

واذا خلوا الی شیاطینہم قالوا انا معکم (پ البقرہ ۱۴)

واذا خلا بعضہم الی بعض قالوا اتحدثونہم (پ البقرہ ۷۶)

یقولون لاخوانہم الذین کفروا (پ۲۸ الحشر ۱۱)

لیخرجن الاعز منہا الاذل (پ۲۸ المنافقون ۸)

ان اللہ مخرج ما تحذرون (پ التوبہ ۶۴)

مسلمانوں کی کامیابی پر ان کے اداس چہرے

۱. ان تصبک حسنۃ تسؤہم (پ التوبہ ۵۰)

ولا تصل علی احد منہم مات ابدا (پ التوبہ ۸۴)

ان کا جنازہ نہ پڑھنے کا حکم بھی ہو سکتا ہے کہ ان کے اطوار عام مسلمانوں سے جدا ہوں وہ مخلوط ہو کر نہ رہتے ہوں

جنگوں میں منافقوں کے علیحدہ اوضاع و اطوار

وقیل لہم تعالوا قاتلوا فی سبیل اللہ او ادفعوا

قالوا لو نعلم قتالاً لاتبعناکم (پ۴ آل عمران ۱۶۷)

کتاب التوحید

خالق وہی ایک ہے ہر ایک چیز کو پیدا کرنے والا

خلق کل شیء (پ انعام ۱۰۱، ۱۰۲)

قل اللہ خالق کل شیء (پ۱۳ الرعد ۱۶)

ذٰلکم اللہ ربکم خالق کل شیء (پ۲۴ المؤمن ۶۲)

خلق الانسان (پ۲۷ الرحمٰن ۳)

من صلصال (پ۲۷ الرحمٰن ۱۴)

خلقکم والذین من قبلکم (پ البقرہ ۲۱)

واللہ خلقکم وما تعملون (پ۲۳ الصافات ۹۶)

خلق لکم ما فی الارض جمیعا (پ البقرہ ۲۹)

خلق اللیل والنہار (پ۱۷ الانبیاء ۳۳)

خلق الموت والحیاۃ (پ۲۹ الملک ۲)

خلق کل دابۃ (پ۱۸ النور ۴۵)

رفع السموٰت بغیر عمد ترونہا (پ۱۳ الرعد ۲)

ہل من خالق غیر اللہ یرزقکم (پ۲۲ الفاطر ۳)

من خلق السموٰت والارض (پ۲۱ العنکبوت ۶۱)

مالک وہی ایک ہے۔ کوئی چیز اس کے قبضے سے باہر نہیں

وللہ ملک السمٰوات والارض (پ۲۶ الفتح ۱۴)

اللہ کے آگے سب بے بس ہیں۔ ان اراد بکم ضرا او اراد بکم نفعا۔ (پ۲۶ الفتح ۱۱)

لم یکن لہ شریک فی الملک (پ۱۵ بنی اسرائیل ۱۱۱)

بیدہ ملکوت کل شیء (پ۱۸ المومنون ۸۸)

اللھم مالک الملک تؤتی الملک (پ۳ آل عمران ۲۶)

لا یملکون لانفسہم نفعا ولا ضرا (پ۱۳ الرعد ۱۶)

لا یملکون مثقال ذرۃ (پ۲۲ السبا ۲۲)

ما یملکون من قطمیر (پ۲۲ الفاطر ۱۳)

لا یملکون شیئا (پ۲۴ الزمر ۴۳ پ۱۸ الفرقان ۳)

حضرت ابراہیم کا قول میں تیری کسی بات کا مالک نہیں۔ (پ۲۸ الممتحنہ ۴)

قل انی لا املک لکم ضرا ولا رشدا (پ۲۹ الجن ۲۱)

لمن الملک الیوم للہ الواحد القہار (پ۲۴ المومن ۱۶)

الملک یومئذ للہ یحکم بینہم (پ۱۷ الحج ۵۶)

رازق صرف وہی ایک ہے۔ اسباب اس کے ماتحت ہیں

وما من دابۃ فی الارض الا علی اللہ رزقہا (پ۱۲ ہود ۶)

خلقکم ثم رزقکم (پ۲۱ الروم ۴۰)

اللہ یبسط الرزق لمن یشاء (پ۱۳ الرعد ۲۶)

ولو بسط اللہ الرزق لعبادہ لبغوا فی الارض (پ۲۵ الرعد ۲۲)

یرزقہ من حیث لا یحتسب (پ۲۸ الطلاق ۳)

وان اللہ ہو الرزاق ذو القوۃ المتین (پ۲۷ الذاریات ۵۸)

وینزل لکم من السماء رزقا (پ۲۴ المومن ۱۳)

واللہ یرزق من یشاء بغیر حساب (پ۲ البقرہ ۲۱۲)

شان قدرت۔ ہر چیز پر قدرت رکھنے والا وہی ایک ہے

نہ چاہی چیزوں پر بھی قادر ہے گو وہ واقع نہ ہوں

قل ہو القادر علی ان یبعث علیکم عذابا من فوقکم (پ۷ الانعام ۶۵)

ان اللہ علی کل شیء قدیر (پ۱ البقرہ ۲۰)

ان اللہ یاتی بالشمس من المشرق (پ۳ البقرہ ۲۵۸)

انما امرہ اذا اراد شیئا ان یقول لہ کن (پ۲۳ یٰسین ۸۲)

من رب السموات السبع ورب العرش العظیم (پ۱۸ المومنون ۸۶)

من نزل من السماء ماء (پ۲۱ العنکبوت ۶۳)

من خلق السموات والارض وسخر الشمس والقمر۔ (پ۲۱ العنکبوت ۶۱)

انا نحن نحی ونمیت (پ۲۶ ق ۴۳)

اذا اراد اللہ بقوم سوءا فلا مرد لہ (پ۱۳ الرعد ۱۱)

امن یجیب المضطر اذا دعاہ (پ۲۰ النمل)

واذا مس الانسان ضر (پ۲۴ الزمر ۴۹)

فکشفنا ما بہ من ضر (پ۱۷ الانبیاء ۸۴)

هل هن کشفت ضره (پ۲۴ الزمر ۳۸)

فلا یملکون کشف الضر عنکم ولا تحویلا

(پ۱۵ بنی اسرائیل ۵۶)

اولاد دینے والا وہی ہے جس کو چاہے بیٹے دے

یہب لمن یشاء اناثا و یہب لمن یشاء الذکور

(پ۲۵ الشوریٰ ۵۰)

رزق کی تنگی اور کشادگی اسی کے ہاتھ میں ہے

الله یبسط الرزق لمن یشاء ویقدر (پ۱۳ الرعد ۲۶)

وہی مختارِ کل ہے۔ جو چاہے کر سکے

لا یسئل عما یفعل وھم یسئلون (پ۱۷ الانبیاء ۲۳)

خدا کے دیئے دکھ اور اس کے دیئے آرام کو کوئی نہیں روک سکتا

ان اراد بکم سوء او اراد بکم رحمه

(پ۲۱ الاحزاب ۱۷۔ پ۱۱ یونس ۱۰۷)

وربك یخلق مایشاء ویختار ما کان لھم

الخیرة من امرھم (پ۲۰ القصص ۶۸)

شفاعت اللہ کے اذن کے بغیر کوئی نہ کر سکے

من ذا الذی یشفع عنده الا باذنه (پ۳ البقره ۲۵۵)

کسی کا مافوق الاسباب نفع ونقصان ایک اللہ

کے سوا کسی کے اختیار میں نہیں ہے (پ۹ الاعراف ۱۸۸)

علم محیط اور علم غیب خاصہ باری تعالیٰ ہے

انی اعلم غیب السموات والارض و اعلم ما

تبدون وما کنتم تکتمون (پ۱ البقره ۳۳)

ان الله قد احاط بکل شیء علما (پ۲۸ الطلاق ۱۲)

یعلم ما یلج فی الارض وما یخرج منها (پ۲۲ سبا ۲)

ان الله عالم غیب السموات والارض انه

علیم بذات الصدور (پ۲۲ الفاطر ۳۸)

ولله غیب السموات والارض (پ۱۲ ہود ۱۲۳)

وعنده مفاتح الغیب لا یعلمها الا ھو (پ۷ الانعام ۵۹)

قل لا یعلم من فی السموات والارض الغیب

الا الله. (پ۲۰ النمل ۶۵)

فقل انما الغیب لله (پ۱۱ یونس ۲۰)

له غیب السموات والارض (پ۱۵ الکہف ۲۶)

یعلم سرھم ونجواھم وان الله علام الغیوب

(پ۱۰ التوبہ ۷۸)

عالم الغیب لا یعزب عنه مثقال ذرة

(پ ۲۶ السبا ۳)

عالم الغیب (پ۱۰ التوبہ ۹۴، ۱۰۵۔ پ۷ الانعام ۷۳)

انبیاء کی اپنے سے علم غیب کی نفی

یوم یجمع الله الرسل فیقول ماذا اجبتم قالوا

لا علم لنا (پ۷ المائدہ ۱۰۹)

آنحضرتؐ کی اپنی ذات سے علم غیب کی نفی

(پ۷ الانعام ۵۰)

لو کنت اعلم الغیب لاستکثرت من

الخیر (پ۹ الاعراف ۱۸۸)

آنحضرتؐ سے علم شعر کی نفی (پ۲۳ یٰسین ۶۹)

قل ان ادری اقریب ما توعدون (پ۲۹ الجن ۲۵)

علم بوقت قیامت

یسئلونك عن الساعة ایان مرسٰها (پ۹ الاعراف ۱۸۷)

ان الله عندہ علم الساعة (پ۲۱ لقمان ۳۴)

وما یدریك لعل الساعة تكون قریبا (پ۲۲ الاحزاب ۶۳)

ہر چیز پر نگران اسی کی ذات ہے۔ وہ ہر جگہ حاضر و ناظر ہے

لا تحسبن الله غافلا عما یعمل الظالمون۔

(پ۱۳ ابراہیم ۴۲)

والله علی كل شیء شهید (پ۲۸ المجادلہ ۶)

والله بصیر بما تعملون (پ۲۶ الحجرات ۱۸)

كنت انت الرقیب علیهم وانت علی كل شیء

شهید۔ (پ۷ المائدہ ۱۱۷)

ان الله سمیع بصیر (پ۱۷ الحج ۶۱، پ۱۵ بنی اسرائیل ۱)

ما یكون من نجوی ثلٰثة الا هو رابعهم (پ۲۸ المجادلہ ۷)

اینما تولوا فثم وجه الله (پ۲ البقرہ ۱۱۵)

مافوق الاسباب صرف اسی ایک کو پکارا جائے

له دعوة الحق والذین یدعون من دونه لا

یستجیبون لهم بشیء۔ (پ۱۳ الرعد ۱۴)

اللہ ہی کو دور سے پکارا جائے

فوق الاسباب اللہ ہی کو پکارو

فادعوا الله مخلصین له الدین (پ۲۴ المؤمن ۱۴)

جو کسی کو پیدا نہ کر سکے وہ پکارا نہ جائے۔

(پ۲۲ الفاطر ۴۰۔ پ۱۴ النحل ۲۰)

جو رزق نہ دے پکارا نہ جائے (پ۱۴ النحل ۷۳)

اللہ کے سوا جن کو پکارتے ہو وہ تمہاری تکلیف

دور نہیں کر سکتے (پ۱۵ بنی اسرائیل ۵۶)

جن کو تم اس کے سوا پکارتے ہو وہ گٹھلی کا ایک

چھلکا پیدا نہیں کر سکتے (پ۲۲ الفاطر ۱۳)

اللہ کے سوا کسی کو پکارا تو حساب دینا ہوگا

فانما حسابه عند ربه (پ۱۸ المومنون ۱۱۷)

وہی پکارا جائے تو تکلیف دور کرے اگر چاہے

(پ۷ الانعام ۴۱)

تیرا نفع و نقصان صرف اللہ کے اختیار میں ہے

ولا تدع من دون الله ما لا ینفعك ولا یضرك

(پ۱۱ یونس ۱۰۶)

جنہیں تم پکارتے ہو ان کا زمین کی پیدائش میں

کوئی حصہ نہیں (پ۲۲ الفاطر ۴۰)

جس پر موت نہیں پکارنے کے لائق صرف وہی ہے

هو الحی لا اله الا هو فادعوه مخلصین له الدین

(پ۲۴ المومن ۶۵)

جب کوئی سبب اور سہارا نہ ہو تو مدد اسی ایک

سے مانگی جائے جو عبادت کے لائق ہے (سورۂ فاتحہ)

افرءیتم ما تدعون من دون الله ..... هل

هن كاشفات ضره۔ (پ۲۴ الزمر ۳۸)

یدعوا من دون الله ما لا یضره ولا ینفعه

(پ۱۷ الحج ۱۲)

مشرکین کا عقیدہ توحید

بڑا خدا ایک ہے چھوٹے خدا اس کی عطا سے بنے ہیں
جو ہمیں اس کے قریب کر دیتے ہیں (پ۲۳ الزمر ۳)
مشرکوں کی عبادت بزرگوں کی پکار ہی تھی
وکانوا بعبادتھم کافرین (پ۲۶ الاحقاف ۵-۶)
زمین و آسمان پیدا کرنے والا وہی ایک ہے
ولئن سالتھم من خلق السموات والارض
(پ۲۴ الزمر ۳۸)
قل من رب السموات السبع ورب العرش
العظیم (پ۱۸ المومنون ۸۶)
ولئن سالتھم من نزل من السماء ماءً
(پ۲۱ العنکبوت ۶۲)
بتوں کی پوجا صرف اس لیے کہ وہ خدا کے قریب
کردیں۔ (پ۲۳ الزمر ۳)
بُت جن بزرگوں کی یاد میں بنے وہ اب ان
کی طرف دھیان تک نہیں کر رہے۔
وھم عن دعائھم غافلون (پ۲۶ الاحقاف ۵)
مشرکین بزرگوں کی یاد میں بُت بناتے تھے حضرت وُد
سواع یغوث اور یعوق کے بت (پ۲۹ نوح ۲۳)
مشرکوں نے اپنے پیروں اور مولویوں کو چھوٹے
رب بنا رکھا ہے (پ۱۰ التوبہ ۳۱)
قل من رب السموات والارض
(پ۱۳ الرعد ۱۶)

اسلام میں عبادت صرف ایک خدا کی ہے

انما الٰھکم اللہ واحد (پ۱۶ الکہف ۱۱۰)
" " " (پ۱۷ الانبیاء ۱۰۸)
" " " (پ۲۴ حم سجدہ ۶)
والٰھکم الٰہ واحد (پ۲ البقرہ ۱۶۳)
انما اللہ الٰہ واحد (پ۶ النساء ۱۷۱)
انما ھو الٰہ واحد (پ۱۳ ابراہیم ۵۲)
" " " (پ۱۴ النحل ۵۱)
الٰھکم الٰہ واحد (پ۱۴ النحل ۲۲)
فالٰھکم الٰہ واحد فلہ اسلموا (پ۱۷ الحج ۳۴)
اللہ لا الٰہ الا ھو (پ۳ البقرہ ۲۵۵)
" " " (پ۳ آل عمران ۲)
وما من الٰہ الا الٰہ واحد (پ۶ المائدہ ۷۳)
وما من الٰہ الا اللہ الواحد (پ۲۳ ص ۶۵)
لقد کفر الذین قالوا ان اللہ ثالث ثلثہ۔
(پ۶ المائدہ ۷۳)
سبحانہ ان یکون لہ ولد لا تقولوا ثلثہ (پ۶ النساء ۱۷۱)
انی یکون لہ ولد ولم تکن لہ صاحبہ۔
(پ۷ الانعام ۱۰۱)
قل ھو اللہ احد ... لم یلد ولم یولد (پ۳۰ الاخلاص)
ءالٰہ مع اللہ (پ۲۰ النمل ۶۰)
من الٰہ غیر اللہ (پ۲۰ القصص ۷۱)
مالکم من الٰہ غیرہ (پ۸ الاعراف ۶۵)

کتاب النبوۃ والرسالۃ

بشریت رسالت

نبوت انسان کو ہی دی جاتی ہے۔ ماکان لبشر ان یوتی اللہ الکتاب والنبوۃ (پ۳ آل عمران ۹۷)
ماکان لبشر ان یکلمہ اللہ الا وحیا (پ۲۵ الشوریٰ ۵۱)
اللہ تعالیٰ نے مومنین میں سے ہی رسول کھڑا کیا
لقد من اللہ علی المؤمنین اذ بعث فیھم رسولاً من انفسھم۔ (پ۴ آل عمران)
اللہ تعالیٰ نے اہل مکہ کی جنس میں سے ہی رسول بھیجا (پ۲۸ الجمعہ ۲)
کیوں تعجب کرتے ہو کہ رسول انسانوں کی جنس میں سے ہے (پ۲۶ ق ۲، ص ۴، الاعراف ۶۹)
کیوں تعجب کرتے ہو کہ خدا کی طرف سے ذکر ایک مرد پر اترا ہے (پ۸ الاعراف ۶۹)
کیوں تعجب کرتے ہو کہ تم پر ایک مرد کی زبانی نصیحت آئی
اس میں کیا تعجب کی بات ہے کہ ہم نے ایک مرد پر وحی بھیجی ہے (پ۱۱ یونس ۲)
آدمیوں کو ہی رسول بنایا جاتا ہے (پ۱۷ انبیاء)
قالت لھم رسلھم ان نحن الا بشر مثلکم۔ (پ۱۳ ابراہیم ۸)
حضورؐ کا اعلان کہ میں انوکھا نبی نہیں ہوں
ماکنت بدعا من الرسل (پ۲۶ الاحقاف ۹)

حضورؐ کا اعلان کہ میں بھی بشر ہوں جیسے تم۔ ہاں مجھ پر وحی آتی ہے۔

قل انما انا بشر مثلکم یوحیٰ الی انما الٰھکم الٰہ واحد (پ۱۶ الکہف ۱۱۰)
حضورؐ کا دعویٰ ملک رسول ہونے کا نہیں بشر رسول ہونے کا تھا۔
قل سبحان ربی ھل کنت الا بشرا رسولا (پ۱۵ بنی اسرائیل ۹۳)
اگر زمین میں نوری مخلوق ہوتی ملک رسول بھیجا جاتا (پ۱۵ بنی اسرائیل ۹۰)
لوکان ملٰئکۃ۔۔۔ لنزلنا علیھم من السماء ملکا رسولا۔

کفار کا عقیدہ کہ بشریت اور رسالت جمع نہیں ہوسکتیں

رسولوں کا اس لیے انکار تھا کہ وہ بشر کیوں ہیں
أبشر یھدوننا فکفروا۔ (پ۲۸ التغابن ۶)
أبشرا منا واحدا نتبعہ انا اذا لفی ضلال و سعر۔ (پ۲۷ القمر ۲۴)
قالوا ما انتم الا بشر مثلنا وما انزل الرحمٰن من شیء (پ۲۲ یٰسین ۱۵)
مالھذا الرسول یاکل الطعام ویمشی فی الاسواق۔ (پ۱۸ الفرقان ۷)
ماھذا الا بشر مثلکم یاکل مما تاکلون (پ۱۸ المومنون ۳۳)
انؤمن لبشرین مثلنا وقومھما لنا عابدون (پ۱۸ المومنون ۴۷)

اذ قالوا ما انزل اللہ علی بشر من شیء (پ۷ الانعام ۹۱)
بشر انسان کے معنی میں ہے اس میں کوئی برائی کا پہلو نہیں
اما ترین من البشر احداً ..... فلن اکلم الیوم
انسیاً (پ۱۶ مریم ۲۶)

فرائض رسالت

۱. اللہ کا دین اور حکم لوگوں تک پہنچانا۔
۲. قرآن کریم کی تعلیم اور عملی تفصیل۔ وانزلنا الیک
الذکر لتبین للناس ما نزل الیہم (پ۱۴ النحل ۴۴)
۳. یتلوا علیہم آیاتہ ویزکیہم ویعلمہم الکتب
والحکمۃ۔ (پ۴ آل عمران ۱۶۴)
۴. یعلمکم الکتاب والحکمۃ ویعلمکم ما لم تکونوا
تعلمون۔ (پ۲ البقرہ ۱۵۱)
۵. ایک پاکیزہ اور تزکیہ یافتہ امت بنائے
یخرجہم من الظلمات الی النور باذنہ (پ۶ المائدہ ۱۶)
۶. دنیا کو سیدھی راہ دکھلانا اور بتلانا
انک لتہدی الی صراط مستقیم (پ۲۵ الزخرف ۵۲)
صراط مستقیم پر لاڈالنا آپ کے قبضے میں نہیں اللہ کے اختیار میں ہے
انک لا تہدی من احببت ولکن اللہ یہدی
من یشاء (پ۲۰ القصص ۵۶)
۷. کفر و نفاق دونوں سے جہاد کرنے کا حکم یاایہا
النبی جاھد الکفار والمنافقین واغلظ
علیہم۔ (پ۱۰ التوبہ ۷۳)
۸. اس دین کو دیگر سب ادیان پر غالب کرنا رسالت کی ذمہ داری
ودین الحق لیظہرہ علی الدین کلہ۔
(پ۱۰ التوبہ ۳۳۔ پ۲۶ الفتح ۲۸۔ پ۲۸ الصف ۹)
۹. تبلیغ اور اس راہ میں پیش آنیوالی سختیوں پر صبر
بلغ ما انزل الیک وان لم تفعل فما بلغت رسالتہ
(پ۶ المائدہ ۶۷)

۱۰.

غلبہ رسالت

خدا کا فیصلہ کہ رسول آخر کار غالب آکر رہتے ہیں
کتب اللہ لاغلبن انا ورسلی (پ۲۸ المجادلہ ۲۱)
غلبہ سے مراد دنیا میں بھی غالب آنا ہے۔
انا لننصر رسلنا ..... فی الحیوۃ الدنیا ویوم
یقوم الاشہاد۔ (پ۲۴ المؤمن ۵۱)
رسولوں کا نصرت اور غلبہ دونوں کا وعدہ دیا گیا ہے
انہم لہم المنصورون وان جندنا لہم الغالبون
(پ۲۳ الصافات ۱۷۲)
وللہ العزۃ ولرسولہ وللمؤمنین ولکن المنافقین
(پ۲۸ المنافقون ۸)
یاایہا النبی حسبک اللہ ومن اتبعک من المؤمنین
(پ۱۰ الانفال ۶۴)
لن یضر اللہ شیئاً وسیحبط اعمالہم (پ۲۶ محمد ۳۲)
ویمح اللہ الباطل ویحق الحق (پ۲۵ الشوریٰ ۲۴)
وانتم الاعلون واللہ معکم ولن یترکم اعمالکم (پ۲۶ محمد ۳۵)

غلبۂ رسالت محمدی

۱. وقل جاء الحق و زهق الباطل ان الباطل کان
زهوقا. (پ۱۵ بنی اسرائیل ۸۱)
۲. قل ان ربی یقذف بالحق علام الغیوب (پ۲۲ السبا ۴۸)
قل جاء الحق ومایبدئ الباطل ومایعید
(پ السبا ۴۹)
۳. بل نقذف بالحق علی الباطل فیدمغه
(پ۱۷ الانبیاء ۱۸)
۴. لئن لم ینته المنافقون.... لنغرینك بهم
(پ۲۲ الاحزاب ۶۱)
۵. اذا جاء نصر الله والفتح ورأیت الناس
یدخلون فی دین الله افواجا. (پ۳۰ ۱)
ولا تحسبن الذین کفروا معجزین فی الارض
(پ۱۸ النور ۵۷)
ولسوف یعطیك ربك فترضی (پ۳۰ والضحی)

تربیت رسالت

اللہ تعالیٰ کی طرف سے آنحضرتؐ کو تسلی اور سہارے

۱. واصبر علی مایقولون واهجرهم هجرا
جمیلا. (پ۲۹ المزمل ۱۰)
۲. واصبر کما صبر اولوا العزم من الرسل (پ۲۶ الاحقاف ۳۵)
۳. والله یعصمك من الناس (پ۶ المائدہ ۶۷)
۴. بلغ ما انزل الیك وان لم تفعل فما بلغت
رسالته. (پ۶ المائدہ ۶۷)
۵. واصبر نفسك مع الذین یدعون ربهم
بالغداة والعشی یریدون وجهه ولا تعد
عیناك عنهم. (پ۱۵ الکهف ۲۸)
۶. عفا الله عنك لم اذنت لهم (پ۱۰ التوبہ ۴۳)
۷. عبس وتولی ان جاءه الاعمی (پ۳۰ عبس ۱)
۸. فبما رحمة من الله لنت لهم (پ۴ آل عمران ۱۵۹)
۹. اولئك الذین هدی الله فبهداهم اقتده.
(پ۷ الانعام ۹۰)

اطاعتِ رسالت

وما ارسلنا من رسول الا لیطاع باذن الله
(پ۵ النساء ۶۴)
اطیعوا الله واطیعوا الرسول واولی الامر منکم
(پ۵ النساء ۵۹)
فلیحذر الذین یخالفون عن امره (پ۱۸ النور ۶۳)
ماکان لمؤمن ولا مؤمنة اذا قضی الله و
رسوله امرا
ان یکون لهم الخیرة من امرهم (پ۲۲ الاحزاب ۳۶)
فلا وربك لا یؤمنون حتی یحکموك فیما
شجر بینهم (پ۵ النساء ۶۵)
ما اتاکم الرسول فخذوه ومانهاکم عنه
فانتهوا. (پ۲۸ الحشر ۷)
لقد کان لکم فی رسول الله اسوة حسنة (پ۲۱ الاحزاب ۲۱)
من یطع الرسول فقد اطاع الله (پ۵ النساء ۸۰)

شانِ رسالتِ محمدی

یخرجہم من الظلمات الی النور باذنہ (پ۶ المائدہ ۱۶)

لقد جاءکم رسول من انفسکم ..... بالمؤمنین

رؤف رحیم (پ۱۱ التوبہ ۱۲۸)

النبی الامی الذی یجدونہ مکتوباً عندھم (پ۹ الاعراف ۱۵۷)

یضع عنہم اصرھم الاغلال التی کانت علیہم " "

وما ارسلناک الا رحمۃ للعالمین (پ۱۷ الانبیاء ۱۰۷)

یخرجہم من الظلمات الی النور (پ۳ البقرہ ۲۵۷)

وما کان اللہ لیعذبہم وانت فیہم (پ۹ الانفال ۳۳)

النبی اولیٰ بالمومنین من انفسہم (پ۲۱ الاحزاب ۶)

لبثت فیکم عمرا من قبلہ (پ۱۱ یونس ۱۶)

وما ضل صاحبکم وما غویٰ (پ۲۷ النجم ۲)

وما رمیت اذ رمیت (پ۹ الانفال ۱۷)

انا ارسلناک شاھدا و مبشرا ونذیرا (پ۲۶ الفتح ۸)

فبما رحمۃ من اللہ لنت لہم (پ۴ آل عمران ۱۵۹)

تعزروہ وتوقروہ (پ۲۶ آیت ۹)

الذین یبایعونک انما یبایعون اللہ (پ۲۶ آیت ۱۰)

کف ایدی الناس عنکم ولتکون آیۃ للمومنین (پ۲۶ ۲۰)

واللہ یعصمک من الناس (پ۶ المائدہ ۶۷)

ادبِ رسالت

نام لے کر نہ پکارو جس طرح ایک دوسرے کو پکارتے ہو

لا تجعلوا دعاء الرسول بینکم کدعاء بعضکم

لبعض (پ۱۸ النور ۶۳)

الذین ینادونک من وراء الحجرات اکثرھم

لا یعقلون (پ۲۶ الحجرات ۴)

لا ترفعوا اصواتکم فوق صوت النبی (پ۲۶ الحجرات ۲)

لا تجہروا لہ بالقول کجہر بعضکم لبعض " "

حضورؐ کے پاس حاضر ہوں آپ کو حاضر نہ کریں

ولو انہم اذ ظلموا انفسہم جاءوک (پ۵ النساء ۶۴)

عصمتِ رسالت

ما کان للنبی ان یغل (پ۴ آل عمران ۱۶۱)

ما ارسلنا من رسول الا لیطاع (پ۵ النساء ۶۴)

ما آتاکم الرسول فخذوہ (پ۲۸ الحشر ۷)

انک لتہدی الی صراط مستقیم (پ۲۵ الزخرف ۵۲)

انک لعلیٰ خلق عظیم (پ۲۹ القلم ۴)

اولئک الذین ھدی اللہ (پ۷ الانعام ۹۰)

ولقد راودتہ عن نفسہ فاستعصم

(پ۱۲ یوسف ۳۲)

ختم نبوت حضرت خاتم النبیینؐ

سب سے آخر میں ایک رسول آئے گا تم سب اس

پر ایمان لاؤ۔ واذ اخذ اللہ میثاق النبیین

..... ثم جاءکم رسول (پ۳ آل عمران ۸۱)

ولکن رسول اللہ وخاتم النبیین (پ۲۲ الاحزاب ۴۰)

نزل الفرقان علیٰ عبدہ لیکون للعالمین

نذیرا۔ (پ۱۸ الفرقان ۱)

الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی (پ۶ المائدہ ۳)

یومنون بما انزل الیک وما انزل من قبلک (پ۶ النساء
ورسلاً قد قصصنٰہم علیک ۔۔۔ ورسلاً
لم نقصصہم علیک (پ۶ النساء ۱۶۴)
لا نفرق بین احد من رسلہ (پ۳ البقرہ ۲۸۵)
قل یا ایھا الناس انی رسول اللہ الیکم جمیعًا (پ۹ الاعراف
وما ارسلنٰک الا کافۃ للناس (پ۲۲ السبا ۲۸)
اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول واولی الامر منکم
(پ۵ النساء ۵۹)
واٰخرین منہم لما یلحقوا بھم (پ۲۸ الجمعہ ۳)

کتاب المعجزات والکرامات

پرندوں کا ذبح ہونے کے بعد جڑ جانا

۱. حضرت ابراہیم کے پاؤں تلے آگ کا ٹھنڈا ہونا
یا نار کونی بردًا وسلامًا علیٰ ابراھیم (پ۱۷ انبیاء ۶۹)
۲. حضرت موسیٰ کے لیے دریا میں راہ بننا
واذ فرقنا بکم البحر (پ۱ البقرہ ۵۰)
۳. حضرت داؤد کے ہاتھوں میں لوہے کا نرم ہونا
والنا لہ الحدید (پ۲۲ سبا ۱۰)
۴. پتھر پر چھڑی مارنے سے بارہ چشمے جاری
فقلنا اضرب بعصاک الحجر (پ۱ البقرہ ۶۰)
۵. حضرت سلیمان کے پاس تخت بلقیس کا چلا آنا
انبیاء کے لیے مٹی کے خواص بدلنا
(پ۱۹ النمل ۴۰)

۶. ورفعنا فوقھم الطور (پ۶ النساء ۱۵۴)
۷. حضرت موسیٰ کے عصا کا سانپ بننا
فالقٰھا فاذا ھی حیۃ تسعیٰ (پ۱۶ طٰہٰ ۲۰)

حضرت عیسیٰ کے معجزات

۸. پرندوں کا ذبح ہونے کے بعد پھر جڑ جانا
بیماروں کو بفضل خداوندی شفا دینا
فخذ اربعۃ من الطیر (پ۳ البقرہ ۲۶۰)
۹. ماں کی گود میں کلام کرنا
قال انی عبد اللہ اٰتانی الکتاب (پ۱۶ مریم ۳۰)

حضرت خاتم النبیین کے معجزات

قرآن کریم کا معجزہ
ایسا کلام بنا لانے سے لوگوں کا عاجز ہونا
۱. لا یاتون بمثلہ (پ۱۵ بنی اسرائیل ۸۸)
۲. فان لم تفعلوا ولن تفعلوا (پ۱ البقرہ ۲۴)
۳.
۴.

غیبی خبروں کی تصدیق
۱. رومیوں کے دوبارہ غالب آنے کی خبر (پ۲۱ روم ۲)
۲. کسی مرد کا باپ نہ ہونے کی خبر (پ۲۲ الاحزاب ۴)
۳. فتح مکہ کی خبر (پ۳۰ النصر)
۴. مسلمانوں کے داخل حرم ہونے کی خبر (پ۲۶ الفتح ۲۷)
۵. آئندہ حالات پہلے سے بہتر ہوں گے
(پ۳۰ الضحیٰ)

پہلے نبیوں سے ملاقاتیں

واسئل من ارسلنا قبلک من رسلنا (پ۲۵ الزخرف ۴۵)

جنگ بدر میں مسلمانوں کا اپنے سے دگنا دکھائی دینا

واخریٰ کافرۃ یرونہم مثلیہم رای العین

(پ۳ آل عمران ۱۳)

معجزہ شق القمر

وانشق القمر (پ۲۷ القمر ۱)

کتاب الصحابہ

عام امت اور پیغمبروں کے درمیان صحابہؓ واسطہ ہیں

لتکونوا شہداء علی الناس ویکون الرسول علیکم

شہیداً (پ۲ البقرہ ۱۴۳)

کنتم خیر امۃ اخرجت للناس (پ۴ آل عمران ۱۱۰)

اذا قیل لہم آمنوا کما آمن الناس (پ۱ البقرہ ۱۳)

وکذلک جعلناکم امۃ وسطاً (پ۲ البقرہ ۱۴۳)

ایمان صحابہ کے دل کی زینت تھا اور وہ سب مومن تھے

حبب الیکم الایمان وزینہ فی قلوبکم (پ۲۶ الحجرات ۷)

اولئک ہم المومنون حقاً (پ۹ الانفال ۴)

کفر فسق اور عصیان سے ان کے دلوں کو نفرت تھی

کرہ الیکم الکفر والفسوق والعصیان.

(پ۲۶ الحجرات ۷)

اللہ نے تقویٰ میں ان کے دلوں کا امتحان لیا تھا

اولئک الذین امتحن اللہ قلوبہم للتقویٰ (پ۲۶ الحجرات ۳)

فتح مکہ سے پہلے ایمان لانے والوں کو پچھلے مل نہیں سکتے لیکن جنت کا وعدہ ہر ایک سے ہے

وکلاً وعد اللہ الحسنیٰ (پ۲۷ الحدید ۱۰)

جو ان مومنین کے خلاف چلا وہ جہنمی ہے (پ۵ النساء)

ویتبع غیر سبیل المومنین نولہ ما تولی ونصلہ

جہنم (پ۵ النساء ع ۱۷)

صحابہ سب اللہ کی رضا پا چکے اور خود اس سے راضی ہوئے

رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ.

(پ۱۱ التوبہ ع ۱۳، پ۳۰ البینہ ۸)

کفر کے خلاف سخت اور اپنے میں رحمدل

والذین معہ اشداء علی الکفار رحماء بینہم

(پ۲۶ الفتح ۲۹)

الف بین قلوبکم فاصبحتم بنعمتہ اخواناً (پ۴ آل عمران ۱۰۳)

صحابہ کے عمل کو خدا نے اپنا عمل کہا

فلم تقتلوہم ولکن اللہ قتلہم (پ۹ الانفال ۱۷)

وما رمیت اذ رمیت ولکن اللہ رمی (پ۹ الانفال ۱۷)

انا نحن نزلنا الذکر وانا لہ لحافظون (پ۱۴ الحجر ۹)

صحابہ باہمی قتال میں بھی مومن رہے

وان طائفتان من المومنین اقتتلوا (پ۲۶ الحجرات ۹)

بدر سے جان چھڑانے والے بھی مومن رہے

وان فریقاً من المومنین لکارہون (پ۹ الانفال ۵)

پیغمبر کے ساتھ سوتیلوں میں بھی تمہارے لیے اسوہ ہے

قد کانت لکم اسوۃ حسنۃ فی ابراہیم والذین معہ (پ۲۸ الممتحنہ ۴)

حضرت ابوبکر صدیقؓ کے ایمان پر قرآن کی گواہی

۱۔ یومئذ یفرح المومنون بنصر اللہ (پ۲۱ الروم ۴)

۲۔ فسوف یأتی اللہ بقوم یحبھم (پ۶ المائدہ ۵۴)

حضرت عمرؓ کے ایمان پر قرآن کی گواہی

ان الارض یرثھا عبادی الصالحون (پ۱۷ الانبیاء ۱۰۵)

حضرت صدیقہؓ کی طہارت پر قرآن کی گواہی

ان الذین جاءو بالافک۔۔۔ الآیۃ (پ۱۸ النور ۱۱)

مہاجرین انصار اور ان کے سب پیرووں سے اللہ راضی ہوا۔ (پ۱۱ التوبہ ۱۰۰)

صحابہؓ جہنم کی آگ کی آہٹ تک نہ سن پائیں گے

لا یسمعون حسیسھا (پ۱۷ الانبیاء ۱۰۲)

دورانِ تربیت کی بعض کمزوریاں
اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے عفو و کرم

ان الذین تولوا منکم یوم التقی الجمعان۔۔۔ ولقد عفا اللہ عنھم ان اللہ غفور حلیم (پ۴ آل عمران ۱۵۵)

حتی اذا فشلتم و تنازعتم فی الامر و عصیتم ولقد عفا عنکم واللہ ذو فضل علی المومنین۔ (پ۴ آل عمران ۱۵۲)

جنگ سے جان چھڑانے والے بھی مومن ہی تھے منافق نہ تھے

ان فریقاً من المؤمنین لکارھون (پ۹ الانفال ۵)

صحابہؓ باہمی قتال میں بھی مومن ہی رہے کافر نہ ہوئے

وان طائفتان من المومنین اقتتلوا (پ۲۶ الحجرات ۹)

منکم من یرید الدنیا و منکم من یرید الآخرۃ ولقد عفا عنکم واللہ ذو فضل علی المومنین (پ۴ آل عمران ۱۵۲)

خبر ایمان حضرت ابی بکرؓ

من یرتد منکم عن دینہ (پ۶ المائدہ ۵۴)

یومئذ یفرح المومنون (پ۲۱ الروم ۴)

خبر ایمان حضرت عمرؓ

ان الارض یرثھا عبادی الصالحون (پ۱۷ انبیاء ۱۰۵)

شانِ تطہیر حضرت عائشہؓ (پ۱۸ النور ۱۵۔۱۶)

ازواجِ مطہرات اور اہلبیت کی تطہیر (پ۲۲ الاحزاب ۳۳)

کتاب السیر

حضورؐ کے بعد اسلامی سلطنت تسلسل سے چلے کی یا بغاوت سے؟

وعد اللہ الذین آمنوا منکم وعملوا الصالحات لیستخلفنھم فی الارض (پ۱۸ النور ۵۵)

ولی الامر (خلیفہ) مسلمانوں میں سے ہو

و اولی الامر منکم (پ۵ النساء ۵۹)

اسلامی حکومت کا محور حکم بما انزل اللہ رہے گا (پ۶ المائدہ ۴۹)

الذین ان مکناھم فی الارض اقاموا الصلوٰۃ (پ۱۷ الحج ۴۱)

ولی الامر معصوم نہیں رعیت کے لوگ اس سے تنازع کا حق رکھتے ہیں فان تنازعتم فی شیٔ اور فیصلہ کتاب و سنت کا (پ۵ النساء ۵۹)

انتخاب کی بنا انسانوں کے مساوی حقوق پر

اذا حکمتم بین الناس ان تحکموا بالعدل

یعظکم بہ۔ (پ۵ النساء ۵۸)

حکومت شوریٰ سے چلے گی پر فیصلے کا حق سربراہ کو ہوگا

امرھم شوریٰ بینھم (پ۲۵ الشوریٰ ۳۸)

وشاورھم فی الامر فاذا عزمت فتوکل علی اللہ

(پ۴ آل عمران ۱۵۹)

شوریٰ کے ارکان نماز روزہ و زکوٰۃ میں عملی مسلمان

ہوں (پ۲۵ الشوریٰ ۳۸)

الذین ان مکنٰھم فی الارض اقاموا الصلوٰۃ (پ۱۷ الحج ۴۱)

اقتدار کی امانت اہل لوگوں کے سپرد کرو

ان اللہ یامرکم ان تؤدوا الامانات الیٰ اھلھا (پ۵ النساء ۵۸)

دفاعی تیاریاں جتنی بھی ہوسکیں کرو

واعدوا لھم ما استطعتم من قوۃ (پ۱۰ الانفال ۶۰)

معاہد قوم کے خلاف کسی قوم کی مدد جائز نہیں (پ۱۰ الانفال ۷۲)

معاہد قوم کو خائن پاؤ تو معاہدہ توڑ دو (پ۱۰ الانفال ۵۸)

اسلام کا تصور حکومت جغرافیائی حدود کا نہیں عالمی ہے

انی جاعل فی الارض خلیفہ (پ۱ البقرہ ۳۰)

الذین ان مکنٰھم فی الارض (پ۱۷ الحج ۴۱)

لیظھرہ علی الدین کلہ (پ۲۶ الفتح ۲۸)

لیستخلفنھم فی الارض (پ۱۸ النور ۵۵)

حضورؐ کی خلافت صحیح ہونے کے قرآنی شواہد

۱. ولیبدلنھم من بعد خوفھم امنا (پ۱۸ النور ۵۵)

۲. فسوف یاتی اللہ بقوم یحبھم (پ۶ المائدہ ۵۴)

۳. ان الارض یرثھا عبادی الصالحون (پ۱۷ الانبیاء ۱۰۵)

۴. لیظھرہ علی الدین کلہ وکفیٰ باللہ شہیدا

(پ۲۶ الفتح ۲۸)

مسلمانوں کی ولایت صرف مسلمانوں کا حق ہے

لا تتخذوا عدوی وعدوکم اولیاء (پ۲۸ الممتحنہ ۱)

انا برآء منکم ومما تعبدون من دون اللہ (الممتحنہ ۴)

مال غنیمت میں غانمین کا حصہ

واعلموا انما غنمتم من شیء فان للہ خمسہ و

للرسول (پ۱۰ الانفال ۴۱)

مال فےَ میں فوج کا کوئی حصہ نہیں

ما افاء اللہ علیٰ رسولہ من اھل القریٰ فللہ

والرسول (پ۲۸ الحشر ۷)

اسلام میں انسانی حقوق میں برابری ہے

اقتدار اسلامی میں سب انسان برابر نہیں غیر مسلم

ماتحت ہوکر رہیں

اسلام میں معیشت میں برابری نہیں جو محنت کرے پائے

واللہ فضل بعضکم علیٰ بعض فی الرزق (پ۱۴ النحل ۷۱)

کتاب الجہاد والہجرہ

انی جاعل فی الارض خلیفہ (پ۱ البقرہ ۳۰)

خلافت ارضی میں نیابت خداوندی

اور صفات جمال وجلال کا سایہ

۲. لیستخلفنهم فی الارض (پ۱۸ النور ۵۵)

۳. جعلکم خلفاء من بعد قوم نوح (پ۸ الاعراف ۶۹)

جعلکم خلفاء من بعد عاد (پ۸ الاعراف ۷۴)

جہاد بہ کفار و مشرکین

واعدوا لهم ما استطعتم من قوة (پ۱۰ الانفال ۶۰)

جہاد بہ اہل کتاب

قاتلوا الذین ... حتی یعطوا الجزیة (پ۱۰ توبہ ۲۹)

جہاد بہ اہل الحاد

ان الذین یلحدون فی آیاتنا لا یخفون علینا (پ۲۴ حم سجدہ ۴۰)

جہاد بمقابلہ منافقین

جاهد الکفار والمنافقین واغلظ علیهم (پ۱۰ التوبہ ۷۳)

جہاد نہ کر سکو تو ہجرت کرو

مستضعفین خدا کی پکڑ میں

ان الذین توفاهم الملئکة ظالمی انفسهم قالوا فیما کنتم قالوا کنا مستضعفین (پ۵ النساء ۹۷)

ومن یهاجر فی سبیل الله یجد فی الارض مراغما کثیرا وسعة (پ۵ النساء ۱۰۰)

کتاب خلق العالم

۱. زمین و آسمان کی پیدائش چھ دن میں

خلق السموات والارض فی ستة ایام (پ۲۱ السجدہ ۴)

۲. زمین دو دن میں اور دیگر چیزیں چار دن میں

خلق الارض فی یومین ... وقدر فیها اقواتها فی اربعة ایام (پ۲۴ حم سجدہ ۱۰)

۳. سات آسمان دو دن میں

فقضهن سبع سموات فی یومین (پ۲۴ حم سجدہ ۱۲)

۴. ہر آسمان میں امر الٰہی کا نزول

واوحی فی کل سماء امرها (پ۲۴ حم سجدہ)

۵. آسمان سات اور زمینیں بھی اسی طرح

خلق سبع سموات ومن الارض مثلهن یتنزل الامر بینهن (پ۲۸ الطلاق ۱۲)

۶. آسمان ایک دھوئیں کی شکل میں

ثم استوی الی السماء وهی دخان فقال لها وللارض ائتیا طوعا او کرها قالتا اتینا طائعین (پ۲۴ حم سجدہ ۱۱)

۷. استوی علی العرش (پ۲۱ السجدہ ۴ پ۸ الاعراف ۵۴)

استوی الی السماء (پ۲۴ حم سجدہ)

۸. فرشتوں کو ہزار سال کے انتظامات اور تدابیر ملتی ہیں (پ۲۱ السجدہ ۵)

ثم یعرج الیه فی یوم کان مقداره الف سنة مما تعدون (پ۲۱ السجدہ ۵)

۹. ولقد خلقنا فوقکم سبع طرائق وانزلنا من السماء ماء بقدر فاسکناه فی الارض (پ۱۸ المومنون ۱۷)

۱۰. یغشی اللیل النهار یطلبه حثیثا والشمس والقمر والنجوم مسخرات بامره الا له الخلق والامر (پ۸ الاعراف ۵۴)

١١. وقد خلقكم اطوارًا ... وجعل القمر فيهن نورًا
وجعل الشمس سراجًا (رپ ۲۹ نوح ۱۶)
١٢. وجعلنا من الماء كل شيء حيّ ... وجعلنا
في الارض رواسي ان تميد بهم وجعلنا فيها
فجاجًا سبلًا (رپ ۱۷ الانبياء ۳۱)
١٣. انسان پہلے مٹی سے پھر پانی سے بنا
بدأ خلق الانسان من طين ثم جعل نسله من
سلالة من ماء مهين ثم سواه ونفخ فيه
من روحه (رپ ۲۱ السجده)
١٤. خلق الانسان من صلصال من حما مسنون
والجان خلقناه من قبل من نار السموم (رپ ۱۴ الحجر ۲۷)
١٥. خلقكم من نفس واحدة وخلق منها زوجها
وبث منهما رجالًا كثيرًا ونساءً (رپ ۴ نساء ۱)
١٦. ومن اٰيٰته ان خلق لكم من انفسكم ازواجًا
لتسكنوا اليها (رپ ۲۱ الروم ۲۱) ليسكن اليها (اعراف)
١٧. والانعام خلقها لكم فيها دفء ومنافع و
منها تاكلون ولكم فيها جمال ... وتحمل اثقالكم
(رپ ۱۴ النحل ۷)
١٨. والخيل والبغال والحمير لتركبوها وزينة
(رپ ۱۴ النحل ۸)
١٩. وسخر لكم الليل والنهار والشمس والقمر ...
هو الذي سخر لكم البحر لتاكلوا منه لحمًا طريًا و
تستخرجوا منه حلية تلبسونها (رپ ۱۴ النحل ۱۴)

٢٠. وجعلنا الليل والنهار اٰيتين فمحونا اٰية الليل
وجعلنا اٰية النهار مبصرة ... ولتعلموا عدد
السنين والحساب (رپ ۱۵ بني اسرائيل ۱۲)
٢١. فاخرجنا به ثمرات مختلفا الوانها من
الجبال جدد بيض وحمر مختلف الوانها و
غرابيب سود (رپ ۲۲ الفاطر ۲۷)
٢٢. وان لكم في الانعام لعبرة نسقيكم مما
في بطونه من بين فرث ودم لبنًا خالصًا
سائغًا للشاربين (رپ ۱۴ النحل ۶۶)
٢٣. ومن ثمرات النخيل والاعناب تتخذون
منه سكرًا ورزقًا حسنًا (رپ ۱۴ النحل ۶۶)
٢٤. وشجرة تخرج من طور سيناء تنبت بالدهن
وصبغ للاٰكلين وان لكم في الانعام لعبرة
.... ومنها تاكلون (رپ ۱۸ المؤمنون ۲۱)
٢٥. ومن اٰيٰته ... اختلاف السنتكم والوانكم
(رپ ۲۱ الروم ۲۲)
٢٦. ومن اٰيٰته منامكم بالليل والنهار وابتغاؤكم
من فضله (رپ ۲۱
٢٧. وارتقب يوم تاتي السماء بدخان مبين
يغشى الناس (رپ ۲۵ الدخان)
٢٨. صوركم فاحسن صوركم واليه المصير (رپ ۲۸ تغابن ۳)
٢٩. جاعل الملٰئكة رسلًا اولي اجنحة مثنٰى و
ثلٰث ورباع يزيد في الخلق ما يشاء (رپ ۲۲ فاطر)

۳۰. انزل لکم من الانعام ثمٰنیۃ ازواج یخلقکم فی بطون امھاتکم خلقاً من بعد خلق فی ظلمٰت ثلٰث (پ۲۳ الزمر ۶)

۳۱. خلقنا کم من تراب ثم من نطفۃ ثم من علقۃ ثم من مضغۃ مخلقۃ وغیر مخلقۃ (پ۱۷ الحج ۵)

کتاب البرزخ

۱. ومن وراءھم برزخ الی یوم یبعثون (پ۱۸ المؤمنون ۱۰۰)

۲. النار یعرضون علیھا غدوًا وعشیًا ویوم تقوم الساعۃ ادخلوا اٰل فرعون اشد العذاب. (پ۲۴ المؤمن ۴۶)

۳. مما خطیئٰتھم اغرقوا فادخلوا نارا (پ۲۹ نوح ۲۵)

۴. منھا خلقنا کم وفیھا نعیدکم ومنھا نخرجکم

۵. یثبت اللہ الذین اٰمنوا بالقول الثابت. (پ۱۳ ابراہیم ۲۷)

۶. الیوم تجزون عذاب الھون (پ۷ الانعام ۹۳)

۷. یضربون وجوھھم وادبارھم وذوقوا عذاب الحریق (پ۱۰ الانفال ۵۰)

۸. ولنذیقنھم من العذاب الادنیٰ دون العذاب الاکبر (پ۲۱ السجدہ ۲۱)

حیات شہداء

ولا تقولوا لمن یقتل فی سبیل اللہ اموات بل احیاء ولکن لا تشعرون (پ۲ البقرہ ۱۵۴)

ولا تحسبن الذین قتلوا فی سبیل اللہ امواتًا بل احیاء عند ربھم یرزقون (پ۴ اٰل عمران ۱۶۹)

حیات الشہداء والانبیاء

والذین ھاجروا فی سبیل اللہ ثم قتلوا اوماتوا لیرزقنھم اللہ رزقًا حسنًا. (پ۱۷ الحج ۵۸)

واسئل من ارسلنا من قبلک من رسلنا (پ۲۵ الزخرف)

ولقد اٰتینا موسی الکتاب فلا تکن فی مریۃ من لقائہ (پ۲۱ الم سجدہ ۲۳)

فلما قضینا علیہ الموت ما دلھم علی موتہ الا دابۃ الارض (پ۲۲ السبا ۱۴)

کتاب المعیشت

سب پیداوار میں ہر ایک کا حصہ

ھو الذی خلق لکم ما فی الارض جمیعًا. (پ۱ البقرہ ۲۹)

درجہ معیشت سب کا ایک سا نہیں

نحن قسمنا بینھم معیشتھم فی الحیٰوۃ الدنیا ورفعنا بعضھم فوق بعض درجٰت (پ۲۵ الزخرف ۳۲)

واللہ فضل بعضکم علیٰ بعض فی الرزق (پ۱۴ النحل ۷۱)

مرد عورتوں پر خرچ کریں

الرجال قوامون علی النساء . . . وبما انفقوا
من اموالهم (پ۵ النساء ۳۴)

ولهن مثل الذی علیهن بالمعروف و
للرجال علیهن درجه (پ۲ البقرہ ۲۲۸)

وعلی المولود له رزقهن وکسوتهن (پ۲ البقرہ ۲۳۳)

اہل ثروت غریبوں پر خرچ کریں

ومما رزقنهم ینفقون (پ۱ البقرہ ۳)

ماذا ینفقون قل العفو (پ۲ البقرہ ۲۱۹)

وفی اموالهم حق للسائل والمحروم (پ۲۶ الذاریات)

فقدموا بین یدی نجواکم صدقه (پ۲۸ المجادلہ ۱۲)

وراثت میں حصے یکساں نہیں

لکل جعلنا موالی مما ترك الوالدان والاقربون
(پ۵ النساء ۳۳)

یوصیکم الله فی اولادکم للذکر مثل حظ
الانثیین . (پ۴ النساء

مال جمع کرنے پر الٰہی ناراضگی

والذین یکنزون الذهب والفضة (پ۱۰ التوبہ ۳۴)

ارءیت الذی یکذب بالدین (پ۳۰ الماعون)

امیر اپنے مال کا سالانہ حساب کریں

نقد سے سالانہ زکوٰۃ

پیداوار سے ہر فصل پر عشر

وسائل معیشت میں سب کا حصہ

احل لکم صید البحر وطعامه متاعاً لکم و
للسیارۃ وحرم علیکم صید البر ما دمتم
حرما (پ۷ المائدہ ۹۶)

احل لکم الطیبات وما علمتم من الجوارح
(پ۶ المائدہ ۴)

وان لکم فی الانعام لعبرۃ نسقیکم مما فی بطونه
(پ۱۴ النحل ۶۶)

سود اور جوئے کی حرمت

واحل الله البیع وحرم الربا (پ البقرہ ۲۷۵)

الذین یاکلون الربا لا یقومون الا کما یقوم
الذی یتخبطه الشیطان من المس
(پ۳ البقرہ ۲۷۵)

یسئلونك عن الخمر والمیسر قل فیهما اثم
کبیر (پ

کتاب المعاشرت

انما المؤمنون اخوۃ (پ۲۶ الحجرات ۱۰)

فاصبحتم بنعمته اخوانا (پ۴ آل عمران ۱۰۳)

ماں باپ کے حقوق

لا تعبدون الا الله وبالوالدین احسانا (پ۵ النساء ۳۶)

لا تشرکوا به شیئاً وبالوالدین احساناً

(پ البقرہ ۸۳)

وقضی ربک ان لا تعبدوا الا ایاہ وبالوالدین

احساناً (پ۱۵ بنی اسرائیل ۲۳)

ان اشکرلی ولوالدیک (پ۲۱ لقمان ۱۴)

لا تقل لهما اف ولا تنهرهما (پ۱۵ بنی اسرائیل ۲۳)

ووصینا الانسان بوالدیه حسنا (پ۲۰ العنکبوت ۸)

اولاد کے حقوق

لا تقتلوا اولادکم خشیة املاق (پ الانعام ۱۵۱)

المال والبنون زینة الحیوة الدنیا (پ۱۵ الکہف ۴۶)

بچے کا خرچہ باپ کے ذمہ ہے

وعلی المولود له رزقهن وکسوتهن (پ۲ البقرہ ۲۳۳)

خاوند بیوی کے حقوق

وجعلنا للمتقین اماما (پ۱۹ الفرقان ۷۴)

عورتوں کا نفقہ مردوں کے ذمہ ہے

وبما انفقوا من اموالهم (پ۵ النساء ۳۴)

انہیں وہاں بساؤ جہاں خود رہو

اسکنوهن من حیث سکنتم من وجدکم

(پ۲۸ الطلاق ۶)

هن لباس لکم وانتم لباس لهن (پ۲ البقرہ ۱۸۷)

یدنین علیهن من جلابیبهن (پ۲۲ الاحزاب ۵۹)

واذا بلغ الاطفال منکم الحلم فلیستأذنوا

(پ۱۸ النور ۵۱)

نکاح کے لیے ایک دین

ولا تنکحوا المشرکین حتی یؤمنوا (پ۲ البقرہ ۲۲۱)

فان علمتموهن مؤمنات فلا ترجعوهن

الی الکفار (پ۲۸ الممتحنہ ۱۰)

والمحصنت من الذین اوتوا الکتاب من

قبلکم (پ۶ المائدہ ۵)

انسانوں میں بعض کو بعض پر فضیلت

الرجال قوامون علی النساء بما فضل الله

بعضهم علی بعض (پ۵ النساء ۳۴)

والله فضل بعضکم علی بعض فی الرزق

(پ۱۴ النحل ۷۱)

فضلنا بعضهم علی بعض (پ۱۵ بنی اسرائیل ۲۱)

تلک الرسل فضلنا بعضهم علی بعض

(پ۳ البقرہ ۲۵۳)

وللرجال علیهن درجة (پ۲ البقرہ ۲۲۸)

کسی مسکین کو ناراضگی کے باعث محروم نہ کریں

ولا یأتل اولوا الفضل منکم والسعة

(پ۱۸ النور ۲۲)

خرچ کرنے میں میانہ روی اختیار کرو

ولا تجعل یدک مغلولة الی عنقک ولا

تبسطها (پ۱۵ بنی اسرائیل ۲۹)

مومنین کے مال میں یتیموں کا حق ہے (پ۲۹ المعارج)

وفی اموالهم حق للسائل والمحروم (پ۲۶ الذاریات ۱۹)

یتیم کو دھتکارنے والا دین کا مکذب ہے (پ۳۰ الماعون)

مقروض کو سہولت تک مہلت دو

وان کان ذو عسرۃ فنظرۃ الی میسرۃ (پ۳ البقرۃ ۲۸۰)

مناسب بات کہنا احسان مند صدقہ سے بڑی نیکی ہے

قول معروف ومغفرۃ خیر من صدقۃ یتبعها اذی (پ۳ البقرۃ ۲۶۳)

سلام کا جواب اس سے بہتر پیرایہ میں دو

واذا حییتم بتحیۃ فحیوا باحسن منها (پ۵ النساء ۸۶)

لا تدخلوا بیوتا غیر بیوتکم حتی تستأنسوا وتسلموا علی اهلها (پ۱۸ النور ۲۷ ، ۲۱)

واذا خاطبهم الجاهلون قالوا سلاما (پ۱۹ الفرقان ۶۳)

واقصد فی مشیک واغضض من صوتک

عورتوں کا اصلاحِ معاشرہ کا حلقہ

کتاب التقلید والاجتہاد

فطرت یہی ہے کہ یا خود علم پاؤ یا دوسروں کی مانو

لو کنا نسمع او نعقل ما کنا فی اصحاب السعیر (پ۲۹ الملک ۱۰)

دین ہے سب کے لیے مگر اسے جانتے صرف عالم ہیں

نضربها للناس وما یعقلها الا العالمون (پ۲۰ العنکبوت ۴۳)

جو عالم نہیں وہ اہل علم سے جو دلائل جانتے ہیں پوچھے

فاسئلوا اهل الذکر ان کنتم لا تعلمون (پ۱۴ النحل ۴۳)

صرف انبیاء کی نہیں دوسرے انعام یافتہ اہل علم کی بھی اتباع چاہیے

صراط الذین انعمت علیهم

اللہ کے آگے جھکے ہوئے اہل علم سب لائق اتباع ہیں

واتبع سبیل من اناب الی (پ۲۱ لقمان ۱۵)

انبیاء کے ساتھیوں میں بھی تمہارے لیے اسوہ حسنہ ہے

قد کانت لکم اسوۃ حسنۃ فی ابراهیم والذین معه (پ۲۸ الممتحنہ ۴)

حضورؐ کے ساتھیوں کے خلاف چلنا بھی جہنم کی راہ ہے

من یشاقق الرسول ... ویتبع غیر سبیل المؤمنین نولہ ما تولی ونصلہ جهنم (پ۵ النساء ۱۱۵)

آنحضرتؐ اور صحابہؓ کے بعد ائمہ مجتہدین کی پیروی

اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول واولو الامر منکم (پ۵ النساء ۵۹)

اہل علم ہی مسائل میں اجتہاد کر سکتے ہیں

ولو ردوہ الی الرسول والی اولی الامر منهم لعلمه الذین یستنبطونه (پ۵ النساء ۸۳)

ہر ایک فقیہ بنے ضروری نہیں دوسرے ان کا فتویٰ مانیں

فلولا نفر من کل فرقۃ منهم طائفۃ لیتفقهوا فی الدین (پ۱۱ التوبہ ۱۲۲)

پیروی انہی آباء کی ہو جو علم اور ہدایت کا نور رکھتے ہیں

قالوا حسبنا ما وجدنا علیه آباءنا (پ۷ المائدہ ۱۰۴)

پیروی انہی آبا کی ہو جو علم کا نور رکھتے ہیں

اولو کان اباءھم لا یعقلون شیئاً ولا یھتدون

(پ۲ البقرہ ۱۷۰)

واتبعت ملۃ اباءی ابراھیم واسماعیل و

اسحٰق ویعقوب (پ۱۲ یوسف ۳۸)

کتاب اعمال القلب

قلب کے حالات کا بیان

لا تعمی الابصار ولکن تعمی القلوب (پ۱۷ الحج ۴۶)

بل ران علیٰ قلوبھم (پ۳۰ المطففین ۱۴)

ختم اللہ علیٰ قلوبھم وعلیٰ سمعھم (پ۱ البقرہ ۷)

انا جعلنا علیٰ قلوبھم اکنۃ ان یفقھوہ (پ۱۵ الکہف ۵۷)

لا تطع من اغفلنا قلبہ عن ذکرنا (پ۱۵ الکہف ۲۸)

سنلقی فی قلوب الذین کفروا الرعب (پ۴ آل عمران ۱۵۱)

دلوں کے دھونے کی دعوت

یتلوا علیھم اٰیاتہ ویزکیھم (پ۴ آل عمران ۱۶۴)

یعلمھم الکتٰب والحکمۃ ویزکیھم (پ۱ البقرہ ۱۲۹)

تطھرھم وتزکیھم بھا وصل علیھم ان صلوٰتک

سکن لھم (پ۱۱ التوبہ ۱۰۳)

کنتم اعداء فالف بین قلوبکم (پ۴ آل عمران ۱۰۳)

الا من اتی اللہ بقلب سلیم

ومن یکتمھا فانہ اٰثم قلبہ

اثبات الالہام والبیعۃ

الست بربکم قالوا بلیٰ (پ۲۰ القصص ۷)

واوحینا الیٰ ام موسیٰ (پ۱۴ النحل ۶۸)

واوحیٰ ربک الی النحل (پ۹ الاعراف ۱۷۲)

علم نبوت

فبھداھم اقتدہ

علم لدنی اور علم نبوت

وعلمناہ من لدنا علما (پ۱۶ الکہف ۶۵)

بیعت توبہ وسلوک

اذا جاءک المؤمنات یبایعنک (پ۲۸ الممتحنہ ۱۲)

وعلمک مالم تکن تعلم

بیعت جہاد

یبایعونک انما یبایعون اللہ (پ۲۶ الفتح ۱۰)

التزام مجالس الخیر

لا تقعد بعد الذکریٰ مع القوم الظالمین

(پ۷ الانعام ۶۸)

واصبر نفسک مع الذین یدعون ربھم بالغداۃ

والعشی (پ۱۵ الکہف ۲۸)

ولا تطرد الذین یدعون ربھم بالغداۃ والعشی

(پ۷ الانعام ۵۲)

لا تقم فیہ ابدا

اتقوا اللہ وکونوا مع الصادقین (پ۱۱ التوبہ ۱۱۹)

عوام کے لیے تقیہ کی رخصت

۱. لا یتخذ المؤمنون الکافرین اولیاء من دون المؤمنین ... الا ان تتقوا منهم تقاۃ۔
(پ۳ آل عمران ۲۸)

۲. الا من اکرہ وقلبہ مطمئن بالایمان
(پ۱۴ النحل ۱۰۶)

اونچے ارباب عزیمت کسی سے نہیں ڈرتے

۱. انی لا یخاف لدی المرسلون (پ۱۹ النمل ۱۰)

۲. یخشونہ ولا یخشون احداً الا اللہ (پ۲۲ احزاب ۳۹)

۳. ومن لم یحکم بما انزل اللہ فاولئک هم (پ۶ المائدہ ۴۷)

۴. لا خوف علیهم ولا هم یحزنون (پ۱۱ یونس ۶۲)

کتاب اشراط الساعۃ

ان زلزلۃ الساعۃ شیء عظیم (پ۱۷ الحج ۱)

حتی اذا فتحت یاجوج وماجوج (پ۱۷ الانبیاء ۹۶)۔

اخرجنا لهم دابۃ الارض (پ۲۰ النمل ۸۲)

نزول عیسیٰ بن مریم

وانہ لعلم للساعۃ فلا تمترن بها (پ۲۵ الزخرف ۶۱)

یہود ونصاریٰ دونوں قومیں انکی وفات سے پہلے مسلمان ہوں گی۔

وان من اهل الکتاب الا لیؤمنن بہ قبل موتہ
(پ۶ النساء ۱۵۹)

وجاعل الذین اتبعوک فوق الذین کفروا الی یوم القیامۃ (پ۳ آل عمران ۵۵)

ویعلمہ الکتاب والحکمۃ والتوراۃ والانجیل
(پ۳ آل عمران ۴۸)

حیات عیسیٰ بن مریم

فمن یملک من اللہ شیئاً ان اراد ان یهلک المسیح ابن مریم (پ۶ المائدہ ۱۷)

مظلوم آیات جن پر الحاد کی مشقیں ہوتی ہیں

آیات الٰہیہ میں الحاد سے کام لینے والے اللہ پر اور اللہ والوں پر مخفی نہیں رہتے الحاد کا انجام آگ ہے

ان الذین یلحدون فی آیاتنا لا یخفون علینا
(پ۲۴ حم سجدہ ۴۰)

مباحث النصاریٰ

وعندهم التوراۃ فیها حکم اللہ (پ۶ المائدہ ۴۳)

قل فأتوا بالتوراۃ فاتلوها (پ۴ آل عمران ۹۳)

ولهم علی ذنب فاخاف ان یقتلون
(پ۱۹ الشعراء ۱۴)

لیغفر لک اللہ ما تقدم من ذنبک (پ۲۶ الفتح ۲)

لاتبدیل لکلمات الله (پ۱۱ یونس ۶۴)

فبهداهم اقتده (پ۷ الانعام ۹۰)

فی مباحث الملاحدة القادیانیة

عالم ارواح کی بات امت محمدیہ پر لگادی

یابنی ادم امایاتینکم رسل منکم (پ۸ الاعراف ۳۵)

الله یصطفی من الملئکة رسلاً ومن الناس (پ۱۷ الحج ۷۵)

مبشرا برسول یأتی من بعد اسمه احمد (پ۲۸ الصف ۶)

وبالاٰخرة هم یوقنون (پ۱ البقرہ ۴)

فاولئک مع الذین انعم الله علیهم (پ۵ النساء ۶۹)

ولکن رسول الله وخاتم النبیین (پ۲۲ الاحزاب ۴۰)

واٰخرین منهم لما یلحقوا بهم (پ۲۸ الممتحنہ ۳)

وما محمد الا رسول قد خلت من قبله الرسل (پ۴ آل عمران ۱۴۴)

یاعیسی انی متوفیک ورافعک الی (پ۳ آل عمران ۵۵)

فلما توفیتنی کنت انت الرقیب علیهم (پ۷ المائدہ ۱۱۷)

ولو تقول علینا بعض الاقاویل لاخذنا (پ۲۹ الحاقہ ۴۴)

فی مباحث الرافضہ

انما یرید الله لیذهب عنکم الرجس اهل البیت (پ۲۲ الاحزاب ۳۳)

انا نحن نزلنا الذکر وانا له لحافظون (پ۱۴ الحجر ۹)

واذ ابتلیٰ ابراھیم ربہ بکلمات قال انی جاعلک
للناس اماما (پ۱ البقرہ ۱۲۴)
یوم ندعوا کل اناس بامامھم (پ۱۵ بنی اسرائیل ۷۱)
فاغسلوا وجوھکم ..... وامسحوا برءوسکم
وارجلکم (پ۶ المائدہ ۶)
الا علی ازواجھم او ما ملکت ایمانھم (پ۱۸ المومنون ۶)
فما استمتعتم بہ منھن فاٰتوھن اجورھن
فریضۃ (پ۵ النساء ۲۴)

تامرون بالمعروف وتنھون عن المنکر و
تؤمنون باللہ (پ۴ آل عمران ۱۱۰)
ولقد اٰتینا موسی الکتب ... وقوم نوح (پ۱۹ الفرقان ۳۷)
وعملوا الصلحت واٰمنوا بما نزل علی محمد (پ۲۶ محمد ۲)

ماضی مضارع کے معنی میں

ونفخ فی الصور (پ۲۳ یٰسین ۵۱)

الا من اکرہ وقلبہ مطمئن بالایمان (پ۱۴ النحل ۱۰۶)
فلیس من اللہ فی شیء الا ان تتقوا منہ تقاۃ.
(پ۳ آل عمران ۲۸)
ان الذین توفاھم الملئکۃ ظالمی انفسھم
(پ۵ النساء ۹۷)

القواعد العلمیۃ فی العبارات العربیۃ

واؤ ترتیب کے لیے نہیں

یؤتون الزکوٰۃ والذین ھم بایاتنا یؤمنون
(پ۹ الاعراف ۱۵۶)
یامریم اقنتی واسجدی وارکعی (پ۳ آل عمران ۴۳)

لفظ اہل کی مناسبت سے مؤنث کے لیے مذکر کی ضمیریں

قال لاھلہ امکثوا انی اٰنست نارا (پ۲۰ القصص ۲۹)
رحمۃ اللہ وبرکاتہ علیکم اھل البیت (پ۱۲ ھود ۷۳)
انما یرید اللہ لیذھب عنکم الرجس اھل
البیت (پ۲۲ الاحزاب ۳۳)
ھل ادلکم علی اھل بیت یکفلونہ (پ۲۰ القصص ۱۲)

ضمیر کا مرجع عین مرجع نہ ہو اس کی جنس سے ہو

یتوفاکم باللیل ویعلم ما جرحتم بالنھار
ثم یبعثکم فیہ (پ۷ الانعام ۶۰)

انتشار ضمائر

وتعزروہ وتوقروہ وتسبحوہ (پ۲۶ الفتح)

الامر الاستحباب ولیس للوجوب

فاذا حللتم فاصطادوا (پ۶ المائدہ ۲)

لا تواعدوھن سرا الا ان تقولوا (پ۲ البقرہ ۲۳۵)

استشہاد واقع غیر واقع کے پیرایہ میں

ان اراد ان یہلک المسیح ابن مریم و امہ و
من فی الارض جمیعا (پ۶ المائدہ ۱۷)

جعل تکوینی تشریع نہیں

عمل کسی اور پیرایہ میں اسباب سے ہوا

جعلکم ملوکا و اتکم مالم یؤت احدا (پ۶ المائدہ ۲۰)

جعل اللہ الکعبۃ البیت الحرام قیاما
للناس (پ۷ المائدہ ۹۷)

انا جعلنا علی قلوبہم اکنۃ ان یفقہوہ (پ۱۵ الکہف ۵۷)

فالف بین قلوبکم فاصبحتم بنعمتہ اخوانا (پ۴ آل عمران ۱۰۳)

لا تطع من اغفلنا عن ذکرنا (پ۱۵ الکہف ۲۸)

وعد اللہ الذین امنوا منکم وعملوا الصلحت
لیستخلفنہم فی الارض (پ۱۸ النور ۵۵)

آمین دعا ہے حضرت ہارون کی آمین

قد اجیبت دعوتکما (پ۱۱ یونس ۸۹)

قرآن کریم میں مذکور انبیاء کرام

حضرت آدم علیہ السلام

پ۱ البقرہ ۳۱، ۳۳، ۳۴، ۳۵، ۳۷

پ۸ الاعراف ۱۱، ۱۹، ۲۶، ۲۷، ۳۱، ۳۵، ۱۷۲

پ۱۶ طہٰ ۱۱۵، ۱۱۶، ۱۱۷، ۱۲۰، ۱۲۱

پ۳ آل عمران ۳۳، ۵۹ پ۱۵ الاسراء ۶۱، ۷۰

حضرت نوح علیہ السلام

پ۱۲ ہود ۲۵، ۳۲، ۳۶، ۴۲، ۴۵، ۴۶، ۴۸، ۸۹

پ۱۹ الشعراء ۱۰۵، ۱۰۶، ۱۱۶ پ۲۹ نوح ۱، ۲۱، ۲۶

پ۸ الاعراف ۵۹، ۶۰ پ۱۵ الاسراء ۳، ۱۷

پ۲۳ الصافات ۷۵، ۷۹

پ۲۴ المومن ۵، ۳۱

حضرت ادریس علیہ السلام

پ۱۶ مریم ۵۶ پ۱۷ الانبیاء ۸۰

حضرت ہود علیہ السلام

پ۱۲ ہود ۵۰۔۵۳۔۵۸۔۶۰۔۸۹

پ۸ الاعراف ۶۵ پ۱۹ الشعراء ۱۲۴

حضرت صالح علیہ السلام

پ۱۲ ہود ۶۱۔۶۲۔۶۶۔۸۹

پ۸ الاعراف ۷۳۔۷۵۔۷۷ پ۱۹ الشعراء ۱۴۲

حضرت ابراہیم علیہ السلام

پ۱ البقرہ ۱۲۴۔۱۲۵۔۱۲۶۔۱۲۷۔۱۳۰۔۱۳۲

۱۳۳۔۱۳۵۔۱۳۶۔۱۴۰۔۱۵۸۔۱۶۰

پ۳ آل عمران ۳۳۔۳۵۔۶۷۔۶۸۔۸۴۔۹۵۔۹۷

پ۵ النساء ۵۴۔۱۲۵۔۱۶۳

پ۷ الانعام ۷۴۔۷۵۔۸۳۔۱۵۱

پ۱۲ ہود ۶۹۔۷۴۔۷۵۔۷۶

پ۱۷ الانبیاء ۵۱۔۶۰۔۶۲۔۶۹

پ۱۶ مریم ۴۱۔۴۶۔۵۸

پ۱۷ الحج ۲۶۔۴۳۔۷۸

پ۲۳ الصافات ۸۳۔۱۰۴۔۱۰۹

پ۱۱ التوبہ ۷۰۔۱۱۴ پ۱۴ النحل ۱۲۰۔۱۲۳

پ۱۲ یوسف ۶۔۳۸ پ۱۹ العنکبوت ۱۶۔۳۱

پ۱۳ ابراہیم ۳۶

حضرت لوط بن ہاران علیہ السلام

پ۷ الانعام ۸۶۔۹۰ پ۸ الاعراف ۸۰۔۸۴

پ۲۰ العنکبوت ۲۸۔۳۰۔۳۲۔۳۵

پ۱۲ ہود ۷۴۔۸۳ پ۱۹ الشعراء ۱۶۰۔۱۷۳

پ۱۴ الحجر ۵۸۔۷۷ پ۲۶ الذاریات ۳۲۔۳۷

پ۲۸ التحریم ۱۰ پ۱۷ الانبیاء ۷۴۔۷۵

پ۲۳ الصافات ۱۳۳۔۱۳۸

حضرت اسماعیل علیہ السلام

پ۱ البقرہ ۱۲۵۔۱۲۹

پ۲۳ الصافات ۱۰۱۔۱۰۷

پ۱۷ الانبیاء ۵۸ پ۱۶ مریم ۵۴۔۵۵

پ۷ الانعام ۸۶۔۹۰ پ۲۳ ص ۴۸

حضرت اسحٰق علیہ السلام

پ۱ البقرہ ۱۳۳ پ۷ الانعام ۸۴۔۹۰

پ۱۲ ہود ۷۱ پ۲۳ ص ۴۵۔۴۷

پ۱۷ انبیاء ۷۲۔۷۳ پ۲۳ الصافات ۱۱۲۔۱۱۳

حضرت یعقوب علیہ السلام

پ۱ البقرہ ۱۳۲ پ۴ آل عمران ۹۳

پ۱۳ یوسف ۸۴۔۱۰۱ پ۱۷ انبیاء ۷۲۔۷۳

پ۲۳ ص ۴۵۔۴۷ پ۲۴ المومن ۳۴

حضرت یوسف علیہ السلام

پ۱۲ یعلمک من تاویل الاحادیث ۶

پ۱۲ لقد کان فی یوسف واخوتہ آیات للسائلین

ولما بلغ اشدہ آتیناہ حکماً وعلماً ۲۲

قال رب السجن احب الی مما یدعوننی الیہ ۳۳

واتبعت ملة اباءی ابراهیم واسحق ویعقوب ۳۸
ولقد همت به وهم بها لولا ان رای برهان ربه ۲۴

حضرت شعیب علیہ السلام

پ۸ الاعراف ۸۵۔۹۳ پ۱۲ ہود ۸۴۔۹۵
پ۱۴ الحجر ۷۸۔۹۰، پ۱۹ الشعراء ۱۷۶۔۱۸۹
پ۲۰ العنکبوت ۳۶۔۳۷

انبیاء بنی اسرائیل

حضرت موسیٰ علیہ السلام

حضرت موسیٰ کی والدہ کی شان

وربطنا علی قلبها (پ۲۰ القصص ۱۰)
واوحینا الی ام موسیٰ (پ۲۰ القصص)
اذ اوحینا الی امك ما یوحیٰ (پ۱۶ طٰہٰ ۳۸)
فخرج منها خائفا یترقب (پ۲۰ القصص)
ولما ورد ماء مدین وجد علیه امة من
الناس یسقون (پ۲۰ القصص)
واصطنعتك لنفسی (پ۱۶ طٰہٰ)
وانا اخترتك فاستمع لما یوحیٰ (پ۱۶ طٰہٰ)
فذانك برهانان من ربك (القصص)
واحلل عقدة من لسانی (طٰہٰ)
لا تخف انی لا یخاف لدی المرسلون پ۱۹ النمل ۷
فلا تکن فی مریة من لقائه (پ۲۱ السجدہ ۲۳)
قال قد اجیبت دعوتکما (پ۱۱ یونس ۸۹)

فاوجس فی نفسه خیفة موسیٰ (طٰہٰ)
پ۹ الاعراف ۱۴۳۔۱۵۷
پ۱۹ الشعراء ۱۰۔۱۴ فرقان ۳۵
پ۳۰ النازعات ۱۵
ذکر قارون پ۲۰ القصص ۷۶تا۸۲ پ۲۰ العنکبوت ۳۹
پ۲۴ المومن ۲۳
ذکر هامان وقال فرعون یا هامان ابن لی صرحا
پ۲۴ المومن ۳۶
فاوقد لی یا هامان علی الطین فاجعل لی
صرحا پ۲۰ القصص
ذکر فرعون ارسلنا موسیٰ ..... الی فرعون
وهامان وقارون پ۲۴ المومن ۲۳

حضرت ہارون علیہ السلام

وقال موسیٰ لاخیه هارون اخلفنی فی قومی
واصلح پ۹ الاعراف
واجعل لی وزیرا من اهلی هارون اخی
پ۱۶ طٰہٰ ۳۰
ووهبنا له من رحمتنا اخاه هارون نبیا
پ۱۶ مریم ۵۳

حضرت داؤد علیہ السلام

ولقد اتینا داؤد منا فضلا ... والنا له الحدید
پ۲۲ السباء ۱۰
وقتل داؤد جالوت پ البقرہ ۲۵۱

واذکر عبدنا داؤد پ۲۳ ص ۱۷-۲۶

واتینا داود زبورا پ۶ النساء ۱۶۳

لعن الذین کفروا...... علی لسان داود

وعیسی ابن مریم پ۶ المائدہ ۷۸

حضرت سلیمان علیہ السلام

واتینا داود وسلیمان علما و ورث سلیمان

داود. پ۱۹ النمل ۱۵

وحشر لسلیمان جنودہ من الجن والانس و

الطیر. پ۱۹ النمل ۱۷

ولسلیمان الریح عاصفۃ تجری بامرہ الی

الارض. پ۱۷ الانبیاء ۸۰

ماتتلوا الشیاطین علی ملک سلیمان. پ۱ البقرہ ۱۰۲

حضرت یونس علیہ السلام

وذا النون اذ ذھب مغاضبا پ۱۷ الانبیاء ۸۷

ولا تکن کصاحب الحوت پ۲۹ القلم ۴۸

اذ ابق الی الفلک المشحون فساھم پ۲۳ الصافات ۱۴۰

فنفعہا ایمانہا الا قوم یونس پ۱۱ یونس ۹۸

حضرت ایوب علیہ السلام

واذکر عبدنا ایوب اذ نادی ربہ انی مسنی

الشیطان. پ۲۳ ص ۴۱

انی مسنی الضر وانت ارحم الراحمین فاستجبنا لہ

پ۱۷ الانبیاء ۸۴

حضرت زکریا علیہ السلام

ھنالک دعا زکریا ربہ پ۳ آل عمران

انبتہا نباتا حسنا وکفلہا زکریا پ۳ آل عمران ۳۷

واذکر رحمۃ ربک عبدہ زکریا پ۱۶ مریم ۱

وزکریا اذ نادی ربہ رب لا تذرنی فردا پ۱۷ الانبیاء ۸۹

حضرت یحیی علیہ السلام

یا یحیی خذ الکتاب بقوۃ واتیناہ الحکم صبیا پ۱۶ مریم ۱۲

لم نجعل لہ من قبل سمیا پ۱۶ مریم ۷

حضرت الیسع علیہ السلام

واسمٰعیل والیسع ویونس ولوطا پ۷ الانعام ۸۶

واذکر اسمٰعیل والیسع وذا الکفل پ۲۳ ص ۴۸

حضرت الیاس علیہ السلام

وان الیاس لمن المرسلین پ۲۳ الصافات ۱۳۲

وزکریا ویحیی وعیسی والیاس پ۷ الانعام ۸۵

حضرت ذو الکفل علیہ السلام

واسمٰعیل وادریس وذا الکفل پ۱۷ الانبیاء ۸۵

الیسع وذا الکفل وکل من الاخیار پ۲۳ ص ۴۸

حضرت عزیر علیہ السلام

اوکالذی مر علی قریۃ وھی خاویۃ علی عروشہا

پ۳ البقرہ ۲۵۹

وقالت الیہود عزیر ابن اللہ پ۱۰ التوبہ ۳۰

حضرت عیسی ابن مریم علیہ السلام

واذ قالت الملئکۃ یا مریم ان اللہ اصطفاک پ۳ آل عمران ۴۲

وقولهم انا قتلنا المسیح عیسیٰ ابن مریم رسول اللہ
پ۶ النساء ۱۵۷

انما المسیح عیسیٰ بن مریم رسول اللہ وکلمته
پ۶ النساء ۱۷۱

لقد کفر الذین قالوا ان اللہ هو المسیح بن مریم
پ۶ المائدہ ۷۲

ما المسیح بن مریم الا رسول قد خلت من قبله
الرسل . پ۶ المائدہ ۷۵

لعن الذین کفروا من بنی اسرائیل علیٰ
لسان داود عیسیٰ بن مریم

واذ علمتک الکتاب والحکمة والتوراة والانجیل
پ۷ المائدہ ۱۱۰

وانه لعلم للساعة فلا تمترن بها پ۲۵ الزخرف ۶۱

مصدقًا لما بین یدی من التوراة ومبشرًا
برسولٍ یاتی من بعدی . پ۲۸ الصف ۶

فایدنا الذین امنوا علیٰ عدوهم فاصبحوا
ظاهرین . پ۲۸ الصف ۲

واٰوینٰهما الیٰ ربوة ذات قرارٍ ومعین
پ

حضرت خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم

میثاق النبیین میں آخر میں آنے والے رسول کی خبر
ثم جاءکم رسول مصدقٌ لما معکم پ۳ آل عمران ۸۱

دعاء ابراہیم علیہ السلام درباره اولاد اسمٰعیل
ربنا وابعث فیهم رسولًا منهم پ۱ البقرہ ۱۲۹

بشارت حضرت عیسیٰ بن مریم کہ اب ایک آئے گا
ومبشرًا برسولٍ یاتی من بعدی اسمه احمد
پ۲۸ الصف ۶

آنے والا رسول اُمیین میں آئے گا
هو الذی بعث فی الامیین رسولًا منهم پ۲۸ الجمعہ ۲

تورات وانجیل میں اس کی خبریں ہوں گی پ۹ الاعراف ۱۵۷
الذی یجدونه مکتوبًا عندهم فی التوراة والانجیل

حضرتؐ کی رسالت کا بیان

وارسلنٰک للناس رسولًا وکفیٰ باللہ شهیدًا پ۵ النساء ۷۹
قل یا ایها الناس انی رسول اللہ الیکم جمیعًا پ۹ الاعراف ۱۵۸
انک لمن المرسلین علیٰ صراط مستقیم پ۲۲ یٰسین ۲

حضرت کی بشریت کا بیان

سبحان ربی هل کنت الا بشرًا رسولًا پ
وما جعلنا لبشر من قبلک الخلد پ۱۷ الانبیاء ۳۴
قل انما انا بشر مثلکم یوحیٰ پ

انبیاء میں بعض سے بعض افضل ہیں

تلک الرسل فضلنا بعضھم علی بعض پ البقرہ

ولقد فضلنا بعض النبیین علی بعض پ بنی اسرائیل ۵۵

لانفرق بین احد من رسلہ پ ۲۸۵ میں

تفریق کی نفی ہے فرقِ مراتب کی نہیں۔

حضرت خاتم النبیین نبیوں کے سردار ہیں

وعلمك مالم تکن تعلم وکان فضل اللہ علیك

عظیماً۔ پ

ماکان محمدٌ اباً احد من رجالکم ۔۔۔۔ و

خاتم النبیین۔ پ الاحزاب

ثم جاءکم رسول مصدق مامعکم لتومنن

بہ ولتنصرنہ۔ پ آل عمران

حضورؐ کی رسالتِ عامہ سب بنی نوعِ انسان کے لیے

اوحی الیّ ھذا القرآن لانذرکم بہ ومن بلغ

پ الانعام ۱۹

نزّل الفرقان علی عبدہ لیکون للعالمین نذیراً۔

پ الفرقان ۱

قل یاایھا الناس انی رسول اللہ الیکم جمیعاً

پ الاعراف ۱۵۸

وما ارسلناك الا کافۃً للناس پ الاحزاب ۲۸

آنحضرتؐ کی صفاتِ عالیہ

انا ارسلنك شاھداً ومبشراً ونذیراً وداعیاً

الی اللہ باذنہ وسراجاً منیراً۔ پ الاحزاب ۴۶

کافۃ للناس بشیراً ونذیراً۔ پ السبا ۲۸

یأمرھم بالمعروف وینھاھم عن المنکر ویحل لھم

الطیبات ویحرم علیھم الخبائث ویضع عنھم

اصرھم والاغلال التی کانت علیھم پ الاعراف ۱۵۷

عزیزٌ علیہ ما عنتم حریص علیکم بالمومنین

رؤف رحیم پ التوبہ ۱۲۸

وما ارسلناك الا رحمۃ للعالمین پ انبیاء ۱۰۷

فبما رحمۃ من اللہ لنت لھم ولو کنت

فظاً۔ پ آل عمران ۱۵۹

وانك لعلی خلق عظیم۔ پ النجم

النبی اولی بالمؤمنین من انفسھم پ احزاب

آنحضرتؐ کی تربیت کے قرآنی اسباق

واصبر علی مایقولون واھجرھم ھجراً جمیلاً

واصبر کما صبر اولوا العزم من الرسل ولا

تکن کصاحب الحوت

عفا اللہ عنك لم اذنت لھم

عبس وتولّی ۔۔۔ ان جاءہ الاعمی

فاعف عنھم واستغفر لھم وشاورھم فی الامر

واذا عزمت فتوکل علی اللہ پ آل عمران ۱۵۹

آنحضرتؐ کے فرائضِ رسالت

يتلوا عليهم اياته ويزكيهم ويعلمهم الكتاب والحكمة. پ۲۸ الجمعه ۲

لقد من الله على المؤمنين اذ بعث فيهم رسولا من انفسهم يتلوا عليهم اياته ويزكيهم ويعلمهم الكتاب والحكمة. پ۴ آل عمران ۱۶۴

يتلوا عليهم اياتك ويعلمهم الكتاب والحكمة ويزكيهم پ۱ البقره ۱۲۸

يا ايها الرسول بلغ ما انزل اليك من ربك و ان لم تفعل فما بلغت رسالته پ۶ المائده ۶۷

فانما عليك البلاغ والله بصير بالعباد پ۳ آل عمران ۲۰

يضع عنهم اصرهم والاغلال التي كانت عليهم. پ۹ الاعراف ۱۵۷

آنحضرتؐ کو دنیوی غلبے کی بشارت

ما ودعك ربك وما قلى پ۳۰ الضحیٰ

بل نقذف بالحق على الباطل فيدمغه فاذا هو زاهق پ۱۷ الانبياء ۱۸

قل ان ربي يقذف بالحق علام الغيوب قل جاء الحق وما يبدئ الباطل وما يعيد پ۲۲ سبا ۴۹

قل جاء الحق وزهق الباطل ان الباطل كان زهوقا پ۱۵ بنی اسرائیل ۸۱

انا فتحنا لك فتحا مبينا پ۲۶ الفتح ۱

وعد الله الذين امنوا منكم وعملوا الصلحت ليستخلفنهم پ۱۸ النور ۵۵

من يرتد منكم عن دينه فسوف ياتي الله بقوم پ۶ المائده ۵۴

ان الارض يرثها عبادي الصالحون پ۱۷ انبیاء ۱۰۵

اذا جاء نصر الله پ۳۰ النصر ۱

لئن لم ينته المنافقون...... لنغرينك بهم پ۲۲ الاحزاب ۶۰

حضورؐ کی مجلسِ پاک منافقوں سے پاک

فلا تقعد بعد الذكرى مع القوم الظالمين پ۷ الانعام ۶۸

واصبر نفسك مع الذين يدعون پ۱۵

لا تقم فيه ابدا لمسجد اسس على التقوى من اول يوم احق ان تقوم فيه پ۱۱ التوبه ۱۰۸

فقل لن تخرجوا معي ابدا ولن تقاتلوا معي عدوا پ۱۰ التوبه ۸۳

ولا تصل على احد منهم مات ابدا پ۱۰ التوبه ۸۴

جاهد الكفار والمنافقين واغلظ عليهم پ۱۰ التوبه ۷۳

حضورؐ کا عقیدۂ باری تعالیٰ

(۱) حضورؐ کی علم غیب کی تہمت سے برأت

ولو کنت اعلم الغیب لاستکثرت من
الخیر. پ الاعراف ۱۸۸
قل لا اقول لکم عندی خزائن الارض ولا
اعلم الغیب ..... ان اتبع الا ما یوحیٰ الیّ
پ الانعام ۵۰
یسئلونک عن الساعة ایّان مرسٰها .. یسئلونک
کانک حفیّ عنها قل انما علمها عند الله
پ الاعراف ۱۸۷
قل ان ادری اقریب ما توعدون ام
یجعل له ربّی امدًا پ۲۹ الجن ۲۵
قل لا یعلم من فی السمٰوات والارض الغیب
الا الله. پ۲۰ النمل ۶۵

(۲) آپ کے ہر جگہ حاضر و ناظر ہونے کی نفی

وما کنت لدیهم اذ اجمعوا امرهم پ۱۳ یوسف ۱۰۲
وما کنت لدیهم اذ یلقون اقلامهم پ۳ آل عمران ۴۴
وما کنت بجانب الغربی اذ قضینا
الیٰ موسی الامر. پ۲۰ القصص ۴۴
ظاہراً آپ کی آنکھیں وہیں دیکھتیں جو سامنے ہو
ولا تعد عیناک عنهم پ۱۵ کہف ۲۸
وما یکون من نجویٰ ثلٰثة الا رابعهم
پ۲۸ المجادلہ ۷

(۳) حضورؐ کی اپنے مختارِ کل ہونے کی نفی

ما یکون لی ان ابدّله من تلقاءِ نفسی پ
هل کنت الا بشرًا رسولًا پ۱۵ بنی اسرائیل ۹۳
لم تحرم ما احل الله لک. (پ۲۸ التحریم)
عفا الله عنک لم اذنت لهم (پ۱۰ التوبہ ۴۳)

(۴) حضورؐ کا سفرِ آخرت اور وعدۂ وفات

انک میّت وانهم میّتون پ۲۳ الزمر ۳۰
وما جعلنا لبشرٍ من قبلک الخلد افان متّ
فهم الخالدون پ۱۷ انبیاء ۳۴
وما محمدٌ الا رسول قد خلت من قبله
الرسل.
افان مات او قتل انقلبتم علیٰ اعقابکم
پ۴ آل عمران ۱۴۴
اذا جاء نصر الله والفتح ..... فسبح بحمد
ربّک واستغفره. پ۳۰ النصر
وعد الله الذین اٰمنوا منکم وعملوا الصٰلحٰت
لیستخلفنهم فی الارض پ۱۸ النور ۵۵

تمام پیغمبر قیامت کو اپنی امت پر گواہ ہوں گے

ویوم نبعث من کل امة شهیدًا پ۱۴ النحل ۸۴
ویوم نبعث فی کل امة شهیدًا
پ۱۴ النحل ۸۹
ویکون الرسول علیکم شهیدًا پ۲ البقرہ ۱۴۳

فکیف اذا جئنا من کل امۃ بشھید وجئنابک
علیٰ ھٰؤلاء شھیدًا)
وجئنا بک علیٰ ھٰؤلاء شھیدًا۔

حضرت خاتم النبیینؐ کے معجزات

① علم غیب کی خبریں
لا یأتون بمثلہ ولو کان بعضھم لبعضٍ ظھیرًا۔
پ۱۵ بنی اسرائیل ۸۸
وان لم تفعلوا ولن تفعلوا فاتقوا النّار
پ البقرہ ۲۴
غلبت الروم فی ادنی الارض وھم من
بعد غلبھم سیغلبون۔ پ۲۱ الروم ۲
اذا جاء نصر اللہ والفتح پ۳۰ النصر ا
ماکان محمدٌ ابا احد من رجالکم پ۲۲ الاحزاب ۴۰
② بدر کے میدان میں اپنے سے دُگنی تعداد کو دکھنا
ولقد نصرکم اللہ ببدرٍ و انتم اذلۃ پ۴ آل عمران ۱۲۳
فارسلنا علیھم ریحًا وجنودًا لم تروھا پ۲۱ الاحزاب ۹
③ سفرِ معراج مسجد حرام سے مسجدِ اقصیٰ تک
پ۱۵ بنی اسرائیل ا
④ سیرِ معراج ۷ سماٰوں سے سدرۃ المنتہیٰ تک
پ۲۷ النجم
⑤ شق القمر ——— اقترب الساعۃ وانشق القمر
پ۲۷ القمر ا

لغاتُ القرآن

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ اما بعد:

کالجوں اور یونیورسٹیوں میں مطالعہ اسلامیات Islamic Studies کے کئی اساتذہ اور تلامذہ ایسے بھی ہوتے ہیں جو عربی میں مہارت نہیں رکھتے، جتنا جانتے ہیں اسے بھی وہ نا جانا یقین کرتے ہیں صورت حال یوں نہیں ہے اور جو ہماری روزمرہ کی زبان ہے اس کے حروف اور عربی کے حروف بیشتر ایک سے ہیں، اور عربی اردو اور فارسی سے زیادہ فاصلے پر نہیں جو اردو اور انگریزی میں فاصلہ زیادہ ہے۔ اردو جاننے والے حضرات گو عربی اس طرح سے نہ پڑھے ہوں جیسے مدارس عربیہ میں پڑھائی جاتی ہے اور اس طرح بھی نہ پڑھے ہوں جس طرح ایم اے عربی کے طلبہ پڑھتے ہیں پھر بھی قرآن کے قریب ہونے کے لیے وہ ایک سطح تک عربی دان ہو سکتے ہیں ذرا توجہ مطلوب ہے اور ارادہ اور عزم درکار ہے۔ دنیا میں ہی جنت کی زبان سیکھ لینا کوئی کم سعادت نہیں ہے، اس سے اسلامیات کا مطالعہ بہت وسیع ہو جاتا ہے۔

یونیورسٹی طلبہ کے تعارف قرآن کے لیے آپ کو مارکیٹ میں کئی کتابیں ملیں گی لیکن ان میں عربی نہ جاننے والوں کو عربی دانی پر لانے کے لیے ابتدائی درجے کی محنت بہت کم ملتی ہے، اسلامیات کے بہت سے طلبہ بھی پرچہ کے دوسرے حصوں پہ محنت کر کے اس وادی حیرت کو عبور کرتے ہیں اور وہ اس محنت سے بچتے ہیں جو مطالعہ اسلامیات کے طلبہ کو تعارف قرآن اور ترجمہ قرآن میں ضرور کرنی چاہیئے۔

ہم نے اس احساس سے ایک چھوٹے پیمانے پر یہ لغات القرآن مختصر طور پر تیار کی ہے۔ اس میں کچھ اسم ہیں اور کچھ فعل اور ظاہر ہے کہ کسی زبان کو سمجھنے کے لیے اس کے افعال میں ماضی Past اور مضارع Future کے مختلف پیرایوں کو اور اس کے فسٹ پرسن سیکنڈ پرسن اور تھرڈ پرسن کے فاصلوں کو پہچاننے کی زیادہ ضرورت ہوتی ہے اور اسماء میں واحد جمع اسم ظاہر اور اسم ضمیر کو جاننے کی بھی بنیادی ضرورت ہوتی ہے۔ افعال و اسماء کو اس درجے میں سمجھنے اور ان کے ان مذکورہ فاصلوں کو

جاننے سے طالب علم اس سیڑھی پر ضرور آجاتا ہے کہ وہ آئندہ کبھی اس گھاٹی پر بھی آسکے۔

یہاں ہم نے کچھ فعل بھی دیئے ہیں اور انہیں ماضی اور مضارع میں تقسیم کر کے لکھا ہے انہیں تقابل کے ساتھ بار بار پڑھنے اور ترجمہ یاد کرنے سے طلبہ میں عربی گرائمر کا ذوق ابھرتا ہے۔ ماضی کے صیغوں میں ت کی چار صورتیں تُ. تَ. تِ. تْ اور مضارع کے شروع چار حروف (اتین) جاننے سے اس کے غائب، حاضر اور متکلم کی صورتوں کو طلبہ بآسانی پہچان سکیں گے۔ یہ چار حروف ی ت ا اور ن ہیں ان کے مجموعے کو حروف اتین کہتے ہیں۔

ماضی اور مضارع کے ساتھ ہم نے قرآن کریم کی وہ آیت بھی لکھ دی ہے جس میں وہ فعل (گو وہ کسی شکل میں ہو معروف میں یا مجہول میں) مذکور ہے اگر بات پھر بھی سمجھ میں نہ آئے تو گھر میں قرآن کریم سے وہ آیت نکال کر اس کا بغور مطالعہ کرلیں۔ ان شاء اللہ اس فعل کے ماضی مضارع پر آپ کو قابو مل جائے گا اور ان عربی الفاظ میں کوئی اجنبیت نہ رہے گی۔

یہ ایک ہزار فعل (ماضی اور مضارع) ہم نے آپ کے سامنے رکھ دیئے ہیں بیس لفظ روزانہ یاد کر کے آپ ڈیڑھ مہینہ میں انہیں ازبر کر سکتے ہیں۔ آیت میں اگر آپ کو وہ ترجمہ جو ہم نے ماضی مضارع میں دیا ہے نہ ملے تو سمجھیں کہ آیت میں اس کا ترجمہ محاورے کے پیرایہ میں دیا گیا ہے۔

پھر ماضی اور مضارع کا ترجمہ ہم نے کہیں ماضی کا لکھ دیا ہے اور کہیں مضارع کا۔ یہ اس لیے کہ طالب علم خود معلوم کریں کہ یہ ترجمہ ماضی کا ہے یا مضارع کے صیغے کا۔ اس سے طلبہ کو ماضی مضارع کو ان کے مختلف پیرایوں اور صیغوں میں سمجھنے میں خاصی امداد ملے گی۔

اسماء کے بیان میں

بعض اسم ایسے ہوتے ہیں کہ ان کے کئی کئی معنی ہوتے ہیں جیسے لفظ عین جو آنکھ اور چشمہ آب دونوں کے لیے ایک سا استعمال ہوتا ہے۔ ہم نے کہیں کہیں کسی اسم کے دو دو معنی بھی لکھ دیئے ہیں تاکہ طلبہ اس ذوق سے ناآشنا نہ رہیں گو قرآن میں وہ لفظ کسی ایک معنی میں آیا ہو۔ یہاں دیئے گئے اسم بیشتر اسم ظاہر ہیں ۔۔۔ مفردات میں طلبہ بس انہی اسماء کو ان کے ترجمہ کے ساتھ یاد کرلیں۔ اسم معرفہ کی دوسری صورتیں (جیسے اسم ضمیر۔ اسم اشارہ۔ اسم موصول) یہاں آپ کو نہ ملیں گی اسماء کی یہ فہرست ان کے مفردات کی ہے

یہ دوسری صورتیں عبارت کے ذیل میں پہچانی جائیں گی۔ ہاں اسم نکرہ کے بہت سے الفاظ مفردات کی صورت میں بھی سامنے آگئے ہیں. سو وہ آپ کو ہماری اس فہرست میں عام ملیں گے۔

اسم کی تاریخ فعل کی تاریخ سے مقدم ہے. فعل بدوں کسی فرد کے وقوع میں نہیں آتا کوئی فاعل ہوگا تو فعل وجود میں آئے گا. سو اس میں کوئی شک نہیں کہ اسم کا وجود فعل سے پہلے کا ہے ایسے جملے تو ہو سکتے ہیں جن میں کوئی فعل نہ ہو (جیسے جملہ اسمیہ) لیکن ایسا جملہ کوئی نہیں ہو سکتا جس میں کوئی اسم نہ ہو۔ جملہ فعلیہ میں کم از کم ایک اسم کا ہونا ضروری ہے۔ رسول اللہ صادق جملہ اسمیہ ہے اور جاء زید جملہ فعلیہ ہے سو جملہ اسمیہ کی پہچان یہ ہے کہ اس میں کوئی فعل نہ ہو اور جملہ فعلیہ وہ ہے جس میں اسم کے ساتھ کوئی فعل بھی ہو۔

اللہ اسم ہے اور وہ ذات واجب ہے پھر اس کی صفات کی جلوہ ریزی ہوئی اور افعال وجود میں آگئے. بنی نوع انسان کے لیے پہلا علم اسماء کا ہی تھا. آدم اور ابن آدم نے پھر جو کچھ سیکھا اس کے بعد سیکھا. وعلم ادم الاسماء کلھا میں اس کی خبر دے دی گئی. فرشتوں نے اس سے پہلے اپنے افعال ذکر کیے تھے. نحن نسبح بحمدك ونقدس لك مگر ان افعال کو بھی دونوں طرف سے اسم نے گھیرا ہوا ہے. پہلے نَحْنُ کی مرفوع ضمیر نے اور آخر میں کَ کی ضمیر منصوب نے۔

ہم نے یہاں آپ کے سامنے ۲۵۰ اسماء کی ایک فہرست رکھی ہے. طلبہ دس اسم بھی روزانہ یاد کریں تو ایک ماہ میں وہ اس مختصر لغات القرآن کے اسماء پر قابو پا سکتے ہیں۔ انہیں سمجھ کر پھر وہ ان آیات کو بھی سمجھ سکتے ہیں جن میں یہ اسماء وارد ہوئے. بشرطیکہ ان کا افعال پر ایک ماہ لگ چکا ہو. اسماء میں اگلی سطر کسی ایک صورت کے التزام سے نہیں لکھی گئی. ان اسماء سے متعلق مختلف زاویوں سے جو بات کہی یا سمجھی جا سکتی ہے اسے اشارۃً دے دیا ہے یہ کام اساتذہ کا ہے کہ وہ اس کی تشریح میں اس لفظ کو سمجھا دیں جس کے سامنے یہ باتیں لکھی گئی ہیں۔

عربی گرامر کے چند قواعد

ہم یہاں عربی گرامر کے چند عنوان ذکر کرتے ہیں جو دو ہفتے میں سیکھے جا سکتے ہیں انہیں کلاسیکی انداز میں جاننے کی بجائے آپ انہیں applied grammer کے طور پر جاننے کی کوشش

کریں، یہ دو ہفتے کی محنت آپ کو پورے ترجمہ قرآن کے گرد لا سکتی ہے۔

۱۔ ماضی اور مضارع کے الفاظ کی پہچان ۲۔ ہر دو کے واحد اور جمع کو پہچاننا
۳۔ ہر دو کے مؤنث اور مذکر کے صیغوں کو پہچاننا ۴۔ مرکب اضافی اور مرکب توصیفی کے حالات
۵۔ حرف جارہ اور ان کا استعمال ۶۔ معروف اور مجہول کی پہچان ماضی اور مضارع میں
۷۔ اسم اشارہ اور اس کے واحد اور جمع ۸۔ اسم موصول مذکر اور مؤنث واحد اور جمع
۹۔ فاعل اور مفعول کے اعراب ۱۰۔ اسم ضمیر کے رفعی اور نصبی حالات

قرآن کریم کے ترجمہ کا ذوق رکھنے والے ان کتابوں کو بطور ڈکشنری اپنے پاس رکھیں اور ترجمہ قرآن کے لیے مسلسل چلتے رہیں۔ اللہ تعالیٰ سب طلبہ کے لیے قرآن کریم آسان فرمائے۔

المفردات علامہ راغب اصفہانی (ھ) کی تالیف۔ اس کا اردو ترجمہ ہو چکا ہے۔ دیوبند کے مشہور عربی ادیب مولانا وحید الزمان کی کتاب لغات القرآن چھ جلدوں میں ہے۔ مولانا عبدالرشید نعمانی کی کتاب لغات القرآن، یہ تین جلدوں میں ہے اسے دارالاشاعت کراچی نے شائع کیا ہے۔

ابتدائی درجے میں لغات القرآن کی یہ مختصر کوشش اس لیے دی گئی ہے کہ ابتدائی عربی جانے بغیر قرآن کریم کا تعارف پورا نہیں ہو سکتا۔

مؤلف عفا اللہ عنہ

اترف	یترف	اس نے آرام دیا	انهم كانوا قبل ذلك مترفين ۔(الواقعہ) وہ لوگ اس سے پہلے بڑے آرام میں (خوشحالی) رہتے تھے
املی	یملی	اس نے مہلت دی	الشيطن سول لهم واملى لهم ۔(محمد ۲۵) شیطان نے انکو چکمہ دیا اور انہیں بڑے دور کی سجھائی
اثار	یثیر	جو تا زمین کو	انها بقرة لا ذلول تثير الارض (البقرہ ۷۱) وہ گائے ہو جو نہ ہل میں چلی جو زمین کو پھاڑے (نہ جوتی گئی ہو)
انشر	ینشر	اٹھایا	فانشرنا به بلدة ميتة ۔(الزخرف)۔ كذلك النشور (فاطر ۹) سو ہم نے (اس پانی سے) خشک زمین کو زندہ کیا ۔ اس طرح ہے آدمیوں کا جی اٹھنا
اثار	یثیر	وہ اٹھاتا ہے	ارسل الرياح فتثير سحابا . (فاطر ۹) خدا نے ہوائیں بھیجیں جو بادلوں کو اٹھائے لئے پھرتی ہیں
انشاء	ینشئ	اس نے اٹھایا	وينشئ السحاب الثقال ۔(الرعد ۱۲) اور وہ بادلوں کو جو پانی سے بھاری ہوئے بلند کرتا ہے (اٹھاتا ہے)
احصن	یحصن	اسنے قابو میں رکھا	والتى احصنت فرجها (الانبیاء ۹۱) اور وہ بی بی جس نے اپنے ناموس کو بچایا (نکاح سے بھی اور ناجائز سے بھی)
ازجی	یزجی	ہانک لاتا ہے	الذى يزجى لكم الفلك (الاسراء ۶۶) جو کشتی کو تمہارے لئے لے چلتا ہے بضاعة مزجاة (یوسف) معمولی سی پونجی
ابدی	یبدی	وہ ظاہر کرتا ہے	ما تبدون وما تكتمون (المائدہ ۹۹) جو کچھ تم ظاہر کرتے ہو اور جو تم پوشیدہ رکھتے ہو

ازلف	یزلف	اس نے قریب کردیا	وازلفنا ثم الآخرین (الشعراء ۶۴) اور ہم نے دوسرے لوگوں کو بھی اس موقع کے قریب پہنچا دیا ان له عندنا لزلفی وحسن مآب (ص ۴۰) اس کے لئے ہمارے ہاں قرب ہے اور نیک انجامی
ازلفت		قریب لائی گئی	واقم الصلوة طرفی النہار و زلفاً من الیل (ہود ۱۱۴) اور آپ نماز قائم کریں دن کے دونوں سروں پر اور رات کے کچھ حصوں میں
اطعم	یطعم	وہ کھلاتا ہے	وھو یطعم ولا یطعم (الانعام ۱۴) اور وہ کھلاتا ہے اور وہ خود کھلایا نہیں جاتا ھو یطعمنی و یسقین (الشعراء ۷۹) وہ مجھے کھلاتا ہے اور پلاتا ہے
ارجی	یرجی	اس نے پیچھے رکھا	ترجی من تشاء منھن وتوی الیک (الاحزاب ۵۱) تو ان میں سے جسکو چاہے دور رکھے اور جس کو چاہے اپنے پاس جگہ دے مرجون لا مر الله (التوبۃ ۱۰۶) اور کچھ اور لوگ جن کا معاملہ اللہ کا حکم آنے تک موخر ہے
اوی	یوی	وہ جگہ دے	اوی الیه اخاه (یوسف ۶۹) یوسف نے اپنے بھائی کو اپنے ہاں جگہ دی اوی الیه ابویه (یوسف ۹۹) اپنے ہاں اپنے والدین کو تعظیماً جگہ دی
اصدر	یصدر	وہ پھیر لے جائے	لا نسقی حتی یصدر الرعاء (قصص ۲۳) ہم اپنے جانوروں کو پانی نہ پلائیں گے جب تک کہ چرواہے یہاں سے جانوروں کو پھیر نہ لے جائیں

ادنی	یدنی	وہ قریب کر دے	وادنی ان لا ترتابوا (البقرہ ۲۸۲) اور اسکے زیادہ قریب ہے کہ تم شبہ میں نہ پڑو۔ ادنی ان لا تعولوا (النساء ۳) اور یہ اسکے زیادہ قریب ہے کہ تم زیادتی نہ کرپاؤ
	یدنین	وہ لٹکا لیں	یدنین علیھن من جلا بیبھن (الاحزاب ۵۹) اپنے اوپر اپنی چادریں لٹکا لیا کریں۔ سر کے نیچے کر لیا کریں
ابی	یابی	اس نے انکار کیا	ابی واستکبر (البقرۃ ۳۴) اس نے کہنا نہ مانا اور غرور میں آگیا ویابی اللہ الا ان یتم نورہ (التوبۃ ۳۲) اور اللہ کا انکار ہے مگر یہ کہ وہ اپنی روشنی پوری کرے
اسروہ	یسرون	انہوں نے اسے چھپایا	واسروہ بضاعۃ (یوسف ۱۹) اور انہوں نے اسے مال تجارت قرار دے کر چھپالیا
امدکم	یمدکم	مدد پہنچائیں تم کو	الن یکفیکم ان یمدکم ربکم (آل عمران ۱۲۴) کیا یہ تمہارے لئے کافی نہ ہوگا کہ مدد کرے تمہارا رب پانچ ہزار فرشتوں سے
اویناھم	یووی	ہم نے انہیں پناہ دی	اویناھما الی ربوۃ ذات قرار و معین (المومنین ۵۰) اور ہم نے پناہ دی ان دونوں کو ایک بلند زمین کی طرف جو ٹھہرنے کے لائق تھی اور وہاں ستھرا پانی بہتا تھا
احق	یحق	وہ حق ظاہر کرے گا	ویرید اللہ ان یحق الحق بکلمتہ (الانفال ۷) اور اللہ ارادہ کئے تھا کہ اپنے کلمات سے حق کا حق ہونا ظاہر کرے
استثنی	یستثنی	وہ استثناء کرتا ہے	اذا اقسموا لیصرمنھا مصبحین ولا یستثنون (القلم ۱۸) جب ان لوگوں نے قسم کھائی کہ صبح یہاں فصل کاٹیں گے تو انشاءاللہ کا استثناء کیا۔

انشاء	ینشی	وہ پیدا کرتا ہے	ثم الله ینشی النشاۃ الآخرہ (العنکبوت ۲۰) پھر اللہ تعالیٰ دوسری بار بھی انہیں پیدا کرے گا
ادلی	یدلی	اسنے ڈول ڈالا	فارسلو واردھم فادلی دلوہ (یوسف ۱۹) سو انہوں نے اپنا آدمی پانی لینے بھیجا اس نے اپنا ڈول ڈالا۔ تدلوا بھا الی الحکام (البقرۃ ۱۸۸) اور نہ اپنے جھوٹے مقد مے لے کے جاؤ حکام کے پاس
اساء	یسئی	اسنے برائی کی	وان اساتم فلھا (اسراء ۷) اور اگر تم نے برائی کی تو اپنے لئے ہی کی
انغض	ینغض	وہ بے قرار ہوا	فسینغضون الیک رءوسھم (اسراء ۵۱) سو وہ تیری طرف سر ہلائیں گے اور کہیں گے ایسا کب ہوگا
ادحض	یدحض	اسنے ٹلا دیا	لیدحضوا به الحق (الکھف ۵٦) تاکہ اس سے سچی بات کو وہ ٹلا دیویں۔ والارض بعد ذلک دحاھا (النازعات ۳۰) اور اس نے اسکے بعد زمین کو بچھایا
ازجی	یزجی	وہ کشتی چلاتا ہے	الذی یزجی لکم الفلک (اسراء ٦٦) جو کشتی کو تمہارے لئے ہانک لے چلتا ہے
اسام	یسیم	وہ چراتا ہے	لکم منه شراب ومنه شجر فیه تسیمون (النحل ۱۰) تمہیں اس سے پینے کو ملتا ہے اور اس سے درخت اگتے ہیں جہاں تم مویشی چراتے ہو
اعثر	یعثر	اس نے بات ظاہر کر دی	فان عثر علی انھما استحقا اثما (المائدہ ۱۰۷) پھر اگر بات کھل جائے کہ ان دونوں نے کوئی گناہ کیا ہے
اردی	یردی	اسنے ہلاک کیا	وذلکم ظنکم الذی ظننتم بربکم ارداکم (فصلت ۲۳) اور وہی تمہارا خیال ہے جو تم اپنے رب کے بارے میں رکھتے تھے اسی نے تم کو غارت کیا

ابری	یبری	اسنے اچھا کیا	وابری الاکمه والابرص (آل عمران ۴۹) اور میں اچھا کرتا ہوں مادر زاد اندھے کو اور برص کے بیمار کو من قبل ان نبراها (الحدید ۲۲) اس سے پہلے کہ ہم انہیں سامنے لائیں (پیدا کریں)
ابلس	یبلس	اس نے حیران کر دیا	ویوم تقوم الساعته یبلس المجرمون (روم ۱۲) اور جس دن قیامت قائم ہو گی آس توڑ کر رہ جائیں گے گنہگار
ابسل	یبسل	وہ پکڑ میں آیا	اولئک الذین ا بسلو بما کسبوا (الانعام ۷۰) وہی لوگ ہیں جو گرفتار ہوئے اپنے کیے پر
اثمر	یثمر	وہ بار آور ہوا	انظروا الی ثمره اذا اثمر و ینعه (الانعام ۹۹) تم دیکھو اسکے پھل کی طرف جب وہ پھل لائے اور دیکھو اس کے پکنے کو
اغشی	یغشی	اس نے ڈھانپ دیا	وعلی ابصارهم غشاوة (البقرہ ۷)
اقل	یقل	اسنے اٹھایا	حتی اذا اقلت سحاباً ثقالاً سقناه الی، بلدمیت (الاعراف ۵۷) جب وہ ہوا میں اٹھا لائیں بھاری بادلوں کو ہم انہیں ہانک دیتے ہیں مردہ زمین کی طرف
القی	یلقی	اس نے ڈالا	والقت ما فیها وتخلت (انشقاق ۴) اور نکال دیا اس نے جو اس میں تھا اور وہ خالی ہو گئی
اقصر	یقصر	اس نے کمی کی	ثم لا یقصرون (اعراف ۲۰۲) پھر وہ کمی نہیں کرتے۔ فلیس علیکم جناح ان تقصروا من الصلوة (النساء ۱۰۱) تم پر کوئی گناہ نہیں اس کا کہ تم نمازیں قصر کرو

اثخن	یثخن	وہ خون بہاتا ہے	ما کان لنبی ان یکون لہ اسری حتی یثخن فی الارض (الانفال ۶۷) نبی کو نہ چاہئے کہ اپنے ہاں رکھے قیدیوں کو جب تک خون ریزی نہ کرنے زمین پر ۔ یسفک الدماء (البقرۃ ۳۰)
ادری	یدری	اس نے جانا	قل ان ادری اقریب ما توعدون (الجن ۲۵) آپ کہہ دیں میں نہیں جانتا نزدیک ہے وہ جس کا تمہیں وعدہ دیا جارہا ہے یا کہیں ابھی وقت ہے۔
احصی	یحصی	اس نے شمار کیا	فطلقوھن لعدتھن واحصوا العدۃ (الطلاق ۱) سو تم طلاق دو انہیں زمانہ عدت سے پہلے اور تم زمانہ عدت کو گنو
الھی	یلھی	وہ غافل کرتا ہے	لا تلھکم اموالکم ولا اولادکم (المنافقون ۹) غافل نہ کر دیں تم کو تمہارے مال اور نہ اولاد۔ الھاکم التکاثر
اسری	یسری	اسے سیر کرائی	اسری بعبدہ لیلا (اسراء ۱) اللہ نے سیر کرائی اپنے بندے کو رات کے ایک حصے میں
اطفی	یطفی	وہ بجھاتا ہے	کلما اوقدوا نارا للحرب اطفاھا اللہ (المائدہ ۶۴) جب بھی انہوں نے جنگ کی آگ جلائی اللہ نے اسکو بجھایا
اغری	یغری	وہ رغبت دلاتا ہے	فاغرینا بینھم العداوۃ والبغضاء (المائدہ ۱۴) پھر ہم نے بھڑکا دی ان میں عداوت اور بغض
افاق	یفیق	وہ ہوش میں آیا	فلما افاق قال سبحانک تبت الیک (الاعراف ۱۴۳) پھر جب وہ ہوش میں آیا تو کہا اے تیری ذات پاک ہے میں توبہ کی طرف ہوں
ازھق	یزھق	وہ لے گیا	انما یرید اللہ لیعذبھم بھا فی الحیوۃ الدنیا و تزھق انفسھم (التوبہ ۵۵) اللہ تعالی چاہتے ہیں کہ انہیں دنیا میں بھی عذاب میں ڈالے اور انکی جان جاوے کفر ہی کی حالت میں

اعاب	یعیب	اس نے اسے عیب ناک کر دیا	فاردت ان اعیبها (کہف ۷۹) سو میں نے چاہا کہ اسے عیب ناک کر دوں
اسمت	یسمت	راستے پر ڈالا	وهن الی البیت العتیق سوأمت (مصرعه) وہ خانہ کعبہ کی طرف قصد کرنے والی ہیں
اثار	یثیر	اسنے جوتا	تثیر الارض (البقرہ ۷۱) وہ پھاڑتی ہے زمین کو۔ فتثیر سحابا (روم ۴۸) وہ اٹھاتی ہے بادلوں کو
الفی	یلفی	اس نے پایا	بل نتبع ما الفینا علیه اباءنا (البقرہ ۱۷۰) بلکہ ہم تو اسی پر چلیں گے جس پر ہم نے اپنے بڑوں کو پایا
اولج	یولج	وہ داخل کرتا ہے	تولج اللیل فی النهار (آل عمران ۲۷)۔ تو داخل کرتا ہے رات کو ہر دن میں ولم یتخذوا ولیجه (توبہ ۱۶) اور نہ بنایا انہوں نے اسے بھیدی
ابدی	یبدی	اس نے ظاہر کیا	ما تبدون وما کنتم تکتمون (البقرۃ ۳۳) جو تم ظاہر کرتے ہو اور جس بات کو تم چھپاتے ہو
افضی	یفضی	وہ پہنچ گیا	وقد افضی بعضکم الی بعض (النساء ۲۱) اور تم ایک دوسرے سے بے حجابانہ مل چکے ہو
املی	یملی	اس نے مہلت میں ڈالا	فاملیت للکافرین ثم اخذتهم فکیف کان نکیر (الحج ۴۴) سو میں نے مہلت دی کافروں کو پھر انکو میں نے پکڑا سو کیسی پڑی میری پکڑ
اصعد	یصعد	وہ اوپر چڑھتا ہے	الیه یصعد الکلم الطیب (فاطر ۱۰) اچھا کلام اسکی طرف اٹھتا ہے
افاض	یفیض	وہ واپس لوٹا	ثم افیضوا من حیث افاض الناس (البقرہ ۱۹۹) پھر تم سب اس جگہ سے واپس آؤ جہاں سے لوگ لوٹے

اخلف	یخلف	وہ خلاف کرے گا	فخلف من بعدھم خلف ورثوا الکتاب (الاعراف ۱۶۹) پھر ان کے بعد ناخلف ان کے جانشین ہوئے انہوں نے ان سے وراثت میں کتاب لی
ادرك	یدرك	وہ آ پہنچا	لا تخاف درکا ولا تخشی (طه ۷۷) نہ تو ڈر پکڑا جانے سے اور نہ تو اندیشہ کرے گا
اذاع	یذیع	وہ شہرت دیتا ہے	اذا جاءھم امر من الامن او الخوف اذاعوا به (النساء ۸۳) جب آتی ہے انہیں کوئی خبر امن کی یا خوف کی تو اسے دیتے ہیں وہ شہرت
ارکس	یرکس	وہ الٹا دیتا ہے	فما لکم فی المنافقین فئتین والله ارکسھم بما کسبوا (النساء ۸۸) سو تمہیں کیا ہوگیا منافقوں کے بارے میں کہ تم دو فریق ہوگئے تو اللہ نے تو انہیں الٹ دیا بوجہ انکے اعمال کے
انتبذ	ینتبذ	وہ ایک طرف ہوا	اذا انتبذت من اھلھا مکانا شرقیا (مریم ۱۶) جب وہ (مریم) اپنے گھر والوں سے جدا ہوئی مشرق کی طرف ایک جگہ
ازدری	یزدری	وہ حقیر سمجھتا ہے	ولا اقول للذین تزدری اعینکم لن یؤتیھم الله خیرا (ھود ۳۱) اور نہ میں کہتا ہوں ان لوگوں کو جو تمہاری آنکھوں میں حقیر ہیں کہ اللہ نہ دے گا انہیں کوئی بھلائی
احتنك	یحتنك	منہ میں رسی ڈالی	لاحتنکن ذریته الا قلیلا (اسراء ۶۲) میں بجز چند لوگوں کے اسکی اولاد کو اپنے قابو میں لے لوں گا
ادارك	یدارك	وہ گر گیا	بل ادارك علمھم فی الآخرة (النمل ۶۶) بلکہ آخرت کے بارے میں انکا علم ہی ڈھ گیا ہے
فانھار	ینھار	وہ ڈھ پڑا	من اسس بنیانه علی شفا جرف ھار فانھار (التوبه ۱۰۹) جس نے اپنی بنیاد رکھی ایک کھائی کے کنارے پر جو گرنے کو ہے پھر اسکو لے کر وہ ڈھ پڑا دوزخ کی آگ میں

اثاقل	یثاقل	وہ بھاری ہوا	اثاقلتم الی الارض (التوبقه ۳۸) تم گرے جاتے ہو زمین کی طرف
ادخر	یدخر	وہ ذخیرہ کرتا ہے	وما تدخرون فی بیوتکم (آل عمران ۴۹) اور جو تم ذخیرہ کرتے ہو اپنے گروں میں
ادراء	یدری	اپنے سے دور کیا	ویدرئون بالحسنة السیئة (رعد ۲۲) اور وہ نیکی کے ذریعہ برائی کو دور کرتے ہیں
استمتع	یستمتع	اسنے فائدہ پایا	فاستمعتم بخلاقکم کما استمتع الذین من قبلکم (التوبة ۶۹) پھر فائدہ لیا تم نے اپنے حصے سے جیسے فائدہ اٹھا گئے وہ لوگ جو تم سے پہلے تھے اپنے حصے سے
استیئس	یستیئس	وہ مایوس ہوا	فلما استینسوا منه خلصا نجیا (یوسف ۸۰) پھر جب وہ اس سے مایوس ہو گئے تو ایک طرف ہو بیٹھے مشورہ کرنے کو لیئوس کفور (هود ۹) مایوس ناشکرا
استفز	یستفز	اس نے بے چین کر دیا	فاراد ان یستفزهم من الارض (اسراء ۱۰۳) پس ارادہ کیا اس نے کہ انہیں گھبراہٹ میں ڈالے زمین میں (چین نہ لینے دے)
انبجس	ینبجس	رس پڑا	فانبجست منه اثنتا عشرة عینا (الاعراف ۱۶۰) پھر رس پڑے اس سے بارہ چشمے (پھوٹ نکلے)
استجار	یستجیر	اس نے حفاظت چاہی	وان احد من المشرکین استجارك فاجره (التوبة ۶) اور اگر مشرکوں میں سے کوئی تجھ سے امان مانگے تو اسے امان دے تاکہ وہ خدا کا کلام سن لے

استهوی	یستهوی	رستہ بھلادیا	کالذی استهوته الشیطین فی الارض حیران (الانعام ۷۱) جیسے کہ کسی کو زمین میں رستہ بھلادیا ہو شیطان نے جبکہ وہ حیران پھرے (رستہ بھٹکے پھرے)
ادار	یدار	دوسرے پر لگایا	واذ قتلتم نفسا فادارأتم فیها (البقرہ ۷۲) اور جب تم نے ایک آدمی کو قتل کیا اور تم اسے ایک دوسرے پر دھرنے لگے
ازف	یزئف	پاس آپہنچا	ازفت الازفة (النجم ۵۷) آپہنچی آنے والی
از	یوز	اس نے ابھارا	ارسلنا الشیطین علی الکافرین تؤزهم ازا (مریم ۸۳) ہم نے چھوڑ رکھا ہے شیطان کو کافروں پر جو اچھالتے ہیں ان کو خوب ابھارے
ادکر	یدکر	اسے یاد آیا	قال الذی نجا منهما وادکر بعد امة (یوسف ۴۵) کہا اس نے جو ان دو میں سے بچ گیا تھا اور یاد آیا اسے ایک مدت کے بعد
ازلق	یزلق	اس نے پھسلادیا	یزلقونک بابصارهم لما سمعوا الذکر (القلم ۵۱) البتہ تمہیں گرادیں گے اپنی نگاہوں سے جب سن پائیں ذکر (وہ اس شدت عداوت سے گھور رہے ہیں)
اعنت	یعنت	تکلیف دینا	ولو شاء الله لاعنتکم (البقره اور اگر اللہ چاہتا تو تم پر مشقت ڈال دیتا
عمه	یعمه	وہ سرگرداں پھرتا ہے	یمدهم فی طغیانهم یعمهون (البقره ۱۵) اور انہیں ان کی سرکشی میں اور مہلت دیتا ہے اور حال یہ ہے کہ وہ سرگرداں پھر رہے ہیں
ربح	یربح	وہ فائدہ مند ہوا	فما ربحت تجارتهم (البقره ۱۶) سو نہ فائدہ دیا انکو انکی تجارت نے

خطف	يخطف	اس نے اچک لیا	يكاد البرق يخطف ابصارهم (البقره ٢٠) قریب ہے کہ بجلی اچک لے اگی آنکھیں
سام	يسوم	اس نے تکلیف دی	من يسومهم سوء العذاب (الاعراف ١٦٧) جو دیا کرے ان کو برا عذاب
عثا	يعثو	اس نے فساد کیا	ولا تعثوا فی الارض مفسدين (البقره ٦٠) اور نہ پھرو زمین میں فساد مچاتے ہوئے
عثی	يعثی	وہ اتراتا ہے	
نبذ	ينبذ	اس نے پھینک دیا	نبذ فريق من الذين اوتو الكتاب كتاب الله (البقره ١٠١) اہل کتاب کے ایک طبقے نے جو دیے گئے تھے کتاب پھینک دیا اللہ کی کتاب کو
سفه	يسفه	وہ بے وقوف ہوا	ومن يرغب عن ملة ابراهيم الا من سفه نفسه (البقرة ١٣٠) اور کون ہے جو پھرے ملت ابراہیم سے مگر وہی جس نے احمق بنایا اپنے آپ کو
نعق	ينعق	اونچی آواز نکالی	كمثل الذى ينعق بما لا يسمع الا دعاء ونداء (البقره ١٧١) جیسے وہ شخص جو پکارتا ہے اسے جو نہ سن سکے سوا پکارنے اور چلانے کے
ثقف	يثقف	اس نے پایا	فاما تثقفنهم فی الحرب فشرد بهم من خلفهم (الانفال ٥٧) اگر تو پائے ان کو میدان جنگ میں تو ان کو اس طرح بھگائیں کہ ان کے پچھلے بھی بھاگ جائیں
حلق	يحلق	اس نے منڈایا	ولا تحلقو رءوسكم (البقره ١٩٦) اور تم نہ منڈاوا اپنے سروں کو جب تک کہ جانور (جلدی) اپنی جگہ نہ پہنچ جائے

حبط	یحبط	وہ ضائع ہوا	ولو اشرکوا لحبط عنهم ما کانوا یعملون (الانعام ۸۸) اور اگر وہ شرک کریں تو انکے نیک اعمال ان سے جاتے رہیں گے
یهبط	یحهط	وہ نیچے گرتا ہے	وان منها لما یهبط من خشیته الله (البقره ۷۴) اور ایسے پتھر بھی ہیں جو اللہ کے خوف سے نیچے گر جاتے ہیں
عنت	یعنت	وہ مشقت میں پڑا	ودوا ما عنتم (آل عمران ۱۱۸) وہ تو چاہتے ہیں کہ تم تکلیف میں (مشقت میں) رہو۔ عزیز علیه ما عنتم (التوبة ۱۲۸) آپ پر گراں ہے کہ تم تکلیف میں پڑے رہو
کبت	یکبت	وہ اوندھے منہ گرا	ومن جاء بالسیئة فکبت وجوهم فی النار (النمل ۹۰) اور جو برائی لائے گا انکے چہرے آگ میں اوندھے ڈالے جائیں گے
وهن	یهن	وہ کمزور ہوا	فما وهنوا لما اصابهم فی سبیل الله (آل عمران ۱۴۶) سو وہ کمزور نہ پڑے اسپر جو انہیں تکلیف آئی اللہ کی راہ میں
محق	یمحق	اس نے مٹادیا	یمحق الله الربوا ویربی الصدقات (البقره ۲۷۶) مٹاتا ہے اللہ سود کو اور بڑھاتا ہے نیکیوں کو
حس	یحس	اس نے قتل کیا	اذ تحسونهم باذنه (آل عمران ۱۵۲) جب تم انکو قتل کر رہے تھے اسکے حکم سے
برز	یبرز	وہ نکلا	ولما برزوا لجالوت و جنوده (البقره ۲۵۰) اور جب وہ سامنے ہوئے جالوت کے اور اس کے لشکروں کے

لان	یلین	وہ نرم پڑ گیا	فبما رحمۃ من اللہ لنت لھم ولو کنت فظا (آل عمران ۱۵۹) سو یہ اللہ ہی کی رحمت ہے کہ تو نرم دل ہوا انکے لئے اور اگر تو ہوتا تند کو سخت دل تو وہ بکھر جاتے تیرے پاس سے
غل	یغل	اس نے خیانت کی	ما کان لنبی ان یغل ومن یغلل یات بما غل (آل عمران ۱۶۱) اور نبی کا کام نہیں کہ وہ خیانت کرے (کچھ چھپا کے رکھے) اور جو کچھ چھپائے گا وہ لائے گا اسے قیامت کے دن
وزر	یزر	اس نے بوجھ اٹھایا	ولا تزر وازرۃ وزر اخری (الاسراء ۱۵) اور کوئی نہ اٹھائے گی بوجھ کسی دوسرے کا
عقب	یعقب	وہ پیچھے آیا	ولی مدبرا ولم یعقب (النمل ۱۰) وہ پیچھے مڑا پیٹھ پھیر کر اور مڑ کر نہ دیکھا
لوی	یلوی	وہ پھرتا ہے	اذ تصعدون ولا تلوون علی احد (آل عمران ۱۵۳) جب تم چڑھے جاتے تھے اور کسی کو مڑ کر بھی نہ دیکھتے تھے
شقی	یشقی	وہ بد بخت ہوا	من اتبع ھدای فلا یضل ولا یشقی (طہ ۱۲۳) جس نے میری سکھلائی راہ کی پیروی کی سو وہ نہ گمراہ ہوگا اور نہ بے نصیب ہوگا
ثنی	یثنی	وہ دہرا کرتے ہیں ۔ لپیٹتے ہیں	یثنون صدورھم لیستخفوا منہ (ھود ۵) وہ دوہرا کرتے ہیں اپنے سینوں کو تا کہ چھپیں ان سے
محص	یمحص	وہ پاک کرتا ہے	ولیمحص ما فی قلوبکم (آل عمران ۱۵۴) اور تا کہ وہ صاف کرے اسے جو ان کے دلوں میں ہے
تلا	یتلو	وہ تلاوت کرتا ہے	واذا تلیت علیھم آیاتہ زادتھم ایمانا (الانفال ۲) اور جب پڑھی جائیں ان پر اسکی آیتیں تو اُنکا ایمان اور مضبوط ہو جاتا ہے

بث	یبث	اس نے پھیلایا	وخلق منها زوجها وبث منهما رجالا كثيرا ونساء (النساء ١) اور اللہ نے اس ایک جان سے اسکی بیوی پیدا کی اور پھر ان دونوں سے پھیلائے بہت سے مرد اور عورتیں
طاب	یطیب	اسے پسند آیا	فانکحوا ما طاب لکم من النساء (النساء ٣) سو تم نکاح کرو جو عورتیں تمہیں اچھی لگیں دو دو تین تین اور چار چار
کسا	یکسو	اس نے پہنا	وانظر الی العظام کیف ننشزها ثم نکسوها لحما (البقره ٢٥٩) اور تو ان ہڈیوں کی طرف دیکھ ہم کیسے انہیں اٹھاتے ہیں پھر ہم انہیں گوشت پہناتے ہیں
عضل	یعضل	اس نے تنگ کیا	ولا تعضلوهن لتذهبوا ببعض ما اتیتموهن الا (النساء ١٩) اور تم انہیں اپنے پاس روکے رکھو کہ تم لے جاؤ اس کا کچھ حصہ جو تم نے انکو دے رکھا تھا
سفح	یسفح	اس نے خون بہایا	الا ان یکون میتة او دما مسفوحا (الانعام ١٤٥) مگر یہ کہ مردار ہو یا بہایا ہوا خون
سفك	یسفك	اس نے خون بہایا	من یفسد فیها ویسفک الدماء (البقره ٣٠) جو اس میں فساد کرے اور خونریزی کرے
نضج	ینضج	اس نے پکایا	کلما نضجت جلودهم بدلنا هم جلودا غیرها (النساء ٥٦) جب بھی انکے چمڑے پک جائیں تو ہم انکے بدلے انہیں اور کھالیں دے دیں گے
شجر	یشجر	اختلاف ہوا	لا یومنون حتی یحکموك فیما شجر بینهم (النساء ٦٥) وہ ہرگز ایماندار نہ ہوں گے جب تک کہ تجھے اپنے ہر اختلاف میں فیصل نہ مان لیں

حال	یحول	وہ حائل ہوا	و حال بینهما الموج (هود ۴۳) اور حائل ہو گئی دونوں میں پانی کی موج
ساء	یسوء	اسے برا لگا	لا تسئلوا عن اشياء ان تبدلكم تسوكم (المائدة ۱۰۱) تم ان چیزوں کے بارے میں نہ پوچھو کہ وہ تمہارے لئے کھل جائیں تو تمہیں برا لگے
عثر	یعثر	اسے خبر ہوئی	فان عثر على انهما استحقا اثما فاخران يقومان مقامهما (المائده ۱۰۷) پھر اگر خبر ہو جاوے تو وہ دونوں حق بات دبا گئے تو دو گواہ اور کھڑے ہوں ان کی جگہ
حاق	یحیق	اسے گھیر لیا	فحاق بالذين سخروا منهم (الانعام ۱۰) سو گھیر لیا ان کو جو ان میں سے ہنسی کرنے والے تھے
نهى	ینهى	وہ روکتا ہے	و ينهى عن الفحشاء والمنكر والبغى (النحل ۹۰) اور روکتا ہے بے حیائی سے نامعقول کام سے اور سرکشی سے
نائى	ینائى	وہ دور ہوتا ہے۔	وهم ينهون عنه وينئون عنه (الانعام ۲۶) اور وہ روکتے ہیں اس سے اور دور ہوتے ہیں اس سے
خاض	یخوض	وہ بات کرتا ہے	انما كنا نخوض ونلعب (التوبة ۶۵) ہم سوائے اس کے نہیں کہ بات میں لگ جاتے اور دل لگی کرتے تھے۔ كنا نخوض مع الخائضين (المدثر ۴۵) اور ہم باتوں میں دھنس جاتے تھے
درس	یدرس	اس نے پڑھا	وبما كنتم تدرسون (آل عمران ۷۹) اور جو تم بھی سے پڑھتے تھے
صغى	یصغى	وہ مائل ہوا	ان تتوبا الى الله فقد صغت قلوبكما (التحريم ۴) سو اگر تم توبہ کرو اللہ کی طرف تو بیشک تم دونوں کے دل مائل ہو رہے ہیں (اللہ کی طرف)

قرف	یقرف	اس نے چھیلا	ومن یقترف حسنة نزد له فیها حسنا (الشوری ۲۳) اور جو نیکی بنائے گا ہم اسے اسمیں اور خوبصورتی دیں گے
خرص	یخرص	وہ قیاسی باتیں کرتا ہے	ان هم الا یخرصون (الانعام ۱۱۶) سوائے اسکے نہیں کہ وہ اٹکل پچو سے کام لے رہے ہیں
ردی	یردی	وہ ہلاک ہوا	ومایغنی عنه ماله اذاتروی (واللیل ۱۱) اور اس سے اس کا مال کچھ دور نہ کرے گا جب وہ ہلاک ہوا (مال کچھ کام نہ آئے گا)۔ لیردوهم (الانعام ۱۳۷) تاکہ انہیں ہلاک کریں
صدف	یصدف	وہ اعراض کرتا ہے	فمن اظلم ممن كذب بایات الله و صدف عنها (الانعام ۱۵۷) سو اس سے زیادہ ظالم کون ہوگا جس نے جھٹلایا اللہ کی آیات کو اور ان سے اس نے روگردانی اختیار کی
خسف	یخسف	وہ دھنس گیا	ان نشاء نخسف بهم الارض (السبا ۹) اگر ہم چاہیں تو انہیں زمین میں دھنسا دیں ـ
خصف	یخصف	اس نے سیا	طفقتما یخصفان علیهما من ورق الجنة (الاعراف ۲۲) اپنے پر وہ درختوں کے پتوں کو سینے لگے
ساق	یسوق	وہ لے گیا	ونسوق المجرمین الی جهنم وردا (مریم ۸۶) اور ہم مجرمین کو جہنم کی طرف پیاسا ہانک لے جائیں گے
وعد	یعد	اس نے ڈرایا	الشیطان یعدكم الفقر ویا مركم بالفحشاء و الله یعدكم مغفرة منه و فضلا شیطان تمہیں ڈراتا ہے محتاج ہونے سے اور اللہ تمہیں وعدہ دیتا ہے مغفرت اور فضل کا
نحت	ینحت	اس نے تراشا	وتنحتون من الجبال بیوتا فارهین (الشعراء ۱۴۹) اور تم پہاڑوں میں گھر بناتے رہے تکلف کرتے

بخس	یبخس	وہ کم کرتا ہے	ولا تبخسوا الناس اشیاء ھم (الاعراف ۸۵) اور تم لوگوں کو ان کی چیزیں کم کرے نہ دو
اس	یاس	اس نے افسوس کیا	ولا تاس علی القوم الفاسقین (المائدۃ ۲۶) اور تو افسوس نہ کرنا ان فاسق لوگوں پر
لقف	یلقف	اس نے پکڑا (اٹھایا)	فاذا ھی تلقف ما یافکون (الاعراف ۱۱۷) سو وہ نگل رہا تھا جو جھوٹ انہوں نے باندھا ہوا تھا
افك	یافك	اس نے بہتان باندھا	ان الذین جاء وا بالافک عصبۃ منکم (النور ۱۱) بیشک جو لوگ یہ بہتان لے کر آئے تمہاری بھی تو ایک جماعت ہے
عرش	یعرش	وہ اوپر چڑھا	ودمرنا ما کان یصنع فرعون وقومہ وما کانوا یعرشون (الاعراف ۱۲۷) اور ہم نے اکھاڑ دیا جو فرعون اور اسکے لوگ بنا رہے تھے اور وہ عمارتیں چڑھا رہے تھے
شمت	یشمت	دوسرے کو ملنے دیا	ولا تشمت بی الاعداء (الاعراف ۱۵۰) سو مت ہنسا مجھ پر دشمنوں کو اور نہ ملا مجھ کو گنہگار لوگوں میں
عدی	یعدو	وہ زیادتی کرتا ہے	اذ یعدون فی السبت (الاعراف ۱۶۳) جب وہ حد سے تجاوز کرتے ہفتہ کے دن
ذرا	یذرا	اس نے پیدا کیا	ولقد ذرانا لجھنم کثیرا من الجن والانس (الاعراف ۱۷۹) اور بیشک ہم نے بہت سے جنوں اور انسانوں کو آگ میں جانے کے لئے پیدا کیا ہے
وجل	یوجل	وہ ڈرتا ہے	قالوا لا توجل انا نبشرك بغلام علیم (الحجر ۵۳) انہوں نے کہا نہ ڈر ہم تجھے ایک علم پانے والے بچے کی بشارت دیتے ہیں

رکم	یرکم	اس نے ڈھیر لگایا	فیرکمه جمیعا فیجعله فی جهنم (الانفال ۳۷) سو اس گند کو ایک جگہ ڈھیر کر دے اور پھر اسے جہنم میں رکھ دے
نکص	ینکص	وہ الٹے پاؤں بھاگا	فکنتم علی اعقابکم تنکصون (المومنون ۶۶) اور تھے تم اپنی اپنی ایڑیوں پر الٹے پاؤں بھاگتے
جنح	یجنح	وہ جھکا	ان جنحوا للسلم فاجنح لها (الانفال ۶۱) اور اگر وہ صلح کے لئے جھکیں تو تو بھی صلح کی طرف آ
لمز	یلمز	وہ طعن کرتا ہے	ومنهم من یلمزك فی الصدقات (التوبة ۵۸) اور ان میں وہ بھی ہیں جو تجھے طعنہ دیتے ہیں خیرات بانٹنے میں (انصاف نہ کرے گا)
مرد	یمرد	اس نے سرکشی کی	ومن اهل المدینة مردوا علی النفاق (التوبة ۱۰۱) اور اہل مدینہ میں ایسے بھی ہیں جو نفاق پر اڑے کھڑے ہیں
زهق	یزهق	وہ جڑ سے گیا	جاء الحق وزهق الباطل (الاسراء ۸۱) حق آیا اور باطل جڑ سے جاتا رہا
دلك	یدلك	اس نے ملا	اقم الصلوة لدلوك الشمس (الاسراء ۷۸) تو قائم کر نماز سورج ڈھلنے سے رات کے اندھیرے تک
هتك	یهتك	بے عزتی کی	
سال	یسیل	وہ بہہ نکلا	فسالت اودیة بقدرها فاحتمل السیل زبدا رابیا (الرعد ۱۷) پھر بہنے لگے نالے اپنے اپنے اندازے میں پھر سیلاب اوپر لے آیا جھاگ پھولا ہوا سمندر
صاح	یصیح	وہ چیخا	فاخذتهم الصیحة مشرقین (الحجر ۷۳) پھر آپکڑا انہیں چنگھاڑ نے سورج نکلتے وقت

باء	یبوء	وہ لوٹا	وباء وابغضب من الله (البقرہ ٦١) اور وہ لوٹے اللہ کا غضب لے کر
نکف	ینکف	اس نے ٹھکرایا	واما الذین استنکفوا واستکبروا فیعذبهم عذابا الیما (النساء ١٧٣) اور وہ لوگ جنہوں نے اسے عار سمجھا اور اپنے کو بڑا جانا سو انہیں اللہ عذاب دے گا دردناک
عجل	یعجل	وہ جلدی کرتا ہے	وعجلت الیک رب لترضی (طه ٨٧) اور میں اے میرے رب تیری طرف جلدی آیا تاکہ تو راضی ہو جائے
هش	یهش	وہ جھاڑتا ہے	اتوکاء علیها واهش بها علی غنمی (طه ١٨) اس پر میں ٹیک لگاتا ہوں اور اس سے پتے جھاڑتا ہوں اپنی بکریوں پر
غرب	یغرب	وہ ڈوبتا ہے	اذا بلغ مغرب الشمس وجدها تغرب فی عین حمئة (الکهف ٨٦) جب وہ پہنچا سورج ڈوبنے کے مقام پر تو اس نے سورج کو ایک سیاہ چشمے میں ڈوبتے پایا
اوی	یاوی	وہ اتر آیا	او اوی الی رکن شدید (هود ٨٠) کاش مجھے تمہارے مقابلہ کی طاقت ہوتی یا میں پناہ لیتا کسی مضبوط جگہ سے
حال	یحول	وہ حائل ہوا	وحال بینهما الموج فکان من المغرقین (هود ٤٣) اور ان دو میں موج حائل ہو گئی اور وہ ڈوبنے والوں میں رہا
غاض	یغیض	گہرا چلا گیا	وغیض الماء و قضی الامر (هود ٤٤) اور سکھا دیا گیا پانی اور ہو چکا کام اور کشتی لگ گئی ? پہاڑ پر
خفض	یخفض	وہ پست ہوا	واخفض جناحک للمؤمنین (ص ٨٨) اور جھکا اپنے بازو ایمان والوں کے واسطے

قدم	یقدم	آگے آگے چلا	یقدم قومه یوم القیمه فاوردهم النار (هود ۹۸) وہ آگے آگے چلے گا اپنی قوم کے اور قیامت کے دن انھیں آگ پر لے آئے گا
رکن	یرکن	وہ جھکا	لقد کدت ترکن الیهم شیاء قلیلا (اسراء ۷۴) البتہ کچھ قریب تھا کہ آپ ان کی طرف تھوڑا سا جھک جاتے
ترف	یترف	وہ عیش میں رہتا ہے	لاترکضوا وارجعوا الی ما اترفتم فیه (الانبیاء ۱۳) بھاگو نہ اور لوٹ جاو وہاں جہاں تم عیش میں رہے
کاد	یکید	وہ قریب کرتا ہے	من بعد ماکاد یزیغ قلوب فریق منهم (التوبة ۱۱۷) بعد اس کے قریب تھا کہ بدل جاتے دل ان میں سے بعض کے پر اللہ مہربان ہوا ان پر
شغف	یشغف	وہ دل میں اترا	امراة العزیز تر اود فتاها عن نفسه قد شغفها حبا (یوسف ۳۰) عزیز مصر کی بیوی اپنے غلام سے خواہش کرتی ہے اسکے جی کو فریفتہ ہوگیا ہے اسکا دل اسکی محبت میں
عصر	یعصر	وہ نچوڑتا ہے	فیه یغاث الناس وفیه یعصرون (یوسف ۴۹) اس میں لوگ بارش دیئے جائیں گے اور اسمیں رس نچوڑیں گے
مار	یمیر	وہ غلہ لاتا ہے	ونمیر اهلنا و نحفظ اخانا (یوسف ۶۵) اور ہم غلہ لائیں گے اپنے گھر اور حفاظت کریں گے اپنے بھائی کی
فقد	یفقد	اس نے کھو دیا	قالوا نفقد صواع الملک ولمن جاء به حمل بعیر (یوسف ۷۲) انہوں نے کہا ہم نہیں پارہے بادشاہ کا پیمانہ اور جو اسے لے آئے اسے ملے گا غلہ ایک اونٹ بوجھ کا
جمع	یجمع	سرپٹ دوڑا	لولوا الیه وهم یجمحون (توبه ۵۷) وہ دوڑیں گے طرف اسکی اسکی رسیاں تڑاتے (بے تحاشا)

صدع	یصدع	کھیتی پھوٹی	فاصدع بما تؤمر (حجر ۹۴) تو کھول کر سنا دے جو تجھ کو حکم ہوا
ینع	ینع	پھل پکے	انظروا الی ثمره اذا اثمر وینعه (الانعام ۹۹) دیکھو تم اسکے پھل کو جب وہ پھلے اور اسکا پکنا
دخر	یدخر	عاجز ہوا	وکل اتوه داخرین (النمل ۸۷) اور سب چلے آئیں اسکے آگے عاجزی سے
نفد	ینفد	وہ ختم ہوا	لنفد البحر قبل ان تنفد کلمات ربی (الکهف ۱۰۹) ضرور سمندر ختم ہو جائے گا بیشتر اسکے کہ میرے رب کی باتیں ختم ہوں
نضد	ینضد	جمع کیا	والنخل بسقات لها طلع نضید (ق ۱۰) اور کھجوریں لمبی اس کا خوشہ تہ بہ تہ
جاس	یجوس	اس نے پتہ لگایا	ولا تجسسوا ولا یغتب بعضکم بعضا (الحجرات ۱۲) اور دوسرے کے امور کا پتہ نہ لگاؤ اور ایک دوسرے کے عیب نہ ڈھونڈو
حنك	یحنك	اس نے تجربہ کار بنایا	لا حتنکن ذریته الا قلیلا (اسراء ۶۲) البتہ میں اسکی اولاد کو چیں دوں گا (قابو میں لے لوں گا) مگر تھوڑے سے
رقب	یرقب	انتظار کرتا ہے	فلما توفیتنی کنت انت الرقیب علیهم (المائده ۱۱۷) پھر جب تو نے مجھے اٹھا لیا تو تو ہی تھا ان پر نگہبان
ضن	یضن	اس نے دکھ دیا	وما هو علی الغیب بضنین (التکویر ۲۴) اور نہیں وہ غیب بتلانے میں تنگ (بخیل)
نسف	ینسف	اس نے بنیاد کھو دی	فقل ینسفها ربی نسفا (طه ۱۰۵) سو آپ کہہ دیں بکھیر دے گا ان کو میرا رب اڑا کر ریزہ ریزہ

حف	یحف	اس نے گھیرا	ان یسئلکموها فیحفکم تبخلوا ویخرج اضغانکم (محمد ۳۷) اگر وہ مانگے تم سے یہ (مال) پھر کرے تنگ تم کو اور ظاہر کر دے تمہارے اندر کی خفگیاں
زهق	یزهق	وہ نکل بھاگا	انما یرید الله لیعذبهم بها فی الحیوة الدنیا وتزهق انفسهم وهم کافرون (التوبة ۵۵) بیشک اللہ چاہتا ہے کہ انہیں دنیا میں بھی عذاب دے اور کفر پر ہی ان کا سانس ختم ہو
باد	یبید	وہ ختم ہوا	قال ما اظن ان تبید هذه ابدا (الکهف ۳۵) اس نے کہا میں گمان نہیں کرتا کہ یہ کبھی بھی ختم ہو (برباد ہو)
جرء	یجرء	وہ فریاد کرتا ہے	اذا مسکم الضر فالیه تجئرون (النحل ۵۳) پھر جب تمہیں کوئی تکلیف پہنچے تو تم اسی کی طرف پناہ کے لئے لوٹتے ہو
وهن	یهن	اس نے ہمت ہار دی	فلا تهنوا فی ابتغاء القوم ان تکونوا تألمون فانهم یألمون کما تألمون (النساء ۱۰۴) . سو ہمت نہ ہارو ان کا پیچھا کرنے میں اگر تمہیں الم کا سامنا ہے تو وہ بھی تو الم اٹھاتے ہیں جس طرح تم اٹھاتے ہو
دل	یدل	اس نے مائل کر دیا	فدلاهما بغرور فلما ذاق الشجرة (الاعراف ۲۲) سو وہ اتار لایا انہیں دھوکے سے پھر جب ان دو نے اس درخت کو چکھا
درا	یدرو	وہ ٹالتا ہے	ویدرون بالحسنة السیئة اولئک لهم عقبی الدار (الرعد ۲۲) اور وہ ٹالتے ہیں برائی کو اچھائی سے
تاه	یتیه	وہ سرگرداں گھوما	یتیهون فی الارض فلا تاس علی القوم الفاسقین (المائده ۲۶) زمین میں سرگرداں پھریں گے سو تو افسوس نہ کر فاسق لوگوں پر

بغی	یبغی	اس نے سرکشی کی	انما حرم ربی الفواحش ... والاثم والبغی (الاعراف ۳۳) سوائے اسکے نہیں کہ میرے رب نے بے حیائی کو حرام ٹھہرا لیا ہے اور گناہ کو اور کسی پر چڑھائی کو
طغی	یطغی	وہ حد سے نکل گیا	انا نخاف ان یفرط علینا او ان یطغی (طٰہ ۴۵) بیشک ہم ڈرتے ہیں کہ وہ ہم پر زیادتی کرے یا وہ سرکشی کرے
غلا	یغلو	وہ مہنگا ہوا	لا تغلوا فی دینکم غیر الحق (المائدہ ۷۷) نہ مبالغہ کرو اپنے دین کی بات میں ناحق
سول	یسول	اس نے بات بنائی	الشیطان سول لہم واملی لہم (محمد ۲۵) شیطان نے بات بنائی ان کے دل میں اور دیر کے وعدے دئے (چکمہ دیا)
حول	یحول	اس نے مالدار کر دیا	وترکتم ما خولنا کم وراء ظہورکم (الانعام ۹۴) اور چھوڑ آئے تم جو ہم نے تمہیں دیا تھا اپنی پیٹھ کے پیچھے
تبر	یتبر	اس نے تباہی کی	ولا تزد الظالمین الا تبارا (نوح ۲۸) اور تو نہ بڑھا ظالموں کو مگر تباہی میں
طیر	یطیر	اس نے نحوست دی	وان تصبہم سیئۃ یطیروا بموسی ومن معہ (الاعراف ۱۳۱) اور اگر انہیں برائی پہنچے تو اسے نحوست بتلاتے ہیں موسیٰ اور اسکے ساتھیوں کی
عزر	یعزر	اس نے مدد دی	وعزرتموہم واقرضتم اللہ قرضا حسنا (المائدہ ۱۲) اور تم نے ان کی مدد کی اور اللہ کو تم نے دیا قرض حسنہ
شرد	یشرد	اسنے سزا دی	فشرد بہم من خلفہم (الانفال ۵۷) سو سزا دے انہیں ایسی کہ جو ان کے پیچھے ہیں وہ بھی بھاگ جائیں

فند	یفند	اس نے دیوانہ کیا	انی لاجد ریح یوسف لولا ان تفندون (یوسف ۹۴) میں یوسف کی خوشبو پا رہا ہوں اگر تم مجھے بڑھاپے کا بہکا نہ کہو
مکن	یمکن	اسنے اختیار دیا	ونمکن لھم فی الارض (قصص ۶) اور ہم انہیں ٹھہرا نہ دیں گے زمین پر ولیمکنن لھم (نور ۵۵) اور وہ انہیں ٹھہرا دے
سکر	یسکر	اس نے بند کیا	تتخذون منه سکرا و رزقا حسنا (النحل ۶۷) اور تم بناتے تھے اس سے نشہ اور روزی اچھی
حسس	یحسس	اس نے کاٹا	ولقد صدقکم الله وعده اذ تحسونهم باذنه (آل عمران ۱۵۲) اور بیشک اللہ نے تم سے اپنے وعدے کو پورا کیا جب تم انہیں اسکے حکم سے قتل کر رہے تھے
سوی	یسوی	اسنے درست کیا	فاذا سویته و نفخت فیه من روحی فقعوا له ساجدین (الحجر ۲۹) سو جب میں اسے درست کر لوں اور اس میں اپنی روح پھونک دوں تو تم سب اسکے آگے سجدے میں گر و
قضی	یقضی	اس نے فیصلہ کیا	ولکن لیقضی الله امرا کان مفعولا (الانفال ۴۲) لیکن اسلئے کہ اللہ اپنے معاملے کا فیصلہ کر دے جو ہو کر رہنے والا ہے
ولی	یولی	وہ منہ موڑ کر بھاگا	ولی مدبرا ولم یعقب (القصص ۲۹) وہ پیچھے لوٹا اور اس نے مڑ کر بھی نہ دیکھا
بوی	یبوی	وہ اترا ٹھہرا	واذ غدوت من اهلک تبوی المومنین مقاعد للقتال (آل عمران ۱۲۱) اور جب تو صبح اپنے گھر سے نکلا مومنین کو بٹھاتے ہوئے جنگ کے مورچوں میں

منی	یمنی	وہ ٹپکایا جاتا ہے	الم یک نطفة من منی یمنی (القیامة ۳۷) کیا وہ اس سے پہلے منی کا قطرہ نہ تھا جو ٹپکائی جاتی
بطی	یبطی	وہ دیر لگاتا ہے	وان منکم لمن لیبطئن (النساء ۷۲) اور بیشک تم میں ہیں جو البتہ دیر کریں گے
بتك	یبتك	اس نے کاٹا	ولامرنهم فلیبتکن اذان الانعام (النساء ۱۱۹) اور میں انہیں حکم دوں گا سو وہ چوپایوں کے کان کاٹیں گے
تمسك	یمسك	پابندی لگائی	ویمسک السماء ان تقع علی الارض (الحج ۶۵) اور وہ آسمان کو روکے ہوئے تھے کہ وہ زمین پر آگرے
کلب	یکلب	کتے کو سدھایا	وماعلمتم من الجوارح مکلبین (المائده ۴) اور جو تم نے سدھایا زخم لگانے والے کتوں کو دوڑاتے ہوئے
کفر	یکفر	اس نے انکار کیا	ومن کفر فعلیه کفره (الروم ۴۴) اور جس نے انکار کیا سو اس کا کفر اسی پر لوٹے گا
رکض	یرکض	وہ بھاگتا ہے	فلما احسوا باسنا اذا هم منها یرکضون (الانبیاء ۱۲) سو جس وقت انہوں نے ہمارے عذاب کو محسوس کیا وہ وہاں سے بھاگنے لگے
دمح	یدمح	اس نے سر پھوڑ دیا	بل نقذف بالحق علی الباطل فیدمغه (الانبیاء ۱۸) بلکہ ہم پھینکتے ہیں حق کو باطل پر سو وہ اس کا سر کوٹتا ہے
فتر	یفتر	وہ تھک گیا	لا یفتر عنهم وهم فیه مبلسون (الزخرف ۷۵) سو نہیں اتر تا وہ ان سے اور وہ نہیں پڑے اس میں آس توڑے
ماد	یمید	وہ ڈھلک گیا	والقی فی الارض رواسی ان تمیدبکم (النحل ۱۵) اور اس نے ڈال دیئے زمین میں بوجھ کہ کہیں تمہیں لے کر جھک نہ پڑے

حاق	یحیق	الٹ پڑا	وحاق بهم ما کانو به یستهزون (الجاثیه ۳۳) اور الٹ پڑی ان پر وہ چیز جس پر ٹھٹھا کرتے تھے
حاف	یحیف	وہ بے انصافی کرے گا	ام یخافون ان یحیف الله علیهم ورسوله (النور ۵) یا ڈرتے ہیں اس سے کہ اللہ ان سے بے انصافی کرے گا اور اس کا رسول
نفش	ینفش	اس نے روند ڈالا	وتکون الجبال کالعهن المنفوش (القارعه ۵) اور ہو جائیں گے پہاڑ جیسے دھنی ہوئی روئی
نفشت	ینفشن	روند گئیں	اذ نفشت فیه غنم القوم (الانبیاء ۷۸) جب قوم کے ریوڑ انہیں رات روند گئے
غاص	یغوص	غوطہ لگایا	ومن الشیاطین یغوصون له (الانبیاء ۸۲) اور اسکے تابع ایسے بھی شیطان ہیں جو اسکے لئے غوطے لگاتے ہیں
کلاء	یکلاء	وہ نگہبانی کرتا ہے	قل من یکلؤکم باللیل والنهار (الانبیاء ۴۲) آپ کہہ دیں کے کون رات اور دن کو تمہاری نگہبانی کرتا ہے
کاد	یکید	البتہ میں تدبیر کروں گا	کذلک کدنا لیوسف (یوسف ۷۶) اس طرح ہم نے یوسف کے لئے ایک تدبیر چلائی
بلونا	نبلو	ہم پرکھتے ہیں	ونبلوکم بالشر والخیر فتنة (الانبیاء ۳۵) اور ہم تم کو پرکھتے ہیں برائی سے اور اچھائی سے آزمانے کو
فار	یفور	وہ ابلا	فاذا جاء امرنا و فار التنور (المومنون ۲۷) اور پھر جب آ پہنچا ہمارا حکم اور تنور تو تو ڈال کشتی میں ہر ایک جوڑا
نقذ	ینقذ	وہ چھڑاتا ہے	افانت تنقذ من فی النار (الزمر ۱۹) سو تو کیا نکال لے گا اسے جو آگ میں ہے
نسل	ینسلون	پھسلتے آتے ہیں	وهم من کل حدب ینسلون (الانبیاء ۹۲) اور وہ ہر گھاٹی (اونچائی) سے پھسلتے چلے آتے ہیں

طوی	یطوی	وہ لپیٹ دے گا	یوم نطوی السماء کطی السجل للکتب (الانبیاء ۱۰۴) جسدن ہم آسمانوں کو لپیٹ دیں گے ایسے جیسے طومار میں کتابیں لپٹی ہوں
لعبوا	یلعبون	وہ کھیلتے ہیں	بل هم فی شک یلعبون (الدخان ۹) بلکہ وہ شک میں پڑے کھیل میں لگے ہیں
لعبن	یلعبن	وہ کھیلتی ہیں	واذا نادیتم الی الصلوۃ اتخذوھا ھزوا و لعبا (المائدہ ۵۸) اور جب تم ان کو نماز کے لئے بلاؤ تو وہ اسے کھیل کود سمجھتے ہیں
قصم	یقصم	اس نے توڑ دیا	وکم قصمنا من قریۃ کانت ظالمۃ (الانبیاء ۱۱) اور ہم نے کتنی بستیاں توڑ دیں جو ظالم تھیں
زکی	یزکی	وہ سنور گیا	ولولا فضل اللہ... ما زکی منکم من احد (النور ۲۱) اور اگر اللہ کا فضل نہ ہوتا تو تم میں سے کوئی بچ نہ پاتا
قتر	یقتر	وہ تنگی کرتا ہے	و وجوہ یومئذ علیھا غبرۃ ترھقھا قترۃ (عبس ۴۱) اور کتنے چہرے ہیں جن پر اس دن غبار ہوگا ان پر سیاہی چڑھ رہی ہوگی
ذھل	یذھل	وہ بھول گیا	یوم ترونھا تذھل کل مرضعۃ عما ارضعت (الحج ۲) جس دن تم اسے دیکھو گے ہر دودھ پلانے والی بھول جائے گی اسے جسے اس نے پلایا
رمی	یرمی	وہ نشانہ باندھتا ہے	وما رمیت اذ رمیت ولکن اللہ رمی (الانفال ۱۷) اور آپ نے تیر زنی نہیں کی جب آپ نے کی بلکہ اللہ تعالی نے تیر پھینکے
اربی	یربی	ابھرا	یمحق اللہ الربو ویربی الصدقات (البقرہ ۲۷۶) اللہ تعالی مٹاتا ہے سود کو اور اٹھاتا ہے ابھارتا ہے صدقات کو

صعر	يصعر	وہ گال پھیلاتا ہے	ولا تصعر خدك للناس (لقمان ۱۸) اور اپنے گال نہ پھلا لوگوں کی تحقیر میں
مرح	يمرح	وہ اتراتا ہے	ولا تمش فی الارض مرحا (لقمان ۱۸) اور نہ چل زمین پر اترا کر (غرور میں)
صهر	يصهر	گل کر نکل جاتا ہے	يصهر به مافی بطونهم والجلود (الحج ۲۰) جو انکے پیٹ میں ہے اسے گلا کر نکال دیا جاتا ہے اور انکی کھالوں کو بھی
دراء	يدرئو	ٹل جائے	ويدرون بالحسنة السيئة (الرعد ۲۲) وہ دور کرتے ہیں برائی کو اچھائی کے ساتھ
لفح	يلفح	جھلس دے گی	تلفح وجوههم النار وهم فيها كالحون (المومنون ۱۰۴) ان کے چہروں کو آگ جھلس دے گی اور اس میں بد شکل ہو رہے ہونگے
جئر	يجئر	وہ چلاتا ہے	اذا مسكم الضر فاليه تجئرون (النحل ۵۳) جب پہنچتی ہے تمہیں کوئی تکلیف تو تم اسی کی طرف گڑگڑاتے ہو (چلاتے ہو)
غض	يغض	وہ نظر نیچی کرتا ہے	وقل للمومنات يغضضن من ابصارهن (النور ۳۱) اور آپ ان مومن عورتوں کو کہہ دیں کہ وہ اپنی نظریں نیچی رکھیں
وجب	يجب	وہ گر پڑا	فاذا وجبت جنوبها فكلوا منها واطعموا (الحج ۳۶) پھر جب وہ اپنی کروٹوں کے بل گر پڑیں تو تم اس میں سے کھاؤ بھی اور کھلاؤ بھی
ذرکم	يذرا	پھیلایا تم کو	وهوالذی ذراء کم فی الارض (المومنون ۷۹) اور وہی ذات ہے جس نے تمہیں زمین پر پھیلا رکھا ہے

طیرنا	یطیر	ہم نے نحوست کی	قالوا طیرنا بک وبمن معک (النمل ۴۷) انہوں نے کہا ہم نے تجھ سے اور تیرے ساتھیوں سے نحوست ہی پائی ہے
بوانا	نبوی	مقرر کر دیا ہم نے	ولقد بوانا بنی اسرائیل مبوا صدق (یونس ۹۳) اور بیشک ہم نے جگہ دی بنو اسرائیل کو سچائی کا ٹھکانہ (پسندیدہ جگہ)
دمرنا	یدمر	اکھاڑا ہم نے	فحق علیها القول فدمرنها تدمیرا (الاسراء ۱۶) سو ان پر بات پوری اتری اور ہم نے انہیں اکھاڑ کر رکھ دیا
مرج	یمرج	وہ چلاتا ہے	مرج البحرین یلتقین بینهما برزخ لا یبغیان (الرحمن ۱۹) اس نے ملایا ہے دو سمندوں کو دونوں کے درمیان ایک حد ہے حائل ہے کہ وہ ایک دوسرے پر چڑھیں
عباء	یعبوء	وہ پروا کرتا ہے	قل ما یعبوء کم ربی لولا دعاؤکم (الفرقان ۷۷) آپ کہہ دیں پروا نہیں کرتا تمہاری میرا رب اگر تم اس کو نہ بھی پکارو
عتوا	یعتی	وہ سرچڑھے	وکاین من قریته عتت عن امرربها ورسله (الطلاق ۸) اور کتنی ہی بستیاں ہیں جو اپنے رب کے اور انکے رسولوں کے حکم سے نافرمان ہوئیں
تبرنا	یتبرا	ہم نے کھو دیا	ولیتبروا ماعلوا تتبیرا (الاسراء ۷) اور تاکہ خراب کر دیں جہاں غالب ہو پوری خرابی
لقف	یلقف	وہ نگل لے	فاذا هی تلقف ما یافکون (الاعراف ۱۱۷) پھر وہ نگلنے لگا انہیں جو انہوں نے جھوٹ کے ساتھ بنائے تھے
ضاق	یضیق	تنگ ہوتا ہے	وضاقت علیهم الارض بما رحبت (التوبه ۲۵) اور زمین اپنی تمام وسعتوں کے باوجود ان پر تنگ تھی

وکزہ	یکز	اسے مکا مارا	فوکزہ موسی فقضی علیہ (القصص ۵) سو موسیٰ نے اسے مکا مارا اور اسکا فیصلہ کر دیا
تظاہر	یظاہر	اسنے مدد کی	قالوا سحران تظاہرا وقالوا انا بکلّ کافرون (القصص ۴۸) انہوں نے کہا دو جادو ایک دوسرے کی تائید کر رہے ہیں اور انہوں نے کہا ہم دونوں کا انکار کرتے ہیں
بطر	یبطر	وہ اترایا	خرجوا من دیارھم بطرا ورياء الناس (الانفال ۴۷) وہ سب نکلے اپنے گھروں میں سے اتراتے ہوئے اور لوگوں کو دکھا کر
بطرت	تبطر	وہ اترائی	وکم اھلکنا من قریۃ بطرت معیشتھا (القصص ۵۸) اور ہم نے کتنی بستیوں کو ہلاک کیا جو اپنی معیشت پر اترا رہی تھیں
حطم	یحطم	وہ روندتا ہے	لونشاء لجعلناہ حطاما فظلتم تفکھون (الواقعہ ۶۵) اگر ہم چاہیں تو کر ڈالیں اسے روندا ہوا سو تم رہ جاؤ کا ہات کہتے باتیں بناتے
بطش	یبطش	اس نے پکڑا	ان بطش ربک لشدید (البروج ۱۲) بیشک تیرے رب کی پکڑ بہت شدید ہے
عدل	یعدل	راہ سے مڑتا ہے	ثم الذین کفروا بربھم یعدلون (الانعام۱) پھر وہ لوگ جو کافر ہوئے اپنے رب سے پھرتے ہیں
سقی	یسقی	وہ پلاتا ہے	قالتالا نسقی حتی یصدر الرعاء وابونا شیخ کبیر (القصص ۲۳) انہوں نے کہا ہم اپنے جانوروں کو پانی پلائیں گی جب تک چرواہے چل نہ دیں (پھیر نہ لے جائیں) اور ہمارا باپ بوڑھا ہے
تمنی	یتمنی	اس نے خیال باندھا	اذا تمنی القی الشیطان فی امنیتہ (الحج ۵۲) جب اس نے خیال باندھا شیطان نے اس کے خیال میں اپنی بات ملا دی

اذن	يوذن	وہ آواز دیتا ہے	فاذن موذن بينهم (الاعراف ۴۴) پس آواز دی آواز دینے والے نے ان میں
بيّت	يبيت	وہ رات کو باتیں کیں	بيت طائفة منهم غير الذى تقول (النساء ۸۱) ان میں سے کچھ لوگ رات مشورہ کرتے رہے خلاف اسکے جو تجھے کہہ چکے تھے
نبيت		ہم نے رات باتیں کیں	والله يكتب ما نبيتون فاعرض عنهم (النساء ۸۱) اور اللہ تعالیٰ لکھ رہے ہیں جو وہ رات باتیں کرتے ہیں سو آپ ان کی طرف دھیان نہ کریں
اثار	تثير سحابا	اٹھاتی ہیں بادل	فتثير سحاباً فسقنه الى بلد ميت (فاطر ۹) سو وہ ہوائیں اٹھاتی ہیں بادل کو پھر ہانک لے گئے ہم اسکو ایک مردہ دیس کی طرف
غشى	يغشى	اسپر غشی وارد ہو گئی	يغشى عليه بالموت اس پر موت کی بے ہوشی وارد ہو
زحزح	يزحزح	وہ دور ہٹاتا ہے	فمن زحزح عن النار وادخل الجنة فقد فاز (آل عمران ۱۸۵) سو جو آگ سے دور کیا گیا اور جنت میں داخل کیا گیا ہو وہ مراد کو پہنچ گیا
حنك	يحنك	چبا کر نرم کیا	
راود	يراود	اسنے پھسلایا	وراودته التى هوفى بيتها عن نفسه وغلقت الابواب (یوسف ۲۳) اور پھسلایا اسے اس عورت نے وہ جس کے گھر میں تھا اور اسنے دروازے بند کر لئے
عاقب	يعاقب	بدلہ لیا	وان عاقبتم فعاقبوا بمثل ماعوقبتم به (النحل ۱۲۶) اور اگر تم بدلا لو تو اسکے برابر ہو جتنی تکلیف تمہیں دی گئی
توكأ	يتوكأ		هى عصاى اتوكأ عليها (طه ۱۸)

زاور	یزاور	اسنے ہٹلیا	وتری الشمس اذا طلعت تزاور عن کہفہم (الکہف ۱۷) اور تو دیکھتا ہے دھوپ کو جب وہ اُنکے غار سے نکلتی ہے تو ہٹ کر جاتی ہے
فادی	یفادی	اس نے فدیہ دیا	ان یاتوکم اساری تفادوهم (البقرہ ۸۵) اور اگر وہ آئیں تمہارے پاس قیدی بن کر تو تم ان کا فدیہ لیتے ہو
داول	یداول	وہ دوسرے حال میں آیا	وتلک الایام نداولها بین الناس (آل عمران ۱۴۰) اور وہ دن ہیں ہم باری باری ان کو بدلتے ہیں لوگوں میں
واری	یواری	وہ چھپاتا ہے	یتواری من القوم من سوء مابشر به (النحل ۵۹) اور وہ چھپتا پھرتا ہے لوگوں سے اسکے برے اثر سے جسکی اسے خبر دی گئی ہے
ضاهه	یضاهه	وہ ریس کرتا ہے	یضاهئون قول الذین کفروا من قبل (التوبہ ۳) وہ ریس کرتے ہیں ان کی بات کی جو اس سے پہلے کفر میں جا چکے
طوف	یطوف	وہ طواف کرتا ہے	فلا جناح علیه ان یطوف بهما (البقرہ ۱۵۸) سو اسے کوئی گناہ نہیں کہ وہ ان کے درمیان پھرے
حاور	یحاور	اس نے باتیں کیں	فقال لصاحبه وهو یحاوره انا اکثر منک مالا (الکہف ۳۴) اس نے اپنے ساتھی سے کہا اور وہ اس سے ہمکلام تھا کہ میں مال میں تم سے آگے ہو
تاذّن	یتاذّن	اس نے خبر دی	واذتاذن ربک لیبعثن علیهم (اعراف ۱۶۷) اور جب تیرے رب نے خبر دی تھی کہ وہ ان پر بھیجے گا (برا عذاب)

	يتوكأ	اس نے ٹیک لگائی	هی عصای اتوکوا علیها واهش بها علی غنمی (طٰہٰ ۱۸) یہ میرا عصا ہے میں اس پر ٹیک لگاتا ہوں اور اس سے اپنے ریوڑ کے لئے پتے بھی جھاڑتے ہیں
اضرب	اضربی	تو مار (اپنی لاٹھی)	اضرب بعصاك الحجر فانفجرت منه (البقرہ ۶۰) اور تو ضرب لگا اپنے عصا سے پتھر پر سو پھوٹ پڑے اس سے چشمے پانی کے
اعبد	اعبدوا	تم عبادت کرو	یا ایها الناس اعبدوا ربکم (البقرہ ۲۱) اے لوگو تم عبادت کرو اپنے رب کی
بشر	بشروا	تو بشارت دے	وبشر عبادی الذین یستمعون القول . فیتبعون احسنه (الزمر ۱۸) اور تو بشارت دے میرے ان لوگوں کو جو بات سنتے ہیں اور اس کے پیچھے ہوتے ہیں جو اس بات کا بہترین پیرایہ ہو
انبئهم	انبانا	توان کو خبر دے	یا آدم انبئهم باسمائهم فلما انباهم (البقرہ ۳۳) اے آدم توان کو انکے ناموں کی خبر دے سو جب اس نے انہیں انکی خبر دی
انبونی	انبئت	تم مجھے خبر دو	انبئونی باسماء هولاء ان کنتم صادقین (البقرہ ۳۱) تم مجھے ان چیزوں کے ناموں کی خبر دو اگر تم سچے ہو
انزلنی	انزله	تو مجھے اتار	رب انزلنی منزلا مبارکا وانت خیر المنزلین (المومنون ۲۹) اے میرے رب تو مجھے اتار برکت کا اتارنا اور تو ہے بہتر اتارنے والا
اهبط	اهبطوا	تم اترو	اهبطوا مصرا فان لکم ما سالتم (البقرہ ۶۱) تم سب کسی شہر میں اترو بس تمہیں ملے گا جو تم نے مانگا
قل	قلن	تو کہہ	قل: انتم اعلم ام الله (البقرہ ۱۴۰) تو کہہ دے تم کو زیادہ خبر ہے یا اللہ کو

قولوا	قولی	تم کہو	قولوا للناس حسنا واقیموا الصلوۃ (البقرہ ۸۳) تم لوگوں کو اچھی بات کہو اور تم نماز قائم کرو
اجعل	اجعلی	تو بنا دے	رب اجعل ھذا بلدا امنا (البقرہ ۱۲۶) اے رب تو کر اسے امن والا شہر
وارزق	وارزقوا	اور تو رزق دے	وارزق اھلہ من الثمرات (البقرہ ۱۲۶) اور رزق دے اسکے رہنے والوں کو پھلوں سے
اسلم	اسلموا	تو مان لے	اذ قال لہ ربہ اسلم قال اسلمت لرب العالمین (البقرہ ۱۳۱) جب کہا اسے اسکے رب نے تو مان لے تو اس نے کہا میں نے اپنے آپ کو خدا کے آگے جھکایا
اسلم	اسلمی	تو اسلام لے آ	ولکن وقولو اسلمنا (الحجرات ۱۴) لیکن تم یہ کہو ہم اسلام لے آئے (ہم نے اپنے آپ کو بچا لیا ہے)
اسجد	اسجدوا	تو سجدہ کر	ومن اللیل فاسجد لہ وسبحہ لیلہ طویلا (الانسان ۲۶) اور رات کو تم اسکے حضور سجدہ کرو اور لمبی رات اسکے حضور تسبیح پڑھو
ارضعی	ارضعت	تو اسے دودھ پلا	واوحینا الی ام موسی انّ ارضعیہ (القصص ۷) اور ہم نے موسی کی والدہ کی طرف وحی کی کہ تو اسے (اس بچے کو) دودھ پلا
اقلع	اقلعی	تھم جا	ویاسماء اقلعی وغیض الماء وقضی الامر (ھود ۴۴) اور اے آسماں تو تھم جا اور پانی سکھا دیا گیا اور کام ہو چکا
ابلع	ابلعی	نگل جا	وقیل یا ارض ابلعی مائک (ھود ۴۴) اور کہا گیا اے زمیں تو اپنا پانی نگل لے

اجلب	اجلبی	لے آ	واجلب علیھم بخیلک ورجلک (الاسراء ۶۴) اور تو لے آان پر اپنے سوار اور اپنے پیادے
استفزز	استفززی	گھیرالے	واستفزز من استطعت منھم بصوتک (الاسراء ۶۴) اور گھیرالے ان میں سے جس کو تو گھبرا سکے اپنی آواز سے
انذر	انذر	توڈرا	انذر به الذین یخافون ان یحشروا الی ربھم (الانعام ۵۱) اور تو ڈرا ان لوگوں کو جو خوف رکھتے ہیں کہ وہ اپنے رب کے ہاں اکٹھے کیے جائیں گے
ارج	ارجوا	تو مہلت دے	وارجو الیوم الآخر (انعنکبوت ۳۶) اور تم یوم آخر کا انتظار کرو
انظر	انظرونا	مہلت دے	انظرنی الی یوم یبعثون (الاعراف ۱۴) تو مجھے مہلت دے اس دن تک کی جس دن یہ قبروں سے اٹھائے جائیں گے
امن	امنو	تو ایمان لے آ	ویلک آمن ان وعد الله حق (الاحقاف ۱۷) تیری بربادی تو ایمان لے آ بیشک وعدہ الہی حق ہے
صل	صلوا	تو نماز پڑھ	خذ من اموالھم ...وصل علیھم (توبہ ۱۰۳) تو انکے مالوں سے صدقہ وصول کر ...اور تم ان پر نماز پڑھنا تیرا انکی نماز پڑھنا انکے لئے سکون ہوگا
صم	صوموا	تو روزہ رکھ	انی نذرت للرحمن صوما (مریم ۲۶) بیشک میں نے اللہ کے لئے روزے کی نذر کر رکھی ہے
ارسل	ارسلن	تو پیغام دے	فارسل الی ھارون (الشعراء ۱۳) ارسل معنا بنی اسرائیل (الشعراء ۱۷) سو تو ہارون کی طرف پیغام اتار ہمارے ساتھ بنی اسرائیل کو بھیج دے
اسر	اسری	تو رات چل دے	فاسر باھلک بقطع من اللیل (ھود ۸۱) تو رات کے کسی حصہ میں اپنے گھر والوں کی رات سے نکل (رات چل دے)

ارجه	ارجهم	اسے ڈھیل دے	ترجی من تشاء منهن (احزاب ۵۱) توان کو ڈھیل میں رکھے جسے چاہے
امكثوا	امكثى	تم ٹھہرو	فقال لاهله امكثوا انى انست نارا (طٰہٰ ۱۰) سو آپ نے اپنی اہلیہ سے کہا تم یہاں ٹھہرو میں نے ایک آگ دیکھی ہے
القوا	الق	تم ڈالو	قال لهم موسى القوا ما انتم ملقون (یونس ۸۰) موسیٰ علیہ السلام نے کہا تم پھینکو جو تم نے پھینکنا ہے
القوا	القى	انہوں نے ڈال دیں	فلما القوا قال موسى ما جئتم به السحر (یونس ۸۱) سو جب انہوں نے ڈال دیں (رسیاں) موسیٰ نے کہا تم جو کچھ لائے ہو یہ سحر ہے
هلم	اسم فعل بمعنى امر	لاؤ۔ آؤ	والقائلين لاخوانهم هلم الينا (الاحزاب ۱۸) اور اپنے بھائیوں کو کہنے والے چلے آؤ ہماری طرف
هيت	اسم فعل بمعنى امر	لاؤ	
هيت لك		جلدی کرو	وغلقت الابواب و قالت هيت لك (یوسف ۲۳) اور اس نے دروازے بند کر دیے اور کہا جلدی ہے واسطے تیرے
وامر اهلك		اپنے گھر والوں کو حکم دے	وامر اهلك بالصلوة و اصطبر عليها (طٰہٰ ۱۳۲) اور تو حکم دے اپنے گھر والوں کو نماز کا اور اس پر صبر اختیار کر
لا تحرك		حرکت نہ دے	لا تحرك به لسانك لتعجل به (القیامہ ۱۶) نہ دے حرکت اپنی زبان کو کہ تو اسے جلدی لے لے

لا تمسك	تو اسے نہ روک	لا تمسکوا بعصم الکوافر (الممتحنہ ۱۰) اور نہ رکھو اپنے قبضہ میں ناموس کافر عورتوں کے (نہ روکے رکھو اپنے ہاں)
لا تنکح	تو نکاح نہ کر	لا تنکحو ما نکح اباؤکم (النساء ۲۲) تم نکاح نہ کرو ان سے جن سے تمہارے باپ دادا نکاح کر چکے
لا تقعد	تو نہ بیٹھ	ولا تقعد بعد الذکری مع القوم الظالمین (الانعام ۶۸) اور تو نہ بیٹھ یاد آ جانے کے بعد ان لوگوں کے ساتھ جو ظالم ہو چکے
لا تلبس	تو نہ ملا	لاتلبسوا الحق بالباطل (البقرہ ۴۲) تم نہ ملاؤ حق کو باطل کے ساتھ اور نہ چھپاؤ حق کو
لا تقل	تو نہ کہہ	لا تقل لھما اف ولا تنھرھما (بنی اسرائیل ۲۳) تو نہ کہہ ان دونوں میں سے کسی کو اف تک اور نہ انہیں کسی بات میں جھڑکنا
لا تجعل	تو نہ کر۔ نہ رکھ	ولا تجعل یدک مغلولۃ الی عنقک (بنی اسرائیل ۲۹) اور تو نہ رکھ اپنا ہاتھ بندھا ہوا اپنی گردن کے ساتھ
لا تکفر	تو کفر نہ کر	وان تکفروا فان للہ مافی السموات وما فی الارض (النساء ۱۳۱) اور اگر تم نہ مانو گے تو جو کچھ آسمانوں میں ہے اور زمین میں سب اللہ کا ہی تو ہے
لا تفسد	تو فساد نہ کر	لا تفسدوا فی الارض بعد اصلاحھا (الاعراف ۵۶) تم زمین میں اسکے درست ہونے کے بعد فساد نہ کرو
لا تاکل	لا تاکلوا تم نہ کھاؤ	لا تاکلوا اموالکم بینکم بالباطل (النساء ۲۹) تم اپنے مال آپس میں نہ کھاؤ ناحق

لا تخافی	نہ ڈر۔نہ غم کر	لا تخافی ولا تحزنی انارادوہ الیک (القصص ۷)
ولاتحزنی	تو غم نہ کر	اور تو نہ ڈر نہ غم کر بیشک ہم اسے تیری طرف لوٹانے والے ہیں
لا تبتئس	تو غمگین نہ ہو	فلا تبتئس بما کانوا یفعلون (ھود ۳۶) سو غمگین نہ ہو ان کاموں پر جو وہ کر رہے ہیں
لا تنیا	تم کوتاہی نہ کرو	لا تنیا فی ذکری (طہ ۴۲) تم دونوں میری یاد میں کوتاہی نہ کرنا
لا تعدلوا	تم بے انصافی نہ کرو	الا تعدلو . اعدلو ھواقرب للتقوی (المائدہ ۸) کہ تم بے انصافی کرو انصاف کرو یہی تقوی کے زیادہ قریب ہے
لا تقتلوا	تم قتل نہ کرو	لا تقتلوا انفسکم (النساء ۲۹) تم اپنے آپ کو نہ قتل کرو
لا تمار	تو جھگڑا نہ کر	فلا تمار فیھم الا مراء ظاھرا (الکھف ۲۲) سو تو انکے بارے میں کسی جھگڑے میں نہ پڑو مگر یہ کہ کوئی سرسری بات ہو
لا تسرفوا	تم فضول خرچی نہ کرو	کلوا واشربوا ولاتسرفوا (الاعراف ۳۱) تم کھاتے رہو اور پیتے رہو اور فضول خرچی نہ کرو
لا تعبد	تو عبادت نہ کر	لا تعبد الشیطن انہ لکم عدو مبین (یس ۶۰) تم شیطان کی عبادت نہ کرنا بیشک تمہارے لئے ایک کھلا دشمن ہے
لا تعبدوا	تم عبادت نہ کرو	لا تعبدون الا اللہ (البقرہ ۸۳) تم ایک اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو گے (یہ خبر ہے امر نہیں)
لا تعبدی	تو عورت عبادت نہ کر	تو (ایک عورت) عبادت نہ کر (یہ نہی ہے خبر نہیں)

لا تصل	تو نماز نہ پڑھ	لا تصل علی احد منهم مات (التوبہ ۸۴) تم ان میں سے کسی کی نماز (جنازہ) نہ پڑھنا جب وہ فوت ہو جائے
لا تغلوا	تم غلو نہ کرو	یا اهل الکتاب لا تغلوا فی دینکم (النساء ۱۷۱) اے اہل کتاب تم اپنے دین میں غلو نہ کرو (مبالغہ نہ کرو)
لا تعد	پھر نہ کرنا	ومن عاد فینتقم الله منه (المائدہ ۹۵) اور جو کوئی پھر سے ایسا کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس سے انتقام لیں گے
لا تعد	نہ ہٹیں	ولا تعد عیناك عنهم ترید زینة الحیوة الدنیا (الکہف ۲۸) اور تیری آنکھیں ان سے نہ ہٹیں کہ تو دنیا کی زندگی کی زینت چاہے
لا تقربوا الصلوة	تم نماز کے قریب نہ جاؤ	لا تقربوا الصلوة وانتم سکاری (النساء ۴۳) تم نماز کے قریب نہ جاؤ جب تم نشہ کی حالت میں ہو
لا تضحیٰ	تجھے دھوپ نہ لگے	انک لا تظمؤا فیها ولا تضحی (طٰہٰ ۱۱۹) تو نہ اس میں پیاسا ہو اور نہ تجھے وہاں دھوپ لگے

عصبه	قوت والے	جماعت عصب۔ پٹھا اعصاب۔ باپ کی جانب سے رشتہ دار عصب یعصب پٹی باندھنا
ولیخه	بھیدی	باہر سے داخل ہوا۔ رازدار تولج ۔ تو داخل کرتا ہے ولج ۔ یلج داخل ہوتا ہے
سقایه	پیالہ	مشک سقا ۔ مسقا پانی پلانے کی جگہ ۔ سقی یسقی
نحله	خوشی سے	شہد کی مکھی نحل ۔ عطیہ انتحل دوسرے روپ میں آیا نحل وہ دبلا ہوا
قارعه	مصیبت	قرع کھٹکھٹایا ۔ قرعہ میں غالب آیا اقرعہ گنجا۔ یقرع کوڑا
حمئة	گرم چشمہ	حمیم رشتہ دار۔ ج احم ۔ محموم بخار والا۔ حما کیچڑ نکالا
بحیره	وہ اونٹنی جو دس بچے دے اور آخری نر	بحر الارض اس نے زمین کو شق کیا
سائبه	تھان پر چھوڑی گئی اونٹنی	ساب یسیب پانی کا ہر طرف بہنا
وصیلة	مادہ بچے جننے والی	تواصل الرجلان ایک دوسرے سے ملنا جلنا رکھنا
ظله	سائبان	ج ظلل ۔ مظله چھتری
بضاعه	مال تجارت	ج بضائع ۔ بضع تین سے زیادہ تعداد ۔ بضع یبضع اس نے بات سمجھی
امنیه	امید	المنوی آرزو ۔ منی اس نے آرزو کی ۔ المنیه امید ۔ المنیة موت

نطیحه	سینگ سے مرا	نطح ینطح اس نے سینگ مارا ۔ ناطح وحشی جانور
حفده	پوتے	حفید ج حفداء ۔ حافد خادم۔ احفد اس نے جلدی کی
اکنة	پردے	اکنه گھونسلا جنے کی جگہ
وقر	بوجھ	وقیر الرجل آدمی باوقار ہوا
قتر	سیاہی	گردوغبار ۔ قتر علی عیاله روزی میں تنگ ہونا
دبر	شہد کی مکھیوں کی جھنڈ	دبر برا حال ۔ دبور ہلاکت
وبر	اونٹ کی اون	وبر یوبرد بہت اون والا ہوا
حبر	عالم	ج احبار ۔ جر سیاہی
قطر	تانبا	پگھلا ہوا تانبا ملمع کی سی چادر
عیر	قافلہ	عائر ۔ مزدور چکر لگانیوالا
حذر	پرہیز	حذر یحذر محذور لازم آتا ہے
رجز	گندگی عذاب	میدان جنگ میں شعر پڑھنے کو رجز پڑھنا کہتے ہیں
قرد	بندر	ج قراد ۔ قرداون کا ردی حصہ
نکد	ناقص	نکد العیش زندگی تنگ ہوگی
عصد	مددگار	ج اعصناد معصند تھیلی بنوہ
امد	مدت	ج آماد ۔امدی اس نے مہلت دی
رغد	سیر ہوکر	رغد عبثہ اس کی زندگی آسودہ ہوگئی

مقعد	سیٹ	ج مقاعد۔ قعدہ بیٹھا۔ قعدہ نماز میں بیٹھنا
اِد	سخت بات	تادد الامر بات سخت ہو گئی۔ ادید شور
ھد	ٹکڑے ہو کر گرنا	دھماکے سے گرنا۔ ھد الرجل آدمی بوڑھا ہو گیا
بوار	تباہی	البائر غیر مزروعہ زمین۔ البوریاء چٹائی۔ بورق سوڈا
زفیر	چیخ	زفرہ لمبی سانس۔ زفر شیر بہادر
نقیر	کھجور کی گٹھلی کا گڑھا	منقار چونچ۔ نقرہ اس نے اس پر نشانہ لگایا
جدار	دیوار	ج جدر۔ جدیر لائق۔ جدر یجدر لائق ہونا
بدارا	پہلے سوچے ہوئے	بدر الی الشئی اسنے جلدی کی۔ بدر چودھویں کا چاند
قنطار	ڈھیر	ج قناطیر پل۔ بلند عمارت
متبر	برباد ہونے والی	تبرہ اس نے اسے ہلاک کر دیا۔ تبر سونے کی ڈلی
اجدر	لائق	جدیر لائق۔ اجدر زیادہ لائق
مواخر	چیرنے والے	ماخر
معز	بکری	ضان بھیڑ کو کہا جاتا ہے
رکب	قافلہ	مرکب سواری۔ رکاب رکب یرکب وہ سوار ہوا
نصب	محنت	نصیب لنصب وہ تھک گیا۔ زبر کی علامت
جب	کچا کنواں	ج اجباب۔ گڑھا۔ جبہ زرہ
جنب	پہلو	الجنیب گوشہ نشین۔ الجنیب کوتل گھوڑا

حوب	گناہ	احوب گناہگار مونث حوباء ۔ حوبۃ ماں کی ممتا
حقب	سال	ج احقاب ۔ حقیبہ سامان ۔ ج حقائب
واصب	دائمی	وصب یصیب ہمیشہ رہنا ۔ وصب بیماری ۔ توصب درد محسوس کی
دائب	چلنے والا	داب یداب لگاتار کام کرنا ۔ داب عادت
سارب	چرنے والا	السروب چراگاہ میں چلنے والا ہرن ۔ السرب جانور ۔ سربہ جھنڈا
داب	جم کر	ج دواب آہستہ چلنے والا رینگنے والا جانور
حاصب	آندھی پتھروں کی	ج حواصب ۔ الحصب پتھر سنگریزہ ۔ کنکریوں کو اڑانے والی تیز ہوا
نقیب	سردار	قوم کا گواہ ترازو کی زبان ج نقباء بانسری
رقیب	نگران	رقبہ گردن ۔ ج رقاب رقب یرقب ۔ مرقب دور بین
عصیب	سخت	ج عصب عصابۃ جماعت عصب یعصب ۔ عصائب پٹیاں
تتبیب	ہلاکت	تب ہلاک ہوا تبت یدا ابی الھب ۔ تباب کی ۔ تیب ہلاک شدہ
تثریب	بازپرس	کسی فعل کی مذمت کرنا ۔ ثرب یثرب ملامت کرنا
کسف	ٹکڑے	واحد کسفہ کسف یکسف کپڑا کاٹنا ۔ کسیفہ ٹکرا
خلائف	جانشین	ج خلیف خلف یخلف

جرف	کھائی	جراف تمام کھاتا کھا جانے والا۔ جریاف تیز بہا لے جانے والا۔ جرف یجرف اکثر حصہ لے گیا
زخرف	رونق چمک	جھوٹ سے آراستہ ۔ زخارف الما. پانی کے راستے
عجاف	دبلی گائیں	عجیف لاغر ج عجفی عجف یعجف کمزور ہونا
دف	سخت گرمی	ارض مدفا گرم زمین ۔ دفدف اس نے جلدی کی
دف	ڈھولک	دفف الرجل اس آدمی نے دف بجائی
قاصف	سخت جھونکا	گرجنے والا بادل۔ قصف یقصف کھانے اور کھیل میں لگا رہنا
متجانف	جھکنے والا	جنف ظلم ۔ ج جنف ۔ یجنف علیحدہ ہونا
صفصفه	چٹیل میدان	صفصف الرجل بیابان میں اکیلا چلا
فواد	دل	عقل ج افئدہ ۔ فئید بزدل ۔ جنذ الجزف اسپر خوف آگیا ۔ یفئد
جراد	ٹڈیاں	واحد جرادة ۔ جرید ٹہنی مجرد دانتوں کا برش الجرد
کساد	سرد بازاری	کسید گھٹیا چیز۔ کسد یکسد مندا ہونا
حصاد	کاٹنا	محصد درانتی حصید یحصد مضبوط بناوٹ کا ہوتا
مرصاد	گھات	رصد یرصد گھات میں بیٹھنا۔ راصد نگہبان

آصفاد	زنجیریں	ج صفد کی ۔ صفاد رسی ۔ صفده اس نے اسے قید کیا
ملتحد	پناہ کی جگہ	لاحد گورکن ۔ لحد بغلی قبر ۔ الحاد ایک طرف ہو جانا علیحدہ ہو جانا
صدید	پیپ	صداد پردہ ۔ ج اصد ۔ صداد چھپکلی ۔ صدود روکنے والا
منضود	تہ بہ تہ	نضد ترتیب سے رکھا ہوا ڈھیر ۔ نضدید تکیہ ۔ ج نضائد
اکل	پھل	کشادہ ۔ رزق ۔ اکلہ لقمہ اکل یاکل
وجل	ڈرنے والا	ج وجلون ۔ مونث وجلہ ۔ ارجلہ اس سے ڈرایا
رجل	پیادہ	رجل پاؤں ۔ ج ارجال ۔ رجل یرجل پیدل چلنا
معزل	کنارے پر ہونا	معزال علیحدہ چرنے والا ۔ اعزل ایک طرف کو ہو گیا معتزلہ
مل	بھراو	ج املاء ۔ ملا و قوم کی جماعت ۔ ملاء الارض اس نے زمین بھر دی برتن بھرنے کی مقدار
کل	بوجھ	فقیر جسکا کوئی عزیز نہ ہو ۔ یتیم ۔ ج کلول
غل	کینہ	دھوکہ ۔ فریب ۔ غلول خیانت سے حاصل کردہ
خلال	دوستی	خلیل دوست ۔ ج خلان ۔ خل سرکہ ۔ خلال سرکہ بیچنے والا
خیال	ڈراوا	گمان ۔ وہم ۔ خیال ۔ فراست سے خبر معلوم کرنا

نکال	عذاب	نکل پاؤں کی بیڑی ۔ ج انکال۔ نکل ینکل سخت سزا دینا
مختال	اترانے والا	اختال یختال تخایل وہ اکڑ کر چلا
بغال	خچر	واحد بغل ۔ بغال خچر والا۔ بغل وہ تھک گیا
سربال	کرتا	تسربل اس نے کرتا پہنا
بقل	ساگ	باقلہ لوبیا سبزی ترکاری۔ بقال سبزی فروش
طول	مقدور	عرصہ۔ مدت۔ دلال۔ قدرت۔ طاقت۔ فضل و عطا
منزل	مہمان خانہ	ج منازل ۔ نزل ینزل
موئل	پناہ کی جگہ	الوائلۃ اونٹ یا بکریوں کی مینگنیاں ۔ وأل یئل نجات ڈھونڈنا ۔
سہول	نرم زمین	السہلہ ریت جیسی مٹی ۔السہول دست آلود دوا۔ اسہال دست
قمل	جوئیں	واحد قملہ ۔ قمل القوم قوم زیادہ ہوئی ۔ اقمل الراعی چراگاہ اگی
فتیل	دھاگہ	واحد فتیلہ ۔فتال بہت بٹنے والا۔مفتل بٹنے کا آلہ
معزل	کنارا	کنارے پر ہونا ایک طرف ہو جانا
تاویل	انجام	تال مالا۔لوٹنے کی جگہ۔ تاویلہ اس کا مصداق۔ تعابہ سے پھر تاال یوؤل الیہ
عجول	جلدباز	عجلت جلدی۔ عجل یعجل عجیل ناشتہ پانی جو جلدی میں ہو سکے

ضان	بھیڑ	معز بکری۔ اضان بہت بھیڑوں والا
خدن	چھپا دوست	خدین دوست ۔الخدنہ بہت دوستوں والا
قنوان	گچھا	قنو کھجور کا گچھا۔ اسکی جمع قنوان قنی یقنی مال حاصل کرنا
شنان	دشمنی	شانئک تیرا دشمن شناعت بغض دشمنی برائی
ثعبان	بڑا سانپ	ج ثعابین عجب اس نے لوٹ (تباہی) ڈالی
عوان	درمیان کا	ادھیڑ عمر کا ج عون
قطران	گندھک	کولتار کی طرح کی ایک چیز ۔قاطر ٹپکنے والا گوند
فتیان	خدمت گزار لڑکے	فتی نوجوان ۔جمع فتیان ۔ تثنیہ فتیان ۔ فتات نوجوان عورتیں
صنوان	جنکی جڑیں ملی ہوں	صنو حقیقی بھائی۔ ایک جڑ سے دو درخت
مھطعین	دوڑتے ہوئے	معطع ڈرتے ہوئے دوڑا ۔ محطع عاجزی سے ایک طرف نظریں جمانے والا
مقرنین	جکڑے ہوئے	قران قیدی کے باندھنے کی رسی
متوسمین	اہل بصیرت	توسم اس نے بصیرت سے معلوم کرلیا۔ وسیم خوبصورت چہرے والا
مسومین	نشان زدہ	السیمۃ السومۃ علامت اور نشانی
ممترین	شک کرنے والے	مریہ شک۔ لا تکن فی مریہ من العقائثہ
ماکثین	رہنے والے	مکث ٹھہرنا۔ مکث یمکث
مترفین	مالدار لوگ	ترف یترف وہ خوشحال ہوا

قائلون	قیلولہ کرنے والے	کہنے والے قالی بغض رکھنے والا
مرجون	ڈھیل پائے ہوئے	ارجا الامراس نے کام کو موخر کر دیا
مسنون	سڑا ہوا	کیچڑ جس میں سے بو آ رہی ہو۔ مسنون منجن
اکنان	چھپنے کی جگہ	الکن گھر چھپا ہوا۔ ج اکنان۔ اکنہ
افنان	شاخیں	فنن سیدھی شاخ قسم۔ حال افانین الکلام
مدحور	دھکیلا ہوا	دحریر حر (دور کرنا)۔ دحور دھتکار۔ داحر دھتکارنے والے
مثبور	غارت ہوا	ثبوت القرحہ زخم پھٹ گیا۔ مثیر بوچڑ خانہ۔ ثبرۃ صاف کیا ہوا غلہ
میسور	نرمی کی بات	ج میاسیر۔ یسیر جو۔ ا یسار دولت۔ یسی بایاں ہاتھ۔ یاسر گوشت تقسیم کرنے والا
محسور	ہارا ہوا	حسیر تھکا ہوا محسرہ جھاڑو۔ تحاسیر بلائیں حسر یحسر کھول دینا
قتور	تنگ دل	جو نان و نفقہ میں تنگی کرے۔ اقتر علی عیالہ قتر یقتر
حصور	بچنے والا	عورتوں سے کنارہ کش۔ حصیر چٹائی۔ حصر یحصر تنگی ڈالنا۔ احصر اس نے اسے روک دیا
موبق	ہلاکت کی جگہ	قید خانہ وبق۔ یبق ہلاک ہوا۔ موبقات ہلاکت کے اسباب
مرتفق	آرامگاہ	رفاق اونٹنی کے بازو باندھنے کی رسی۔ مرفق کہنی جس سے سہارا لیا جائے۔ ج مرافق

خلاق	حصہ	بھلائی کا حصہ ۔ اخلق الثوب کپڑا پرانا ہو گیا۔ تخلق وہ عادی ہوا
اِملاق	مفلسی	تملق چاپلوسی کرانا۔ ملق درستی ۔ مہربانی ۔دعا ۔کم رفتار گھوڑا
سرادق	قناتیں	سنردق ۔ شامیانہ ۔ دھواں جو بلند ہوا۔ خیمے لگے
شمیق	دھاڑنا	گدھے کا چیخنا ۔ شمقه چیخ ۔تشمق علیه اس پر نظر جمادی
صواع	کٹورا	ج صیعان صاع ایک پیائش کا پیانہ ۔ صوع الریح ہوانے حرکت دی۔ تصوع الشعر بال پراگندہ ہوئے
دمع	آنسو	واحد دمعة دمع الاناء برتن بہہ پڑا
رمح	نیزہ	ج رماح ۔ رمح البرق بجلی آہستہ آہستہ چمکنے لگی
قرح	زخم	جسمیں پیپ پڑ جائے قراح خالص پانی ۔قریح زخمی
جرح	زخم	ج جوارح ۔ جروح اعضاء۔ جریح زخمی۔ اجترح اس نے کمایا
مرح	اتراتا ہوا	مراح نشاط و شادمانی۔ راحت
مرج	چراگاہ	ج مروج ۔ مرج الرابة چوپائے کو چرنے دیا
باخع	ہلاک کرنے والا	غم و غصہ سے اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالنا۔ بخع یبخع ۔ حق کے سامنے جھک جانا
لواقح	بادلوں سے بھری ہوئیں	واحد لاقعه لقوح وہ اونٹنی جو نر کو قبول کرے۔ حاملہ عورتیں

حوت	مچھلی	ج حیتان ۔ آسمان کے ایک برج کا نام ہے
زفات	پورا پورا	رفت یرفت توڑنا جو چیز بوسیدہ ہو جائے
صامت	چپکے	صمت یصمت صمات خاموشی۔ صموت بھاری زرہ
مثلت	کئی عذاب	ج مثلتہ آفت ناک کان کاٹنا۔ امثولہ جو شعر تال میں پیش کیا جائے
مثوی	ٹھہرنے کی جگہ	الثوی مہمان خانہ ۔مثوی منزل ۔ ثوی الرجل آدمی ٹھکانہ کر گیا' مر گیا
مضجع	سونے کی جگہ	ضنبعة کروٹ۔ ضبجعة صابن ۔ضاجع وادی کی ڈھلوان
منسك	قربانی	ناسک عبادت گزار۔ مناسک افعال حج۔ نسک نذر جو؟ کے لئے پیش کی جائے
محیص	بچنے کی جگہ	حاص یحیص علیحدہ ہونا بچ نکلنا۔ حیوص بدکنے والا جانور
متکاء	مجلس ٹھہرنے کی	تکی یتکاء توکا علی عصاء لاٹھی کا سہارا لیا۔ داکاء علی یدیه دونوں ہاتھوں کا سہارا لیا (دعا)
مغلوله	بندھے ہوئے	غلول خیانت کرنا ۔ غلہ اس نے اسکے ہاتھ باندھے ۔ غل دھوکا۔ غلالہ پیاس۔ اغلت الارض زمین نے غلہ دیا
مصرخ	فریاد رس	صرخ یصرخ اس نے فریاد کی۔ چلایا ۔ صارخ

مستودع	جہاں امانت رکھی جائے	ودیعة (امانت) ج ودائع ودع یدع (چھوڑنا)
جاثم	اوندھا	سینہ کو زمین سے لگانے والا ۔ جثمه راکھ کا تودہ ۔ جثمان بدن ۔ مجثم بیٹھنے کی جگہ
غارم	تاوان والا	غرم یغرم قرض ادا کرنا ۔ الغرامة والغرم تاوان ضرر مشقت
مغرم	تاوان	اغرمه قرض کی ادائیگی کو لازم کرنا
سم	سوئی کا ناکہ	سم الخیاط سوئی زہر ۔ سم الفار چوہوں کا زہر ۔ سموم گرم ہوا
ردم	مضبوط دیوار	اردم ماہر ملاح پیوند لگائی جگہ
هشیم	ریزہ ریزہ	هشام سخاوت ۔ کلا هشوم نرم گھاس ۔ اهتشم الناقته اونٹنی کا دھہا
واق	بچانے والا	وقایه بچاؤ کا ذریعہ ۔ وقی یقی وقایتة رحل وقاء
حرض		حرضة گھٹیا قسم کا آدمی ۔ احرضه اس نے اسے گرایا
بث	پریشانی	غبار بث ۔ یبث خبر پھیلانا
فرجاه	معمولی	
ذرعا	دل میں	وعد خان الذرع اس کا دل رنج سے خالی ہے ۔ امرك على ذراعك (تیرا معاملہ تیرے سپرد)

شفا	کنارہ	الشفاء ۔ نئے چاند کا بقیہ حصہ ہر چیز کی حد اور کنارا۔ تثنیہ شفوان
حما	گارا	حمی کیچڑ والی چیز اسم صفت
ظما	پیاس	ظم ج اظماء فعل کی ؟ ظمی۔ یظما (وہ پیاسا ہوا)
تقاہ	بچاؤ	پرہیزگاری۔ وقاہ اللہ اللہ نے اسے بچالیا وقی یقی
اواہ	نرم دل	بہت آہیں بھرنے والا آهته آہ تاوہ وہ درمند ہوا
اِلاً	قرابت داری	ج الل زاری کرنے کی ہیئت۔ ال نالہ وزاری کرنا
آلاء	انعامات	الی نعمت۔ اله یالو کوتاہی کرنا ۔ الیرا چکی ۔ ایلاء قسم کھانا
دکاء	ریزہ ریزہ	ہموار جگہ ج دکوک فعل کی صورت دك ۔ یدك دیوار کر زمین کے برابر کرنا
هواء	اڑے ہوئے	فضا آسمانی ج اهوية بزدل خالی چیز
تلقاء	سامنے	لقا کا اسم ملاقات کی جگہ ۔من تلقاء و نفسه اپنی طرف سے
حوایا	انتڑیاں	ج حوية کٹی ہوئی آنت ۔ جیسے جیہ کی جمع بنایا
حلی	زیورات	ج حلیه حلیت الامراس نے زیور پہنا
ضفدع	مینڈک	ج ضفارع فعل کی صورت ضفدع الرجل سکڑا گر زمارا
مثیثا	تیز دوڑتا	ولی مثیثا وہ تیز بھاگا ۔ حثوث تیز

نسی	آگے پیچھے کرنا	بھولی ہوئی چیز ۔اپنی قوم میں شمار نہ ہونے والا۔ معمولی چیز جسے آگے پیچھے کیا جا سکے
عفو	آسان۔درگزر	العفو بہت معاف کرنے والا۔ عافی درگزر کرنے والا ۔ فعل کی صورت عفا یعفو
بغی	ضد	ظلم فساد بغیہ. مطلوب چیز پونجی۔ بغیہ بدکار عورت
غواش	اوڑھنا	غشی یغشی اس نے ڈھانپ لیا ۔ غاشیہ ڈھانپ لینے والی قیامت
مجذوذ	ختم ہونے والے	توڑے ہوئے ٹکڑے جذ ۔ یجذ اسنے کاٹا ۔ جذارات ٹکڑے
تبیع	پیروی کرنے والا	تباعات تاوان۔ لھذا العمل تبعۃ اس کام میں بازپرس ہے
شاکلہ	طرز ڈھنگ	شاکل کا مونث طریقہ ۔مذہب شواکل شاہراہ سے نکلے راستے
ینبوع	چشمہ	ج ینابیع المنبع ج منابع النسیع پینہ نبع ینبع
ارائك	محنت	اریکہ کی جمع ارك الجرح زخم اچھا ہوگیا ۔ اراك پیلو کا درخت
فارض	بوڑھا	مفرض کاٹنے کا ہتھیار۔ فعل کی صورت فرض یفرض فراضۃ گائے کا عمر رسیدہ ہونا
شرعا	سطح بھرے ہوئے	ابل شرع پانی میں داخل ہونے والے اونٹ
الورد	گھاٹ	وہ پانی جس پر لوگ۔ ورد زعفران شیر بہادر

زبد		جمع زبد ۔ زبدہ مکھن ۔ ازبد الرجل اس کا غصہ جوش میں آگیا
رابی	پھولا ہوا جھاگ	الربا زیادتی اور احسان کہتے ہیں۔ ربوہ ٹیلہ ج ربی فعل ربی یربو رباء
مرسی	ٹھہراؤ	رسی یرسو ایک جگہ ٹھہرنا ۔ قدور الراسیات ایک جگہ ٹھہری دیگیں
من البدو	گاؤں سے	باہر سے من البادیة البدوہ ۔ وادی کا کنارہ
اربی	بڑھا	رباء زیادتی اکثر دوسروں سے زیادہ
طائر	بدشگونی	پرندوں کے اڑنے سے شگون لیتے تھے طیر طائر کی جمع ہے
مکث	ٹھہراؤ	ماکث ٹھہرنے والا ۔ مکیث ٹھہرنے والا ۔ مکث یمکث
عز	مددگار	عز علیہ عزا کریم ہونا ۔عزہ اس نے اسے عزت دی
جرز	چٹیل میدان	بجرز مین اجرز البعیر اونٹ لاغر ہو گیا ۔ جرز کاٹنا
رکز	بھنک	دھیمی آواز زمین کے اندر کی دھاتیں فعل کی صورت رکز ۔یرکز زمین میں گاڑا
معز	بکری	ماعز بکری۔ معزا بکری ۔ ج مواعز بکری کی کھال
الضان	بھیڑ دنبہ	فعل کی صورت میں ضان اس نے بھیڑ کو بکریوں سے جدا کیا
زلق	چٹیل میدان	پھسلنے کی جگہ زلق راسہ اس نے سر مونڈا

شطط	بیجا بات	سمندر کا کنارا شطا ۔ یشطا کنارے پر چلنا۔ شطط اس نے زیادتی کی
سرب	سرنگ	پرندوں کی ڈار۔ تہ خانہ۔ سراب ریگستانی عمارت جو پانی نظر آئے
رحم	محبت	رحم بچہ دانی ۔ ذوی الارحام رشتہ دار
زبر	تختے	زبرہ لوہے کا بڑا ٹکڑا ۔ زبر کتاب ۔ج زبور پتھر تحریر
صدفین	کنارے	پہاڑ کا کنارا۔ صدف سیپی۔ تصادف دوسرے کے مقابل ہوا
موالی	رشتہ دار	مولی دوست۔ مالک۔ آزاد کردہ غلام
عاقر	بانجھ	عتار گھر کا سامان ۔ عقار جڑی بوٹی سے علاج کرنے والا ۔ عقور کاٹنے والا
هین	آسان	نرم کمزور اهون ہلکا سکون سے چلنا ۔ هون رسوائی
مخاض	دردزہ	مخص اللبن اس نے دودھ بویا اسے خوب ہلایا تمخصت الحامل
جزع	جز	ج جزوع جزعة چھوٹا بچہ اچھا پلا ہوا
امت	ٹیلہ	ج اموت فعل کی صورت۔ امتہ اس نے اس کا اندازہ کیا قصد کیا
سحت	رشوت	ج اسحات فعل کی صورت ۔ سحتہ اس نے ہلاک کیا ۔ جڑ سے اکھاڑ دیا
همس	پاؤں کی آہٹ	پست آواز همس الصوت چپکے سے بات کی ۔ همس رات کو چلنے والا

نہی	عقل	النحیة عقل کی جمع۔ النھی کامل العقل۔ نھی شیشہ
عصی	جمع عصا	لاٹھی جماعت فعل کی صورت میں عصی۔ یعصی لاٹھی لینا ۔عصی یعصو لاٹھی سے مارنا
درك	گہرائی	فعل کی صورت میں لاحق ہونا ۔ پکڑے جانا ۔وقت پر پہنچنا
ریشا	آرائش کے کپڑے	پرندے کے پر فعل کی صورت راش ۔ یریش اس نے مال جمع کیا کھلانا پلانا
سیما	نشانی	الوسمة علامت هیئت
فرادی	ایک ایک کر کے	جمع فرد کی فارده اکیلی بکری
سواة	لاش	بری عادت شرمگاہ اسواء ۔مساة گلا گھونٹ کر مار ڈالنا
مرفق	کہنی	وہ چیز جس سے سہارا لیا جائے۔ مرافق کہنیاں۔ یہ رفق نرمی سے ہے
کعب	ٹخنہ	جمع کعاب قدم کے اوپر کی ابھری ہوئی ہڈی ہر بلند چیز کعب الاحبار
نعم	چوپایہ	جمع انعام ۔ کلمہ ایجاب یعنی ہاں نعم۔ افعال مدح میں سے غیر منصرف
خلف	ناخلف جانشین	خلاف چلنے والا ۔خلوف منہ کی بو۔ خلف صحیح جانشین
سری	چشمہ	چھوٹی ندی جمع اسریہ۔ سریہ دستہ فوج کا۔ جمع سرایا

جنی	پکی کھجور	چنا ہوا پھل ۔ جنی الثمر درخت سے پھل توڑا
فری		امر فری گھڑی ہوئی بات۔ فراء جنگلی گدھا
ملی	ایک مدت	زمانہ طویل ملاء کشادہ زمین ۔ملوان رات دن
حصی	بڑا عقلمند	بہت سوال کرنے والا ۔ پورا علم رکھنے والا ۔ حصاہ اس نے منع کیا
نجی	مشورے کی بات	رازدار۔ وصف نجوی مناجات
ماتی	پورا ہونے والا	اتی الامر من ماتاہ اس نے معاملے کو ٹھیک کر دیا
نسی	بھولنے والا	نسی ینسی ایک رگ کا نام ۔ منساء لاٹھی
جثیی	گرم ہوا	جثی زانو کے بل بیٹھنا ۔ الجثوہ پتھروں کا ڈھیر
عتی	سرکش	جمع اعتاء ۔ عتا یعتو (تکبر کرنا) ۔ عتی یعتی سرکش کرنا
ندی	محفل	سبز گھاس رجس جمع اندیہ مجلس جب تک اس میں لوگ رہیں
ری	غور	ریا حقیقت کے خلاف دکھاوا الرئۃ پھیپڑا
مبصرہ	سمجھانے کو	مبصر نگہبان البصر کنارہ موٹائی چھال
عتیاء	انتہا کو	نافرمانی کی جرات میں۔ خوشگوار
مغیاء	مزیدار	ھنوء یھنو بغیر مشقت کے حاصل ہونا۔ ھناہ یھنا (کھانا تیار کرنا)

قرآنِ حکیم کے متعلق غیر مسلموں کے تاثرات

Opinions of Non Muslims inrespect of the Holy Quran

قرآنِ حکیم کے متعلق غیر مسلموں کے تاثرات

F.F. Arbuthnot — **الیف۔ ایف۔ آر بتھناٹ**

From the literary point of view, the Quran is regarded as a specimen of the purest Arabic, written in half poetry and half prose. It has been said that in some cases grammarians have adopted their rules to agree with eertain phrases and expressions used in it, and that though several attempts have been made to produce a work equal to it as far as elegant writing is eoncerned, none has yet succeeded.

ادبی نقطہ نظر سے قرآن کریم خالص عربی زبان کا ایک اعلیٰ ترین نمونہ ہے جس کی عبارت آدھی نظم اور آدھی نثر ہے۔ کہا جاتا ہے کہ ماہرین صرف و نحو نے اس کی آیات کی روشنی میں گرامر کے بیشتر قواعد وضع کیے ہیں اور جہاں تک اس کی شستہ زبان و عبارت کا تعلق ہے۔ کئی کوششوں کے باوجود آج تک کوئی شخص بھی اس کے مقابل عبارت بنانے میں کامیاب نہیں ہو سکا۔

It will thus be seen, from the above, that final and eomplete text of the Quran was prepared within twenty years after the death (A.D. 632) of Muhammad, and that this has remained the same, without any change, or alternation by enthusiasts, translators, or interpolators, up to the present time. It is to be regretted that the same eannot be said of all the books of the old and new testaments.

اس سے یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ اگرچہ قرآن حکیم کو مکمل طور پر (یک جا) کتابی صورت میں ۶۳۲ء میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بیس برس بعد ترتیب دیا گیا تاہم اس کی صحت میں کوئی تبدیلی واقع نہیں ہوئی اور نہ ہی کوئی مترجم یا کوئی جوشیلا شخص یا بدنیت آدمی آج تک اس میں کوئی رد و بدل کر سکا ہے۔ لہٰذا یہ حقیقت بڑے افسوس کے ساتھ ماننا پڑے گی کہ دوسری (آسمانی) کتابوں کے متعلق یہ دعویٰ نہیں کیا جا سکتا۔

(The construction of the Bible and the Koran. London 1885 Page 5)

(دی کنسٹرکشن آف دی بائبل اینڈ دی قرآن ص۵ مطبوعہ لندن ۱۸۸۵ء)

John William Draper — جان ولیم ڈریپر

The koran ahounds in excellent moral suggestions and precepts; its composition is so fragmentary that we cannot turn to a single page without finding maxims of which all men must approve. this fragmentary construction yields texts, and mottos and rules complete in themselves , suitahle for common man in any of the incidents of life.

قرآن حکیم بلند پایہ اخلاقی مضامین اور پند و نصائح سے بھرپور ہے۔ اس کی ترتیب کچھ اس طرح جامع انداز کی ہے کہ ہمیں اس کا کوئی صفحہ ایسا نہیں ملتا جس میں ایسی آیات موجود نہ ہوں جنہیں ہر مکتبۂ فکر کے اشخاص کی تائید و حمایت حاصل نہ ہو۔ اس کی اجزائی ترتیب، اس کے واضح عقائد، قوانین اور متن کی طرف نشاندہی کرتی ہے جو زندگی کے ہر شعبہ میں ہر آدمی کے تمام مسائل سے یکساں مطابقت نظر آتی ہے۔

(A history of the intellectual development of Europe Vol I pp. 343-344 London 1875)

(اے ہسٹری آف دی انٹیلکچوئل ڈیویلپمنٹ آف یورپ جلد ۱ صفحہ ۳۴۳ مطبوعہ لندن ۱۸۷۵ء)

Hartwig Hirschfield — ہارٹ وگ ہرشس فیلڈ

We must not be surprised to find the Quran the fountain head of the sciences. Every subject connected with heaven or earth, human life, commerce and various trades are occasionally touched upon, and this gave rise to production of numerous monographs forming commentaries on parts of the Holy Book. In this way the Quran was responsible for great discussion, and it was indirectly due to marvellous development of all hranches of science in the Muslim world. This again not only affected the Arahs but also induced Jewish philosophers to treat the metaphysical and religious questions after Arab methods. Finally, the way in which Christian scholasticism was fertilised by the Arabian theosophy need not be further discussed.

ہمیں یہ جان کر حیرت نہیں ہونی چاہیئے کہ قرآن حکیم تمام سائنسی علوم کا منبع ہے۔ ہر مسئلہ خواہ اس کا تعلق زمین سے ہو یا آسمان سے، انسانی زندگی سے ہو یا صنعت و تجارت سے قرآن کے اوراق میں کہیں نہ کہیں اس کا ذکر ضرور ملتا ہے اور یہی وجہ ہے کہ اس کے مختلف عنوانات پر اب تک بے شمار تحقیقی مضامین لکھے جا چکے ہیں جو اس متبرک کتاب کے مختلف حصوں کی تفسیر بن چکے ہیں۔ اسی طرح قرآن حکیم کئی مباحث و مناظر کا ذریعہ بھی بنا ہے اور دنیائے اسلام میں سائنسی علوم کی تمام شاخوں

میں بے مثال کامیابی اس کی مرہونِ منت ہے۔ اس حقیقت سے نہ صرف یہ کہ عرب قوم ہی متأثر ہوئی بلکہ قرآن حکیم نے یہودی فلسفیوں کو بھی یہ ماننے پر مجبور کر دیا کہ وہ مذہب اور مابعد الطبیعات جیسے اہم مسائل کو اصولِ عرب کی روشنی ہی میں مانیں جس طریقہ سے عربوں کے مذہبی فلسفہ نے مسیحی مذہب کی منطق کو تقویت پہنچائی ہے وہ محتاجِ بیان نہیں۔

Spiritual activity once aroused within Islamic hounds was not confined to the theological speculations alone. Acquaintance with the philosophical, mathematical, astronomical and medical writings of the Greeks led to the pursuance of these studies. In the descriptive revelations Muhammad repeatedly calls attention to the movement of the heavenly bodies, as parts of the miracles of Allah, forced into the service of man and therefore not be worshipped . How successfully Muslim people of all races pursued the study of astronomy is show by the fact that for centuries they were its principal supporters. Even now many Arabic names of stars and technical terms are in use. Medieval astronomers in Europe were pupils of the Arabs.

دنیائے اسلام کے جونہی روحانی جذبات اُبھرے تو اس کا اثر صرف دینی تصورات تک ہی محدود نہ تھا بلکہ یونانیوں کے فلسفہ حساب، علمِ ہیئت اور طب کی تحریرات نے ان کے دلوں میں ان علوم کے سیکھنے کا جذبہ بیدار کیا۔ جناب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے وحیِ الٰہی کا حوالہ دیتے ہوئے بار بار ہماری توجہ آسمانی حقائق کی طرف مبذول کی ہے جو کہ قدرت کے کرشمہ کا ادنیٰ سا نمونہ ہیں اور یہ سب اعیانِ سماوی آدمی کی خدمت کے لیے وقف ہیں۔ لہٰذا ان کی عبادت و پرستش کی اجازت نہیں۔ مزید برآں مسلمانوں نے جس خوبی اور کمال سے علمِ ہیئت کی تحقیق کی ہے اس کا اندازہ اس حقیقت سے لگایا جا سکتا ہے کہ کئی صدیوں تک صرف وہی اس علم کے بڑے حامیوں میں سے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ قرونِ وسطیٰ کے یورپی ہیئت دان عربوں کے شاگرد رہے ہیں۔

In the same manner the Quran gave an impetus to medical studies and recommended the contemplation and study of Nature in general.

بعینہٖ قرآن حکیم نے طب کی تعلیم پر بھی زور دیا ہے اور مظاہر قدرت میں غور کرنے اور مطالعہ کی تلقین کی ہے۔

(New Researches into the Composition and exegesis of the Quran London 1902)

(نیو ریسرچز ان ٹو دی کمپوزیشن اینڈ ایکسیجیز آف دی قرآن مطبوعہ لندن ۱۹۰۲ء)

Paul Casanova

پال کاسانوا

Whenever Muhammad was asked a miracle , as a proof of the authenticity of his mission, he quoted the composition of the Quran and its incomparable excellence as proof of its Divine origin. And, in fact, even fore those who are non Muslims nothing is more marvellous than its language which with such a prehensile plentitude and a grasping sonority with its simple audition ravished with admiration those primitive peoples so fond of eloquence. The ampleness of its syllables with a grandiose cadence and with a remarkable rhythm have been of much movement in the most hostile and the most sceptic

جب کبھی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے آپ کے مشن کے ثبوت میں کوئی معجزہ طلب کیا جاتا تو آپ قرآن حکیم کی بے مثل اور اعلیٰ تحریر ہی کو اس کے خدائی کلام ہونے کے ثبوت میں پیش کرتے تھے

اور حقیقت بھی یہی ہے کہ ایسے لوگوں کے نزدیک بھی جو کہ غیر مسلم ہیں اس کی زبان حیرت انگیز شان رکھتی ہے جس نے بے انتہا اثر آفرین اور قابل قبول لہجہ سادہ اور دل کو موہ لینے والی آواز نے ان قدیم لوگوں کو بھی جو فصاحت و بلاغت کے دلدادہ تھے تعریف کرنے پر مجبور کر دیا۔ اس کے ارکان تہجی کی فصاحت اس کی نثر کا شاندار وزن اور بحر میں غیر معمولی موزونیت اس کے سخت ترین مخالف اور متشکک کو بھی بات چیت کے وقت اپنی اہمیت کا احساس دلاتی رہتی ہے۔

L 'Enseighnement de I' Arabe au College de France in Lecon d overture for 26th April. 1909

(لی۔ این سیجمنٹ ڈی عرب اور کالج ڈی فرانس ان لیکان ڈی ور چر برائے ۲۶، اپریل ۱۹۰۹ء)

Sir William Muir — سر ولیم میور

The Coran is the ground work of Islam. Its authority is absolute in the matters of religion ,ethics and scienee, equally as in matter of religion the Coran is supreme and much of the tendency is so plain as to admit no question, even among contending sectaries.

قرآن کریم اسلام کی اساس ہے۔ قرآن کریم کی حاکمیت، دینی امور، اخلاقیات اور سائنس سب امور میں ایسی ہے جیسے دینی امور میں۔ قرآن کریم ہر چیز سے فائق ہے اور اس کے بارے میں مسلمانوں کا ذہن اس قدر صاف اور واضح ہے کہ اس کے بارے میں وہ کسی قسم کا کوئی سوال برداشت نہیں کرتے۔

The life of Mahomet. the Coran . VII London 1903

(دی لائف آف محمد صلی اللہ علیہ وسلم ص۷ لندن ۱۹۰۳ء)

Rev G. Margolluth — آر۔ جی۔ مارگولیتھ

The Koran admittedly occupies an important position among the great religious books of the world. Though the youngest of the epoch making works belonging to this class of literature, it yields to hardly any in the wonderful effect which it has produced on large masses of men. It has created an all but new phase of human thought and a fresh type of character.

اقوامِ عالم کی تمام عظیم الہامی کتب میں قرآن مجید بالاتفاق نہایت اہم مقام رکھتا ہے اگرچہ اپنی نوع کے عہد آفرین شہ پاروں میں یہ سب سے آخر میں منصۂ شہود پر آیا تاہم اس نے بنی نوع انسان کی ایک عظیم آبادی پر معجز نما اثر ڈالا ہے۔ اس لحاظ سے یہ تمام الہامی کتب میں سب سے آگے ہے۔ اس نے انسانی فکر کو ایک کامل اور اچھوتے لیکن جدید اخلاقی زاویے سے ہمکنار کیا ہے۔

(Introduction to the Koran by Teo J M Rodwell London 1918)

Harry Gaylord Dorman — ہیری گیلارڈ ڈارمین

It (Quran) is literal revelation of God, dictated to Muhammad by Gabriel, perfect in every letter. It is an ever present miracle witnessing to self and to Muhammad , the Prophet of God. Its miraculous quality resides partly in its style, so perfect and lofty that neither men nor jinn could produce a single chapter to compare with its briefest chapter, and partly in its content of teachings, prophecies about the future, and amazingly accurate information such as the illiterate Muhammad could never have gathered of his own accord.

قرآن مجید خدا تعالیٰ کی الہامی کتاب ہے جو جبریل (امین) کے ذریعے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پر نازل کی گئی اور حرف بہ حرف اکمل ہے۔ یہ ایک اٹل اور لافانی اعجاز ہے جو اپنی اور محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی صداقت کی شہادت دیتا ہے اس کا اعجاز ایک طرف تو اس کا اسلوب بیان ہے جو اس قدر اکمل و جامع اور اعلیٰ و ارفع ہے کہ جنوں اور انسانوں میں سے کوئی بھی اس کی مختصر ترین سورت کے مقابلہ میں کوئی سورت بنا کر نہیں لا سکا اور دوسری طرف اس کا معجزہ، اس کی تعلیمات، مستقبل کی پیش گوئیاں اور معلومات و اخبار ہیں جو اس حد تک ٹھیک ٹھیک ثابت اور ظاہر ہوتی ہیں کہ عقل دنگ رہ جاتی ہے جو کہ محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) ایسا شخص (صلی اللہ علیہ وسلم) اپنی طرف سے کبھی بھی گھڑ کر یا حاصل کر کے انہیں لا سکتا تھا۔

Towards Understauding Islam p.3 New York 1948

ایچ اے۔ آر گبھ

H.A.R. Gibb

Well, then if the Quran were his own composition , other men could rival it. Let them produce ten verses like it. If they could not (and it is obvious that they could not) then let them accept the Quran as an outstanding evidential miracle.

اگر قرآن مجید اس (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کی اپنی تصنیف ہوتا تو پھر دوسرے انسان بھی اس کے مقابلے میں کوئی کتاب تصنیف کر کے لا سکتے تھے۔ انہیں چیلنج کیا گیا کہ وہ بھی اس کی طرح دس آیات لکھ کر لے آئیں اور اگر وہ نہیں لا سکے (اور یہ تو ظاہر ہی ہے کہ وہ لا بھی نہیں سکتے تھے) تو پھر کیوں نہیں وہ قرآن مجید کو ایک ممتاز اور معجزہ مبین تسلیم کر لیتے۔

Muhammadanism p.33 London 1953

Edward Monteith — ایڈورڈ مونٹٹ

All those who are acquainted with the Quran in Arabic, agree in praising the beauty of this religious book; its grandeur of form is sublime that no translation into any European language can allow us to appreciate it.

وہ تمام لوگ جن کو عربی قرآن کا معمولی سا بھی تعارف حاصل ہے۔ ان سب کو اس کے مذہبی کتاب کے حسنِ بیان کی تعریف پر اتفاق کرنے کے سوا کوئی راہ فرار نہیں ہے اس کی عظمت اسلوب اس قدر اعلیٰ وارفع ہے کہ کسی بھی یورپی زبان میں ترجمہ کرکے اس کے طرزِ بیان کو دادِ تحسین پیش نہیں کی جاسکتی۔

Tradition Franchise du Coran, Paris 1929, Introduction page 53

James A Michener — جیمز اے مشنر

The Koran is prohahly the most often read hook in the world, surely the most often memorized, and possibly the most influential in the daily life of the people who helieve in it. Not quite so long as the new Testament, written in an exalted style it is neither poetry nor ordinary prose, yet it possesses the ability to arouse its hearers to ecstasies of faith.

"دنیا میں غالباً قرآن ہی ایسی کتاب ہے جو سب سے زیادہ پڑھی جانے والی سب سے زیادہ حفظ کی جانے والی اور اپنے پیروکاروں کی روزمرہ زندگی میں سب سے زیادہ اثر آفرین

کتاب ہے، عہد نامہ جدید ایسی طوالت بھی نہیں ہے۔ اس کا طرز بیان نہایت ارفع و اعلیٰ ہے جو نہ تو منظوم ہے اور نہ ہی عام بے اثر پھیکی نثر کی مانند ہے۔ لیکن یہ اپنے سامعین کے قلوب کو حلاوت ایمانی سے سرشار کرنے کی بے پناہ تاثیر رکھتی ہے۔

The Koran was revealed to Muhammad between the year 61-632 in the cities of Macca and Median. Devoted scribes wrote it down on scraps of paper, bark and white shoulder blades of animals. the early revelations were dazzling assurances that there was only one God. Merciful and Compassionate . He is Allah, the Creator, the Maker, the fashioner. Whatever is in the Heavens and the earth declares His glory; and He is the Mighty , the Wise.

قرآن مجید حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پر ۶۱۰ء سے لے کر ۶۳۲ء کے درمیانی عرصہ میں مکہ اور مدینہ کے قیام کے دوران نازل ہوا۔ اس کو کاغذات، درختوں کی چھال اور جانوروں کے کولہوں کی ہڈیوں پر نہایت ثقہ اور معتمد کاتبین کی ایک جماعت نے کتابت کیا۔ ابتدائی احکامِ وحی خیرہ کن یقین کامل کے حامل ہوتے تھے یعنی یہ کہ معبودِ حقیقی صرف ایک ہے جو رحمٰن و رحیم ہے اور معبودیت کے سزاوار صرف اللہ تعالیٰ کی ہستی ہے جو کہ کون و مکان کا خالق، فاطر اور بدیع ہے اور زمین و آسمان کی ہر شئے اس کی تسبیح و تحمید کرتی ہے اور وہ عزیز و حکیم ہے۔

It was this message that swept away idols, and inspired men to revolutionise their lives and their nations. In later years when Islam began to penetrate large area of Arabia and had aequired much power, the revelation dealt with the organisation of society, in laws, procedures and problems.

یہی وہ طوفانی پیغام ہے جو اصنام و خس و خاشاک کی طرح بہا کر لے گیا اور بنی نوع انسان کو اپنی زندگیوں اور قوموں میں انقلاب آفرینی کے جذبہ سے سرشار کر گیا۔ عہدِ نبوی کے آخری ایام

میں جب اسلام نے خطہ عرب کے وسیع علاقے میں نفوذ کرنا شروع کیا اور قوت پکڑی تو نزول وحی معاشرے کی تنظیم، مل جل کر رہنے کے قوانین وضوابط اور معاشرتی مسائل کی طرف توجہ دی گئی۔

Many revered names from Christianity and, Judaism appear in the Koran.For example five important chapters are titled Noha, Joseph, Joseph, Abraham and Mary. Lacking specific chapters of their own but playing quite important roles, are Jesus, David, Gliath, Job Moses, Lot and Solomon.

قرآن مجید میں عیسائیت اور یہودیت کی بہت سی مقدس ہستیوں کے اسماء کا ذکر آیا ہے مثلاً پانچ نہایت اہم سورتیں نوح، یونس، یوسف، ابراہیم، مریم علیہم الصلوٰۃ والسلام کے نام کی ہیں۔ اسی طرح اگرچہ عیسیٰ، آدم، داؤد، جالوت، ایوب، موسیٰ، لوط اور سلیمان علیہم الصلوٰۃ والسلام کے نام کی سورتیں تو نہیں ہیں تاہم ان ہستیوں نے بنی نوعِ انسان کی رشد و ہدایت کے لیے جو عظیم الشان خدمات سرانجام دیں ان کا تذکرہ نہایت شرح و بسط سے آیا ہے۔

The Koran is remarkably down to earth in its discussion of the good life. In one memorable passage it directs "When ye deal with each other in transactions involving future obligations, reduce them to writing and get two witnesses, so that if one of them errs the other can remain him. this is just in the sight of God more suitable as evidence, and more convenient to prevent doubts among yourselves.

نیک زندگی کی بحث میں قرآن مجید غیر معمولی طور پر اول تا آخر راضی ہے۔ دنیوی معاملات کے بارے میں کس قدر قابل انداز میں فرمایا:-

"جب معاملہ کرنے لگو اُدھار ایک میعادِ معین تک (کے لیے) تو اس کو لکھ دیا کرو اور دو شخصوں کو اپنے مردوں میں سے گواہ بھی کر لیا کرو۔ تاکہ ان میں سے اگر

کوئی ایک بھول جائے یا غلطی کر جائے تو دوسرا گواہ اس کو یاد دہانی کرادے
اور یہ لکھ لینا انصاف کا زیادہ قائم رکھنے والا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اور
شہادت کا زیادہ درست رکھنے والا ہے اور زیادہ سزاوار ہے اس بات کا
کہ تم (معاملہ) کے متعلق کسی شبہ میں نہ پڑو۔"

It is this combination of dedication of one God, plus practical instruction that makes the Koran unique. Each Islamic nation contains many citizens who are convinced that their land will be governed well only if its laws conform to the Koran.

ایک طرف خدائے واحد کی پرستش اور دوسری طرف زندگی میں عملی ہدایات کا امتزاج
قرآن مجید کو بے مثل کتاب کے رتبۂ عظیم پر فائز کرتا ہے۔ کرۂ ارض کی تمام اسلامی اقوام کی عظیم اکثریت
کا یہ ایمان ہے کہ ان کی اسلامی سلطنتوں کا نظام اسی وقت احسن طریق پر چل سکتا ہے جب کہ وہاں
کے قوانین قرآن مجید سے ہم آہنگ ہوں۔
اسلام ایک ایسا دین ہے جس کو دنیا کی اقوام نے صحیح طور پر سمجھا ہی نہیں۔

"Islam — the Misunderstood Religion" The Reader's Digest, American Edition May 1955

E.Denison Ross ای۔ڈینی سن۔ راس

It must, however, be borne in mind that the Koran plays a far greater role among the Mohammedans than does the Bible

in Christianity in that it provides not only the cannon of faith, but also the text book of their ritual and the principles of their Civil Laws.

اس بات کو ہرگز فراموش نہیں کرنا چاہیئے۔ عیسائی انجیل کو جس قدر عمل دخل حاصل ہے۔ قرآن مجید کو مسلمانوں کی زندگی میں اس سے کہیں بڑھ کر عمل دخل ہے۔ اس میں صرف عقیدۂ ایمان ہی بیان نہیں کیا گیا ہے۔ بلکہ اس کو عبادات، امور و فرائض اور معاشرتی قوانین پر مشتمل کتاب الٰہی کا درجہ بھی حاصل ہے۔

It must not, however, be forgotten that the central doctrine preached by Mohammad was the unity of God, and that the simplicity of his creed was probably a more potent factor in the spread of Islam than the sword of the Ghazis.

اسی طرح اس امر کو بھی ہرگز نظر انداز نہیں کرنا چاہیئے کہ حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے تبلیغ کا مرکزی نقطہ وحدتِ خداوندی تھا۔ اور آپ کے دین و ملت کی اشاعت، غازیوں کی نوکِ شمشیر کی بجائے اپنی سلاست اور سادگی کی رہینِ منت تھی۔

Islam, although seriously affecting the Christian world, brought a spiritual religion in one half of Asia, and it is an amazing circumstance that the Turks, who on several occasion, let loose their Central Asian hoarders over India and the Middle East, though irresistible in the onslaught of their arms, were all conquered in their turn by the faith of Islam and founded Muhammadan dynasties.

اگرچہ اسلام عیسائی دنیا پر شدید طور پر اثر انداز ہو رہا ہے تاہم اس نے براعظم ایشیا کے نصف حصہ کو ایک روحانی ملت و کیش سے ہمکنار کیا ہے اور اس واقعے نے دنیا کو مبہوت کر دیا ہے کہ ترک قوم جس کے وسطی ایشیا کے تاتاری جتھوں نے ہندوستان اور مشرق اوسط پر متعدد بار

یلغار کرکے وہاں غارت گری اور خونریزی کے بازار گرم کیے جس کی یلغار ناقابل مزاحمت تھی جب اس قوم کی طرف اشاعتِ اسلام کا ریلہ آیا تو ملت اسلام نے ان کے (پتھر جیسے) قلوب کو مسخر کرلیا اور وہاں مسلمان سلاطین کے کئی سلسلوں کے زیر نگین اسلامی سلطنت کی داغ بیل پڑ گئی ۔

Thus through all the vicissitudes of thirteen hundred years, the Koran has remained the sacred book of all the Turks and Persians and of nearly a quarter of the population of India. Surely such a book as this deserves to be widely read in the West, more especially in these days when space and time have been almost annihilated by modern invention and when public interest embraces the whole world.

تیرہ سو سال کی گردشِ ایام کے دوران تمام ترک قوم اہل ایران اور ہندوستان کی قریباً ربع آبادی کے نزدیک قرآن کو مقدس کتاب کا درجہ حاصل رہا ہے۔ لاریب، یہ ایسی کتاب ہے جو اس کی حقدار و سزاوار ہے کہ موجودہ مغربی دنیا میں اس کا نہایت وسیع پیمانے پر مطالعہ ہو۔ خاص طور پر موجودہ دور میں جب کہ بنت نئی ایجادات نے کون و مکان کی تمام تمیزیں مٹادی ہیں جب کہ عوامی فلاح کا مفہوم یہ متصور ہونے لگا ہے کہ تمام بنی نوع انسان کو فلاح و بہبود کی دولت سے مالا مال کر دیا جائے۔

Introduction to the Koran (by George State, London, pp.v-vii)

A.J. Arberry — اے. جی آربری

When appreciation rests upon these foundations, the eharges of weary some repetition and jumbled eonfusion become

meaningless. Truth cannot be dimmed by being frequently stated, but only gains in clarity and convincigness at every repetition; and where all is true, in consequence and in comprehensibility are not felt to arise.

جب تحسین و تحمید ان بنیادوں پر مبنی ہو تو ناگوار اور تھکا دینے والی تکرار اور پراگندہ خیالی و بے ربطی کے اعتراضات بے معنی ہو جاتے ہیں. نُورِ صداقت کو اگر بار بار بیان کیا جائے تو ماند پڑنے کی بجائے اور زیادہ صیقل ہوتا ہے اور ہر تکرار اس کی اثر آفرینی کو جلا بخشتی ہے. اور جہاں کوئی شے سراپا صداقت ہی صداقت ہو تو وہاں بے ربطی اور ناقابلِ فہمی ہی بے معنی ہو کر رہ جاتا ہے.

The Holy Koran, an introduction with selection, London 1953, p.17 and p.p. 25-27

دارُالمعارف

الفضل مارکیٹ، اردو بازار، لاہور